

انعام اللبّاری

دروس بخاری شریف

افادات

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب عظمیٰ التعالیٰ

جامعہ دارالعلوم کراچی میں درس بخاری شریف کے دوران
حضرت شیخ الحدیث کی جامع بصیرت افزا اور روز بروز تقاریر

صحیح البخاری : الجزء الثاني

۶۵ - کتاب التفسیر

(۱) سورة الفاتحة - (۲۴) سورة النور

رقم الحديث : ۳۴۷۵ - ۴۷۵۹

جلد - ۱۱

کتاب التفسیر
حصہ اول

ضبط و ترتیب فریق و مراجعت

محمد انور حسین عقی قندہ

فائزل و متخصص جامعہ دارالعلوم کراچی ۱۴

مکتبہ الحراء

Ph.021-35046223, 35159291, Cell: 0300-3360816

E-mail: maktabahera@yahoo.com

website: www.deeneislam.com

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

انعام الباری دروس صحیح البخاری کی طباعت و اشاعت کے جملہ حقوق زیر قانون کاپی رائٹ ایکٹ 1962ء

حکومت پاکستان بذریعہ نوٹیفکیشن نمبر F.21-2672/2006-Copr

رجسٹریشن نمبر 17927-Copr بحق ناشر (مکتبۃ الحراء) محفوظ ہیں۔

انعام الباری دروس صحیح البخاری جلد ۱۱	نام کتاب
شیخ الاسلام مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ اللہ	مترجم
محمد انور حسین (فاضل و متخصص جامعہ دارالعلوم کراچی نمبر ۱۳)	ضبط و ترتیب تخریج و مراجعت
ملکہ: الحراء، ۸/۱۳۱، ڈبل روم "K" ایریا، کورنگی، کراچی، پاکستان۔	ناشر
حراء کمپوزنگ سینٹر فون نمبر: 0092 21 35046223	کمپوزنگ
محمد انور حسین عفی عنہ	باہتمام

ناشر: مکتبۃ الحراء

8/131 سیکٹر 36A ڈبل روم، "K" ایریا، کورنگی، کراچی، پاکستان۔

فون: 35046223 موبائل: 03003360816

E-Mail: maktabahera@yahoo.com & info@deeneislam.com

website: www.deeneislam.com

..... ملنے کے پتے ۱

مکتبۃ الحراء۔ فون: 35159291, 35046223, موبائل: 03003360816

E-Mail: maktabahera@yahoo.com

- | | |
|---|---|
| ادارہ اسلامیات، موہن روڈ، چوک اردو بازار کراچی۔ فون 021 32722401 | ☆ |
| ادارہ اسلامیات، ۱۹۰، انارکلی، لاہور۔ پاکستان۔ فون 042 3753255 | ☆ |
| مکتبہ معارف القرآن، جامعہ دارالعلوم کراچی نمبر ۱۳۔ فون 021 35031565-6 | ☆ |
| ادارۃ المعارف، جامعہ دارالعلوم کراچی نمبر ۱۳۔ فون 021 35032020 | ☆ |
| دارالاشاعت، اردو بازار کراچی۔ فون 021 32631861 | ☆ |



افتتاحیہ

از: شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم (العالمی)
شیخ الحدیث جامعہ دارالعلوم کراچی

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله رب العالمين ، والصلاة والسلام على خير خلقه سيدنا و مولانا
محمد خاتم النبيين و امام المرسلين و قائد الغر المحجلين ، و على آله و اصحابه
اجمعين ، و على كل من تبعهم باحسان الى يوم الدين .
أما بعد :

۲۹ رذی الحجہ ۱۴۱۹ھ بروز ہفتہ کو بندے کے استاذ معظم حضرت مولانا ”منحبات محمول“
صاحب قدس سرہ کا حادثہ وفات پیش آیا تو دارالعلوم کراچی کے لئے یہ ایک عظیم سانحہ تھا۔ دوسرے بہت سے
مسائل کے ساتھ یہ مسئلہ بھی سامنے آیا کہ صحیح بخاری کا درس جو سالہا سال سے حضرت کے سپرد تھا، کس کے حوالہ
کیا جائے؟ بالآخر یہ طے پایا کہ یہ ذمہ داری بندے کو سونپی جائے۔ میں جب اس گرانبار ذمہ داری کا تصور کرتا
تو وہ ایک پہاڑ معلوم ہوتی۔ کہاں امام بخاری رحمہ اللہ علیہ کی یہ پرلوز کتاب، اور کہاں مجھ جیسا مفلس علم اور
تہی دست عمل؟ دور دور بھی اپنے اندر صحیح بخاری پڑھانے کی صلاحیت معلوم نہ ہوتی تھی۔ لیکن بزرگوں سے
سنی ہوئی یہ بات یاد آئی کہ جب کوئی ذمہ داری بڑوں کی طرف سے حکماً ڈالی جائے تو اللہ ﷻ کی طرف
سے توفیق ملتی ہے۔ اس لئے اللہ ﷻ کے بھروسے پر یہ درس شروع کیا۔

عزیز گرامی مولانا محمد انور حسین صاحب سلمہ مالک مکتبۃ الحراء، فاضل و متخصص جامعہ
دارالعلوم کراچی نے بڑی محنت اور عرق ریزی سے یہ تقریر ضبط کی، اور پچھلے چند سالوں میں ہر سال درس کے
دوران اس کے مسودے میری نظر سے گزرتے رہے اور کہیں کہیں بندے نے ترمیم و اضافہ بھی کیا ہے۔ طلبہ کی
ضرورت کے پیش نظر مولانا محمد انور حسین صاحب نے اس کے ”کتاب ہدء الوحی“ سے ”کتاب
النکاح“ آخر تک کے حصوں کو نہ صرف کمپیوٹر پر کمپوز کرایا، بلکہ اس کے حوالوں کی تخریج کا کام بھی کیا جس پر ان
کے بہت سے اوقات، محنت اور مالی وسائل صرف ہوئے۔

دوسری طرف مجھے بھی بحیثیت مجموعی اتنا اطمینان ہو گیا کہ ان شاء اللہ اس کی اشاعت فائدے سے خالی نہ ہوگی، اور اگر کچھ غلطیاں رہ گئی ہوں گی تو ان کی تصحیح جاری رہ سکتی ہے۔ اس لئے میں نے اس کی اشاعت پر رضامندی ظاہر کر دی ہے۔ لیکن چونکہ یہ نہ کوئی باقاعدہ تصنیف ہے، نہ میں اس کی نظر ثانی کا اتنا اہتمام کر سکا ہوں جتنا کرنا چاہئے تھا، اس لئے اس میں قابل اصلاح امور ضرور رہ گئے ہوں گے۔ اہل علم اور طلبہ مطالعے کے دوران جو ایسی بات محسوس کریں، براہ کرم بندے کو یا مولانا محمد انور حسین صاحب کو مطلع فرمادیں تاکہ اس کی اصلاح کر دی جائے۔

تدریس کے سلسلے میں بندے کا ذوق یہ ہے کہ شروع میں طویل بحثیں کرنے اور آخر میں روایت پر اکتفا کرنے کے بجائے سبق شروع سے آخر تک توازن سے چلے۔ بندے نے تدریس کے دوران اس اسلوب پر عمل کی حتی الوسع کوشش کی ہے۔ نیز جو خالص کلامی اور نظریاتی مسائل ماضی کے ان فرقوں سے متعلق ہیں جو اب موجود نہیں رہے، ان پر بندے نے اختصار سے کام لیا ہے، تاکہ مسائل کا تعارف تو طلبہ کو ضرور ہو جائے، لیکن ان پر طویل بحثوں کے نتیجے میں دوسرے اہم مسائل کا حق تلف نہ ہو۔ اسی طرح بندے نے یہ کوشش بھی کی ہے کہ جو مسائل ہمارے دور میں عملی اہمیت اختیار کر گئے ہیں، ان کا قدرے تفصیل کے ساتھ تعارف ہو جائے، اور احادیث سے اصلاح اعمال و اخلاق کے بارے میں جو عظیم روایات ملتی ہیں اور جو احادیث پڑھنے کا اصل مقصود ہونی چاہئیں، ان کی عملی تفصیلات پر بقدر ضرورت کلام ہو جائے۔

قارئین سے درخواست ہے کہ وہ بندہ ناکارہ اور اس تقریر کے مرتب کو اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں۔ جزا ہم اللہ تعالیٰ۔

مولانا محمد انور حسین صاحب سلمہ نے اس تقریر کو ضبط کرنے سے لیکر اس کی ترتیب، تخریج اور اشاعت میں جس عرق ریزی سے کام لیا ہے، اللہ جل جلالہ اس کی بہترین جزا انہیں دنیا و آخرت میں عطا فرمائیں، ان کی اس کاوش کو اپنی بارگاہ میں شرف قبول عطا فرما کر اسے طلبہ کے لئے نافع بنائیں، اور اس ناکارہ کے لئے بھی اپنے فضل خاص سے مغفرت و رحمت کا وسیلہ بنا دے۔ آمین۔

بندہ محمد تقی عثمانی

جامعہ دارالعلوم کراچی ۱۳

۱۳ رجب المرجب ۱۴۳۰ھ

برطانیق ۲۱ مارچ ۲۰۱۹ء بروز جمعرات

عرض ناشر

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

اما بعد۔ جامعہ دارالعلوم کراچی میں صحیح بخاری کا درس ساہا سال سے استاذ معظم شیخ الحدیث حضرت مولانا سحبان محمود صاحب قدس سرہ کے سپرد رہا۔ ۲۹ رزی الحج ۱۴۱۹ھ بروز ہفتہ کو شیخ الحدیث کا سانچہ ارتحال پیش آیا تو صحیح بخاری شریف کا یہ درس مورخہ ۲۴ محرم الحرام ۱۴۲۰ھ بروز بدھ سے شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم کے سپرد ہوا۔ اسی روز صبح ۸ بجے سے مسلسل ۲ سالوں کے دروس (کتاب بدء الوحی سے کتاب رد الجہمیۃ علی التوحید، ۹ کتب) ٹیپ ریکارڈر کی مدد سے ضبط کئے گئے۔ یہ سب کچھ احقر نے اپنی ذاتی دلچسپی اور شوق سے کیا، استاد محترم نے جب یہ صورتحال دیکھی تو اس خواہش کا اظہار کیا کہ یہ مواد کتابی شکل میں آجائے تو بہتر ہوگا، اس بناء پر احقر کو ارشاد فرمایا کہ اس مواد کو تحریری شکل میں لا کر مجھے دیا جائے تاکہ میں اس میں سبقاً سبقاً نظر ڈال سکوں، چنانچہ ان دروس کو تحریر میں لانے کا بنام باری تعالیٰ آغاز ہوا اور اب بحمد اللہ اس کی ۱۲ جلدیں ”انعام الباری شرح صحیح البخاری“ کے نام سے طبع ہو چکی ہیں۔

یہ کتاب ”انعام الباری شرح صحیح البخاری“ جو آپ کے ہاتھوں میں ہے: یہ بڑا قیمتی علمی ذخیرہ ہے، استاد موصوف کو اللہ ﷻ نے جس تبحر علمی سے نوازا ہے اس کی مثال کم ملتی ہیں، حضرت جب بات شروع فرماتے ہیں تو علوم کے دریا بہنا شروع ہو جاتے ہیں، علوم و معارف جو بہت ساری کتابوں کے چھاننے کے بعد خلاصہ عطر ہے وہ ”انعام الباری شرح صحیح البخاری“ میں دستیاب ہے، آپ دیکھیں گے کہ جگہ جگہ استاذ موصوف کی فقہی آراء و تشریحات، ائمہ اربعہ کی موافقات و مخالقات پر محققانہ مدلل تبصرے علم و تحقیق کی جان ہیں۔ صاحبان علم کو اگر اس کتاب میں کوئی ایسی بات محسوس ہو جو ان کی نظر میں صحت و تحقیق کے معیار سے کم ہو اور ضبط و نقل میں ایسا ہونا ممکن بھی ہے تو اس نقص کی نسبت احقر کی طرف کریں اور ازراہ عنایت اس پر مطلع بھی فرمائیں۔ دعا ہے کہ اللہ ﷻ اسلاف کے ان علمی امانتوں کی حفاظت فرمائے، اور ”انعام الباری شرح صحیح البخاری“ کے بقیہ جلدوں کی تکمیل کی باسانی اور توفیق عطاء فرمائے تاکہ حدیث و علوم حدیث کی یہ امانت اپنے اہل تک پہنچ سکے۔

آمین یا رب العالمین۔ وما ذلک علی اللہ بعزیز

بندہ: محمد انور حسین عفی عنہ

لاصل و منخصص جامعہ دارالعلوم کراچی ۱۳

۱۳ رجب المرجب ۱۴۲۰ھ مطابق ۲۱ مارچ ۲۰۱۹ء بروز جمعرات

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
	غضب نازل ہوا، اور نہ اُن کے راستے جو بھٹکے	۳	افتتاحیہ
۶۸	ہوئے ہیں۔	۵	عرضِ ناشر
۶۸	لفظ ”غیر“ کی تفصیل	۳۷	عرضِ مرتب
۶۹	(۲) سورۃ البقرہ	۵۷	۶۵۔ کتاب التفسیر
۶۹	سورہ بقرہ کا بیان	۵۹	تفسیر کا تعارف
۶۹	نزول کے مختلف ادوار	۵۹	تفسیر اور تاویل
۶۹	وجہ تسمیہ	۶۰	کتاب التفسیر کا آغاز حقیقی
	(۱) باب قول اللہ تعالیٰ: ﴿وَعَلَّمَ آدَمَ	۶۰	”رحمن“ اور ”رحیم“ میں فرق
۷۰	الاسماء کُلَّهَا﴾ [۳۱]		
	اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کا بیان کہ ”آدم کو تمام	۶۲	(۱) سورۃ الفاتحہ
۷۰	چیزوں کے نام سکھادیئے۔“	۶۲	سورۃ فاتحہ کا بیان
۷۲	مقصود امام بخاری رحمہ اللہ	۶۲	(۱) باب ما جاء فی فاتحۃ الكتاب
۷۲	شفاعت کا بیان	۶۲	سورہ فاتحہ کی تفسیر اور فضیلت کا بیان
۷۲	شفاعت کے معنی	۶۲	اُمّ الكتاب کی وجہ تسمیہ
۷۳	شفاعت کبریٰ	۶۳	سورۃ الفاتحہ کے مختلف دیگر اسماء اور وجوہ تسمیہ
۷۳	شفاعت صغریٰ	۶۶	حالت نماز میں نبی ﷺ کو جواب دینے کا مسئلہ
۷۴	”حبسہ القرآن“ کی تفسیر	۶۶	امام شافعی اور امام مالک رحمہما اللہ کا استدلال
۷۴	(۲) باب:	۶۶	حنفیہ کا قول
۷۴	یہ باب بلا عنوان ہے۔	۶۶	عظیم سورت
۷۴	ترجمہ و تشریح	۶۷	سبع مثانی سے مراد
	(۳) باب قولہ تعالیٰ: ﴿فَلَا تَجْعَلُوا لِلّٰهِ	۶۸	(۲) باب: ﴿غَيْرِ الْمَفْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا
۷۶	أَنْدَادًا وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ﴾ [۲۲]		الضَّالِّينَ﴾
	اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا بیان: ”ظہد اللہ کے		باب: ”نہ کہ اُن لوگوں کے راستے جن پر

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۸۱	باب: "اگر کوئی شخص جبرائیل کا دشمن ہے۔"	۷۶	ساتھ شریک نہ ٹھہراؤ، جبکہ تم (یہ سب باتیں) جانتے ہو۔
۸۱	مقرب فرشتوں کا اسماء کا مطلب	۷۶	شُرک: سب سے بڑا گناہ
۸۳	عبداللہ بن سلام کے اسلام لانے کا واقعہ	۷۷	پرورش کے خوف سے اولاد کا قتل گناہِ عظیم
	(۷) باب قولہ: ﴿مَا تَنْسَخُ مِنْ آيَةٍ أَوْ لَنْسِيهَا نَاتٍ بِخَيْرٍ مِنْهَا أَوْ مِثْلَهَا﴾	۷۷	پڑوسی کی بیوی سے زناء کا تیسرا بڑا گناہ
۸۵	[۱۰۶]		(۳) باب: ﴿وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ وَأَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّٰنَ وَالسَّلْوٰی﴾ الیٰ
	اس ارشاد کے بیان میں کہ: "ہم جب بھی کوئی آیت منسوخ کرتے ہیں یا اسے بھلا دیتے ہیں تو اس سے یا اسی جیسی (آیت) بھی لے آتے ہیں۔"	۷۸	﴿يُظَلِّمُونَ﴾ [۵۷]
۸۵	یہود کا اعتراض و طعن	۷۸	باب: "اور ہم نے تم کو بادل کا سایہ عطا کیا، اور تم پر من و سلوئی نازل کیا" آیت کے آخر تک
۸۵	تنخ کی حکمت	۷۸	من و سلوئی: بنی اسرائیل پر اللہ کی نعمت کی بارش
۸۶	تنخ آیات کے متعلق حضرت عمرؓ اور جمہور کا موقف	۷۹	آنکھوں کی بیماریوں کیلئے مفید دوا
	(۸) باب: ﴿وَقَالُوا اتَّخَذَ اللَّهُ وَلَدًا﴾		(۵) باب: ﴿وَإِذْ قُلْنَا ادْخُلُوا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ فَكُلُوا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ﴾
۸۷	[۱۱۶]	۷۹	[۵۸] الآیة
	باب: "یہ لوگ کہتے ہیں کہ اللہ نے کوئی بیٹا بنا لیا ہوا ہے، (حالانکہ) اس کی ذات (اس قسم کی چیزوں سے) پاک ہے۔"		باب: "اور (وہ وقت بھی یاد کرو) جب ہم نے کہا تھا کہ: اس بستی میں داخل ہو جاؤ اور اس میں جہاں سے چاہو جی بھر کر کھاؤ۔"
۸۷	اللہ تعالیٰ کے صاحب اولاد ہونے کی نفی	۷۹	بنی اسرائیل کی ناشکری
۸۷	(۹) باب: ﴿وَإِنِ اتَّخَذُوا مِنْ مَّقَامِ إِبْرٰهٖمَ مُصَلًّی﴾ [۱۲۵]	۸۰	ولفاظ کی تشریح
۸۸	باب: "تم مقامِ ابراہیم کو نماز پڑھنے کی جگہ بنا لو۔"	۸۱	(۶) باب: ﴿مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِجِبْرِیْلِ﴾ [۹۷]
۸۸			

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۹۳	[۱۳۲] الآیۃ	۸۸	مقام ابراہیم کی اہمیت و مقام
	اس ارشاد باری تعالیٰ کا بیان کہ: ”اب یہ بے	۸۹	موافقات عمر بن خطاب <small>رضی اللہ عنہ</small>
	وقوف لوگ کہیں گے کہ آخروہ کیا چیز ہے جس	(۱۰) باب: ﴿وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهِيْمُ	
	نے ان (مسلمانوں) کو اُس قبلے سے رخ	الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَاِسْمَاعِيْلُ رَبَّنَا	
۹۳	پھیرنے پر آمادہ کر دیا۔“	تَقْبَلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ﴾	
	(۱۳) باب قولہ تعالیٰ: ﴿وَكَذٰلِكَ	[۱۲۷]	
	جَعَلْنَاكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شٰهَدًا	باب: ”اور اُس وقت کا تصور کرو جب ابراہیم	
	عَلٰى النَّاسِ وَيَكُوْنُ الرُّسُوْلُ عَلَيْنَكُمْ	بیت اللہ کی بنیادیں اٹھا رہے تھے، اور اسماعیل	
۹۲	شٰهِدًا﴾ [۱۳۳]	بھی (انکے ساتھ شریک تھے، اور یہ دونوں	
	ارشاد باری تعالیٰ کا بیان: ”اور (مسلمانو!)	کہتے جاتے تھے کہ: اے ہمارے پروردگار!	
	اسی طرح تو ہم نے تم کو ایک معتدل امت بنایا	ہم سے (یہ خدمت) قبول فرمالے۔ بیشک تو،	
	ہے تاکہ تم دوسرے لوگوں پر گواہ بنو، اور رسول	اور صرف تو ہی، ہر ایک کی سننے والا، ہر ایک کو	
۹۲	تم پر گواہ بنے۔“	جاننے والا ہے۔“	
۹۲	امت محمدیہ کی خصوصیات	بیت اللہ کی تعمیر اور حضرت ابراہیم <small>رضی اللہ عنہ</small> کی	
	باب قول اللہ تعالیٰ: ﴿وَمَا جَعَلْنَا	وَعاء	
	الْقِبْلَةَ الَّتِي كُنْتَ عَلَيْهَا اِلَّا لِنُعَلِّمَ مَنْ	(۱۱) باب: ﴿قُوْلُوْا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَا	
۹۷	يَتَّبِعُ الرُّسُوْلَ﴾ الآیۃ [۱۳۳]	اَنْزَلَ اِلَيْنَا﴾ [۱۳۶]	
	اللہ تعالیٰ کے ارشاد کا بیان کہ: ”اور جس قبلے	باب: ”(مسلمانو!) کہہ دو کہ: ”ہم اللہ پر	
	پر تم پہلے کار بند تھے، اُسے ہم نے کسی اور وجہ	ایمان لائے ہیں، اور اُس کلام پر بھی جو ہم	
	سے نہیں بلکہ صرف یہ دیکھنے کیلئے مقرر کیا تھا کہ	اُتارا گیا ہے۔“	
۹۷	کون رسول کا حکم مانتا ہے۔“	اسرائیلی روایات اور ان کی اقسام	
۹۷	بیت المقدس کو قبلہ بنانا، مقصد امتحان تھا	بنی اسرائیل کا خطاب	
	(۱۵) باب قولہ تعالیٰ: ﴿قَدْ نَرٰی	(۱۲) قولہ تعالیٰ: ﴿سَيَقُوْلُ السُّفٰهَاءُ	
	تَقْلِبَ وَجْهَكَ لِی السَّمٰوٰتِ﴾ الآیۃ	مِنَ النَّاسِ مَا وَّلَاهُمْ عَن قِبَلَتِهِمْ﴾	

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۱۰۱	کا حکم (۱۹) باب: ﴿وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ﴾ [۱۴۹] الآیة	۹۸	[۱۴۴] ارشاد باری تعالیٰ کا بیان کہ: ”(اے پیغمبر!) ہم تمہارے چہرے کو بار بار آسمان کی طرف اٹھتے ہوئے دیکھ رہے ہیں۔“
۱۰۲	باب: ”اور تم جہاں سے بھی (سفر کیلئے) نکلو، اپنا منہ (نماز کے وقت) مسجد حرام کی طرف کرو۔“	۹۸	نبی کریم ﷺ کی قبلہ کی تبدیلی کی خواہش واشتیاق تشریح
۱۰۲	(۲۰) باب: ﴿وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَخَيْفًا كُنْتُمْ لَوْلَا يُجَاهِدُكُمْ شَطْرَهُ﴾ [۱۵۰]	۹۹	(۱۶) باب: ﴿وَلَيْنَ آتَيْتَ الدِّينَ أَوْ تَوَا الْكِتَابَ بِكُلِّ آيَةٍ مَا تَبِعُوا قِبَلَتِكَ﴾ الآیة [۱۴۵]
۱۰۲	باب: ”اور جہاں سے بھی تم نکلو، اپنا منہ مسجد حرام کی طرف کرو۔ اور تم جہاں کہیں ہو، اپنے چہرے کو اسی کی طرف رکھو۔“	۹۹	باب: ”اور جن لوگوں کو کتاب دی گئی تھی اگر تم ان کے پاس ہر قسم کی نشانیوں لے آؤ تب بھی یہ تمہارے قبلے کی پیروی نہیں کریں گے۔“
۱۰۲	تحویل کعبہ کے مراحل	۱۰۰	(۱۷) باب: ﴿الَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ يَعْرِفُونَهُ كَمَا يَعْرِفُونَ آبْنَاءَهُمْ﴾
۱۰۳	(۲۱) باب قوله تعالیٰ: ﴿إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللَّهِ﴾ الآیة [۱۵۸]	۱۰۰	باب: ”جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اس کو اتنی اچھی طرح پہچانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں۔“
۱۰۳	ارشاد باری تعالیٰ کا بیان کہ: ”بے شک صفا اور مرہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں۔“	۱۰۰	پہچاننے سے کیا مراد ہے؟
۱۰۵	صفا و مرہ	۱۰۱	(۱۸) باب: ﴿وَلِكُلِّ وُجْهَةٍ هُوَ مُؤْتَاهَا﴾ الآیة [۱۴۸]
۱۰۶	(۲۲) باب قوله تعالیٰ: ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَتَّخِذُ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَنْدَادًا يُحِبُّونَهُمْ كَحُبِّ اللَّهِ﴾ [۱۶۵]	۱۰۱	باب: ”اور ہر گروہ کی ایک سمت ہے جس کی طرف وہ رخ کرتا ہے۔“ بحث و مباحثہ کے بجائے نیکیوں میں اضافہ

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۱۱۳	الدِّينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينٍ فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَهُ وَأَنْ تَصُومُوا خَيْرٌ لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿	۱۰۶	ارشاد باری تعالیٰ کا بیان کہ: ”اور (اس کے باد جو) لوگوں میں کچھ وہ بھی ہیں جو اللہ کے علاوہ دوسروں کو اس کی خدائی میں طرح شریک قرار دیتے ہیں کہ ان سے ایسی محبت رکھتے ہیں جیسے اللہ کی محبت (رکھنی چاہئے)۔“
	ارشاد باری تعالیٰ کا بیان کہ: ”گنتی کے چند دن روزے رکھتے ہیں۔ پھر بھی اگر تم میں سے کوئی شخص بیمار ہو یا سفر پر ہو تو وہ دوسرے دنوں میں اتنی ہی تعداد پوری کر لے۔ اور جو لوگ اس کی طاقت رکھتے ہوں وہ ایک مسکین کو کھانا کھلا کر (روزے کا) فدیہ ادا کر دیں۔ اسکے علاوہ اگر کوئی شخص اپنی خوشی سے کوئی نیکی کرے تو یہ اس کے حق میں بہتر ہے۔ اور اگر تم کو کبھی ہو تو روزے رکھنے میں تمہارے لئے زیادہ بہتری ہے۔“	۱۰۶	(۲۳) باب: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمْ الْقِصَاصُ﴾ الآية [۱۷۸]
۱۱۳	ابتداء میں فدیہ دینے کی اجازت	۱۰۶	باب: ”اے ایمان والو! جو لوگ (جان بوجھ کر ناحق) قتل کر دیئے جائیں ان کے بارے میں تم پر قصاص (کا حکم) فرض کر دیا گیا ہے۔“
۱۱۳	مریض کا روزہ افطار کرنے کا مسئلہ	۱۰۷	دیت: امت محمدیہ پر اللہ کی خاص عنایت قصاص اور مسالک ائمہ
۱۱۵	(۲۶) باب: ﴿فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمْ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ﴾ [۱۸۵]	۱۰۹	(۲۳) باب: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ﴾ [۱۸۳]
۱۱۵	باب: ”لہذا تم میں سے جو شخص بھی یہ مہینہ پائے، وہ اس میں ضرور روزہ رکھے۔“	۱۱۱	باب: ”اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کردئے گئے ہیں، جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کئے گئے تھے، تاکہ تمہارے اندر تقویٰ پیدا ہو۔“
۱۱۶	روزے میں تبدیلی کے تین مراحل	۱۱۱	کچھلی اُمتوں کا روزہ
۱۱۷	(۲۷) باب: ﴿أَجَلٌ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثِ إِلَىٰ يَسَائِكُمْ﴾ الی قولہ: ﴿وَابْتَغُوا مَا كَتَبَ اللَّهُ لَكُمْ﴾ [۱۸۷]	۱۱۱	(۲۵) باب قولہ تعالیٰ: ﴿أَيَّامًا مُعَدُّوَاتٍ لِمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيضًا أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ وَعَلَىٰ
۱۱۷	باب: ”تمہارے لئے حلال کر دیا گیا ہے کہ		

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۱۲۱	یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے، اور دین اللہ کا ہو جائے، پھر اگر وہ باز آجائیں تو (سمجھ لو کہ) تشدد سوائے ظالموں کے کسی پر نہیں ہوتا چاہئے۔	۱۱۷	روزوں کی رات میں تم اپنی بیویوں سے بے تکلف محبت کرو۔ "تا" اور جو کچھ اللہ نے تمہارے لئے لکھ رکھا ہے اسے طلب کرو۔
۱۲۲	باہمی فتن کے وقت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی احتیاط	۱۱۸	(۲۸) باب: ﴿وَوَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ﴾ الآية [۱۸۷]
۱۲۳	عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور مشاجرات صحابہ	۱۱۸	باب: "اور اس وقت تک کھاؤ پیو جب تک صبح کی سفید دھاری سیاہ دھاری سے ممتاز ہو کر تم پر واضح (نہ) ہو جائے۔"
۱۲۴	حکیمانہ اصول	۱۱۸	سحر اور صبح صادق کی واضح تعیین
۱۲۵	جنگ صفین اور صحابہ کرام ﷺ کا طرز عمل	۱۱۸	(۲۹) باب: ﴿وَلَيْسَ الْبِرُّ أَنْ تَأْتُوا الْبُيُوتَ مِنْ ظُهُورِهَا وَلَكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقَىٰ وَأَتُوا الْبُيُوتَ مِنْ أَبْوَابِهَا﴾ الآية [۱۸۹]
۱۲۸	عثمان و علی رضی اللہ عنہما کا دفاع	۱۱۹	باب: "اور نیکی یہ نہیں کہ گھروں میں آؤ ان کی پشت کی طرف سے اور لیکن نیکی یہ ہے کہ جو کوئی ڈرے اللہ سے اور گھروں میں آئے دروازوں سے۔"
۱۲۹	مخاطب و تصویب راہ مستقیم	۱۱۹	جاہلیت کے طریقوں پر تنبیہ
۱۳۰	(۳۱) باب قولہ: ﴿وَأَنْفِقُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ وَأَحْسِنُوا إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ﴾ [۱۹۵]	۱۱۹	(۳۰) باب قولہ: ﴿وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّىٰ لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ لِلَّهِ فَإِنِ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ إِلَّا عَلَى الظَّالِمِينَ﴾ [۱۹۳]
۱۳۰	اس ارشاد کا بیان کہ: "اور اللہ کے راستے میں مال خرچ کرو، اور اپنے آپ کو خود اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ ڈالو، اور نیکی اختیار کرو۔ بیشک اللہ نیکی کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔"	۱۲۱	اس ارشاد کا بیان کہ: "اور ان سے لڑتے رہو
۱۳۰	دشمن سے دفاع کی تیاری نہ کرنا ہلاکت کا ذریعہ		
۱۳۱	اگلے ابواب کے متعلق تمہید		
-	(۳۲) باب قولہ تعالیٰ: ﴿فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيضًا أَوْ بِهِ أَذَىٰ مِنْ رَأْسِهِ﴾		

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۱۳۷	باب: ”اے ہماری دنیا میں سے وہ بھی ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ: ”اے ہمارے پروردگار! ہمیں دنیا میں بھی بھلائی عطا فرما اور آخرت میں بھلائی عطا فرما۔“	۱۳۱	[۱۹۶]
۱۳۷	جامع ترین دعاء	۱۳۱	اللہ تعالیٰ کے ارشاد کا بیان کہ: ”ہاں اگر تم میں سے کوئی شخص بیمار ہو، یا اس کے سر میں کوئی تکلیف ہو۔“
۱۳۸	باب: ﴿وَهُوَ الَّذِي خَصَّكُمْ﴾ [۲۰۴]	۱۳۲	حالتِ احرام میں بیماری کی وجہ سے سر منڈانے کا حکم
۱۳۸	باب: ”حالانکہ وہ (تمہارے) دشمنوں میں سب سے زیادہ کڑھے۔“	۱۳۳	باب: ﴿لَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ إِلَى الْحَجِّ﴾ [۱۹۶]
۱۳۸	آیت کا پس منظر	۱۳۳	باب: ”تو جو شخص حج کے ساتھ عمرے کا فائدہ بھی اٹھائے۔“
۱۳۹	حیوان سے مراد	۱۳۳	حضرت عمرؓ کی تمتع سے منع کرنے کی حکمت
۱۳۹	باب: ﴿وَأَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَأْتِكُم مَثَلُ الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ﴾ الآية [۲۱۴]	۱۳۳	باب: ﴿لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَبْتَغُوا فَضْلًا مِنْ رَبِّكُمْ﴾ [۱۹۸]
۱۳۹	باب: ”(مسلمانو!) کیا تم نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ تم جنت میں (یونہی) داخل ہو جاؤ گے، حالانکہ ابھی تمہیں اس جیسے حالات پیش نہیں آئے جیسے اُن لوگوں کو پیش آئے تھے جو تم سے پہلے ہو گزرے ہیں۔“	۱۳۳	باب: ”حج کے زمانہ میں تم پر کوئی گناہ نہیں کہ اپنے رب کا فضل تلاش کرو۔“
۱۳۹	مقصود امام بخاری رحمہ اللہ	۱۳۳	زمانہ جاہلیت کی تمام بیہودہ رسموں کا قلع قمع
۱۴۰	حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی تفسیر	۱۳۵	باب: ﴿ثُمَّ أَفِيضُوا مِنْ حَيْثُ أَفَاضَ النَّاسُ﴾ [۱۹۹]
۱۴۱	ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی تفسیر	۱۳۵	باب: ”اس کے علاوہ (یہ بات بھی یاد رکھو کہ) تم اسی جگہ سے روانہ ہو جہاں سے عام لوگ روانہ ہوتے ہیں۔“
۱۴۲	تشریح	۱۳۵	باب: ﴿وَمِنْهُمْ مَنْ يَقُولُ رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً﴾ الآية [۲۰۱]
	باب: ﴿وَنِسَاءٌ كُنَّ حَرْثًا لَكُمْ﴾	۱۳۷	

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۱۵۳	أَجْلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا فَعَلْنَ فِي أَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ﴿۲۳۳﴾ [۲۳۳]	۱۴۳	فَاتُوا حَزَنَكُمْ أَلَىٰ حِسْتُمْ ﴿۲۲۳﴾ [۲۲۳]
	باب: ”اور تم میں سے جو لوگ وفات پا جائیں، اور بیویاں چھوڑ کر جائیں تو وہ بیویاں اپنے آپ کو چار مہینے اور دس دن انتظار میں رکھیں گی۔ پھر جب وہ اپنی (عدت کی) معیاد کو پہنچ جائیں تو وہ اپنے بارے میں جو کارروائی (مثلاً دوسرا نکاح) قاعدے کے مطابق کریں تو تم پر کچھ گناہ نہیں۔ اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے پوری طرح باخبر ہے۔“	۱۴۳	باب: ”تمہاری بیویاں تمہارے لئے کھیتیاں ہیں لہذا اپنی کھیتی میں جہاں سے چاہو جاؤ۔“
۱۵۳	مشکل ترین باب	۱۴۳	تشریح
۱۵۳	”متوفی عنہا زوجہا“ کی عدت کا مسئلہ	۱۴۳	مہم انداز میں ذکر کرنے کی وجہ
۱۵۳	جمہور کی تفسیر اور مسلک	۱۴۳	مسئلہ کی تفصیل اور اقوالِ علما
۱۵۳	جمہور کے مسلک پر اشکال	۱۴۳	حدیث کی تشریح
۱۵۵	جمہور کا جواب	۱۴۳	ذوقِ عربی و نحوی قاعدہ سے حرمت کی تائید
۱۵۵	امام مجاہد رحمہ اللہ کا قول	۱۴۳	باب: ﴿وَإِذَا طَلَقْتُمُ النِّسَاءَ فَلْيَنْ أَجْلَهُنَّ فَلَا تَفْضُلُوهُنَّ أَنْ يَنْكِحَنَّ أَرْوَاجَهُنَّ﴾ [۲۳۲]
۱۵۶	حضرت عطاء بن رباح رحمہ اللہ کا قول	۱۴۳	باب: ”اور جب تم نے عورتوں کو طلاق دے دی ہو، اور وہ اپنی عدت کو پہنچ جائیں، تو (اے میکے والو!) انہیں اس بات سے منع نہ کرو کہ وہ اپنے (پہلے) شوہروں سے (دوبارہ) نکاح کریں۔“
۱۵۸	مجاہد اور عطاء رحمہما اللہ کے اقوال میں فرق	۱۴۳	آیت کا شانِ نزول
۱۵۸	حکماً منسوخ، تلاوتاً اب بھی باقی	۱۴۳	عورت کو نکاح کا حق
۱۶۱	عدت کے بعد جانے کا اختیار	۱۴۳	طلاقِ رجعی اور عدت کی وضاحت
۱۶۳	حاملہ کی عدت وضعِ حمل ہے	۱۴۳	طلاق کے بعد رجعت یا انقطاعِ نکاح دونوں کیلئے خاص ہدایات
۱۶۵	حدیث کی تشریح	۱۴۳	باب: ﴿وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا يَتَرَبِّصْنَ أَنْفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا فَإِذَا بَلَغْنَ

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۱۷۱	اور اپنے پیچھے بیویاں چھوڑ جائیں۔“	۱۶۷	متوفی شوہر کے گھر ساری زندگی گزارنے کا مسئلہ
۱۷۲	(۳۶) باب: ﴿وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ أَرِنِي كَيْفَ تُخَيِّمُ الْمَوْتَىٰ﴾ [۲۶۰]	۱۶۷	(۳۲) باب: ﴿حَفِظُوا عَلَيَّ الصَّلَوَاتِ وَالصَّلَاةَ الْوَسْطَىٰ﴾ [۲۳۸]
۱۷۲	باب: ”اور (اس وقت کا تذکرہ سنو) جب ابراہیم نے کہا تھا کہ میرے پروردگار! مجھے دکھائیے کہ آپ مردوں کو کیسے زندہ کرتے ہیں؟“	۱۶۷	باب: ”تمام نمازوں کا پورا پورا خیال رکھو، اور (خاص طور پر) بیچ کی نماز کا۔“
۱۷۲	تشریح	۱۶۷	”الصَّلَاةَ الْوَسْطَىٰ“ سے مراد
۱۷۳	کیفیتِ احیاء دیکھنا مقصود تھا	۱۶۷	(۳۳) باب: ﴿وَقَوْمُوا لِلَّهِ قَائِمِينَ﴾ [۲۳۸]
۱۷۳	(۳۷) باب قولہ: ﴿أَيُّودٌ أَخَذْتُمْ أَنْ تَكُونَ لَهُ جَنَّةٌ مِّنْ نَّجِيلٍ وَأَعْنَابٍ﴾ اسی قولہ: ﴿لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُونَ﴾ [۲۶۶]	۱۶۷	باب: ”اور اللہ کے سامنے باادب فرماں بردار بن کر کھڑے ہوا کرو۔“
۱۷۳	اس ارشاد کا بیان کہ: ”کیا تم میں سے کوئی یہ پسند کرے گا کہ اس کا کھجوروں اور انگوروں کا ایک باغ ہو“ تا ”تا کہ تم غور کرو۔“	۱۶۹	(۳۴) باب قولہ: ﴿فَإِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا أَوْ رُكْبَانًا فَإِذَا أَمِنْتُمْ﴾ [۲۳۹]
۱۷۳	ریا کاری کا انجام	۱۶۹	اس ارشاد کے بیان میں کہ: ”اور اگر تمہیں (دشمن کا) خوف لاحق ہو تو کھڑے کھڑے یا سوار ہونے کی حالت ہی میں (نماز پڑھ لو)
۱۷۵	اعمالِ صالح کو ضائع کرنے والا عمل	۱۶۹	یہاں تک کہ تم امن میں آ جاؤ۔“
۱۷۶	اعمال کو ضبط اور غرق کرنے کی صورت	۱۶۹	صلاة الخوف
۱۷۷	(۳۸) باب: ﴿لَا يَسْأَلُونَ النَّاسَ إِلْحَافًا﴾ [۲۷۳]	۱۷۰	فقہی مسئلہ: صلوة خوف
۱۷۷	باب: ”وہ لوگوں سے لپٹ کر سوال نہیں کرتے۔“	۱۷۰	شافعیہ اور دیگر کا مسلک
۱۷۷	آیت کا مفہوم	۱۷۰	احناف کا مسلک
۱۷۷	(۳۹) باب: ﴿وَإِخْلُ اللَّهُ النَّبِيعَ وَحَرَمَ وَيَلْدَرُونَ أَرْوَاجًا﴾ [۲۴۰]	۱۷۱	(۳۵) باب: ﴿وَالَّذِينَ يَتُوفَّوْنَ مِنْكُمْ﴾
			باب: ”اور تم میں سے جو لوگ وفات پا جائیں

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۱۸۲	خواہ تم ان کو ظاہر کرو یا چھپاؤ، اللہ تم سے ان کا حساب لیگا۔	۱۷۸	الرَّبَّاءِ ﴿۲۷۵﴾
۱۸۲	احکام کے بیان کے بعد تہدید اور تنبیہ	۱۷۸	باب: ”حالانکہ اللہ نے بیع کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام قرار دیا ہے۔“
۱۸۳	تشریح	(۵۰) باب: ﴿يَمْحَقُ اللَّهُ الرَّبَّاءِ﴾	
	(۵۵) باب قولہ تعالیٰ: ﴿آمَنَ الرَّسُولُ بِمَا أُنزِلَ إِلَيْهِ مِنْ رَبِّهِ وَالْمُؤْمِنُونَ﴾ [۲۸۵]	۱۷۸	[۲۷۶]
۱۸۳	باری تعالیٰ کے اس ارشاد کا بیان کہ: ”یہ رسول (یعنی حضرت محمد ﷺ) اس چیز پر ایمان لائے ہیں جو ان کی طرف ان کے رب کی طرف سے نازل کی گئی ہے، اور (ان کے ساتھ تمام مسلمان بھی)۔“	۱۷۸	باب: ”اللہ سود کو مٹاتا ہے۔“
۱۸۳	ہر حال میں رب کی اطاعت	۱۷۹	(۵۱) باب: ﴿فَأَذِنُوا بِحَرْبٍ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ﴾ [۲۷۹]
۱۸۳	(۳) سورۃ آل عمران	۱۷۹	باب: ”اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے اعلان جنگ سن لو۔“
۱۸۵	سورۃ آل عمران کا بیان	۱۷۹	(۵۲) باب: ﴿وَإِنْ كَانَ ذُو عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ إِلَىٰ مَيْسَرَةٍ﴾ [۲۸۰]
۱۸۵	وجہ تسمیہ	۱۷۹	باب: ”اور اگر کوئی تنگ دست (قرض دار) ہو تو اس کا ہاتھ کھلنے تک مہلت دینی ہے۔“
۱۵۸	ترجمہ و تشریح	۱۸۰	حرمیت خمر اور ربا
	(۱) باب: ﴿مِنْهُ آيَاتٌ مُّحْكَمَاتٌ﴾	(۵۳) باب: ﴿وَآتَقُوا يَوْمًا تُرْجَعُونَ إِلَيْهِ إِلَىٰ اللَّهِ﴾ [۲۸۱]	
۱۸۶	[۷]	۱۸۱	باب: ”اور ڈرو اس دن سے جب تم سب اللہ کے پاس لوٹ کر جاؤ گے۔“
۱۸۶	باب: ”جس کی کچھ آیتیں تو محکم ہیں۔“	۱۸۲	باعتبار نزول آخری آیت
۱۸۷	ترجمہ و تشریح	(۵۴) باب: ﴿وَإِنْ تَبَدُّوا مَالِي أَنْفُسِكُمْ أَوْ تُخْضَعُونَ بِحَاثِبِكُمْ بِهِ اللَّهُ﴾	
۱۸۷	محکمات اور متشابہات کا حکم	الآیة [۲۸۳]	
۱۸۸	امام مجاہد اور متشابہات	۱۸۲	باب: ”اور جو باتیں تمہارے دلوں میں ہیں،

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۱۹۷	حدیث مذکورہ پر ایک تاریخی اشکال	۱۸۹	امام بخاری رحمہ اللہ کا رجحان
۱۹۸	اشکال کا جواب	(۲) باب: ﴿وَالَّذِينَ أُعِينُوا بِكُلِّ	
	(۵) باب: ﴿لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّى تُنْفِقُوا	۱۹۰	وَذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ﴾ [۳۶]
۱۹۸	مِمَّا تُحِبُّونَ﴾ الآية [آل عمران: ۹۲]		باب: ”اور میں اسے اور اس کی اولاد کو شیطان
	باب: ”تم نیکی کے مقام تک اس وقت تک	۱۹۰	مردود سے حفاظت کیلئے آپ کی پناہ میں دیتی
	ہرگز نہیں پہنچو گے جب تک ان چیزوں میں		ہوں۔“
	سے (اللہ کیلئے) خرچ نہ کرو جو تمہیں محبوب	(۳) باب: ﴿إِنَّ الَّذِينَ يَشْتَرُونَ بِعَهْدِ	
۱۹۸	ہیں۔“	اللهِ وَأَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيلًا أُولَئِكَ	
۱۹۹	تشریح	لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ﴾:	
	(۶) باب: ﴿قُلْ فَاتَّبِعُوا بِالْتَّوْرَةِ	۱۹۰	لَا خَيْرَ ﴿وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾ [۷۷]
	فَاتَّبَعُوا إِن كُنْتُمْ صَادِقِينَ﴾ [آل		باب: ”جو لوگ اللہ سے کئے ہوئے عہد
۲۰۰	عمران: ۹۳]		اور اپنی کھائی ہوئی قسموں کا سودا کر کے تھوڑی
	باب: ”(اے پیغمبر! یہودیوں سے) کہہ دو کہ		سی قیمت حاصل کر لیتے ہیں ان کا آخرت میں
	”اگر تم سچے ہو تو تورات لے کر آؤ اور اس کی		کوئی حصہ نہیں ہوگا۔“ یعنی ان کیلئے کوئی خیر
۲۰۰	تلاوت کرو۔“		نہیں ہے۔“ اور ان کا حصہ تو بس عذاب ہوگا،
۲۰۰	یہود کے اعتراض کا جواب	۱۹۰	انہائی دردناک!“
	(۷) باب: ﴿كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ		(۳) باب: ﴿قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ
۲۰۲	لِلنَّاسِ﴾ [۱۱۰]		تَعَالَوْا إِلَى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ
	باب: ”(مسلمانو!) تم وہ بہترین امت ہو جو	۱۹۲	أَنْ لَا نَعْبُدَ إِلَّا اللَّهَ﴾ [۶۳]
	لوگوں کے قائدے کے لئے وجود میں لائی گئی		باب: ”(مسلمانو! یہود و نصاریٰ سے) کہہ دو
۲۰۲	ہے۔“		کہ: ”اے اہل کتاب! ایک ایسی بات کی
۲۰۳	تشریح		طرف آ جاؤ جو ہم تم میں مشترک ہو، (اور وہ
	(۸) باب: ﴿إِذْ هَمَّتْ طَائِفَتَانِ مِنْكُمْ		یہ) کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ
۲۰۳	أَنْ تَفْشَلَا﴾ [۱۲۲]	۱۹۲	کریں۔“

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۲۰۹	اجر ہے۔ (۱۳) باب قولہ: ﴿الَّذِينَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ لِمَ أَجْمَعُوا لَكُمْ فَأُخْشَوْنَهُمْ﴾ [۱۷۳]	۲۰۳	باب: ”جب تمہی میں سے دو گروہوں نے یہ سوچا تھا کہ وہ امت ہار بیٹھیں۔“
۲۱۰	اس ارشاد کا بیان کہ: ”وہ لوگ جن سے کہنے والوں نے کہا تھا کہ: ”یہ (مکہ کے کافر) لوگ تمہارے (مقابلے) کیلئے (پھر سے) جمع ہو گئے ہیں، لہذا ان سے ڈرتے رہتا۔“	۲۰۵	بنو حارثہ و بنو سلمہ کیلئے باعث فخر
۲۱۰	صحابہ کرام ﷺ کی جاٹاری اور عزم و ہمت	۲۰۵	(۹) باب: ﴿لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ﴾ [۱۲۸]
۲۱۰	(۱۳) باب: ﴿وَلَا يَخْسِبَنَّ الَّذِينَ يَتَّخِلُونَ بِمَا أَنَّهُمْ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ﴾ [۱۸۰] الآیة	۲۰۵	باب: ”(اے پیغمبر!) تمہیں اس فیصلے کا کوئی اختیار نہیں۔“
۲۱۱	باب: ”اور جو لوگ اللہ کے دیئے ہوئے (مال) میں بخل سے کام لیتے ہیں وہ ہرگز یہ نہ سمجھیں کہ یہ ان کیلئے کوئی اچھی بات ہے۔“	۲۰۵	آیت کے نزول کا پس منظر
۲۱۱	یہود اور منافقین کا بخل	۲۰۵	(۱۰) باب قولہ تعالیٰ: ﴿وَالرُّسُولُ يَدْعُوكُمْ فِي أُخْرَاكُمْ﴾ [۱۵۳]
۲۱۲	بخل اور زکوٰۃ نہ دینے پر شدید عذاب	۲۰۸	اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا بیان کہ: ”اور رسول تمہارے پیچھے سے تمہیں پکار رہے تھے۔“
۲۱۳	(۱۵) باب: ﴿وَلَعَسَآءٌ مِّنَ الَّذِينَ أَوْتُوا الْكِتَابَ مِن قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِينَ أَشْرَكُوا أَذَى كَثِيرًا﴾ [۱۸۶]	۲۰۸	(۱۱) باب قولہ: ﴿أَمَنَةٌ لِّعَاسَا﴾ [۱۵۳]
۲۱۳	باب: ”اور تم اہل کتاب اور مشرکین دونوں سے بہت سی تکلیف دہ باتیں سنو گے۔“	۲۰۹	اس ارشاد کا بیان کہ: ”طمانینت بھری اوتگہ۔“
۲۱۳	صبر اور برداشت کی تلقین	۲۰۹	اوتگہ مسلط کرنے مقصد
۲۱۳	(۱۶) باب: ﴿لَا تَخْسِبَنَّ الَّذِينَ	۲۰۹	(۱۲) باب قولہ تعالیٰ: ﴿الَّذِينَ اسْتَجَابُوا لِرَبِّهِمْ وَالرُّسُولِ مِن بَعْدِ مَا أَصَابَهُمُ الْقَرْحُ لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا مِنْهُمْ وَاتَّقُوا أَجْرَ عَظِيمٍ﴾ [۱۷۲]
		۲۰۹	اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا بیان کہ: ”وہ لوگ جنہوں نے زخم کھانے کے بعد بھی اللہ اور رسول کی پکار کا فرماں برداری سے جواب دیا، ایسے نیک اور متقی لوگوں کیلئے زبردست

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۲۲۲	أَنْصَارِ الَّذِينَ ﴿الآیة [۱۹۲]	۲۱۶	يَفْرَحُونَ بِمَا آتَوْا ﴿ [۱۸۸]
	باب: ”اے ہمارے رب! آپ جس کسی کو	۲۱۶	باب: ”یہ ہرگز نہ سمجھنا کہ جو لوگ اپنے کئے پر
	دورخ میں داخل کر دیں، اسے آپ نے یقیناً		بڑے خوش ہیں۔“
	رُسوا ہی کر دیا۔ اور ظالموں کو کسی قسم کے مددگار	۲۱۷	منافقین کیلئے عذاب کی وعید
۲۲۲	نصیب نہ ہوں گے۔“	۲۱۸	تشریح
	(۲۰) باب: ﴿رَبَّنَا إِنَّا سَمِعْنَا مُنَادِيًا		(۱۷) باب قولہ: ﴿إِن فِي خَلْقِ
۲۲۳	يُنَادِي لِلْإِيمَانِ ﴿الآیة [۱۹۳]		السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ
	باب: ”اے ہمارے پروردگار! ہم نے ایک		وَالنَّهَارِ لآيَاتٍ لِأُولِي الْأَلْبَابِ ﴿ [آل
۲۲۳	منادی کو سنا جو ایمان کی طرف پکار رہا تھا۔“	۲۱۹	عمران: [۱۹۰]
			اس ارشاد کا بیان کہ: ”بے شک آسمانوں اور
۲۲۵	(۳) سورة النساء		زمین کی تخلیق میں اور رات دن کے باری باری
۲۲۵	سورة نساء کا بیان		آنے جانے میں اُن عقل والوں کیلئے بڑی
۲۲۵	وجہ تسمیہ	۲۱۹	نشانیوں ہیں۔“
۲۲۵	ترجمہ و تشریح	۲۱۹	عقل مندوں کیلئے تخلیق کائنات میں نشانیاں
۲۲۶	مَثَى وَثَلَاتٍ وَرُبَاعٍ - کی تفصیل		(۱۸) باب: ﴿الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللَّهَ
	(۱) باب: ﴿وَإِنْ خِفْتُمْ أَنْ لَاتُقْسَطُوا		قِيَامًا وَقَعُودًا وَعَلَىٰ جُنُوبِهِمْ
۲۲۶	فِي الْيَتَامَىٰ ﴿ [۳]		وَيَتَفَكَّرُونَ فِي خَلْقِ السَّمَوَاتِ
	باب: ”اور اگر تمہیں یہ اندیشہ ہو کہ تم یتیموں	۲۲۰	وَالْأَرْضِ ﴿الآیة [۱۹۱]
	کے بارے میں انصاف سے کام نہیں لے		باب: ”جو اٹھتے بیٹھتے اور لیٹے ہوئے (ہر حال
۲۲۶	سکو گے۔“		میں) اللہ کو یاد کرتے ہیں، اور آسمانوں اور
۲۲۸	یتیم لڑکیوں کی حق تلفی کا انداد	۲۲۰	زمین کی تخلیق میں غور کرتے ہیں۔“
	(۲) باب: ﴿وَمَنْ كَانَ فَقِيرًا فَلْيَأْكُلْ	۲۲۱	عقل والے کون ہیں؟
	بِالْمَعْرُوفِ فَإِذَا دَفَعْتُمْ إِلَيْهِمْ أَمْوَالَهُمْ		(۱۹) باب: ﴿رَبَّنَا إِنَّكَ مَن تَدْخِلُ
	فَأَشْهَدُوا عَلَيْهِمْ وَكَفَىٰ بِاللهِ حَسِيبًا ﴿		النَّارَ فَقَدْ أَخْرَجْتَهُ وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنَ

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۲۳۳	لَا يَجِلُّ لَكُمْ أَنْ تَرْتُوا النِّسَاءَ كَرَاهًا وَلَا تَفْضُلُوهُنَّ لِغَدَبُوا بِبَعْضِ مَا اتَّبَعْتُمُوهُنَّ إِلَّا أَنْ يَأْتِيَنَّ بِفَاحِشَةٍ مُبَيِّنَةٍ ﴿١٩﴾ [الآية]	۲۲۹	[۶] باب: ”ہاں اگر وہ خود محتاج ہو تو معروف طریق کار کو ملحوظ رکھتے ہوئے کھالے۔ پھر جب تم ان کے مال انہیں دو تو ان پر گواہ بنا لو۔ اور اللہ حساب لینے کیلئے کافی ہے۔“
۲۳۳	باب: ”اے ایمان والو! یہ بات تمہارے لئے حلال نہیں ہے کہ تم زبردستی عورتوں کے مالک بن بیٹھو، اور ان کو اس غرض سے مقید مت کرو کہ تم نے جو کچھ ان کو دیا ہے ان کا کچھ حصہ لے آؤ، الا یہ کہ وہ کھلی بے حیائی کا ارتکاب کریں۔“	۲۲۹	ولی کو ضرورتاً لینے کا حق
۲۳۳	آیت کا شان نزول	۲۲۹	مال سپرد کرتے وقت گواہ بنانا
۲۳۳	عورت سے مہر اور مال وغیرہ واپس لینے کی صورت	۲۳۰	(۳) باب: ﴿وَإِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ أُولُو الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينُ﴾ [الآية [النساء: ۸]]
۲۳۵	(۷) باب: ﴿وَلِكُلِّ جَعَلْنَا مَوَالِي مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَاللَّذِينَ عَاقَدْتُمْ أَيْمَانُكُمْ فَأَتَوْهُمْ نَصِيحَتُهُمْ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيًّا كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدًا﴾ [۳۳]	۲۳۰	باب: ”اور جب (میراث کی) تقسیم کے وقت (غیر وارث) رشتہ دار، یتیم اور مسکین لوگ آجائیں۔“
۲۳۶	باب: ”اور ہم نے ہر اس مال کے کچھ وارث مقرر کئے ہیں جو والدین اور قریب ترین رشتہ دار چھوڑ کر جائیں۔ اور جن لوگوں سے تم نے کوئی عہد و پیمانہ باندھا ہو ان کو ان کا حصہ دو۔ بیشک اللہ ہر چیز کا گواہ ہے۔“	۲۳۰	محروم الارث رشتہ داروں کی دلداری
۲۳۶	مہاجرین و انصار کے درمیان رشتہ اخوت اور	۲۳۱	حدیث کی تشریح: رشتہ داروں کی دلجوئی کا حکم (۳) باب: ﴿يُؤْتِيكُمْ اللَّهُ لِي أَوْلَادِكُمْ﴾ [۱۱]
		۲۳۲	باب: ”اللہ تمہاری اولاد کے بارے میں تم کو حکم دیتا ہے۔“
		۲۳۲	(۵) باب قولہ: ﴿وَلَكُمْ بَعْضٌ مِمَّا تَرَكَ آؤَاؤُكُمْ﴾ [۱۲]
		۲۳۳	باب: ”اور تمہاری بیویاں جو کچھ چھوڑ جائیں۔“
		۲۳۳	(۶) باب: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۲۳۵	[۵۹]	۲۳۷	میراث کا حکم
	باب: "اللہ کی اطاعت کرو اور اس کے رسول کی بھی اطاعت کرو اور تم میں سے جو صاحب اختیار ہوں، اُن کی بھی۔"	۲۳۸	(۸) باب قولہ: ﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ﴾ [۳۰]
۲۳۵	اختیار ہوں، اُن کی بھی۔"	۲۳۸	باب: "اللہ ذرہ برابر بھی کسی پر ظلم نہیں کرتا۔"
۲۳۶	حدیث کا مطلب	۲۳۸	اعمالِ حسنہ کا پورا پورا بدلہ
	(۱۲) باب: ﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يَحْكُمُواكَ لِيَمَّا شَجَرَ بَيْنَهُمْ﴾	۲۴۰	رویت باری تعالیٰ
۲۳۷	[۶۵]	۲۴۰	(۹) باب: ﴿فَكَتِفْ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلَىٰ هَؤُلَاءِ شَهِيدًا﴾ [۳۱]
	باب: "نہیں، (اے پیغمبر!) تمہارے پروردگار کی قسم! یہ لوگ اس وقت تک مؤمن نہیں ہو سکتے جب تک یہ اپنے باہمی جھگڑوں میں تمہیں فیصلہ نہ بنا میں۔"	۲۴۲	باب: "پھر (یہ لوگ سوچ رکھیں کہ) اس وقت (انکا) کیا حال ہوگا جب ہم ہر امت میں سے ایک گواہ لیکر آئیں گے، اور (اے پیغمبر!) ہم تم کو ان لوگوں کے خلاف گواہ کے طور پر پیش کریں گے۔"
۲۳۷	شریعت زندگی کے ہر معاملے پر لاگو	۲۴۲	﴿عَلَىٰ هَؤُلَاءِ شَهِيدًا﴾ کی تفسیر
۲۳۷	(۱۳) باب: ﴿فَأُولَٰئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ﴾ [۶۹]	۲۴۳	(۱۰) باب قولہ: ﴿وَإِنْ كُنْتُمْ مَرْضَىٰ أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِنْكُمْ مِنَ الْغَائِطِ﴾ [۳۳]
۲۳۸	باب: "تو وہ اُن کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام فرمایا ہے، یعنی انبیاء۔"	۲۴۳	باب: "اور اگر تم بیمار ہو یا سفر پر ہو یا تم میں سے کوئی قضائے حاجت کی جگہ سے آیا ہو۔"
۲۳۸	شانِ نزول	۲۴۳	ترجمہ و تشریح
	آخرت میں انبیاء، صدیقین، شہداء، صالحین کی رفاقت	۲۴۳	ایک وضاحت
۲۳۹	(۱۴) باب: ﴿وَمَا لَكُمْ لَا تُقَابِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ﴾ ﴿الظَّالِمِ أَهْلُهَا﴾	۲۴۵	(۱۱) باب: ﴿أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِيَ الْأَمْرِ مِنْكُمْ﴾
۲۵۰	[۷۵]		
	باب: "اور (اے مسلمانو!) تمہارے پاس کیا		

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۲۵۳	زندگی کا سامان حاصل کرنے کی خواہش میں اس کو یہ نہ کہو کہ ”تم مؤمن نہیں ہو“۔	۲۵۰	جواز ہے کہ اللہ کے راستے میں اور اُن بے بس مردوں، عورتوں اور بچوں کی خاطر نہ لڑو جو یہ دُعا کر رہے ہیں کہ ”اے ہمارے پروردگار! ہمیں اس ہستی سے نکال لائیے جس کے باشندے ظلم توڑ رہے ہیں۔“
۲۵۵	نادانستگی میں قتل پر عتاب و تنبیہ	۲۵۱	(۱۵) باب: ﴿فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنَافِقِينَ فِتْنَةٍ وَاللَّهُ أَرَّكَسَهُمْ بِمَا كَسَبُوا﴾ [۸۸]
۲۵۶	(۱۸) باب: ﴿لَا يَسْتَوِي الْقَاعِدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ﴾ الآية [۹۵]	۲۵۱	باب: ”پھر تمہیں کیا ہو گیا کہ منافقین کے بارے میں تم دو گروہ بن گئے؟، حالانکہ انہوں نے جیسے کام کئے ہیں ان کی بناء پر اللہ نے ان کو اوندھا کر دیا ہے۔“
۲۵۶	باب: ”وہ مسلمان جو جہاد میں جانے کے بجائے گھر میں بیٹھ رہیں وہ برابر نہیں ہو سکتے۔“	۲۵۲	باب:
۲۵۷	بچھلی آیت سے ربط اور جہاد میں نکلنے والوں کی فضیلت	۲۵۲	یہ باب بلا عنوان ہے۔
۲۵۷	(۱۹) باب: ﴿إِنَّ الدِّينَ تَوْفَهُمُ الْمَلَائِكَةُ ظَالِمِي أَنْفُسِهِمْ قَالُوا فِيمَ كُنْتُمْ﴾ الآية [۹۷]	۲۵۲	آیت سے مراد
۲۵۸	باب: ”جن لوگوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا تھا، اور اسی حالت میں فرشتے ان کی روح قبض کرنے آئے تو وہ بولے ”تم کس حالت میں تھے؟“۔	۲۵۳	الفاظ کا ترجمہ و تشریح
۲۵۸	حدیث کی تشریح	۲۵۳	(۱۶) باب: ﴿وَمَنْ يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُتَعَمِّدًا فَجَزَاؤُهُ جَهَنَّمُ﴾ [۹۳]
۲۵۹	(۲۰) باب: ﴿إِلَّا الْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ﴾ [الآیة: ۹۸]	۲۵۳	باب: ”اور جو شخص کسی مسلمان کو جان بوجھ کر قتل کرے تو اس کی سزا جہنم ہے۔“
۲۶۰	باب: ”البتہ وہ بے بس مرد، عورتیں (اس انجام سے مستثنیٰ ہیں)۔“	۲۵۳	﴿فَجَزَاؤُهُ جَهَنَّمُ﴾ میں تفصیل
۲۶۰	(۲۱) باب قولہ: ﴿فَأُولَٰئِكَ عَسَىٰ اللَّهُ أَنْ يَغْفِرَ عَنْهُمْ﴾ [الآیة	۲۵۳	(۱۷) باب: ﴿وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ أَلْقَىٰ إِلَيْكُمُ السَّلَامَ لَسْتَ مُؤْمِنًا﴾ [۹۳]
۲۶۰	[۹۹] الآية	۲۵۳	باب: ”اور جو شخص تم کو سلام کرے تو دُنیوی

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۲۶۴	باب: "اور اگر کسی عورت کو اپنے شوہر کی طرف سے زیادتی یا بیزاری کا اندیشہ ہو۔"	۲۶۰	باب: "چنانچہ پوری امید ہے کہ اللہ کو معاف فرمادے۔"
۲۶۳	ترجمہ و تشریح	۲۶۱	آیت کا خلاصہ و فائدہ۔ ہجرت کا حکم
۲۶۵	عورت کا مہر یا نفقہ معاف کرنا	(۲۲) باب: ﴿وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِنْ كَانَ بِكُمْ أَذًى مِنْ مَطَرٍ﴾ [۱۰۲]	
۲۶۵	(۲۵) باب: ﴿إِنَّ الْمَنَافِقِينَ فِي الذُّرُوبِ الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ﴾ [۱۳۵]	۲۶۱	الآیۃ
۲۶۵	باب: "یقین جانو کہ منافقین جہنم کے سب سے نچلے طبقے میں ہوں گے۔"	۲۶۱	باب: "اور اگر تمہیں بارش کی وجہ سے تکلیف ہو تو اس میں بھی تم پر کوئی گناہ نہیں ہے۔"
۲۶۶	نفاق سے برأت اور توبہ کا حکم	۲۶۲	عذر اور خوف کی تدابیر
(۲۶) باب قولہ: ﴿إِنَّا أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ كَمَا أَوْحَيْنَا إِلَى نُوحٍ﴾ الی قولہ: ﴿وَيُونُسَ وَهَارُونَ وَسُلَيْمَانَ﴾ [۱۶۳]	۲۶۲	(۲۳) باب قولہ: ﴿وَيَسْتَفْتُونَكَ فِي النِّسَاءِ قُلِ اللَّهُ يُفْتِنُكُمْ فِيهِنَّ وَمَا يُتْلَىٰ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتَابِ فِي يَتَامَى النِّسَاءِ﴾ [۱۲۷]	
۲۶۷	اس ارشاد کا بیان کہ: "(اے پیغمبر!) ہم نے تمہارے پاس اسی طرح وحی بھیجی ہے جیسے نوح پر بھیجی تھی" آخر آیت تک۔	۲۶۲	باب: "اور (اے پیغمبر!) لوگ تم سے اپنی عورتوں کے بارے میں شریعت کا حکم پوچھتے ہیں۔ کہہ دو کہ اللہ تم کو ان کے بارے میں حکم بتاتا ہے، اور اس کتاب (یعنی قرآن) کی آیتیں جو تم کو پڑھ کر سنائی جاتی ہیں وہ بھی ان یتیم عورتوں کے بارے میں (شرعی حکم بتاتی ہیں)۔"
۲۶۷	وحی کے ادوار	۲۶۲	رعایت کی صورت میں والی کا یتیم لڑکی سے نکاح کرنا
(۲۷) باب: ﴿يَسْتَفْتُونَكَ قُلِ اللَّهُ يُفْتِنُكُمْ فِي الْكَلَالَةِ إِنْ امْرُؤٌ هَلَكَ لَيْسَ لَهُ وَلَدٌ وَلَهُ أُخْتٌ فَلَهَا بِصْفٌ مَا تَرَكَ وَهِيَ يَرِثُهَا إِنْ لَمْ يَكُنْ لَهَا وَلَدٌ﴾ [۱۷۶]	۲۶۳	(۲۳) باب: ﴿وَإِنْ امْرَأَةٌ خَافَتْ مِنْ بَغْلِهَا نُشُوزًا أَوْ إِعْرَاضًا﴾ [۱۲۸]	
۲۶۹	باب: "(اے پیغمبر!) لوگ تم سے (کلالہ کا حکم) پوچھتے ہیں۔ کہہ دو کہ اللہ تمہیں کلالہ	۲۶۳	

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۲۷۴	تیمم کرو۔		کے بارے میں حکم بتاتا ہے۔ اگر کوئی شخص اس
۲۷۴	ترجمہ و تشریح		حال میں مرجائے کہ اس کی اولاد نہ ہو، اور اس
۲۷۵	ہارگم ہونے کا واقعہ اور نزولِ تیمم		کی ایک بہن ہو تو وہ اس کے ترکے میں سے
	حدیث باب میں تیمم کا حکم اور معذوری کی		آدھے کی حق دار ہوگی۔ اور اگر اس بہت کی
۲۷۶	صورتیں		کوئی اولاد نہ ہو (اور وہ مرجائے، اور اس کا
۲۷۷	تیمم کا طریقہ اور حکمت	۲۶۹	بھائی زندہ ہو) تو وہ اس بہن کا وارث ہوگا۔
	(۳) باب قولہ: ﴿فَاذْهَبْ اَنْتَ	۲۶۹	کلامہ کی تفسیر
	وَرَبِّكَ فَقَابِلًا اِنَّا هَاهُنَا قَاعِدُونَ﴾	۲۷۰	تشریح
۲۷۸	[۲۴]	۲۷۰	تینوں صورتوں میں تطبیق
	باب: ”(اگر ان سے لڑنا ہے تو) بس تم اور		
۲۷۸	تمہارا رب چلے جاؤ، ہم تو یہیں بیٹھے ہیں۔“	۲۷۱	(۵) سورة المائدہ
۲۷۸	بنی اسرائیل کی حکم عدولی	۲۷۱	سورة مائدہ کا بیان
	(۵) باب: ﴿اِنَّمَا جَزَاءُ الَّذِيْنَ	۲۷۱	وجہ تسمیہ
	يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ وَيَسْعَوْنَ فِي	۲۷۱	سورة المائدہ کا نزول
۲۸۰	الْاَرْضِ فَسَادًا﴾ [۳۳]	۲۷۲	(۱) باب:
	باب: ”جو لوگ اللہ اور اسکے رسول سے لڑائی	۲۷۲	یہ باب بلا عنوان ہے۔
	کرتے اور زمین میں فساد مچاتے پھرتے	۲۷۲	ترجمہ و تشریح
۲۸۰	ہیں۔“		(۲) باب قولہ: ﴿الْيَوْمَ اُكْمَلْتُ لَكُمْ
۲۸۰	مخاربہ اور فساد فی الارض کی تفصیل	۲۷۳	دِيْنَكُمْ﴾ [۳]
	وضاحت		باب: ”آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین
۲۸۲	(۶) باب قولہ: ﴿وَالْبُحْرُوْحُ	۲۷۳	کامل کر دیا ہے۔“
	لِقِصَاصٍ﴾ [۳۵]		(۳) باب قولہ: ﴿فَلَمَّ تَجِدُوا مَاءً
۲۸۲	باب: ”اور زخموں کا بھی (اسی طرح) بدلہ لیا	۲۷۴	فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا﴾ [۶]
۲۸۲	جائے۔“		باب: ”اور تمہیں پانی نہ ملے تو پاک مٹی سے

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۲۸۹	ازلام، نصب اور استقام کی تعریف	۲۸۲	(۷) باب: ﴿يَا أَيُّهَا الرُّسُولُ بَلِّغْ مَا
۲۹۱	شراب کی حرمت و ممانعت کا حکیمانہ اصول		أَنْزَلَ إِلَيْكَ مِنَ رَبِّكَ﴾ [۶۷]
	(۱۱) باب: ﴿لَيْسَ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا		باب: ”اے رسول! جو کچھ تمہارے رب کی
	وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جُنَاحٌ فِيمَا		طرف سے تم پر نازل کیا گیا ہے اس کی تبلیغ
۲۹۲	طَعِمُوا﴾ [۹۳] الآیۃ	۲۸۲	کرو۔“
	باب: ”جو لوگ ایمان لے آئے ہیں، اور نیکی	۲۸۳	تبلیغ کی تاکید اور آنحضرت ﷺ کو تسلی
	پر کار بند رہے ہیں، انہوں نے جو کچھ پہلے کھایا		(۸) باب قولہ: ﴿لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللَّهُ
۲۹۲	پیا ہے۔“	۲۸۵	بِالْفُتُورِ فِي أَيَّمَا لَكُمْ﴾ [۸۹]
۲۹۳	حرمت سے پہلے شراب پینے والوں کا حکم		باب: ”اللہ تمہاری لغو قسموں پر تمہاری پکڑ نہیں
	(۱۲) باب قولہ: ﴿لَا تَسْأَلُوا عَن	۲۸۵	کرے گا۔“
۲۹۳	أَشْيَاءَ إِنْ تُبَدِّلَ لَكُمْ تَسْؤُكُمْ﴾ [۱۰۱]	۲۸۶	بیمین لغو سے مراد
	باب: ”اے ایمان والو! ایسی چیزوں کے		(۹) باب قولہ تعالیٰ: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ
	بارے میں سوالات نہ کیا کرو جو اگر تم پر ظاہر		لَا تُحَرِّمُوا طَيِّبَاتٍ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكُمْ﴾
۲۹۳	کر دی جائیں تو تمہیں ناگوار ہوں۔“	۲۸۷	[۸۷]
	آیت کا مطلب		ارشاد باری تعالیٰ کا بیان کہ: ”اے ایمان والو!
۲۹۳	(۱۳) باب: ﴿مَا جَعَلَ اللَّهُ مِنْ بَحِيرَةٍ		اللہ نے تمہارے لئے جو پاکیزہ چیزیں حلال کی
	وَلَا سَائِبَةٍ وَلَا وَصِيلَةٍ وَلَا حَامٍ﴾	۲۸۷	ہیں ان کو حرام قرار نہ دو۔“
۲۹۵	[۱۰۳]		(۱۰) باب قولہ: ﴿إِنَّمَا الْخَمْرُ
	باب: ”اللہ نے کسی جانور کو نہ بحیرہ بنانا طے کیا		وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ
۲۹۷	ہے، نہ سائبہ، نہ وصیلہ اور نہ حامی۔“	۲۸۸	مِنَ عَمَلِ الشَّيْطَانِ﴾ [۹۰]
۲۹۵	ترجمہ و تشریح		اس ارشاد کا بیان کہ: ”شراب، جوا، بتوں کے
۲۹۵	﴿مُتَوَفِّيكَ﴾ کی تشریح		تھان اور جوئے کے تیر، یہ سب ناپاک شیطانی
۲۹۸	بحیرہ، سائبہ وغیرہ کی تفصیل	۲۸۸	کام ہیں۔“
۲۹۸	مشاہدہ۔ اعمالِ بد کی سزا آخرت میں	۲۸۸	زمانہ جاہلیت کا جوئے اور فال کے طریقے

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۳۰۵	مفاتیح الغیب (۲) باب: ﴿قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلَىٰ أَنْ يُنَزِّلَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِنْ فَوْقِكُمْ﴾ [۶۵]	۲۹۹	(۱۳) باب: ﴿وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا مَا دُمْتُ فِيهِمْ فَلَمَّا تَوَلَّيْتَنِي كُنْتُ أَنْتَ الرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ وَأَنْتَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ﴾ [۱۱۷]
۳۰۶	باب: ”کہو کہ: وہ اس بات پر پوری طرح قدرت رکھتا ہے کہ تم پر کوئی عذاب، تمہارے اوپر سے بھیج دے۔“	۲۹۹	باب: ”اور جب تک میں ان کے درمیان موجود رہا، میں ان کے حالات سے واقف رہا۔ پھر جب آپ نے مجھے اٹھالیا تو آپ خود ان کے نگران تھے، اور آپ ہر چیز کے گواہ ہیں۔“
۳۰۶	قدرت کاملہ	۲۹۹	(۱۵) باب قولہ: ﴿إِنْ تَعَذَّبْتَهُمْ فَإِنَّهُمْ عِبَادُكَ﴾ [۱۱۸]
۳۰۸	عذاب الہی کی تین قسمیں (۳) باب: ﴿وَلَمْ يَلْبِسُوا إِيمَانَهُمْ بِظُلْمٍ﴾ [۸۲]	۳۰۰	اس ارشاد کا بیان کہ: ”اگر آپ ان کو سزا دیں، تو یہ آپ کے بندے ہیں۔“
۳۰۸	باب: ”اور انہوں نے اپنے ایمان کے ساتھ کسی ظلم کا شائبہ بھی آنے نہیں دیا۔“	۳۰۰	اپنی امت کیلئے آہ و بکاء
۳۰۸	ظلم کی تصریح و مراد	۳۰۰	
۳۰۹	شرک: سب سے بڑا ظلم	۳۰۱	(۶) سورة الأنعام
۳۱۰	(۳) باب قولہ: ﴿وَيُونُسَ وَنُوحًا وَكَثَلًا فَضَلْنَا عَلَىٰ الْعَالَمِينَ﴾ [۸۶]	۳۰۱	سورة انعام کا بیان
۳۱۰	باب: ”اور یونس اور لوط کو بھی۔ اور ان سب کو ہم نے دنیا جہاں کے لوگوں پر فضیلت بخشی تھی۔“	۳۰۱	وجہ تسمیہ
۳۱۰	(۵) باب قولہ: ﴿أُولَٰئِكَ الَّذِينَ هَدَىٰ اللَّهُ لِيَهْدِيَهُمْ اِقْتِدَارُهُمْ﴾ [۹۰]	۳۰۲	ترجمہ و تشریح
۳۱۰	اس ارشاد کا بیان کہ: ”یہ لوگ وہ تھے جن کو اللہ نے (مخالفین کے رویے پر صبر کرنے کی)	۳۰۲	(۱) باب: ﴿وَ عِنْدَهُ مَفَاتِيحُ الْغَيْبِ لَا يُعَلِّمُهَا إِلَّا هُوَ﴾ [۵۹]
۳۰۲		۳۰۲	باب: ”اور اسی کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں جنہیں اس کے سوا کوئی نہیں جانتا ہے۔“
۳۰۲		۳۰۲	علم غیب اللہ ﷻ ہی کے ساتھ خاص

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۳۱۷	باب: "اُس دن کسی ایسے شخص کا ایمان اُس کیلئے کارآمد نہیں ہوگا۔"	۳۱۰	ہدایت کی تھی، لہذا (اے پیغمبر!) تم بھی انہی کے راستے پر چلو۔"
۳۱۷	مغرب سے طلوع آفتاب کے بعد توبہ کا دروازہ بند	۳۱۰	انبیاء سابقین کی اقتداء کا حکم
۳۲۱	سورۃ الاعراف	۳۱۲	(۶) باب قولہ: ﴿وَعَلَى الدِّينِ هَادُوا حَرَمًا كُلَّ ذِي ظُفْرٍ﴾ [۱۳۶]
۳۲۱	سورۃ اعراف کا بیان	۳۱۲	باب: "اور یہودیوں پر ہم نے ہر ناخن والے جانور کو حرام کر دیا تھا۔"
۳۲۱	وجہ تسمیہ	۳۱۳	یہود کی ہٹ دھرمی
۳۲۲	ترجمہ و تشریح	۳۱۳	نام بدلنے سے حقیقت نہیں بدلتی
۳۲۵	(۱) باب قول اللہ عزوجل: ﴿قُلْ إِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّي الفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَّنَ﴾ [۳۳]	۳۱۳	(۷) باب: ﴿وَلَا تَقْرَبُوا الفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَّنَ﴾ [۱۵۱]
۳۲۵	اللہ عزوجل کے اس ارشاد کا بیان کہ: "کہہ دو کہ: میرے پروردگار نے تو بے حیائی کے کاموں کو حرام قرار دیا ہے، چاہے وہ بے حیائی کھلی ہوئی ہو، یا چھپی ہوئی۔"	۳۱۳	باب: "اور بے حیائی کے کاموں کے پاس بھی نہ پھنکو، چاہے وہ بے حیائی کھلی ہوئی ہو یا چھپی ہوئی۔"
۳۲۵	افتراء علی اللہ ایک سنگین گناہ	۳۱۴	بے حیائی کے کاموں سے دور رہنے کا حکم
۳۲۵	بے حیائی کے تمام کام حرام قرار	۳۱۶	(۸) باب:
۳۲۶	(۲) باب: ﴿وَلَمَّا جَاءَ مُوسَىٰ لِمِيقَاتِنَا وَكَلَّمَهُ رَبُّهُ قَالَ رَبِّ أَرِنِي أَنْظُرَ النَّيِّكِ﴾ الآية [۱۳۳]	۳۱۶	یہ باب بلا عنوان ہے۔
۳۲۶	باب: "اور جب موسیٰ ہمارے مقررہ وقت پر پہنچے، اور اُن کا رب اُن سے ہم کلام ہوا، تو وہ کہنے لگے: "میرے پروردگار! مجھے دیدار	۳۱۷	ترجمہ و تشریح
		۳۱۷	(۹) باب قولہ: ﴿قُلْ هَلَمْ شُهَدَاءَ كُنْتُمْ﴾ [۱۵۰]
		۳۱۷	اس ارشاد کا بیان کہ: "ان سے کہو کہ اپنے وہ گواہ ذرا سامنے تو لاؤ۔"
		۳۱۷	(۱۰) باب: ﴿لَا يَنْفَعُ نَفْسًا إِيْمَانُهَا﴾ [۱۵۸]

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۳۳۲	بنی اسرائیل کا ضد اور عناد	۳۲۶	کرادیتے تھے کہ میں آپ کو دیکھ لوں۔
۳۳۳	حِطَّة۔ کی توضیح و تشریح		روایت باری تعالیٰ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سامنے تجلی کا ظہور
۳۳۳	(۵) باب: ﴿خُلِدَ الْعَفْوُ وَأُمِرَ بِالْعُرْفِ﴾ واغرض عن الجاهلین ﴿ [۱۹۹]	۳۲۶	(۳) باب: ﴿قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا الَّذِي لَهُ مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ يُخَيِّرُ وَيُمِيتُ فَأَمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ النَّبِيُّ الْأُمِّيَّ الَّذِي يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَكَلِمَاتِهِ وَاتَّبِعُوهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ﴾ [۱۵۸]
۳۳۳	باب: ”(اے پیغمبر!) درگزر کا رویہ اپناؤ، اور (لوگوں کو) نیکی کا حکم دو، اور جاہلوں کی طرف دھیان نہ دو۔“	۳۲۸	باب: ”(اے رسول! ان سے) کہو کہ: ”اے لوگو! میں تم سب کی طرف اس اللہ کا بھیجا ہوا رسول ہوں جس کے قبضے میں تمام آسمانوں اور زمین کی سلطنت ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ وہی زندگی اور موت دیتا ہے۔ اب تم اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لے آؤ جو نبی امی ہے، اور جو اللہ پر اور اس کے کلمات پر ایمان رکھتا ہے، اور اس کی پیروی کرو، تاکہ تمہیں ہدایت حاصل ہو۔“
۳۳۳	حدیث سے حکم اور درگزر کا سبق		آپ ﷺ تمام عالم کیلئے تاقیامت نبی و رسول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا مقام و فضیلت
۳۳۶	عفو اور درگزر کا حکم		(۴) باب قولہ: ﴿وَقُولُوا حِطَّةٌ﴾ [۱۶۱]
۳۳۷	(۸) سورة الأنفال	۳۳۱	باب: ”اور یہ کہتے جانا کہ (یا اللہ) ہم آپ کی بخشش کے طلب گار ہیں۔“
۳۳۷	سورة انفال کا بیان		
۳۳۷	شان نزول		
۳۳۹	(۱) باب قولہ: ﴿يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْأَنْفَالِ قُلِ الْأَنْفَالُ لِلَّهِ وَالرَّسُولِ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا ذَاتَ بَيْنِكُمْ﴾ [۱]		
۳۳۹	باب: ”(اے پیغمبر!) لوگ تم سے مالِ غنیمت کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ کہہ دو کہ مالِ غنیمت (کے بارے میں فیصلے) کا اختیار اللہ اور رسول کو حاصل ہے۔ لہذا تم ڈرو، اور آپس کے تعلقات درست کر لو۔“		
۳۳۹	باب: ”اور یہ کہتے جانا کہ (یا اللہ) ہم آپ کی بخشش کے طلب گار ہیں۔“		
۳۳۹	باب: ﴿إِنْ شَرَّ الدَّوَابِّ عِنْدَ اللَّهِ﴾		

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۳۴۲	(قرآن) ہی وہ حق جو تیری طرف سے آیا ہے	۳۴۲	الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِينَ لَا يَعْقِلُونَ ﴿۲۲﴾ [۲۲]
۳۴۳	تو بارش (عذاب) برسا دے۔		باب: ”یقین رکھو کہ اللہ کے نزدیک بدترین
۳۴۵	مشرکین قریش پر اللہ کا عذاب		جانوروں سے بہرے گوئے لوگ ہیں جو عقل سے
	(۵) باب: ﴿وَقَالُوا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ أَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِي أَصْحَابِ آلِ فِرْعَوْنَ وَمَنْ لَمْ يَرْجُ عِندَ رَبِّهِ إِلَّا الْهُدَاهِيَّ قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ أُولَٰئِكَ عَلَىٰ رِجْتِكُمْ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ﴾ [۳۹]	۳۴۲	کام نہیں لیتے۔
۳۴۶	باب: ”اور (مسلمانو!) ان کافروں سے	۳۴۲	جانوروں سے بدتر لوگ
	لڑتے رہو، یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے، اور	۳۴۲	آیت سے مراد
۳۴۶	دین پورے کا پورا اللہ کا ہو جائے۔		(۲) باب: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا
۳۴۶	فتنہ اور دین کی تفسیر		اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا
۳۴۹	حدیث کا ترجمہ و تشریح		يُخَيِّرْكُمْ، وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَحُولُ بَيْنَ
	(۶) باب: ﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ	۳۴۳	الْمَرْءِ وَقَلْبِهِ وَأَنَّهُ إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ﴾
۳۵۰	المُؤْمِنِينَ عَلَى الْقِتَالِ﴾ [۶۵]		[۲۳]
۳۵۰	باب: ”اے نبی! مومنوں کو جنگ پر		باب: ”اے ایمان والو! اللہ اور رسول کی
	اُبھارو۔“		دعوت قبول کرو، جب رسول تمہیں اُس بات کی
۳۵۱	دعوت و تبلیغ میں اسلوب و انداز		طرف بلائے جو تمہیں زندگی بخشنے والی ہے۔
۳۵۱	آیت کی تشریح و مراد		اور یہ بات جان رکھو کہ اللہ انسان اور اُس کے
	(۷) باب: ﴿الآن خَفَّفَ اللَّهُ عَنْكُمْ		دل کے درمیان آڑ بن جاتا ہے، اور یہ کہ تم
۳۵۲	وَعَلِمَ أَنَّ فِيكُمْ ضَعْفًا﴾ الآية [۶۶]	۳۴۳	سب کو اسی کی طرف اکٹھا کر کے لے جایا
	باب: ”لو اب اللہ نے تم سے بوجھ ہلکا کر دیا،	۳۴۳	جائے۔“
	اور اُس کے علم میں ہے کہ تمہاری اندر کچھ		مسئلہ
۳۵۲	کمزوری ہے۔“		(۳) باب قولہ: ﴿وَإِذْ قَالُوا اللَّهُمَّ إِن
۳۵۳	تخفیف کا حکم: ابن عباس رضی اللہ عنہما کی تفسیر	۳۴۳	كَانَ هَذَا هُوَ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِكَ
			فَأَمِطْرُ﴾ [الآية: ۳۲]
۳۵۵	(۹) سورة براءة		اس ارشاد کا بیان کہ: ”(اور ایک وقت وہ تھا)
			جب انہوں نے کہا تھا کہ: ”یا اللہ! اگر یہ

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
	(۳) باب قولہ: ﴿وَأَذَانٌ مِنَ اللَّهِ	۳۵۵	سورۃ براءۃ رتوبہ کا بیان
۳۶۲	وَرَسُولِهِ﴾ الی قولہ: ﴿الْمُشْرِكِينَ﴾	۳۵۵	وجہ تسمیہ
	اس ارشاد کا بیان: ”اللہ اور اُس کے رسول کی	۳۵۵	سورۃ براءۃ کے مضامین کا حاصل
	طرف تمام انسانوں کے لئے یہ اعلان کیا	۳۵۸	ترجمہ و تشریح
۳۶۲	جاتا ہے۔“		(۱) باب قولہ: ﴿بَرَاءَةٌ مِّنَ اللَّهِ
	جزیرۃ العرب کی تطہیر اور میعادی معاہدہ ختم		وَرَسُولِهِ إِلَى الَّذِينَ عَاهَدْتُمْ مِنَ
۳۶۳	ہونے کا اعلان	۳۵۹	الْمُشْرِكِينَ﴾ [۱]
	(۳) باب: ﴿إِلَّا الَّذِينَ عَاهَدْتُمْ مِنَ		اس ارشاد کا بیان کہ: ”(مسلمانو!) یہ اللہ اور
۳۶۳	الْمُشْرِكِينَ﴾ [۳]		اُس کے رسول کی طرف سے دستبرداری کا
	باب: ”البتہ (مسلمانو!) جن مشرکین سے تم		اعلان ہے اُن مشرکین کے خلاف جن سے تم
۳۶۳	نے معاہدہ کیا۔“	۳۵۹	نے معاہدہ کیا ہوا ہے۔“
۳۶۳	دو ٹوک آگاہی کا اعلان، لیکن معاہدہ کا احترام	۳۶۰	ترجمہ و تشریح
	(۵) باب قولہ تعالیٰ: ﴿فَقَاتِلُوا أُمَّةَ		(۲) باب قولہ: ﴿فَلْيَسْبُخُوا فِي الْأَرْضِ
۳۶۵	الْكُفْرِ إِنَّهُمْ لَا أَيْمَانَ لَهُمْ﴾ [۱۲]		أَزْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَاعْلَمُوا أَنَّكُمْ
	اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا بیان کہ: ”تو ایسے		غَيْرُ مُعْجِزِي اللَّهِ وَأَنَّ اللَّهَ مُخْزِي
	کفر کے سربراہوں سے اس نیت سے جنگ	۳۶۱	الْكَاْفِرِينَ﴾ [۲]
۳۶۵	کرد کہ وہ باز آجائیں، کیونکہ یہ ایسے لوگ ہیں		ارشاد کا بیان کہ: ”لہذا (اے مشرکوا!) تمہیں
۳۶۵	کہ ان کی قسموں کی کوئی حقیقت نہیں۔“		چار مہینے تک اجازت ہے کہ تم (عرب کی)
۳۶۶	آیت کا خلاصہ		سرزمین میں آزادی سے گھومو پھرو، اور یہ
	”اُمۃ الکفر“ کی تفسیر		بات جان رکھو کہ تم اللہ کو عاجز نہیں کر سکتے، اور یہ
	(۶) باب قولہ: ﴿وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ		یہ بات بھی کہ اب کافروں کو زسوا کرنے
	الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يَنْفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ	۳۶۱	والا ہے۔“
۳۶۷	اللَّهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ﴾ [۳۳]	۳۶۱	معاہدہ ختم - دو ٹوک اعلان
	اس ارشاد کا بیان کہ: ”اور جو لوگ سونے	۳۶۲	سالار حج اور مشرکین کو اعلان آگاہی

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۳۶۹	معاظے میں اپنی جانوں پر ظلم نہ کرو۔	۳۶۷	چاندی کو جمع کر کے رکھتے ہیں، اور اس کو اللہ کے راستے میں خرچ نہیں کرتے، اُن کو ایک دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دو۔
۳۷۰	جاہلیت کے زمانے مہینوں کو آگے پیچھے کرنے کی رسم	۳۶۷	حضرت ابوذر غفاری <small>رضی اللہ عنہ</small> کا تقویٰ اور احتیاط مسئلہ
۳۷۰	مہینوں کی ترتیب و تعیین آسانی ہے	۳۶۸	(۷) باب قولہ عزوجل: ﴿يَوْمَ يُخَمَّىٰ عَلَيْهِمَا لِي نَارٍ جَهَنَّمَ فَيُكْوَىٰ بِهَا﴾ [۳۵]
۳۷۱	تاریخ و سال کا حساب چاند و سورج دونوں سے	۳۶۸	اللہ عزوجل کے اس ارشاد کا بیان: ”جس دن اس دولت کو جہنم کی آگ میں تپایا جائے گا، پھر اُس سے ان لوگوں کو داغا جائے گا۔“
۳۷۱	(۹) باب قولہ: ﴿ثَانِيَ النَّيْنِ إِذْ هُمَا فِي الْغَارِ إِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ لَا تَحْزَنْ إِنَّا نَلْفِئُكَ اللَّهُ مَعَنَا﴾ [۳۰]	۳۶۸	بخیل کے بخل کی سزا
۳۷۲	اس ارشاد کا بیان کہ: ”جب وہ دو آدمیوں میں سے دوسرے تھے، جب وہ دونوں غار میں تھے، جب وہ اپنے ساتھی سے کہہ رہے تھے کہ: غم نہ کرو اللہ ہمارے ساتھ ہے۔“	۳۶۸	(۸) باب قولہ: ﴿إِنَّ عِدَّةَ الشُّهُورِ عِنْدَ اللَّهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِي كِتَابِ اللَّهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ مِنْهَا أَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ذَلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ فَلَا تَظْلِمُوا فِيهِنَّ أَنْفُسَكُمْ﴾ [۳۶]
۳۷۲	سفرِ ہجرت اور رسول اللہ <small>صلی اللہ علیہ وسلم</small> کا اطمینان	۳۶۹	اس ارشاد کا بیان کہ: ”حقیقت یہ ہے کہ اللہ کے نزدیک مہینوں کی تعداد بارہ مہینے ہے، جو اللہ کی (یعنی لوح محفوظ) کے مطابق اُس دن سے نافذ چلی آتی ہے جس دن اللہ آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا تھا۔ یہی دین (کا) کا سیدھا سادہ (تقاضا) ہے، لہذا ان مہینوں کے
۳۷۳	ابن زبیر رضی اللہ عنہما کے فضائل		
۳۷۳	ابن عباس اور ابن زبیر رضی اللہ عنہما کے مابین رنجش کی وجہ		
۳۷۵	تشریح		
۳۷۹	(۱۰) باب قولہ: ﴿وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ﴾ [۶۰]		
۳۷۹	اس ارشاد کا بیان کہ: ”اور ان کا جن کی دلداری مقصود ہے، نیز انہیں غلاموں کو آزاد کرنے میں۔“		
۳۷۹	رسول اللہ <small>صلی اللہ علیہ وسلم</small> کے بعد مؤلفۃ قلوبہم کا		

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۳۸۶	پر نماز (جنازہ) مت پڑھنا، اور نہ اس کی قبر پر کھڑے ہونا۔	۳۷۹	حکم
۳۸۷	(۱۳) باب قولہ: ﴿سَيَخْلِفُونَ بِاللَّهِ لَكُمْ إِذَا انْقَلَبْتُمْ إِلَيْهِمْ لِيُغْفِرُوا عَنْهُمْ﴾ الآية [۹۵]	۳۸۰	لی الرقاب - سے مراد اور اس میں اختلاف (۱۱) باب قولہ: ﴿الَّذِينَ يَلْمِزُونَ الْمُطَّوِّعِينَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ فِي الصَّدَقَاتِ﴾ [۷۹]
۳۸۷	اس ارشاد کے بیان میں کہ: ”جب تم ان کے پاس واپس جاؤ گے تو یہ لوگ تمہارے سامنے اللہ کی قسمیں کھائیں گے، تاکہ تم ان سے درگزر کرو۔“	۳۸۲	اس ارشاد کا بیان: ”(یہ منافق وہی ہیں) جو خوشی سے صدقہ کرنے والوں کو بھی طعنے دیتے ہیں۔“
۳۸۷	(۱۵) باب قولہ: ﴿وَآخِرُونَ اغْتَرَفُوا بِلُدُنِيهِمْ﴾ الآية [۱۰۲]	۳۸۲	منافقین کے مخلص مسلمانوں کو طعنے صدقہ سے مال بڑھتا ہے
۳۸۸	اس ارشاد کا بیان کہ: ”اور کچھ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنی کوتاہیوں کا اعتراف کر لیا ہے۔“	۳۸۳	صدقہ کی برکات
۳۸۸	آیت کا شان نزول	۳۸۳	(۱۲) باب قولہ: ﴿اسْتَغْفِرْ لَهُمْ أَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ إِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِينَ مَرَّةً فَلَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَهُمْ﴾ [۸۰]
۳۸۹	اپنے گناہوں پر اظہارِ ندامت	۳۸۴	اس ارشاد کے بیان: ”(اے نبی!) تم ان کیلئے استغفار کرو یا نہ کرو، اگر تم ان کیلئے ستر مرتبہ استغفار کرو گے تب بھی اللہ انہیں معاف نہیں کرے گا۔“
۳۹۰	(۱۶) باب قولہ: ﴿مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ﴾ [۱۱۳]	۳۸۶	احسان کا ازالہ بھی، قبولِ اسلام کا مالہ بھی
۳۹۰	اس ارشاد کا بیان کہ: ”یہ بات نہ تو نبی کو زریب دیتی ہے، اور نہ دوسرے مومنوں کو کہ وہ مشرکین کیلئے مغفرت کی دعا کریں۔“	۳۸۶	(۱۳) باب قولہ: ﴿وَلَا تُصَلِّ عَلَى أَحَدٍ مِنْهُمْ مَاتَ أَبَدًا وَلَا تَقُمْ عَلَى قَبْرِهِ﴾ [۸۴]
۳۹۰	مشرکین کیلئے دعاءِ مغفرت کی ممانعت	۳۸۶	اس ارشاد کا بیان: ”اور (اے پیغمبر!) ان (منافقین) میں سے جو کوئی مر جائے، تو تم اس
۳۹۰	(۱۷) باب قولہ: ﴿لَقَدْ تَابَ اللَّهُ عَلَى		

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۳۹۷	مَا عَنِتُمْ ﴿۱۲۸﴾ اس ارشاد کا بیان: ”(لوگو!) تمہارے پاس ایک ایسا رسول آیا ہے جو تمہی میں سے ہے، جس کو تمہاری ہر تکلیف بہت گراں معلوم ہوتی ہے۔“	۳۹۱	النَّبِيِّ وَالْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ ﴿۱۱۷﴾ اس ارشاد کا بیان: ”حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے رحمت کی نظر فرمائی ہے نبی پر اور ان مہاجرین اور انصار پر۔“
۳۹۷	رسول اللہ ﷺ کی ذات: ہر ایک کیلئے رحمت ہے۔“	۳۹۱	کٹھن حالات میں شریک جہاد ہونے پر اللہ کی رحمت
۳۹۷	رسول اللہ ﷺ کی ذات: ہر ایک کیلئے رحمت ہے۔“	۳۹۱	صدائق کی برکت سے جوش طاعت میں اضافہ
۳۰۱	(۱۰) سورۃ یونس	۳۹۲	(۱۸) باب: ﴿وَعَلَى الثَّلَاثَةِ الَّذِينَ خَلَقُوا حَتَّىٰ إِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحَّبَتْ﴾ الآية [۱۱۸]
۳۰۱	سورۃ یونس کا بیان	۳۹۳	باب: ”اور ان تینوں پر بھی (اللہ نے رحمت کی نظر فرمائی) جن کا فیصلہ ملوئی کر دیا گیا تھا، یہاں تک کہ جب ان پر یہ زمین اپنی ساری وسعتوں کے باوجود تنگ ہو گئی۔“
۳۰۱	وجہ تسمیہ	۳۹۳	تشریح
۳۰۱	سورت کا مرکزی مضمون	۳۹۵	(۱۹) باب: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ﴾ [۱۱۹]
۳۰۲	(۱) باب:	۳۹۶	باب: ”اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو، اور سچے لوگوں کے ساتھ رہا کرو۔“
۳۰۲	یہ باب بلا عنوان ہے۔	۳۹۷	سچائی میں برکت اور جھوٹ میں نحوست
۳۰۲	ترجمہ و تشریح	۳۹۷	(۲۰) باب قولہ: ﴿لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ
۳۰۲	(۲) باب: ﴿وَجَاوَزْنَا بِبَنِي إِسْرَائِيلَ الْبَحْرَ فَأَتَيْنَهُمُ فِرْعَوْنَ وَجُنُودَهُ بَغْيًا وَعَدُوا حَتَّىٰ إِذَا أَدْرَكَهُ الْغَرَقُ قَالَ آمَنْتُ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا الَّذِي آمَنْتُ بِهِ بَنُو إِسْرَائِيلَ وَأَنَا مِنَ الْمُسْلِمِينَ﴾ [۹۰]	۳۹۶	باب: ”اور ہم نے بنو اسرائیل کو سمندر پار کر دیا، تو فرعون اور اس کے لشکر نے بھی ظلم اور زیادتی کی نیت سے ان کا پیچھا کیا، یہاں تک کہ جب ڈوبنے کا انجام اُس کے سر پر آپہنچا تو کہنے لگا: میں مان گیا کہ جس خدا پر بنو

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۳۱۱	اس ارشاد کا بیان کہ: ”جبکہ اُس کا عرش پانی پر تھا۔“	۳۰۳	اسرائیل ایمان لائے ہیں، اُس کے سوا کوئی معبود نہیں، اور میں بھی فرماں برداروں میں شامل ہوتا ہوں۔“
۳۱۲	ترجمہ و تشریح	۳۰۳	﴿تَنْجِيكَ﴾ کی تفسیر اور اس میں اقوال
۳۱۳	(۳) باب:	۳۰۵	فرعون کی لاش دیکھنا کیسا ہے؟
۳۱۳	یہ باب بلا عنوان ہے۔	۳۰۷	(۱۱) سورۃ ہود
۳۱۳	ترجمہ و تشریح	۳۰۷	سورۃ ہود کا بیان
۳۱۵	(۳) باب قولہ: ﴿وَيَقُولُ الْأَشْقَاءُ هَؤُلَاءِ الَّذِينَ كَذَّبُوا﴾ [۱۸]	۳۰۷	سورت میں عذاب الہی کے واقعات
۳۱۵	اس ارشاد کا بیان کہ: ”اور وہ گواہی دینے والے کہیں گے کہ یہ ہیں وہ لوگ جنہوں نے اپنے پروردگار پر جھوٹی باتیں لگائی تھیں۔“	۳۰۸	ترجمہ و تشریح
۳۱۵	(۵) باب قولہ: ﴿وَكَذَلِكَ أَخْذُ رَبِّكَ إِذَا أَخَذَ الْقَرْيَةَ وَهِيَ ظَالِمَةٌ إِنَّهَا أَخَذَهُ أَتَمَّ حَسْبِنَا﴾ [۱۰۲]	۳۰۹	﴿أَلَا إِنَّهُمْ يَشْتُونَ صُدُورَهُمْ﴾ کی تفسیر
۳۱۶	اس ارشاد کا بیان کہ: ”اور جو بستیاں ظالم ہوتی ہیں، تمہارا رب جب ان کو گرفت میں لیتا ہے تو اُس کی پکڑ ایسی ہی ہوتی ہے۔ واقعی اُس کی پکڑ بڑی دردناک، بڑی سخت ہے۔“	۳۰۹	(۱) باب: ﴿أَلَا إِنَّهُمْ يَشْتُونَ صُدُورَهُمْ لِيَسْتَخْفُوا مِنْهُ الْأَجِنَّ يَسْتَفْشُونَ لِيَابَهُمْ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّونَ وَمَا يُعْلِنُونَ إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ﴾ [۵]
۳۱۶	ترجمہ و تشریح	۳۰۹	باب: ”دیکھو، یہ لوگ اپنے سینوں کو اُس سے چھپنے کے لئے ڈہرا کر لیتے ہیں۔ یاد رکھو جب یہ اپنے اُد پر کپڑے لپیٹتے ہیں، اللہ ان کی وہ باتیں بھی جانتا ہے جو یہ چھپاتے ہیں، اور وہ بھی جو یہ علی الاعلان کرتے ہیں۔“
۳۱۶	(۶) باب قولہ: ﴿وَأَقِمِ الصَّلَاةَ طَرَفِي النَّهَارِ وَزُلْفًا مِنَ اللَّيْلِ إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُلْهِنُ السَّيِّئَاتِ﴾ الآية [۱۱۳]	۳۰۹	آیت کی تفسیر میں مختلف اقوال
۳۱۷	اس ارشاد کا بیان کہ: ”اور (اے پیغمبر!) دن کے دونوں سروں پر اور رات کے کچھ حصوں	۳۱۱	ترجمہ و تشریح
		۳۱۱	(۲) باب قولہ: ﴿وَكَانَ عَرْشُهُ عَلَى الْمَاءِ﴾ [۷]

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۳۲۸	أَنْفُسِكُمْ أَمْراً فَصَبِرْ جَمِيلٌ ﴿۱۸﴾ [۱۸] اس ارشاد کا بیان کہ: ”اُن کے والد نے کہا: (حقیقت یہ نہیں ہے) بلکہ تمہارے دلوں نے اپنی طرف سے ایک بات بنالی ہے۔ اب تو میرے لئے صبر ہی بہتر ہے۔“	۳۱۷	میں نماز قائم کرو۔“
۳۲۸	(۳) باب قولہ: ﴿وَرَاوَدْتُهُ الَّتِي هُوَ فِي بَيْتِهَا عَنْ نَفْسِهِ وَخَلَقَتِ الْأَنْزَابَ وَقَالَتْ هَيْت لَكَ﴾ [۲۳] اس ارشاد کا بیان کہ: ”اور جس عورت کے گھر میں وہ رہتے تھے، اُس نے اُن کو درغلانے کی کوشش کی، اور سارے دروازے بند کرنے کے بعد کہنے لگی: آ بھی جاؤ۔“	۳۱۷	اوقاتِ صلوٰۃ کا اجمالی بیان
۳۲۹	(۵) باب قولہ: ﴿فَلَمَّا جَاءَهُ الرُّسُولُ قَالَ اِزْجِعِ الِی رَبِّكَ﴾ الی قولہ ﴿فَلَنْ حَاسِبٌ لَّهِ﴾ [۵۰، ۵۱] اس ارشاد کا بیان کہ: ”چنانچہ جب اُن کے پاس اٹیچی پہنچا تو یوسف نے کہا: اپنے مالک کے پاس واپس جاؤ، اور اُن سے پوچھو کہ اُن عورتوں کا کیا قصہ ہے جنہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ ڈالے تھے؟ میرا پروردگار ان عورتوں کے کر سے خوب واقف ہے۔ بادشاہ نے (اُن عورتوں کو بلا کر اُن سے) کہا: تمہارا کیا قصہ تھا جب تم نے یوسف کو درغلانے کی کوشش کی تھی؟ ان سب عورتوں نے کہا کہ: حاشا للہ!“	۳۱۷	عظیم فائدہ ترجمہ و تشریح
۳۲۹	(۱) باب قولہ: ﴿وَيَتِمُّ بِعِمَّتِهِ عَلَيْكَ وَعَلَى آلِ يَعْقُوبَ﴾ الایۃ [۶] اس ارشاد کا بیان کہ: ”اور تم پر اور یعقوب کی اولاد پر اپنی نعمت اسی طرح پوری کرے گا۔“	۳۱۹	(۱۲) سورۃ یوسف
۳۳۱	(۲) باب قولہ: ﴿لَقَدْ كَانَ فِي يُوسُفَ وَإِخْوَتِهِ آيَاتٍ لِلْمُتَسَائِلِينَ﴾ [۷] اس ارشاد کا بیان کہ: ”حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ (تم سے یہ واقعہ) پوچھ رہے ہیں، اُن کیلئے یوسف اور اُن کے بھائیوں (کے حالات میں) بڑی نشانیاں ہیں۔“	۳۲۱	سورۃ یوسف کا بیان
۳۳۱	(۳) باب قولہ: ﴿قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ	۳۲۱	کنویں سے بازارِ مصر تک، اسیری سے زعمیم سلطنت تک کا سفر
		۳۲۲	احسن القصص - نہایت حسین طرزِ بیان
		۳۲۳	ترجمہ و تشریح
		۳۱۶	قاصد یوسف الطیغی میں عقل والوں کیلئے نشانیاں
		۳۱۶	(۳) باب قولہ: ﴿قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۴۴۳	(۱) باب قولہ: ﴿كُشِّجَوْرَةٌ طَيِّبَةٌ أَضْلَاهَا ثَابِتٌ﴾ الآية [۲۳]	۴۴۲	مقام عبدیت
۴۴۳	اس ارشاد کا بیان کہ: ”وہ ایک پاکیزہ درخت کی طرح ہے جس کی جڑ (زمین میں) مضبوطی سے جھی ہوئی ہے۔“	۴۴۳	(۶) باب قولہ: ﴿حَتَّىٰ إِذَا امْتَنَّا سَ الرُّؤْسُلُ﴾ [۱۱۰]
۴۴۳	بولنا علم ہے تو کب بولنا یہ حکمت ہے!	۴۴۳	اس ارشاد کا بیان کہ: ”یہاں تک کہ جب پیغمبر مالوس ہو گئے۔“
۴۴۳	(۲) باب: ﴿يُنْبِثُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ﴾ [۲۷]	۴۴۴	شکال و جواب
۴۴۳	باب: ”جو لوگ ایمان لائے ہیں، اللہ ان کو اس مضبوط بات پر۔“	۴۴۵	(۱۳) سورة الرعد
۴۴۳	ایمان دنیا و نرت میں ثابت قدمی کا سبب	۴۴۵	سورة رعد کا بیان
۴۴۳	(۳) باب: ﴿أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ بَدَّلُوا بِعَمَّةِ اللَّهِ كُفْرًا﴾ [۲۸]	۴۴۵	قدرتِ کاملہ، وحدانیت، عقیدہ رسالت و آخرت
۴۴۵	باب: ”کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنہوں نے اللہ کی نعمت کو کفر سے بدل ڈالا۔“	۴۴۶	ترجمہ و تشریح
۴۴۵	ترجمہ و تشریح	۴۴۸	(۱) باب قولہ: ﴿اللَّهُ يُعَلِّمُ مَا نَحْمِلُ كُلُّ أُنثَىٰ وَمَا تَغِيضُ الْأَرْحَامُ﴾ [۸]
۴۴۵	رؤسائے قریش اور کفرانِ نعمت	۴۴۸	اس ارشاد کا بیان کہ: ”جس کسی مادہ کو جو حمل ہوتا ہے، اللہ اس کو بھی جانتا ہے، اور ماؤں کے رحم میں جو کوئی کمی بیشی ہوتی ہے، اس کو بھی۔“
۴۴۷	(۱۵) تفسیر سورة الحجر	۴۴۹	مفاتیح الغیب
۴۴۷	سورة حجر کی تفسیر	۴۴۱	(۱۳) سورة ابراهيم
۴۴۷	کفار کی تردید، مسلمانوں کی تسلی اور موثر انداز میں تبلیغ کی تعلیم	۴۴۱	سورة ابراهيم کا بیان
۴۴۸	سورت کی وجہ تسمیہ	۴۴۱	وجہ تسمیہ
۴۴۸	ترجمہ و تشریح	۴۴۲	ترجمہ و تشریح

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۳۵۸	”مُقْتَسِمِينَ“ کا مصداق	۳۳۹	(۱) باب قولہ: ﴿إِلَّا مَنْ اسْتَرَقَ السَّمْعَ فَاتَّبَعَهُ شِهَابٌ مُبِينٌ﴾
۳۵۹	(۵) باب قولہ: ﴿وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتَّىٰ يَأْتِيَكَ الْيَقِينُ﴾ [۹۹]	۳۳۹	اس ارشاد کا بیان: ”البتہ جو کوئی چوری سے کچھ سننے کی کوشش کرے تو ایک روشن شعلہ اُس کا پیچھا کرتا ہے۔“
۳۵۹	اس ارشاد کا بیان: ”اور اپنے پروردگار کی عبادت کرتے رہو، یہاں تک کہ تم پر وہ چیز آجائے جس کا آنا یقینی ہے۔“	۳۵۱	تشریح
۳۵۹	ذکر اللہ: قلب و ذہن کی راحت کا ساماں	۳۵۲	شہاب ثاقب اور فلاسفہ
۳۶۱	(۱۶) سورة النحل	۳۵۳	(۲) باب قولہ: ﴿وَلَقَدْ كَذَّبَ أَصْحَابُ الْحِجْرِ الْمُرْسَلِينَ﴾ [۸۰]
۳۶۱	سورت النحل کا بیان	۳۵۳	اس ارشاد کا بیان: ”اور حجر کے باشندوں نے بھی پیغمبروں کو جھٹلایا تھا۔“
۳۶۱	وجہ تشبیہ	۳۵۳	مقامات عذاب میں جانے کی ممانعت
۳۶۱	نعتوں کا تذکرہ، قبول ایمان کی دعوت	۳۵۵	(۳) باب قولہ: ﴿وَلَقَدْ آتَيْنَاكَ مَبْعَأً مِنَ الْمَنَافِي وَالْقُرْآنَ الْعَظِيمَ﴾ [۸۷]
۳۶۱	اور شرعی احکام پر مشتمل سورة	۳۳۵	اس ارشاد کا بیان کہ: ”اور ہم نے تمہیں سات ایسی آیتیں دے رکھی ہیں جو بار بار پڑھی جاتی ہیں، اور عظمت والا قرآن عطا کیا ہے۔“
۳۶۳	ترجمہ و تشریح	۳۵۶	قرآن کریم کا خلاصہ و متن
۳۶۵	(۱) باب قولہ تعالیٰ: ﴿وَمِنْكُمْ مَنْ يُؤَدُّ إِلَيَّ أَرْذَلِ الْعُمُرِ﴾ [۷۰]	۳۵۶	(۳) باب قولہ عز وجل: ﴿الَّذِينَ جَعَلُوا الْقُرْآنَ عِضِينَ﴾ [۹۱]
۳۶۵	اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا بیان: ”اور تم میں سے کوئی ایسا ہوتا ہے جو عمر کے سب سے ناکارہ حصے تک پہنچا دیا جاتا ہے۔“	۳۶۲	عز وجل کے ارشاد کا بیان: ”جنہوں نے (اپنی) پڑھی جانے والی کتاب کے حصے بخرے کر لئے تھے۔“
۳۶۵	انسان کی حیثیت!	۳۵۷	ترجمہ و تشریح
۳۶۲	دعائے مأثورہ	۳۵۷	
۳۶۷	(۱۷) سورة بنی اسرائیل	۳۵۷	
۳۶۷	سورة بنی اسرائیل کا بیان		

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۳۷۹	أَمْزْنَا مُتَوَلِّبِيهَا ﴿الآية [۱۶]	۳۶۷	وجہ تسمیہ
۳۷۹	باب: اور جب ہم کسی بستی کو ہلاک کرنے کا ارادہ کرتے ہیں تو اُس کے خوش حال لوگوں کو	۳۶۷	رسالت کا ثبوت، معاندین کا انجام
۳۷۹	(ایمان اور اطاعت کا) حکم دیتے ہیں۔“	۳۶۸	مسلمانوں کو دینی و معاشرتی اور اخلاقی طرز عمل کی ہدایات
۳۷۹	عذاب الہی آنے کی علامت	۳۶۸	(۱) باب:
۳۸۰	باب (۵) ﴿ذُرِّيَّةٌ مِّنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوحٍ إِنَّهُ كَانَ عَبْدًا شَكُورًا﴾ [۳]	۳۶۸	یہ باب بلا عنوان ہے۔
۳۸۰	باب: ”اے اُن لوگوں کی اولاد جن کو ہم نے نوح کے ساتھ کشتی میں سوار کیا تھا! وہ بڑے شکر گزار بندے تھے۔“	۳۶۹	(۲) باب:
۳۸۰	باب (۶) ﴿وَآتَيْنَا دَاوُدَ زَبُورًا﴾ [۵۵]	۳۶۹	یہ باب بلا عنوان ہے۔
۳۸۲	اس ارشاد کا بیان: ”اور ہم نے داؤد کو زبور عطا کی تھی۔“	۳۶۹	ترجمہ و تشریح
۳۸۲	باب (۷) ﴿لَقَدْ أَذْعَوْا الَّذِينَ زَعَمْتُمْ مِنْ ذُرِّيَّتِهِ﴾ [۵۶]	۳۷۱	(۳) باب قولہ: ﴿أَسْرَىٰ بِعَبْدِهِ لِيَلَا مَنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ﴾ [۱]
۳۸۵	باب: ”(جو لوگ اللہ کے علاوہ دوسرے معبودوں کو مانتے ہیں، اُن سے) کہہ دو کہ: جن کو تم نے اللہ کے سوا معبود سمجھ رکھا ہے، انہیں پکار کر دیکھو۔“	۳۷۱	اس ارشاد کا بیان: ”جو اپنے بندے کو راتوں رات مسجد حرام سے۔“
۳۸۵	باب (۸) ﴿أُولَٰئِكَ الَّذِينَ يَدْعُونَ يَبْتَغُونَ إِلَىٰ رَبِّهِمُ الْوَسِيلَةَ﴾ الآية [۵۷]	۳۷۱	مختصر واقعہ معراج
۳۸۵	اس ارشاد کا بیان: ”جن کو یہ لوگ پکارتے	۳۷۳	دودھ اور شراب پیش کرنے کی حکمت قریش کے سوالات پر بیت المقدس آنحضرت ﷺ کے سامنے لانا
		۳۷۵	(۴) باب قولہ تعالیٰ: ﴿وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ﴾
		۳۷۶	اللہ تعالیٰ کے ارشاد کا بیان: ”اور حقیقت یہ ہے کہ ہم نے آدم کی اولاد کو عزت بخشی ہے۔“
		۳۷۶	بنی آدم کی فضیلت کی وجہ
		۳۷۸	ترجمہ و تشریح
			باب: ﴿وَإِذَا أَرَدْنَا أَنْ نُهْلِكَ قَرْيَةً

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۳۹۰	گیا۔“ حق کی برتری اور باطل کا سرنگوں کا خدائی	۳۸۵	ہیں، وہ تو خود اپنے پروردگار تک پہنچنے کا وسیلہ تلاش کرتے ہیں۔“
۳۹۱	اعلان شرک و کفر اور باطل کی رسوم و نشانات کا مٹانا	۳۸۶	تشریح
۳۹۱	واجب ہے (۱۳) باب: ﴿وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ	۳۸۶	(۹) باب: ﴿وَمَا جَعَلْنَا الرُّؤْيَا الَّتِي
۳۹۲	الرُّوحِ﴾ [۸۵] باب: ”اور (اے پیغمبر!) یہ لوگ تم سے رُوح	۳۸۶	أَرْبَابِكُمْ إِلَّا لِيُنذِرَ النَّاسَ﴾ [۶۰] باب: ”اور ہم نے جو نظارہ تمہیں دکھایا ہے،
۳۹۲	کے بارے میں پوچھتے ہیں۔“	۳۸۶	اُس کو ہم نے (کافر) لوگوں کیلئے بس ایک فتنہ بنادیا۔“
۳۹۳	رُوح کی حقیقت	۳۸۷	فتنہ میں ڈالنے سے مراد
۳۹۳	ہر سوال کا جواب دینا ضروری نہیں	۳۸۸	”رُویا“ کی تشریح
۳۹۳	(۱۳) باب: ﴿وَلَا تَجْهَرُ بِصَلَاتِكَ	۳۸۸	تھوہر کا درخت: دوزخیوں کی خوراک
۳۹۳	وَلَا تَخَالِثَ بِهَا﴾ [۱۱۰] باب: ”اور تم اپنی نماز نہ بہت اونچی آواز سے	۳۸۸	(۱۰) باب قولہ: ﴿إِنَّ قُرْآنَ
۳۹۳	پڑھو، اور نہ بہت پست آواز سے۔“	۳۸۸	الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُودًا﴾ [۷۸] اس ارشاد کا بیان: ”یاد رکھو فجر کی تلاوت میں
۳۹۳	آیت کا شان نزول	۳۸۹	مجمع حاضر ہوتا ہے۔“
۳۹۵	قرأت میں میانہ روی کا حکم	۳۸۹	فجر و عصر باجماعت پڑھنے کی خصوصی تاکید
۳۹۷	(۱۸) سورة الكهف	۳۸۹	(۱۱) باب قولہ: ﴿عَسَى أَنْ يَبْعَثَكَ
۳۹۷	سورة كهف کا بیان	۳۸۹	رَبُّكَ مَقَامًا مَّخْمُودًا﴾ [۷۹] اس ارشاد کا بیان: ”امید ہے کہ تمہارا رب
۳۹۷	سورت کی وجہ تسمیہ اور مرکزی موضوعات	۳۸۹	تمہیں مقام محمود تک پہنچائے گا۔“
۳۹۸	سورة كهف کی خصوصیات اور فضائل	۳۸۹	مقام محمود کا وعدہ
۳۹۹	ترجمہ و تشریح	۳۹۰	(۱۲) باب: ﴿وَلَقَدْ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ
	(۱) باب قولہ: ﴿وَكَانَ الْإِنْسَانُ		الْبَاطِلُ﴾ الآية [۸۱] باب: ”اور کہو کہ: حق آن پہنچا، اور باطل مٹ

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۵۱۳	[۶۲-۶۳] اس ارشاد کا بیان: ”پھر جب دونوں آگے نکل گئے، تو موسیٰ نے اپنے نوجوان سے کہا کہ: ہمارا ناشتہ لاؤ، سچی بات یہ ہے کہ ہمیں اس میں سفر میں بڑی تھکاوٹ لاحق ہو گئی ہے۔“	۵۰۰	أَكْفَرُ هُنَىٰ جَدًّا ﴿۵۳﴾ اس ارشاد کا بیان: ”اور انسان ہے کہ جھگڑا کرنے میں ہر چیز سے بڑھ گیا ہے۔“
۵۱۳	ترجمہ و تشریح	۵۰۱	ترجمہ و تشریح
۵۱۳	ترجمہ و تشریح	۵۰۲	(۲) باب قولہ: ﴿وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِقَتَاہُ لَا أَبْرَحُ حَتَّىٰ أَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ أَوْ أَمْضِيَ حُقُبًا﴾ [۶۰] اس ارشاد کا بیان: ”اور (اُس وقت کا ذکر سنو) جب موسیٰ نے اپنے نوجوان (شاگرد) سے کہا تھا کہ: میں اُس وقت تک اپنا سفر جاری رکھوں گا جب تک دو سمندروں کے سنگم پر نہ پہنچ جاؤں، ورنہ برسوں چلا رہوں گا۔“
۵۱۳	(۵) باب قولہ تعالیٰ: ﴿قَالَ أَرَأَيْتَ إِذْ أَوْنَا إِلَى الصُّخْرَةِ﴾ الی آخرہ اس ارشاد کا بیان: ”اُس نے کہا: بھلا بتائیے! (عجیب قصہ ہو گیا) جب ہم اُس چٹان پر ٹھہرے تھے تو میں مچھلی (کا آپ سے ذکر کرنا) بھول گیا۔“	۵۰۲	(۳) باب قولہ: ﴿فَلَمَّا بَلَغَا مَجْمَعَ بَيْنَهُمَا نِسِيَا خُوتَهُمَا فَاتَّخَذَ سَبِيلَهُ لِي الْبَحْرِ سَرَبًا﴾ [۶۱] اس ارشاد کا بیان: ”چنانچہ جب وہ سنگم پر پہنچے تو دونوں اپنی مچھلی کو بھول گئے، اور اس نے سمندر میں ایک سرنگ کی طرح کا راستہ بنا لیا۔“
۵۱۵	مجمع البحرين	۵۰۸	تشریح
۵۱۶	(۶) باب قولہ: ﴿قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْأَخْسَرِينَ أَعْمَالًا﴾ [۱۰۳] اس ارشاد کا بیان: ”کہہ دو کہ: کیا ہم تمہیں بتائیں کہ کون لوگ ہیں جو اپنے اعمال میں سب سے زیادہ ناکام ہیں؟“	۵۱۲	(۳) باب قولہ: ﴿فَلَمَّا جَاوَزَا قَالَ لِقَتَاہُ آتَيْنَا غَدَاءَ نَا لَقَدْ لَقِينَا مِنْ سَفَرِنَا هٰذَا نَصَبًا﴾ الی قولہ: ﴿فَقَضَا﴾
۵۱۶	غلط عقیدہ اور ریاکاری کے ہوتے ہوئے اعمال بیکار ہیں		
۵۱۶	حدیث کی عبارت کی روشنی میں تشریح		
۵۱۷	(۷) باب: ﴿أَوَلَيْكَ الدِّينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ رَبِّہُمْ وَلِقَائِهِ فَحَبِطَتْ أَعْمَالُہُمْ﴾ [۱۰۵]		
۵۱۸			

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۵۲۵	حضرت جبرائیل علیہ السلام - مأمور من اللہ (۳) باب قولہ: ﴿أَلَمْ آتَيْنَاكَ الْبَدَنَ كُفْرًا بآبَائِنَا وَقَالَ لَأَوْتَيْنُكَ مَالًا وَوَلَدًا﴾ [۷۷]	۵۱۸	باب: ”یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے اپنے مالک کی آفتوں کا اور اُس کے سامنے پیش ہونے کا انکار کیا، اس لئے ان کا سارا کیا دھرا غارت ہو گیا۔“
۵۲۶	اس ارشاد کا بیان: ”بھلا تم نے اُس شخص کو بھی دیکھا جس نے ہماری آفتوں کو ماننے سے انکار کیا ہے، اور یہ کہا ہے کہ: مجھے مال اور اولاد (آخرت میں بھی) ضرور ملیں گے۔“	۵۱۸	میزان حساب میں بے وزن اعمال والے
۵۲۶	(۳) باب قولہ: ﴿أَطَّلَعَ الْغَيْبَ أَم اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمَنِ عَهْدًا﴾ [۷۸]	۵۲۱	(۱۹) سورۃ کھم ص
۵۲۷	اس ارشاد کا بیان: ”کیا اُس نے عالم غیب میں جھانک کر دیکھ لیا ہے، یا اُس نے خدائے رحمن سے کوئی عہد لے رکھا ہے؟“	۵۲۱	سورۃ کھم ص - یعنی سورۃ مریم کا بیان
۵۲۷	(۵) باب قولہ: ﴿كَلَّا سَنَكْتُبُ مَا يَقُولُ وَنَمْلُكَ لَكَ مِنَ الْعَذَابِ مَدَا﴾ [۷۹]	۵۲۱	سورت کا بنیادی مقصد اور وجہ تسمیہ
۵۲۸	اس ارشاد کا بیان: ”ہرگز نہیں! جو کچھ یہ کہہ رہا ہے، ہم اُسے بھی لکھ رکھیں گے، اور اُس کے عذاب میں اور اضافہ کر دیں گے۔“	۵۲۲	ترجمہ و تشریح
۵۲۸	(۶) باب قولہ: ﴿وَنُورُهُ مَا يَقُولُ وَيَأْتِينَا لَهْرًا﴾ [۸۰]	۵۲۳	(۱) باب قولہ عزوجل: ﴿وَأَنذِرْهُمْ يَوْمَ الْحَسْرَةِ﴾ [۳۹]
۵۲۸	اس ارشاد کا بیان: ”اور جس (مال اور اولاد) کا یہ حوالہ دے رہا ہے، اُس کے وارث ہم ہوں گے، اور یہ ہمارے پاس تنہا آئے	۵۲۳	اللہ عزوجل کے ارشاد کا بیان: ”اور (اے پیغمبر!) ان کو اُس پچھتاوے کے دن سے ڈرائیے۔“
		۲۲۳	یوم الحسرة - حسرت کا دن
		۵۲۳	(۲) باب قولہ: ﴿وَمَا نَنْزِلُ إِلَّا بِأَمْرِ رَبِّكَ لَهُ مَا بَيْنَ أَيْدِينَا وَمَا خَلْفَنَا وَمَا بَيْنَ ذَلِكَ﴾ [۶۳]
		۵۲۵	اس ارشاد کا بیان: ”اور (فرشتے تم سے یہ کہتے ہیں کہ) ہم آپ کے رب کے حکم بغیر اتر کر نہیں آتے۔ جو کچھ ہمارے آگے ہے، اور جو کچھ ہمارے پیچھے ہے، اور جو کچھ ان کے درمیان ہے، وہ سب اسی کی ملکیت ہے۔“
		۵۲۵	

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
	انہیں ڈھانپنا، وہ انہیں ڈھانپ کر ہی رہی۔ اور فرعون نے اپنی قوم کو برے راستے پر لگایا اور انہیں صحیح راستہ نہ دکھایا۔“	۵۲۸	گا۔“
۵۲۵	بنی اسرائیل کا عبور دریا اور فرعون کا تعاقب	۵۳۱	سورۃ طہ
۵۳۶	عاشورہ کے دن روزہ کا حکم	۵۳۱	سورۃ طہ کا بیان
۵۳۷	(۳) باب قولہ: ﴿فَلَا يُخْرِجُكُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ فَتَشْقَى﴾ [۱۱۷]	۵۳۱	سورت کا بنیادی مقصد اور ترتیب واقعات
۵۳۷	اس ارشاد کا بیان: ”لہذا ایسا نہ ہو کہ یہ تم دونوں کو جنت سے نکلوا دے، اور تم مشقت میں پڑ جاؤ۔“	۵۳۱	حضرت عمر <small>رضی اللہ عنہ</small> کے قبول اسلام کا واقعہ
۵۳۷	بیوی کا نفقہ شوہر کے ذمہ واجب ہے	۵۳۳	ترجمہ و تشریح
۵۳۸	نفقہ واجبہ صرف چار چیزیں ہیں	۵۳۵	(۱) باب قولہ: ﴿وَاصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِي﴾ [۳۱]
۵۳۹	سورۃ الانبیاء	۵۳۵	اس ارشاد کا بیان: ”اور میں نے تمہیں خاص اپنے لئے بنایا ہے۔“
۵۳۹	سورۃ انبیاء کا بیان	۵۳۵	(۲) باب: ﴿وَلَقَدْ أَوْحَيْنَا إِلَىٰ مُوسَىٰ أَن أَسْرِ بِعِبَادِي فَاصْرِبْ لَهُمْ طَرِيقًا فِي الْبَحْرِ يَمَسًا لَّا تَخَافُ دَرَكًا وَلَا تَخْشَىٰ فَاَتْبَعْتَهُمْ فِرْعَوْنُ بِجُنُودِهِ فَفَشِيَتْهُم مِّنَ اللَّيْمِ مَا غَشِيَهُمْ وَأَضَلَّ فِرْعَوْنُ قَوْمَهُ وَمَا هَدَىٰ﴾ [۷۷-۷۹]
۵۳۹	وجہ تسمیہ		
۵۴۰	ترجمہ و تشریح	۵۳۵	باب: ”اور ہم نے موسیٰ پر وحی بھیجی کہ: تم میرے بندوں کو لیکر راتوں رات روانہ ہو جاؤ، پھر ان کیلئے سمندر میں ایک خشک راستہ اس طرح نکال لینا کہ نہ تمہیں (دشمن کے) آپکڑنے کا اندیشہ رہے، اور نہ کوئی اور خوف ہو۔ چنانچہ فرعون نے اپنے لشکروں سمیت ان کا پیچھا کیا تو سمندر کی جس (خونناک) چیز نے
۵۴۱	(۱) باب: ﴿كَمَا بَدَأْنَا أَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيدُهُ وَعَدًّا عَلَيْنَا﴾ [۱۰۳]		
۵۴۱	باب: ”جس طرح ہم نے پہلی بار تخلیق کی ابتدا کی تھی، اسی طرح ہم اُسے دوبارہ پیدا کر دیں گے۔“		
۵۴۲	میدان حشر کا احوال		
۵۴۳	یارب اصحابی - سے مراد		

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۵۵۳	سورۃ المؤمنون (۲۳)	۵۳۵	سورۃ الحج (۲۲)
۵۵۳	سورۃ مؤمنون کا بیان	۵۳۵	سورۃ حج کا بیان
۵۵۳	وجہ تسمیہ اور مؤمنوں کی صفات	۵۳۵	وجہ تسمیہ
۵۵۳	مقصد زندگی	۵۳۵	صبر کے بعد جہاد کا حکم
۵۵۳	ترجمہ و تشریح	۵۳۵	خصوصیات سورت
۵۵۴	سورۃ النور (۲۴)	۵۳۶	ترجمہ و تشریح
۵۵۴	سورۃ النور کا بیان	۵۳۷	(۱) باب قولہ: ﴿وَتَرَى النَّاسَ
۵۵۴	بے حیائی و فحاشی کی روک تھام، عفت و عصمت	۵۳۷	سُكَّارِیۡ﴾ [۲]
۵۵۴	کے فروغ کے احکام	۵۳۷	اس ارشاد کا بیان: ”اور لوگ تمہیں یوں نظر
۵۵۸	ترجمہ و تشریح	۵۳۷	آئیں گے کہ جیسے وہ نشے میں بدحواس ہیں۔“
۵۶۰	(۱) باب قولہ عزوجل: ﴿وَالَّذِينَ	۵۳۸	احوال قیامت
۵۶۰	يَزْمُونَ اَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَهُمْ	۵۵۰	(۲) باب: ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَن يَغْبُطُ اللّٰهَ
۵۶۰	شُهَدَاءُ﴾ الْآیۃ [۶] ،	۵۵۰	عَلٰی حَزْبٍ﴾ [۱۱]
۵۶۰	اللہ عزوجل کے اس ارشاد کا بیان: ”اور جو	۵۵۰	باب: ”اور لوگوں میں وہ شخص بھی ہے جو ایک
۵۶۰	لوگ اپنی بیویوں پر تہمت لگائیں، اور خود اپنے	۵۵۰	کنارے پر رہ کر اللہ کی عبادت کرتا ہے۔“
۵۶۰	سوا ان کے پاس کوئی اور گواہ نہ ہوں۔“	۵۵۰	یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا ہا ہا ہا؟
۵۶۰	لعان کا حکم اور طریقہ کار	۵۵۱	(۳) باب قولہ: ﴿هٰذَاۤ اِنَّ غَضَمٰنٍ
۵۶۱	آیات لعان کا شان نزول	۵۵۱	اِخْتَصَمُوۡا لِیۡ رَبِّہِمۡ﴾ [۱۹]
۵۶۳	(۲) باب: ﴿وَالْغَامِیۡۃُ اَنَّ لَعَنَتُ اللّٰهِ	۵۵۱	اس ارشاد کا بیان: ”یہ (مؤمن اور کافر)
۵۶۳	عَلٰیہٗ اِنَّ كَانَ مِنَ الْکٰذِبِیۡنَ﴾ [۷]	۵۵۱	دو فریق ہیں جنہوں نے اپنے پروردگار کے
۵۶۳	باب: ”اور پانچویں مرتبہ یہ کہے کہ: اگر میں	۵۵۱	بارے میں ایک دوسرے سے جھگڑا کیا ہے۔“
۵۶۳	(اپنے الزام میں) جھوٹا ہوں تو مجھ پر اللہ کی	۵۵۱	حق و باطل کے اعتبار
۵۶۳	لعنت ہو۔“		

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۵۶۸	ہیں۔“	۵۶۵	(۳) باب: ﴿وَيَذَرُهَا الْعَذَابُ﴾ الآیة [۸]
۵۶۸	(۷) باب قولہ: ﴿وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ لَفِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ لَمَسَّكُمْ فِيمَا أَفَضْتُمْ فِيهِ عَذَابٌ عَظِيمٌ﴾ [۱۳]	۵۶۵	باب: ”اور عورت سے (زنا کی) سزا دور کرنے کا راستہ یہ ہے۔“
۵۶۸	اس ارشاد کا بیان: ”اور اگر تم پر دنیا اور آخرت میں اللہ کا فضل اور اُس کی رحمت نہ ہوتی تو جن باتوں میں تم پڑ گئے تھے، اُن کی وجہ سے تم پر اُس وقت سخت عذاب آ پڑتا۔“	۵۶۶	(۴) باب قولہ: ﴿وَالنَّعَامِ مَسَّةٌ أَنْ غَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهَا إِنْ كَانَ مِنَ الصَّادِقِينَ﴾ [۹]
۵۶۸	(۸) باب: ﴿إِذْ تَلَقَّوْنَهُ بِأَلْسِنَتِكُمْ وَتَقُولُونَ بِاللُّوَاہِكُمْ مَا لَيْسَ لَكُم بِهِ عِلْمٌ﴾ الآیة [۱۵]	۵۶۶	اس ارشاد کا بیان: ”اور پانچویں مرتبہ یہ ہے کہ: اگر وہ سچا ہو تو مجھ پر اللہ کا غضب نازل ہو۔“
۵۶۸	باب: ”جب تم اپنی زبانوں سے اس بات کو ایک دوسرے سے نقل کر رہے تھے، اور اپنے منہ سے وہ بات کہہ رہے تھے جس کا تمہیں کوئی علم نہیں تھا۔“	۵۶۷	(۵) باب قولہ: ﴿إِنَّ الدِّينَ جَاؤَا بِالْإِفْكِ عُصْبَةٌ مِنْكُمْ﴾ الآیة [۱۱]
۵۶۸	عقین جرم	۵۶۷	اس ارشاد کا بیان: ”یقین جانو کہ جو لوگ یہ جھوٹی تہمت گھڑ کر لائے ہیں، وہ تمہارے اندر ہی کا ایک ٹولہ ہے۔“
۵۶۹	باب: ﴿وَلَوْلَا إِذْ سَمِعْتُمُوهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بِأَنْفُسِهِمْ خَيْرًا﴾ الی قولہ: ﴿الْكَاذِبُونَ﴾ [۱۲]	۵۶۸	تشریح
۵۶۹	[۱۶]	۵۶۸	(۶) باب: ﴿وَلَوْلَا إِذْ سَمِعْتُمُوهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بِأَنْفُسِهِمْ خَيْرًا﴾ الی قولہ: ﴿الْكَاذِبُونَ﴾ [۱۲]
۵۶۹	باب: ”جس وقت تم لوگوں نے یہ بات سنی تھی، اُسی وقت تم نے یہ کیوں نہیں کہا کہ: ہمیں کوئی حق نہیں پہنچتا کہ ہم یہ بات منہ سے نکالیں۔“	۵۶۸	[۱۳]
۵۶۹	مسلمان کے ایمانیت کا تقاضا	۵۶۸	باب: ”جس وقت تم لوگوں نے یہ بات سنی تھی، تو ایسا کیوں نہ ہو کہ مؤمن مرد بھی اور مؤمن عورتیں بھی اپنے بارے میں نیک گمان رکھتے۔“ اس آیت کے آخر تک ”وہی جھوٹے

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۵۸۲	مہربان ہے۔“	۵۸۱	(۹) باب قولہ: ﴿يَعْظُمُ اللَّهُ أَنْ تَعُوذُوا لِمِثْلِهِ أَبَدًا﴾ الآية [۱۷]
۵۸۳	صحابہ کرام ﷺ کو اعلیٰ خلاق کی تعلیم	۵۸۱	اس ارشاد کا بیان: ”اللہ تمہیں نصیحت کرتا ہے
۵۸۵	(۱۲) باب: ﴿وَلَيَضْرِبَنَّ بِخُمُرِهِمْ عَلٰی جُيُوبِهِمْ﴾	۵۸۱	کہ پھر کبھی ایسا نہ کرتا۔“
۵۸۵	باب: ”اور اپنی اور عینوں کے آنچل اپنے	۵۸۱	(۱۰) باب: ﴿وَيَتَّبِعُ اللَّهُ لَكُمْ الْآيَاتِ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ﴾ [۱۸]
۵۸۶	گر بیانوں پر ڈال لیا کریں۔“	۵۸۱	باب: ”اور اللہ تمہارے سامنے ہدایت کی
۵۸۷	زینت اور پردہ کی توضیح	۵۸۱	باتیں صاف صاف بیان کر رہا ہے۔ اور اللہ علم
۵۸۷	احکام پردہ سے استثناء	۵۸۱	کا بھی مالک ہے، حکمت کا بھی مالک ہے۔“
		۵۸۱	(۱۱) باب: ﴿إِنَّ الَّذِينَ يُحِبُّونَ أَنْ تَشِيعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِينَ آمَنُوا﴾
		۵۸۱	الآیة إلى قولہ: ﴿رَوْفٌ رَحِيمٌ﴾ [۱۹]
		۵۸۱	- [۲۰] ﴿وَلَا يَأْتَلِ أُولُو الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ أَنْ يُؤْتُوا أُولَى الْقُرْبَىٰ وَالْمَسَاكِينَ﴾ إلى قولہ: ﴿وَاللَّهُ غَفُورٌ
		۵۸۱	رَحِيمٌ﴾ [۲۲]
		۵۸۱	باب: ”یاد رکھو کہ جو لوگ یہ چاہتے ہیں کہ
		۵۸۱	ایمان والوں میں بے حیائی پھیلے۔“
		۵۸۱	(آیت: ۱۹) اس آیت تک: ”اور اللہ بڑا شفیع
		۵۸۱	، بڑا مہربان ہے۔“ (آیت: ۲۰)
		۵۸۱	”اور تم میں سے جو لوگ اہل خیر ہیں اور مالی
		۵۸۱	وسعت رکھتے ہیں، وہ ایسی قسم نہ کھائیں کہ وہ
		۵۸۱	رشتہ داروں اور مسکینوں کو کچھ نہیں دیں گے۔“
		۵۸۱	یہاں تک۔“ اور اللہ بہت بخشنے والا، بڑا

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الحمد لله و كفى و سلام على عباده الدين اصطفى .

عرض مرتب

اساتذہ کرام کی درسی تقاریر کو ضبط تحریر میں لانے کا سلسلہ زمانہ قدیم سے چلا آ رہا ہے ابنائے دارالعلوم دیوبند وغیرہ میں فیض الباری ، فضل الباری ، انوار الباری ، لامع الدراری ، الکوکب الدری ، الحل المفہم لصحیح مسلم ، کشف الباری ، تقریر بخاری شریف اور درس بخاری جیسی تصانیف اکابر کی ان درسی تقاریر ہی کی زندہ مثالیں ہیں اور علوم نبوت کے طالبین ہر دور میں ان تقاریر دل پذیر سے استفادہ کرتے رہیں اور کرتے رہیں گے۔

جامعہ دارالعلوم کراچی میں صحیح بخاری کی مسند تدریس پر رونق آراء شخصیت شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم (سابق جسٹس شریعت ایلیٹ بیچ سپریم کورٹ آف پاکستان) علمی وسعت ، فقیہانہ بصیرت ، فہم دین اور شگفتہ طرز تفہیم میں اپنی مثال آپ ہیں ، درس حدیث کے طلبہ اس بحر بنے کنار کی وسعتوں میں کھو جاتے ہیں اور بحث و نظر کے نئے نئے افق ان کے نگاہوں کو خیرہ کر دیتے ہیں ، خاص طور پر جب جدید تمدن کے پیدا کردہ مسائل سامنے آتے ہیں تو شرعی نصوص کی روشنی میں ان کا جائزہ ، حضرت شیخ الاسلام کا وہ میدان بحث و نظر ہے جس میں ان کا مانی نظر نہیں آتا۔

آپ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ بانی دارالعلوم دیوبند کی دعاؤں اور تمناؤں کا مظہر بھی ہیں ، کیونکہ انہوں نے آخر عمر میں اس تمنا کا اظہار فرمایا تھا کہ میرا جی چاہتا ہے کہ میں انگریزی پڑھوں اور یورپ پہنچ کر ان دانا یان فرنگ کو بتاؤں کہ حکمت وہ نہیں جسے تم حکمت سمجھ رہے ہو بلکہ حکمت وہ ہے جو انسانوں کے دل و دماغ کو حکیم بنانے کے لئے حضرت خاتم النبیین ﷺ کے مبارک واسطے سے خدا کی طرف سے دنیا کو عطا کی گئی۔ افسوس کہ حضرت کی عمر نے وفانہ کی اور یہ تمنا تھنہ تکمیل رہی ، لیکن اللہ رب العزت اپنے پیاروں کی تمناؤں اور دعاؤں کو رد نہیں فرماتے ، اللہ تعالیٰ نے حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی کی تمنا کو دور حاضر میں شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی حفظہ اللہ کی صورت میں پورا کر دیا کہ آپ کی علمی و عملی کاوشوں کو دنیا بھر کے مشاہیر اہل علم و فن میں سراہا جاتا ہے خصوصاً اقتصادیات کے شعبہ میں اپنی مثال آپ ہیں کہ قرآن وحدیث ، فقہ و تصوف اور تدین و تقویٰ کی جامعیت کے ساتھ ساتھ قدیم اور جدید علوم پر دسترس اور ان کو دور حاضر کی زبان پر سمجھانے کی صلاحیت آپ کو منجانب اللہ عطا ہوئی ہے۔

جامعہ دارالعلوم کراچی کے سابق شیخ الحدیث حضرت مولانا سحبان محمود صاحب رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ جب یہ میرے پاس پڑھنے کے لئے آئے تو بمشکل ان کی عمر گیارہ/بارہ سال تھی مگر اسی وقت سے ان پر آثار ولایت محسوس ہونے لگے اور رفتہ رفتہ ان کی صلاحیتوں میں ترقی و برکت ہوتی رہی، یہ مجھ سے استفادہ کرتے رہے اور میں ان سے استفادہ کرتا رہا۔

سابق شیخ الحدیث حضرت مولانا سحبان محمود صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ایک دن حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ نے مجھ سے مجلس خاص میں مولانا محمد تقی عثمانی صاحب کا ذکر آنے پر کہا کہ تم محمد تقی کو کیا سمجھتے ہو، یہ مجھ سے بھی بہت اوپر ہیں اور یہ حقیقت ہے۔

ان کی ایک کتاب "علوم القرآن" ہے اس کی حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کی حیات میں تکمیل ہوئی اور چھپی اس پر مفتی محمد شفیع صاحب نے غیر معمولی تقریظ لکھی ہے۔ اکابرین کی عادت ہے کہ جب کسی کتاب کی تعریف کرتے ہیں تو جانچ تول کر بہت جچے ٹلے انداز میں کرتے ہیں کہ کہیں مبالغہ نہ ہو مگر حضرت مفتی صاحب قدس سرہ لکھتے ہیں کہ:

یہ مکمل کتاب ماشاء اللہ ایسی ہے کہ اگر میں خود بھی اپنی تندرستی کے زمانے میں لکھتا تو ایسی نہ لکھ سکتا تھا، جس کی دو وجہ ظاہر ہیں:

پہلی وجہ تو یہ کہ عزیز موصوف نے اس کی تصنیف میں جس تحقیق و تنقید اور متعلقہ کتابوں کے عظیم ذخیرہ کے مطالعہ سے کام لیا، وہ میرے بس کی بات نہ تھی، جن کتابوں سے یہ مضامین لئے گئے ہیں ان سب مآخذوں کے حوالے بقید ابواب و صفحات حاشیہ میں درج ہیں، انہی پر سرسری نظر ڈالنے سے ان کی تحقیقی کاوش کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

اور دوسری وجہ جو اس سے بھی زیادہ ظاہر ہے وہ یہ کہ میں انگریزی زبان سے ناواقف ہونے کی بناء پر مستشرقین یورپ کی ان کتابوں سے بالکل ہی ناواقف تھا، جن میں انہوں نے قرآن کریم اور علوم قرآن کے متعلق زہر آلود تلیسبات سے کام لیا ہے، برخوردار عزیز نے چونکہ انگریزی میں بھی ایم۔ اے، ایل۔ ایل۔ بی اعلیٰ نمبروں میں پاس کیا، انہوں نے ان تلیسبات کی حقیقت کھول کر وقت کی اہم ضرورت پوری کر دی۔

اسی طرح شیخ عبدالنصاح ابوغندہ رحمہ اللہ نے حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم کے بارے میں

تحریر کیا:

لقد من الله تعالى بتحقيق هذه الأمنية العالية الكريمة ،
وطبع هذا الكتاب الحديثى الفقهى العجائب ، فى مدينة
كراتشى من باكستان ، متوجا بخدمة علمية ممتازة ، من
العلامة المحقق المحدث الفقيه الأريب الأديب فضيلة
الشيخ محمد تقي العثماني ، نجل سماحة شيخنا المفتى
الأكبر مولانا محمد شفيع مد ظله العالی فى عافية وسرور .

فقام ذاك النجل الوارث الألمعى بتحقيق هذا
الكتاب والتعليق عليه ، بما يستكمل غاياته ومقاصده ، ويتم
فرائده و فوائده ، فى ذوق علمى رفيع ، وتنسيق فنى طباعى
بديع ، مع أبهى حلة من جمال الطباعة الحديثة الراقية لاجاء
المجلد الأول منه تحفة علمية رائعة . تتجلى فيها خدمات
المحقق اللوذعى لفاحة باكستان فاستحق بهذا الصنيع
العلمى الرابع : شكر طلبة العلم والعلماء .

کہ علامہ شبیر احمد عثمانی کی کتاب شرح صحیح مسلم جس کا نام فتح الملہم
بشرح صحیح مسلم اس کی تکمیل سے قبل ہی اپنے مالک حقیقی سے
جا ملے۔ تو ضروری تھا کہ آپ کے کام اور اس حسن کارکردگی کو پایہ تکمیل
تک پہنچائیں اسی بناء پر ہمارے شیخ ، علامہ مفتی اعظم حضرت مولانا محمد شفیع
رحمہ اللہ نے ذہین و ذکی فرزند ، محدث جلیل ، فقیہ ، ادیب و اریب مولانا
محمد تقی عثمانی کی اس سلسلہ میں ہمت و کوشش کو ابھارا کہ فتح الملہم
شرح مسلم کی تکمیل کرے ، کیونکہ آپ حضرت شیخ شارح شبیر احمد عثمانی
کے مقام اور حق کو خوب جانتے تھے اور پھر اس کو بھی بخوبی جانتے تھے کہ
اس با کمال فرزند کے ہاتھوں انشاء اللہ یہ خدمت کما حقہ انجام کو پہنچے گی۔

اسی طرح عالم اسلام کی مشہور فقہی شخصیت ڈاکٹر علامہ یوسف القرضاوی ”تکملة فتح الملہم“ پر

تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

وقد ادخر القدر فضل اكماله واتمامه - إن شاء الله - لعالم

جليل من أسره علم و فضل "ذرية بعضها من بعض" هو
 الفقيه ابن الفقيه، صديقنا العلامة الشيخ محمد تقي
 العثماني، ابن الفقيه العلامة المفتي مولانا محمد شفيع
 رحمه الله وأجزل مثوبته، و تقبله في الصالحين .

وقد أتاحت لي الأقدار أن أعرف عن كتب علي الأخ
 الفاضل الشيخ محمد تقي، فقد التقيت به في بعض
 جلسات الهيئة العليا للفتوى والرقابة الشرعية للمصارف
 الإسلامية، ثم في جلسات مجمع الفقه الإسلامي العالمي،
 وهو يمثل فيه دولة باكستان، ثم عرفته أكثر فأكثر، حين سعدت
 به معي عضوا في الهيئة الشرعية لمصرف فيصل الإسلامي
 بالبحرين، والذي له فروع عدة في باكستان .

وقد لمست فيه عقلية الفقيه المطلع على
 المصادر، المتمكن من النظر والاستباط، القادر على الاختيار
 والتعريض، والواعي لما يدور حوله من أفكار و
 مشكلات - أنتجها

هذا العصر الحريص على أن تسود شريعة الاسلام
 وتحكم في ديار المسلمين .

ولا ريب أن هذه الخصائص تجلت في شرحه لضحیح
 مسلم، وبعبارة أخرى: في تكملته لفتح الملهم .

فقد وجدت في هذا الشرح: حسن المحدث،
 وملكة الفقيه، وعقلية المعلم، وأناة القاضي، ورؤية
 العالم المعاصر، جنباً إلى جنب .

ومما يذكر له هنا: أنه لم يلتزم بأن يسير على
 نفس طريقة شيخه العلامة شبير أحمد، كما نصحه
 بذلك بعض أحابه، وذلك لوجوه وجيهة ذكرها في
 مقدمته .

ولا ريب أن لكل شيخ طريقته وأسلوبه الخاص، الذي يعاير بمكانه وزمانه ولقافته، وتيارات الحياة من حوله. ومن التكلف الذي لا يحمد محاولة العالم أن يكون نسخة من غيره، وقد خلقه الله مستقلاً.

لقد رأيت شروحا عدة لصحيح مسلم، قديمة وحديثة، ولكن هذا الشرح للعلامة محمد تقي هو أولها بالتنبؤ، وأولها بالفوائد والفرائد، وأحقها بأن يكون هو (شرح العصر) للصحيح الثانی.

فهو موسوعة بحق، تتضمن بحوثاً وتحقيقات حديثة، وفقهية ودعوية وتربوية. وقد هيات له معرفته بأكثر من لغة، ومنها الإنجليزية، وكذلك قراءته لشقافة العصر، وإطلاعه على كثير من تياراته الفكرية، أن يعقد مقارنات شتى بين أحكام الإسلام وتعاليمه من ناحية، وبين الديانات والفلسفات والنظريات المخالفة من ناحية أخرى وأن يبين هنا أصالة الإسلام وتميزه الخ-

انہوں نے فرمایا کہ مجھے ایسے مواقع میسر ہوئے کہ میں برادر قاضی شیخ محمد تقی کو قریب سے پہچانوں۔ بعض فتوؤں کی مجالس اور اسلامی محکموں کے نگران شعبوں میں آپ سے ملاقات ہوئی پھر مجمع الفقہ الاسلامی کے جلسوں میں بھی ملاقات کے مواقع آتے رہے، آپ اس مجمع میں پاکستان کی نمائندگی فرماتے ہیں۔ الغرض اس طرح میں آپ کو قریب سے جانتا رہا اور پھر یہ تعارف بڑھتا ہی چلا گیا جب میں آپ کی ہمراہی سے فیصلہ اسلامی بینک (بحرین) میں سعادت مند ہوا آپ وہاں ممبر منتخب ہوئے تھے جس کی پاکستان میں بھی کئی شاخیں ہیں۔

تو میں نے آپ میں فقہی سمجھ خوب پائی اس کے ساتھ مصادر و مآخذ فقہیہ پر بھرپور اطلاع اور فقہ میں نظر و فکر اور استنباط کا ملکہ اور ترجیح و اختیار پر خوب قدرت محسوس کی۔

اس کے ساتھ آپ کے ارد گرد جو خیالات و نظریات اور مشکلات منڈلا رہی ہیں جو اس زمانے کا نتیجہ ہیں ان میں بھی سوچ سمجھ رکھنے والا پایا اور آپ ماشاء اللہ اس بات پر حریص رہتے ہیں کہ شریعت اسلامیہ کی بالادستی قائم ہو اور مسلمان علاقوں میں اس کی حاکمیت کا دور دورہ ہو اور بلاشبہ آپ کی یہ خصوصیات آپ کی شرح صحیح مسلم (مکملہ فتح الملہم میں خوب نمایاں اور روشن ہے۔

میں نے اس شرح کے اندر ایک محدث کا شعور، فقیہ کا ملکہ، ایک معلم کی ذکاوت، ایک قاضی کا تدبر اور ایک عالم کی بصیرت محسوس کی۔ میں نے صحیح مسلم کی قدیم و جدید بہت سی شروح دیکھی ہیں لیکن یہ شرح تمام شروح میں سب سے زیادہ قابل توجہ اور قابل استفادہ ہے، یہ جدید مسائل کی تحقیقات میں موجودہ دور کا فقہی انسائیکلو پیڈیا ہے اور ان سب شروح میں زیادہ حق دار ہے کہ اس کو صحیح مسلم کی اس زمانے میں سب سے عظیم شرح قرار دی جائے۔

یہ شرح قانون کو وسعت سے بیان کرتی ہے اور سیر حاصل اجاث اور جدید تحقیقات اور فقہی، دعوتی، تربیتی مباحث کو خوب شامل ہے۔ اس کی تصنیف میں حضرت مؤلف کو کئی زبانوں سے ہم آہنگی خصوصاً انگریزی سے معرفت کام آئی ہے اسی طرح زمانے کی تہذیب و ثقافت پر آپ کا مطالعہ اور بہت سی فکری رجحانات پر اطلاع وغیرہ میں بھی آپ کو دسترس ہے۔ ان تمام چیزوں نے آپ کے لئے آسانی کر دی کہ اسلامی احکام اور اس کی تعلیمات اور دیگر عصری تعلیمات اور فلسفے اور مخالف نظریات کے درمیان فیصلہ کن رائے دیں اور ایسے مقامات پر اسلام کی خصوصیات اور امتیاز کو اجاگر کریں۔

احقر بھی جامعہ دارالعلوم کراچی کا خوشہ چین ہے اور بحمد اللہ سا تذہ کرام کے علمی دروس اور اصلاحی مجالس سے استفادے کی کوشش میں لگا رہتا ہے اور ان مجالس کی افادیت کو عام کرنے کے لئے خصوصی انتظام کے تحت گذشتہ ستائیس (۲۷) سالوں سے ان دروس و مجالس کو آڈیو کیسٹس میں ریکارڈ بھی کر رہا ہے۔ اس وقت سہمی مکتبہ میں اکابر کے بیانات اور دروس کا ایک بڑا ذخیرہ احقر کے پاس جمع ہے، جس سے ملک و بیرون ملک وسیع پیمانے پر

استفادہ ہو رہا ہے؛ خاص طور پر درس بخاری کے سلسلے میں احقر کے پاس اپنے دو اساتذہ کے دروس موجود ہیں۔
استاذ الاساتذہ شیخ الحدیث حضرت مولانا سبحان محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا درس بخاری جو دو سو کیسٹس
میں محفوظ ہے اور شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی حفظہ اللہ کا درس حدیث تقریباً تین سو کیسٹس میں محفوظ کر
لیا گیا ہے۔

انہیں کتابی صورت میں لانے کی ایک وجہ یہ بھی ہوئی کہ کیسٹ سے استفادہ عام مشکل ہوتا ہے، خصوصاً
طلبہ کرام کے لئے وسائل و سہولت نہ ہونے کی بناء پر سمعی بیانات کو خریدنا اور پھر حفاظت سے رکھنا ایک الگ مسئلہ
ہے جب کہ کتابی شکل میں ہونے سے استفادہ ہر خاص و عام کے لئے سہل ہے۔

چونکہ جامعہ دارالعلوم کراچی میں صحیح بخاری کا درس سالہا سال سے استاذ معظم شیخ الحدیث حضرت مولانا
سبحان محمود صاحب قدس سرہ کے سپرد رہا۔ ۲۹ رذی الحجہ ۱۴۱۹ھ بروز ہفتہ کو شیخ الحدیث کا حادثہ وفات پیش
آیا تو صحیح بخاری شریف کا یہ درس مورخہ ۳ محرم الحرام ۱۴۲۰ھ بروز بدھ سے شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب
مدظلہم کے سپرد ہوا۔ اسی روز صبح ۸ بجے سے مسلسل ۲ سالوں کے دروس ٹیپ ریکارڈر کی مدد سے ضبط کئے۔ انہی
لحات سے استاذ محترم کی مؤمنانہ نگاہوں نے تاک لیا اور اس خواہش کا اظہار کیا کہ یہ مواد کتابی شکل میں موجود
ہونا چاہئے، اس بناء پر احقر کو ارشاد فرمایا کہ اس مواد کو تحریری شکل میں لا کر مجھے دیا جائے تاکہ میں اس میں سبقاً
سبقاً نظر ڈال سکوں، جس پر اس کام (العام الباری) کے ضبط و تحریر میں لانے کا آغاز ہوا۔

دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ کیسٹ میں بات منہ سے نکلی اور ریکارڈ ہو گئی اور بسا اوقات سبقت لسانی کی بناء پر
عبارت آگے پیچھے ہو جاتی ہے (فالبشر یخطئ) جن کی تصحیح کا ازالہ کیسٹ میں ممکن نہیں۔ لہذا اس وجہ سے بھی
اسے کتابی شکل دی گئی تاکہ حتی المقدور غلطی کا تدارک ہو سکے۔ آپ کا یہ ارشاد اس حزم و احتیاط کا آئینہ دار ہے جو
سلف سے منقول ہے ”کہ سعید بن جبیر کا بیان ہے کہ شروع میں سیدنا حضرت ابن عباسؓ نے مجھ سے آموختہ
سننا چاہا تو میں گھبرایا، میری اس کیفیت کو دیکھ کر ابن عباسؓ نے فرمایا کہ:

أوليس من نعمة الله عليك أن تحدث و أنا شاهد فإن

اصبت فذاك وإن اخطأت علمك .

(طبقات ابن سعد: ص: ۱۷۹، ج: ۶ و تدوین حدیث: ص: ۱۵۷)

کیا حق تعالیٰ کی یہ نعمت نہیں ہے کہ تم حدیث بیان کرو اور میں موجود ہوں،
اگر صحیح طور پر بیان کرو گے تو اس سے بہتر بات کیا ہو سکتی ہے اور اگر غلطی
کرو گے تو میں تم کو بتا دوں گا۔

اس کے علاوہ بعض بزرگان دین اور بعض احباب نے سمعی مکتبہ کے اس علمی اثاثے کو دیکھ کر اس خواہش

کا اظہار کیا کہ درس بخاری کو تحریری شکل میں بھی پیش کیا جائے اس سے استفادہ مزید سہل ہوگا "درس بخاری" کی یہ کتاب بنام "انعام الباری" جو آپ کے ہاتھوں میں ہے، اسی کاوش کا ثمرہ ہے۔

حضرت شیخ الاسلام حفظہ اللہ کو بھی احقر کی اس محنت کا علم اور احساس ہے اور احقر سمجھتا ہے کہ بہت ہی مشکلات کے باوجود اس درس کی سمعی و نظری تسجیل و تحریر میں پیش رفت حضرت ہی کی دعاؤں کا ثمرہ ہے۔

احقر کو اپنی جہی دامنی کا احساس ہے یہ مشغلہ بہت بڑا علمی کام ہے، جس کے لئے وسیع مطالعہ، علمی جستجو اور استحضار کی ضرورت ہے، جبکہ احقر ان تمام امور سے عاری ہے، اس کے باوجود ایسی علمی خدمت کے لئے کمر بستہ ہونا صرف فضل الہی، اپنے مشفق استاذہ کرام کی دعاؤں اور خاص طور پر موصوف استاد محترم دامت برکاتہم کی نظر عنایت، اعتماد، توجہ، حوصلہ افزائی اور دعاؤں کا نتیجہ ہے۔

ناچیز مرتب کو مراحل ترتیب میں جن مشکلات و مشقت سے واسطہ پڑا وہ الفاظ میں بیان کرنا مشکل ہے اور ان مشکلات کا اندازہ اس بات سے بھی بخوبی لگایا جاسکتا ہے کہ کسی موضوع پر مضمون و تصنیف لکھنے والے کو یہ سہولت رہتی ہے کہ لکھنے والا اپنے ذہن کے مطابق بنائے ہوئے خاکہ پر چلتا ہے، لیکن کسی دوسرے بڑے عالم اور خصوصاً ایسی علمی شخصیت جس کے علمی تجر و برتری کا معاصر مشاہیر اہل علم و فن نے اعتراف کیا ہو ان کے افادات اور دقیق فقہی نکات کی ترتیب و مراجعت اور تعیین عنوانات مذکورہ مرحلہ سے کہیں دشوار و کٹھن ہے۔ اس عظیم علمی اور تحقیقی کام کی مشکلات مجھ جیسے طفل کتب کے لئے کم نہ تھیں، اپنی بے مائیگی، نااہلی اور کم علمی کی بناء پر اس کے لئے جس قدر دماغ سوزی اور عرق ریزی ہوئی اور جو محنت و کاوش کرنا پڑی مجھ جیسے نااہل کے لئے اس کا تصور بھی مشکل ہے البتہ فضل ایزدی ہر مقام پر شامل حال رہا۔

یہ کتاب "انعام الباری" جو آپ کے ہاتھوں میں ہے: یہ سارا مجموعہ بھی بڑا قیمتی ہے، اس لئے کہ حضرت استاذ موصوف کو اللہ تعالیٰ نے جو تجر علمی عطا فرمایا وہ ایک دریائے ناپید کنارہ ہے، جب بات شروع فرماتے ہیں تو علوم کے دریا بہنا شروع ہو جاتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے آپ کو وسعت مطالعہ اور عمق فہم دونوں سے نوازا ہے، اس کے نتیجہ میں حضرت استاذ موصوف کے اپنے علوم و معارف جو بہت ساری کتابوں کے چھاننے کے بعد خلاصہ و عطر ہے وہ اس مجموعہ انعام الباری میں دستیاب ہے، اس لئے آپ دیکھیں گے کہ جگہ جگہ استاذ موصوف کی فقہی آراء و تشریحات، ائمہ اربعہ کی موافقات و مخالقات پر محققانہ مدلل تبصرے علم و تحقیق کی جان ہیں۔

یہ کتاب (صحیح بخاری) "کتاب بدء الوحی سے کتاب التوحید" تک مجموعی کتب ۹۷، احادیث "۷۵۶۳" اور ابواب "۳۹۳۰" پر مشتمل ہے، اسی طرح ہر حدیث پر نمبر لگا کر احادیث کے مواضع و متکررہ کی نشان دہی کا بھی التزام کیا ہے کہ اگر کوئی حدیث بعد میں آنے والی ہے تو حدیث کے آخر میں [ابھلو] نمبروں کے ساتھ اور اگر حدیث گزری ہے تو [راجع] نمبروں کے ساتھ نشان لگادیئے ہیں۔

بخاری شریف کی احادیث کی تخریج الکتاب التسعة (بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی، ابوداؤد، ابن ماجہ، موطاء مالک، سنن الدارمی اور مسند احمد) کی حد تک کر دی گئی ہے، کیونکہ بسا اوقات ایک ہی حدیث کے الفاظ میں جو تفاوت ہوتا ہے ان کے فوائد سے حضرات اہل علم خوب واقف ہیں، اس طرح انہیں آسانی ہوگی۔

قرآن کریم کی جہاں جہاں آیات آئی ہیں ان کے حوالہ مع ترجمہ، سورۃ کا نام اور آیتوں کے نمبر ساتھ ساتھ دیدئے گئے ہیں۔ شروع بخاری کے سلسلے میں کسی ایک شرح کو مرکز نہیں بنایا بلکہ حتی المقدور بخاری کی مستند اور مشہور شروع کو پیش نظر رکھا گیا، البتہ مجھ جیسے مبتدی کے لئے عمدۃ القاری اور تکملۃ فتح الملہم کا حوالہ بہت آسان ثابت ہوا۔ اس لئے جہاں تکملہ فتح الملہم کا کوئی حوالہ مل گیا تو اسی کو حتمی سمجھا گیا۔

رب متعال حضرت شیخ الاسلام کا سایہ عاطفت عافیت و سلامت کے ساتھ عمر دراز عطا فرمائے، جن کا وجود مسعود بلاشبہ اس وقت ملت اسلامیہ کے لئے نعمت خداوندی کی حیثیت رکھتا ہے اور امت کا عظیم سرمایہ ہے اور جن کی زبان و قلم سے اللہ تبارک و تعالیٰ نے قرآن و حدیث اور اجماع امت کی صحیح تعبیر و تشریح کا اہم تجربہ یاری کام لیا ہے۔

رب کریم اس کاوش کو قبول فرما کر احقر اور اس کے والدین اور جملہ اساتذہ کرام کے لئے ذخیرہ آخرت بنائے، جن حضرات اور احباب نے اس کام میں مشوروں، دعاؤں یا کسی بھی طرح سے تعاون فرمایا ہے، مولائے کریم اس محنت کو ان کے لئے فلاح دارین کا ذریعہ بنائے اور خاص طور پر استاد محترم شیخ القراء حافظ قاری مولانا عبدالملک صاحب حفظہ اللہ کو فلاح دارین سے نوازے جنہوں نے ہمہ وقت کتاب اور حل عبارات کے دشوار گزار مراحل کو احقر کے لئے سہل بنا کر لائبریری سے بے نیاز رکھا۔

صاحبان علم کو اگر اس درس میں کوئی ایسی بات محسوس ہو جو ان کی نظر میں صحت و تحقیق کے معیار سے کم ہو اور ضبط و نقل میں ایسا ہونا ممکن بھی ہے تو اس نقص کی نسبت احقر کی طرف کریں اور ازراہ عنایت اس پر مطلع بھی فرمائیں۔

دعا ہے کہ اللہ ﷻ اسلاف کی ان علمی امانتوں کی حفاظت فرمائے، اور ”انعام الباری“ کے باقی ماندہ حصوں کی تکمیل کی توفیق عطا فرمائے تاکہ علم حدیث کی یہ امانت اپنے اہل تک پہنچ سکے۔

آمین یا رب العالمین . وما ذلک علی اللہ بعزیز

بندہ: محمد انور حسین عفی عنہ

فاضل و متخصص جامعہ دارالعلوم کراچی ۱۳

۱۳/رب المرجب ۱۴۴۳ھ بمطابق ۲۱/مارچ ۲۰۱۹ء بروز جمعرات

كتاب التفسير

- حصه أول -

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

۶۵ - کتاب التفسیر

تفسیر کا تعارف

لفظ "تفسیر" دراصل "فسر" سے نکلا ہے، جس کے معنی ہیں "کھولنا"، اس علم میں چونکہ قرآن کریم کے مفہوم کو کھول کر بیان کیا جاتا ہے، اس لئے اسے "علم تفسیر" کہتے ہیں۔ چنانچہ قدیم زمانے میں تفسیر کا اطلاق قرآن کریم کی تشریح پر ہی ہوتا تھا، اور عہد رسالت ﷺ سے قرب اور علوم کے اختصار کی بناء پر اس علم میں زیادہ شاخیں نہیں تھیں۔ لیکن جب اس نے باقاعدہ ایک مدون علم کی صورت اختیار کی اور مختلف پہلوؤں سے اُس کی خدمت کی گئی تو یہ ایک انتہائی وسیع اور پہلودار علم بن گیا، اور زمانے کے تقاضوں کے مطابق اس میں تفصیلات کا اضافہ ہوتا چلا گیا۔

اب علم تفسیر جن تفصیلات کو شامل ہے اس کی اصطلاحی تعریف یہ ہے:

"علم يبحث فيه عن كيفية النطق بالفاظ القرآن ومدلولاتها واحكامها الافرادية

والتركيبية ومعانيها التي تحمل عليها حالة التركيب وتعماست لذلك"۔^۱

یعنی علم تفسیر وہ علم ہے جس میں الفاظ قرآن کی ادائیگی کے طریقے، اُن کے مفہوم، اُن کے افرادی اور ترکیبی احکام اور اُن معانی سے بحث کی جاتی ہے جو اُن الفاظ سے ترکیبی حالت میں مراد لئے جاتے ہیں، نیز اُن معانی کا کلمہ، ناسخ و منسوخ، شان نزول اور مبہم قصوں کی توضیح کی شکل میں بیان کیا جاتا ہے۔

تفسیر اور تاویل

قدیم زمانے میں "تفسیر" کے لئے ایک اور لفظ "تاویل" بھی بکثرت استعمال ہوتا تھا اور خود قرآن کریم نے بھی اپنی تفسیر کے لئے یہ لفظ استعمال فرمایا ہے:

۱. دُوح المعانی، للعلامة آلوسی رحمه الله، ج: ۱، ص: ۴، وعلوم القرآن، ص: ۳۲۳

﴿وَمَا يَتْلُمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللَّهُ﴾ ۲

ترجمہ: حالانکہ ان آیتوں کا ٹھیک ٹھیک مطلب اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

اس لئے بعد کے علماء میں یہ بحث چھڑ گئی کہ آیا یہ دونوں لفظ بالکل ہم معنی ہیں، یا ان میں کچھ فرق ہے؟ امام ابو عبیدہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ دونوں لفظ بالکل مرادف ہیں اور دوسرے حضرات نے ان دونوں میں فرق بیان کرنے کی کوشش کی ہے، لیکن دونوں میں فرق بتانے کے لئے اتنی مختلف آراء ظاہر کی گئی ہیں کہ ان سب کو نقل کرنا بھی مشکل ہے۔ ۳

کتاب التفسیر کا آغاز حقیقی

﴿الرحمن الرحيم﴾: أسمان من الرحمة. الرحيم والراحم بمعنى واحد، كالعليم والعالم.

ترجمہ: رحمن اور رحيم دونوں رحمت سے بنے ہیں، اور دونوں کے ایک ہی معنی ہیں، یعنی مہربان جیسے علیم اور عالم کے ایک معنی ہیں جاننے والا۔
امام بخاری رحمہ اللہ نے کتاب التفسیر کا حقیقی آغاز ”الرحمن والرحيم“ سے شروع کیا ہے۔

”رحمن“ اور ”رحيم“ میں فرق

”رحمن“ اور ”رحيم“ دونوں لفظ ”رحمت“ سے بنے ہیں اور دونوں کے ایک ہی معنی ہیں یعنی ”مہربان“ جیسے ”علیم“ اور ”عالم“ کے ایک ہی معنی ہیں یعنی ”جاننے والا“۔
بعض حضرات مفسرین کہتے ہیں کہ ”الرحمن الرحيم“ دونوں ایک ہی معنی میں ہے، دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔

جبکہ دوسرے حضرات نے فرق بیان کیا کہ ”راحم“ میں معنی حدوٹ پائے جاتے ہیں اور ”رحيم“ کے معنی میں ثبوت ہے۔

[۲] آل عمران: ۷۰

[۳] الاتقان للسيوطي، ص: ۱۷۳، ج: ۲۔ ماعوذ از علوم القرآن، ص: ۳۲۵

”راحیم“ اس وقت کہا جائے گا کہ جب آدمی رحم کر رہا ہو، اور ”الرحیم“ یہ صفت مشبہ ہے اس کے معنی ہیں کہ رحم اس کی صفت ہے اور وہ عام طور سے رحم کرتا ہے، دونوں میں یہ فرق ہے۔

”کالعلیم والعالم“ اور ”الرحمن“ اور ”الرحیم“ میں بہت سے لوگوں نے فرق بیان کئے ہیں، اس میں راجح یہ ہے کہ ”رحمن“ کے معنی ہیں ”عام الرحمة“ اور ”رحیم“ کے معنی ہیں ”تام الرحمة“۔

”رحمن“ میں مبالغہ ہے، ”رحیم“ میں بھی مبالغہ ہے لیکن ”رحمن“ میں بحیثیت عموم کے مبالغہ ہے، یعنی جو سب کے لئے رحم والا ہے اور ”رحیم“ کے معنی ہیں ”تام الرحمة“ یعنی نفس رحمت کے اندر مبالغہ ہے کہ نفس رحمت اس کی زائد اور تام ہے، لہذا اللہ تعالیٰ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ”رحمن الدلیا ورحیم الآخرة“ کہ دنیا کے اندر رحمن اور آخرت میں رحیم۔

دنیا کے واسطے رحمن اس واسطے کہ یہاں جو اس کی رحمت ہے اس میں مؤمن و کافر سب شامل ہیں جیسے مؤمن کو دے رہا ہے اسی طرح کافر کو بھی دے رہا ہے، تو رحمت عام ہے، اور آخرت میں رحیم ہے کہ وہ رحمت کافروں کیلئے نہیں ہے لیکن جنتی مسلمانوں کیلئے ہے وہ تام ہے وہ رحمت تام ہے۔ ۵

(۱) سورة الفاتحة

سورة فاتحة کا بیان

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

(۱) باب ما جاء فی فاتحة الكتاب

سورة فاتحة کی تفسیر اور فضیلت کا بیان

وسمیت أم الكتاب: انه يبدأ بكتابتها في المصاحف. ويبدأ بقراءتها في الصلاة. ﴿الذِّينَ﴾: الجزاء في الخير والشر، كما تدین تُدان. وقال مجاهد: ﴿بالذِّينِ﴾ [الماعون: ۱]: بالحساب. ﴿مَدِينَتَيْنِ﴾ [الرواقع: ۸۱]: محاسبين.

ترجمہ: اس (سورة الفاتحة) کو ام الكتاب بھی کہتے ہیں، اس لئے کہ یہ سب سورتوں سے پہلے لکھی جاتی ہے اور نماز میں بھی سب سے پہلے اسی کو پڑھتے ہیں، اور ”الذین“ کے معنی ہیں ”الجزاء“ یعنی بدلہ اچھا ہو یا برا ہو، جس طرح کہتے ہیں کہ جیسا کرے گا ویسا بھرے گا۔

حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ﴿بالذین﴾ کے معنی حساب کے ہیں، اسی طرح ﴿مَدِينَتَيْنِ﴾ کے معنی ہیں حساب کئے گئے۔

اُمّ الكتاب کی وجہ تسمیہ

امام بخاری رحمہ اللہ آغاز کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ”وسمیت أم الكتاب“ سورة الفاتحة کا نام ”أم الكتاب“ بھی ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ ام الكتاب کی وجہ تسمیہ یہ بیان فرما رہے ہیں کہ ”انه يبدأ بكتابتها في المصاحف ويبدأ بقراءتها في الصلاة“ مصحف میں سب سے پہلے اسی کو لکھنا شروع کیا گیا اور نماز میں قرأت بھی اسی سے شروع کی جاتی ہے۔

کیونکہ ”ام“ سے آغاز ہوتا ہے، پھر بچے پیدا ہوتے ہیں تو ”ام“ سے ہوتے ہیں، اس لئے ابتداء اس

سے کی گئی اسی لئے اس کو ”ام الكتاب“ کہا گیا۔

دوسرے حضرات نے ”ام الكتاب“ کہنے کی یہ وجہ بیان کی ہے کہ ”ام“ جو ہے وہ اصل ربنیاد کو کہتے ہیں، اور سارا قرآن کریم درحقیقت سورۃ الفاتحہ کی تفسیر ہے، کیونکہ ﴿اٰمِدْنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ﴾ اس میں کہا گیا اور صراط مستقیم کی ہدایت مانگی گئی تو پورا قرآن کریم اس کا جواب ہے کہ صراط مستقیم یہ ہے۔
تویوں سورۃ الفاتحہ ”ام الكتاب“ ہوئی اور پورا قرآن مجید اس کا تشریح و تفسیر ہوا۔

سورۃ الفاتحہ کے مختلف دیگر اسماء اور وجوہ تسمیہ

شارح بخاری علامہ بدرعینی رحمہ اللہ نے سورۃ الفاتحہ کے تیرہ اسماء بیان کئے ہیں:

- ۱- فاتحة الكتاب: اس وجہ سے کہتے ہیں کہ قرآن کریم کی ابتداء اسی سورت سے ہوتی ہے، اور بعض حضرات اس کی وجہ تسمیہ یہ بیان کرتے ہیں کہ نزول کے اعتبار سے بھی یہ سب سے پہلی سورت ہے۔
- ۲- ام القرآن: اس وجہ سے کہتے ہیں کہ ام اصل کو کہتے ہیں۔ ام کی تفصیل اوپر بیان ہو چکی ہے۔
- ۳- سورة الكنز: اس وجہ سے کہتے ہیں کہ کنز اس خزانہ اور مال کو کہتے ہیں جو حفاظت کی غرض سے زمین میں دفن کر دیا جاتا ہے اور قرآن کریم کے خزانے اسی سورت میں پوشیدہ ہیں۔
- ۴- سورة الواہیة: اس لئے کہتے ہیں کہ سورۃ الفاتحہ کی نماز میں دورانِ قرأت دوسری سورتوں کی طرح تنصیف و تقسیم نہیں ہوتی بلکہ اس سورت کو نماز میں مکمل پڑھا جاتا ہے، اور قرآن کریم کے سارے مضامین پر مشتمل ہونے کی وجہ سے بھی کہا جاتا ہے۔
- ۵- سورة الحمد: اس وجہ سے کہتے ہیں کہ سورۃ الفاتحہ کی ابتداء اللہ تعالیٰ کی حمد سے ہوتی ہے۔
- ۶- سورة الصلاة: اس وجہ سے کہتے ہیں کہ ہر نماز میں اس کی تلاوت ہوتی ہے۔
- ۷- السبع معالی: یہ دو الفاظ کا مرکب ہے۔
سبع اس وجہ سے کہتے ہیں کہ سورۃ الفاتحہ کے اندر بالا اتفاق سات آیات ہیں۔
مثنیٰ مثنیٰ کی جمع ہے معنی ہے مکرر بار بار کی ہوئی چیز، سورۃ الفاتحہ کو مثنیٰ اس وجہ سے کہتے ہیں کہ نماز میں بار بار پڑھی جاتی ہے یا اس وجہ سے کہتے ہیں کہ اس سورۃ کا نزول دو مرتبہ ہوا ایک مرتبہ مکہ معظمہ میں فرضیت نماز کے وقت اور دوسری مرتبہ مدینہ منورہ میں تحویل قبلہ کے وقت ہوا۔ ۵

- ۸- سورة الشفاء والشافية: اس وجہ سے کہتے ہیں کہ اس سورۃ میں شفاء ہے۔
 حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ سورۃ الفاتحہ میں ہر بیماری کا علاج ہے۔ ۱
 ۹- سورة الكافية: اس وجہ سے کہتے ہیں کہ سورۃ الفاتحہ تمام قرآن کے مضامین کو احاطہ کرتی ہے۔
 ۱۰- سورة الأساس: اس وجہ سے کہتے ہیں کہ یہ قرآن کی اساس و بنیاد کی حیثیت رکھتی ہے۔
 ۱۱- سورة السؤال: اس وجہ سے کہتے ہیں کہ اس سورۃ میں بندہ اپنے رب سے سوال کرتا ہے۔
 ۱۲- سورة الشکو: اس وجہ سے کہتے ہیں کہ اس سورۃ میں جو اللہ رب العزت کی حمد و تعریف بیان کی گئی یہ تعریف اللہ رب العزت کی نعمت ربوبیت اور رحمت کے مقابلہ میں بیان کی گئی ہے۔
 ۱۳- سورة الدعاء: اس سورۃ میں ہدایت ربیبی کے راستے پر چلنے کی دعاء مانگی گئی ہے، ﴿إِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ﴾ اس وجہ سے اس کو سورۃ الدعاء بھی کہتے ہیں۔ ۷
 ”﴿الدين﴾: الجزاء في الخير والشر، كما تدبیر تُدان“
 اس کے معنی ہیں ”الجزاء في الخير والشر“ یعنی بدلے کو کہتے ہیں چاہے وہ بدلہ اچھا ہو یا برا، یعنی سزا ہو یا جزاء ہو۔

اسی وجہ سے کہتے ہیں کہ ”کما تدبیر تُدان“ یعنی جیسا کرے گا ویسا بھرے گا، یہ اسی سے ہے۔
 لہذا اگر کسی کو سزا دی جا رہی ہے تو اس کو بھی کہا جائے گا ”دین“ یعنی اس کو سزا دی گئی۔
 ”وقال مجاهد: بالدين بالحساب ﴿مدینین﴾: محاسبین.“
 اب ”مالک يوم الدين“ سے نقل ہو گئے ”اریت اللہ ی کذب بالدين“ کی طرف۔ اس کی تفسیر حضرت مجاہد رحمہ اللہ کے حوالے سے نقل کر دی کہ ”بالدين“ کے معنی ہیں ”بالحساب اللہ ی کذب بالدين“ تو دین یہاں حساب کے معنی میں آیا ہے، ”ظہر مدینین“ اب اس کی طرف نقل ہو گئے، اس کے معنی ہیں۔ محاسبین یعنی جن کا حساب لیا جائے گا۔

۳۳۷۴۔ حدیثنا مسدد: حدیثنا بحی، عن شعبۃ، قال: حدیثنا بحیب بن عبد الرحمن، عن حفص بن عاصم، عن ابي سعيد بن المعلى قال: كنت أصلى في المسجد فدعاني رسول الله ﷺ فلم أجبه فقلت: يا رسول الله، إني كنت أصلى فقال: ((الم يقل الله:

۱۱. اصبروا قبضة، اصبروا سليمان، عن عبد الملك بن عمير، قال: قال رسول الله ﷺ: ((لبي فاتحة الكتاب بقاء من ثلث

دا)). سنن الدارمی، کتاب فضائل القرآن، باب: فضل فاتحة الكتاب، رقم: ۳۴۱۳

بے عمدۃ القاری، ج: ۱۸، ص: ۱۰۳

﴿استَجِیْبُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ﴾ (الأنفال: ۲۴؟) ثُمَّ قَالَ لِي: ((لَأَعْلَمَنَّكَ سُورَةَ هِيَ أَعْظَمُ السُّورِ فِي الْقُرْآنِ لِقَبْلِ أَنْ تُخْرَجَ مِنَ الْمَسْجِدِ)). ثُمَّ أَخَذَ بِيَدِي فَلَمَّا أَرَادَ أَنْ يُخْرَجَ قُلْتُ لَهُ: أَلَمْ يَقُلْ: ((لَأَعْلَمَنَّكَ سُورَةَ هِيَ أَعْظَمُ سُورَةَ فِي الْقُرْآنِ؟)) قَالَ: ((﴿الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾ هِيَ السَّبْعُ الْمَثَانِي وَالْقُرْآنُ الْعَظِيمُ الَّذِي أَوْلِيْتَهُ)). [انظر: ۴۶۳، ۴۷۰، ۵۰۰، ۵۰۶]

ترجمہ: عاصم بن حفص رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابوسعید بن معلیؓ فرماتے ہیں کہ میں مسجد میں ایک دن نماز ادا کر رہا تھا کہ رسول اللہﷺ نے مجھے طلب فرمایا، میں نماز سے فارغ ہو کر حاضر ہوا اور عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! میں نماز میں تھا، اس لئے حاضر ہونے میں تاخیر ہوئی، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کیا اللہ تعالیٰ نے یہ حکم نہیں دیا کہ

﴿استَجِیْبُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ﴾

ترجمہ: اے ایمان والو! حکم مانو اللہ کا اور رسول کا جس وقت بلائے تم کو۔ ۹
پھر اس کے بعد آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قبل اس سے کہ میں مسجد سے جاؤں تم کو قرآن پاک کی ایک ایسی سورت بتاؤں گا جو ثواب کے لحاظ سے سب سے بڑی ہے، پھر آپ ﷺ نے میرا ہاتھ پکڑ لیا، اور باہر جانے لگے، میں نے یاد دہانی کرائی، تو ارشاد فرمایا کہ وہ ﴿الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾ ہے، اور اس میں سات آیات ہیں، اس کو ہر رکعت میں پڑھتے ہیں، ان آیات کو سبع مثنوی کہتے ہیں اور یہی قرآن عظیم ہے جو مجھے عطا فرمایا گیا۔

۸ ولفی سنن ابی دارود، کتاب الصلاة، باب فاتحة الكتاب، رقم: ۱۳۵۸، وسنن النسائی، کتاب الافتاح، باب تاریل قول اللہ عزوجل: ﴿وَلَقَدْ آتَيْنَاكَ مَبْعَأَيْنِ الْمَتَالِي، وَالْقُرْآنَ الْعَظِيمِ﴾ [الحجر: ۸۷]، رقم: ۹۱۳، وسنن ابن ماجہ، کتاب الادب، باب نواب القرآن، رقم: ۳۷۸۵، وسند احمد، مسند المکین، حدیث ابی سعید بن المعلیٰ عن النبی ﷺ، رقم: ۱۷۸۵۱، وسنن الدارمی، کتاب الصلاة، باب ام القرآن: هي سبع المثاني، رقم: ۱۵۳۳، ومن کتاب فضائل القرآن، باب: فضل فاتحة الكتاب، رقم: ۳۳۱۴

۹ [یعنی خدا اور رسول تم کو جس کام کی طرف دعوت دیتے ہیں (مثلاً جہاد وغیرہ) اس میں از سر تا پا تمہاری بھلائی ہے۔ ان کا دعوتی پیغام تمہارے لئے دنیا میں عزت و اطمینان کی زندگی اور آخرت میں حیات ابدی کا پیغام ہے، پس مؤمنین کی شان یہ ہے کہ خدا اور رسول کی پکار پر فوراً البیک کہیں، جس وقت وہ جدھر بلائیں سب اشغال چھوڑ کر ادھر ہی پہنچیں۔ یعنی حکم بجالانے میں دیر نہ کرو، شاید تھوڑی دیر بعد دل ایسا نہ رہے اپنے دل پر آدمی کا قبضہ نہیں بلکہ دل خدا کے ہاتھ میں ہے۔ جدھر چاہے پھیر دے۔ بیشک وہ اپنی رحمت سے کسی کا دل ابتدا نہیں روکتا نہ اس پر مہر کرتا ہے۔ ہاں جب بندہ امتثال احکام میں سستی اور کاٹلی کرتا رہے تو اس کی جزا میں روک دیتا ہے۔ یا حق پرستی چھوڑ کر ضد و عناد کو شیوہ بنا لے تو مہر کر دیتا ہے۔ (فاکدہ نمبر: ۳، ۴، ۳، الا نفل: ۲۳، ص: ۲۳۸، تفسیر عثمانی)]

حالتِ نماز میں نبی ﷺ کو جواب دینے کا مسئلہ

اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضور اقدس ﷺ جب کسی مسلمان کو پکاریں تو اس پر جواب دینا فرض ہے، اگرچہ وہ نماز کی حالت میں ہو۔
حضور اقدس ﷺ کو جواب دینے سے نماز فاسد ہوگی یا نہیں؟ اس بارے میں ائمہ کرام کا اختلاف ہے۔

امام شافعی اور امام مالک رحمہما اللہ کا استدلال

اس روایت سے امام شافعی رحمہ اللہ اور امام مالک رحمہ اللہ نے اس بات پر استدلال کیا ہے کہ اگر نبی کریم ﷺ نماز کے دوران پکاریں تو نہ صرف یہ کہ جواب دینا جائز ہے بلکہ نماز فاسد بھی نہیں ہوگی۔ ۱۰
اب یہ مسئلہ تو انتہاء نبوت سے ختم ہو گیا۔

حنفیہ کا قول

اصحابِ حنفیہ کہتے ہیں جواب دینا واجب ہے لیکن اسکے نتیجے میں نماز ختم ہو جائے گی، پھر سے اعادہ کرنا ہوگا۔ رسول اللہ ﷺ نے نماز کے فساد کے بارے میں کوئی بات ارشاد نہیں فرمائی بلکہ یہ بتایا کہ جواب دینا چاہئے تھا۔ ۱۱
یہ مسئلہ پہلے گزر چکا ہے ابن جریج راہب کے سلسلے میں کہ ماں اگر پکارے تو جواب دینے کے باے میں کیا حکم ہوگا۔ ۱۲

عظیم سورت

”((لَاعْلَمَنَّكَ سُورَةٌ هِيَ أَعْظَمُ سُورَةٍ فِي الْقُرْآنِ؟)) النخ“

۱۰ فتح الباری، ج: ۸، ص: ۱۵۷

۱۱ وقال صاحب (التوضیح): وصرح اصحابنا فقالوا: من عصا الص النبي ﷺ، انه لودعا انساناً وهو في الصلاة وجب

عليه الاجابة ولا يبطل صلاته. عمدة القاری، ج: ۵، ص: ۶۰۶

۱۲ ام جریج کے واقعے کی تفصیل کیلئے ملاحظہ فرمائیں: انعام الباری شرح صحیح البخاری، کتاب العمل فی الصلاة، باب من

رجع القہری فی الصلاة او تقدم بامر يزل به، ج: ۳، ص: ۳۶۵-۳۶۳

سب سے عظیم سورۃ کس لحاظ سے ہے؟
 بعض نے کہا اس کا ثواب عظیم ہے، بعض نے کہا کہ اس کا درجہ عظیم ہے۔
 جن لوگوں نے کہا کہ ثواب عظیم ہے، اس سے وہ حضرات مراد ہیں جو کہتے ہیں کہ قرآن کریم کی ایک
 آیت کو دوسری آیت پر کوئی فضیلت نہیں دی جاسکتی، درجہ کے اعتبار سے سارا قرآن برابر ہے۔ ہاں ثواب میں
 اللہ ﷻ فرق عطا فرماتے ہیں کہ ایک سورۃ کی تلاوت پر زیادہ ثواب ہو اور دوسری سورۃ کے تلاوت پر کم ثواب
 ہو، تو یہ ہو سکتا ہے لیکن درجہ میں سب مساوی ہیں۔
 جو لوگ کہتے ہیں کہ درجات میں بھی فرق ہے، وہ کہتے ہیں کہ اعظم سورۃ کے معنی یہ ہیں کہ یہ درجہ کے
 اعتبار سے دوسری سورتوں پر فوقیت رکھتی ہے۔ ۱۳

سبع مثانی سے مراد

”ہی السبع المثانی والقرآن العظیم الذی اوتیہ“

اس ارشاد سے اشارہ فرمایا اس آیت کریمہ کی طرف کہ

﴿وَلَقَدْ آتَيْنَاكَ مَبْعَأً مِّنَ الْمَثَانِي، وَالْقُرْآنَ

الْعَظِيمَ﴾ ۱۳

ترجمہ: اور ہم نے تمہیں سات ایسی آیتیں دے رکھی ہیں جو

بار بار پڑھی جاتی ہیں، اور عظمت والا قرآن عطا کیا۔

اشارہ اس بات کی طرف فرما دیا کہ ”السبع المثانی“ سے مراد یہ سورۃ فاتحہ ہے یعنی وہ سات آیتیں

جو بار بار نمازوں کے اندر پڑھی جاتی ہیں اور وہ یہی سورۃ فاتحہ ہے۔

سات آیتوں پر کون کونسی سورتیں مشتمل ہیں؟

۱۳ قولہ: ((اعظم سورۃ فی القرآن)) قال ابن بطال: يحتمل أن يكون أعظم بمعنى عظيم، وقال ابن المعين: معناه أن

لواهبها أعظم من غيرها، واستدل به علي جواز تفضيل بعض القرآن على بعض، ولد مع ذلك الأصرى وجماعة لأن

المفضول نال من درجة الأفضل، وأسماء الله وصفاته وكلامه لا نقص ليهما، وأجيب عن هذا بأن الأفضلية من حيث

الغراب والنفع للمصنفين لا من حيث المعنى والصفة. عمدة القارى، ج: ۱۸، ص: ۱۱۵

سارے قرآن میں صرف دو سورتیں ہیں جو سات آیتوں پر مشتمل ہیں:

ایک: ”سورة الفاتحة“ اور دوسری: ”سورة الماعون“

ان میں سورة الفاتحة کو ممتاز کرنے کے لئے مثانی فرما دیا کہ سات آیتیں جو بار بار پڑھی جاتی ہیں اور جبکہ سورة الماعون بار بار نہیں پڑھی جاتی، لیکن سورة فاتحة بار بار پڑھی جاتی ہے، اس واسطے اس کو سبع مثانی کہا گیا۔

آپ ﷺ نے یہ فرما کر اس بات کی طرف اشارہ کر دیا کہ واو یہاں مغایرت کے لئے نہیں ہے سبع مثانی کوئی اور چیز ہو اور قرآن عظیم کوئی اور چیز ہو، بلکہ ”تعمیم بعد التحصیض“ ہے۔

سورة فاتحة کی فضیلت اور اس کے درجے کی وجہ سے اس کو پورے قرآن عظیم کا اطلاق کر دیا گیا ہے۔ ۱۵

(۲) باب: ﴿غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ﴾

باب: ”نہ کہ اُن لوگوں کے راستے جن پر غضب نازل ہوا، اور نہ اُن کے راستے جو بھٹکے ہوئے ہیں۔“

۴۴۷۵۔ حدیثنا عبد اللہ بن یوسف: أخبرنا مالک، عن سمی، عن ابی صالح، عن

ابی ہریرہؓ: ان رسول اللہ ﷺ قال: ((اذا قال الامام: ﴿غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ﴾

لقولوا: آمین، فمن وافق قوله قول الملائكة غفر له ما تقدم من ذنبه)). [راجع: ۷۸۲]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ، انہوں نے بیان کیا کہ، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ

جب امام ﴿غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ﴾ کہے تو تم کو ”آمین“ کہنا چاہئے، جس کا آمین فرشتوں کے آمین سے مل جائیگا اس کے پچھلے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔

لفظ ”غَيْرِ“ کی تفصیل

لفظ ”غَيْرِ“ — ﴿صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ﴾ کے ”الذین“، مضاف الیہ سے بدل ہونے کی بنا پر

مجرور ہے اور یہی جمہور کی قرأت ہے اور ”لا“ نفی کی تاکید کے لئے ہے جو غیر سے مفہوم ہو رہا ہے تاکہ یہ وہم و گمان نہ ہو کہ ”الضَّالِّينَ“ کا عطف ”أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ“ پر ہے۔

(۲) سورة البقره

سوره بقره کا بیان

بسم الله الرحمن الرحيم

نزول کے مختلف ادوار

یہ سورت ہجرت کے بعد نازل ہوئی۔

رسول اللہ ﷺ کے مدینہ منورہ ہجرت کرنے کے بعد سب سے پہلے اس سورت کا نزول شروع ہوا اور مختلف اوقات میں مختلف آیتیں نازل ہوتی رہیں، یہاں تک کہ ربا یعنی سود کے متعلق جو آیات ہیں وہ آنحضرت ﷺ کی آخری عمر میں فتح مکہ کے بعد نازل ہوئیں اور اسی طرح اس سورت کی ایک آیت ﴿وَاتَّقُوا يَوْمًا تُرْجَعُونَ لِيهِ إِلَهُكُم﴾ ۱۷ تو قرآن حکیم کی آخری آیت ہے، جو سورہ میں حجۃ الوداع کے موقع پر منیٰ میں نازل ہوئی۔

وجہ تسمیہ

اس سورت کا نام سورت بقرہ ہے، چونکہ اس سورت میں ایک واقعہ کے متعلق بقرہ رگائے کا ذکر آیا ہے۔ جس کی تفصیل یہ ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص عامیل نامی مارا گیا تھا اور اس کے قاتل معلوم نہیں ہو رہا تھا کہ کون ہے، تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کے لوگوں سے فرمایا کہ ”اللہ تعالیٰ کا حکم یہ ہے کہ ایک گائے ذبح کر کے اس کا ایک ٹکڑا مردے پر مارو تو وہ جی اُٹھے گا، اور آپ اپنے قاتل کو بتا دے گا“۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس طرح اس مردے کو زندہ کیا اور اس نے قاتل کو بتا دیا کہ اس کے وارثوں نے ہی بطبع مال اس کو قتل کیا تھا۔ ۱۷

[البقرہ: ۲۸۱]

[۱۷] سورة البقرہ آیت ۷۶ میں یہ واقعہ بیان کیا گیا ہے۔

(۱) باب قول الله تعالى: ﴿وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا﴾ [۳۱]

اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کا بیان کہ ”آدم کو تمام چیزوں کے نام سکھا دیئے“۔

ناموں سے مراد کائنات میں پائی جانے والی چیزوں کے نام، ان کی خاصیتیں اور انسان کو پیش آنے والی مختلف کیفیات کا علم ہے، مثلاً بھوک، پیاس، صحت اور بیماری وغیرہ۔

اگرچہ حضرت آدم عليه السلام کو ان چیزوں کی تعلیم دیتے وقت فرشتے بھی موجود تھے لیکن چونکہ ان کی فطرت میں ان چیزوں کی پوری سمجھ نہیں تھی اس لئے جب ان کا امتحان لیا گیا تو وہ جواب نہیں دے سکے اور اس طرح اللہ تعالیٰ نے عملی طور پر انہیں باور کرایا کہ جو کام اس نئی مخلوق سے لینا مقصود ہے وہ فرشتے انجام نہیں دے سکتے۔ ۱۸

۴۴۷۶ - حدثنا مسلم: حدثنا هشام: حدثنا قتادة: عن أنس رضي الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم. وقال

لي خليفة: حدثنا يزيد بن زريع: حدثنا سعيد، عن قتادة، عن أنس رضي الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال:

((يجتمع المؤمنون يوم القيامة فيقولون: لو استشفعنا إلى ربنا، فيأتون آدم فيقولون: أنت

أبو الناس، خلقك الله بيده وأسجد لك ملائكته و علمك أسماء كل شيء فاشفع لنا عند

ربك حتى يرشحنا من مكاننا هذا، فيقول: لست هناكم، ويدكر ذنبه فيستحي، التوا لروحاً

فإنه أول رسول بعثه الله إلى أهل الأرض. فيأتونه فيقول: لست هناكم، ويدكر سؤاله ربه

ماليس له به علم فيستحي، فيقول: أتوا خليل الرحمن. فيأتونه فيقول: لست هناكم،

التوا موسى عبداً كلمه الله وأعطاه التوراة. فيأتونه فيقول: لست هناكم، ويدكر قتل

النفس بغير نفس فيستحي من ربه فيقول: اتوا عيسى عبداً الله ورسوله وكلمة الله وروحه،

فيقول: لست هناكم، اتوا محمداً صلى الله عليه وسلم عبداً غفر الله له ما تقدم من ذنبه وما تأخر. فيأتوني

فأطلق حتى أستاذن على ربي فيؤذن، فإذا رأيت ربي وقعت ساجداً فيدعني ما شاء ثم يقال:

ارفع رأسك وسل تعطه، وقل بسمع، واشفع تشفع. فأرفع رأسي فأحمده بتحميد يعلمني به.

ثم أشفع فيحد لي حدا فأدخلهم الجنة. ثم أعود إليه فإذا رأيت ربي، مثله، ثم أشفع فيحد

لي حد فأدخلهم الجنة. ثم أعود إليه فإذا رأيت ربي، مثله، ثم أشفع فيحد لي حدا فأدخلهم

الجنة. ثم اعود إليه فإذا رايت ربي، مثله، ثم اشفع فيحد لي حدا فأدخلهم الجنة. ثم اعود الرابعة فأقول: ما بقى في النار إلا من حبسه القرآن ووجب عليه الخلود)). قال ابو عبد الله: إلا من حبسه القرآن: يعني قول الله تعالى: ﴿خَالِدِينَ فِيهَا﴾. [راجع: ۴۴]

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے روز مسلمان آپس میں کہتے ہوں گے، کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کس کی سفارش لائی جائے، لہذا سب مل کر حضرت آدم علیہ السلام کے پاس جائیں گے، اور ان سے کہیں گے کہ آپ تمام انسانوں کے والد ہیں، اللہ تعالیٰ نے تمہیں خود اپنے ہاتھ سے بنایا، ملائکہ سے سجدہ کرایا، اور پھر تمام اشیاء کے نام آپ کو سکھائے، لہذا آپ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ہم سب کی سفارش فرمائیں، تاکہ یہ مصیبت ختم ہو کر چین حاصل ہو۔ حضرت آدم علیہ السلام فرمائیں گے، آج مجھے اپنا گناہ یاد آ رہا ہے، مجھے پروردگار کی بارگاہ میں جاب معلوم ہوتا ہے، لہذا تم سب حضرت نوح علیہ السلام کے پاس جاؤ، وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے زمین میں پہلے نبی بنائے گئے تھے۔ چنانچہ سب ان کی خدمت میں پہنچیں گے اور اپنی درخواست پیش کریں گے، وہ کہیں گے کہ آج مجھ میں یہ ہمت نہیں ہے، میں خود اس کی بارگاہ میں شرم محسوس کر رہا ہوں، لہذا تم سب حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خدمت میں جاؤ، سب ظلیل اللہ کے پاس پہنچیں گیا اور ان سے اپنی حاجت بیان کریں گے۔ وہ فرمائیں گے، میں اس قابل کہاں، تم سب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں جاؤ، وہ کلیم اللہ ہیں، خدا نے انہیں تورات دی ہے، تو سب لوگ حاضر خدمت ہوں گے۔ وہ کہیں گے کہ آج مجھ میں یہ ہمت نہیں ہے، مجھے ایک آدمی کے خون ناحق کا خیال بارگاہ الہی میں جانے سے مانع ہے، لہذا تم سب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ، وہ روح اللہ ہیں، اللہ کے بندے، رسول اور کلمۃ اللہ ہیں، سب ان کے پاس جائیں گے۔ وہ کہیں گے کہ میں اس لائق نہیں، تم سب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤ، کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے اگلے پچھلے سب گناہ معاف فرمادیئے ہیں۔ تو میں سب کو لے کر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہونے کی اجازت چاہوں گا، اجازت ملنے پر سجدہ میں گر پڑوں گا اور جب تک خدا چاہے گا، سجدہ میں رہوں گا، حکم الہی ہوگا، اے محمد! سر کو سجدہ سے اٹھاؤ، مانگو کیا مانگتے ہو، ہم سنیں گے اور تمہاری سفارش قبول کریں گے، میں سر اٹھاؤں گا اور اللہ تعالیٰ کی وہ تعریف کروں گا جو مجھے اس کی طرف سے سکھائی جائے گی، اس کے بعد سفارش کروں گا جس کی حد مقرر کر دی جائے گی۔ میں ایک گروہ کو بہشت میں داخل کر کے آؤں گا، پھر سجدہ میں گر جاؤں گا، اور وہی کیفیت ہوگی جو پہلے ہوئی تھی، پھر ایک گروہ کو بہشت میں داخل آؤں گا، پھر تیسری مرتبہ بھی داخل کروں گا، پھر چوتھی مرتبہ بھی سفارش کروں گا۔ پھر اپنے رب سے عرض کروں گا کہ اب تو وہی باقی رہ گئے ہیں، جن کو قرآن نے متع کیا ہے، اور وہ ہمیشہ کے لئے دوزخ میں رہنے والے ہیں۔

امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ دوزخ میں وہ ہی لوگ ہمیشہ رہیں گے جن کے لئے قرآن میں

﴿خَالِدِينَ لِيَهَا﴾ وارد ہوا ہے۔

مقصود امام بخاری رحمہ اللہ

یہ حدیث، حدیث شفاعت ہے اور یہاں پر لانے کا منشا صرف یہ جملہ ہے کہ روز قیامت جب لوگ حضرت آدم عليه السلام کے پاس جائیں گے تو کہیں گے کہ ”علمک اسماء کل شئی“ اور یہ اشارہ ہے ﴿وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا﴾ کی طرف۔

اور یہ بات آپ تفسیر کے اندر پڑھ چکے ہیں کہ اسماء کی تعلیم سے مراد جو جو چیزیں دنیا کے اندر پیش آنے والی تھیں ان کا علم اللہ جل جلالہ نے حضرت آدم عليه السلام کو عطا فرمایا تھا کیونکہ وہ ابوالبشر تھے تو بشر کو ضرورت تھی کہ دنیا میں آنے کے بعد اس کا علم حاصل کرے وہ دینا مقصود ہے۔

”کُلُّهَا“ جو ہے یہ ”کُلُّ“ بمعنی اکثر کے ہے، یہ ضروری نہیں کہ جو چیز قیامت تک پیدا ہونے والی ہے وہ سب اس کے اندر مراد ہو۔ بالکل اسی طرح جیسے سورۃ النمل میں حضرت سلیمان عليه السلام کے قصہ میں دربار میں ہد ہد پرندے نے ملکہ بلقیس کے بارے میں خبر دی کہ

﴿وَأُوتِيَتْ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ وَلَهَا عَرْشٌ عَظِيمٌ﴾ ۱۹

ترجمہ: اور اُس کو ہر طرح کا ساز و سامان دیا گیا ہے، اور اُس کا ایک شاندار تخت بھی ہے۔

شفاعت کا بیان

اس حدیث شفاعت میں آیا ہے کہ لوگ مختلف انبیاء کرام عليہم السلام کے پاس جائیں گے اور کہیں گے کہ ہماری شفاعت کریں، لیکن تمام انبیاء کرام عليہم السلام اپنی عاجزی کا اظہار فرمائیں گے، پھر بالآخر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جائیں گے تو آپ شفاعت فرمائیں گے۔

شفاعت کے معنی

شفاعت کا لفظ ”شفع“ سے نکلا ہے جس کے اصل معنی جوڑنے کے ہیں، کسی چیز کو ساتھ ملانے کے ہیں۔

یہاں پر شفاعت کا مطلب یہ ہے کہ شفاعت کرنے والا جرم و گناہ کرنے والے کی معافی کی درخواست و سفارش پیش کر کے گویا خود کو اس مجرم و گناہ گار کے ساتھ ملا لے۔

شفاعتِ کبریٰ

شفاعتِ کبریٰ وہ ہے جو آپ ﷺ تمام مخلوق کے سلسلے میں فرمائیں گے اور یہ شفاعت کرنے کا حق صرف اور صرف حضور اقدس ﷺ کو حاصل ہوگا، دوسرے انبیاء کرام علیہم السلام میں سے کسی کو اس شفاعت کی مجال و جرات نہیں ہوگی۔

شفاعتِ کبریٰ کا مقصد یہ ہے کہ روزِ محشر حضور اقدس ﷺ میدانِ حشر کی سختیوں اور ہولناکیوں سے لوگوں کو راحت دینے، اس دن کی طوالت و شدت کو ختم کرنے، حساب و کتابِ جلدی شروع کرنے اور اللہ ﷻ کے آخری فیصلے کو ظاہر کرنے کی سفارش فرمائیں گے۔ اس حدیث میں جو انبیاء علیہم السلام کے پاس لوگوں کے جو جانے کا ذکر ہے، اس سے شفاعتِ کبریٰ مراد ہے۔

شفاعتِ صغریٰ

شفاعتِ صغریٰ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ ان لوگوں کی سفارش کریں جو اپنے گناہوں اور جرائم کی سزا بھگتنے کے لئے دوزخ میں داخلے کے مستحق قرار پائیں گے تو جناب رسول اللہ ﷺ ان لوگوں کے عذاب ختم کرنے اور جنت میں داخلے کی سفارش فرمائیں گے۔ اس دوسری قسم کی شفاعت کرنے کا حق انبیاء کرام، ملائکہ، شہداء اور صدیقین کو بھی حاصل ہوگا۔

اس حدیث میں اختصار ہے دونوں شفاعتوں کو اکٹھا کر کے بیان کیا گیا ہے، شروع میں شفاعتِ کبریٰ کا ذکر ہے اور آخر میں شفاعتِ صغریٰ مراد ہے۔

”ثم اشفع لي حداء“ اللہ ﷻ ایک حد مقرر فرمادیں گے، میں اس حد تک کی سفارش کروں گا۔ ”فادخلهم الجنة“ ان مؤمنین کو جنت میں داخل کراؤں گا، تین مرتبہ میں اس طرح حاضر ہوں گا اور شفاعت کروں گا اور لوگوں کو جنت میں داخل کراؤں گا۔

”ثم اعود الرابعة فاقول“ پھر جب میں چوتھی مرتبہ جاؤں گا تو اپنے رب سے عرض کروں گا کہ ”ما بقى في النار الا من حبسه القرآن“ اب جہنم میں باقی نہیں رہا سوائے اس کے کہ جس کو قرآن کریم نے روک رکھا ہے۔

”وَجِبَ عَلَيْهِ الْخُلُودُ“ اور وہ ہمیشہ کے لئے دوزخ میں رہنے والے ہیں۔

”حبسہ القرآن“ کی تفسیر

امام بخاری رحمہ اللہ آگے ”ما بقی فی النار إلا من حبسہ القرآن“ یعنی جن لوگوں کو قرآن نے روک رکھا ہے، کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یہ وہ لوگ ہیں جن کے بارے میں قرآن کریم میں اللہ ﷻ کا ارشاد ہے کہ ﴿خَلَدِينَ فِيهَا﴾ یعنی وہ ہمیشہ کے لئے جہنم میں رہیں گے اور ان کے لئے جہنم سے چھٹکارے کا کوئی طریقہ نہیں ہوگا یعنی کفار اور مشرکین۔

(۲) باب:

یہ باب بلا عنوان ہے۔

قال مجاهد: ﴿إِلَىٰ شَيَاطِينِهِمْ﴾ [۱۳]: أصحابهم من المنافقين والمشركين. ﴿مُحِيطٌ بِالْكَافِرِينَ﴾ [۱۹]: الله جامعهم. ﴿صِبْغَةٌ﴾ [۱۳۸]: دين. ﴿عَلَىٰ النَّاسِ عَيْنًا﴾ [۳۵]: على المؤمنين حقا.

قال مجاهد: ﴿بِقُوَّةٍ﴾ [۶۳] يعمل بما فيه. وقال ابو العالية: ﴿مرض﴾ شك ﴿وما خلفها﴾ عبرة لمن بلى ﴿لَا حِيَةَ﴾ لا يباح وقال غيره: ﴿يَسْؤُونَكُمْ﴾: يولونكم. ﴿الولاية﴾ مفتوحة مصدر الولاء وهي الروية وإذا كسرت الواو فهي الإمارة وقال بعضهم الحبوب التي توكل كلها فوم وقال قتادة: ﴿فَبَاؤُوا﴾ فأنقلبوا وقال غيره: ﴿يَسْتَفْعِحُونَ﴾ يستصرون ﴿شروا﴾ باعوا. ﴿راعنا﴾ من الرعونة إذا أرادوا أن يحمقوا السائلا فالوا راعنا ﴿لا يجرى﴾ لا يفتنى ﴿عطوات﴾ من الخطو والمعنى آتاه ﴿ابغى﴾ اختبر.

ترجمہ و تشریح

﴿إِلَىٰ شَيَاطِينِهِمْ﴾ حضرت مجاہد رحمہ اللہ کا بیان ہے شیاطین سے منافق اور مشرک مراد ہیں۔
﴿مُحِيطٌ بِالْكَافِرِينَ﴾ کا مطلب یہ ہے کہ اللہ ﷻ کا فروں کو جمع فرمائے گا۔

﴿صِبْغَةً﴾ کے معنی دین کے ہیں۔

﴿عَلَى الْخَاشِعِينَ﴾ سے ایمان والے مراد ہیں۔

حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ﴿بِقُوَّةٍ﴾ جو کہ آیت کریمہ ﴿خُذُوا مَا آتَيْنَاكُمْ بِقُوَّةٍ﴾ میں آیا ہے، یہاں ”قوة“ سے عمل مراد ہے۔

حضرت ابو عالیہ رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ ﴿مَرَضٍ﴾ کا معنی شک کا ہے۔

﴿وَمَا خَلَفَهَا﴾ سے مراد یہ ہے کہ پچھلے لوگوں کے لئے عبرت ہے جو قائم رہے۔

﴿لَا شَيْئَةَ﴾ کا معنی ہے سفیدی نہیں۔

بعض حضرات کہتے ہیں کہ ﴿يَسُومُونَكُمْ﴾ جو اس آیت میں ہے ﴿يَسُومُونَكُمْ سُوءَ الْعَذَابِ﴾ یعنی بنی اسرائیل کو خطاب کرتے ہوئے کہا کہ فرعون کے لوگ تم کو بہت بری تکلیفیں پہنچایا کرتے تھے۔

تو یہاں اس لفظ ”يسومونكم“ کی تفسیر کر دی ”يولونكم“ سے اور یہ ”ولاية“ سے نکلا ہے۔

”الولاية“ اگر یہ ”مفتوح الواو“ ہو تو اس کے معنی ربوبیت کے ہوتے ہیں اور اگر ”مكسور الواو“ ہو تو اس کے معنی ”الإمارة“ کے آتے ہیں تو امیر بھی امارت کے معنی میں ہوتا ہے۔

تو ”يولونكم“ کی جو تفسیر کی ہے اس کے معنی ہے کہ وہ تمہیں دکھ پہنچایا کرتے تھے اور تمہاری پرورش بُرے عذاب کے ساتھ کیا کرتے تھے، یہ تفسیر حضرت ابو عبیدہ رحمہ اللہ نے کی ہے۔

اور دوسرے حضرات کہتے ہیں کہ ”سام۔ يسوم“ کے معنی ”يقصدون“ کے ہیں کہ وہ قصد کرتے تھے تمہاری طرف بُرے عذاب کے ساتھ یعنی برا عذاب تم کو پہنچایا کرتے تھے۔

”وقال بعضهم الحبوب التي تؤكل كلها فوم“ اور بعض حضرات کہتے ہیں کہ جتنے بھی کھانے والے غلے راجناس ہیں وہ سب ”فوم“ ہیں، یہی حضرت ابو عبیدہ رحمہ اللہ کا قول ہے، در نہ عام طور سے ”فوم“

لہسن اور گندم کو کہتے ہیں۔

﴿فَبَاؤُوا﴾ قادمہ رحمہ اللہ نے کہا کہ یہ بمعنی ”انقلبوا“ کے ہے معنی وہ لوگ پھر آئے، دوبارہ لوٹے۔

﴿يَسْتَفْتِحُونَ﴾ کے معنی ہیں کہ وہ لوگ مدد مانگتے تھے۔

﴿حُشِرُوا﴾ کے بیچ ڈالنے کے معنی میں ہے۔

﴿رَاعِنًا﴾ رعونت سے مشتق ہے یعنی بیوقوف، یہود جب کسی کو احمق کہتے تو ”راعنا“ کہتے تھے۔

﴿لَا يَجْزِي﴾ کا معنی کچھ کام نہ آئے گی۔

﴿حَطَوَاتٍ﴾ خطوہ کی جمع ہے، اس کا معنی ہے قدموں کے نشانات۔

﴿ابْتَلَى﴾ کے معنی آزمائش کے ہیں۔

(۳) باب قوله تعالى: ﴿فَلَا تَجْعَلُوا لِلَّهِ أَنْدَاداً وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ﴾ [۲۲]

اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا بیان: ”لہذا اللہ کے ساتھ شریک نہ ٹھہراؤ، جبکہ تم (یہ سب باتیں) جانتے ہو۔“

۴۴۷۷۔ حدیثنا عثمان بن ابی شیبہ: حدیثنا جریر: عن منصور، عن ابی وائل، عن عمرو بن شرحبیل، عن عبد اللہ قال: ((سألت النبی ﷺ أتى الذنب أعظم عند الله؟ قال: ((أن تجعل لله نداً وهو خلقك))، قلت: إن ذلك لعظيم، قلت: ثم أتى؟ قال: ((وأن تقتل ولدك تخاف أن يطعم معك))، قلت: ثم أتى؟ قال: ((أن تزاني حليلة جارِك))، [انظر: ۴۷۶۱، ۶۰۰۱، ۶۸۱۱، ۶۸۶۱، ۷۵۲۰، ۷۵۳۲] ج

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن مسعود ؓ روایت کرتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ سے دریافت کیا کہ اللہ کے نزدیک سب سے بڑا گناہ کیا ہے؟ آپ ﷺ نے جواب دیا، یہ کہ تم کسی کو اللہ کے برابر قرار دے دو، حالانکہ اسی نے سب کو پیدا کیا ہے، میں نے عرض کیا صحیح ہے اور اس کے بعد دوسرا گناہ کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اپنی اولاد کو اس اندیشہ سے مار ڈالنا کہ ان کو کھلانا اور پرورش کرنا پڑے گا، میں نے کہا صحیح ہے، اس کے بعد پھر بڑا گناہ کیا ہے؟ فرمایا اپنے ہمسایہ کی بیوی کے ساتھ زنا کرنا۔

شُرک؛ سب سے بڑا گناہ

حضرت عبد اللہ بن مسعود ؓ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ ”أتی الذنب أعظم عند الله؟“ اللہ ﷻ کے نزدیک سب سے بڑا گناہ کون سا ہے؟

۲۰ ولی صحیح مسلم، کتاب الإیمان، باب کون الشُرک ألبح الذنوب، وبيان أعظمها بعد، رقم: ۱۳۱، و سنن ابی داؤد، کتاب الطلاق، باب فی تعظیم الزنا، رقم: ۲۳۱۰، و سنن الترمذی، ابواب التفسیر القرآن، باب: ومن سورة الفرقان، رقم: ۳۱۸۲، ۳۱۸۳، و سنن النسائی، کتاب تحریم الدم، ذکر أعظم الذنب، رقم: ۳۰۱۳، ۳۰۱۴، ۳۰۱۵، و مسند أحمد، عند المکثرین من الصحابة، مسند عبد اللہ بن مسعود ؓ، رقم: ۳۶۱۲، ۳۱۰۲، ۳۱۳۱،

رسول اللہ ﷺ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ ”ان تجعل لله نداً وهو خلقك“ تم کسی کو اللہ ﷻ کا شریک ٹھہراؤ، اس کے جیسا یا اس کے مقابل کسی کو معبود بناؤ، حالانکہ اللہ ﷻ نے ہی تم پیدا کیا ہے۔
ترجمہ الباب میں جو آیت مبارکہ بیان کی گئی ہے اس میں ”انداً“ کی جمع ”لدا“ اس کا معنی ہیں کسی بھی چیز کا نظیر یا اس کا مقابل۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے کہا کہ ”ان ذلك لعظيم“ بے شک یہ تو سب سے بڑا گناہ ہے۔

حضرت لقمان حکیم نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے شرک کو ظلم قرار دیا تھا۔
”ظلم“ کے معنی یہ ہیں کہ کسی کا حق چھین کر دوسرے کو دے دیا جائے۔

شرک اس لحاظ سے واضح طور پر بہت بڑا ظلم ہے کہ عبادت اللہ ﷻ کا خالص حق ہے، شرک کرنے والے اللہ ﷻ کا یہ حق اُس کو ادا کرنے کے بجائے خود اُسی کے بندوں اور اُسی کی مخلوق کو دیتے ہیں۔ ۱۱

پرورش کے خوف سے اولاد کا قتل گناہ عظیم

فرماتے ہیں میں نے پھر عرض کیا کہ اس کے بعد کون سا گناہ ہے جو اللہ ﷻ کے ہاں سب سے بڑا ہے؟
رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ”وان تقتل ولدك تخاف ان يطعم معك“ تم اپنی اولاد کو اس خوف سے مار ڈالو کہ وہ تمہارے ساتھ کھائے گا اور اس کی پرورش تمہارے ذمہ ہوگی۔

اپنے ہی بیٹے کو قتل کرنا یہ صرف ایک قتل کا گناہ نہیں بلکہ یہ کئی گناہوں پر مشتمل ہے، ناحق قتل کرنا، اپنے ہی بیٹے کو قتل کرنا، ایسے انسان کو قتل کرنا جو اس حالت میں ہے کہ وہ اپنی مدافعت بھی نہیں کر سکتا، اس خوف کی وجہ سے قتل کرنا کہ ہمارے ساتھ کھائے گا، گویا خود پرورش کرنے والا ہے، اللہ ﷻ کے رازق ہونے پر توکل نہیں۔

پڑوسی کی بیوی سے زنا، تیسرا بڑا گناہ

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے پھر سے عرض کیا کہ اس کے بعد کون سا گناہ ہے؟
رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ”ان تزاوی حلیمة جارک“ تیسرا بڑا گناہ یہ ہے کہ تم اپنے پڑوسی کی بیوی سے زنا کرو۔

لفظ ”تسالی“ یہ ماخوذ ہے ”مزاناة“ سے جو باب مفاعله کا مصدر ہے، جس کا مطلب ہے مشارکت کرنا، یہاں اس کا مطلب ہے اپنے پڑوسی کی بیوی بہکا کر، ورغلا کر اس کو زناء پر آمادہ کرنا۔
پڑوسی کی بیوی کے ساتھ زناء کرنا یہ گناہ بھی درحقیقت کئی ایک گنہوں پر مشتمل ہے، زناء کرنے کا گناہ ہے، کسی دوسرے کی بیوی کو بہکانا، اپنے پڑوسی کو ساتھ خیانت کرنا حالانکہ پڑوسی یہ سمجھتا ہے کہ اس کو اپنے ساتھ والے سے کوئی تکلیف نہیں پہنچے گا اور اس کی جان، مال اور عزت کی پڑوسی ہونے کی ناطے حفاظت کرے گا، زناء کے نتیجے میں کسی کے نسب کو خراب کرنا، یہ سب گناہ ہیں جو اس میں جمع ہو گئے ہیں۔

(۴) باب: ﴿وَوَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ وَأَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّٰ وَالسَّلْوٰ﴾ الیٰ

﴿يُظَلِّمُونَ﴾ [۵۷]

باب: ”اور ہم نے تم کو بادل کا سایہ عطا کیا، اور تم پر من و سلویٰ نازل کیا“ آیت کے آخر تک

من و سلویٰ؛ بنی اسرائیل پر اللہ کی نعمت کی بارش

بنی اسرائیل نے جہاد کے ایک حکم کی نافرمانی کی تھی جس کی پاداش میں انہیں صحرائے سینا میں مقید کر دیا گیا تھا، لیکن اس سزایابی کے دوران بھی اللہ ﷻ نے انہیں جن نعمتوں سے نوازا یہاں اُن کا ذکر ہو رہا ہے۔
صحراء میں چونکہ کوئی چھت ان کے سروں پر نہیں تھی اس لئے ان کو ڈھوپ کی تمازت سے بچانے کے لئے اللہ ﷻ نے یہ انتظام فرمایا کہ ایک بادل ان پر مسلسل سایہ کئے رہتا تھا۔ اسی صحراء میں جہاں کوئی غذا دستیاب نہیں تھی، اللہ ﷻ نے غیب سے من و سلویٰ کی شکل میں انہیں بہترین خوراک مہیا فرمائی۔

بعض روایتوں کے مطابق من سے مراد ترنجبین ہے جو اس علاقے میں افراط سے پیدا کردی گئی تھی، اور سلویٰ سے مراد ٹیریں ہیں جو بنی اسرائیل کی قیام گاہوں کے آس پاس کثرت سے منڈلاتی رہتیں، کوئی انہیں پکڑنا چاہتا تو بالکل مزاحمت نہیں کرتی تھیں۔

لیکن انہوں نے ان تمام نعمتوں کی بُری طرح ناقدری کی اور اس طرح خود اپنی جانوں پر ظلم کیا۔ ۵۷

وقال مجاهد: المن: صمغه و السلوی: الطیر.

ترجمہ: مجاہد رحمہ اللہ کہتے ہیں ”من“ وہ گوند جو درختوں پر آتی ہے اور ”سلوی“ پرندے کو کہتے ہیں۔

۴۴۷۸۔ حدثنا أبو نعیم: حدثنا سفیان، عن عبد الملك، عن عمرو بن حریث، عن سعید بن زید رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ ﷺ: ((الکماء من المن وماؤها شفاء للعین)). [انظر: ۴۶۳۹، ۵۷۰۸] ۲۳

ترجمہ: حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کھنسی (یعنی ترنجبین ایک قسم کا گوند ہے جو درختوں سے نکالا جاتا ہے) اس کا پانی آنکھوں کی بیماریوں کے لئے مفید ہے۔

آنکھوں کی بیماریوں کیلئے مفید دوا

”الکماء من المن“۔ کھنسی ”من“ کا حصہ ہے یعنی یہ جو ”من“ نازل کیا گیا تھا اس میں شامل تھی یا یہ کہ جس طرح ”من“ بنی اسرائیل کو بطور احسان دیا گیا تھا، بکثرت پایا جاتا تھا بغیر محنت و مشقت کے ان کو مل جاتا تھا۔ اسی طرح یہ ”الکماء“۔ کھنسی بھی ہمارے لئے بغیر کسی مشقت کے اللہ ﷻ نے پیدا فرما دیا ہے اور اس کا پانی آنکھوں کی بیماریوں کیلئے مفید ہے۔

(۵) باب: ﴿وَإِذْ قُلْنَا ادْخُلُوا هَذِهِ الْقَرْيَةَ فَكُلُوا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ﴾ [۵۸] الآية

باب: ”اور (وہ وقت بھی یاد کرو) جب ہم نے کہا تھا کہ: اس بستی میں داخل ہو جاؤ اور اس میں جہاں سے چاہو جی بھر کر کھاؤ“

بنی اسرائیل کی ناشکری

بنی اسرائیل من و سلوئی سے بھی اکتا گئے تو انہوں نے یہ مطالبہ کیا کہ ہم ایک ہی قسم کے کھانے پر گزارہ نہیں کر سکتے۔ ہم زمین کی ترکاریاں وغیرہ کھانا چاہتے ہیں، اس موقع پر ان کی یہ خواہش بھی پوری کی گئی۔

۲۳ ولسی صحیح مسلم، کتاب الطب، باب المن من شفاء للعین، رقم: ۵۷۰۸، و کتاب الاشریة، باب فضل الکماء، و مداواة العین بہا، رقم: ۲۰۳۹، و سنن الترمذی، أبواب الطب، باب ماجاء فی الکماء والعجوة، رقم: ۲۰۶۷، و سنن ابن ماجہ، کتاب الطب، باب الکماء والعجوة، رقم: ۳۳۵۳، و مسند احمد، مسند العشرة المبشرین بالجنة، مسند سعید بن زید بن عمرو بن لعل رضی اللہ عنہ، رقم: ۱۶۲۵، ۱۶۲۶، ۱۶۳۲، ۱۶۳۳، ۱۶۳۵

اور یہ احلان فرمایا گیا کہ اب تمہیں صحراء کی خاک چھاننے سے نجات دی جاتی ہے، سامنے ایک شہر ہے اس میں چلے جاؤ لیکن اپنے گناہوں پر ندامت کے اظہار کے طور پر سر جھکائے ہوئے اور معافی مانگتے ہوئے شہر میں داخل ہو، وہاں اپنی رغبت کے مطابق جو حلال غذا چاہو کھا سکو گے۔

لیکن ان ظالموں نے پھر ضد اور سرکشی کا مظاہرہ کیا، بجائے یہ کہ شہر میں داخل ہوتے ہوئے سر کو جھکاتے عاجزی اور ندامت کے مارے، بلکہ سینے تان تان کر شہر میں داخل ہوئے، معافی کے مانگنے کے لئے انہیں جو الفاظ کہنے کی تلقین کی گئی تھی ان کا مذاق بنا کر ان سے ملتے جلتے ایسے نعرے لگاتے ہوئے داخل ہوئے جن کا مقصد مسخرہ پن کے سوا کچھ نہ تھا۔ ۲۳

﴿رَعْدًا﴾: واسعًا کثیرًا.

ترجمہ: ”رعداً“ فراغت، وسعت کو کہتے ہیں۔

۴۴۷۹۔ حدیثنا محمد: حدیثی عبدالرحمن بن مہدی، عن ابن المبارک، عن معمر

عن ہمام بن منبہ، عن ابی ہریرۃ ؓ عن النبی ﷺ قال: ((قيل لبني إسرائيل: ﴿أَدْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَقُولُوا حِطَّةً﴾ فدخلوا يزحفون على أستاهم فبدلوا وقالوا: حطة: حبة في شعرة)). [راجع: ۳۴۰۳]

ترجمہ: ہمام بن منبہ رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہ ؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بنی اسرائیل کو کہا گیا تھا کہ ﴿أَدْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَقُولُوا حِطَّةً﴾۔ ”تم دروازے سے سجدہ کرتے ہوئے داخل ہو اور یہ کہتے ہوئے کہ ”حطۃ“ (یعنی اے اللہ ہمارے گناہوں کو جھاڑ دے)۔ تو وہ لوگ اس طرح داخل ہوئے کہ اپنی سرینوں کو زمین پر گھسٹ رہے تھے، اور بدل ڈالنا ”حطۃ“ کو اور کہنے لگے کہ ”حبة“ گندم کا دانہ۔

الفاظ کی تشریح

”استاہ“ جمع ہے ”است“ کی، یعنی سرینوں کے بل۔

”وبدلوا“ اور کلمہ بھی بدل دیا ”حطۃ“ کے ساتھ ”حبة فی شعرة“ یعنی گندم کا دانہ بالی کے اندر۔

بعض روایتوں میں ”حبة“ کے بجائے ”حطۃ“ آیا ہے یعنی ”حطۃ حبة فی شعرة“۔

(۶) بَابٌ: ﴿مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِجِبْرِئِيلَ﴾ [۹۷]

باب: ”اگر کوئی شخص جبرائیل کا دشمن ہے۔“

وقال عكرمة: جبر، وميك، وسراف: عبد، ايل: الله.

ترجمہ: حضرت عکرمہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جبر، میک اور سراف کے معنی ہیں بندہ، ایل کے معنی ہیں اللہ

یعنی اللہ کا بندہ۔

مقرب فرشتوں کا اسماء کا مطلب

اس آیت کا شان نزول بعد میں حدیث میں بیان کیا جا رہا ہے۔ اس سے پہلے امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت عکرمہ رحمہ اللہ کا قول نقل کیا کہ ”جبر“ و ”میک“ اور ”سراف“ تینوں کے معنی عبرانی زبان میں ”عبد“۔ بندہ کے ہیں اور ”ایل“ کے معنی اللہ کے ہیں، تو جبرائیل کے معنی ہوئے ”اللہ کا بندہ“ اور میکائیل کے بھی یہی ہوئے اور اسرائیل کے بھی یہی معنی ہوئے۔

بعض لوگوں نے دوسری تفسیر کی ہے، مثلاً انہوں نے کہا کہ ”جبر“ پیغام کو کہتے ہیں تو ”جبرائیل“ کے معنی اللہ کا پیغام، اور ”میک“ بارش کو کہتے ہیں تو ”میکائیل“ کے معنی اللہ کی طرف سے بارش لانے والا، اور ”سراف“ ”صور“ کو کہتے ہیں تو اس کے معنی اللہ کا صور پھونکنے والا۔ واللہ اعلم۔ ۵۵

۳۴۸۰۔ حدثنا عبد الله بن منير: سمع عبد الله بن بكر، حدثنا حميد، عن أنس قال:

سمع عبد الله بن سلام بقدم رسول الله ﷺ وهو في أرض يثرب، فأتى النبي ﷺ فقال: إني سألك عن ثلاث لا يعلمهن إلا نبي، فما أول أشرط الساعة؟ وما أول طعام أهل الجنة؟ وما ينزع الولد إلى أبيه أو إلى أمه؟ قال: ((أخبرني بهن جبريل أنفا))، قال: جبريل؟ قال: ((نعم))، قال: ذاك عدو اليهود من الملائكة. فقرأ هذه الآية ﴿مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِجِبْرِئِيلَ لِإِنَّهُ نَزَّلَهُ عَلَيَّ قَلْبِكَ﴾ أما أول أشرط الساعة فنار تشر الناس من المشرق إلى المغرب، وأما أول طعام أهل الجنة فزيادة كبد الحوت، وإذا سبق ماء الرجل ماء المرأة

نزع الولد، وإذا سبق ماء المرأة لزعت)). قال: أشهد أن لا إله إلا الله، وأشهد أنك رسول الله. يا رسول الله، إن اليهود قوم بهت، وإنهم إن علموا بإسلامي قتل أن تسألهم يبهتوني. فجاءت اليهود، فقال النبي ﷺ: ((أى رجل عبد الله فيكم؟)) قالوا: خيرنا وابن خيرنا، وسيدنا وابن سيدنا. قال: ((أرايتم إن أسلم عبد الله بن سلام؟)) فقالوا: أعاده الله من ذلك. فخرج عبدالله فقال: أشهد أن لا إله إلا الله، وأن محمداً رسول الله. فقالوا: شرنا وابن شرنا، والتقصوه. قال: فهذا الذي كنت أخاف يا رسول الله. [راجع: ۳۳۲۹]

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ یہودی عالم عبد اللہ بن سلام باغیچہ میں میوہ توڑ رہے تھے کہ ان کو نبی ﷺ کے مدینہ تشریف لانے کی خبر ہوئی، وہ فوراً حاضر خدمت ہوئے، اور رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ میں آپ سے تین باتیں معلوم کرنا چاہتا ہوں، جن کو ماسوائے نبی کے اور کوئی نہیں بتا سکتا، ایک یہ کہ قیامت کی پہلی علامت کیا ہوگی؟ دوسرے یہ کہ جنتی سب سے پہلے کیا چیز کھائیں گے؟ تیسرے یہ کہ بچہ اپنے باپ یا ماں کے مشابہ کس وجہ سے ہوتا ہے؟

آپ ﷺ نے فرمایا مجھے ابھی حضرت جبرائیل علیہ السلام بتا کر گئے ہیں، عبد اللہ بن سلام نے کہا کہ جبرائیل! وہ تو یہودیوں کا سب فرشتوں میں سب سے بڑا دشمن ہے۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے یہ آیت پڑھی ﴿مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِجِبْرَائِيلَ فَإِنَّهُ نَزَّلَهُ عَلَى قَلْبِكَ﴾، اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا، قیامت کی پہلی نشانی یہ ہے کہ ایک آگ اٹھے گی جو آدمیوں کو مشرق سے مغرب کی طرف بھاگا کر لے جائے گی، اور جنتیوں کو سب سے پہلے پھلی کا جگر کھانے کو ملے گا، اور بچہ کے مشابہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ مرد عورت میں سے جس کا مادہ منویہ غالب رہتا ہے، بچہ اسی کے مشابہ ہوتا ہے، اگر ماں کا غالب ہے تو ماں سے اگر باپ کا غالب ہے تو باپ سے۔

عبد اللہ بن سلام نے اس کے بعد کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے سچے رسول ہیں، اور اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، ابن سلام نے کہا کہ اے اللہ کے! یہودی بڑی جھوٹی قوم ہے، ان کو میرا مسلمان ہونا بہت ناگوار ہوگا، اور وہ بڑے بہتان میرے اوپر تراشیں گے، اتنے میں کچھ یہود آپ ﷺ کے پاس آئے، ابن سلام نے کہا کہ آپ میرے متعلق ان سے سوال کریں، اور خود آڑ میں ہو گئے، پھر آپ ﷺ نے یہودیوں سے پوچھا کہ تم ابن سلام کو کیسا جانتے ہو؟ انہوں نے کہا کہ وہ بہت اچھا آدمی ہے، اور اچھے آدمی کا بیٹا ہے، ہمارا سردار ہے اور سردار کا فرزند ہے، آپ ﷺ نے فرمایا اگر وہ مسلمان ہو جائے، یہود نے کہا خدا سے اس سے پناہ دے۔

ابن سلام سن کر باہر نکل آئے اور کہا کہ أشهد أن لا إله إلا الله، وأن محمداً رسول الله یہودیوں نے یہ دیکھ کر کہا، ابن سلام ہم میں بہت ذلیل اور ذلیل آدمی کا فرزند ہے، اور بہت سی برائیاں کرنے

لگے، عبد اللہ بن سلام نے کہا یا رسول اللہ! مجھے تو پہلے ہی ڈر تھا کہ یہ لوگ برا کہنے لگیں گے۔

عبد اللہ بن سلام کے اسلام لانے کا واقعہ

حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ توریت کے بڑے زبردست عالم تھے، حضرت یوسف عليه السلام کی اولاد میں سے تھے۔ آپ کا اصل نام حصین تھا، اسلام لانے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ان کا عبد اللہ رکھا۔

اس روایت میں حضرت انس رضی اللہ عنہ نے حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کا واقعہ بیان فرمایا ہے، جب نبی کریم ﷺ ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لائے، جب حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کی تشریف آوری کی خبر سنی تو اس وقت وہ اپنی زمین میں تھے اور درختوں سے پھل توڑ رہے تھے۔

”اخترف“ کے معنی پھل توڑنا۔

خبر سنتے ہی یہ حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آ کر عرض کیا کہ ”إني سائلك عن ثلاث لا يعلمهن إلا نبي“ میں آپ سے تین باتیں پوچھنا چاہتا ہوں، وہ تین باتیں ایسی ہیں کہ سوائے نبی کے اور کوئی نہیں جانتا، لہذا اگر آپ نے بتا دیا تو پتہ چل جائے گا کہ آپ نبی ہیں۔

ایک سوال یہ ہے کہ ”لما أول اشراط الساعة؟“ یعنی قیامت کی پہلی علامت کیا ہے؟

دوسرا سوال یہ ہے کہ ”وما أول طعام أهل الجنة؟“ یعنی جنت کا سب سے پہلا کھانا کونسا ہوگا؟

تیسرا سوال یہ ہے کہ ”وما ينزع الولد إلى أبيه أوالى أمه؟“ وہ کونسی چیز ہے جو اولاد کو کھینچ لے جاتی ہے اپنے باپ یا ماں کی طرف یعنی مشابہت جو پیدا ہوتی ہے باپ یا ماں کی وہ کس وجہ سے پیدا ہوتی ہے؟

عبد اللہ بن سلام کے یہ سوالات سن کر نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ”أخبرني بهن جبرئيل أنفا“ یہ بات ابھی ابھی حضرت جبرئیل عليه السلام نے مجھے بتائی ہے۔

عبد اللہ بن سلام نے یہ سن کر دریافت کیا کہ ”قال جبرئيل؟“ جبرائیل نے بتایا ہے؟ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ہاں! انہوں نے بتایا ہے۔

عبد اللہ بن سلام نے کہا کہ ”ذاك عدو اليهود من الملائكة“ وہ تو ملائکہ میں سے یہودیوں کے دشمن ہیں یعنی اگر آپ اور کسی فرشتے کا نام لے لیتے تو تسلی ہوتی لیکن یہ تو آپ نے ہمارے دشمن کا نام لے لیا۔

تو حضور اقدس ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی:

﴿مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِلْجِبْرِيْلِ فَإِنَّهُ نَزَلَهُ عَلَيَّ قَلْبًا﴾

اس سے پتا چلتا ہے کہ یہ آیت اس واقعہ سے پہلے نازل ہو چکی تھی، اور اس موقع پر آپ ﷺ نے پڑھی۔

چنانچہ مسند احمد وغیرہ میں جو روایت آئی ہے اس میں ذکر ہے کہ جب نبی کریم ﷺ مدینہ منورہ میں رونق افروز ہوئے تو چند یہودی علماء خاص طور حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں آئے تھے اور اس وقت پوچھا کہ آپ کے پاس وحی کون لیکر آتا ہے؟

تو حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ جبرائیل لیکر آتے ہیں، تو اس پر انہوں نے کہا کہ اسرائیل یا میکائیل لیکر آتے تو ہم مان لیتے، جبرائیل تو ہمارے دشمن ہیں، تو اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تھی اس کو آپ نے اس موقع پر دوبارہ دہرایا۔ ۲۶

اس کے بعد حضور اقدس ﷺ نے عبد اللہ بن سلام کے سوالات کے جوابات کرتے ہوئے فرمایا کہ ”اما اول اشراط الساعة فنار تحشر الناس من المشرق إلى المغرب“ علامات قیامت میں سے پہلی علامت وہ آگ ہوگی جو لوگوں کو مشرق سے مغرب تک ہنکا کے لے جائے گی۔

”واما اول طعام اهل الجنة فزيادة كبد الحوت“ اور جہاں تک سوال ہے کہ جنتیوں کا سب سے پہلا کھانا جو جنتی کھائیں گے وہ مچھلی کے جگر کا حصہ کھائیں گے۔

اور تیسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ ”وإذا سبق ماء الرجل ماء المرأة نزع الولد“ اگر مرد کی منی عورت کی منی پر مقدم ہو جائے یعنی پہلے انزال ہو تو ”نزع الولد“ تو وہ ولد کو اپنی طرف کھینچ کر لے جاتی ہے یعنی مشابہت باپ کی پیدا ہوتی ہے۔ ”وإذا سبق ماء المرأة نزع“ اور اگر عورت کی منی مقدم ہو جائے تو وہ ”نزع“ یعنی وہ اپنی طرف کھینچ کر لے جاتی ہے یعنی مشابہت ماں کی پیدا ہوتی ہے۔

جب یہ تینوں جوابات عبد اللہ بن سلام نے سنے تو فوراً اسلام کی حقانیت کا اعتراف کیا اور کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اور اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔

اسلام قبول کرنے کے بعد عبد اللہ بن سلام ﷺ نے عرض کیا کہ ”إن اليهود قوم بهت“ اے اللہ کے رسول! یہ یہودی بہت بہتان تراش قسم کے لوگ ہیں۔

”بہت“ یعنی بہتان لگانے والے، الزام تراشیاں کرنے والے لوگ ہیں۔

”والہم إن تعلموا یا اسلامی قبل أن تسألہم یہعونی“ اور اگر ان کو آپ سے سوال کرنے سے پہلے میرے اسلام لانے کا پتہ چلا تو وہ میرے اوپر بہتان لگائیں گے یعنی میرا حال میرے اسلام ظاہر ہونے سے پہلے ان سے پوچھئے تو سچ بولیں گے۔

۲۶ مسند احمد، ومن مسند بنی ہاشم، مسند عبد اللہ بن عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہما عن النبی ﷺ، رقم:

تھوڑی دیر کے بعد چند یہودی نبی کریم ﷺ کے پاس آئے تو آپ نے ان یہودیوں سے پوچھا کہ ”ای رجل عبد الله فيكم؟“ عبد اللہ بن سلام تم لوگوں میں کیسے آدمی ہیں؟ ان یہودیوں نے کہا کہ ”خیرنا وابن خیرنا، وسیدنا وابن سیدنا“ پہلے ہم میں سے سب سے بہتر اور ہم میں سے سب سے بہتر شخص کا بیٹا ہے، ہمارے سردار ہیں اور ہمارے سردار کے صاحبزادے ہیں۔ جب آپ ﷺ نے عبد اللہ بن سلام کی اچھائیوں کا اعتراف ان یہودیوں سے کر دیا تو ان سے فرمایا کہ ”ارایتم ان اسلم عبد الله بن سلام؟“ کہ اگر عبد اللہ بن سلام اسلام لے آئیں تو کیا خیال ہے؟ تو ان یہودیوں نے کہا کہ ”اعاذه الله من ذلك“ اللہ انہیں اس سے پناہ میں رکھے۔

”فخرج عبد الله“ یہ سن کر عبد اللہ بن سلام باہر نکل آئے اور ان یہودیوں کے سامنے اپنے اسلام لانے کا اعلان کیا۔

یہودیوں نے یہ دیکھ کر کہا کہ ”شرنا وابن شرنا، وانتقصوه“ ابن سلام ہم میں بہت بُرا آدمی ہے اور بُرے آدمی کا فرزند ہے اور بہت سی برائیاں کرنے لگے۔ عبد اللہ بن سلام ﷺ نے یہ سن کر کہا کہ ”لهذا الذي كنت أخاف“ اے اللہ کے رسول! مجھے تو پہلے ہی ڈرتھا کہ یہ لوگ میری برائی کرنے لگیں گے۔

(۷) **باب قوله: ﴿مَا نَسَخَ مِنْ آيَةٍ أَوْ نَسِيهَا نَاتٍ بِخَيْرٍ مِنْهَا أَوْ مِثْلَهَا﴾ [۱۰۶]**
اس ارشاد کے بیان میں کہ: ”ہم جب بھی کوئی آیت منسوخ کرتے ہیں یا اسے بھلا دیتے ہیں تو اُس سے یا اسی جیسی (آیت) بھی لے آتے ہیں۔“

یہود کا اعتراض و طعن

یہ بھی یہود کا طعن تھا کہ تمہاری کتاب میں بعض آیات منسوخ ہوتی ہیں، اگر یہ کتاب من جانب اللہ ہوتی تو جس عیب کی وجہ سے اب یہ آیتیں منسوخ ہوئی اُس عیب کی خبر کیا اللہ کو پہلے نہیں تھی؟ اللہ نے ان کے اس طعن کا جواب دیا کہ عیب نہ تو پہلی بات میں تھا نہ پچھلی میں، لیکن حاکم مناسب وقت دیکھ کر جو چاہے حکم کرے، اُس وقت وہی مناسب حکم تھا اور اب دوسرا حکم مناسب ہے۔ ۱۷

نسخ کی حکمت

اللہ تعالیٰ کی یہ سنت رہی ہے کہ وہ مختلف زمانوں کے حالات کی مناسبت سے شریعت کے فروعی احکام میں تبدیلی فرماتے رہے ہیں۔ اگرچہ دین کے بنیادی عقائد مثلاً توحید، رسالت، آخرت وغیرہ ہر دور میں ایک رہے ہیں جو عملی احکام حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیئے گئے تھے ان میں سے بعض حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دور میں تبدیل کر دیئے گئے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ان میں مزید تبدیلیاں واقع ہوئیں۔

اسی طرح جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو شروع میں نبوت عطاء ہوئی تو آپ کی دعوت کو مختلف مراحل سے گذرنا تھا، مسلمانوں کو طرح طرح کے مسائل درپیش تھے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے احکام میں تدریج اختیار فرمائی۔ کسی وقت ایک حکم دیا گیا، بعد میں اس کی جگہ دوسرا حکم آ گیا، جیسا کہ قبلہ کے تعین کے احکام بدلے گئے جس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

فروعی احکام میں ان حکیمانہ تبدیلیوں کو اصطلاح میں ”نسخ“ کہتے ہیں۔ ۲۸

۲۴۸۱۔ حدثنا عمرو بن علی: حدثنا يحيى: حدثنا سفیان، عن حبيب، عن سعيد بن جبير، عن ابن عباس قال: قال عمر رضی اللہ عنہ: **القرؤنا ابي، واقضانا علي.** وانا لندع من قول ابي و ذاك ان ابي يقول: لا ادع شيئا سمعته من رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم. وقد قال الله تعالى: ﴿مَا نَنْسَخْ مِنْ آيَةٍ أَوْ نُنسِهَا﴾. [النظر: ۵۰۰۵]

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ ہم سب میں قرآن کے بہترین قاری حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ ہیں، اور دینی احکام کو حضرت علی رضی اللہ عنہ زیادہ جانتے ہیں، مگر اس کے باوجود ہم ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی اس بات کو تسلیم نہیں کر سکتے کہ میں قرآن کریم کی کسی آیت کی تلاوت کو نہیں چھوڑوں گا، جس کو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، حالانکہ خود اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ ﴿مَا نَنْسَخْ مِنْ آيَةٍ أَوْ نُنسِهَا﴾۔

نسخ آیات کے متعلق حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور جمہور کا موقف

﴿نُنسِهَا﴾ میں ایک قرأت ”ننساها“ ہے، ”ننساها“ کے معنی ”نو جلاھا و نو خرھا“ ہے، یہ بھی

ایک قرأت ہے۔

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم میں سے زیادہ قرآن کو جاننے والے حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ ہیں اور سب سے زیادہ قضاء کے جاننے والے حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں، لیکن ہم کبھی کبھی ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ کے قول کو چھوڑ دیتے ہیں، جو بات وہ کہتے ہیں اس کو ہم نہیں مانتے، اس پر عمل نہیں کرتے۔

اور اس کی وجہ یہ ہے ”ان اہبأ یقول“ کہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ یہ کہتے ہیں ”لا ادع شیئاً سمعته من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم“ کہ جو کچھ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے وہ کبھی نہیں چھوڑوں گا۔ حالانکہ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ

﴿مَنْ نَسَخَ مِنْ آيَةٍ أَوْ نَسِيَهَا نَأَتْ بِخَيْرٍ مِنْهَا أَوْ مِثْلَهَا﴾

جب آیت کریمہ یہ کہہ رہی ہے کہ بعض اوقات احکام بعد میں منسوخ ہو جاتے ہیں اور آیتیں بھی بعض اوقات منسوخ ہوئی ہیں لیکن حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ یہ نہتے ہیں کہ میں کوئی بھی بات جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہو کبھی نہیں چھوڑوں گا، گویا کہ وہ نسخ کے قائل نہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس واسطے بعض اوقات ہم کسی ایسی بات کے قائل ہو جاتے جو منسوخ ہو چکی تو ہم ایسے میں ان کے قول کو اختیار نہیں کرتے ان کے قول کو چھوڑ دیتے ہیں۔ اس سے پتہ چلا کہ قرآن کریم کی آیت میں نسخ ہوا ہے، لہذا وہ بعض معتزلہ کا جیسے ابو سلم اصفہانی وغیرہ کا یہ کہنا کہ آیت قرآنی میں نسخ نہیں ہوا، اس قول کی اس سے تردید ہو جاتی ہے۔

(۸) باب: ﴿وَقَالُوا اتَّخَذَ اللَّهُ وَلَدًا سُبْحَانَهُ﴾ [۱۱۶]

باب: ”یہ لوگ کہتے ہیں کہ اللہ نے کوئی بیٹا بنایا ہوا ہے، (حالانکہ) اسکی ذات (اس قسم کی چیزوں سے) پاک ہے۔“

اللہ تعالیٰ کے صاحبِ اولاد ہونے کی نفی

بعض یہودی حضرت عزیر رضی اللہ عنہ کو خدا کا بیٹا کہتے تھے، اور نصاریٰ حضرت عیسیٰ رضی اللہ عنہ کو خدا کا بیٹا کہتے تھے، اور مشرکین عرب ملائکہ کو خدا کی بیٹیاں، جیسا کہ مختلف آیات میں ان اقوال کی خبر دی گئی ہے۔

تو یہاں پر اس آیت میں اور قرآن کریم میں دیگر کئی مقامات پر حق تعالیٰ اس قول کی قباحت اور بطلان کا بیان فرماتے ہیں۔ ۲۸

۴۳۸۲۔ حدثنا أبو الیمان: أخبرنا شعيب، عن عبد الله بن أبي حسين: حدثنا نافع بن جبیر، عن ابن عباس رضي الله عنهما عن النبي ﷺ قال: ((قال الله: كلدني ابن آدم ولم يكن له ذلك، وشعمني ولم يكن له ذلك. فاما تكليبه اباي فزعهم اني لا اقدر ان اعيدہ كما كان. واما شعمه اباي فقله لي ولد لسبحاني ان اتخذ صاحبه او ولدا)).

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ بنی آدم مجھے جھٹلاتا ہے، حالانکہ اس کو یہ نہیں کرنا چاہئے تھا۔ مجھے جھٹلاتا تو یہ ہے کہ وہ یہ کہتا ہے کہ میں مارنے کے بعد زندہ نہیں کر سکتا ہوں اور گالی یہ ہے کہ آدمی کہتا ہے کہ خدا کے اولاد ہے، حالانکہ میری ذات اس سے بالکل پاک ہے کہ کسی کو بیوی اور کسی کو اولاد بناؤں۔

(۹) باب: ﴿وَ اتَّخِذُوا مِنْ مَّقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى﴾ [۱۲۵]

باب: ”اور تم مقام ابراہیم کو نماز پڑھنے کی جگہ بنا لو“۔

مقام ابراہیم کی اہمیت و مقام

آیت مذکورہ میں مقام ابراہیم کو مصلیٰ بنانے کا حکم ہے۔ اس کی وضاحت خود رسول کریم ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر اپنے قول و فعل سے اس طرح فرمادی کہ آپ ﷺ طواف کے بعد مقام ابراہیم کے پاس پہنچے جو بیت اللہ کے سامنے تھوڑے فاصلے سے رکھا ہوا ہے، وہاں پہنچ کر یہ آیت تلاوت فرمائی اور مقام ابراہیم کے پیچھے اس طرح دو رکعت نماز پڑھی کہ مقام ابراہیم کو درمیان میں رکھتے ہوئے بیت اللہ کا استقبال ہو جائے۔

اسی لئے فقہائے امت نے فرمایا ہے کہ جس شخص کو مقام ابراہیم کے پیچھے متصل جگہ نہ ملے، وہ کتنے ہی فاصلے پر بھی جب اس طرح کھڑا ہو کہ مقام ابراہیم بھی اس کے سامنے رہے، اور بیت اللہ بھی تو اس حکم کی پوری تعمیل ہو جائے گی۔ ۲۹

۲۸ ساری القرآن، ج ۱۰، ص ۳۰۳، عمدۃ القاری، ج ۱۸، ص ۱۳۰

۲۹ عمدۃ القاری، ج ۱۸، ص ۱۳۱

﴿مَثَابَةٌ﴾: یثوبون: برجعون۔

ترجمہ: ﴿مَثَابَةٌ﴾ مصدر ہے ”یثوبون“ کا، بمعنی لوٹنے کی جگہ۔

۴۴۸۳ — حدثنا مسدد: عن يحيى بن سعيد، عن حميد، عن أنس قال: قال عمر رضي الله عنه: واقفت الله في ثلاث، أو واقفتني ربي في ثلاث. قلت: يا رسول الله لو اتخذت من مقام إبراهيم مصلى، وقلت: يا رسول الله يدخل عليك البر والفاجر فلو أمرت أمهات المؤمنين بالحجاب، فأنزل الله آية الحجاب. قال: وبلغني معاذة النبي صلى الله عليه وسلم بعض نسائه لدخلت عليهن قلت: إن التهيتن أو لبيدن الله رسوله صلى الله عليه وسلم خيراً منك حتى أتيت [حدی نسائه قالت: يا عمر، أما في رسول الله صلى الله عليه وسلم ما يعظ نساءه حتى تعظهن أنت؟ فأنزل الله ﴿عَسَىٰ رَبُّهُ إِنْ طَلَّقَكُنَّ أَنْ يُبَدِّلَهُ أَزْوَاجًا خَيْرًا مِنْكُنَّ مُسْلِمَاتٍ﴾ [التحریم: ۵] الآية. [راجع: ۴۰۲]

وقال ابن أبي مریم: أخبرنا يحيى بن أيوب: حدثني حميد: سمعت أنسا، عن عمر.

ترجمہ: حضرت انس رضي الله عنه سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضي الله عنه نے فرمایا تین باتیں میری ایسی ہیں جو وحی الہی کے موافق ہوئیں، یا یہ کہ اللہ تعالیٰ نے میری تین باتوں سے اتفاق کیا، میں نے آنحضرت صلى الله عليه وسلم سے عرض کیا کہ آپ طواف کے بعد مقام ابراہیم میں نماز ادا کریں، چنانچہ اس کے موافق مقام ابراہیم میں نماز کا حکم ہوا، دوسری بات یہ ہے کہ میں نے کہا اے اللہ کے رسول! آپ کے پاس ہر طرح کے نیک اور بُرے لوگ آتے ہیں، اچھا ہوا اگر آپ ازواجِ مطہرات کو پردہ کا حکم فرمائیں تو اللہ تعالیٰ نے آیتِ حجاب نازل فرمائی، تیسری یہ کہ مجھے معلوم ہوا آنحضرت صلى الله عليه وسلم بیویوں سے ناراض ہیں، تو میں ان کے پاس پہنچا اور کہا کہ دیکھو تم آنحضرت صلى الله عليه وسلم کو ناراض نہ کرو، ورنہ اللہ تعالیٰ تم سے بہتر عورتیں اپنے رسول کو عطا فرما سکتا ہے، مگر ایک بیوی نے کہا کہ اے عمر! کیا حضور صلى الله عليه وسلم ہم کو نصیحت نہیں کر سکتے، جو تم نصیحت کرنے آئے ہو، اس وقت یہ آیت نازل ہوئی ﴿عَسَىٰ رَبُّهُ إِنْ طَلَّقَكُنَّ أَنْ يُبَدِّلَهُ أَزْوَاجًا خَيْرًا مِنْكُنَّ مُسْلِمَاتٍ﴾ یعنی کوئی تعجب نہیں کہ رسول تم کو طلاق دیدے، اور اللہ تعالیٰ تمہارے بدلے میں تم سے بھی بہتر بیویاں ان کو عطا فرمائے۔

ابن ابی مریم کہتے ہیں کہ یہی حدیث یحییٰ بن ایوب، حمید، حضرت انس رضي الله عنه سے اور وہ حضرت عمر رضي الله عنه سے روایت کرتے ہیں۔

موافقاتِ عمر بن خطاب رضي الله عنه

اس حدیث میں تین موافقات عمر کا ذکر ہے:

ایک مقام ابراہیم کے بارے میں سیدنا عمرؓ نے رسول اللہ ﷺ سے اس خواہش کا اظہار کیا کہ اے اللہ کے رسول! کاش آپ مقام ابراہیم کو نماز پڑھنے کی جگہ بنا لیتے تو یہ آیت ﴿وَاتَّخِذُوا مِن مَّقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُضَلًّى﴾ نازل ہوئی، جس میں اللہ تعالیٰ حضرت عمرؓ کی رائے کے موافق، طواف کے بعد مقام ابراہیم کے سامنے نماز پڑھنے کا حکم دیا۔

دوسرا ازدواج مطہرات کو حجاب کا حکم دیا گیا ہے، نبی کریم ﷺ کی خدمت میں چونکہ ہر طرح کے لوگ آتے نیک، متقی لوگ، اور فاسق و فاجر اور منافق لوگ بھی تو حضرت عمرؓ نے اس بات کی خواہش ظاہر کی کہ اے اللہ کے رسول! کاش آپ امہات المؤمنین کو حجاب پر پردہ کا حکم دیتے، تو اس موقع پر حضرت عمرؓ کی خواہش کے موافق آیت الحجاب نازل ہوئی ﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لَأُزَوِّجَكِ الْخَيْرَ﴾ [الاحزاب: ۵۹] جس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے امہات المؤمنین کو پردہ کا حکم دیا گیا۔

تیسرا واقعہ جہاں حضرت عمرؓ کے موافق حکم نازل ہوا۔ اس کی تفصیل حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ ﷺ کی بعض ازدواج مطہرات یعنی عائشہ رضی اللہ عنہا اور حفصہ رضی اللہ عنہا سے آپ کی ناراضگی کا معلوم ہوا تو میں انکے پاس گیا اور ان سے کہا کہ دیکھو! تم آنحضرت ﷺ کو ناراض کرنے سے باز آ جاؤ، ورنہ اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ کو تم سے بہتر ازدواج عطا فرما سکتا ہے۔

پھر میں آپ ﷺ کی ازدواج مطہرات میں سے ایک دوسری زوجہ کے پاس گیا، دوسری روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا تھیں، انہوں نے کہا ”اقام فی رسول اللہ ﷺ ما یعظ نساءہ حتی لعظهن أنت؟“ اے عمر! رسول اللہ ﷺ کو اتنی طاقت نہیں ہے کہ وہ اپنی ازدواج کو نصیحت کر سکیں جو آپ ہمیں نصیحت کرنے آگئے ہیں یعنی کوئی بات ہماری ایسی ہوتی تو حضور ﷺ خود نصیحت فرماتے آپ نصیحت کرنے کیوں آگئے ہیں۔

پھر اس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بات کے موافق اللہ تعالیٰ کا یہ حکم نازل ہوا ﴿عَسَىٰ رَبُّهُ إِنْ طَلَفَكُنَّ أَنْ يُبَدِّلَنَّ أَوْجَادًا خَيْرًا مِنْكُنَّ مُسْلِمَاتٍ﴾ [الحریم: ۵]۔

اس روایت میں یہ تین باتیں بیان فرمائی ہیں جن میں موافقت عمر کا ذکر ہے۔

علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ قرآن و حدیث کے تتبع و تلاش سے بکثرت موافقات عمر رضی اللہ عنہ کا ثبوت ملتا ہے، بعض بزرگوں نے بیس کے قریب مقامات میں موافقات عمر کو بیان کیا ہے۔ ۲۰

۲۰ کذا ذکر فی بعض الباری: ولقد عد العلماء موافقاتہ الی عشرين. ج ۳، ص: ۱۵۷، و تاریخ الخلفاء، ج: ۱، ص:

(۱۰) باب: ﴿وَإِذْ يَرْفَعُ إِبْرَاهِيمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَإِسْمَاعِيلُ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا

إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ﴾ [۱۲۷]

باب: ”اور اُس وقت کا تصور کرو جب ابراہیم بیت اللہ کی بنیادیں اٹھا رہے تھے، اور اسماعیل بھی (انکے ساتھ شریک تھے، اور یہ دونوں کہتے جاتے تھے کہ: اے ہمارے پروردگار! ہم سے (یہ خدمت) قبول فرمالے۔ بیشک تو، اور صرف تو ہی، ہر ایک کی سننے والا، ہر ایک کو جاننے والا ہے۔“

بیت اللہ کی تعمیر اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعاء

بیت اللہ جسے کعبہ بھی کہتے ہیں درحقیقت حضرت آدم علیہ السلام کے وقت سے تعمیر چلا آتا ہے، لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دور میں وہ حادثہ روزگار سے منہدم ہو چکا تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اسے از سر نو انہی بنیادوں پر تعمیر کرنے کا حکم ہوا تھا جو پہلے سے موجود تھیں، اور اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی آپ کو بتا دی تھیں۔ اسی لئے قرآن کریم نے یہاں یہ نہیں فرمایا کہ وہ بیت اللہ تعمیر کر رہے تھے، بلکہ یہ فرمایا ہے کہ وہ اس کی بنیادیں اٹھا رہے تھے۔

دل سے نکلی ہوئی اس دُعا کی تاثیر کسی ترجمے کے ذریعے دوسری زبان میں منتقل نہیں کی جاسکتی، چنانچہ ترجمہ صرف اس کا مفہوم ہی ادا کر سکتا ہے۔ یہاں اس دُعا کو نقل کرنے کا مقصد ایک تو یہ دکھانا ہے کہ انبیائے کرام اپنے بڑے سے بڑے کارنامے پر بھی مغرور ہونے کے بجائے اللہ تعالیٰ کے حضور اور زیادہ عجز و نیاز کا مظاہرہ فرماتے ہیں، اور اپنے کارنامے کا تذکرہ کرنے کے بجائے اپنی اُن کوتاہیوں پر توبہ مانگتے ہیں جو اس کام کی ادائیگی میں ان سے سرزد ہونے کا امکان ہو۔ دوسرے اُن کا ہر کام صرف اللہ کی رضا جوئی کے لئے ہوتا ہے، لہذا وہ اُس پر مخلوق سے تعریف کرانے کی فکر کے بجائے اللہ تعالیٰ سے اسکی قبولیت کی دعا مانگتے ہیں۔

القواعد: أساسه، واحدتها قاعدة. ﴿وَالْقَوَاعِدَ مِنَ النِّسَاءِ﴾ [النور: ۶۰] واحدها قاعدة.

ترجمہ: ”القواعد“ کے معنی ہیں بنیاد کے، اور اس کا واحد ”قاعدة“ ہے۔ اور آیت ﴿وَالْقَوَاعِدَ مِنَ

النِّسَاءِ﴾ [النور: ۶۰] میں ”القواعد“ آیا ہے، اس کا واحد ”قاعدة“ ہے۔ یہاں ”القواعد“ سے مراد وہ عورت ہے جو بہت بوڑھی ہو کر بیٹھ گئی ہو۔

۴۴۸۴ - حدثنا إسماعيل قال: حدثني مالك، عن ابن شهاب، عن سالم بن عبدالله: ان عبدالله بن محمد بن أبي بكر أخبر عبدالله بن عمر، عن عائشة رضي الله تعالى عنها زوج النبي ﷺ أن النبي ﷺ قال: ((ألم ترى أن قومك بنوا الكعبة والتصروا عن قواعد إبراهيم؟)) فقلت: يا رسول الله، ألا ردّها على قواعد إبراهيم؟ قال: ((لولا حدثان قومك بالكفر)). فقال عبدالله بن عمر: لئن كانت عائشة سمعت هذا من رسول الله ﷺ ما أرى رسول الله ﷺ ترك استعمال الركنين اللذين يليان الحجر إلا أن البيت لم يتم على قواعد إبراهيم. [راجع: ۱۲۶]

ترجمہ: نبی کریم ﷺ کی زوجہ مطہرہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ آنحضرت ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ کیا تم کو اس بات کا علم نہیں کہ تمہاری قوم کے آدمیوں یعنی قریش نے جب کعبہ کو جب اپنے وقت میں تعمیر کیا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بنیادوں سے اس کو چھوٹا کر دیا، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ اسے پھر سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بنیادوں پر بنا دیجئے، آپ نے فرمایا میں تو کر دیتا، مگر تمہاری قوم نے نیا نیا اسلام قبول کیا ہے، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اس حدیث کی سماعت کے بعد کہا، کہ اگر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے آنحضرت ﷺ سے یہ بات سنی ہے تو میں خیال کرتا ہوں، کہ شاید یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ ان دونوں کونوں کو نہیں چھوتے تھے، جو حطیم کے پاس ہیں، کیونکہ وہ کونے بنیاد ابراہیمی پر نہیں بنائے گئے تھے۔ ۱۲۶

(۱۱) باب: ﴿قُولُوا آمَنَّا بِاللَّهِ وَمَا أُنزِلَ إِلَيْنَا﴾ [۱۳۶]

باب: ”(مسلمانو!) کہہ دو کہ: ”ہم اللہ پر ایمان لائے ہیں، اور اُس کلام پر بھی جو ہم اتارا گیا ہے۔“

۴۴۸۵ - حدثنا محمد بن بشار: حدثنا عثمان بن عمر: أخبرنا علي بن المبارك، عن يحيى بن أبي كثير، عن أبي سلمة، عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: كان أهل الكتاب يقرؤون العورلة بالعبرانية ويفسرونها بالعربية لأهل الإسلام. فقال رسول الله ﷺ: ((لا تصدقوا أهل الكتاب ولا تكذبوهم و﴿قُولُوا آمَنَّا بِاللَّهِ وَمَا أُنزِلَ إِلَيْنَا﴾ الآية)). [انظر: ۴۳۶۲، ۴۵۳۲] ۳۲

۱۲۶ ماہ اور تفسیر کتب کی تفصیل کیلئے ملاحظہ فرمائیں: انعام الباری، ج: ۱، ص: ۲۳۹-۲۳۷، رقم الحدیث: ۱۲۶

ترجمہ: ابوسلمہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ اہل کتاب یعنی یہودی تورات کو عبرانی زبان میں پڑھتے تھے اور مسلمانوں کے سامنے اس کی تفسیر عربی زبان میں کرتے تھے، تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم ان اہل کتاب کو نہ سچا کہو، اور نہ جھوٹا کہو، بلکہ تم اس طرح کہا کرو کہ ﴿قُولُوا آمَنَّا بِاللَّهِ وَمَا أُنزِلَ إِلَيْنَا﴾۔

اسرائیلی روایات اور ان کی اقسام

یہ حدیث اصل میں اسرائیلی روایتوں کے بارے میں ہے۔

اسرائیلی روایات اُن روایات کو کہتے ہیں جو یہودیوں یا عیسائیوں سے ہم تک پہنچی ہیں، ان میں بعض براہ راست بائبل یا تالمود سے لی گئی ہیں، بعض مشنا اور ان کی شروح سے اور بعض وہ زبانی روایات ہیں جو اہل کتاب میں سینہ بسینہ چلی آئی ہیں، اور عرب کے یہود و نصاریٰ میں مشہور و معروف تھیں۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے ایسی روایات کی تین قسمیں بیان کی ہیں اور ہر ایک کا حکم علیحدہ ہے:

پہلی قسم: وہ اسرائیلی روایات ہیں جن کی تصدیق دوسرے خارجی دلائل سے ہو چکی ہے مثلاً فرعون کا غرقاب ہونا، حضرت موسیٰ رضی اللہ عنہ کا جادو گروں سے مقابلہ، کوہ طور پر جانا وغیرہ۔

ایسی روایات اس لئے قابل اعتبار ہیں کہ قرآن کریم یا صحیح احادیث نے ان کی تصدیق کر دی ہے۔

دوسری قسم: وہ اسرائیلی روایات ہیں جن کا جھوٹا ہونا خارجی دلائل سے ثابت ہو چکا ہے مثلاً یہ کہانی کہ حضرت سلیمان رضی اللہ عنہ آخری عمر میں - معاذ اللہ - بُت پرستی میں مبتلا ہو گئے تھے، اسی طرح حضرت داؤد رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ من گھڑت کہانی کہ آپ رضی اللہ عنہ - معاذ اللہ - پنے سپہ سالار ادریا کی بیوی پر فریفتہ ہو گئے تھے۔

یہ روایات اس وجہ سے قطعاً باطل ہیں قرآن کریم نے صراحتاً ان کی تردید کی ہے۔

تیسری قسم: اُن اسرائیلی روایات کی ہے جن کے بارے میں خارجی دلائل سے نہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ سچی ہیں اور نہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ جھوٹی ہیں مثلاً تورات کے احکام وغیرہ۔

خلاصہ یہ ہے کہ اسرائیلی روایتوں کے بیان کرنے میں تو کوئی مضائقہ نہیں، لیکن نہ تصدیق کی جائے گی نہ تردید کی جائے گی، ہو سکتا ہے سچ ہو، ہو سکتا ہے کہ غلط ہو۔

البتہ کوئی اسرائیلی روایت اگر اسلامی دلائل کے خلاف ہو تو اسکی تردید کی جائے گی یعنی امت محمدیہ کی گواہی ان کی امتوں کے خلاف انبیائے کرام کے حق میں ہوگی۔

تیسری قسم کی اسرائیلی روایات کے بارے میں ہی نبی کریم ﷺ کا یہ ارشاد ہے کہ "لا تصدقوا اہل

الکتاب ولا تکذبوہم“ یعنی تم ان اہل کتاب کو نہ سچا کہو، اور نہ جھوٹا کہو۔
موجودہ تورات اور انجیل کو تاریخی کتاب کی حیثیت سے سمجھ سکتے ہیں لیکن اسی شرط کے ساتھ کہ ناتوان
کی تصدیق کریں گے کہ یہ بالکل ٹھیک ہیں، اور نہ ہی ان کی مکمل تکذیب کریں گے۔ ۳۳

بنی اسرائیل کا خطاب

سوال: کیا بنی اسرائیل کا خطاب صرف یہودیوں کیلئے خاص ہے یا اس میں نصاریٰ بھی شامل ہیں؟
اور کیا حضرت عیسیٰ ﷺ، حضرت موسیٰ ﷺ کی شریعت کیلئے ناسخ تھے اور یہودیوں پر ان کی اجراء
ضروری تھی یا نہیں؟

جواب: اصل میں بنی اسرائیل میں یہود و نصاریٰ سب داخل ہیں، کیونکہ سب حضرت یعقوب ﷺ
کی اولاد ہیں، لیکن قرآن کریم میں جہاں خطاب آتا ہے ”یا بنی اسرائیل“ تو زیادہ تر اس سے مراد یہودی
ہوتے ہیں، سوائے چند مواقع کے اکثر و بیشتر مواقع پر مراد یہودی ہیں۔
صحیح بات یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ ﷺ کوئی نئی شریعت لے کر نہیں آئے تھے زیادہ تر انہوں نے حضرت
موسیٰ ﷺ کی شریعت پر ہی عمل کرایا۔

البتہ چند مسائل میں انکی شریعت حضرت موسیٰ ﷺ کی شریعت سے مختلف تھی، کچھ مسائل میں اللہ ﷻ
نے تخفیف کر دی تھی یعنی جو حضرت موسیٰ ﷺ کی شریعت میں بنی اسرائیل پر سختیاں تھیں، ان کو حضرت عیسیٰ
ﷺ کی شریعت میں کم کر دیا تھا۔
تو وہ معدودے چند مسائل ہیں ورنہ بحیثیت مجموعی شریعت وہی ہے۔

(۱۲) قوله تعالى: ﴿سَيَقُولُ السُّفَهَاءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلَّاهُمْ عَنْ قِبَلَتِهِمْ﴾

[۱۳۲] ۲۶۱

اس ارشاد باری تعالیٰ کا بیان کہ: ”اب یہ بے وقوف لوگ کہیں گے کہ آخر وہ کیا چیز ہے
جس نے ان (مسلمانوں) کو اُس قبلے سے رُخ پھیرنے پر آمادہ کر دیا“۔ ۳۳

۳۳ علوم القرآن، ص ۳۳۵-۳۳۶

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر﴾

۳۳ [دن سے آپ ﷺ کیلئے خانہ کعبہ قبلہ مقرر ہوا تھا،

۴۴۸۶۔ حدثنا أبو نعیم: سمع زهيراً، عن أبي اسحاق، عن البراء رضي الله عنه، أن النبي صلى الله عليه وسلم صلي الى بيت المقدس سنة عشر شهراً أو سبعة عشر شهراً. وكان يعجبه أن تكون قبلته قبل البيت، وأنه صلي أو صلاها صلاة العصر وصلي معه قوم فخرج رجل ممن كان صلي معه فمر على أهل المسجد وهم راكعون، قال: أشهد بالله لقد صليت مع النبي صلى الله عليه وسلم قبل مكة فداروا كما هم قبل البيت وكان الذي مات على القبلة قبل أن تحول قبل البيت رجال فتلوا لم ندر ما لقول فيهم. فانزل الله: ﴿وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُضَيِّعَ إِيمَانَكُمْ إِنَّ اللَّهَ بِالنَّاسِ لَرؤُوفٌ رَحِيمٌ﴾ [۱۲۳]. [راجع: ۴۰]

ترجمہ: حضرت براء رضي الله عنه روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلى الله عليه وسلم نے (مدینہ منورہ میں) سولہ یا سترہ مہینے بیت المقدس کی طرف نماز پڑھی، مگر کعبہ کی طرف نماز پڑھنے کا خیال دل میں بسا ہوا تھا، آخر ایک دن بحکم الہی آپ صلى الله عليه وسلم نے عصر کی نماز کعبہ کی طرف منہ کر کے پڑھی، سب لوگوں نے بھی آپ صلى الله عليه وسلم کی اقتداء کی، ایک شخص جو آپ صلى الله عليه وسلم کے ساتھ نماز ادا کر چکے تھے، مسجد قبا کی طرف گئے، دیکھا کہ لوگ وہاں بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھ رہے ہیں۔ اس شخص نے اسی حالت میں جب کہ وہ رکوع میں تھے پکار کر کہا کہ میں خدا کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ میں نے ابھی آنحضرت صلى الله عليه وسلم کے ساتھ کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی ہے، یہ سن کر سب کعبہ کی سمت گھوم گئے، البتہ لوگوں کو یہ تشویش تھی کہ جو بیت المقدس کی طرف نماز پڑھتے ہوئے انتقال کر گئے ان کی نمازیں ہوئیں یا نہیں۔ چنانچہ اللہ تعالى نے یہ آیت نازل فرمائی کہ یعنی اللہ ایسا نہیں ہے کہ تمہاری عبادتوں کو ضائع کر دے بلکہ اللہ اپنے بندوں پر مہربان اور رحیم ہے۔ ۳۵

..... ﴿گذشتہ سے پوسٹ﴾ سچ میں چند عرصہ کیلئے امتحاناً بیت المقدس کو قبلہ مقرر فرمایا اور سب جانتے ہیں کہ امتحان اسی چیز میں ہوتا ہے جو نفس پر دشوار ہو، سو حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ بیشک بجائے کعبہ بیت المقدس کو قبلہ بنانا لوگوں کو بیماری معلوم ہوا، عوام مسلمین کو اس وجہ سے کہ عموماً عرب اور قریش تھے اور کعبہ کے فضیلت کے معتقد تھے، ان کو اپنے خیال اور رسم و عادت کے خلاف کرنا پڑا، اور خواص کے گھبرانے کی وجہ یہ تھی کہ ملت ابراہیمی کے خلاف تھا، جس کے موافقت کے مامور تھے، اور انھیں انھوں جن کو ذوق سلیم اور تیز و مراتب کی لیاقت عطا ہوئی تھی وہ کعبہ کے بعد بیت المقدس کی طرف متوجہ ہونے کو ترقی معکوس خیال کرتے تھے، مگر جن حضرات کو حکمت و اسرار تک رسائی تھی اور حقیقت کعبہ اور حقیقت بیت المقدس کو نور فراست ہدا جہاد مع فرق مراتب سمجھتے تھے، وہ جانتے تھے کہ جناب رسول اللہ صلى الله عليه وسلم تمام انبیاء کے کمالات کے جامع اور آپ کی رسالت جملہ عالم اور تمام امتوں کیلئے شامل ہے اس لئے ضروری ہے کہ استقبال بیت المقدس کی لوہت بھی آئے یہی وجہ ہے کہ شب معراج میں تمام انبیاء سابقین سے ملاقات بھی ہوئی اور اس کے بعد استقبال بیت المقدس کا بھی حکم ہوا۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی، سورۃ بقرہ۔)

۳۵ اس کی تفصیل کیلئے مراجعت فرمائیں: انعام الباری، ج: ۱، ص: ۵۱۶-۴۹۸، رقم: ۴۰

(۱۳) باب قوله تعالیٰ: ﴿وَكَذَلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ

عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا﴾ [۱۳۳]

ارشاد باری تعالیٰ کا بیان: ”اور (مسلمانو!) اسی طرح تو ہم نے تم کو ایک معتدل امت بنایا

ہے تاکہ تم دوسرے لوگوں پر گواہ بنو، اور رسول تم پر گواہ بنے“

امت محمدیہ کی خصوصیات

جس طرح ہم نے آخری زمانے میں تمام دوسری جہتوں کو چھوڑ کر کعبے کی سمت کو قبلہ بننے کا شرف عطاء فرمایا اور تمہیں اسے دل و جان سے قبول کرنے کی ہدایت دی، اسی طرح ہم نے تم کو دوسری امتوں کے مقابلے میں سب سے زیادہ معتدل اور متوازن امت بنایا ہے۔ چنانچہ اس امت کی شریعت میں ایسے مناسب احکام رکھے گئے ہیں جو قیام قیامت تک انسانیت کی صحیح رہنمائی کر سکیں۔ معتدل امت کی یہ خصوصیت بھی اس آیت میں بیان فرمائی گئی ہے کہ اس امت کو قیامت کے دن انبیائے کرام کے گواہ کے طور پر پیش کیا جائے گا۔

آگے حدیث میں تفصیل آرہی ہے کہ جب پچھلے انبیاء کی امتوں میں سے کافر لوگ صاف انکار کر دیں گے کہ ہمارے پاس کوئی نبی نہیں آیا تو امت محمدیہ کے لوگ انبیائے کرام کے حق میں گواہی دیں گے کہ انہوں نے رسالت کا حق ادا کرتے ہوئے اپنی اپنی امتوں کو پوری طرح اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچا دیا تھا، اگرچہ ہم خود اس موقع پر موجود نہیں تھے لیکن ہمارے نبی ﷺ نے وحی سے باخبر ہو کر ہم کو یہ بات بتلا دی تھی اور ہمیں ان کی بات پر اپنے مشاہدے سے زیادہ اعتماد ہے۔ دوسری طرف رسول کریم ﷺ اپنی امت کی اس بات کی تصدیق خود فرمائیں گے۔

نیز بعض مفسرین نے امت محمدیہ کے گواہ ہونے کے معنی یہ بھی بیان کئے ہیں کہ شہادت سے مراد حق کی دعوت و تبلیغ ہے، اور امت پوری انسانیت کو اسی طرح حق کا پیغام پہنچائے گی جس طرح آنحضرت ﷺ نے ان کو پہنچایا تھا۔ دونوں باتیں اپنی اپنی جگہ درست ہیں اور ان میں کوئی تعارض بھی نہیں ہے۔ ۳۶

۳۴۸۷۔ حدثنا یوسف بن راشد: حدثنا جریر و أبو أسامة واللفظ لجریر، عن الأعمش،

عن أبي صالح. وقال أبو أسامة: حدثنا أبو صالح، عن أبي سعيد الخدري رضی اللہ عنہ قال: قال

رسول اللہ ﷺ: ((يدعى نوح يوم القيامة فيقول: ليك وسعديك يارب. فيقول: هل بلغت؟ فيقول: نعم، فيقال لأمته: هل بلغكم؟ فيقولون: ما أتانا من لدير، فيقول: من يشهد لك؟ فيقول: محمد وأمته، فيشهدون أنه قد بلغ ﴿وَيَكُونُ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا﴾
 لذلك قوله عز وجل: ﴿وَكَذَلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ
 وَيَكُونَنَّ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا﴾ (العدل: [راجع: ۳۳۳۹])

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن اللہ جل جلالہ حضرت نوح علیہ السلام کو بلائیں گے، وہ آئیں گے اور عرض کریں گے کہ اے رب میں حاضر ہوں، پھر اللہ جل جلالہ فرمائے گا کہ کیا تم نے ہمارے احکامات لوگوں تک پہنچا دیئے تھے؟ حضرت نوح علیہ السلام کہیں گے جی ہاں! اس کے بعد ان کی امت سے دریافت کیا جائے گا کہ تمہارے پاس خدا کے احکامات لے کر کوئی رسول آیا تھا یا نہیں؟ وہ لوگ کہیں گے کہ ہمارے پاس کوئی ڈرانے والا نہیں آیا، پھر اللہ جل جلالہ (حضرت نوح علیہ السلام سے) فرمائیں گے کہ تمہاری بات کی گواہی کون دے گا؟ وہ فرمائیں گے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی امت، چنانچہ اس وقت امت محمدیہ گواہی دے گی کہ بے شک حضرت نوح علیہ السلام نے احکام الہی کی تبلیغ کی تھی اور رسول اللہ تم پر گواہ ہوں گے۔ اور یہی مراد ہے اس آیت سے: ﴿وَكَذَلِكَ جَعَلْنَا الْخَلْقَ أُمَّةً مِّنْ بَيْنِ أُمَّةٍ مُّشْرِقِينَ وَمُغْرِبِينَ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ﴾ (العدل: [معنی عدل کے ہے۔])

باب قول اللہ تعالیٰ: ﴿وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِي كُنْتَ عَلَيْهَا إِلَّا لِنُعَلِّمَ مَنْ يَتَّبِعُ

الرَّسُولَ﴾ الآية [۱۴۳]

اللہ تعالیٰ کے ارشاد کا بیان کہ: ”اور جس قبلے پر تم پہلے کار بند تھے، اُسے ہم نے کسی اور وجہ سے نہیں بلکہ صرف یہ دیکھنے کیلئے مقرر کیا تھا کہ کون رسول کا حکم مانتا ہے۔“

بیت المقدس کو قبلہ بنانا، مقصد امتحان تھا

مطلب یہ ہے کہ پہلے کچھ عرصے کیلئے بیت المقدس کو قبلہ بنانے کا جو حکم ہم نے دیا تھا اس کا مقصد یہ امتحان لینا تھا کہ کون قبلے کی اصل حقیقت کو سمجھ کر اللہ کے حکم کی تعمیل کرتا ہے، کون ہے جو کسی ایک قبلے کو بذات خود ہمیشہ کیلئے مقدس مان کر اللہ کے بجائے اسی کی عبادت شروع کرتا ہے۔
 قبلے کی تبدیلی سے یہی واضح کرنا مقصود تھا کہ عبادت بیت اللہ کی نہیں، اللہ کی کرنی ہے، ورنہ اس میں اور

بت پرستی میں کیا فرق رہ جاتا ہے؟

اگلے جملے میں اللہ تعالیٰ نے یہ بھی واضح فرما دیا کہ جو لوگ صدیوں سے بیت المقدس کو قبلہ مانتے چلے آ رہے تھے، اُن کیلئے اچانک بیت اللہ کی طرف رُخ پھیر دینا کوئی آسان بات نہ تھی کیونکہ صدیوں سے دلوں پر حکمرانی کرنے والے اعتقادات کو یکا یک بدل لینا بڑا مشکل ہوتا ہے، لیکن جن لوگوں کو اللہ نے یہ سمجھ عطاء فرمائی کہ کسی بھی چیز میں ذاتی تقدس نہیں، اور اصل تقدس اللہ تعالیٰ کے حکم کو حاصل ہے ان کو نئے قبلے کی طرف رُخ کرنے میں ذرا بھی دقت پیش نہیں آئی کیونکہ وہ سمجھ رہے تھے کہ ہم پہلے بھی اللہ کے بندے اور اسکے تابع فرمان تھے اور آج بھی اسی کے حکم پر ایسا کر رہے ہیں۔ ۷۷

۴۴۸۸۔ حدیثنا مسند: حدیثنا بحی، عن سفیان، عن عبد اللہ بن دینار، عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما: بینا الناس یصلون الصبح فی مسجد کباء [ذ جاء جاء لقال: انزل اللہ علی النبی ﷺ فرآنا ان یمسقبل الکعبۃ فاستقبلوها، فتوجهوا الی الکعبۃ. [راجع: ۴۰۳]

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ کچھ آدمی مسجد قبا میں صبح کی نماز ادا کر رہے تھے کہ ایک شخص آئے اور انہوں نے پکار کر کہا کہ اللہ ﷻ نے قرآن میں اپنے نبی ﷺ کو قسم دیا ہے کہ اپنا منہ کعبہ کی طرف کر لو، لہذا تم بھی کعبہ کی طرف رُخ کرو۔ چنانچہ سب لوگ نماز ہی کی حالت میں کعبہ کی طرف گھوم گئے۔

(۱۵) باب قوله تعالیٰ: ﴿لَدَرَى تَقَلَّبَ وَجْهَكَ فِي السَّمَاءِ﴾ الآية [۱۴۳]

ارشاد باری تعالیٰ کا بیان: ”(اے پیغمبر!) ہم تمہارے چہرے کو بار بار آسمان کی طرف اٹھتے ہوئے دیکھ رہے ہیں۔“

نبی کریم ﷺ کی قبلہ کی تبدیلی کی خواہش و اشتیاق

جب بیت المقدس کو قبلہ بنایا گیا تو آنحضرت ﷺ کو یہ اندازہ تھا کہ یہ حکم عارضی ہے، اور چونکہ بیت اللہ، بیت المقدس کے مقابلے میں زیادہ قدیم بھی تھا اور اُس سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یادیں بھی وابستہ تھیں، اس لئے آپ کی طبعی خواہش بھی یہی تھی کہ اسی کو قبلہ بنایا جائے۔

چنانچہ آنحضرت ﷺ قبلے کی تبدیلی کے انتظار اور اشتیاق میں کبھی کبھی آسمان کی طرف منہ اٹھا کر دیکھتے تھے۔ اس آیت ﴿قَدْ نَرَى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَاءِ﴾ میں اسی کیفیت کو بیان کیا گیا ہے۔

۴۴۸۹۔ حدثنا علي بن عبد الله: حدثنا معتمر، عن أبيه، عن أنس رضي الله عنه قال: لم يبق

ممن صلى القبليين غيري.

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ تمام لوگوں میں اب صرف میں وہ شخص باقی رہ گیا ہوں جس نے دونوں قبلوں کی طرف نماز ادا کی ہے۔

تشریح

”لم يبق ممن صلى القبليين غيري“ کوئی باقی نہیں رہا سے مراد یہ ہے کہ اب ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے خواہ وہ مہاجرین میں سے ہوں یا انصار میں سے جس نے دونوں قبلوں کی طرف رخ کر کے نماز پڑھی ہو میرے علاوہ اب (بصرہ میں) کوئی بھی باقی نہیں ہے۔

خادم رسول حضرت انس رضی اللہ عنہ نے اپنے آخری عمر میں یہ ارشاد فرمایا تھا، حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی وفات ۹۰ھ یا ۹۱ھ یا ۹۳ھ میں بصرہ شہر میں ہوئی، اور آپ کی عمر صحیح ترین قول کے مطابق ایک سو تین برس تھی اور بعض کے نزدیک ایک سو تیس سال کی عمر میں آپ کی وفات ہوئی۔ ۳۸

(۱۶) باب: ﴿وَلَيِّنَ آتَيْنَ الَّذِينَ آتُوا الْكِتَابَ بِكُلِّ آيَةٍ مَا تَبِعُوا قِبْلَتَكَ﴾ الآية [۱۳۵]

باب: ”اور جن لوگوں کو کتاب دی گئی تھی اگر تم ان کے پاس ہر قسم کی نشانیاں لے آؤ تب بھی یہ

تمہارے قبلے کی پیروی نہیں کریں گے۔“

۴۴۹۰۔ حدثنا خالد بن مخلد: حدثنا سليمان قال: حدثني عبد الله بن دينار، عن

ابن عمر رضي الله عنهما: بينما الناس في الصبح بقباء جاءهم رجل فقال: ان رسول الله ﷺ قد أنزل عليه الليلة قرآن وقد أمر أن يستقبل الكعبة، الا فاستقبلوها. وكان وجه الناس الى

الشام فاستداروا بوجوههم الى الكعبة. [راجع: ۴۰۳]

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ہم لوگ مسجد قبا میں صبح کی نماز ادا کر رہے تھے کہ ایک شخص نے آکر کہا کہ آج رات کو رسول اللہ ﷺ پر قرآن نازل ہوا ہے اور ان کو حکم دیا گیا ہے کہ اپنا منہ کعبہ کی طرف کر لو۔ چنانچہ یہ بات سنتے ہی سب لوگ اسی نماز کی حالت میں ہی کعبہ کی طرف گھوم گئے، حالانکہ پہلے رخ شام کی طرف تھا۔ ۳۹

(۱۷) باب: ﴿الَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ يَعْرِفُونَهُ كَمَا يَعْرِفُونَ آبْنَاءَهُمْ﴾

باب: ”جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اس کو اتنی اچھی طرح پہچانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں۔“

پہچاننے سے کیا مراد ہے؟

اسکے یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ یہ لوگ کعبے کے قبلہ ہونے کو خوب اچھی طرح جانتے ہیں جیسا کہ اوپر گزرا۔ اور یہ معنی بھی ممکن ہیں کہ یہ آنحضرت ﷺ اچھی طرح پہچانتے ہیں کہ یہ وہی رسول ہیں جن کی خبر پچھلے انبیاء کرام کے صحیفوں میں دی جا چکی ہے۔ لیکن ضد کی بناء پر ان حقائق کو تسلیم نہیں کر رہے ہیں۔ ۳۹

۳۴۹۱۔ حدثنا يحيى بن لزيمة: حدثنا مالك، عن عبدالله بن دينار، عن ابن عمر قال:

بينما الناس بقباء في صلاة الصبح إذ جاءهم آت فقال: ان النبي ﷺ قد أنزل عليه الليلة قرآن، وقد أمر أن يستقبل الكعبة فاستقبلوها، وكانت وجوههم إلى الشام فاستداروا إلى الكعبة. ۳۹

۳۹ تشریح و تفصیل کیلئے ملاحظہ فرمائیں: انعام الہاری شرح صحیح البخاری، ج: ۳، ص: ۱۳۶، کتاب الصلاة، رقم: ۴۰۳

۳۰ حمدۃ القاری، ج: ۱۸، ص: ۱۳۸

۳۱ وفی صحیح مسلم، کتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب تحویل القبلة من القدس الی الکعبة، رقم: ۵۲۶، وصن النرمذی، ابواب تفسیر القرآن، باب ومن سورة البقرة، رقم: ۲۹۶۳، وصن النسائی، کتاب الصلاة، باب استبالة العطا بعد الاجتهاد، رقم: ۴۹۳، وکتاب القبلة، باب استبالة العطا بعد الاجتهاد، رقم: ۷۳۵، وموطا مالک، کتاب القبلة، باب ماجاء القبلة، رقم: ۲، ومسند احمد مسند المکثرین من الصحابة، مسند عبدالله بن مسعود رضی اللہ عنہما، رقم: ۲۶۴۲، ۵۸۲۷، ۵۱۳۳، وصن الدارمی، کتاب الصلاة، باب فی تحویل القبلة من بیت المقدس الی الکعبة، رقم: ۱۲۷۰

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ صبح کی نماز لوگ مسجد قبا میں پڑھ رہے تھے کہ ایک شخص آئے اور انہوں نے کہا کہ آج رات رسول اللہ ﷺ پر قرآن نازل ہوا ہے اور آپ ﷺ کو کعبہ کی طرف منہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے، لہذا آپ حضرات بھی اپنا منہ کعبہ کی طرف کر لیجئے، وہ لوگ شام (بیت المقدس) کی طرف نماز پڑھ رہے تھے، لہذا اس بات کو سن کر سب کعبہ کی طرف گھوم گئے۔

(۱۸) باب: ﴿وَلِكُلِّ وِجْهَةٍ مَّا هُوَ لَهَا﴾ الآية [۱۳۸]

باب: ”اور ہر گروہ کی ایک سمت ہے جس کی طرف وہ رخ کرتا ہے“۔

بحث و مباحثہ کے بجائے نیکیوں میں اضافہ کا حکم

جو لوگ قبلے کی تبدیلی پر اعتراض کر رہے تھے اُن پر حجت تمام کرنے کے بعد مسلمانوں کو یہ ہدایت دی جا رہی ہے کہ ہر مذہب کے لوگوں نے اپنے اپنے الگ الگ قبلے بنا رکھے ہیں، اور تمہارے لئے یہ ممکن نہیں ہے کہ اس دنیا میں اُن کو کسی ایک قبلے پر جمع کر سکو۔

لہذا اب ان لوگوں سے قبلے کی بحث میں پڑنے کے بجائے تمہیں اپنے کام میں لگ جانا چاہئے اور وہ یہ ہے کہ اپنے نامہ اعمال میں زیادہ سے زیادہ نیکیوں کا اضافہ کرو، اور اس کام میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کرو۔

آخری انجام یہ ہوگا کہ تمام مذاہب والوں کو اللہ تعالیٰ اپنے پاس بلائے گا اور اُس وقت ان سب کی ٹرکی تمام ہو جائے گی۔ وہاں سب کا قبلہ ایک ہی ہو جائے گا، کیونکہ سب اللہ کے سامنے کھڑے ہوں گے۔ ۳۳۹۲

۳۳۹۲۔ حدثنا محمد بن المثنی قال: حدثنا يحيى، عن سفیان: حدثني أبي اسحاق قال: سمعت البراء رضي الله عنه قال: صلينا مع النبي ﷺ نحو بيت المقدس ستة عشر شهراً أو سبعة عشر شهراً، ثم صرفه نحو القبلة. [راجع: ۴۰]

ترجمہ: سفیان بن عیینہ کہتے ہیں کہ مجھ سے ابو اسحاق نے بیان کیا کہ میں حضرت براء بن عازب رضي الله عنه کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ہم نے نبی کریم ﷺ کے ساتھ سولہ یا سترہ مہینے تک بیت المقدس کی طرف نماز ادا کی، اس کے بعد آپ ﷺ نے اپنا منہ کعبہ کی طرف پھیر لیا اور ہم بھی پھر گئے۔

(۱۹) باب: ﴿وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ﴾ [۱۳۹] الآية
 باب: ”اور تم جہاں سے بھی (سفر کیلئے) نکلو، اپنا منہ (نماز کے وقت) مسجد حرام کی طرف کرو۔“

شطرہ: تلاقؤہ۔

ترجمہ: ”شطرہ“ کے معنی طرف کے ہیں یعنی مسجد حرام کی طرف۔

۴۴۹۳۔ حدثنا موسى بن اسماعيل: حدثنا عبدالعزيز بن مسلم: حدثنا عبدالله ابن دينار قال: سمعت ابن عمر رضي الله تعالى عنهما يقول: بينما الناس في الصبح بقباء إذ جاءهم رجل فقال: أنزل الليلة قرآن فأمر أن يستقبل الكعبة فاستقبلوها، واستداروا كهبتهم فتوجهوا إلى الكعبة وكان وجه الناس إلى الشام. [راجع: ۴۰۳]

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ یہ بات ہوئی کہ کچھ لوگ مسجد قبا میں فجر کی نماز ادا کر رہے تھے کہ ایک شخص وہاں آئے اور کہا کہ آج رات کو قرآن نازل ہوا ہے اور کعبہ کی طرف منہ کرنے کا حکم ہوا ہے، لہذا آپ لوگ بھی اپنا اپنا منہ کعبہ کی طرف کر لیں اور جس حالت میں ہیں اسی حال میں رخ پھیر لے، یہ سنتے ہی سب لوگ اسی حالت میں کعبہ کی طرف گھوم گئے، اس وقت لوگ شام (بیت المقدس) کی طرف نماز پڑھ رہے تھے۔

(۲۰) باب: ﴿وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ﴾

وَ حَيْثُمَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ﴾ [۱۵۰]

باب: ”اور جہاں سے بھی تم نکلو، اپنا منہ مسجد حرام کی طرف کرو۔ اور تم جہاں کہیں ہو، اپنے چہرے کو اسی کی طرف رکھو۔“

۴۴۹۴۔ حدثنا قتيبة بن سعيد: عن مالك، عن عبدالله بن دينار، عن ابن عمر قال: بينما الناس في صلاة الصبح بقباء إذ جاءهم آتٍ فقال: إن رسول الله ﷺ قد أنزل عليه الليلة وقد أمر أن يستقبل الكعبة فاستقبلوها وكانت وجوههم إلى الشام، فستداروا إلى القبلة. [راجع: ۴۰۳]

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ہم لوگ مسجد قبا میں صبح کی نماز پڑھ رہے تھے کہا ایک شخص وہاں آئے اور کہا کہ آج رات کو رسول اللہ ﷺ کے پاس خدا کا یہ حکم آیا ہے کہ کعبہ کو اپنا قبلہ بناؤ، لہذا تم سب بھی اپنا اپنا منہ کعبہ کی طرف کر لو، چنانچہ ہم سب لوگ بیت المقدس کی طرف سے کعبہ کی طرف گھوم گئے۔

تحويل کعبہ کے مراحل

یہ ساری روایتیں مسجد قبا سے متعلق ہیں اور صلوٰۃ فجر سے متعلق ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ تحويل قبلہ کا واقعہ فجر میں پیش آیا، تو گویا چار مرحلے ہوئے:

پہلا بنو سلمہ میں کہ جہاں آپ ﷺ نے ظہر کے دوران رخ بدلا۔
دوسرا واقعہ مسجد نبوی میں کہ مکمل نماز کعبہ کی طرف رخ کر کے پڑھی۔
تیسرا واقعہ مسجد بنو حارثہ میں لوگوں کو اطلاع دی گئی اور لوگوں نے رخ بدلا۔

اور

چوتھا واقعہ مسجد قبا میں جو اگلے دن فجر میں پیش آیا۔

یہ بات اگر ذہن میں رہے تو تمام روایات اپنی اپنی جگہ پر درست بیٹھ جاتی ہیں، اور ان میں کوئی اشکال کی بات باقی نہیں رہتی۔ ۳۳

(۲۱) باب قوله تعالى: ﴿إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِن شَعَائِرِ اللَّهِ﴾ الآية [۱۵۸]

ارشاد باری تعالیٰ کا بیان کہ: ”بے شک صفا اور مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں“۔ ۳۳

۳۲ تحويل قبلہ کے متعلق علماء کے اقوال کی مزید تفصیل کیلئے ملاحظہ فرمائیں: انعام الباری، ج: ۱، ص: ۵۰۳۔

۳۳ پہلے ذکر تھا تحويل الی الکعبہ کا کہ سب قبلوں سے الغل ہونے کا اب اس کے عمل ادائے حج و عمرہ ہونے کا بیان فرماتے ہیں تاکہ ﴿وَلَا تَمَسُّواْ بِهِمْ يَدَیْنِمْ﴾ تصدیق اور تکمیل خوب ہو جائے، یا یوں کہئے کہ اس سے پہلے صبر کی فضیلت مذکور تھی اب یہ فرمایا گیا کہ دیکھو صفا و مروہ جو شعائر اللہ میں داخل ہوئیں اور ان میں سعی کرنا حج و عمرہ میں ضروری ہوا اس کی وجہ یہی تو ہے کہ یہ فعل صابریں یعنی حضرت ہاجرہ علیہا السلام اور ان کے صاحبزادے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے آثار میں سے ہے، حدیث و تفسیر و تاریخ میں یہ قصہ ممرن مذکور و مشہور ہے جس کے دیکھنے سے ﴿إِنَّ اللہَ مَعَ الصَّابِرِیْنَ﴾ کی تصدیق

ہوتی ہے۔ تفسیر طبری، سورۃ بقرہ، آیت: ۱۵۸، قاعدہ: ۹۰۔

شعائر: علامات، واحدها شعيرة، وقال ابن عباس: الصفوان: الحجر، ويقال: الحجارة الملس التي لا تنبت شيئا والواحدة صفوانة بمعنى الصفا. والصفوا للجمع.
ترجمہ: "شعائر" جمع "شعيرة"۔ اس کے معنی ہیں نشانیاں یعنی علامتیں۔
اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ "صفوان" کا جو لفظ ہے اس کا مطلب ہے پتھر۔
بعض حضرات کہتے ہیں کہ "صفوان" کے معنی چکنے پتھر کے ہیں جس پر کوئی چیز نہیں اُگتی، اس کا واحد "صفوانة" بمعنی "صفا" ہے اور یہ جمع کیلئے آتا ہے۔

۴۴۹۵۔ حدثنا عبد الله بن يوسف: أخبرنا مالك، عن هشام بن عروة، عن أبيه أنه قال: قلت لعائشة زوج النبي ﷺ وأنا يومئذ حديث السن: أرايت لول الله تبارك وتعالى: ﴿إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللَّهِ لَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ أَوْ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ أَنْ يَطُوفَ بِهِمَا﴾
لما أرى على أحد شيئا أن لا يطوف بهما، فقالت عائشة: كلا لو كانت، تقول كانت: فلا جناح عليه أن لا يطوف بهما، إنما نزلت هذه الآية في الأضراس كانوا يهلون لمناة وكانت منلة حدو قديد، وكانوا يتخرجون أن يطولوا بين الصفا والمروة. فلما جاء الإسلام سألو رسول الله ﷺ عن ذلك فالنزل الله ﴿إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللَّهِ لَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ أَوْ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ أَنْ يَطُوفَ بِهِمَا﴾. [راجع: ۱۶۳۳]

ترجمہ: هشام بن عروہ رحمہ اللہ تعالیٰ اپنے والد حضرت عروہ بن زبیر رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے زوجہ رسول اللہ ﷺ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے پوچھا اور میں اس وقت بچہ تھا کہ یہ جو اللہ ﷻ کا ارشاد ہے کہ ﴿إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللَّهِ لَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ أَوْ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ أَنْ يَطُوفَ بِهِمَا﴾، کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟ اس سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص صفا و مروہ کا طواف نہ بھی کرے تو بھی اس پر کوئی گناہ نہیں ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا یہ بات نہیں ہے، اگر یہ بات ہوتی تو اللہ ﷻ اس طرح فرماتا کہ اگر کوئی ان کا طواف نہ بھی کرے تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہے۔ درحقیقت یہ آیت انصار کے حق میں نازل ہوئی، کیونکہ وہ (اسلام سے قبل) منات بت کیلئے احرام باندھتے تھے، جو قدید کے پاس رکھا ہوا تھا، انصار کو صفا و مروہ کا طواف اچھا معلوم نہیں ہوتا تھا۔ جب اسلام آیا تو انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے اسکے متعلق دریافت کیا، تو اس وقت اللہ ﷻ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ ﴿إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللَّهِ لَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ أَوْ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ أَنْ يَطُوفَ بِهِمَا﴾۔

۴۴۹۶۔ حدثنا محمد بن يوسف: حدثنا سليمان، عن عاصم بن سليمان قال:

سالت انس بن مالک رضی اللہ عنہ عن الصفا والمروة، فقال: كنا نرى أنهما من أمر الجاهلية فلما كان الإسلام أمسكنا عنهما فأنزل الله تعالى ﴿إِنَّ الصُّفَاَ وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللَّهِ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ أَوْ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ﴾. [راجع: ۱۶۳۸]

ترجمہ: عاصم بن سلیمان رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ صفا اور مروہ کے بارے میں سوال کیا تو حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم لوگ صفا و مروہ کے درمیان سعی کرنے کو جاہلیت کے کاموں میں سمجھتے تھے، جب اسلام آیا تو ہم اس سے رُک گئے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ ﴿إِنَّ الصُّفَاَ وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللَّهِ الْخ﴾۔

صفا و مروہ

﴿إِنَّ الصُّفَاَ وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللَّهِ فَمَنْ حَجَّ
الْبَيْتَ أَوْ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ أَنْ يَطَّوَّفَ بِهِمَا﴾
ترجمہ: بے شک صفا اور مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں۔
لہذا جو شخص بھی بیت اللہ کا حج کرے یا عمرہ کرے تو اس کے
لئے اس بات میں کوئی گناہ نہیں ہے کہ وہ ان کے درمیان چکر
لگائے۔

اس آیت میں اللہ رب العزت نے صفا و مروہ کو شعائر اللہ میں سے قرار دیا ہے۔ شعائر اللہ سے مراد وہ اعمال ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے دین کی علامات قرار دیا ہے۔

حج و عمرہ میں اللہ تعالیٰ نے صفا و مروہ کے درمیان سعی کرنا واجب قرار دیا ہے۔

اس آیت میں اگرچہ سعی واجب ہے، لیکن یہاں ”کوئی گناہ نہیں“ کے الفاظ استعمال فرمائے گئے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ زمانہ جاہلیت میں یہاں دو بت، جن کے نام مناة اور قدید تھے، رکھے گئے تھے اور یہاں (انصار) کے لوگ اسلام لانے سے قبل زمانہ جاہلیت میں اس بت مناة کے نام پر احرام باندھتے تھے، اسلام لانے کے بعد حضرات انصار کو یہ شک ہوا کہ صفا و مروہ کے درمیان سعی کرنا یہ جاہلیت کی نشانی ہونے کی وجہ سے گناہ ہو، تو آیت میں یہ شک دُور کر دیا۔ ۵۵

(۲۲) باب قوله تعالى: ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَن يَتَّخِذُ مِن دُونِ اللَّهِ أَنْدَادًا يُحِبُّونَهُمْ

كُحِبَّ اللَّهُ﴾ [۱۶۵]

ارشاد باری تعالیٰ کا بیان کہ: ”اور (اس کے باوجود) لوگوں میں کچھ وہ بھی ہیں جو اللہ کے علاوہ دوسروں کو اس کی خدائی میں طرح شریک قرار دیتے ہیں کہ ان سے ایسی محبت رکھتے ہیں جیسے اللہ کی محبت (رکھنی چاہئے)۔“

یعنی أضداداً، واحداً، لداً.

آیت میں ”أَنْدَادًا“ سے مراد ضد کے ہیں، اور اس کا ”لدا“ ہے۔

۳۲۹۷۔ حدثنا عبدان، عن أبي حمزة، عن الأعمش، عن شقيق، عن عبد الله قال:

قال النبي ﷺ كلمة وللت أخرى، قال النبي ﷺ: ((من مات وهو يدعو من دون الله لداً دخل النار))، وللت أنا: من مات وهو لا يدعو لله لداً دخل الجنة. [راجع: ۱۲۳۸]

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے اللہ ﷻ کے ساتھ کسی کو شریک کیا اور پھر مر گیا وہ دوزخ میں جائے گا، میں نے کہا اور جس شخص نے اللہ ﷻ کا کسی کو شریک نہیں کیا اور وہ مر گیا، آپ ﷺ نے فرمایا وہ جنت میں داخل ہوگا۔

(۲۳) باب: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُحِبَّ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ﴾ الآية [۱۷۸]

باب: ”اے ایمان والو! جو لوگ (جان بوجھ کر ناحق) قتل کر دیئے جائیں ان کے بارے میں تم پر

قصاص (کا حکم) فرض کر دیا گیا ہے۔“ ۳۶

۳۶ یعنی حکم قصاص بظاہر نظر اگرچہ ہماری مظلوم ہو لیکن عقلمند سمجھ سکتے ہیں کہ یہ حکم بڑی زندگانی کا سبب ہے، کیونکہ قصاص کے خوف سے ہر کوئی کسی کو

قتل کرنے سے رکے گا، تو دونوں کی جان محفوظ رہے گی اور قصاص کے سبب قاتل اور متحمل دونوں کی جماعتیں بھی قتل سے محفوظ اور مطمئن رہیں گی۔

عرب میں ایسا ہوتا تھا کہ قاتل اور غیر قاتل کا لحاظ نہیں کرتے تھے ﴿بقیہ مائیں اگلے صفحے پر﴾

﴿عَفِيَ﴾: ترک.

”عَفِيَ“ بمعنی ترک، چھوڑنا۔

۳۳۹۸ - حدثنا الحمیدی: حدثنا سفیان: حدثنا عمرو قال: سمعت عن مجاہدا

قال: سمعت ابن عباس رضی اللہ عنہما یقول: کان فی بنی اسرائیل القصاص ولم تكن فیہم الدیة فقال اللہ تعالیٰ لہذہ الامۃ: ﴿كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلِ الْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْأَنْثَىٰ بِالْأُنْثَىٰ فَمَنْ عُفِيَ لَهُ مِنْ أَخِيهِ شَيْءٌ فَالْعَفْوُ أَنْ يَقْبَلَ الدِّيَةَ فِي الْعَمْدِ ﴿فَاتَّبَاعَ بِالْمَعْرُوفِ وَأَدَاءَ إِلَيْهِ بِإِحْسَانٍ﴾ يتبع بالمعروف ويؤدى باحسان ﴿ذَلِكَ تَخْفِيفٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ﴾ مما كتب على من كان ليلكم ﴿فَمَنْ اغْتَدَىٰ بِغَدِّ ذَلِكُمْ فَلَهُ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾ لقل بعد قبول الدية. [انظر: ۶۸۸۱] ۷

ترجمہ: حضرت مجاہد رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ بنی اسرائیل میں صرف قصاص کا قانون تھا، دیت کا رواج نہیں تھا۔ پھر اللہ ﷻ نے اس امت سے فرمایا کہ ﴿كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلِ الْحُرِّ﴾ اور معانی یہ ہے کہ قتل عمد میں دیت دی جائے، ﴿فَاتَّبَاعَ بِالْمَعْرُوفِ﴾ مقتول کے وارثوں کو چاہئے کہ معقول طریقے سے دیت کا مطالبہ کریں اور قاتل کو اچھی طرح دیت ادا کرنا چاہئے ﴿ذَلِكَ تَخْفِيفٌ مِّن رَّبِّكُمْ﴾ اس کے مقابلے میں جو پہلے تم پر فرض تھا ﴿فَمَنْ اغْتَدَىٰ بِغَدِّ ذَلِكُمْ﴾ زیادتی یہ ہے کہ دیت لینے کے بعد پھر قتل بھی کر دیا۔

دیت؛ امت محمدیہ پر اللہ کی خاص عنایت

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں بنی اسرائیل میں صرف قصاص تھا یعنی خون کا بدلہ خون تھا، دیت کا کوئی تصور نہیں تھا، مگر امت محمدیہ ﷺ پر اللہ ﷻ نے اپنی خاص مہربانی اور فضل فرمایا کہ ان پر

..... ﴿مُذْذَبًا مِّن رَّبِّكَ﴾ جو ہاتھ آجاتا مقتول کے وارث اس کو قتل کر ڈالتے تھے، اور فریقین میں اس کے باعث ایک خون کی

وجہ سے ہزاروں جانیں ضائع ہونے کی نوبت آتی تھی، جب خاص قاتل ہی سے قصاص لیا گیا تو یہ تمام جانیں بچ گئیں اور یہ معنی بھی ہو سکتا ہے کہ قصاص قاتل کے حق میں باعث حیات اخروی ہے۔ تفسیر عثمانی، سورہ بقرہ، آیت: ۱۷۸، ۱۷۹، قاعدہ: ۳۔

۷۷ ولسی سنن النسائی، کتاب القصاص، باب تلویل لولہ عروجل: ﴿فَمَنْ عُفِيَ لَهُ مِنْ أَخِيهِ شَيْءٌ فَاتَّبَاعَ بِالْمَعْرُوفِ وَأَدَاءَ إِلَيْهِ بِإِحْسَانٍ﴾. رقم: ۳۷۸۱

دیت کا حکم نازل فرمایا:

﴿كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلِ الْحُرِّ بِالْحُرِّ
وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْأَنْثَىٰ بِالْأُنثَىٰ فَمَنْ عُفِيَ لَهُ مِنْ
أَخِيهِ حَسَنٌ﴾

ترجمہ: اے ایمان والو! جو لوگ (جان بوجھ کر ناحق) قتل کر دیئے جائیں ان کے بارے میں تم پر قصاص (کا حکم) فرض کر دیا گیا ہے۔ آزاد کے بدلے آزاد، غلام کے بدلے غلام، اور عورت کے بدلے عورت (ہی کو قتل کیا جائے گا)، پھر اگر قاتل کو اس کے بھائی (یعنی مقتول کے وارث) کی طرف سے کچھ معافی دے دی جائے۔

یعنی اگر کوئی کسی کو ناحق قتل کر ڈالے تو اس پر قصاص واجب ہے، قصاص کا مطلب ہے برابر کا بدلہ، اس آیت میں حکم دیا گیا ہے کہ اگر کسی شخص کو جان بوجھ کر ناحق قتل کیا کر دیا جائے اور قاتل کا جرم ثابت ہو جائے تو مقتول کے وارث کو حق حاصل ہے کہ وہ قاتل سے قصاص کا مطالبہ کرے۔

ہاں اگر مقتول کے تمام ورثاء یا مقتول کے وارثوں میں سے اگر بعض بھی خون کو معاف کر دیں تو اب قاتل کو قصاص میں قتل تو نہیں کر سکتے بلکہ دیکھیں گے کہ ان وارثوں نے معاف کس طرح پر کیا ہے؟ بلا معاوضہ مالی محض ثواب کی غرض سے معاف کیا یا دیت شرعی اور بطور مصالحت خون بہا کے طور پر کسی مقدار مال پر راضی ہو کر صرف قصاص سے دستبرداری کی ہے۔

اول صورت میں قاتل ان وارثوں کے مطالبہ سے بالکل سبکدوش ہو جائے گا اور دوسری صورت میں قاتل کو چاہئے کہ وہ معاوضہ ادا کرے۔

یہ معافی کا حکم قتل عمد کے سلسلے میں ہے کہ چاہو تو قصاص لو چاہو تو دیت لو چاہو تو معاف کر دو۔

﴿فَاتَّبَاعَ بِالْمَعْرُوفِ وَأَدَاءِ إِلَيْهِ بِإِحْسَانٍ﴾

ترجمہ: تو معروف طریقے کے مطابق (خون بہا کا) مطالبہ کرنا (وارث کا) حق ہے، اور اُسے خوش اسلوبی سے ادا کرنا (قاتل کا) فرض ہے۔

دیت لینے کا ارادہ ہو تو مقتول کے وارثوں کو چاہئے عام دستور کے موافق دیت کا مطالبہ کریں، دیت کے سلسلے میں زیادہ تنگ نہ کریں بلکہ پہلے باہمی رضامندی کے ساتھ دیت مقرر کر لیں، اور قاتل کو بھی دیت

ممنونیت اور خوشدلی کے ساتھ ادا کرنی چاہئے کہ اس معاملے میں ٹال مٹول سے کام نہ لے۔

﴿ذَلِكَ تَخْفِيفٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ﴾

ترجمہ: یہ تمہارے پروردگار کی طرف سے ایک آسانی پیدا کی گئی ہے اور ایک رحمت ہے۔

یہ دیت کا حکم اللہ ﷻ کی طرف سے سہولت، مہربانی اور تخفیف ہے قاتل اور وارثان مقتول دونوں پر، جو پہلے لوگوں پر نہیں ہوئی تھی کہ یہود پر خاص قصاص کا حکم تھا اور نصاریٰ پر دیت یا عفو مقرر تھا۔

﴿فَمَنِ اعْتَدَىٰ بَعْدَ ذَلِكَ فَعَلَهُ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾

ترجمہ: یہ اس کے بعد بھی کوئی زیادتی کرے تو وہ دردناک عذاب کا مستحق ہے۔

”بعد ذلک“ کے معنی ہیں کہ دیت وصول کر لی اور قاتل کو دوبارہ قتل کر بھی دیا۔

یعنی اس تخفیف و رحمت کے بعد بھی اگر کوئی خلاف ورزی کرے گا، دستور جاہلیت پر چلے گا معافی اور دیت قبول کر لینے کے بعد قاتل کو قتل کرے گا تو اس کیلئے سخت عذاب ہے آخرت میں یا ابھی اس کو قتل کیا جائے گا۔

قصاص اور مسالک ائمہ

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مسلک یہ ہے کہ کوئی آزاد شخص کسی غلام کو قتل کر دے تو قصاصاً اس آزاد کو قتل کیا جائے گا۔ اسی طرح قتل عورت کے قصاص میں مرد قاتل کو قتل کیا جائے گا، نیز کوئی کافر ذمی کسی مسلمان کے ہاتھ سے مارا جائے تو قاتل مسلمان قصاص میں قتل کیا جائے گا، البتہ اگر مسلمان نے کسی حربی کافر کو قتل کیا ہے تو قصاص نہیں ہوگا۔

امام شافعی و امام مالک رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ آزاد بمقابلہ غلام اور مرد بمقابلہ عورت قتل نہیں کیا جائے گا۔ استدلال اسی آیت سے کرتے ہیں کہ باری تعالیٰ کا قول ہے کہ ﴿الْحُرُّ بِالسُّبْحَةِ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ﴾۔

حالانکہ اس آیت کریمہ کا نزول ایک خاص واقعہ کی بنا پر ہے جس پر یہ آیت نازل ہوئی، زمانہ جاہلیت میں یعنی اسلام سے کچھ پہلے دو عرب قبیلوں میں جنگ ہو گئی، طرفین کے بہت سے لوگ قتل ہو گئے اسلام لانے کے بعد اپنے اپنے مقتولوں کا قصاص لینے کی گفتگو شروع ہوئی تو ایک قبیلہ جو توت شوکت والا تھا، اس نے کہا کہ ہم اس وقت تک راضی نہ ہونگے جب تک ہمارے غلام کے بدلے تمہارا آزاد آدمی اور عورت کے بدلے میں مرد قتل نہیں کیا جائے۔

ن کے جاہلانہ مطالبہ کی تردید کرنے کیلئے یہ آیت نازل ہوئی ﴿الْحُرُّ بِالسُّحْرِ وَالْعَبْدُ بِالْقَبْذِ وَالْأَنْثَىٰ بِالْأُنْثَىٰ﴾ جس کا حاصل ان کے اس مطالبہ کو رد کرتا تھا کہ غلام کے بدلے آزاد کو اور عورت کے بدلے مرد کو قتل کیا جائے اگرچہ وہ قاتل نہ ہو۔

اسلام نے اپنا عادلانہ قانون یہ نافذ کر دیا کہ جس نے قتل کیا ہے وہی قصاص میں قتل کیا جائے، اگر عورت قاتل ہے تو کسی بے گناہ مرد کو اس کے بدلے میں قتل کرنا ظلم عظیم ہے جو اسلام میں قطعاً برداشت نہیں کیا جاسکتا، آیت کا مطلب یہ نہیں کہ عورت کو کوئی مرد قتل کر دے یا غلام کو کوئی آزاد قتل کر دے تو اس سے قصاص نہیں لیا جائے گا۔ ۵۸

۴۴۹۹۔ حدثنا محمد بن عبد الله الأنصاري: حدثنا حميد أن أنسا حدثهم عن

النبي ﷺ قال: ((كتاب الله: القصاص)). [راجع: ۲۷۰۳]

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ ﷻ کی کتاب قصاص کا حکم دیتی ہے، بشرطیکہ دیت قبول نہ کریں۔

۴۵۰۰۔ حدثني عبد الله بن منير: سمع عبد الله بن بكر السهمي: حدثنا حميد، عن

أنس: أن الربيع عمته كسرت ننية جارية فطلبوا اليها العفو فأبوا، فعرضوا الأرض فأبوا، فأتوا رسول الله ﷺ وأبوا إلا القصاص، فأمر رسول الله ﷺ بالقصاص، فقال أنس بن النضر: يا رسول الله، أنكسر ننية الربيع؟ لا والذي بعثك بالحق لا تكسر نيتها، فقال رسول الله ﷺ: ((يا أنس، كتاب الله القصاص))، فرضى القوم فعفوا، فقال رسول الله ﷺ: ((ان من عباد الله من لو ألسم على الله لأبره)). [راجع: ۲۷۰۳]

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میری پھوپھی ربیع نے ایک لڑکی کا سامنے کا دانت توڑ دیا، ربیع کے رشتہ داروں نے اس لڑکی سے معافی طلب کی، مگر لڑکی کے رشتہ داروں نے معافی سے انکار کر دیا، پھر ان لوگوں نے دیت پیش کی اس کو بھی قبول نہیں کیا گیا۔ آخر معاملہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لایا گیا اور لڑکی کے ورثاء قصاص کے علاوہ کسی چیز پر راضی نہیں تھے، رسول اللہ ﷺ نے قصاص کا حکم جاری کر دیا۔ حضرت انس بن نضر رضی اللہ عنہ (ربیع کے بھائی اور انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے چچا) نے کہا کہ یا رسول اللہ! کیا واقعی ربیع کا دانت توڑ دیا جائے گا؟ نہیں، میں اس ذات کی قسم! جس نے آپ کو سچا نبی بنا کر مبعوث فرمایا ہے، ان کا دانت نہ توڑا جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے انس! اللہ کی کتاب قصاص کا حکم دیتی ہے۔

اس کے بعد لڑکی کے رشتہ دار معاف کرنے پر راضی ہو گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے یہ سن کر فرمایا کہ اللہ ﷻ کے کچھ بندے ایسے بھی ہوتے ہیں کہ اگر اللہ کی قسم کھائیں تو اللہ ﷻ ان کی قسم کو پورا کر دیتا ہے۔

(۲۴) باب: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِن

قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ﴾ [۱۸۳]

باب: ”اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کر دئے گئے ہیں، جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کئے گئے تھے، تاکہ تمہارے اندر تقویٰ پیدا ہو“۔ ۵۸

پچھلی اُمتوں کا روزہ

روزے کی فرضیت کا حکم مسلمانوں کو ایک خاص مثال سے دیا گیا ہے، حکم کے ساتھ یہ بھی ذکر فرمایا کہ یہ روزے کی فرضیت کچھ تمہارے ساتھ خاص نہیں، پچھلی اُمتوں پر بھی روزے فرض کئے گئے تھے۔ اس سے روزے کی خاص اہمیت بھی معلوم ہوئی، اور مسلمانوں کی دل جوئی کا بھی انتظام کیا گیا کہ روزہ اگرچہ مشقت کی چیز ہے، مگر یہ مشقت تم سے پہلے لوگ بھی اٹھاتے چلے آئے ہیں۔ طبعی بات ہے کہ مشقت میں بہت سے لوگ بتلاء ہوں تو وہ ہلکی معلوم ہونے لگتی ہے۔ ۵۰

۵۹ یہ حکم روزہ کے متعلق ہے جو ارکان اسلام میں داخل ہے اور نفس کے بندوں ہو پرستوں کو نہایت ہی شاق ہوتا ہے، اس لئے تاکید اور اہتمام کے الفاظ سے بیان کیا گیا اور یہ حکم حضرت آدم ؑ کے زمانہ سے اب تک برابر جاری رہا ہے گو عین ایام میں اختلاف ہو اور اصول مذکورہ سابقہ میں جو صبر کا حکم تھا روزہ اس کا ایک بڑا رکن ہے حدیث میں روزہ کو نصف صبر فرمایا ہے۔ یعنی روزہ سے نفس کو اس کی مرغوبات سے روکنے کی عادت پڑے گی تو پھر اس کو ان مرغوبات سے جو شرعاً حرام ہیں روک سکو گے اور روزے سے نفس کی قوت و شہوت میں ضعف بھی آئے گا تو اب تم متقی ہو جاؤ گے بڑی حکمت روزہ میں یہی ہے کہ نفس سرکش کی اصلاح ہو اور شریعت کے احکام جو نفس کو بھاری معلوم ہوتے ہیں ان کا کرنا سہل ہو جائے اور متقی بن جاؤ، جاننا چاہئے کہ یہود و نصاریٰ پر بھی رمضان کے روزے فرض ہوئے تھے مگر انہوں نے اپنی خواہشات کے موافق ان میں اپنی رائے سے تغیر و تبدل کیا تو ”لعلکم تطون“ میں ان پر تعزیر ہے معنی یہ ہوں گے کہ اے مسلمانو! تم نا فرمانی سے بچو یعنی مثل یہود و نصاریٰ کے اس حکم میں غفلت نہ ڈالو۔ تفسیر عثمانی، سورہ بقرہ، آیت: ۱۸۳۔

قرآن کریم کے الفاظ ﴿الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ﴾ عام ہیں، حضرت آدم علیہ السلام سے لیکر حضرت خاتم الانبیاء ﷺ تک کی تمام شریعتوں اور امتوں کو شامل ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ جس طرح نماز کی عبادت سے کوئی شریعت اور امت خالی نہیں رہی اسی طرح روزہ بھی ہر شریعت میں فرض رہا ہے۔

جن حضرات نے فرمایا ہے کہ ﴿الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ﴾ سے اس جگہ نصاریٰ مراد ہیں، وہ بطور ایک مثال کے ہے، اس سے دوسری امتوں کی نفی نہیں ہوتی۔ [روح المعانی]

﴿لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ﴾ میں اشارہ ہے کہ تقویٰ کی قوت حاصل کرنے میں روزہ کو بڑا دخل ہے، کیونکہ روزہ سے اپنی خواہشات کو قابو رکھنے میں ایک ملکہ پیدا ہوتا ہے، وہی تقویٰ کی بنیاد ہے۔ ۵

۳۵۰۱۔ حدیثنا مسند: حدیثنا یحییٰ، عن عبید اللہ قال: أخبرنی نافع، عن ابن عمر رضی اللہ عنہما قال: کان عاشوراء بصومه أهل الجاهلیة، فلما نزل رمضان قال: من شاء صامه ومن لم یصمه. [راجع: ۱۸۹۲]

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ زمانہ جاہلیت میں عاشورہ کا روزہ رکھتے تھے، جب رمضان کے روزے نازل ہوئے تو فرمایا کہ عاشورہ کا روزہ تمہاری مرضی پر ہے چاہے تو رکھو اور نہ چاہے تو نہ رکھو۔

۳۵۰۲۔ حدیثی عبد اللہ بن محمد: حدیثنا ابن عیینة، عن الزہری، عن عروة، عن عائشة رضی اللہ عنہا قالت: کان عاشوراء یصام قبل رمضان فلما نزل رمضان ((من شاء صام ومن شاء أفطر)). [راجع: ۱۵۹۲]

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ جب رمضان کے روزوں سے پہلے لوگ عاشورہ کا روزہ رکھتے تھے، جب رمضان کے روزے فرض ہوئے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اب جو چاہے عاشورہ کا روزہ رکھے جو نہ چاہے نہ رکھے۔

۳۵۰۳۔ حدیثی محمود: أخبرنا عبید اللہ، عن اسرائیل، عن منصور، عن ابراہیم، عن علقمة، عن عبد اللہ قال: دخل علیہ الأشعث وهو یعظم فقال: الیوم عاشوراء، فقال کان یصام قبل أن ینزل رمضان، فلما نزل رمضان ترک فادن لكل.

ترجمہ: ماتمہ رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس اشعث آئے اور وہ اُس وقت کھانا کھا رہے تھے، تو اشعث نے کہا کہ آج تو عاشورہ کا دن ہے۔ حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رمضان کے روزے نازل ہونے سے پہلے عاشورہ کا روزہ رکھا جاتا تھا، مگر رمضان بعد عاشورہ کا روزہ ختم ہو گیا، تو آؤ تم بھی کھاؤ۔

۴۵۰۳۔ حدثنا محمد بن المثنی: حدثنا يحيى: حدثنا هشام قال: أخبرني أبي، عن عائشة رضي الله تعالى عنها قالت: كان يوم عاشوراء تصومه قريش في الجاهلية وكان النبي ﷺ يصومه فلما قدم المدينة صامه وأمر بصيامه، فلما نزل رمضان كان رمضان الفريضة وترك عاشوراء فكان من شاء صامه ومن شاء لم يصمه. [راجع: ۱۵۹۲]

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بیان کیا کہ جاہلیت کے زمانے میں قریش کے لوگ عاشورہ کے دن روزہ رکھتے تھے اور نبی کریم ﷺ بھی یہ روزہ رکھتے تھے اور جب آپ ہجرت کر کے مدینہ آئے تو یہاں بھی اس دن روزہ رکھا اور مسلمانوں کو بھی رکھنے کا حکم دیا، مگر جب رمضان کے روزے فرض کئے گئے تو عاشورہ کا روزہ ترک کر دیا گیا اور فرمایا گیا کہ جس کا دل چاہے عاشورہ کا روزہ رکھے اور جو نہ چاہے وہ نہ رکھے۔

(۲۵) باب قوله تعالى: ﴿أَيَّامًا مَّعْدُودَاتٍ فَمَن كَانَ مِنكُم مَّرِيضًا أَوْ عَلَى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينٍ فَمَن تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَهُ وَأَن تَصُومُوا خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ﴾

ارشادِ باری تعالیٰ کا بیان کہ: ”گنتی کے چند دن روزے رکھنے ہیں۔ پھر بھی اگر تم میں سے کوئی شخص بیمار ہو یا سفر پر ہو تو وہ دوسرے دنوں میں اتنی ہی تعداد پوری کر لے اور جو لوگ اسکی طاقت رکھتے ہوں وہ ایک مسکین کو کھانا کھلا کر (روزے کا) فدیہ ادا کر دیں۔ اسکے علاوہ اگر کوئی شخص اپنی خوشی سے کوئی نیکی کرے تو یہ اسکے حق میں بہتر ہے اور اگر تم کو سمجھ ہو تو روزے رکھنے میں تمہارے لئے زیادہ بہتری ہے۔“

ابتداء میں فدیہ دینے کی اجازت

شروع میں جب روزے فرض کئے گئے تو یہ آسانی بھی دی گئی تھی کہ اگر کوئی شخص روزہ رکھنے کے بجائے فدیہ ادا کر دے تو یہ بھی جائز ہے۔ بعد میں یہ سہولت واپس لے لی گئی، اور حتمی حکم دے دیا گیا کہ جو شخص بھی رمضان کا مہینہ پائے وہ روزے ضرور رکھے۔ تاہم فدیہ کی سہولت ان لوگوں کیلئے اب بھی باقی رکھی گئی ہے جو نہایت بوڑھے ہوں اور ان میں روزہ

رکھنے کی بالکل طاقت نہ ہو، اور آئندہ ایسی طاقت پیدا ہونے کی امید بھی نہ ہو۔ ۵۲
 وقال عطاء: يفطر من المرض كله كما قال الله تعالى. وقال الحسن و ابراهيم لم
 المرضع والحامل: اذا خالفا على انفسهما او ولدتهما تفطران لم تقضيان. واما الشيخ
 الكبير اذا لم يطبق الصيام فقد اطعم انس بن مالك بعدما كبر عاما او عامين كل يوم
 مسكناً خبزاً ولحماً و افطر، قراءة العامة: يطبقونه وهو اكثر.

ترجمہ: حضرت عطاء رحمہ اللہ کا کہنا ہے کہ ہر بیماری میں روزہ چھوڑ سکتے ہیں، جیسے کہ اللہ ﷻ نے ارشاد
 فرمایا ہے۔ حضرت حسن بصری اور حضرت ابراہیم رحمہما اللہ کہتے ہیں کہ اگر کسی دودھ پلانے والی یا حاملہ کو اپنی جان
 یا بچہ کی جان جانے کا اندیشہ ہو تو وہ روزے کو قضا کر سکتی ہے اور بہت ضعیف العمر شخص اگر روزہ نہ رکھ سکے تو اسے
 چاہئے کہ فدیہ ادا کرے۔ حضرت انس بن مالک ؓ جب بہت بوڑھے ہو گئے اور روزہ کی طاقت نہ رہی تو ایک یا
 دو سال آپ نے روزہ نہیں رکھا اور بطور فدیہ ہر روز ایک مسکین کو گوشت روٹی کھلاتے رہے۔ عام قرأت
 ”یطبقونہ“ ہے اور یہی اکثر حضرات کی رائے ہے۔

مریض کا روزہ افطار کرنے کا مسئلہ

”يفطر من المرض كله“

حضرت عطاء بن ابی رباح رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مرض کسی قسم کا بھی ہو اس میں افطار کرنا جائز ہے،
 ”كله“ یعنی ہر قسم کے مرض میں۔ جمہور علماء نے اس میں یہ قید لگائی ہے کہ مطلقاً مرض مراد نہیں ہے، ہاں اگر مرض
 ایسا ہو کہ جس سے روزہ رکھنے کے اندر شدت پیدا ہو، تو افطار جائز ہے۔ ۵۳

”قراءة العامة: يطبقونه وهو اكثر“ امام بخاری رحمہ اللہ فرما رہے ہیں کہ یہاں اس آیت
 میں لفظ ”یطبقونہ“ میں قرأت ”يُطَبِّقُونَ“ ہے، یہی اکثر لوگوں کی قرأت ہے اور مشہور و معروف ہے اگرچہ
 بعض قرأتوں میں ”يُطَوِّقُونَ“ ہے۔

”طَوَّقٌ يَطْوِقُ يَطْوِقُ“ کے معنی ہیں مشقت میں ڈالنا اور ”يُطَوِّقُونَ“ اس سے صیغہ مجہول ہے۔
 تو وہ لوگ جن پر مشقت ڈالی جاتی ہے ان پر فدیہ ہے، یعنی جو روزہ رکھنے میں بہت مشقت محسوس

۵۲ آسان ترجمہ قرآن، ج ۱۰، ص ۱۲۱

۵۳ وقال جمهور من العلماء: اذا كان به مرض يلزمه ويلوذه او يخاف تعاديه او يخاف تزيدته صح له الافطار. تفسير

القرطبي، ج ۲، ص ۲۷۶

کریں، تو پھر ان کے اوپر فدیہ ہے اور ”مطوّلین“ سے مراد شیخ فانی وغیرہ ہے۔

۳۵۰۵ - حدیثی اسحاق: أخبرنا روح: حدثنا زكريا بن اسحاق: حدثنا عمرو بن دينار، عن عطاء: سمع ابن عباس يقول: ﴿وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَ لِدَيْةَ طَعَامِ مَسْكِينٍ﴾ قال ابن عباس: ليست بمنسوخة، هو الشيخ الكبير والمرأة الكبيرة لا يستطيعان أن يصوما فليطعمان مكان كل يوم مسكينا. ۵۳

ترجمہ: عطاء رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو یہ آیت اس طرح پڑھتے ہوئے سنا ہے ﴿وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَ لِدَيْةَ طَعَامِ مَسْكِينٍ﴾ یعنی جو لوگ روزہ کی طاقت نہ رکھتے ہوں، ان کے ذمہ ایک غریب کو کھانا کھلانا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ آیت منسوخ نہیں، بلکہ اس کا حکم ضعیف مردوں اور بوڑھی عورتوں کے حق میں ہے، جو روزہ نہیں رکھ سکتے، لہذا وہ ایک مسکین کو ہر روز کھانا کھلائیں۔

(۲۶) باب: ﴿لَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ﴾ [۱۸۵]

باب: ”لہذا تم میں سے جو شخص بھی یہ مہینہ پائے، وہ اس میں ضرور روزہ رکھے۔“

۳۵۰۶ - حدثنا عياض بن الوليد: حدثنا عبد الأعلى: حدثنا عبيد الله، عن نافع، عن ابن عمر رضي الله عنهما: أنه قرأ ﴿لِدَيْةَ طَعَامِ مَسَاكِينٍ﴾ قال: هي منسوخة. [راجع: ۱۹۳۹]

ترجمہ: حضرت نافع رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے یہ آیت پڑھی ﴿لِدَيْةَ طَعَامِ مَسَاكِينٍ﴾ پھر فرمایا کہ یہ منسوخ ہو گئی ہے۔

۳۵۰۷ - حدثنا قتيبة: حدثنا بكر بن مضر، عن عمرو بن الحارث، عن بكر بن عبد الله، عن يزيد بن مولى سلمة بن الأكوع، عن سلمة قال: لما نزلت ﴿وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَ لِدَيْةَ طَعَامِ مَسْكِينٍ﴾ كان من أراد أن يفطر ويفتدي حتى نزلت الآية التي بعدها فنسختها.

۵۳ وفی سنن ابن داؤد، کتاب الصوم، باب لسخ قوله تعالى: ﴿وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَ لِدَيْةَ﴾ رقم: ۲۳۱۶. وباب من قال: هي منسوخة والشيخ والحبلى، رقم: ۲۳۱۷، ۲۳۱۸. وسنن السانی، کتاب الجنائز، باب تاویل قول الله عز وجل ﴿وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَ لِدَيْةَ طَعَامِ مَسْكِينٍ﴾، رقم: ۲۳۱۷

قال ابو عبد الله: مات بكبير قبل يزيد. ۵۵

ترجمہ: حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جس وقت یہ آیت نازل ہوئی ﴿وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَ لَدَيْتَةَ طَعَامٍ مِّنْكُمْ﴾ تو جو چاہتا تھا روزہ چھوڑ دیتا اور فدیہ ادا کر دیتا تھا، یہاں تک کہ اس کے بعد والی آیت نے اس کو منسوخ کر دیا۔

امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بکیر بن عبد اللہ، یزید سے پہلے وفات پا گئے تھے۔

روزے میں تبدیلی کے تین مراحل

حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی ت ﴿وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَ لَدَيْتَةَ طَعَامٍ مِّنْكُمْ﴾ تو ہمیں اختیار دیا گیا تھا کہ جس کا جی چاہے روزے رکھے، جس کا جی چاہے ہر روزے کا فدیہ دے۔ پھر جب اس کے بعد والی آیت یعنی ﴿لَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ﴾ نازل ہوئی تو یہ اختیار ختم ہو کر طاقت رکھنے والوں پر صرف روزہ ہی رکھنا لازم ہو گیا۔

نیز مسند احمد میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی ایک طویل حدیث ہے، جس میں ذکر ہے کہ نماز کے معاملات میں ابتدائے اسلام میں تین تغیرات ہوئے اور روزے کے معاملے میں بھی تین تبدیلیاں ہوئیں، روزے میں تین تبدیلیاں یہ ہیں کہ:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو ہرمہینہ میں تین روزے اور ایک روزہ یوم عاشوراء یعنی دس محرم الحرام کا رکھتے تھے۔

پھر رمضان کی فرضیت نازل ہوئی تو ہر شخص کو یہ اختیار تھا کہ روزہ رکھ لے یا فدیہ ادا کر دے، روزہ رکھنا بہتر اور افضل ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے دوسری آیت ﴿لَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ﴾ نازل فرمادی، اس آیت نے تندرست اور قوی کیلئے یہ اختیار ختم کر کے صرف روزہ رکھنا لازم قرار دیا، ہاں مگر بہت بوڑھے اور ضعیف شخص کے حق

۵۵ ولسی صحیح مسلم، کتاب الصوم، باب بیان نسخ قولہ تعالیٰ: ﴿وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَ لَدَيْتَةَ طَعَامٍ﴾ [البقرة: ۱۸۳] بقولہ: ﴿لَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ﴾ [۱۸۵]، رقم: ۱۲۹، ولسن ابی داؤد، کتاب الصوم، باب نسخ قولہ تعالیٰ: ﴿وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَ﴾، رقم: ۲۳۱۵، ولسن الترمذی، ابواب الصوم، باب ماجاء: ﴿وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَ﴾، رقم: ۷۹۸، ولسن النسائی، کتاب الجسائر، تاویل قولہ اللہ عزوجل: ﴿وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَ لَدَيْتَةَ طَعَامٍ﴾، رقم: ۲۳۱۶، ولسن الدارمی، باب ومن کتاب الصوم، باب فی تفسیر قولہ تعالیٰ: ﴿لَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ﴾، رقم: ۱۷۷۵

میں یہ حکم باقی رہا کہ وہ چاہے تو فد یہ ادا کر دے۔ یہ تو دو تبدیلیاں ہوں گی۔

تیسری تبدیلی یہ ہوئی کہ شروع میں افطار کے وقت کھانے پینے اور اپنی خواہش پوری کرنے کی اجازت صرف اس وقت تک تھی جب تک آدمی سوئے نہیں، جب سو گیا تو دوسرا روزہ شروع ہو گیا، کھانا پینا وغیرہ ممنوع ہو گیا۔ بعد میں یہ حکم منسوخ کر کے یہ آسانی عطاء فرمادی کہ اگلے دن کی صبح صادق تک کھانا پینا وغیرہ سب جائز ہیں۔ سو کر اٹھنے کے بعد سحری کھانے کو سنت قرار دے دیا۔ ۵۶

(۲۷) باب: ﴿أَجِلْ لَكُمْ لَيْلَةَ الصَّيَامِ الرَّفَثِ إِلَىٰ لَيْسَابِكُمْ﴾ الی قولہ: ﴿وَابْتَغُوا مَا

كَتَبَ اللَّهُ لَكُمْ﴾ [۱۸۷]

باب: ”تمہارے لئے حلال کر دیا گیا ہے کہ روزوں کی رات میں تم اپنی بیویوں سے بے تکلف صحبت کرو۔“ تا ”اور جو کچھ اللہ نے تمہارے لئے لکھ رکھا ہے اسے طلب کرو۔“

﴿أَجِلْ لَكُمْ الْخ﴾ کے لفظ سے معلوم ہوا کہ جو چیز اس آیت کے ذریعے حلال کی گئی ہے وہ اس سے پہلے حرام تھی، آگے حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی روایت میں مذکور ہے کہ ابتداء میں جب رمضان کے روزے فرض فرض کئے گئے تو افطار کے بعد کھانے پینے اور بیویوں کے ساتھ اختلاط کی صرف اُس وقت تک اجازت تھی جب تک سونہ جائے، سو جانے کے سبب یہ سب چیزیں حرام ہو جاتی تھیں، اس حکم کی وجہ سے مسلمانوں کو مشکلات پیش آئیں۔

ان واقعات کے بعد یہ آیت نازل ہوئی جس میں پہلا حکم منسوخ کر کے غروب آفتاب کے طلوع صبح صادق تک پوری رات میں کھانے پینے اور مباشرت کی اجازت دی گئی، اگرچہ سو کر اٹھنے کے بعد ہو، بلکہ سو کر اٹھنے کے بعد آخری شب میں سحری کھانا سنت قرار دے دیا گیا، جس کا ذکر مختلف روایات میں ہے۔ ۵۷

﴿فَالسَّنَّ بَاهِرُونَ وَمَا كَتَبَ اللَّهُ لَكُمْ﴾ اس کا مطلب اکبر مفسرین نے یہ بیان کیا ہے کہ بیوی سے جماع کرنے میں وہ اولاد حاصل کرنے کی نیت کرکھنی چاہئے جو اللہ نے تقدیر میں لکھ دی ہے۔ اور بعض حضرات نے یہ مطلب بھی بیان کیا ہے کہ جماع کے وہی لذت طلب کرنی چاہئے جو اللہ نے جائز قرار دی ہے، ناجائز طریقوں مثلاً غیر فطری طریقوں سے پرہیز کرنا چاہئے۔ ۵۸

۵۶، ۵۷ تفسیر معارف القرآن، ج ۱، ص ۲۳۶، ۲۳۵، ۲۵۴، ۲۵۳، وتفسیر القرطبی، ج ۲، ص ۳۱۵

۵۸ آسان ترجمہ قرآن، ج ۱، ص ۱۲۳، ۱۲۲

۳۵۰۸ - حدثنا عبید اللہ، عن اسرائیل، عن ابی اسحاق، عن البراء، وحدثنا أحمد بن عثمان: حدثنا شریح بن مسلمة قال: حدثنا ابراہیم بن یوسف، عن أبیہ، عن ابی اسحاق قال: سمعت البراء رضی اللہ عنہ: لما نزل صوم رمضان كانوا لا یقرہون النساء رمضان كله وكان رجال یخولون أنفسهم، فانزل الله تعالى: ﴿عَلِمَ اللهُ أَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُونَ أَنْفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ﴾ الآية. [راجع: ۱۹۱۵]

ترجمہ: ابواسحاق روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے سنا کہ وہ بیان کرتے ہیں کہ جب رمضان کے روزے فرض ہوئے تو لوگ پورے رمضان اپنی عورتوں سے الگ رہا کرتے، مگر کچھ لوگوں خود کو خیانت میں مبتلا کرتے تھے (چپکے سے جماع کر لیتے تھے) اسوقت اللہ جل جلالہ نے یہ آیت نازل فرمائی

﴿عَلِمَ اللهُ أَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُونَ أَنْفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ﴾

یعنی اللہ کو علم تھا کہ تم اپنے آپ سے خیانت کر رہے تھے، پھر اس نے تم پر عنایت کی اور تمہاری غلطی معاف فرمادی۔

(۲۸) باب: ﴿وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ

الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ﴾ الآية [۱۸۷]۔

باب: ”اور اس وقت تک کھاؤ اور پیو جب تک صبح کی سفید دھاری سیاہ دھاری سے ممتاز ہو کر تم پر واضح (نہ) ہو جائے۔“

سحر اور صبح صادق کی واضح تعیین

اس آیت میں رات کی تاریکی کو سیاہ خط اور صبح کی روشنی کو سفید خط کی مثال سے بتلا کر روزہ شروع ہونے اور کھانا پینا حرام ہو جانے کا صبح وقت متعین فرمادیا، اور اس میں افراط و تفریط کے احتمالات کو ختم کرنے کیلئے ”خَفْسِي يَتَبَيَّنُ“ کا لفظ بڑھا دیا، جس میں یہ بتلایا گیا ہے کہ نہ تو وہی مزاج لوگوں کی طرح صبح صادق سے کچھ پہلے ہی کھانے پینے وغیرہ کو حرام سمجھو اور نہ ایسی بے فکری اختیار کرو کہ صبح کی روشنی کا یقین ہو جانے کے باوجود کھاتے پیتے رہو، بلکہ کھانے پیتے رہو۔

بلکہ کھانے پینے اور روزہ کے درمیان حد فاضل صبح صادق کا تيقن ہے، اس تيقن سے پہلے کھانے پینے کو حرام سمجھنا درست نہیں اور تيقن کے بعد کھانے پینے مشغول رہنا بھی حرام اور روزے کیلئے مفسد ہے، اگرچہ ایک ہی منٹ کیلئے ہو، سحری کھانے میں وسعت و گنجائش صرف اسی وقت تک ہے جب تک صبح صادق کا یقین نہ ہو۔ ۵۹

﴿الْعَاكِفُ﴾ [الحج: ۲۵]: المقيم.

ترجمہ: ﴿الْعَاكِفُ﴾ کے معنی مقيم کے ہیں۔

۴۵۰۹۔ حدثنا موسى بن اسماعيل: حدثنا أبو عوانة، عن حصين، عن الشعبي، عن عدي قال: أخذ عدي عقالا أبيض وعقالا أسود، حتى كان بعض الليل نظر فلم يستبين، فلما أصبح قال: يا رسول الله، جعلت تحت وصادتي، قال: ((ان وصادك اذا لعريض ان كان الخيط الأبيض والأسود تحت وصادتك)). [راجع: ۱۹۱۶]

ترجمہ: حضرت عدي بن حاتم ؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے دو دھاگے ایک سیاہ اور ایک سفید پاس رکھے اور جب رات کا کچھ حصہ باقی رہا تو میں نے دیکھا کہ ان میں کوئی فرق واضح معلوم نہیں ہوا، پھر جب صبح ہوئی تو میں نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ یا رسول اللہ میں نے دو دھاگے اپنے تکیہ کے نیچے رکھ لئے تھے، لیکن وہ مجھے نظر نہیں آئے، آپ ﷺ نے (عدي کی بات سن کر ہنستے ہوئے) فرمایا کہ پھر تو تمہارا تکیہ بہت چوڑا ہوگا کہ صبح کی سفید دھاری اور رات کی کالی دھاری اس کے نیچے آگئی۔

۴۵۱۰۔ حدثنا قتيبة بن سعيد: حدثنا جرير عن مطرف، عن الشعبي، عن عدي ابن حاتم ؓ قال: قلت: يا رسول الله، ما الخيط الأبيض من الخيط الأسود؟ أهما الخيطان؟ قال: ((انك لعريض اللذان أبصرت الخيطين))، لم قال: ((لا، بل هو سواد الليل وبياض النهار)). [راجع: ۱۹۱۶]

ترجمہ: حضرت عدي بن حاتم ؓ روایت کرتے ہیں کہ میں نے آنحضرت ﷺ سے پوچھا کہ یا رسول اللہ! اس آیت میں سفید و کالے دھاگے سے کیا مطلب ہے؟ کیا ان سے مراد دو دھاگے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا تم بھی عجیب نادان ہو کہ اگر تم رات کو سفید اور کالے دھاگے دیکھتے ہو، پھر فرمایا کہ اس مراد دھاگے نہیں ہیں! بلکہ اس سے رات کی سیاہی اور صبح کی سفیدی مراد ہے۔

۴۵۱۱۔ حدثنا أبي مریم: حدثنا أبو غسان محمد بن مطرف: حدثني أبو حازم، عن سهل بن سعد قال: أنزلت ﴿وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ﴾

الْأَسْوَدِ ﴿۱﴾ وَلَمْ يَنْزِلْ ﴿مِنَ الْفَجْرِ﴾ وَكَانَ رِجَالٌ إِذَا أَرَادُوا الصَّوْمَ رَبَطُوا أَحَدَهُمْ فِي رِجْلِهِ
الْخَيْطَ الْأَبْيَضَ وَالْخَيْطَ الْأَسْوَدَ لَا يَزَالُ يَأْكُلُ حَتَّى يَتَبَيَّنَ لَهُ رُؤْيُهُمَا. فَأَنْزَلَ اللَّهُ بَعْدَ ﴿مِنَ
الْفَجْرِ﴾ لَعَلَّكُمْ أَلْمَا يَعْنِي اللَّيْلَ مِنَ النَّهَارِ. ۲۰

ترجمہ: حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ جب ﴿وَكُلُّوا وَأَشْرَبُوا حَتَّى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ﴾
والی آیت نازل ہوئی اور ابھی ﴿مِنَ الْفَجْرِ﴾ والا لفظ نہیں ہوا تھا تو کچھ لوگ جب روزہ رکھنے کا ارادہ کرتے تو
اپنے پیروں میں کالا اور سفید دھاگہ باندھ لیتے اور رات کو جب تک وہ دھاگے صاف دکھائی نہ دیتے اس وقت
تک کھاتے پیتے رہے، پھر اس کے بعد پھر اللہ تعالیٰ نے ﴿مِنَ الْفَجْرِ﴾ کے الفاظ نازل فرمائے تو سب کو معلوم
ہوا کہ مراد رات اور دن ہیں۔

(۲۹) باب: ﴿وَلَيْسَ الْبِرُّ أَنْ تَأْتُوا الْبُيُوتَ مِنْ ظُهُورِهَا وَلَكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقَى﴾

وَأَتُوا الْبُيُوتَ مِنْ أَسْوَاقِهَا ﴿۱۸۹﴾

باب: ”اور نیکی یہ نہیں کہ گھروں میں آؤ ان کی پشت کی طرف سے اور لیکن نیکی یہ ہے کہ جو کوئی

ڈرے اللہ سے اور گھروں میں آئے دروازوں سے۔“

۳۵۱۲۔ حدثنا عبد الله بن موسى، عن اسرئيل، عن ابي اسحاق، عن البراء قال:

كانوا اذا احرموا في الجاهلية اتوا البيوت من ظهورها، فانزل الله تعالى ﴿وَلَيْسَ الْبِرُّ أَنْ تَأْتُوا
الْبُيُوتَ مِنْ ظُهُورِهَا وَلَكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقَى وَأَتُوا الْبُيُوتَ مِنْ أَسْوَاقِهَا﴾ [راجع: ۱۸۰۳]

ترجمہ: حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ جاہلیت کے زمانے میں جب لوگ احرام کی حالت
میں اپنے گھر آتے تو مکان کی پشت کی طرف سے آتے تھے، اس کیلئے اللہ ﷻ نے اس پر یہ آیت کو نازل فرمائی
﴿وَلَيْسَ الْبِرُّ أَنْ تَأْتُوا الْبُيُوتَ الْخَيْطِ﴾۔

جاہلیت کے طریقوں پر تنبیہ

جاہلیت کے زمانے میں اہل عرب کا دستور و طریقہ تھا کہ جب حج کا احرام باندھ لیتے تو پھر گھر میں

داخل نہ ہوتے، اگر جانا پڑ جاتا تو گھر کے پچھلی جانب سے دیوار پھانڈ کر یا چھت پر چڑھ کر گھر میں داخل ہوتے تھے، اور اس کو نیکی شمار کرتے تھے۔

اس آیت میں اس دستور و رواج پر تنبیہ فرمادی کہ ان رسوم پر عمل کر کے کوئی نیکی نہیں ہے، بلکہ اصل نیکی اللہ کے احکامات پر عمل کرنے سے حاصل ہوتی ہے۔

اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اپنی طرف سے کسی جائز اور مباح امر کو نیکی بنا لینا اور دین میں داخل کر لینا مذموم اور ممنوع ہے، جس سے بہت سی باتوں کا بدعت و مذموم اور غلو فی الدین ہونا معلوم ہو گیا۔

(۳۰) باب قوله: ﴿وَقَالُوا هُمْ حَتَّىٰ لَا تَكُونَ فِتْنَةً وَيَكُونَ الدِّينُ لِلَّهِ فَإِنِ انْتَهَوْا فَلَا

عُدْوَانَ إِلَّا عَلَى الظَّالِمِينَ﴾ [۱۹۳]

اس ارشاد کا بیان کہ: ”اور ان سے لڑتے رہو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے، اور دین اللہ کا ہو جائے، پھر اگر وہ باز آجائیں تو (سمجھ لو کہ) تشدد سوائے ظالموں کے کسی پر نہیں ہونا چاہئے۔“

۳۵۱۳ - حدیثی محمد بن بشار: حدیثنا عبد الوہاب: حدیثنا عبد اللہ، عن نافع، عن

بن عمر رضی اللہ عنہما: اناہ رجلان فی فتنۃ ابن الزہیر فقالا: إن الناس قد ضیعوا وأنت ابن عمر وصاحب النبی ﷺ فما یمنعک أن تخرج؟ فقال: یمنعنی أن اللہ حرم دم أخی، قال: ألم یقل اللہ: ﴿وَقَالُوا هُمْ حَتَّىٰ لَا تَكُونَ فِتْنَةً﴾؟ فقال: قاتلنا حتی لم تکن فتنۃ وکان الدین لله، و انعم یریدون أن یقاتلوا حتی تكون فتنۃ و یکون الدین لله. [راجع: ۳۱۳۰]

ترجمہ: حضرت نافع رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے کہ ابن زبیر رضی اللہ عنہما کے فتنہ کے زمانہ میں دو آدمی آئے اور کہنے لگے کہ آپ دیکھ رہے ہیں کہ لوگوں میں کیسا فتنہ و فساد برپا ہے، آپ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے اور صحابی رسول ﷺ ہیں، کیا چیز مانع ہے کہ آپ اس وقت کیوں نہیں اٹھتے اور اس فتنہ و فساد کو کیوں نہیں روکتے؟ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ میں اس لئے خاموش ہوں کہ اللہ نے مسلمان کو مسلمان کا خون کرنے سے منع فرمایا ہے۔ وہ کہنے لگے کیا اللہ نے یہ نہیں فرمایا کہ ﴿وَقَالُوا هُمْ حَتَّىٰ لَا تَكُونَ فِتْنَةً﴾ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ یہ کام ہم نے قاتل کیا یہاں تک کہ فتنہ باقی نہیں رہا اور دین خالص اللہ کے لئے ہو گیا، لیکن اب تم لوگ چاہتے ہو کہ جنگ ہوتا کہ فتنہ بڑھ جائے اور دین غیر اللہ کا ہو جائے۔

پرفتن وقت میں ابن عمر رضی اللہ عنہما کی احتیاط

حضرت نافع رحمہ اللہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کر رہے ہیں کہ ”اے ابیہرجلان فی فتنۃ ابن الزہیر“ ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے فتنے کے زمانے میں یعنی جب حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے خلاف حجاج بن یوسف نے عبد الملک بن مروان کے حکم پر مکہ مکرمہ پر لشکر کشی کی اور ان کا محاصرہ کیا تھا تو اس وقت حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے پاس دو آدمی، جن کے نام علاء بن عطاء اور حبان تھے، آئے۔ اے۔

اور انہوں نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے کہا کہ ”ان الناس قد ضیعوا“ لوگ ضائع ہو رہے ہیں یعنی اس فتنہ کی وجہ سے لوگ مر رہے ہیں، ”والت ابن عمر وصاحب النبی ﷺ لما یمنعک ان تخرج؟“ آپ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے ہیں اور نبی کریم ﷺ کے صحابی ہیں تو آپ کو کون سی بات مانع ہے کہ آپ اس فتنہ کے خلاف نہیں نکلتے یعنی اس فتنے کے خلاف جہاد کیوں نہیں کرتے؟

ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ”یمنعنی ان اللہ حرم دم اخی“ مجھے اس بات نے روک رکھا ہے کہ اللہ ﷻ نے میرے بھائی کا خون مجھ پر حرام کر دیا ہے یعنی کسی مسلمان کو قتل کرنے سے منع کیا ہے تو اس وجہ سے میں اس معاملے میں تلوار اٹھانا نہیں چاہتا۔

پھر ان دونوں نے کہا کہ ”الم یقل اللہ: ﴿وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ﴾؟“ کیا اللہ ﷻ نے یہ حکم نہیں دیا ہے کہ اور ان سے لڑتے رہو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے؟

تو حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ”قاتلنا حتی لم تکن فتنۃ وکان الدین للہ“ ہم آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں اس آیت کے حکم کے مشرکین سے جہاد و قتال کرتے رہے، یہاں تک کہ فتنہ باقی نہیں رہا یعنی شرک کا فتنہ ختم ہو گیا اور اللہ تعالیٰ کا دین غالب ہو گیا۔

”وأنتم لریدون أن تقاتلوا حتی تكون فتنۃ“ لیکن اب تم لوگ چاہتے ہو کہ جنگ ہو یعنی مسلمان آپس میں ایک دوسرے کے خلاف جنگ کریں یہاں تک فتنہ بڑھ جائے ”ویكون الدین للہ“ اور دین غیر اللہ کا ہو جائے یعنی آپس کی لڑائیوں کی وجہ سے مسلمان کمزور ہو جائیں اور کافروں کا غلبہ ہو جائے۔

اے قولہ: ((رجلان))، أحدهما: العلاء بن عرار، بالهملات والأولى مكسورة،... والآخر: حبان، بكسر الخاء

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور مشاجرات صحابہ

اصل میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا مسلک مشاجرات صحابہ ﷺ کے دوران یہ تھا کہ کسی فریق کا ساتھ نہیں دیا بلکہ فتنے سے کنارہ کش رہے، جیسا کہ آپ کو معلوم ہے اس وقت صحابہ ﷺ کے تین فریق تھے۔

(۱)..... بعض صحابہ کرام ﷺ نے ایک فریق کا ساتھ دیا۔

(۲)..... بعض صحابہ کرام ﷺ نے دوسرے فریق کا ساتھ دیا۔

اور

(۳)..... بعض صحابہ کرام ﷺ بالکل کنارہ کش رہے، جن پر حق واضح نہیں ہوا وہ کنارہ کش رہے۔

فتنہ کے عالم میں یہی حکم بھی ہے کہ اگر مختلف مسلمانوں کے درمیان آپس میں لڑائی ہو رہی ہو تو جس کے اوپر یہ واضح ہو جائے کہ حق فلاں کے ساتھ ہے، تو اس کو چاہئے کہ اسکی معاونت کرے اور اگر کسی پر حق واضح نہیں تو وہ کنارہ کش رہے، یہی حکم ہے۔

اب وہ شخص جس پر حق واضح ہو گیا ہے کہ حق فلاں کے ساتھ ہے اور وہ اس کا ساتھ دے رہا ہے تو اس کو یہ نہیں کرنا چاہئے کہ اس شخص کو مجبور کرے جن پر حق واضح نہیں ہوا۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما انہیں حضرات میں سے تھے جو اس آپس کے فتنے کے دوران یہ فرماتے تھے کہ بھئی! مسلمانوں کے درمیان خانہ جنگی ہے اور دونوں طرف مسلمان ہی ہیں، ایسی صورت حال میں کسی فریق کا ساتھ نہیں دوں گا، کیونکہ اگر تلوار اٹھاؤں گا تو کسی نہ کسی مسلمان کے گردن پر پڑے گی اور میں مسلمان کا خون اپنے ہاتھ سے نہیں بہانا چاہتا۔

یہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا موقف تھا اور وہ یہ فرماتے تھے کہ اگر کتنا ہی بُرے سے بُرا حکمران آجائے اور مسلط ہو جائے لیکن جب اس کا غلبہ ہو گیا تو اب اس کے خلاف بغاوت نہیں ہوگی، بلکہ اب وہ جس وقت تک کسی گناہ پر مجبور نہ کرے اس وقت تک اس کی اطاعت کی جائے گی۔

چنانچہ اس وقت عبدالملک بن مروان حکمران تھا اور حجاج بن یوسف اس کا گورنر تھا، یہ عام طور سے ایسے لوگ تھے جن کو صحابہ کرام ﷺ ناپسند کرتے تھے۔ مگر یہ مسلط ہو گئے تھے تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ان کا ساتھ دیا اس معنی میں کہ ان کی اطاعت قبول کی اور ان کے خلاف تلوار اٹھانے کا اقدام نہیں کیا۔

وہ یہ فرماتے تھے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے یہ نصیحت فرمائی ہے کہ:

امیر کی بات سنو اور اطاعت کرو، چاہے وہ امیر کئے ہوئے اعضاء والا حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو۔

یعنی اگر تمہارے اوپر بد صورت جہشی مظلوم بھی امیر بنا دیا جائے تو تم ان کی اطاعت کرنا تو میں ان کے خلاف تلوار نہیں اٹھاؤں گا۔ ۶۲ ۶۳

ایسے مواقع پر جو جو شیعے لوگ ہوتے ہیں وہ ایسے آدمی کو پریشان کرتے ہیں، تنگ کرتے ہیں کہ دیکھیں ایک معمولی آدمی آکر حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جیسے انسان کو، جس نے حضور اکرم ﷺ کے ساتھ مشرکین کے خلاف جہاد کیا، ان کو جہاد کا درس دے رہے ہیں، ابھار رہے ہیں کہ ﴿وَلَا يَلْبُؤُهُمْ حَتَّىٰ لَا تَكُونَ فِتْنَةً﴾ اس آیتِ قرآن پر عمل کرو۔ جو جو شیعے لوگ ہوتے ہیں وہ ایسے مواقع پر معتدل المزاج لوگوں کو پریشان کیا کرتے ہیں۔ چنانچہ ان پر سختیاں ہوئیں اور لوگوں نے ان کو تنگ کیا اور مطعون کیا، ہتھیں لگائیں کہ یہ تو حکومت کے ساتھ مل گئے ہیں، اس واسطے ان کی بات نہیں ماننی چاہئے۔

یہ سب طعنے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے سہ اور اپنے موقف پر ڈٹے رہے۔

حکیمانہ اصول

اسی واسطے امام زہری رحمہ اللہ کا ایک مقولہ بڑا ہی حکیمانہ ہے، جب میں نے پہلی بار پڑھا تو واقعی وجد آ گیا، فرماتے ہیں کہ "القلوا بعمر لى السلم و بائنه لى الفتنة" کہ جب امن اور سلامت کی حالت ہو تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اقتداء کرو اور جب فتنے کا زمانہ ہو تو انکے بیٹے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی اقتداء کرو۔ اس لئے ان کا یہ موقف تھا، جب بھی مسلمانوں کے درمیان تلوار چلے تو اس میں اگر کسی کے اوپر حق واضح ہو جاتا ہے کہ فلاں حق پر ہے اور فلاں باطل پر تو جس کو حق پر سمجھتا ہے اس کا ساتھ دے، اس کے ساتھ تعاون کرے اور جس پر حق واضح نہیں ہو وہ خاموش رہے، کسی کا ساتھ نہ دے اور اس معاملے میں دوسرے لوگوں کو مطعون کرنا درست نہیں۔

اسی سے پتہ چلا کہ یہ سیاسی معاملات میں جو لوگوں کے موقف مختلف ہو جاتے ہیں، کسی نے ایک موقف اختیار کیا، کسی نے دوسرا موقف اختیار کر لیا اور دونوں کسی نہ کسی دلیل شرعی کی طرف مستند ہیں، تو ان میں سے کسی کو بھی ملامت نہیں کی جاسکتی اور نہ کسی فریق کو یہ حق حاصل ہے کہ دوسرے کو مجبور کرے کہ میرا موقف کو اختیار کرو۔

۶۲ عن ابی ذرؓ قال: ((ان علیؑ اوصالی ان اسمع وأطیع، وان کان عبداً مجدع الاطراف))، صحیح البخاری،

کتاب الصلاة، باب امامة العبد، رقم: ۶۹۳، وایضاً باب سمع والطاعة، رقم: ۷۱۳۲، و صحیح مسلم، باب وجوب

طاعة الامراء فی غیر معصية، و تحريمها فی المعصية، رقم: ۱۸۳۷

۶۳ اسلام اور سیاسی نظریات، ص: ۲۳۱

جنگ صفین اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا طرزِ عمل

جنگ صفین کے موقع پر حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان میدان کارزار گرم ہے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ایک گروہ ایک جماعت کے ساتھ اور دوسرا گروہ دوسری جماعت کے ساتھ ہے، لڑائی ہو رہی ہے، باقاعدہ خون ریزی ہو رہی ہے، شام کو جب جنگ ختم ہوئی تو کہتے ہیں کہ ادھر کے صحابہ ادھر کے صحابہ کے ساتھ جا کر ملے، کھانا اکٹھے کھا رہے ہیں اور نماز اکٹھی پڑھ رہے ہیں، صبح کو پھر جنگ کے میدان میں آگئے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کھانا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے لشکر میں جا کر کھاتے اور نماز حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکر میں جا کر پڑھتے تھے۔ کسی نے پوچھا کہ یہ کیا قصہ ہے کہ آپ کھانا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے لشکر میں جا کر کھاتے ہیں اور نماز حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ پڑھتے ہیں؟

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ کھانا وہاں اچھا ہوتا ہے اور نماز یہاں اچھی ہوتی ہے، لہذا دونوں کا حق ادا کر رہا ہوں۔

حقیقت یہ ہے کہ ان حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی یہ باہمی لڑائیاں اقتدار کی خاطر نہیں تھیں، اور نہ ان کا اختلاف آج کی سیاسی پارٹیوں کا سا اختلاف تھا، دونوں فریق دین ہی کی سر بلندی چاہتے تھے، ہر ایک کا دوسرے سے نزاع دین ہی کے تحفظ ہی کے لئے تھا، اور یہ خود ایک دوسرے کے بارے میں یہی جانتے اور سمجھتے تھے کہ ان کا موقف دیا نندارانہ اجتہاد پر مبنی ہے، چنانچہ ہر فریق دوسرے کو رائے اور اجتہاد میں غلطی پر سمجھتا تھا، لیکن کسی کو فاسق قرار نہیں دیتا تھا۔

یہی وجہ ہے کہ شاید دنیا کی تاریخ میں یہی ایک جنگ ہو جس میں دن کے فریقین میں جنگ ہوتی اور رات کے وقت ایک لشکر کے لوگ دوسرے لشکر میں جا کر ان کے مقتولین کی تجہیز و تکفین میں حصہ لیا کرتے تھے۔ ۶۳
حالانکہ اتنا زبردست اختلاف ہے کہ تلوار چل رہی ہے، اس کے باوجود یہ بات ہے کہ دوسرے کے موقف کا احترام کیا جا رہا ہے۔

مشہور محدث و فقیہ حضرت اسحاق بن راہویہ رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جنگ جمل یا صفین کے موقع پر ایک شخص کو سنا کہ وہ (مقابل لشکر والوں کے حق میں) تشدد آمیز باتیں کہہ رہا ہے، اس آپ نے فرمایا کہ ان حضرات کے بارے میں کلمہ خیر کے سوا کوئی بات نہ کہو، دراصل ان حضرات نے یہ سمجھا ہے کہ

ہم نے ان کے خلاف بغاوت کی ہے اور ہم یہ سمجھتے ہیں کہ انہوں نے ہمارے خلاف بغاوت کی ہے، اس بنا پر ہم ان سے لڑتے ہیں۔ ۲۵

ایک اور روایت میں حضرت علیؑ سے اہل جمل کے متعلق پوچھا گیا کہ کیا یہ لوگ جو آپ کے خلاف لڑ رہے ہیں یہ لوگ کافر و منافق ہو گئے ہیں؟ حضرت علیؑ نے فرمایا کہ نہیں! یہ لوگ نہ تو کافر ہیں، نہ منافق ہیں، پوچھا کہ پھر کون ہیں؟ تو حضرت علیؑ نے فرمایا کہ ”اخواننا ہفوا علینا“ یہ ہمارے بھائی ہیں اور ہمارے سے باغی ہو گئے ہیں۔ ۲۶

یہ بڑی اہم بات ہے جس پر حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ ایسے معاملات کے اندر ایسا موقف اختیار کر لینا جس میں کوئی ٹپک نہ ہو۔ جس میں دوسرے آدمی کا کوئی احترام نہ ہو اور اس کو مطعون کرنا ہر حالت میں صحیح طریقہ نہیں ہے۔ یہ صحابہ کرامؓ کا طریقہ نہیں ہے۔

اختلافات صحابہ کرامؓ میں بھی ہوئے لیکن اس کے باوجود انہوں نے ایک دوسرے کے موقف کا احترام کیا۔ لہذا اس میں ضرورت سے زیادہ جذباتی وجوشیلا ہو جانا اور دوسرے کو مطعون کرنا، اس کو طرح طرح کے القاب سے یاد کرنا یا اس کے ایمان پر شک کرنا یا اس کی نیتوں پر حملہ کرنا یہ کسی طرح بھی جائز نہیں۔

۳۵۱۳۔ وزاد عثمان بن صالح، عن ابن وہب قال: أخبرني فلان وحموة بن شريح، عن بكر بن عمرو المعافري: أن بكير بن عبد الله حدثه عن نافع: أن رجلا أتى ابن عمر فقال: يا أبا عبد الرحمن، ما حملت علي أن تحج عاما وتعتز عاما وتترك الجهاد في سبيل الله عز وجل، لقد علمت ما رغب الله فيه؟ قال: يا ابن أخي، بُني الإسلام على خمس: إيمان بالله ورسوله، والصلوات الخمس، وصيام رمضان، وأداء الزكاة وحج البيت. قال: يا أبا عبد الرحمن، ألا تسمع ما ذكر الله في كتابه ﴿وَإِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتُلُوا فَاضْلِحُوا بَيْنَهُمَا فَاَنْ بَغْتِ إِخْدَاهُمَا عَلَي الْأُخْرَى فَلَقَاتِلُوا الَّتِي حَتَّى تَفِيءَ [إلى أمر الله]﴾ [الحجرات: ۹]. ﴿فَلْيَلْزَمُهُمْ حَتَّى

۲۱۔ قال اسحاق بن راهويه: حدثنا أبو نعيم، حدثنا سفیان، عن جعفر بن محمد، عن أبيه، قال: سمع عليؑ يوم غسل أوبرم مصعب رجلاً يملو في القول، فقال: لا تقولوا إلا حبراً، إنما هم قوم زعموا أننا بعنا عليهم، وزعمنا أنهم بعوا علينا فقاتلناهم منهاج السنة النبوية، ج ۵، ص ۲۳۳-۲۳۵

۲۲۔ عن أبي البختري، قال: سئل علي عن أهل الجمل، قال: قبل: أمشركون هم؟ قال: من الشرك فروا، قبل: أمساقون هم؟ قال: إن المنافقين لا يدركون الله إلا قليلاً. قبل: فما هم؟ قبل: أخواننا بفوا علينا. مصنف ابن خزيمة، كتاب الجمل والنصي والحواجر ومسئ الله على سيدنا محمد النبي وآله ر ۳۷۷۲۳

لَا تَكُونُ فِتْنَةً قَالَ: فعلنا على عهد رسول الله ﷺ وكان الاسلام قليلا، فكان الرجل يفتن دينه اما قتلوه واما يعلبوه حتى كثر الاسلام فلم تكن فتنة. [راجع: ۳۱۳۰]

ترجمہ: حضرت نافع رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں کہ ایک آدمی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس آیا اور کہنے لگا اے ابو عبد الرحمن! یہ آپ کو کیا ہوا کہ ایک سال حج کرتے ہیں اور ایک سال عمرہ کرتے ہیں اور جہاد فی سبیل اللہ کو ترک کر دیتے ہیں، حالانکہ آپ کو معلوم ہے کہ اللہ ﷻ نے جہاد کرنے کی رغبت دلائی ہے؟ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ جتنیجے! اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے، اللہ اور اسکے رسول پر ایمان لانا، پانچ وقت کی نماز پڑھنا، رمضان کے روزے رکھنا، زکوٰۃ ادا کرنا، (صاحب حیثیت ہونے پر) حج بیت اللہ کا فریضہ ادا کرنا۔ اُس آدمی نے کہا کہ کیا آپ نے اللہ ﷻ کا یہ حکم نہیں سنا کہ

﴿وَإِنْ طَالَفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ فَاصْلِحُوا
بَيْنَهُمَا فَإِنْ بَغْتِ إِحْدَاهُمَا عَلَى الْأُخْرَى فَقَاتِلُوا
الْبِغْيَ حَتَّى تَفِيءَ إِلَى أَمْرِ اللَّهِ﴾

ترجمہ: اور اگر مسلمانوں کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو اُن کے درمیان صلح کراؤ۔ پھر اگر اُن میں سے ایک گروہ دوسرے کے ساتھ زیادتی کرے تو اُس گروہ سے لڑو جو زیادتی کر رہا ہو، یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئے۔ ۷۱

۷۱ اول مسلمانوں میں نزاع و اختلاف کو روکنے کی تدابیر بتلائی تھیں، پھر بتایا گیا کہ اگر اتفاقاً اختلاف رونما ہو جائے تو پر زور اور مؤثر طریقہ سے اس کو مٹایا جائے لیکن جب تک نزاع کا خاتمہ نہ ہو کوشش ہونی چاہیے کہ کم از کم جذبات منافرت و مخالفت زیادہ تیز اور مشتعل ہونے پائیں، عموماً صحابہ جاتا ہے کہ جہاں دو شخصوں یا دو جماعتوں میں اختلاف رونما ہوا پس ایک دوسرے کا تسخیر اور استہزاء کرنے لگتا ہے۔ ذرا سی بات لگ گئی اور لمبی مذاق اڑانا شروع کر دیا، حالانکہ اسے معلوم نہیں کہ شاید جس کا مذاق اڑا رہا ہے، وہ اللہ کے نزدیک اس سے بہتر ہو، بلکہ بس اوقات یہ خود بھی اختلاف سے پہلے اس کو بہتر سمجھتا ہوتا ہے۔ مگر ضد و نفاسیت میں دوسرے کی آنکھ کا تنکا نظر آتا ہے اپنی آنکھ کا شہتر نظر نہیں آتا۔

اس طریقہ سے نفرت و عداوت کی ظلیج روز بروز وسیع ہوتی رہتی ہے۔ اور قلوب میں اس قدر رعبد ہو جاتا ہے کہ صلح و اختلاف کی کوئی امید باقی نہیں رہتی، آہ عدا میں خداوند قدوس نے اسی قسم کی باتوں سے منع فرمایا ہے، یعنی ایک جماعت دوسری جماعت کے ساتھ نہ سخر اپن کرے نہ ایک دوسرے پر آوز یں کے جائیں اور نہ برے ناموں اور برے القاب سے لریق مقابل کو یاد کیا جائے، کیونکہ ان باتوں سے دشمنی اور نفرت میں ترقی ہوتی اور فتنہ و فساد کی آگ تیزی سے پھیلتی ہے۔ سبحان اللہ! کیسی بیش بہا ہدایات ہیں۔ آج اگر مسلمان سمجھیں تو ان کے سب سے برے مرض کا مکمل علاج اسی ایک سورہ حجرات میں موجود ہے۔ تفسیر صفائی، سورہ حجرات۔

اور اسی طرح یہ فرمان کہ ﴿لَا يَلْزَمُهُمْ حَتَّىٰ لَا يَكُونُوا لِفِتْنَةٍ﴾

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ہم زمانہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں یہ کام کر چکے ہیں حالانکہ اس وقت اسلام (مسلمان) بہت قلیل تھا اور آدمی اپنے دین کے بارے میں فتنے میں مبتلا کر دیا جاتا تھا، یا تو لوگ اس کو قتل کر ڈالتے تھے، یا تو اس کو سخت تکالیف اور اذیت پہنچاتے، یہاں تک کہ اسلام بڑھ چکا (یعنی مسلمانوں کی تعداد بڑھ گئی اور وہ طاقت میں آگئے)، اس لئے اب وہ فتنہ ختم ہو گیا۔

۴۵۱۵۔ قال: لما قولك لي علي وعثمان؟ قال: اما عثمان فكان الله عفا عنه، واما انعم لكرهتم ان يعطوه عنه. واما علي فابن عم رسول الله ﷺ وخنته، واهار بيده فقال: هذا بيته حيث ترون. [راجع: ۸]

ترجمہ: اس آدمی نے پھر کہا کہ عثمان اور علی رضی اللہ عنہما کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے؟ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے جواب دیا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قصور کو اللہ نے معاف فرما دیا تھا، مگر تم لوگ تو نہیں چاہتے کہ ان کو معاف کیا جائے، اور جہاں تک بات ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تو وہ رسول اللہ ﷺ کے چچا زاد بھائی اور داماد ہیں۔ اور ہاتھ سے اشارہ کر کے فرمایا کہ یہ ان کا گھر ہے جو تم سامنے دیکھ رہے ہو۔

عثمان و علی رضی اللہ عنہما کا دفاع

پھر اس شخص نے عثمان اور علی رضی اللہ عنہما کے متعلق سوال کیا کہ ”لما قولك لي علي وعثمان؟“ اچھا یہ تو فرمائیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں آپ کی کیا رائے اور خیال ہے؟ کیونکہ یہ شخص خارجی تھا جو کہ عثمان رضی اللہ عنہ اور علی رضی اللہ عنہ کے خلاف تھا، اس لئے بد نیتی کی وجہ سے یہ سوال کیا۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے جواب دیا کہ ”اما عثمان فكان الله عفا عنه“ جہاں تک بات ہے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں تو ان کے قصور کو اللہ ﷻ نے معاف فرما دیا ہے، ”واما انعم لكرهتم ان يعطوه عنه“ مگر تم لوگوں نے اس بات کو برا سمجھا کہ اللہ ﷻ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو معاف کر دیا یعنی اللہ نے تو ان کی معافی کا اعلان کر دیا لیکن تم لوگوں نے ان کو معاف نہیں کیا اور انکے اوپر چڑھ دوڑے اور شہید کر ڈالا۔ اور جہاں تک بات ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تو ”فابن عم رسول الله ﷺ وخنته“ حضرت علی رضی اللہ عنہ تو رسول اللہ ﷺ کے چچا زاد بھائی اور داماد ہیں، پھر حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنے ہاتھ سے اشارہ کر کے فرمایا کہ ”هذا بيته حيث ترون“ یہ ان کا گھر تم سامنے دیکھ رہے ہو، ان کے لئے کچھ کہنے کی گنجائش ہی نہیں ہے، ابن عمر رضی اللہ عنہما کا مقصد قرہی رشتہ داری کے ساتھ ساتھ گھر قریب ہونے کا بھی بتانا مقصد تھا۔

مخاطب و تصویب راہِ مستقیم

مطلب یہ ہے کہ بظاہر تو دو الگ الگ فریق ہیں یعنی شیعان عثمان و شیعان علی رضی اللہ عنہما، لیکن حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے دونوں کی فضیلت بیان فرمائی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بھی قابلِ صدا احترام ہیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی قابلِ صدا احترام ہیں۔ لہذا میں ان میں سے کسی کو بھی غلط نہیں سمجھتا ہوں اور میں ان کے بارے میں کوئی ایسا کلمہ تکفیر نہیں کہنا چاہتا کہ جس سے ان کی شان میں کوئی ادنیٰ سی گستاخی بھی لازم آئے۔

علمائے اہل سنت کا یہی موقف ہے کہ کسی بھی صحابی کے شان میں ادنیٰ گستاخی کا کلمہ بھی نہ کہا جائے۔

سوال: مشاجراتِ صحابہ میں اہل سنت و الجماعت کا اصل مسلک توقف ہے یا تخطیہ اور تصویب؟

جواب: بات یہ ہے کہ اس حد تک تصویب اور تخطیہ علمائے اہل سنت و الجماعت کا مسلک ہے کہ جس

سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت راشدہ پر حرف نہ آئے۔

اس پر امت کا اجماع ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ خلیفہ راشد تھے اور خلیفہ راشد ہونے کی وجہ سے علمائے اہل سنت کا مسلک یہ ہے کہ وہ حق پر تھے اور ان کے مخالفین سے اجتہادی خطا ہوئی تھی، لیکن اگر کوئی شخص حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت راشدہ کا انکار کئے بغیر توقف اختیار کرے تو علمائے اہل سنت کے مسلک میں اسکی بھی گنجائش ہے۔

مشاجراتِ صحابہ کے بارے میں کسی نے امیر المؤمنین حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ سے انکی رائے

پوچھی تو انہوں نے فرمایا کہ "سَلِّكْ دِمَاءَ طَهْرًا اللَّهُ مَعَهَا يَدِي فَلَا أَحَبُّ أَنْ أُخَضَّبَ بِهَا لِسَانِي" جب اللہ نے ہمارے ہاتھوں یعنی ہماری تلواروں کو ان حضرات کے پاکیزہ خون میں ملوث ہونے سے محفوظ رکھا تو میں اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ اس معاملہ میں اپنی زبانوں کو خراب کریں۔ ۶۸

اگر کوئی شخص یہ کہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت راشدہ مسلم ہے، البتہ اس خاص معاملے میں جو حضرت

علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان پیش آیا اس میں کون "أَقْرَبُ إِلَى الْحَقِّ" تھا؟ اس معاملے میں

توقف کرتا ہوں، تو علماء اہل سنت کے مسلک میں اسکی بھی گنجائش ہے، لیکن اسکی گنجائش نہیں ہے کہ کوئی شخص

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت راشدہ پر شک کرے اور کہے کہ ان کی خلافت راشدہ مشکوک ہے کیونکہ ساری امت کا

اس پر اجماع ہے کہ وہ خلیفہ راشد تھے۔

۶۸ منهاج السنة النبوية، باب: الرد على قول الرافضيان ابن مسعود و كان يظن على عثمان ويكرهه رضي الله

عنهما، ج ۱ ص ۲۵۳، و التدوين في أخبار قزوين، باب: حروف الألف في آياتهم، ج ۱ ص ۱۹۲

(۳۱) باب قوله: ﴿وَأَنْفِقُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ

وَأَخْسِنُوا إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ﴾ [۱۹۵]

اس ارشاد کا بیان کہ: ”اور اللہ کے راستے میں مال خرچ کرو، اور اپنے آپ کو خود اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ ڈالو، اور نیکی اختیار کرو۔ بیشک اللہ نیکی کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔“

دشمن سے دفاع کی تیاری نہ کرنا ہلاکت کا ذریعہ

اشارہ یہ ہے کہ گرم نے جہاد میں خرچ کرنے سے بخل سے کام لیا اور اس کی وجہ سے جہاد کے مقاصد حاصل نہ ہو سکے تو یہ اپنے پاؤں پر خود کھپاڑی مارنے کے مرادف ہوگا، کیونکہ اس کے نتیجے میں دشمن مضبوط ہو کر تمہاری ہلاکت کا سبب بنے گا۔

”وَلَا تُلْقُوا“ کے لفظی معنی تو ظاہر ہیں کہ اپنے اختیار سے اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنے کی ممانعت بیان فرمائی ہے، اب یہ ہلاکت میں ڈالنے سے اس جگہ کیا مراد ہے؟ اس میں مفسرین کے مختلف اقوال ہیں: امام جصاص رازی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ان سب اقوال میں کوئی تضاد نہیں، سب ہی مراد ہو سکتے ہیں۔ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ آیت ہمارے ہی بارے میں نازل ہوئی ہے، ہم اس کی تفسیر کو بخوبی جانتے ہیں، بات یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اسلام کو غلبہ اور قوت عطاء فرمادیا تو ہم میں یہ گفتگو ہوئی کہ اب جہاد کی کیا ضرورت ہے، ہم اپنے وطن میں ٹھہر کر اپنے مال و جائداد کی خبر گیری کریں، اس پر یہ آیت نازل ہوئی، جس نے یہ بتلادیا کہ ہلاکت سے مراد اس جگہ ترک جہاد ہے۔

بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے میں حد سے زیادہ تجاوز کرنا کہ بیوی، بچوں کے حقوق ضائع ہو جائیں، یہ اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا ہے، ایسا اسراف جائز نہیں ہے۔

بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ ایسی صورت میں قتال کیلئے اقدام کرنا اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا ہے، جبکہ یہ اندازہ ظاہر ہے کہ دشمن کا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے، خود ہلاک ہو جائیں گے، ایسی صورت میں اقدام قتال اس آیت کی بناء پر ناجائز ہے۔ ۶۹

التہلکة والہلاک واحد.

ترجمہ: "التہلکة" اور "ہلاک" کے ایک ہی معنی ہیں یعنی ہلاکت، بربادی۔

۴۵۱۶۔ حدیثی اسحاق: حدیثنا النضر: حدیثنا شعبۃ، عن سلیمان قال: سمعت ابا

وائل: عن حذیفۃ: ﴿وَأَنْفِقُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ﴾ قال: نزلت فی النفقة.

ترجمہ: حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت ﴿وَأَنْفِقُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ﴾ اللہ کے راستے میں خرچ کرنے کے متعلق اتاری گئی ہے۔

اگلے ابواب کے متعلق تمہید

یہاں سے حج کا بیان شروع ہو رہا ہے، حج کا تعلق چونکہ مکہ مکرمہ اور بیت اللہ یعنی کعبہ سے ہے اس لئے اس کے متعلق کچھ مسائل تو قبلہ کے بیان میں ضمنی طور پر سورۃ البقرۃ کی آیات ۱۲۵ سے ۱۲۸ میں ذکر کئے گئے ہیں۔ پھر بحث قبلہ کے اختتام پر ایک آیت ۱۵۸ میں صفا و مروہ کے درمیان سعی کرنے کا حکم بھی ضمنی طور پر بیان ہو چکا ہے۔

اب آیت ۱۹۶ سے آیت ۲۰۳ تک آٹھ آیات، مسلسل حج و عمرہ کے احکام و مسائل کے متعلق ہیں۔

(۳۲) باب قوله تعالى: ﴿فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيضًا أَوْ بِهِ أَذًى مِنْ رَأْسِهِ﴾ [۱۹۶]

اللہ تعالیٰ کے ارشاد کا بیان کہ: "ہاں اگر تم میں سے کوئی شخص بیمار ہو یا اس کے سر میں کوئی

تکلیف ہو۔"

۴۵۱۷۔ حدیثنا آدم: حدیثنا شعبۃ، عن عبدالرحمن بن الأصبهانی قال: سمعت

عبداللہ بن معقل قال: قعدت ألی کعب بن عجرۃ فی هذا المسجد، یعنی مسجد الکوفۃ،

فسألته عن: فدیۃ من صیام لقال: حملت الی النبی ﷺ والقمل ینتال علی وجہی لقال:

((ما كنت أرى أن الجهد قد بلغ بك هذا، أما تجد شاة؟)) قلت: لا، قال: ((صم ثلاثة

ایام، أو اطعم سنة مساکین لكل مسکین نصف صاع من طعام، وأحلق رأسک)). فنزلت

فی خاصة وهی لكم عامة. [راجع: ۱۸۱۳]

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن معقل رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں کوفہ کی مسجد میں حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ کے

ہمراہ بیٹھا ہوا تھا میں نے ان سے روزہ کے فدیہ کے متعلق دریافت کیا، تو انہوں نے فرمایا کہ مجھے لوگوں نے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں پیش کیا، اس وقت سر سے جوئیں میرے چہرہ پر گر رہی تھیں۔ آپ ﷺ نے مجھے دیکھ کر فرمایا کہ میں نہیں سمجھتا تم اس حد تک تکلیف میں مبتلا ہو گئے ہو، کیا تمہارے پاس کوئی بکری نہیں ہے؟ میں نے عرض کیا نہیں، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اچھا تین روزے رکھ لو یا چھ مساکین کو کھانا کھلا دو کہ ہر مسکین کو نصف صاع اناج کامل جائے اور اپنے سر کو منڈا دو۔ حضرت کعب بن عجرہ ؓ کہتے ہیں کہ یہ آیت خاص میرے لئے نازل ہوئی تھی، مگر اس کا حکم تم سب لوگوں کیلئے یکساں عام ہے۔

حالتِ احرام میں بیماری کی وجہ سے سر منڈانے کا حکم

﴿لَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيضًا أَوْ بِهِ آذَى مِنْ رَأْسِهِ﴾ احرام کی حالت میں سر منڈانا جائز نہیں ہوتا، لیکن اگر کسی شخص کو بیماری یا تکلیف کی وجہ سے سر منڈانا پڑ جائے تو اسکو یہ فدیہ دینا ہوگا جو اس آیت میں ذکر ہے۔ تفصیل حضرت کعب بن عجرہ ؓ بیان فرما رہے ہیں کہ "حملت الی النبی ﷺ والقمل بتاتلو علی وجہی" حج کے موقع پر مجھے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں لیجا یا گیا اور اس وقت میرے سر سے جوئیں میرے چہرہ پر گر رہی تھیں۔

نبی کریم ﷺ نے ان کی یہ حالت دیکھ کر فرمایا کہ "ما كنت اری ان الجهد قد بلغ بك هذا" مجھے اس بات کا اندازہ نہیں تھا کہ تم اس حد تک تکلیف میں پہنچ گئے ہو۔ پھر آپ ﷺ نے حضرت کعب ؓ سے دریافت کیا کہ "اما نجد شاة؟" کیا تمہارے پاس کوئی بکری نہیں ہے؟

حضرت کعب ؓ نے جواب دیا کہ نہیں میرے پاس بکری نہیں ہے۔

پھر نبی ﷺ نے حضرت کعب ؓ سے فرمایا کہ "صم ثلاثة ايام" اچھا تم تین دن روزے رکھ لو۔ "او اطعم ستة مساکین لكل مسکین نصف صاع من طعام" یا چھ مساکین کو کھانا کھلا دو کہ ہر مسکین کو نصف صاع اناج کامل جائے یعنی صدقۃ الفطر کے برابر صدقہ کیا جائے۔

"واخلق رأسک" اور اپنے سر کو منڈا دو تا کہ تم اس تکلیف سے نجات حاصل کر سکو۔

پھر حضرت کعب بن عجرہ ؓ نے فرمایا کہ "لنزلت لی خاصة وهي لكم عامة" مذکورہ آیت خاص میرے بارے میں نازل ہوئی تھی، لیکن اب اس کا حکم تم سب لوگوں یعنی تمام مسلمانوں کے حق میں یکساں عام ہے، ہر ایک اس پر عمل کر سکتا ہے۔

(۳۳) باب: ﴿فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ إِلَى الْحَجِّ﴾ [۱۹۶]

باب: ”تو جو شخص حج کے ساتھ عمرے کا فائدہ بھی اٹھائے“۔ ۷۰

۴۵۱۸۔ حدثنا مسدد: حدثنا يحيى، عن عمران أبي بكر: حدثنا أبو رجاء، عن عمران بن حصين رضي الله عنه قال: نزلت آية المتعة في كتاب الله ففعلناها مع رسول الله صلى الله عليه وسلم ولم ينزل قرآن يحرمه ولم ينه عنها حتى مات، قال رجل برأيه ما شاء. قال محمد بن يعقوب: قال محمد بن يعقوب: [راجع: ۱۵۷۱]

ترجمہ: عمران بن حصین رضي الله عنه نے بیان کیا کہ جب تمتع کی آیت نازل ہوئی تو ہم نے رسول اللہ صلى الله عليه وسلم کے ہمراہ حج تمتع ادا کیا، پھر اسکے بعد ایسی کوئی آیت نہیں آئی جسکی رو سے تمتع سے منع کیا گیا ہو، اور نہ ہی تمتع سے رسول اللہ صلى الله عليه وسلم نے منع فرمایا یہاں تک کہ آپ دنیا سے تشریف لے گئے، یہ تو صرف ایک شخص ہیں جو اپنی رائے علیحدہ رکھتے ہیں۔ محمد فرماتے ہیں کہ یہاں حضرت عمر رضي الله عنه مراد ہیں۔

حضرت عمر رضي الله عنه کی تمتع سے منع کرنے کی حکمت

”نزلت آية المتعة في كتاب الله الخ“ حضرت عمران بن حصین رضي الله عنه اس حدیث میں حج تمتع کا ذکر کر رہے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو ہم نے نبی کریم صلى الله عليه وسلم کے ہمراہ حج تمتع کیا، اور آنحضرت صلى الله عليه وسلم کی وفات تک ہم حج تمتع کرتے رہے اور اس وقت تمتع کی ممانعت میں کوئی آیت بھی نازل نہیں ہوئی۔

پھر کہا کہ ”قال رجل برأيه ما شاء“ صرف ایک شخص ہیں جو اپنی رائے علیحدہ رکھتے ہیں حج تمتع نہیں کرنا چاہتے، اور منع کرنے والے شخص سے مراد حضرت عمر رضي الله عنه ہیں، کیونکہ وہ حج تمتع کرنے سے منع کرتے تھے۔

۷۰۔ یعنی جو محرم کہ دشمن کی طرف سے اور مرض سے مطمئن ہو خواہ اس کو کسی قسم کا اندیشہ پیش ہی نہ آیا یا دشمن کا خوف یا بیماری کا کھلا پیش تو آیا مگر جلد زائل ہو گیا احرام حج و عمرہ میں اس سے ظل نہ آنے پایا تو اس کو دیکھنا چاہئے کہ اس نے حج اور عمرہ دونوں ادا کئے، یعنی قرآن یا تمتع کیا افراد نہیں کیا تو اس پر قربانی ایک بکرا، یا ساتواں حصہ اونٹ کا یا گائے کا لازم ہے، اس کو دم قرآن اور دم تمتع کہتے ہیں۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اس دم شکر کہتے ہیں اور اس کو اس میں سے کھانے کی اجازت دیتے ہیں۔ امام شافعی رحمہ اللہ اس کو دم جبر کہتے ہیں اور قربانی کرنے والے کو اس میں سے کھانے کی اجازت بھی نہیں دیتے۔ تفسیر حاشی، سورہ بقرہ: ۱۹۶، فائدہ: ۲۰۔

حضرت عمرؓ کیوں حج تمتع ادا کرنے سے منع کرتے تھے اس کی دو توجیہات ہیں:
 پہلی توجیہ حضرت عمرؓ اس معنی میں منع نہیں کرتے تھے کہ تمتع ناجائز ہے بلکہ ان کا منشا یہ تھا کہ اگر آدمی حج اور عمرہ دونوں کیلئے مستقلاً الگ الگ سفر کرے تو یہ اس کی بہ نسبت زیادہ بہتر ہے کہ ایک ہی سفر میں دونوں کو جمع کرے، یعنی ایک سفر حج کیلئے اور دوسرا سفر عمرہ کیلئے۔

کیونکہ حج اور عمرہ کو الگ الگ بیان کیا ہے "وَابْتِئُوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلَّهِ"۔
 اور اگر حضور ﷺ کے زمانہ میں ایسا کیا گیا تو وہ ایک خاص عارض کی وجہ سے کیا گیا کہ جاہلیت کے عقیدہ باطلہ کو زائل کرنا تھا، ورنہ عام حالت میں یہی افضل ہے۔

دوسری توجیہ یہ ہے کہ انہوں نے تمتع بالمعنی الاصطلاحی سے منع نہیں فرمایا بلکہ "لِسَخِّ الْحَجِّ الْمَعْمُورَةِ" سے منع فرمایا ہے یعنی اگر کوئی شخص حج افراد کا احرام باندھ کر آیا اب بعد میں اس احرام کو تبدیل کر کے عمرہ کا احرام بنانا چاہتا ہے تو اس سے منع فرمایا، کیونکہ یہ نبی کریم ﷺ کے ساتھ خاص تھا جو کہ ایک عارض کی وجہ سے ہوا تھا، اگر عام حالات میں کوئی شخص افراد کا احرام باندھ کر گیا تو اسے ضروری ہے کہ حج پورا کرے پھر حلال ہو، اس کو عمرہ میں تبدیل کرنا جائز نہیں۔ اے

(۳۴) باب: ﴿لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَبْتَغُوا فَضْلًا مِنْ رَبِّكُمْ﴾ [۱۹۸]

باب: "حج کے زمانہ میں تم پر کوئی گناہ نہیں کہ اپنے رب کا فضل تلاش کرو"۔

زمانہ جاہلیت کی تمام بیہودہ رسموں کا قلع قمع

زمانہ جاہلیت میں اہل عرب نے جس طرح تمام عبادات و معاملات کو سخ کر کے طرح طرح کی بیہودہ رسمیں ان میں شامل کر دی تھیں اور عبادات کو بھی کھیل تماشہ بنا دیا تھا، اسی طرح افعال حج میں طرح طرح کی بیہودگیاں کرتے تھے، منی کے عظیم اجتماع میں ان کے خاص خاص بازار لگتے تھے، نمائش ہوتی تھی، تجارتوں کے فروغ کے ذرائع لگائے جاتے تھے۔

اسلام آیا اور حج مسلمانوں پر فرض کیا گیا تو ان تمام بیہودہ رسموں کا قلع قمع کیا گیا۔

اے مزید تفصیل و دلائل کے لئے مراجعت فرمائیں۔ انعام الباری کتاب الحج، باب من اهل فی زمن النبی ﷺ کاہلال النبی ﷺ ج:

صحابہ کرام ﷺ جو اللہ تعالیٰ کی رضا اور رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات پر مٹ جانے والے تھے، اب ان کو خیال ہوا کہ ایام حج میں تجارت کرنا یا مزدوری کر کے کچھ کمالینا یہ بھی جاہلیت کی پیداوار ہے، شاید اسلام میں اس کی مطلقاً حرمت و ممانعت ہو جائے۔

اس آیت نے یہ واضح کر دیا کہ اگر کوئی شخص دوران حج میں کوئی بیع و شراء یا مزدوری کرے جس سے کچھ نفع ہو جائے تو اس میں کوئی گناہ نہیں، ہاں کفار نے جو حج کو تجارت کی منڈی اور نمائش گاہ بنا لیا تھا اس کی اصلاح قرآن نے کر دی کہ جو کچھ کمائیں اس کو اللہ تعالیٰ کا فضل اور عطاء سمجھ کر حاصل کریں اور اس پر شکر گزار ہوں۔ ۲۷

۴۵۱۹۔ حدیثی محمد قال: أخبرنا ابن عیینة، عن عمرو، عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال: كانت عكاظ ومجنة وذوالمجاز أسواقا في الجاهلية فتالموا أن يتجروا في المواسم فنزلت ﴿لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَبْتَغُوا فَضْلًا مِنْ رَبِّكُمْ﴾ في مواسم الحج. [راجع: ۱۷۷۰]

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جاہلیت کے زمانہ میں تین بازار تھے: عكاظ، مجنة، ذوالمجاز۔ حج کے زمانہ میں بھی ان بازاروں میں لوگ تجارت کیا کرتے تھے، مگر مسلمان ہونے کے بعد اس کو معیوب خیال کرتے تھے، چنانچہ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی کہ ﴿لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَبْتَغُوا فَضْلًا مِنْ رَبِّكُمْ﴾ حج کے زمانہ میں تجارت کرنا گناہ نہیں ہے۔

(۳۵) باب: ﴿ثُمَّ أَيْتُوا مِنْ حَيْثُ أَفَاضَ النَّاسُ﴾ [۱۹۹]

باب: ”اس کے علاوہ (یہ بات بھی یاد رکھو کہ) تم اسی جگہ سے روانہ ہو جہاں سے عام لوگ روانہ ہوتے ہیں۔“

جاہلیت میں اہل عرب نے یہ طریقہ مقرر کر رکھا تھا کہ اور تمام انسان تو ۹ رذوالحجہ کو عرفات کے میدان میں وقوف کرتے تھے، مگر قریش اور بعض دوسرے قبائل جو حرم کے قریب رہتے تھے اور ”حمس“ کہلاتے تھے، عرفات میں جانے کے بجائے مزدلفہ میں رہتے تھے، اور وہاں وقوف کرتے تھے، ان کا کہنا یہ تھا کہ ہم حرم کے مجاور ہیں اور عرفات چونکہ حدود حرم سے باہر ہے اس لئے وہاں نہیں جائیں گے۔

نتیجہ یہ کہ عام لوگوں کو نوین تاریخ کا دن عرفات میں گزارنے کے بعد رات کو مزدلفہ کیلئے روانہ ہونا پڑتا تھا، مگر قریش وغیرہ شروع ہی سے مزدلفہ میں ہوتے تھے، اور ان کو عرفات نہیں آنا پڑتا تھا۔ اس آیت نے یہ رسم ختم کر دی، اور قریش کے لوگوں کو بھی یہ حکم دیا کہ وہ عام لوگوں کے ساتھ عرفات میں وقوف کریں، اور انہی کے ساتھ روانہ ہو کر مزدلفہ آئیں۔

۳۵۲۰۔ حدیثنا علی بن عبداللہ: حدیثنا محمد بن حازم: حدیثنا ہشام، عن ابیہ، عن عائشة رضی اللہ عنہا قال: کانت قریش ومن دان دینہا یقفون بالمزدلفۃ وکانوا یسمون الحمس، وکان سائر العرب یقفون بعرفات، فلما جاء الاسلام امر اللہ نبیہ ﷺ ان یاتی عرفات لم یقف بہا لم یفیض منها، فلذلک قوله تعالیٰ: ﴿ثُمَّ الْيُضُّوا مِنْ حَيْثُ الْفَاضِ النَّاسُ﴾. [راجع: ۱۶۶۵]

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ قریش اور ان کے ہم خیال لوگ مزدلفہ میں وقوف کیا کرتے تھے اور انہیں "حمس" کہا جاتا تھا اور عرب کے دوسرے قبائل عرفات میں قیام کرتے تھے۔ اسلام کی آمد کے بعد اللہ ﷻ نے اپنے نبی کریم ﷺ کو حکم دیا کہ سب کو عرفات پہنچ کر وقوف کرنا چاہئے اور واپسی پر مزدلفہ میں ٹھہرے۔ چنانچہ اس آیت ﴿ثُمَّ الْيُضُّوا مِنْ حَيْثُ الْفَاضِ النَّاسُ﴾ کو اسی مقصد کیلئے نازل کیا گیا تھا۔

۳۵۲۱۔ حدیثنا محمد بن ابی بکر: حدیثنا فضیل بن سلیمان: حدیثنا موسیٰ بن عقبہ: أخبرنی کریم، عن ابن عباس قال: یطوف الرجل بالبيت ما كان حلالا حتى یهل بالحج، فاذا ركب الی عرفۃ فمن تیسر له ہدیۃ من الابل أو البقر أو الغنم ما تیسر له من ذلک ای ذلک شاء غیر ان لم یتیسر له فعليه ثلاثة أيام فی الحج وذلک قبل یوم عرفۃ، فان کان آخر یوم من الأيام الثلاثة یوم عرفۃ فلاجناح علیہ، ثم لینتقل حتی یقف بعرفات من صلاة العصر الی أن یكون الظلام ثم لیدفعوا من عرفات فاذا افاضوا منها حتی یبلغوا جمعا الذی یتبرر فیہ، ثم لیدکروا اللہ کثیرا واکثروا التکبیر والتہلیل قبل أن تصبحوا لم یفیضوا فان الناس کانوا یفیضون. وقال اللہ تعالیٰ: ﴿ثُمَّ الْيُضُّوا مِنْ حَيْثُ الْفَاضِ النَّاسُ، وَاسْتَظْفِرُوا اللہَ اِنَّ اللہَ غَفُورٌ رَحِيمٌ﴾ حتی ترموا الجمرة. ۳

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جو شخص عمرہ کر کے احرام اتار دے اور پھر حج کا احرام باندھنے تک بیت اللہ کا طواف کرتا رہے، پھر حج کا احرام باندھ کر عرفات جائے اور جو جانور مل سکے،

اونٹ، گائے یا بکری اس کی قربانی کرے اور جس کے پاس قربانی کی طاقت نہ ہو اسے پر ایام حج سے پہلے تین دن کے روزے رکھنا لازم ہے اور اگر تیسرا روزہ عرفات کے دن آجائے تو کوئی حرج نہیں ہے۔ عرفات میں پہنچ کر عصر کے وقت سے لے کر رات کی تاریکی تک قیام کرے، پھر سب کے ساتھ واپس لوٹے اور پھر سب کے ساتھ مزدلفہ میں رات کو قیام کرے اور پھر زیادہ سے زیادہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرے یا تکبیر و تہلیل کی کثرت کرے صبح ہونے تک، پھر مزدلفہ سے سب کے ہمراہ واپس آجائے، جیسا کہ اللہ ﷻ کا ارشاد ہے ﴿لَمَّ أَفِيضُوا مِنْ حَيْثُ أَفَاضَ النَّاسُ، وَاسْتَغْفِرُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ﴾ پھر شیطان کے کنکریاں مارو۔

(۳۶) باب: ﴿وَمِنْهُمْ مَنْ يَقُولُ رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الآخِرَةِ

حَسَنَةً﴾ [الابۃ: ۲۰۱]

باب: ”اور انہی میں سے وہ بھی ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ: ”اے ہمارے پروردگار! ہمیں دنیا میں بھی بھلائی عطا فرما اور آخرت میں بھلائی عطا فرما“۔

جامع ترین دعاء

یہ دعاء ایک ایسی جامع ہے کہ اس میں انسان کے تمام دنیوی اور دینی مقاصد آجاتے ہیں، دنیا و آخرت دونوں جہانوں میں راحت و سکون میسر آتا ہے، آخر میں خاص طور پر جہنم کی آگ سے پناہ کا بھی ذکر ہے، یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ بکثرت یہ دعاء مانگا کرتے تھے۔

اس آیت میں ان جاہل درویشوں کی بھی اصلاح کی گئی ہے جو صرف آخرت ہی کی دعاء مانگنے کو عبادت جانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمیں دنیا کی کوئی پرواہ نہیں ہے کیونکہ درحقیقت یہ ان کا دعویٰ غلط اور خیال خام ہے، انسان اپنے وجود اور بقاء اور عبادت و طاعت سب میں ضروریات دنیوی کا محتاج ہے، وہ نہ ہوں دین کا بھی کوئی کام کرنا مشکل ہے۔

اسی لئے انبیاء علیہم السلام کی سنت یہ ہے کہ جس طرح وہ آخرت کی بھلائی اور بہتری اللہ تعالیٰ سے مانگتے ہیں، اسی طرح دنیا کی بھلائی اور آسائش بھی طلب کرتے ہیں۔ ۴

۳۵۲۲ - حدثنا أبو معمر: حدثنا عبد الوارث، عن جريج، عن أنس قال: كان النبي ﷺ يقول: ((اللَّهُمَّ رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ)). [الظر: ۶۳۸۹] ۷۵

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہمیشہ اس طرح دعا فرماتے تھے کہ ”اللَّهُمَّ رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ“ اے ہمارے پروردگار! ہمیں دُنیا میں بھی بھلائی عطا فرما اور آخرت میں بھلائی، اور ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچالے۔

(۳۷) باب: ﴿وَهُوَ أَلَدُ الْخِصَامِ﴾ [۲۰۴]

باب: ”حالانکہ وہ (تمہارے) دشمنوں میں سب سے زیادہ کڑھے۔“

آیت کا پس منظر

بعض روایت میں ہے کہ احنس بن شریق نامی ایک شخص مدینہ منورہ آیا تھا، اور اس نے آنحضرت ﷺ کے پاس آکر چکنی چڑھی باتیں کیں اور اللہ کو گواہ بنا کر اپنے ایمان لانے کا اظہار کیا، لیکن جب واپس گیا تو راستے میں مسلمانوں کی کھیتیاں جلا دیں اور ان کے مویشیوں کو ذبح کر ڈالا۔
یہ آیات اس پس منظر میں نازل ہوئی تھی البتہ ہر قسم کے منافقوں پر پوری اترتی ہے۔ ۷۶

۷۵ ولی صحیح مسلم، کتاب الذکی والدعاء والعبوة والاستغفار، باب کراهة اكدعاء بتعجيل العقوبة فی الدنيا، رقم: ۲۶۸۸، وباب فضل الدعاء باللهم آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ، رقم: ۲۶۹۰، وسنن ابی داؤد، کتاب الصلاة، باب فی الاستغفار، رقم: ۱۵۱۹، وسنن الترمذی، أبواب الدعوات، باب ماجاء فی غلہ التمسیح بالهد، رقم: ۳۳۸۷، ومسند احمد، ومسند المکثرین من الصحابة، مسند انس بن مالک رضی اللہ عنہ، رقم: ۱۱۹۸۱، ۱۲۰۳۹، ۱۲۶۶۳، ۱۳۱۸۶، ۱۳۵۸۰، ۱۳۹۳۶، ۱۴۰۶۷

۷۶ أراد به الأحنس بن شریق، وكان رجلاً حلو المنطق إذا لقي رسول الله ﷺ، لأن له القول وأدعى أنه يحبه. وأنه مسلم ﴿وَيُشْهِدُ اللهُ عَلَى مَا فِي الْقَلْبِ﴾ الآية، أي يحلف ويقول: الله شاهد على ما في قلبي من محبتك ومن الإسلام. فقال الله في حقه: ﴿وَهُوَ أَلَدُ الْخِصَامِ﴾، أي شديد الجدل والخصومة والعداوة للمسلمين والألد الفعل التفضيل من اللد وهو: حدة الخصومة. عمدة القاری، ج: ۱۸، ص: ۱۶۲

وقال عطاء: النسل: الحيوان.

ترجمہ: حضرت عطاء فرماتے ہیں کہ ”النسل“ سے مراد حیوان ہے۔

حیوان سے مراد

عطاء بن رباح رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آیت مبارکہ ﴿وَيُؤْتِيكَ الْحَرثَ وَالنَّسْلَ﴾ [البقرة: ۲۰۵] اس میں نسل سے مراد ہے حیوان ہے، یعنی حیوان کی طرح کھیتیوں اور مویشیوں کو تباہ کرتا ہے۔ ۷۷
 ۴۵۲۳۔ حدثنا قبيصة: حدثنا سفيان، عن ابن جريج، عن ابن أبي مليكة، عن عائشة ترفعه قال: ((أبغض الرجال إلى الله الألد الخصم)). وقال عبد الله: حدثنا سفيان: حدثني ابن جريج، عن أبي مليكة، عن عائشة رضي الله عنها عن النبي ﷺ. [راجع: ۲۳۵۷]
 ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں اور وہ اس حدیث کو مرفوع بیان کرتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ ﷻ سب سے زیادہ اس شخص کو ناپسند کرتا ہے جو خصومت رکھنے والا اور جھگڑا کرنے والا ہے۔

(۳۸) باب: ﴿أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَأْتِكُمْ مَثَلُ الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ

قَبْلِكُمْ﴾ الآية [۲۱۳]

باب: ”(مسلمانو!) کیا تم نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ تم جنت میں (یونہی) داخل ہو جاؤ گے، حالانکہ ابھی تمہیں اس جیسے حالات پیش نہیں آئے جیسے اُن لوگوں کو پیش آئے تھے جو تم سے پہلے ہو گزرے ہیں۔“

مقصودِ امام بخاری رحمہ اللہ

اس باب میں امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد سورہ یوسف کی اس آیت کریمہ کی تفسیر کرنا ہے جس میں یہ آیا ہے ﴿وَحَتَّىٰ إِذَا اسْتَعْيَسَ الرَّسُولُ وَكَلَّمْنَا النَّهْمَ قَدْ كَلِمًا نُبَا﴾۔

۷۷ ای: قال عطاء بن أبي رباح النسل في تعالى: ﴿وَيُؤْتِيكَ الْحَرثَ وَالنَّسْلَ﴾ [البقرة: ۲۰۵] الحيوان، ووصلني الطبري من طريق ابن جريج. قلت لعطاء في لوله تعالى: ﴿وَيُؤْتِيكَ الْحَرثَ وَالنَّسْلَ﴾ قال: الحرث الزرع، والنسل من

الناس والانعام. عمدة القاري، ج: ۱۸، ص: ۱۶۲

یہاں امام بخاری رحمہ اللہ نے ایک تو حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی تفسیر نقل فرمائی ہے اور دوسرے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی تفسیر نقل فرمائی ہے۔ پہلے ان دونوں تفسیروں کو ملاحظہ فرمائیں۔
 حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی تفسیر اس قرأت پر مبنی ہے، جس میں ﴿كَلِمَاتٍ﴾ آیا ہے یعنی ”ذ“ کی تخفیف کے ساتھ۔
 اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی جو تفسیر ہے وہ ﴿كَلِمَاتٍ﴾ یعنی ”ذ“ پر تشدید والی قرأت پر مبنی ہے۔
 دونوں قرأتیں تو اتر سے ثابت ہیں۔

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی تفسیر

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی تفسیر کے مطابق ”كَلِمَاتٍ“ کی ضمیر نائب الفاعل خود رسول کی طرف راجع ہے، مراد یہ ہے کہ اللہ ﷻ کی طرف سے نصرت آنے سے پہلے ان حضرات نے امید قائم کی بھی کہ اللہ ﷻ کی طرف سے مدد آئے گی، لیکن جب بہت دیر گزر گئی اور مایوسی ہونے لگی تو انہوں نے یہ خیال کیا کہ ہم نے اپنے طور پر جو یہ بات سوچی تھی یہ غلط سوچ تھی۔
 ”كَلِمَاتٍ“ کے معنی یہ نہیں ہیں کہ ان سے جھوٹ بولا گیا بلکہ یہ اس معنی میں ہے جیسے کہتے ہیں کہ ”كَلْبٌ رَجَالِي“ یا ”كَلْبٌ رَجَالِي“ میری امید جھوٹی ہو گئی۔

ایسا نہیں کہ اللہ ﷻ ان کے دلوں میں یہ خیال لائے کہ اللہ ﷻ نے جو ہم سے وعدہ کیا تھا وہ جھوٹا ہے یا ہم سے جھوٹا وعدہ کیا گیا تھا یہ معنی نہیں ہیں بلکہ یہ معنی ہے کہ ہمارے دل میں ایک امید تھی وہ امید جھوٹی پڑ گئی۔

﴿حَتَّىٰ إِذَا اسْتَعْيَاسَ الرَّسُلُ وَظَنُّوا أَنَّهُمْ لَدَىٰ كَلِمَاتٍ﴾

ان کو گمان ہوا کہ ان کے ساتھ ان کے نفس نے جھوٹ بولا، یعنی ان کے نفس نے ایک غلط امید قائم کر دی جو واقعہ نفس الامر کے مطابق نہیں ہے۔

پھر حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کی تفسیر کرنے کے بعد کہا کہ یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ سورہ بقرہ کی اس آیت میں آرہا ہے کہ

﴿حَتَّىٰ يَقُولَ الرَّسُولُ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ مَعَىٰ لَصْرًا﴾

یہاں تک رسول اور ان کے ایمان والے ساتھی بول اٹھے کہ اللہ کی مدد کب آئے گی؟

اللہ کی مدد کب آئے گی؟ اسی حالت میں کہہ رہے ہیں جبکہ بظاہر یہ لگ رہا ہے کہ مدد نہیں آرہی ہے۔ جیسے اس وقت میں ان کو ایک مایوسی کی سی کیفیت تھی اور دل میں یہ خیال تھا کہ جو امید تھی وہ پوری نہیں ہوئی۔ اسی

طرح یہاں پر ”انہم قد کذبوا“ اسی معنی میں ہے یعنی ان دونوں آیتوں کو ایک ہی معنی میں لیا۔
حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا یہی منشا تھا۔

ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی تفسیر

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی یہ تفسیر بیان کی گئی تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس کا مطلب یہ سمجھیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی تفسیر کے معنی یہ ہیں کہ رسولوں نے یہ گمان کیا کہ ان سے جھوٹا وعدہ کیا گیا تھا، تو ظاہر ہے یہ بڑی سنگین بات تھی کہ رسولوں کو یہ گمان ہو کہ اللہ ﷻ نے ان سے جھوٹا وعدہ کیا تھا۔ معاذ اللہ۔

تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ یہ بات تو بالکل غلط ہے، اللہ ﷻ تو جھوٹا وعدہ کر ہی نہیں سکتے اور رسول کبھی سمجھ ہی نہیں سکتے کہ ہم سے جھوٹا وعدہ کیا گیا ہو، کیونکہ اللہ ﷻ جب وعدہ کرتے ہیں تو اس بات کا وعدہ کرتے ہیں جس کا ان کے علم میں ہو کہ یہ بات ہونی ہے۔ قیامت تک جو واقعات ہونے والے ہیں ان میں سے کسی کا وعدہ کریں گے اور جو پیش ہونے والا واقعہ نہیں ہے اس کا وعدہ تو نہیں کریں گے۔

لہذا یہ تفسیر نہیں ہے بلکہ یہ لفظ یوں ہے کہ ﴿قَدْ كَذَّبُوا﴾ جب رسولوں کو مایوسی ہونے لگی، تو انکو گمان ہوا کہ ”انہم قد کذبوا“ اب ان کی (رسولوں کی) تکذیب کی جائے گی۔

یعنی یا تو کافر لوگ ان کی تکذیب کریں گے دیکھو! بہت اترارہے تھے رفخ کر رہے تھے کہ ہاں، رے پاس اللہ کی مدد آئے گی لیکن کچھ بھی نہیں آیا۔

یا جو ضعیف الایمان قسم کے لوگ آپ کے ساتھ ہیں وہ کہیں گے کہ صاحب! آپ تو اللہ کی نصرت کے وعدے کر رہے تھے، لیکن کوئی نصرت نہیں آئی۔ تو رسول کو کبھی گمان نہیں ہوتا کہ وعدہ جھوٹا ہوگا لیکن جو آس پاس کے لوگ ہیں وہ تکذیب کر سکتے ہیں۔ ۷۸

۴۵۲۳۔ حدثنی إبراہیم بن موسیٰ: أخبرنا هشام، عن ابن جریج قال: سمعت ابن

أبی ملیکہ یقول: قال ابن عباس رضی اللہ عنہما: ﴿حَتَّىٰ إِذَا اسْتَيْأَسَ الرُّسُلُ وَظَنُّوا أَنَّهُمْ قَدْ كُذِّبُوا﴾ خفيفة ذهب بها هناك. و تلاً ﴿حَتَّىٰ يَقُولَ الرُّسُلُ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ مَتَى نَصُرَ اللَّهُ أَلَا إِنَّ نَصْرَ اللَّهِ قَرِيبٌ﴾ فللقبت عروة بن الزبير فذكرت له ذلك.

۴۵۲۵۔ لقال: قالت عائشة: معاذ اللہ، واللہ ما وعد اللہ رسولہ من شیء لظ إلا علم

انہ کا ان قبل ان یموت، ولكن لم یزل البلاء بالرسول حتی خالفوا ان یکون من معہم یکذبونہم لکانت تقرؤہا: ﴿وَوَظَنُوا أَنَّهُمْ قَدْ كَذَّبُوا﴾ مثقلۃ. [راجع: ۳۳۸۹]

ترجمہ: ابن جریج کہتے ہیں کہ میں ابن ابی ملیکہ رحمہ اللہ سے سنا کہ وہ کہہ رہے تھے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ﴿حَتَّىٰ إِذَا اسْتَيْأَسَ الرُّسُلُ وَظَنُوا أَنَّهُمْ قَدْ كَذَّبُوا﴾ تخفیف کے ساتھ قرأت کی اور اس آیت کو وہاں لے گئے یعنی سورہ بقرہ کی اس آیت کی طرف ﴿حَتَّىٰ يَقُولَ الرُّسُلُ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ مَنَىٰ لَصُرُّ اللّٰهَ اَلَا اِنْ نَصَرَ اللّٰهَ قَرِيبٌ﴾، ابن ابی ملیکہ کہتے ہیں کہ پھر میری ملاقات عروہ بن زبیر سے ہوئی تو میں نے ان سے اس کا ذکر کیا۔

تو عروہ بن زبیر نے کہا کہ ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ معاذ اللہ، اللہ کی قسم! اللہ نے اپنے رسولوں سے جو بھی وعدہ کیا ان کو یقین ہوتا ہے کہ یہ وعدہ ان کی وفات سے پہلے لازمی ہو کر رہے گا، البتہ انبیاء کرام علیہم السلام کو جب مصیبتیں اور پریشانیاں دراز اور لمبے عرصے تک پہنچتیں تو وہ اس بات سے ڈرتے تھے کہ کہیں وہ لوگ انہیں نہ جھٹلا دیں جو ان کے ساتھ ہیں، چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس آیت ﴿وَوَظَنُوا أَنَّهُمْ قَدْ كَذَّبُوا﴾ پڑھتی تھیں۔

تشریح

اور اس آیت (بقرات تخفیف) کی ایک تفسیر یہ کی گئی ہے ”وَوَظَنُوا أَنَّهُمْ قَدْ كَذَّبُوا“ کی ضمیریں کافروں کی طرف راجع ہے یعنی وہ لوگ سمجھے کہ ان سے جھوٹا وعدہ کیا گیا تھا۔ اس آیت کا یہ مطلب ہے۔
ابن ابی ملیکہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت کو یوں پڑھتے ہیں ”﴿حَتَّىٰ إِذَا اسْتَيْأَسَ الرُّسُلُ وَظَنُوا أَنَّهُمْ قَدْ كَذَّبُوا﴾ خفيفة“۔ یعنی ”ذ“ کی تخفیف کے ساتھ۔
”ذہب بہا ہناک“ یعنی حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت کو وہاں لے گئے ہیں، اس سے مراد یہ ہے کہ اس آیت کے مفہوم کو سورہ بقرہ کی آیت ﴿حَتَّىٰ يَقُولَ الرُّسُلُ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ مَنَىٰ لَصُرُّ اللّٰهَ اَلَا اِنْ نَصَرَ اللّٰهَ قَرِيبٌ﴾ کی طرف لے گئے اور یہ کہا کہ دونوں آیتوں کا مفہوم ایک جیسا ہے۔
”ذہب بنا ہناک“ کا یہ مطلب ہے۔

ابن ابی ملیکہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ بعد میں میری ملاقات حضرت عروہ بن زبیر رحمہ اللہ سے ہوئی تو میں نے ان سے یہ بات ذکر کی کہ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما یہ بات کہتے ہیں تو انہوں نے کہا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس کی تفسیر دوسری طرح کی ہے۔

اور پھر ان کی تفسیر بیان کی کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ”معاذ اللہ واللہ ما وعد اللہ رسولہ من شیء لفظ إلا علم أنه کائن قبل أن يموت“ اللہ کی پناہ! اللہ کی قسم! اللہ نے اپنے رسولوں سے جو بھی وعدہ کیا ان کو یقین ہوتا ہے کہ یہ وعدہ، صاحب وعدہ کی موت سے پہلے پہلے لازمی ہو کر رہے گا۔

”ولکن لم یزل البلاء بالرسول حتی خافوا أن یکون من معهم یکذبونہم“ البتہ انبیاء کرام علیہم السلام کو جب مصیبتیں اور پریشانیاں دراز اور لمبے عرصے تک پہنچتیں ہیں اور آزمائشوں کی وجہ سے بعض اوقات مدد آنے میں دیر لگتی ہے، تو وہ اس بات سے ڈرتے تھے کہ کہیں وہ لوگ انہیں نہ جھٹلا دیں، تکذیب نہ کر دیں جو ان کے ساتھ ہیں۔

چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس آیت ﴿وَوَظَنُوا أَنَّهُمْ لَدَّ كَذَّبُوا﴾ پڑھتی تھیں۔ اور جو تفسیر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمائی ہے وہ ”کذبوا“ بالتخفیف کے اندر بھی کہی جاسکتی ہے اور ”کذبوا“ بالشدید میں بھی کہی جاسکتی ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی تفسیر صرف ”کذبوا“ کی قرأت کے مطابق ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی تفسیر دونوں قرأتوں کے مطابق ہے۔

(۳۹) باب: ﴿بِسَاءِ كُمْ حَزَنٌ لَّكُمْ فَأَتُوا حَزَنَكُمْ أَنَّى شِئْتُمْ﴾ [۲۲۳]

باب: ”تمہاری بیویاں تمہارے لئے کھیتیاں ہیں؛ لہذا اپنی کھیتی میں جہاں سے چاہو جاؤ“۔

۴۵۲۶ - حدیثی اسحاق: أخبرنا النضر بن شميل: أخبرنا ابن عون، عن نافع قال: كان ابن عمر رضي الله عنهما إذا قرأ القرآن لم يتكلم حتى يفرغ منه. فأخذت عليه يوما فقرأ سورة البقرة حتى انتهى إلى مكان قال: ندرى فيم أنزلت؟ قلت: لا، قال: أنزلت في كذا وكذا، ثم مضى. [الظر: ۴۵۲۷] ۹

ترجمہ: حضرت نافع رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما قرآن کی تلاوت کے درمیان کسی سے بات نہ کرتے تھے، جب تک فارغ نہ ہو جاتے۔ ایک دن میں ان کے پاس گیا تو وہ سورہ بقرہ پڑھ رہے تھے، جب ایک مقام پر پہنچے یعنی ﴿بِسَاءِ كُمْ حَزَنٌ﴾ تو فرمایا کیا تم کو معلوم ہے کہ یہ آیت کس بارے میں نازل ہوئی؟ میں نے لاطمی کا اظہار کیا تو آپ نے وجہ نزول بیان کی اور پھر تلاوت میں مصروف ہو گئے۔

تشریح

اس روایت میں ﴿بَسَّوْكُمْ حَزَتْ لَكُمْ فَأْتُوا حَزَنَكُمْ أَلَىٰ حَيْتُمْ﴾ کی تفسیر بیان فرمائی ہے۔ حضرت نافع رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ”کان ابن عمر رضی اللہ عنہما إذا قرأ القرآن لم يتكلم حتى يفرغ منه“ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما جب قرآن پڑھتے تھے تو اس دوران کوئی بات نہیں کرتے تھے، یہاں تک کہ تلاوت سے فارغ نہ ہو جاتے۔

”لأخذت عليه يوما“ ایک دن میں قرآن لیکران کے پاس بیٹھ گیا، تاکہ دیکھوں کب تک پڑھتے ہیں، ”لقرأ سورة البقرة حتى انتهى إلى مكان“ تو وہ سورہ بقرہ پڑھ رہے تھے، یہاں تک کہ ایک خاص جگہ تک پہنچ گئے یعنی یہی آیت ﴿بَسَّوْكُمْ حَزَتْ لَكُمْ فَأْتُوا حَزَنَكُمْ أَلَىٰ حَيْتُمْ﴾۔

پھر وہاں تک پہنچنے کے بعد حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے مجھ (حضرت نافع رحمہ اللہ) سے سوال کیا کہ ”تدری لیم أنزلت؟“ کیا تمہیں معلوم ہے کہ یہ آیت کس بارے میں نازل ہوئی تھی؟ ”قلت: لا“ میں نے کہا کہ مجھے نہیں معلوم کہ یہ آیت بارے میں نازل ہوئی۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ”أنزلت لي كذا وكذا“ یہ آیت فلاں فلاں بات کے بارے میں نازل ہوئی ہے یعنی عورت سے دبر میں جماع کرنے کے بارے میں ہے۔ ”لم مضى“ یہ بات بتانے کے بعد پھر تلاوت شروع کر دی۔

۴۵۲۔ وعن عبد الصمد: حدثني أبي: حدثني أيوب، عن نافع، عن ابن عمر ﴿فَأْتُوا حَزَنَكُمْ أَلَىٰ حَيْتُمْ﴾ قال: يأتيا لي. رواه محمد بن يحيى بن سعيد، عن أبيه، عن عبید اللہ، عن نافع، عن ابن عمر. [راجع: ۴۵۲۶]

ترجمہ: حضرت نافع رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ ﴿فَأْتُوا حَزَنَكُمْ أَلَىٰ حَيْتُمْ﴾ سے مطلب یہ ہے کہ جس طرح چاہو آسکتے ہو۔ یہی حدیث یحییٰ قطان، عبید اللہ، نافع، ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں۔

مبہم انداز میں ذکر کرنے کی وجہ

یہاں اس باب میں امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت نافع رحمہ اللہ سے مروی حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی دو روایتیں نقل کی ہیں اور دونوں میں اجمال اور ابہام ہے۔

پہلی روایت میں اس طرح کہا کہ ”نزلت لی کذا و کذا“ یہ آیت فلاں فلاں بات کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

جبکہ دوسری روایت میں ہے ”یاٹیہالی“ امام بخاری رحمہ اللہ نے ”لی“ کے بعد محروم ذکر نہیں کیا۔ یہ اس وجہ سے ہے غالباً - واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم - کہ روایت میں جو الفاظ تھے ان کا مفہوم ظاہری طور پر بڑا شنیع تھا، اس لئے امام بخاری رحمہ اللہ نے شنیع کیلئے اس کو ذکر ہی نہیں کیا یا اس وجہ کو جان بوجھ کر چھپایا اور اس کو پردہ ابہام میں رکھا اور وضاحت نہیں کی تاکہ اس شنیع کی زیادہ تبلیغ نہ ہو۔

مسئلہ کی تفصیل اور اقوالِ علما

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اس آیت کا مفہوم یہ بتایا تھا کہ ﴿فَاتُوا خَزَائِكُمْ أُنَىٰ هَيْتُمْ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ مرد اپنی بیوی سے دبر میں بھی استماع کر سکتا ہے۔

﴿أُنَىٰ هَيْتُمْ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ ”یاٹیہالی“ یعنی ”لی دبرھا“۔

”نزلت لی کذا و کذا“ اس کا معنی یہ ہے کہ عورت سے دبر میں جماع کر سکتے ہیں۔

ایک دوسری روایت میں آتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے یہ فرمایا کہ یہ انصار کے ایک صاحب نے اپنی عورت سے دبر میں جماع کیا، جماع کرنے کے بعد ان کو اس بارے میں پریشانی ہوئی کہ یہ بات درست بھی ہے کہ نہیں؟ تو اس بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ ۵۰

اسی طرح حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کہ ایک شخص نے اپنی بیوی سے دبر میں جماع کیا اس بات پر لوگوں نے کچھ اعتراض کیا، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بات کا ذکر کیا گیا تو یہ آیت نازل ہوئی۔ ۵۱

۵۰ حدثنا محمد بن عبد اللہ بن عبد الحکم، حدثنا أبو بکر بن ابی اویس، حدثني سليمان بن بلال، عن زهد بن أسلم، عن عبد اللہ بن عمرو: أن رجلاً، أتى امرأته في دبرها، لوجد في نفسه من ذلك وجداً شديداً، فأنزل الله تعالى: ﴿يَسْأَلُكُمْ خَزَائِكُمْ لَأْتُوا خَزَائِكُمْ أُنَىٰ هَيْتُمْ﴾. شرح مشكل الآثار، رقم: ۶۱۱۷، ج: ۱۵، ص: ۴۱۰

۵۱ حدثنا أحمد بن داود قال: حدثنا يعقوب بن حميد بن كاسب، حدثنا عبد اللہ بن نافع، عن هشام بن سعد، عن زهد بن أسلم، عن عطاء بن يسار، عن أبي سعيد: أن رجلاً أصاب امرأته في دبرها، فأنكر الناس ذلك عليه وقالوا: أفرها فأنزل الله تعالى: ﴿يَسْأَلُكُمْ خَزَائِكُمْ لَأْتُوا خَزَائِكُمْ أُنَىٰ هَيْتُمْ﴾. فبني هذين الحديثين ما قد ذكر قوم أنهم استدلوا به على الإباحة. شرح مشكل الآثار، رقم: ۶۱۱۸، ج: ۱۵، ص: ۴۱۱

ان روایات کی وجہ سے یہ بات مشہور و معروف ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما طی فی الدبر کی جواز کے قائل تھے۔ اسی بنیاد پر امام مالک رحمہ اللہ کا قول قدیم بھی یہی ہے کہ دبر میں جماع کرنا جائز ہے۔ ۵۲
البتہ اصحاب مالکیہ امام مالک رحمہ اللہ کی طرف سے اس قول کی تردید کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ امام مالک رحمہ اللہ سے کہیں یہ ثبوت صحیح نہیں ہے۔ ۵۳

لیکن قاضی ابن عربی رحمہ اللہ، جو مالکیہ کے فقہاء میں بڑے درجے کے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ یہ تردید کرنا بالکل غلط ہے، امام مالک رحمہ اللہ کا یہ قول ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ نے اپنے شاگرد ابن القاسم سے یہ کہا کہ میں نے اپنے علمائے مدینہ میں سے کسی کو بھی ایسا نہیں پایا جو اس کو ناجائز اور حرام کہتا ہو اور اس میں ذرا سا بھی شک ہو ان کو، لہذا وہ اس کی حرمت کے زیادہ قائل نہیں تھے۔ ۵۴

انہوں نے ایک واقعہ یہ لکھا ہے محمد بن سعد، ابوسلیمان جوزجانی سے نقل کرتے ہیں وہ کہتے ہیں میں ایک دفعہ انس بن مالک یعنی امام مالک رحمہ اللہ کے پاس تھا، تو ان سے دبر میں جماع کرنے کے بارے میں سوال کیا گیا کہ سنا ہے کہ یہ بہت حرام و ناجائز کام ہے، تو انہوں نے کہا کہ ”المساعة اغتسلت منه“ یعنی میں نے کچھ دیر پہلے اس سے فارغ ہو کر غسل کیا ہے۔

یعنی یہاں تک کہہ دیا تو جواز کے قائل ہونے کی بات اس وجہ سے ان کی طرف منسوب کی گئی ہے۔
دوسرے حضرات یہ کہتے ہیں کہ امام مالک کا پہلے یہ قول تھا بعد میں اس سے رجوع کر لیا گیا۔ ۵۵

۵۲، ۵۳، ۵۴، ۵۵ وأما اختلاف العلماء في هذا الباب فلهب محمد كعب الفرطبي وسعيد بن يسار المنيني ومالك الي اباحة ذلك، واحصوا في ذلك بما رواه أبو سعيد، والوا: معنى الآية. حيث شتم من القبل والدبر، وقال عياض: تعلق من قال بالتحليل بظاهر الآية وقال ابن العربي في كتابه ((أحكام القرآن)): جوزته طائفة كثيرة، وقد جمع ذلك ابن شعبان في كتابه ((جماع النسوان)) وأسد جوازها إلى زمرة كثيرة من الصحابة والتابعين وإلى مالك من روايات كثيرة، وقال أبو بكر الجصاص في كتابه ((أحكام القرآن)): المشهور عن مالك اباحة ذلك وأصحابه ينفون عنه هذه المقالة لقبها وشاعتها وهي أشهر من أن تدفع عنهم وقد روى محمد بن سعد عن أبي سليمان الجوزجاني، قال: كنت عند مالك بن انس، فسئل عن النكاح في الدبر، فضرب بيده على رأسه، وقال: المساعة اغتسلت عنه، ورواه عنه ابن القاسم: ما أدركت أحداً أفندي به في دهنه يشك فيه أنه حلال، يعني وطء المرأة في دبرها، ثم قرأ: ﴿يَسْأَلُكُمْ خِزْيَانُ لَكُمْ فَاثْبُرُوا خِزْيَانَكُمْ أَيُّ شَيْئِكُمْ﴾ قال: فأي شيء، أم من هذا، وما أشك فيه. وأما ملحق الشافعي فيه فما قاله الطحاوي: حكى لنا محمد بن عبد الله بن عبد الحكم أنه سمع الشافعي يقول: ما صح عن رسول الله، في تحريمه ولا في تحليله، والقياس أنه حلال. وقال الحاكم: لعل الشافعي كان يقول ذلك في القديم، وأما في الجديد فصرح بالتحريم. عمدة القاري، ج: ۱۸، ص: ۱۶۸، ۱۶۷

محمد بن عبد اللہ بن عبد الحکم کہتے ہیں میں نے امام شافعی رحمہ اللہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ اس بارے میں رسول اللہ ﷺ سے کوئی بات بھی ثابت نہیں، نا تو حلال ہونے کی اور نا ہی حرام ہونے کی، اس وجہ سے قیاس کا تقاضہ تو یہی ہے کہ یہ درست ہے۔

لیکن یہ امام شافعی رحمہ اللہ کا قول قدیم تھا، بعد میں انہوں نے اس کو صراحت کے ساتھ حرام قرار دیا ہے، لہذا شافعیہ کا مذہب بھی حرمت کا ہے۔

بہر صورت حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے یہ بات منقول ہے۔

احناف، شوافع، حنابلہ اور جمہور علمائے کرام کہتے ہیں کہ یہ عمل بالکل حرام ہے اور اسی وجہ سے حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مجھے یہ بات باور نہیں ہوتی کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ایسی بات کہیں گے اور ان کی طرف اس قول کی نسبت مشکوک ہے۔

البتہ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے اس موضوع پر روایات اتنی زیادہ ہیں کہ اس کی تردید مشکل ہے، ہاں یہ عین ممکن ہے کہ بعد میں انہوں نے اس سے رجوع فرمایا ہو۔

اسی امام مالک رحمہ اللہ کے بارے میں بھی بعض فقہاء مالکیہ تردید کرتے ہیں کہ امام مالک کی طرف اس قول کی نسبت کرنا صحیح نہیں ہے، اگر ہو تو بھی امام مالک نے اس سے رجوع کر لیا ہوگا۔

لہذا اب اس مسئلہ پر تقریباً اجماع ہے جماع فی الدبر حرام ہے۔

جو لوگ امام مالک کی طرف یہ قول منسوب کرتے تھے، وہ کہتے تھے کہ قرآن میں یہ لفظ ﴿اٰنٰیٰ حٰثِمٌ﴾

عام ہے، ”اٰنٰیٰ“ بمعنی ”اٰن“ کے ہے۔

”اٰن حٰثِمٌ“ یا ”حٰثِمٌ حٰثِمٌ“ تو پھر اس میں کوئی قید نہیں ہے۔

جمہور کا کہنا یہ ہے کہ جیسا حدیث میں آیا ہے کہ اصل بات یہ تھی کہ روایات میں اسکی تفسیر یہ آئی ہے کہ

قریش اپنی بیویوں سے استمتاع میں زیادہ تنوع اختیار کرتے تھے یعنی مجامعت تو اگرچہ فرج ہی میں ہوتی تھی لیکن جانے کیلئے راستہ کبھی سیدھا، کبھی الٹا، کبھی پہلو سے، مستقبلہ اور مستدبرہ رہتا تھا۔

جب مدینہ منورہ پہنچے تو وہاں یہ قصہ نہیں تھا اور وہاں کے لوگ یہودیوں کے زیر اثر تھے، یہودی یہ کہتے

تھے کہ اگر کوئی شخص فرج میں جماع کرے، لیکن پیچھے کی طرف سے کرے تو اس کی اولاد بھنگی پیدا ہوتی ہے، تو اس

دواسطے وہ منع کرتے تھے۔ ۵۶

۵۶ وذهب الجمهور الى تحريمه لمن الصحابة: علي بن ابي طالب وابن عباس وابن مسعود وجابر بن عبد الله

وعبد الله بن عمرو بن العاص ﴿بتيرة ما شيا كغى سلمى﴾

۳۵۲۸ - حدثنا أبو نعیم: حدثنا سفیان عن ابن المنکدر: سمعت جابراً رضی اللہ عنہ قال: كانت اليهود تقول: إذا جامعها من ورائها جاء الولد أحول، فنزلت ﴿يَسْأَلُكُمْ خُرُوتُ لَكُمْ فَاْتُوا خُرُوتَكُمْ أَنَّىٰ سَأَلْتُمْ﴾. ۵۷

ترجمہ: ابن منکدر بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے سنا کہ وہ فرما رہے تھے کہ یہودیوں کا یہ عقیدہ تھا کہ جو آدمی اپنی بیوی سے پیچھے کی طرف سے جماع کرتا ہے، اس کی اولاد بھنگی پیدا ہوتی ہے، اس وقت اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمائی۔

..... ﴿گذشتہ سے پیوستہ﴾..... وأبو الدرداء وعزيمة بن ثابت وأبو هريرة ولى بن طلق وأم سلمة، وقد اختلف عن عبد الله بن عمر بن الخطاب، والأصح عنه المنع، ومن التابعين سعيد بن المسيب ومجاهد وإبراهيم النخعي وأبو سلمة بن عبد الرحمن وعطاء بن أبي رباح، ومن الأئمة: سفیان الثوري وأبو حنيفة والشافعي في الصحيح، وأبو يوسف ومحمد وأحمد وإسحاق وآخرون كثيرون، واحتجوا في ذلك بأحاديث كثيرة. منها: حديث ابن عزيمة: أن رسول الله ﷺ قال: ((إن الله لا يستحي من الحق، لا تأتوا النساء في أدبارهن))، أخرجه الطحاوي والطبراني وإسناده صحيح. ومنها: حديث عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده عن النبي ﷺ، قال: ((هي اللوطية الصغرى))، يعني وطء النساء في أدبارهن، أخرجه الطحاوي بإسناد صحيح، والطائسي والبيهقي. ومنها: حديث أبي هريرة قال: قال رسول الله ﷺ: ((لا ينظر الله - عز وجل - إلى رجل - إلى رجل وطئ امرأة في دبرها))، أخرجه الطحاوي وابن أبي شيبة وابن ماجه وأحمد. ومنها حديث جابر بن عبد الله نحو حديث عزيمة، وفي رواية: لا يحل ما تأتي النساء في حشوشهن، وفي رواية: في محاشهن، أخرجه الطحاوي. ومنها: حديث طلق بن علي: أن رسول الله ﷺ قال: ((إن الله لا يستحي من الحق، لا تأتوا النساء في أعجازهن))، أخرجه الطحاوي وابن أبي شيبة، وفي رواية في أعجازهن، أو قال: في أدبارهن، وأما الآية فتأولوها: بلأنتوا حرثكم أنه شتم متعيلين ومستدبرين، ولكن في موضع الحرث، وهو الفرج. فان قلت: القاعدة عندكم أن العبرة لعموم اللفظ لا لغصوص السبب. قلت: نعم لكن وردت أحاديث كثيرة فأخرجت الآية عن عمومها وألصقتها على اباحة الوطء في الفرج، ولكن على أي وجه كان. عمدة القاري، ج: ۱۸، ص: ۱۶۸

۵۷ وفي صحيح مسلم، كتاب الحج، باب جواز جماعة امرأته في قلبها، من لداها، ومن ورائها من غير تعرض الدبر. رقم: ۱۳۳۵، وسنن أبي داود، كتاب النكاح، باب في جامع النكاح، رقم: ۲۱۶۳، وسنن الترمذي، أبواب التفسير القرآن، باب ومن سورة البقرة. رقم: ۲۹۷۹، وسنن ابن ماجه، كتاب النكاح، باب النهي عن ايمان النساء في أدبارهن. رقم: ۱۹۲۵، وسنن الدارمي، كتاب الطهارة، باب ايمان النساء في أدبارهن. رقم: ۱۱۷۲، ومن كتاب النكاح، باب النهي عن ايمان النساء في أدبارهن. رقم: ۲۲۶۰

حدیث کی تشریح

ایک مہاجر صحابی رضی اللہ عنہ کا نکاح کسی انصاری صحابیہ رضی اللہ عنہا سے ہوا تو ان صحابی نے اپنی عام عادت کے مطابق یا عام معمول کے مطابق ان سے بھی استماع کرنا چاہا تو انصاریہ خاتون نے مزاحمت کی، یہ بات ہوتے ہوتے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچ گئی کہ انصار کے لوگ اسلام سے پہلے چونکہ یہودیوں کے ساتھ رہتے تھے تو اور یہودی یہ کہتے تھے جو اپنی بیوی سے پیچھے کی طرف سے جماع کرتا ہے، تو اس طرح کرنے سے اولاد بھٹی پیدا ہوتی ہے۔

اس پر آیت نازل ہوئی کہ ﴿بَسَّوْكُمْ حَرْثٌ لَكُمْ فَاتُوا حَرْثَكُمْ اَلَّتِي سِئْتُمْ﴾ اس آیت کا مقصد یہ نہیں ہے کہ موضع جماع میں عموم پیدا کیا جا رہا ہے بلکہ اس موضع تک پہنچنے کیلئے طریقہ میں عموم پیدا کیا جا رہا ہے کہ جس طرف سے چاہو جاؤ لیکن جاؤ اسی جگہ پر یہ مقصود ہے نہ کہ موضع کی تعین مقصود ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ ”حَرْثُكُمْ“ کا لفظ استعمال فرمایا کہ ”حَرْثُ“ تو موضع فرج ہی ہے اور جو دوسری جگہ ہے وہ ”فَرْثُ“ ہے حَرْثُ نہیں ہیں۔

اور کئی احادیث میں صراحتاً یہ ممانعت آئی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ((وَلَا تَأْتُوا النِّسَاءَ فِي اَعْجَازِهِنَّ رَفِي اَدْبَارِهِنَّ، فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْمَعُ مِنَ الْحَقِّ)) یعنی عورتوں سے پیچھے (دبر میں) سے جماع مت کرو، بے شک اللہ حق بات سے نہیں شرماتا ہے۔ ۵۸

ذوق عربی و نحوی قاعدہ سے حرمت کی تائید

مجھے ایک بات لگتی تھی کہ کسی کی تائید مل جائے تو کہوں بغیر تائید کے کہنے کا دل نہیں چاہتا۔ وہ بات یہ ہے کہ ”انی“ کے معنی کئے گئے ہیں ”این شتعم“ کے یعنی ”این شتعم“ یا ”حیث شتعم“ یہ صحیح نہیں ہے، بلکہ ”انی“ کے معنی ہیں ”من این“ صرف ”این“ نہیں ہے۔ مجھے اپنے ذوق عربیت کی وجہ سے یہ بات لگتی تھی مگر کسی کی تائید نظر نہیں آتی تھی، بعد میں دیکھا کہ حضرت علامہ انور شاہ صاحب کشمیری رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ نے کافیہ کی شرح رضی کے حوالے سے یہی بات کہا ہے کہ ”انی“ کے معنی ”من این“ کے ہیں ”من این شتعم“ جب ”من این شتعم“ ہے تو طریق کا عموم ہے نہ کہ

موضع کا عموم، تو اس سے یہ بات واضح ہوگئی۔ ۵۹

(۴۰) باب: ﴿وَإِذَا طَلَقْتُمُ النِّسَاءَ فَلَبِنَ أَجْلِهِنَّ فَلَا تَعْضُلُوهُنَّ أَنْ يَنْكِحْنَ

أَزْوَاجَهُنَّ﴾ [۲۳۲]

باب: ”اور جب تم نے عورتوں کو طلاق دے دی ہو، اور وہ اپنی عدت کو پہنچ جائیں، تو (اے میکے والو!) انہیں اس بات سے منع نہ کرو کہ وہ اپنے (پہلے) شوہروں سے (دوبارہ) نکاح کریں۔“

آیت کا شان نزول

آیت کا شان نزول یہ ہے کہ جو آگے حدیث میں بھی آرہا ہے، حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ نے اپنی بہن کی شادی ایک شخص کے ساتھ کی، اس نے طلاق دیدی اور عدت بھی گزر گئی، اس کے بعد یہ شخص اپنے فعل پر پشیمان ہوا، اور چاہا کہ دوبارہ نکاح کر لیں، اس کی بیوی یعنی معقل بن یسار رضی اللہ عنہ کی بہن بھی اس پر آمادہ ہو گئیں، لیکن جب اس شخص نے معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے اس کا ذکر کیا تو ان کو طلاق دینے پر غصہ تھا، انہوں نے کہا کہ میں نے پہلے تمہارا اعزاز کیا، اپنی بہن تمہارے نکاح میں دی اور تم نے اس کی قدر یہ کی کہ اس کو طلاق دے دی، اب پھر تم میرے پاس آرہے ہو کہ دوبارہ نکاح کرو، خدا کی قسم! اب وہ تمہارے نکاح میں نہ لوٹے گی۔

اسی طرح جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کی چچا زاد بہن کا بھی ایسا ہی واقعہ پیش آیا تو انہوں نے منع کر دیا۔ ان واقعات پر یہ آیت نازل ہوئی جس میں معقل بن یسار رضی اللہ عنہ اور جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کے اس رویہ کو ناپسند و ناجائز قرار دیا گیا۔ آیت کریمہ سنتے ہی حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ کا سارا غصہ ٹھنڈا ہو گیا اور خود جا کر اس شخص سے اپنی بہن کا دوبارہ نکاح کر دیا، اور قسم کا کفارہ ادا کیا، اسی طرح حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما نے بھی تعمیل فرمائی۔ ۶۰

۵۹ وصرح الرضى، مع كونه شيعياً أن حرف - الی - فی القرآن لیس بمعنى ابن، بل بمعنى: من ابن، لیس لتعميم الحال، مستقبلاً، أو مستديراً، مع كون الصماخ واحداً، لا لتعميم المكان - والمعاذ باللہ. لیس الباری علی صحیح البخاری، ج: ۴، ص: ۱۶۳

۶۰ معارف القرآن، ج: ۱، ص: ۵۷۵، وجملة الفاری، ج: ۱۸، ص: ۱۷۰، ۱۶۹

۴۵۲۹۔ حدثنا عبید اللہ بن سعید: حدثنا أبو عامر العقدي: حدثنا عباد بن راشد: حدثنا الحسن قال: حدثني معقل بن يسار قال: كانت لي أخت تخطب إليّ. وقال إبراهيم عن يونس، عن الحسن: حدثني معقل بن يسار حدثنا أبو معمر: حدثنا عبد الوارث: حدثنا يونس، عن الحسن: أن أخت معقل بن يسار طلقها زوجها فتركها حتى انقضت عدتها فخطبها فابى معقل فنزلت ﴿فَلَا تَفْضُلُوهُنَّ أَنْ يَنْكِحَنَّ أَزْوَاجَهُنَّ﴾. [الظر: ۵۱۳۰، ۵۳۳۰، ۵۳۳۱] و

ترجمہ: حسن روایت کرتے ہیں کہ مجھے سے حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میری ایک بہن تھی جس کے نکاح کا پیغام میرے پاس آیا۔

(دوسری سند) ابراہیم بیان کرتے ہیں، ان سے یونس نے، اور ان سے حسن نے، اور ان سے حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ نے بیان کیا۔ (تیسری سند) ابو معمر بیان کرتے ہیں، ان سے عبد الوارث نے، ان سے یونس نے، ان سے حسن بصری رحمہ اللہ نے، اور ان سے حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ان کی بہن کو اسکے خاوند نے طلاق دی، یہاں تک کہ عدت ختم ہوگئی اس کے بعد اس سے نکاح کرنا چاہا اور پیغام بھیجا تو معقل نے نکاح سے انکار کر دیا، اس وقت اللہ تعالیٰ نے مندرجہ بالا آیت نازل فرمائی۔

عورت کو نکاح کا حق

حسن بصری رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں کہ ”ان اُخت معقل بن یسار طلقها زوجها فترکها“ حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ کی بہن تھیں، ان کو انکے شوہر نے طلاق رجعی دیدی اور چھوڑ دیا یعنی عدت ختم ہونے تک رجوع بھی نہیں کیا، ”حقی انقضت عدتها“ یہاں تک کہ ان کی عدت پوری ہوگئی، جب عدت پوری ہو گئی تو پھر وہی شوہر پیغام لے کر آ گیا کہ مجھ سے دوبارہ نکاح کر لو، خود خاتون یعنی حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ کی بہن بھی اس بات کیلئے راضی تھیں۔ ”فابى معقل“ معقل ابن یسار رضی اللہ عنہ نے انکار کیا کہ ایک آدمی تمہارے ساتھ ایسا معاملہ کر چکا، اس کے بعد میں اس سے تمہارا نکاح تو نہیں کراؤں گا۔

اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ ﴿فَلَا تَفْضُلُوهُنَّ أَنْ يَنْكِحَنَّ أَزْوَاجَهُنَّ﴾ جن عورتوں کو طلاق دی گئی ہو، وہ اپنی عدت تک پہنچ جائیں اب اگر وہ دوبارہ اپنے شوہر سے نکاح کرنا چاہتی تو انکو روکو نہیں، منع نہ کر دو۔

طلاق رجعی اور عدت کی وضاحت

ایک عورت کو اس کے خاوند نے ایک یا دو طلاق دی اور پھر عدت میں رجعت بھی نہ کی جب عدت ختم ہو چکی تو دوسرے لوگوں کے ساتھ زوج اول نے بھی نکاح کا پیام دیا، عورت بھی اس پر راضی تھی مگر عورت کے رشتہ داروں نے اس کو نکاح سے روک دیا۔

اس آیت میں یہ حکم دیا گیا کہ عورت کی خوشنودی اور بہبودی کو ملحوظ رکھو، اسی کے موافق نکاح ہونا چاہئے اپنے کسی خیال اور ناخوشی کو دخل مت دو۔

یہ خطاب عام ہے نکاح سے روکنے والے سب لوگوں کو خواہ زوج اول جس نے طلاق دی ہے وہ عورت کو دوسری جگہ نکاح کرنے سے روکے اور اسی طرح عورت کے ولی اور وارث عورت کو پہلے خاوند سے نکاح کرنے سے یا کسی دوسرے شخص سے نکاح کرنے سے مانع ہوں۔

تو اس آیت میں ان سب کو روکنے سے ممانعت آگئی، ہاں اگر خلاف قاعدہ کوئی بات ہو مثلاً غیر کفو میں عورت نکاح کرنے لگے یا پہلے خاوند کی عدت کے اندر کسی دوسرے سے نکاح کرنا چاہے تو بیشک ایسے نکاح سے روکنے کا حق ہے، اسی آیت میں ﴿امر بالمعروف﴾ فرمانے کا یہی مطلب ہے۔

طلاق کے بعد رجعت یا انقطاع نکاح دونوں کیلئے خاص ہدایات

جب مطلقہ رجعی عورتوں کی عدت گزرنے کے قریب آئے تو شوہر کو دو اختیار حاصل ہیں:

ایک یہ کہ رجعت کر کے اس کو اپنے نکاح میں رہنے دے۔

دوسرے یہ کہ رجعت نہ کرے اور تعلق نکاح ختم کر کے اس کو بالکل آزاد کر دے۔

لیکن دونوں کو اختیاروں کے ساتھ قرآن کریم نے یہ قید لگائی کہ رکھنا ہو تو قاعدہ کے مطابق رکھا جائے

اور چھوڑنا ہو تب بھی شرعی قاعدے کے مطابق چھوڑا جائے:

﴿وَإِذَا طَلَقْتُمُ النِّسَاءَ فَلَبَسْنَ أَجَلَهُنَّ لَمْ يَكُنَّ لَهُنَّ مَسْكُونَةٌ

بِمَرْؤَفٍ﴾ [البقرہ: ۲۳۱]

ترجمہ: اور جب تم نے عورتوں کو طلاق دے دی ہو، اور وہ اپنی

عدت کے قریب پہنچ جائیں، تو یا تو ان کو بھلائی کے ساتھ

(اپنی زوجیت میں) روک رکھو۔

﴿قَلَّا تَفْضُلُوهُنَّ أَنْ يَنْكِحَنَّ أَرْوَاجَهُنَّ إِذَا

تَرَاضُوا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوفِ﴾ [البقرہ: ۲۳۲]

ترجمہ: اور جب تم نے عورتوں کو طلاق دے دی ہو، اور وہ اپنی عدت کو پہنچ جائیں، تو (اے میکے والو!) انہیں اس بات سے منع نہ کرو کہ وہ اپنے (پہلے) شوہروں سے (دوبارہ) نکاح کریں، بشرطیکہ وہ بھلائی کے ساتھ ایک دوسرے سے راضی ہو گئے ہوں۔

اس میں ”بِالْمَعْرُوفِ“ کا لفظ دونوں جگہ علیحدہ علیحدہ لاکر اس کی طرف اشارہ فرما دیا ہے کہ رجعت کیلئے بھی اور آزاد کرنے کیلئے بھی کچھ شرائط و قواعد ہیں۔ دونوں حالتوں میں سے جس کو بھی اختیار کرے شرعی قاعدے کے موافق کرے، محض وقتی غصے یا جذبات کے ماتحت نہ کرے، دونوں صورتوں کے شرعی قواعد کا کچھ حصہ قرآن کریم میں بیان کر دیا گیا ہے اور باقی تفصیلات رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمائی ہیں۔ ۹۲

(۴۱) باب: ﴿وَالَّذِينَ يُتَوَلَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُونَ أَرْوَاجًا يُتْرَكْنَ بِالنَّفْسِ هُنَّ أَرْبَعَةٌ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا ۖ إِذَا بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا فَعَلْنَ فِي أَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ ۗ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ﴾ [۲۳۳]

باب: ”اور تم میں سے جو لوگ وفات پا جائیں، اور بیویاں چھوڑ کر جائیں تو وہ بیویاں اپنے آپ کو چار مہینے اور دس دن انتظار میں رکھیں گی۔ پھر جب وہ اپنی (عدت کی) معیاد کو پہنچ جائیں تو وہ اپنے بارے میں جو کارروائی (مثلاً دوسرا نکاح) قاعدے کے مطابق کریں تو تم پر کچھ گناہ نہیں۔ اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے پوری طرح باخبر ہے۔“

﴿يَتَفَوَّنُونَ﴾ [۲۳۴]: یہن۔

ترجمہ: ”یَتَفَوَّنُونَ“ بمعنی بہہ کرنے ہیں۔

مشکل ترین باب

یہ باب امام بخاری رحمہ اللہ کی کتاب التفسیر کی مشکل ترین ابواب میں سے ہے اور جو تعلیقات نقل کئے ہیں، ان سے بات کو سمجھنے میں دشواری پیدا ہوتی ہے۔ پہلے اس کا خلاصہ کتاب سے ہٹ کر سمجھ لیجئے۔ پھر آپ پڑھیں گے تو پھر آپ کو بات سمجھ میں آجائے گی۔

”متوفی عنہا زوجہا“ کی عدت کا مسئلہ

صورت حال یہ ہے کہ ”متوفی عنہا زوجہا“ کی عدت کے بارے میں سورہ بقرہ میں دو آیتیں ہیں، ایک آیت ہے:

﴿وَالَّذِينَ يُتَوَلَّوْنَ مِنْكُمْ وَيُنَدِرُونَ أُولَٰئِكَ يَتَرَبَّصْنَ
بِأَنْفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا ۚ فَإِذَا بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا
جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا فَعَلْنَ فِي أَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ ۗ
وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ﴾ [البقرہ: ۲۳۴]

یعنی کہ وہ عورتیں جن کے شوہر انتقال کر جائیں وہ چار مہینے دس دن تک عدت گزاریں گی۔
یہ سورہ بقرہ میں ترتیب قرآۃ کے لحاظ سے یہ آیت پہلے ہے، اور دوسری آیت ہے:

﴿وَالَّذِينَ يُتَوَلَّوْنَ مِنْكُمْ وَيُنَدِرُونَ أُولَٰئِكَ يَتَرَبَّصْنَ
لِأُولَٰئِكَ مِنْهُنَّ مَتَاعًا إِلَى الْحَوْلِ غَيْرِ إِخْرَاجٍ﴾ [البقرہ: ۲۳۰]

ترجمہ: اور تم میں سے جو لوگ وفات پا جائیں اور اپنے پیچھے بیویاں چھوڑ جائیں تو وہ اپنی بیویوں کے حق میں یہ وصیت کر جایا کریں کہ ایک سال تک وہ (ترکے سے نفقہ وصول کرنے کا) فائدہ اٹھائیں گی اور ان کو (شوہر کے گھر سے) نکالائیں جائے گا۔

یہ آیت کریمہ ترتیب قرأت کے لحاظ سے مؤخر ہے۔

جمہور کی تفسیر اور مسلک

جو معروف تفسیر ہے جس کو جمہور حضرات نے اختیار کیا ہے، اس کی تفصیل یہ ہے کہ ﴿وَالَّذِينَ يُتَوَلَّوْنَ مِنْكُمْ وَيُنَدِرُونَ أُولَٰئِكَ يَتَرَبَّصْنَ لِأُولَٰئِكَ مِنْهُنَّ مَتَاعًا إِلَى الْحَوْلِ غَيْرِ إِخْرَاجٍ﴾ اس میں یہ کہا گیا ہے کہ جس کا شوہر انتقال کر

جائے وہ عورت اسکی عدت کے دوران سال بھر تک اپنے شوہر کے گھر میں رہے گی اور ان کو نکالنا جائز نہیں ہے۔
 جمہور کا کہنا ہے کہ یہ حکم سال بھر کی عدت کا منسوخ ہو گیا اور دوسری آیت یعنی ﴿وَاللَّيْنِ يُتَوَلَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَلْزَمُونَ أَزْوَاجًا يَغْرَبْنَ بِالنَّفْسِ مِنْ أَرْبَعَةِ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا﴾ یہ اس آیت (یعنی جس میں ایک سال تک شوہر کے گھر میں رکنے کا حکم ہے) کیلئے ناسخ ہے۔
 اور اس آیت پر عمل نہیں ہے بلکہ ﴿أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا﴾ والی آیت پر عمل ہے۔
 یہ جمہور حضرات کا قول ہے۔

جمہور کے مسلک پر اشکال

جمہور کے قول پر اور تو کچھ خاص اشکال وارد نہیں ہوتا سوائے اسکے کہ اس میں آیت ناسخ پہلے اور آیت منسوخہ بعد میں ہے، جبکہ ترتیب طبعی کا تقاضا یہ ہے کہ آیت منسوخہ پہلے ہو اور ناسخ بعد میں آئے۔

جمہور کا جواب

جمہور کی طرف سے اسکا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ یہ ترتیب قرأت، ترتیب نزول سے مختلف ہے اور "اربعۃ اشھر" والی آیت اگرچہ قرأت میں مقدم ہے لیکن نزول میں مؤخر ہے اور سارے ناسخ منسوخ میں یہ واحد آیت ایسی ہے جو قرأت میں مقدم ہے اور نزول میں مؤخر ہے، تو اس میں کوئی حرج کی بات نہیں۔
 یہ جمہور حضرات کی تفسیر تھی، اور اس پر ہونے والے اشکال کا جواب۔

دوسری تفسیر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے حضرت مجاہد اور حضرت عطاء بن رباح رحمہما اللہ نے روایت کی ہے۔ یہ دونوں حضرات، عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے شاگرد ہیں۔
 دونوں نے جو تفسیر عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے روایت کی اس میں تھوڑا سا فرق ہے۔

امام مجاہد رحمہ اللہ کا قول

مجاہد رحمہ اللہ کی تفسیر کا حاصل یہ ہے کہ درحقیقت ان دونوں آیتوں میں کوئی ناسخ و منسوخ نہیں ہے اور ﴿اربعۃ اشھر وعشرا﴾ والی آیت جس طرح قرأت میں مقدم ہے اسی طرح نزول میں بھی مقدم ہے۔
 ﴿مُنْعَا إِلَى الْحَوْلِ غَمَزَ إِخْوَانِ﴾ والی آیت جس طرح قرأت میں مؤخر ہے اسی طرح نزول میں بھی مؤخر ہے اور ان میں کوئی ناسخ و منسوخ نہیں، دونوں پر عمل آج بھی ہے۔

ان کا کہنا یہ ہے کہ چار مہینے دس دن تک تو عدت مقرر ہے، جس کے معنی یہ ہیں کہ عورت جو "متولسی عنہا زوجہا" ہے، اس کے ذمے واجب ہے کہ چار مہینے دس دن عدت اپنے شوہر کے گھر میں گزارے، یہ تو واجب ہے اور عورت کا فریضہ ہے۔

پہلی آیت میں اس فریضے کو بیان کیا گیا ہے اور دوسری طرف جواز و اجاز ہیں ان کے ذمے اللہ تعالیٰ نے یہ فریضہ عائد کیا ہے کہ جب وہ دیکھیں کہ ہمارے انتقال کا وقت قریب آرہا ہے اور ہم بیوی کو چھوڑ کر جا رہے ہیں تو ان کو چاہئے کہ اپنی بیویوں کے متعلق وصیت کریں، کیا وصیت کریں؟

وصیت یہ کریں کہ میری بیوی کو سال بھر تک تم (ورثاء) میرے گھر میں رکھنا اور اس کو نہیں نکالنا۔ تو اس حکم کا اس حکم سے کوئی تعلق نہیں، اس کی مخاطبہ عورت ہے کہ چار مہینے دس دن تمہیں اپنے شوہر کے گھر میں رہنے ہیں اور اس کا مخاطب شوہر ہے کہ وصیت کرے کہ سال بھر تک میری بیوی کو گھر سے مت نکالنا اور "غیر اخواج" کے مخاطب اولیاء ہیں۔

اولیاء پر فرض ہے کہ وہ اسکو سال بھر تک نہ نکالیں، لیکن خود عورت کے ذمے تو چار مہینے دس دن کی عدت گزارنی ہے، اب اگر اس کے بعد وہ کہیں اور جانا چاہے تو اس کو اجازت ہے، اس لئے فرمایا کہ "فلا جناح علیکم" اگر وہ خود جانا چاہے تو جائے، تمہارے اوپر کوئی گناہ نہیں لیکن اگر وہ رہنا چاہے تو اسے اولیاء! تم پر فرض ہے کہ سال بھر تک ان کو رکھو۔

حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ دونوں آیتوں میں کوئی تعارض نہیں، چار مہینے دس دن تک عورت کے ذمے فرض ہے کہ وہ شوہر کے گھر میں بحیثیت عدت کے رہے اور چار مہینے دس دن کے آگے یعنی سات مہینے بیس دن وہ عورت کا حق ہے چاہے تو رہے چاہے تو نہ رہے۔

اگر رہنا چاہے تو اولیاء کا فریضہ ہے کہ سال بھر تک رکھیں اور اس کو نہ نکالیں اور یہ حکم آج بھی محکم ہے منسوخ نہیں ہوا، لہذا دونوں آیتیں محکم ہیں اور دونوں میں سے کوئی بھی منسوخ نہیں، دونوں پر عمل آج بھی ہے۔ یہ امام مجاہد رحمہ کے قول کی تفصیل ہے۔

حضرت عطاء بن رباح رحمہ اللہ کا قول

حضرت عطاء بن رباح رحمہ اللہ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے جو تفسیر نقل کی ہے وہ اس کے قریب قریب ہے لیکن تھوڑا سا فرق ہے۔

وہ فرماتے ہیں کہ ترتیب یوں ہوئی ہے کہ جس وقت سب سے پہلے آیت ﴿أَزِنَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا﴾

والی نازل ہوئی کہ چار مہینے دس دن عورت عدت گزارے تو اس کا تقاضا یہ تھا کہ چار مہینے دس دن شوہر کے گھر میں عدت گزارے۔ وہاں شوہر کے گھر میں عدت گزارنا واجب تھا، اگر کہیں اور جا کر عدت گزارنا چاہے تو یہ اس کا حق نہیں تھا۔

بعد میں آیت نازل ہوئی ﴿وَصِيَّةٌ لِّأُولَآئِهِمْ مِّمَّا تَرَكَتُمْ﴾ تو اس میں اور اس چار مہینے والی آیت میں تھوڑا سا تغیر یہ پیدا ہوا کہ اولیاء کے ذمے تو یہ ہے کہ وہ اس کو نہ نکالیں لیکن عورت کے ذمے نہیں ہے کہ وہ وہاں رہے اور اگر عورت جانا چاہے تو جاسکتی ہے، البتہ اگر رہنا چاہے تو اولیاء پورے سال رکھنے پر مجبور ہیں۔

مطلب یہ ہوا کہ اس آیت نے چار مہینے دس دن والی آیت میں یہ تغیر پیدا کیا کہ جب تک یہ آیت نہیں آئی تھی اس وقت عورت پر واجب تھا کہ چار مہینے دس دن مرد کے گھر میں ہی گزارے، اس آیت کے آجانے کے بعد یہ پابندی عورت پر سے اٹھ گئی لیکن عورت کا حق اولیاء پر یہ حق برقرار رہا کہ وہ سال بھر تک گھر میں رکنا چاہے تو اس کو نہ نکالیں۔

لیکن پھر تیسری آیت آئی جس نے اس حق کے حکم کو بھی ختم کر دیا اور وہ آیت میراث ہے کہ جب آیت میراث آگئی اور اس میں یہ کہہ دیا گیا کہ

﴿وَالَّذِينَ الرُّبْعَ مِمَّا تَرَكَتُمْ إِن لَّمْ يَكُنْ لَكُمْ وَلَدٌ فَإِن

كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلِلَّذِينَ الرُّبْعُ مِمَّا تَرَكَتُمْ مِّنْ بَعْدِ وَصِيَّتِ

تُوضُونَ بِهَا أُولَآئِنَا﴾ [النساء: ۱۲]

ترجمہ: اور تم جو کچھ چھوڑ کر جاؤ اس کا ایک چوتھائی ان (بیویوں)

کا ہے، بشرطیکہ تمہاری کوئی اولاد (زندہ) نہ ہو۔ اور اگر تمہاری

کوئی اولاد ہو تو اس وصیت پر عمل کرنے کے بعد جو تم نے کی

ہو، اور تمہارے قرض کی ادائیگی کے بعد ان کو تمہارے ترکے کا

آٹھواں حصہ ملے گا۔

تو اس آیت میراث نے ان کے حق سکنی کو ختم کر دیا کہ اگر چاہیں دوران عدت وہ اپنے شوہر کے

گھر میں رہیں اور اولیاء کو نکالنے کا حق نہیں تھا۔

یہ سکنی کا حق آیت میراث نے ختم کر دیا کہ اگر تم کو شوہر کی میراث مل گئی تو اب شوہر کے گھر میں رہنا کوئی

ضروری نہیں نہ تمہارا حق ہے، کیونکہ وہ گھر جو ہے اب تو شوہر کا نہ رہا وہ تو درگاہ کے درمیان تقسیم ہو گیا ان میں سے

ایک حصہ تمہیں ملا، تو اب سکنی کا حق تمہیں نہیں ہے۔

تو آیت میراث نے سکنی کا حق ﴿مَتَاعًا إِلَى الْحَوْلِ هُنَّ إِخْوَانٌ﴾ جو دیا تھا اسکو منسوخ کر دیا۔

مجاہد اور عطاء رحمہما اللہ کے اقوال میں فرق

حضرت مجاہد رحمہ اللہ کے قول اور حضرت عطاء بن رباح رحمہ اللہ کے قول میں یہ فرق ہے کہ مجاہد کے قول کے مطابق دونوں آیتیں آج بھی محکم ہیں اور آج بھی اگر عورت مطالبہ کرنا چاہے کہ میں سال بھر تک رہوں گی تو مطالبہ کر سکتی ہے، لیکن عطاء کے قول کے مطابق آیت میراث نے اس کے سکنی کا حق ختم کر دیا۔

حنفیہ کا قول بھی یہی ہے یعنی حنفیہ کے نزدیک بھی ”مَعْرُوفِي عَنْهَا زَوْجَهَا“ وہ اپنے شوہر کے گھر میں رہنے کا مطالبہ نہیں کر سکتی بلکہ اگر شوہر کے اولیاء کہیں کہ ہم تو نہیں رہنے دیتے تو وہ کہیں اور رہے، یہی وجہ ہے کہ شوہر کے گھر میں بھی اگر عدت گزارے تو نفقہ خود برداشت کرے گی۔

اس مسئلے کی تفصیل میں یہاں پر تین مذاہب ہو گئے:

(۱)..... جمہور حضرات کا مسلک

(۲)..... مجاہد رحمہ اللہ کا مسلک

(۳)..... عطاء بن رباح رحمہ اللہ کا مسلک

امام بخاری رحمہ اللہ نے پہلے جمہور کے مسلک کے مطابق روایت کی ہے:

۴۵۳۰ - حَدَّثَنِي أَمِيَّةُ بِنْتُ بَسْطَامَ: حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ، عَنْ حَبِيبٍ، عَنْ ابْنِ أَبِي

مَلِيكَةَ: قَالَ ابْنُ الزَّبَيْرِ: قُلْتُ لِعُمَانَ بْنِ عُمَانَ ﴿وَالَّذِينَ يُتَوَلَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَهْدُونَ أَرْوَاجَهُمْ﴾ قَالَ:

لَقَدْ نَسَخَهَا آيَةُ الْآخِرَى فَلَمْ تَكُفَّهَا أَوْ تَدْعُهَا؟ قَالَ: يَا ابْنَ أَخِي، لَا أَظْهَرُ شَيْئًا مِنْهُ مِنْ مَكَانِهِ.

[الظن: ۳۵۳۶]

ترجمہ: حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عثمان بن عفان سے کہا کہ یہ آیت ﴿وَالَّذِينَ يُتَوَلَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَهْدُونَ أَرْوَاجَهُمْ﴾ دوسری آیت سے منسوخ ہو گئی، تو پھر آپ اسے مصحف میں کیوں درج کر رہے ہیں؟ یا آپ نے اس کو مصحف میں کیوں چھوڑ دیا؟ حضرت عثمان بن عفان سے فرمایا اے بیٹے! میں تو جو نازل ہوا اسے لکھوں گا اور کوئی چیز بدلوں گا نہیں۔

حکماً منسوخ، تلاوتاً اب بھی باقی

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں میں نے، حضرت عثمان بن عفان سے کہا کہ دو خلافت

میں جس وقت انہوں نے قرآن کریم کو جمع کرنے کا حکم فرمایا تھا، ان سے اس آیت ﴿وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذُرُونَ أَزْوَاجًا وَصِيَّةً لِّأَزْوَاجِهِمْ مِّمَّا تَرَكَوا إِلَى الْوَالِدِ غَيْرِ إِخْرَاجٍ﴾ کے متعلق کہا کہ ”قد لسخنتها الآية الاخرى“ اس آیت کو جب دوسری آیت یعنی ﴿وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذُرُونَ أَزْوَاجًا يَتَرَبِّصْنَ أَنْفُسِهِنَّ أَثْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا﴾ نے منسوخ کر دیا ہے۔

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کا یہ خیال تھا کہ جو آیت حکماً منسوخ ہو گئی اس کو قرآن کریم میں داخل نہیں کرنا چاہئے۔

”لم تکبها“ تو آپ مصحف میں یہ آیتیں کیوں لکھتے ہیں جو منسوخ ہو گئیں؟ یا راوی کو شک ہے کہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ”أول قال لم تدعها“ آپ اس آیت کو مصحف میں کیوں چھوڑتے ہیں جبکہ یہ منسوخ ہو چکی؟

تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا کہ اے پیغمبر! ”لا أخیر شیئا منہ من مکالہ“ میں قرآن کریم کی کوئی چیز وہ لفظ ہو یا حرف ہو اس کی جگہ نہیں بدل سکتا چاہے اس کا حکم منسوخ ہو گیا ہو، لہذا اسکو جہاں اسکی جگہ ہے وہیں پر لکھوں گا کیونکہ اس کی تلاوت منسوخ نہیں ہے۔

اس روایت سے بتانا یہ مقصود ہے کہ حضرت عثمان بن عفان اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما دونوں یہ سمجھتے تھے کہ ﴿مِّمَّا تَرَكَوا إِلَى الْوَالِدِ غَيْرِ إِخْرَاجٍ﴾ والی آیت کو ﴿يَتَرَبِّصْنَ أَنْفُسِهِنَّ أَثْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا﴾ والی آیت نے منسوخ کر دیا، جو کہ جمہور کا مسلک ہے۔

۴۵۳۱ - حدثني إسحاق: حدثنا روح: حدثنا شبل، عن ابن أبي لجيج، عن مجاهد ﴿وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذُرُونَ أَزْوَاجًا﴾ قال: كانت هذه العدة تعتد عند أهل زوجها واجب، فأنزل الله ﴿وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذُرُونَ أَزْوَاجًا وَصِيَّةً لِّأَزْوَاجِهِمْ مِّمَّا تَرَكَوا إِلَى الْوَالِدِ غَيْرِ إِخْرَاجٍ لِإِنْ خَرَجْنَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا فَعَلْنَ لِي أَنْفُسِهِنَّ مِنْ مَّعْرُوفٍ﴾ قال: جعل الله لها تمام السنة بسبعة أشهر وعشرين ليلة وصية، إن شاءت سكنت في وصيتها، وإن شاءت خرجت، وهو قول الله تعالى: ﴿غَيْرِ إِخْرَاجٍ لِإِنْ خَرَجْنَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ﴾ فالعدة كما هي واجب عليها، زعم ذلك عن مجاهد.

وقال عطاء: قال ابن عباس: نسخت هذه الآية عدتها عند أهلها فتعد حيث شاءت وهو قول الله تعالى: ﴿غَيْرِ إِخْرَاجٍ﴾. قال عطاء: إن شاءت اعتدت عند أهلها وسكنت في وصيتها، وإن شاءت خرجت لقول الله تعالى: ﴿فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا فَعَلْنَ﴾. قال عطاء: ثم جاء الميراث ففسخ السكنى فتعدت حيث شاءت ولا سكنى لها.

وعن محمد بن يوسف: حدثنا ورقاء، عن ابن أبي نجيح، عن مجاهد بهذا.

وعن ابن أبي نجيح، عن عطاء، عن ابن عباس قال: نسخت هذه الآية عدتها في أهلها

لنعتد حيث شاءت لقول الله تعالى: ﴿غَيْرِ إِخْوَانٍ﴾ نحوه. [الظر: ۵۳۳۳] ۹۳

ترجمہ: مجاہد رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ اس آیت ﴿وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا﴾ سے پہلے یہ عدت جو عورت گذارتی تھی اپنے شوہر کے گھر والوں کے پاس وہ واجب تھی، پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ ﴿وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا وَصِيَّةً لِّأَزْوَاجِهِمْ مَّتَاعًا إِلَى الْحَوْلِ غَيْرِ إِخْوَانٍ﴾ یعنی اگر یہ عورتیں چار ماہ دس دن کے بعد اپنے خاوند کے گھروں سے نکل جائیں تو خاوند کے وارثوں پر کوئی گناہ نہیں، اس آیت میں ایک سال پورا کرنے کیلئے سات ماہ اور بیس دن زیادہ خاوند کے گھر میں رکنا اس کی وصیت پر منحصر رکھا گیا ہے، مگر عورت کو اختیار ہے، چاہے تو شوہر کی وصیت کے مطابق شوہر کے گھر میں ایک سال پورا کرے اور چاہے تو عدت پوری کر کے چلی جائے۔ راوی کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت سے عورت کے لئے سات مہینے اور بیس راتیں وصیت کے قرار دئے۔ اگر عورت چاہے تو عدت پوری ہونے وصیت کے مطابق شوہر کے گھر میں رہے اور چاہے تو چلی جائے اور اللہ تعالیٰ کے اس قول ﴿غَيْرِ إِخْوَانٍ لِّأَزْوَاجِهِمْ مَّتَاعًا إِلَى الْحَوْلِ﴾ کا یہی مطلب ہے، تو عدت کے ایام وہی ہیں جنہیں گذارنا اس پر واجب ہے۔ ایسا حضرت مجاہد رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں۔

اور حضرت عطاء رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اس آیت نے عورت کے لئے صرف شوہر کے گھر میں عدت گذارنے کے حکم کو منسوخ کر دیا، اب عورت جہاں چاہے عدت پوری کر سکتی ہے، اور یہ حکم اس آیت ﴿غَيْرِ إِخْوَانٍ﴾ کی وجہ سے ہے۔ حضرت عطاء رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اگر عورت چاہے تو اپنے شوہر کے گھر میں عدت پوری کرے اور شوہر کی وصیت کے مطابق اسی کے گھر میں رہے، اور اگر جانا چاہے تو شوہر کے گھر سے جاسکتی ہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ﴿فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا فَعَلْنَا﴾ اور دستور کے موافق کوئی کام کرے تو تم پر کوئی گناہ نہیں۔ پھر حضرت عطاء رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اس کے بعد پھر میراث کی آیت نازل ہوئی، اور اس سے سکنی کا حکم منسوخ ہو گیا، اب عورت جہاں چاہے اپنی عدت گذارے، اب اس کیلئے سکنی (نان و نفقہ) ضروری نہیں رہا۔

۹۳ رقی سنن ابی داؤد، کتاب الطلاق، باب نسخ مٹاع المعرفی عنہا زوجہا بما فرض لہا من المیراث، رقم: ۲۲۹۸، باب

من رای الصحول، رقم: ۲۳۰۱، وسنن النسائی، کتاب الطلاق، باب الرخصة للمعرفی عنہا زوجہا ان تعدت حدتھا،

رقم: ۳۵۳۱، باب نسخ مٹاع المعرفی عنہا بما فرض لہا من المیراث، رقم: ۳۵۳۳

عدت کے بعد جانے کا اختیار

یعنی اگر یہ عورتیں چار ماہ دس دن کے بعد اپنے خاوند کے گھروں سے نکل جائیں تو خاوند وارثوں پر کوئی گناہ نہیں، اس آیت میں ایک سال پورا کرنے کیلئے سات ماہ اور بیس دن زیادہ خاوند کے گھر میں رکنا وصیت پر منحصر رکھا گیا ہے، مگر عورت کو اختیار ہے، چاہے تو شوہر کی وصیت کے مطابق شوہر کے گھر میں ایک سال پورا کرے، اور چاہے تو عدت پوری کر کے چلی جائے۔

امام بخاری رحمہ اللہ اب حضرت مجاہد رحمہ اللہ کی تفسیر سے متعلق روایات نقل کر رہے ہیں۔

حضرت مجاہد رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر بیان کرتے ہوئے فرما رہے ہیں کہ ”کانت هذه العدة تعد عند اهل زوجها واجب“ عورت یہ عدت یعنی چار مہینے دس دن اپنے شوہر کے ہاں گذارتی تھی اور یہ شوہر کے ہاں گزارنا واجب تھا یعنی یہ کہہ رہے ہیں ﴿وَاللِّينَ يُتَوَلَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُونَ﴾ اور اجابتاً بئربضن بانفسہن اربعۃ اشہر وعشرا کی آیت پہلے آئی تھی۔

بعد میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی

﴿وَاللِّينَ يُتَوَلَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُونَ﴾

﴿وَاللِّينَ يُتَوَلَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُونَ﴾

﴿وَاللِّينَ يُتَوَلَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُونَ﴾

﴿وَاللِّينَ يُتَوَلَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُونَ﴾

﴿وَاللِّينَ يُتَوَلَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُونَ﴾

﴿وَاللِّينَ يُتَوَلَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُونَ﴾

﴿وَاللِّينَ يُتَوَلَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُونَ﴾

﴿وَاللِّينَ يُتَوَلَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُونَ﴾

﴿وَاللِّينَ يُتَوَلَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُونَ﴾

حضرت مجاہد رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ”جعل الله لها تمام السنة بسبعة اشهر وعشرين ليلة وصية“

اللہ ﷻ نے سارے سال معتدہ رکھے مطلب یہ کہ چار مہینے دس دن تو پہلی آیت کے ماتحت تھے، اب اس کے

اوپر اضافہ کر دیا سات مہینے بیس راتوں کا وصیت کے طور پر کہ شوہر وصیت کر کے جائے کہ میری بیوی کو چار مہینے

دس دن کے بعد سات مہینے بیس راتیں مزید رکھنا۔

”ان شاءت مسكنت فی وصيتها“ اگر عورت چاہے تو اس وصیت کی مدت میں یعنی سات مہینے میں دن کی مدت میں چاہے تو وہ وہاں سکونت اختیار کرے، ”وان شاءت خرجت“ اور اگر چاہے تو نکل جائے۔ اللہ ﷻ کے ارشاد ﴿غَيْرَ إِخْرَاجٍ فَإِنْ خَرَجْنَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ﴾ کے یہی مطلب و معنی ہیں۔

”فالعدة كما هي واجب عليها“ لہذا عدت جیسے پہلے چار مہینے دس دن واجب تھی، آج بھی چار مہینے دس دن واجب رہی، لیکن آگے سات مہینے بیس دن کے بارے میں عورت کو حق مل گیا کہ اگر وہ چاہے تو وہاں سکونت اختیار کرے اور اگر چاہے تو نہ کرے۔

”زعم ذلك عن مجاهد“ راوی ابن ابی نجیح نے اسکو مجاہد سے روایت کیا ہے یعنی ان کا قول ہے۔ حضرت مجاہد رحمہ اللہ کی تفسیر بیان کرنے کے بعد امام بخاری رحمہ اللہ اب حضرت عطاء بن رباح رحمہ اللہ کی تفسیر نقل کر رہے ہیں۔

عطاء بن رباح رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ”نسخت هذه الآية عدتها عند أهلها“ اس آیت نے عورت کیلئے صرف شوہر کے گھر عدت گزارنے کے حکم کو منسوخ کر دیا ہے۔ ”هذه الآية“ سے اس آیت کی طرف اشارہ ہے ﴿مَتَاعًا إِلَى الْحَوْلِ غَيْرِ إِخْرَاجٍ﴾۔

﴿يَتَرْتَضْنَ بِنَفْسِهِنَّ أَزْنَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا﴾ والی آیت کا تقاضا کیا تھا کہ عدت کہاں گزارے؟ تو جواب یہ تھا کہ شوہر کے گھر میں گزارے، اب اس آیت نے شوہر کے گھر عدت گزارنے کے حکم کو منسوخ کر دیا۔ یہ سمجھ لینا کہ یہ جو ”نسخت“ کا تعلق ہے ”عند أهلها“ سے ہے ”عدتها“ سے نہیں ہے یعنی عدت تو برقرار رہی لیکن وہ عدت اپنے شوہر کے گھر میں گزارے گی اس کو منسوخ کر دیا۔

”لتعد حيث شاءت“ عورت جہاں چاہے عدت گزارے، شوہر ہی کے گھر پر گزارنے کی پابندی نہیں رہی اور یہ پابندی اس واسطے نہیں رہی کہ اللہ ﷻ نے فرمایا کہ ﴿غَيْرَ إِخْرَاجٍ﴾ گھر سے نہیں نکالی جائیں گی یعنی اولیاء کے اوپر تو لازم ہے کہ ان کو رکھیں لیکن اگر وہ خود نکلنا چاہے تو جہاں چاہے چلی جائے۔

گویا کہ حضرت عطاء بن رباح کا کہنا یہ ہوا کہ یہ جو حق دیا گیا ہے جہاں چاہے عدت گزارے، یہ صرف مدت وصیت سات مہینے بیس دن میں نہیں بلکہ پورے سال میں اور اس میں چار مہینے دس دن کے ابتدائی ایام بھی داخل ہیں، اس میں بھی اس کیلئے ضروری نہیں کہ شوہر کے گھر میں عدت گزارے۔

پھر حضرت عطاء بن رباح رحمہ اللہ کہتے ہیں ”ان شاءت اعدت عند أهلہ ومسكنت فی وصيتها“ اگر چاہے تو اپنے شوہر کے گھر میں عدت یعنی چار مہینے دس دن گزارے اور شوہر جو اس کے حق میں وصیت کر کے گیا ہے اس وصیت کی مدت یعنی سات مہینے بیس دن بھی شوہر کے ورثاء کے ہاں سکونت اختیار کرے۔

”وان شاءت خرجت لفقول الله تعالى: ﴿فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ لِمَا فَعَلْنَ﴾“ اور اگر عورت

چاہے تو عدت کہیں اور جا کر گزارے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ﴿فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ لِمَا فَعَلْتُمْ﴾ یعنی وہ جو کچھ بھی کریں اس میں تم پر کوئی گناہ نہیں۔

اس کا حاصل یہی ہوا کہ عورت کو اختیار ہے کہ پوری عدت کی مدت میں بلکہ پورے سال جب چاہے وہ شوہر کے ہاں رہے، جب چاہے چلی جائے، ہاں! لیکن اولیاء کے ذمے لازم ہے کہ اس کو سال بھر تک سکنی دیں۔ اسکے بعد فرماتے ہیں کہ یہ حکم اس وقت منسوخ ہو گیا کہ ”ثم جاء الميراث فنسخ السكنى“ پھر میراث کی آیت آگئی تو سکنی کا جو حق عورت کا تھا، اور ورثاء کے ذمے تھا اس کو پورا کرنا، وہ منسوخ ہو گیا۔

”فتمتد حیث شاءت ولا سکنی لہا“ کہ اب جہاں چاہے عورت اپنی عدت گزارے اور اس کو سکنی و نفقہ کا حق اپنے شوہر کے گھر میں نہیں ملے گا۔

۴۵۳۲ - حدیثی حبان: أخبرنا عبد الله: أخبرنا عبد الله بن عون، عن محمد بن سيرين قال: جلست إلى مجلس فيه عظم من الأنصار وفيهم عبد الرحمن بن أبي لیلی. فذكرت حديث عبد الله بن عتبة في شأن سبيعة بنت الحارث فقال عبد الرحمن: ولكن عمه كان لا يقول ذلك. فقلت: إني لجرى إن كذبت على رجل في جانب الكوفة، ورفع صوته قال: ثم خرجت فلقيت مالك بن عامر، أو مالك بن عوف، قلت: كيف كان قول ابن مسعود في المتوفى عنها زوجها وهي حامل؟ فقال: قال ابن مسعود: أنجعلون عليها التخليط ولا تجعلون لها الرخصة؟ لنزلت سورة النساء القصوى بعد الطولى. [أنظر: ۳۹۱۰] ۹۳

وقال أيوب، عن محمد: لقيت أبا عطية مالك بن عامر.

۹۳ وسنن ابی دالد، کتاب النکاح، باب لیمن تزوج ولم یم صدقاً حتی مات، رقم: ۲۱۱۲، وکتاب الطلاق، باب فی عدة الحامل، رقم: ۲۳۰۷، وسنن الترمذی، أبواب النکاح، باب ماجاء فی الرجل یتزوج المرأة فیموت عنها قبل ان یفرضها، رقم: ۱۱۳۵، وسنن النسائی، کتاب النکاح، باب اباحة الزوج بغير صداق، رقم: ۳۳۵۲، ۳۳۵۵، ۳۳۵۶، ۳۳۵۸، وکتاب الطلاق، باب عدة الحامل المتوفى عنها زوجها، رقم: ۳۵۲۱، ۳۵۲۳، ۳۵۲۴، ۳۵۲۲، وسنن ابن ماجه، کتاب النکاح، باب الرجل یتزوج ولا یفرض لها فیموت علی ذلك، رقم: ۱۸۹۱، وکتاب الطلاق، باب الحامل المتوفى عنها زوجها اذا وضعت حلت للأزواج، رقم: ۲۰۳۰، ومسند أحمد، مسند المکثرین من الصحابة، مسند عبدالله بن مسعود، رقم: ۲۰۹۹، ۲۲۷۶، ومسند المکین، حدیث معقل بن سنان الأشجعی، رقم: ۱۵۹۳۳، وأول مسند الکوفین، حدیث الجراح وأبی سنان الأشجعی، رقم: ۱۸۳۶۰، ۱۸۳۶۱، ۱۸۳۶۲، ۱۸۳۶۳، ۱۸۳۶۶، وسنن الدارمی، ومن کتاب النکاح، باب الرجل یتزوج المرأة فیموت قبل ان یفرض لها، رقم: ۲۲۹۲

ترجمہ: حضرت محمد بن سیرین رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں کہ میں ایک مجلس میں موجود تھا، اس مجلس میں اکابر انصار موجود تھے اور عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ رحمہ اللہ بھی بیٹھے ہوئے تھے، میں نے ان سے وہ حدیث بیان کی جو عبداللہ بن عتبہ نے سبیعہ بنت حارث رضی اللہ عنہا کے متعلق روایت کی تھی، تو عبدالرحمن کہنے لگے کہ لیکن عبداللہ بن عتبہ کے چچا (حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ) اس کے قائل نہیں تھے۔ پھر میں نے کہا کہ تب تو میں نے جھوٹ بولنے میں بہت جرأت کی ہے اس شخص کے بارے میں جو شخص کوفہ میں بیٹھے ہیں، ان کی آواز ذرا بلند ہوگئی۔ پھر فرماتے ہیں کہ اس کے بعد میں باہر نکلا تو میری ملاقات عامر بن مالک (راوی کو شک ہے) یا مالک بن عوف سے ہوئی، چنانچہ میں نے ان سے دریافت کیا کہ بتائیے ابن مسعود رضی اللہ عنہ اس حاملہ عورت کے متعلق کیا کہتے ہیں جس کا خاوند مر جائے؟ انہوں نے جواب دیا کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ تم لوگ اس پر سختی کے متعلق کیوں سوچتے ہو اس کو رخصت کیوں نہیں دیتے ہو؟ کیونکہ چھوٹی سورۃ النساء بڑی سورت (سورۃ البقرۃ) کے نازل ہوئی۔ ابویوب کہتے ہیں کہ محمد بن سیرین نے بیان کیا کہ میں نے ابو عطیہ مالک بن عامر سے ملاقات کی تھی۔

حاملہ کی عدت وضع حمل ہے

اس حدیث کے تشریح سے پہلے یہ سمجھ لیجئے کہ قرآن کریم کی دو آیتیں ہیں:
 ایک آیت وہی عدت والی ﴿يَعْتَرِضْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ أَزْنَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا﴾۔
 دوسری آیت جو کہ سورۃ الطلاق کی ہے اس میں حاملہ کی عدت، اُس کا وضع حمل قرار دیا گیا ہے۔

﴿وَأُولَاتِ الْأَحْمَالِ أَجَلُهُنَّ أَنْ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ﴾ [الطلاق: ۴]

ترجمہ: اور جو عورتیں حاملہ ہوں، اُن کی (عدت کی) میعاد یہ ہے کہ وہ اپنے پیٹ کا بچہ جن لیں۔

یعنی حاملہ وضع حمل کے بعد عدت سے خارج ہو جاتی ہے، کیونکہ سورت الطلاق کی یہ آیت، سورۃ البقرۃ میں موجود عدت کے حکم کے بعد نازل ہوئی ہے۔

تو جمہور کا مسلک یہ ہے سورۃ طلاق کا حاصل یہ ہے کہ اگر عورت حاملہ ہے اور اس کا وضع حمل ہو گیا تو عدت پوری ہو جائے گی، چاہے چار مہینے دس دن پورے نہ ہوئے ہوں، گویا سورۃ الطلاق کی آیت نے سورۃ البقرۃ کی آیت میں تخصیص پیدا کی ہے کہ یعنی سورۃ البقرۃ کی آیات غیر حاملہ کے لئے آئی ہے اور اگر عورت حاملہ ہو تو اس کی عدت وضع حمل ہے یعنی وضع حمل سے اس کی عدت پوری ہو جائے گی چاہے اگلے دن ہی وضع حمل ہو جائے، یہ جمہور کا قول ہے۔

اور اسکی تائید حضرت سبیحہ بنت حارث رضی اللہ عنہا کے واقعہ سے ہوتی ہے کہ ان کا معاملہ یہ تھا کہ ان کے شوہر کا انتقال ہوا اور انتقال ہونے کے چار مہینے دس دن کی مدت پوری نہیں ہوئی تھی کہ بہت ہی کم دنوں میں ان کے ہاں ولادت ہو گئی تو ولادت ہونے کے بعد نفاس کی مدت گزر گئی۔

تو انہوں نے زیب وزینت شروع کر دی اور لوگوں نے پیغام بھی دینا شروع کر دیا، لوگوں نے اس بات کو برا سمجھا کہ ابھی تو چار مہینے دس دن کی مدت پوری نہیں ہوئی اور انہوں نے زیب وزینت شروع کر دی اور پیغام بھی آنے لگے ہیں تو حضور اکرم ﷺ کے پاس معاملہ پہنچا تو آپ نے فرمایا ”قد حلت لکھی ماشئت“ تم حلال ہو گئی ہو جس سے چاہو نکاح کر لو۔ ۹۵

لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف منسوب ہے کہ ایسی صورت میں جبکہ حاملہ ہو تو ”اہمد الاجلین“ عدت گزارے گی یعنی وضع حمل ہو گیا تو چار مہینے دس دن پورا کرے گی اور اگر چار مہینے دس دن پورے ہو گئے تو وضع حمل تک عدت پورا کرے گی اور روافض و شیعوں کا یہی مسلک ہے۔ ۹۶

حدیث کی تشریح

محمد بن سیرین رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں ایک ایسی مجلس میں بیٹھا جس میں اکابرین انصار کی ایک بہت بڑی تعداد موجود تھی اور انہیں میں عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ رحمہ اللہ بھی تشریف فرما تھے۔

”فذكرت حدیث عبد اللہ بن عتبہ فی شأن سبیحہ بنت الحارث“ اس موقع پر میں نے وہاں سبیحہ بنت حارث رضی اللہ عنہا کے معاملہ میں عبد اللہ بن عتبہ کی حدیث ذکر کی جو وہ روایت کرتے ہیں۔

حضرت عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ”ولکن عمہ کان لایقول ذلك“ لیکن ان کے چچا یہ بات نہیں کہتے ہیں یعنی آپ سبیحہ بنت حارث رضی اللہ عنہا کا واقعہ عبد اللہ بن عتبہ کے حوالہ سے بیان کر رہے ہیں، حالانکہ ان کے چچا حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کے قائل نہیں تھے۔

یعنی عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ رحمہ اللہ یہ سمجھتے تھے وہ ”اہمد الاجلین“ کے قائل تھے اور مجرد وضع حمل سے انقضائے عدت کے قائل نہیں تھے۔

۹۵ من النسانی، کتاب الطلاق، باب عدة الحامل المتوفی عنها زوجها، رقم: ۳۵۰۹

۹۶ وکان ابن عباس یجمع علیہا العدتین لتعدد أقصاهما وذلك لأن احدهما لرفع الأخری، فلما أمکن الجمع بینہما جمع.

وأما عامة الفقهاء فالأمر عنہم محمول علی التخصیص لغير سبیحہ المسلمة. عمدة القاری، ج: ۱۸، ص: ۱۷۶

محمد بن سیرین رحمہ اللہ کہتے ہیں پھر میں نے کہا کہ "إسی لجرى إن كذبت علی رجل لی جانب الكوفة" یعنی عبد الرحمن ابی لیلیٰ رحمہ اللہ اس طرح کہنے سے ایک طرح سے ان کی تکذیب ہوئی کہ تم عبد اللہ بن عتبہ پر جھوٹ اور افتراء باندھ رہے ہو، انہوں نے یہ روایت نہیں کی ہوگی، تو اس پر میں نے کہا میں بڑا جری ہوں اگر میں جھوٹ بولوں ایک ایسے شخص کے اوپر جو کوفہ میں بیٹھا ہوا ہے، جس سے ہر وقت تصدیق کی جاسکتی ہے کہ اس نے یہ روایت بیان کی یا نہیں۔

"ورفع صوته" محمد بن سیرین رحمہ اللہ نے یہ بات بلند آواز سے کہی تاکہ ان پر جو جھوٹ کا الزام ہے وہ جلدی سے دفع ہو جائے۔

محمد بن سیرین رحمہ اللہ کہتے ہیں پھر جب میں مجلس سے باہر نکلا "فلقيت مالک بن عامر، او مالک بن عوف" تو میری ملاقات مالک بن عامر یا مالک بن عوف سے ہوئی، جو حضرت عبد اللہ بن مسعود کے شاگرد تھے، یہاں پر راوی کو شک ہے کہ محمد بن سیرین نے مالک بن عامر کہا تھا یا مالک بن عوف؟

تو میں نے پوچھا کہ "كيف كان قول ابن مسعود في عنها زوجها وهي حامل؟" وہ حاملہ عورت جس کے شوہر کا انتقال ہو جائے، اس کے بارے میں حضرت عبد اللہ بن مسعود کیا فرماتے تھے یعنی ان کا متونی عنہا زوجہا کے بارے میں کیا مذہب تھا؟

تو عبد اللہ بن عتبہ نے کہا کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود ؓ نے تو اسکے بارے میں یہ کہا ہے کہ "انجعلون عليها التعليل ولا تجعلون لها الرخصة؟" اس بیچاری پر تم سختی تو کرتے ہو اور اسکو رخصت نہیں دیتے یعنی اگر چار مہینے دس دن پہلے پورے ہو گئے، وضع حمل نہیں ہوا اور حمل باقی ہے تو تم اس پر تغلیظ کرتے ہو کہ تمہاری عدت نہیں گزری، حمل تک انتظار کرنا ہوگا لیکن وضع حمل پہلے ہو جائے تو رخصت نہیں دیتے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود ؓ اس معاملے میں جمہور کے قول کے قائل تھے۔

اور فرمایا کہ "لنزلت سورة النساء القصرى بعد الطولى" یہ اس وجہ سے کہ چھوٹی سورة النساء بڑی سورت کے بعد بعد نازل ہوئی ہے۔

یہاں "سورة نساء القصرى" سے مراد "سورة الطلاق" ہے جس میں حاملہ کی عدت کا حکم ہے، "الطولى" سے مراد "سورة البقرة" ہے۔

سورة البقرة جس میں چار مہینے دس دن عدت کا حکم ہے، وہ پہلے نازل ہوئی اور سورة النساء جس میں حاملہ کی عدت وضع حمل کا بیان ہے وہ بعد میں نازل ہوئی۔

گویا اشارہ کر دیا کہ وضع حمل والی جو آیت ہے وہ ناسخ ہے یا مقید۔ اور شخص ہے "سورة البقرة" کی آیت کیلئے۔

متوفی شوہر کے گھر ساری زندگی گزارنے کا مسئلہ

سوال: کہ شوہر کے فوتگی کے بعد زندگی سسرال کے ہاں رہتی ہے صحیح ہے یا نہیں؟

جواب: اس کو حق نہیں اس کا مطالبہ کرنے کا کہ وہ سسرال کے ہاں رہے گی، نہ سسرال والوں کو یہ حق ہے کہ اس کو روک کر رکھے لیکن اگر باہمی رضا مندی سے رہے اور پردے وغیرہ کا انتظام کرے تو جائز ہے۔

(۴۲) باب: ﴿حَفِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلَاةِ الْوُسْطَى﴾ [۲۳۸]

باب: ”تمام نمازوں کا پورا پورا خیال رکھو، اور (خاص طور پر) بیچ کی نماز کا“۔

”الصَّلَاةِ الْوُسْطَى“ سے مراد

”الصَّلَاةِ الْوُسْطَى“ - سے مراد عصر کی نماز ہے کہ دن اور رات کے بیچ میں ہے، اسکی تاکید زیادہ

فرمائی، عام طور سے اس وقت دنیا کا مشغلہ زیادہ ہوتا ہے اور اس مشغولیت میں بے پروائی کا امکان زیادہ ہے۔

۴۵۳۳ - حدیثی عبد اللہ بن محمد: حدیثنا یزید: أخبرنا هشام، عن محمد، عن

عبیدة، عن علیؑ: قال النبیؐ.

وحدیثی عبد الرحمن: حدیثنا یحییٰ بن سعید: قال هشام: حدیثنا محمد، عن عبیدة،

عن علیؑ أن النبیؐ قال یوم الخندق: ((حبسونا عن صلاة الوسطی حتی غابت

الشمس، ملأ الله قبورهم وبیوتهم، أو: أجوا لهم ناراً)) شک یحییٰ. [راجع: ۲۹۳۱]

ترجمہ: حضرت علیؑ سے روایت ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے غزوہ خندق کے دن ارشاد فرمایا کہ ان

کافروں نے ہم کو درمیانی نماز سے روک دیا، یہاں تک کہ سورج غروب ہو گیا، اللہ ﷻ ان کی قبروں کو اور ان

کے گھروں کو یا ان کے پیٹوں کو آگ سے بھر دے۔

(۴۳) باب: ﴿وَلَقَدْ مَوَّاهُ اللَّهُ قَاتِلِينَ﴾ [۲۳۸]

باب: ”اور اللہ کے سامنے باادب فرماں بردار بن کر کھڑے ہوا کرو“۔

ای مطہین۔

ترجمہ: ”قائتین“ یہاں پر ”مطہین“ کے معنی میں ہے جس کا مطلب فرماں بردار ہے۔

۴۵۳۳۔ حدثنا مسدد: حدثنا يحيى، عن اسماعيل بن أبي خالد، عن الحارث ابن شبيب، عن أبي عمرو والشيباني، عن زيد بن أرقم قال: كنا نتكلم في الصلاة، يكلم أحدهنا أخاه في حاجته حتى نزلت هذه الآية ﴿حَفِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلَاةِ الْوُسْطَى وَقُومُوا لِلَّهِ قَائِتِينَ﴾ فَأَمَرْنَا بِالسُّكُوتِ. [راجع: ۱۲۰۰]

ترجمہ: حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ہم کو نماز میں اگر کوئی ضرورت پیش آجاتی تھی تو ہم باتیں کر لیا کرتے تھے، تو اس وقت یہ آیت نازل ہوئی کہ ﴿حَفِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلَاةِ الْوُسْطَى وَقُومُوا لِلَّهِ قَائِتِينَ﴾، تو ہمیں خاموشی کا حکم دیا گیا۔

(۴۴) باب قوله: ﴿فَإِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا أَوْ رُكْبَانًا فَإِذَا أَمِنْتُمْ﴾ [۲۳۹]

اس ارشاد کے بیان میں کہ: ”اور اگر تمہیں (دشمن کا) خوف لاحق ہو تو کھڑے کھڑے یا سوار ہونے کی حالت ہی میں (نماز پڑھ لو) یہاں تک کہ تم امن میں آ جاؤ“۔

صلاة الخوف

جنگ کی حالت میں جب باقاعدہ نماز پڑھنے کا موقع نہ ہو اس بات کی اجازت ہے کہ انسان کھڑے کھڑے اشارے سے نماز پڑھ لے، البتہ چلتے ہوئے پڑھنا جائز نہیں۔ اگر کھڑا ہونے کا بھی موقع نہ ہو تو نماز قضاء کرنا بھی جائز ہے۔

وقال ابن جبير: ﴿كُزَيْبَةُ﴾ [۲۵۵]: علمه، يقال: ﴿بَسْطَةُ﴾ [۲۳۷]: زيادة لضلأ. ﴿الْرِغْ﴾ [۲۵۰]: أنزل. ﴿وَلَا يُوَدُّهُ﴾ [۲۵۵]: لا يثق له، أدنى: ألقى، والآد والأيد: القوة.

ترجمہ: حضرت ابن جبیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ”کُزَيْبَةُ“ سے مراد اللہ تعالیٰ کا علم ہے، اور بیان کیا جاتا ہے کہ ”بَسْطَةُ“ سے مراد زیادتی اور فضیلت ہے۔ ”الرغ“ سے مراد اتارنا ہے۔ ”وَلَا يُوَدُّهُ“ سے مراد یہ ہے کہ ان دونوں یعنی آسمان و زمین کی حفاظت کا کوئی بار نہیں ہے، اسی سے ”آدنى“ نکلا ہے یعنی مجھ کو بوجھل کر دیا

اور ”الآد - الاید“ قوت کو کہتے ہیں۔

﴿السِّنَّةُ﴾: النعاس، ﴿لَمْ يَتَسَنَّ﴾ [۲۵۹] لم يتغير، ﴿فَبِهَتْ﴾ [۲۵۸]: ذهب حجتہ۔
 ﴿خَاوِيَةٌ﴾ [۲۵۹] لا أنيس ليها۔ ﴿عُرُوْضِهَا﴾: ابنتها، ﴿نَشِزُهَا﴾ [۲۵۹]: نخرجها۔
 ترجمہ: ”السِّنَّةُ“ کے معنی اونگھنے کے ہیں، ”لَمْ يَتَسَنَّ“ بمعنی نہیں بگڑا، ”فَبِهَتْ“ دلیل میں ہار گیا،
 ”خَاوِيَةٌ“ کا مطلب ہے خالی جگہ جہاں کوئی بہم نہ ہو۔ ”عُرُوْضِهَا“ بمعنی اسکی عمارتیں، ”نَشِزُهَا“ کا مطلب
 ہے کہ ہم نکالتے ہیں۔

﴿إِعْصَارٌ﴾ [۲۶۶]: ریح عاصف تهب من الأرض الى السماء كعمود فيه نار. وقال
 ابن عباس: ﴿صَلْدًا﴾ [۲۶۳]: ليس عليه شيء.
 ترجمہ: ”إِعْصَارٌ“ کے معنی ہیں کہ تیز ہوا جو زمین سے اٹھ کر آسمان کی طرف سیدھی ایک تیر کی طرح جاتی
 ہے، اس میں آگ ہوتی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ”صَلْدًا“ کا معنی چکنا صاف جس پر
 کچھ نہ رہے۔

وقال عكرمة: ﴿وَابِلٌ﴾ [۲۶۳]: مطر شديد. الطل: الندى. وهذا مثل عمل
 المؤمن. ﴿يَتَسَنَّ﴾ [۲۵۹]: يتغير.

ترجمہ: حضرت عکرمہ رحمہ اللہ نے کہتے ہیں کہ ”وَابِلٌ“ بمعنی زور کا اینہ بارش، ”الطل“ کے معنی شبنم،
 ہلکی بارش کے ہیں اور یہ مؤمن کے نیک عمل کی مثال ہے۔ ”يَتَسَنَّ“ کے معنی بدل جائے بگڑا جائے۔

۴۵۳۵۔ حدثنا عبد الله بن يوسف: أخبرنا مالك، عن نافع: أن عبد الله بن عمر
 رضي الله عنهما كان إذا سئل عن صلاة الخوف قال: يتقدم الامام وطائفة من الناس فيصلون
 بهم الامام ركعة وتكون طائفة منهم بينهم وبين العدو لم يصلوا، فاذا صلوا المدين معه
 ركعة اسعأخروا مكان الذين لم يصلوا ولا يسلمون. ويتقدم الذين لم يصلوا فيصلون معه
 ركعة ثم ينصرف الامام وقد صلى ركعتين، فيقوم كل واحد من الطائفتين فيصلون
 لانفسهم ركعة بعد أن ينصرف الامام، فيكون كل واحد من الطائفتين قد صلى ركعتين.
 فان كان خوف هو اشد من ذلك صلوا رجلاً لياما على اقدامهم أو ركباناً مستقبلي
 القبلة أو غير مستقبليها.

قال مالك: قال نافع: لا أرى عبد الله بن عمر ذكر ذلك إلا عن رسول الله ﷺ.

[راجع: ۹۴۲]

ترجمہ: حضرت نافع رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے جب کسی شخص

نے صلوٰۃ الخوف پڑھنے کا طریقہ دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا کہ امام آگے کھڑا ہو اور کچھ لوگ اس کے ساتھ کھڑے ہوں اور کچھ لوگ دشمن کے سامنے کھڑے ہوں اور وہ نماز میں شامل نہ ہوں، پھر جب امام کے ساتھ والے لوگ ایک رکعت پڑھ چکیں تو پیچھے ہٹ کر ان کی جگہ چلے جائیں، جو نماز میں شامل نہیں ہوئے تھے، اس کے بعد وہ لوگ آئیں اور امام کے ساتھ ایک رکعت پڑھیں، اب امام کو سلام پھیر دینا چاہئے کیونکہ وہ دونوں رکعت پڑھ چکا ہے اور دوسرے لوگ اپنی دوسری رکعت پوری کریں اور اس طرح سب کی دو دو رکعت پوری ہو جاتی ہیں اور اگر خوف کی حالت اس سے بھی زیادہ شدید ہو، تو پھر ہر شخص اکیلا نماز پڑھ لے اپنے قدموں پر کھڑے کھڑے یا سواری کی حالت میں چاہے قبلہ کی رخ ہو یا نا ہو۔

امام مالک رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ نافع رحمہ اللہ نے بیان کیا کہ میرا خیال ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے یہ طریقہ رسول اللہ ﷺ سے ہی روایت کیا ہے (یعنی آپ ﷺ کا بیان کردہ طریقہ ہی بتایا ہے)۔

فقہی مسئلہ: صلوٰۃ خوف

شافعیہ اور دیگر کا مسلک

امام شافعی، امام بخاری اور اکثر ائمہ رحمہم اللہ اجمعین یہ فرماتے ہیں کہ عین قتال کی حالت میں اگر نماز کا وقت آگیا اور وہ مجاہد اپنی سواری پر موجود ہے اور تلوار چلا رہا ہے تو اسی حالت میں گھوڑے پر بیٹھے ہوئے ہی اشارہ سے نماز پڑھ لے یہ ”رکباناً“ کی تفسیر ہے۔

اگر پیادہ ہے تو چلتے چلتے اشارہ سے جس طرح پڑھ سکتا ہو تو نماز پڑھے یہ ”رکباً جالاً“ کی تفسیر ہے۔

احناف کا مسلک

احناف کا مسلک یہ ہے کہ اگر یہ مجاہد سوار ہے اور مطلوب ہے یعنی کوئی دشمن اس کے تعاقب میں ہے اور اس کو طلب کر رہا ہے تو اس صورت میں گھوڑے پر بیٹھے بیٹھے اشارہ سے نماز پڑھنا جائز ہے۔

لیکن اگر یہ مجاہد مطلوب نہیں بلکہ طالب ہے یعنی کسی دشمن کے تعاقب میں ہے تو اس صورت میں یہ گھوڑے سے نیچے اتر کر نماز پڑھے، یہ ”رکباناً“ کی صورت ہے۔

”رکباً جالاً“ کا معاملہ یہ ہے کہ ”قائماً“ یعنی ایک ہی جگہ کھڑے کھڑے پڑھ سکتا ہے لیکن ”ماہیاً“

یعنی چلتے ہوئے نہیں پڑھ سکتا۔ ۹۸

اگر ایسی نوبت آجائے کہ کھڑا ہونے کا موقع نہ ملے تو مجبوری ہے، قضا پڑھے جیسا کہ حضور اقدس ﷺ نے غزوة خندق میں قضا فرمائی۔ ۹۹

اس لئے معلوم ہوا کہ خفیہ کے ہاں چلتے چلتے نماز کا کوئی تصور نہیں ہے جبکہ دوسرے حضرات کے ہاں یہ صورت جائز ہے۔

اور بظاہر یوں لگتا ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی جزوی تائید کی ہے، اسی لئے یہ فرمایا ہے ”رجالاً قیاما علی الدامہم“ یعنی ”ماشیا“ کے معنی نہیں کئے ہیں بلکہ ”قائم“ کے معنی کئے ہیں اور حنفیہ بھی یہی کہتے ہیں کہ ”قائم“ معنی ”ماشیا“ نہیں ہیں۔ ۱۰۰

(۴۵) باب: ﴿وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا﴾ [۲۳۰]

باب: ”اور تم میں سے جو لوگ وفات پا جائیں اور اپنے پیچھے بیویاں چھوڑ جائیں“۔

۴۵۳۷۔ حدیثی عبد اللہ بن ابی الأسود: حدیثنا حمید بن الأسود ویزید بن زریع قالا: حدیثنا حبیب بن الشہید، عن ابن ابی ملیکہ قال: قال ابن الزبیر: قلت لعثمان: ہذہ الآیۃ التی فی ﴿وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا﴾ الی قولہ: ﴿غَیْرَ أَخْرَاجٍ﴾ قد نسخہا الآیۃ الآخرى فلم تکتبہا؟ قال: تدعہا یا ابن اخی، لا أغیر شیئا منہ من مکالہ.

قال حمید: أو نحو هذا. [راجع: ۳۵۳۰]

۹۸، ۹۷۔ ومذاهب الفقہاء فی ہذا الباب، فعند ابی حنیفۃ: إذا کان الرجل مطلوباً فلا بأس بصلاۃہ سالراً، وإن کان طالباً فلا. وقال مالک وجماعۃ من أصحابہ: ہما سواء، کل واحد منہما یصلی علی دابتہ. وقال الأوزعی والشافعی فی آخرین کقول ابی حنیفۃ، وهو قول عطاء والحسن والثوری وأحمد و ابی ثور وعن الشافعی: إن خاف الطالب فوت المطلوب أو ما وإلا فلا. عمدة القاری، ج: ۵، ص: ۱۳۶

۹۹۔ والحديث أخرجه البخاری ومسلم وغيرهما، وهو ما روى عن حذيفة قال: ((سمعت النبي ﷺ يقول يوم الخندق: شغلونا عن صلاة العصر۔ قال: ولم يصلها يومئذ حتى غربت الشمس۔ ملائكة ليورثهم نارا وقلوبهم نارا وبيوتهم نارا))

هذا لفظ الطحاوی. عمدة القاری، ج: ۵، ص: ۱۳۰، واعلاء السنن، ج: ۸، ص: ۲۰۶

۱۰۰۔ تفصیل کیلئے مراجعت فرمائیں: انعام الباری، کتاب الخوف، رقم: ۹۳۳، ۹۳۴، ج: ۳، ص: ۱۲۷

ترجمہ: حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے کہا کہ یہ آیت ﴿وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا﴾ تا ﴿غَيْرَ أَخْرَاجٍ﴾، دوسری آیت سے منسوخ ہوگئی، تو پھر آپ اسے مصحف میں کیوں لکھ رہے ہیں؟ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے فرمایا اے بھتیجے! میں تو جو نازل ہوا اسے لکھوں گا اور کوئی چیز بدلوں گا نہیں۔

راوی حمید بن اسود کہتے ہیں کہ یا اسی طرح کہا جیسے متن میں موجود ہے (حمید کو شک کو ہوا اس لئے کہا)۔

(۴۶) باب: ﴿وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ أَرِنِي كَيْفَ تُخَيِّمُ الْمَوْتَى﴾ [۲۶۰]

باب: ”اور (اس وقت کا تذکرہ سنو) جب ابراہیم نے کہا تھا کہ میرے پروردگار! مجھے دکھائیے کہ آپ مردوں کو کیسے زندہ کرتے ہیں؟“۔

﴿فَضْرُهِنَّ﴾: قطعہن۔

ترجمہ: ”فَضْرُهِنَّ“ بمعنی ”قَطْعُهِنَّ“ کہ ان چڑیوں کے ٹکڑے ٹکڑے کر دو۔

۳۵۳ - حدثنا أحمد بن صالح: حدثنا ابن وهب: أخبرني يونس، عن ابن شهاب، عن أبي سلمة وسعيد، عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ قال: قال رسول الله ﷺ: ((لحن أحق بالشك من إبراهيم إذ قال: ﴿وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ أَرِنِي كَيْفَ تُخَيِّمُ الْمَوْتَى قَالَ أَوْ لَمْ تُؤْمِنْ قَالَ بَلَىٰ وَلَٰكِن لِّيَطْمَئِنَّ قُلُوبِي﴾)) [راجع: ۳۳۷۲]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ہم شک کرنے کے زیادہ حق دار ہیں حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ سے کہ جب انہوں نے کہا ﴿وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ أَرِنِي كَيْفَ تُخَيِّمُ الْمَوْتَى قَالَ أَوْ لَمْ تُؤْمِنْ قَالَ بَلَىٰ وَلَٰكِن لِّيَطْمَئِنَّ قُلُوبِي﴾۔

تشریح

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ”لحن أحق بالشك“ ہم اس بات میں یعنی مردہ کو دوبارہ زندہ کرنے کے بارے میں حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ سے زیادہ شک کرنے کے حق دار ہیں۔

مراد یہ ہے کہ اگر شک ہوتا تو ہمیں ہوتا، لیکن جب ہمیں اس میں شک نہیں ہے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بطریق اولیٰ اس بات میں شک نہیں ہوگا، لہذا کوئی یہ نہ سمجھے کہ انہوں نے جو سوال کیا تھا وہ شک کی بناء پر کیا تھا، بلکہ اطمینان قلب کیلئے کیا تھا، یہ مقصود ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ ”لحسن احق“ یہ تو اضعافاً ہے، ورنہ یہ بات ظاہر ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابراہیم علیہ السلام سے افضل ہیں۔

پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی، جس میں یہ واقعہ مذکور ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

﴿وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ أَرِنِي كَيْفَ تُحْيِي الْمَوْتَىٰ قَالَ

أَؤْمِنُ قَالَ بَلَىٰ وَلَٰكِن لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِي﴾

ترجمہ: اور (اس وقت کا تذکرہ سنو) جب ابراہیم نے کہا تھا کہ میرے پروردگار! مجھے دکھائیے کہ آپ مردوں کو کیسے زندہ کرتے ہیں؟ اللہ نے کہا: ”کیا تمہیں یقین نہیں؟“ کہنے لگے: ”یقین کیوں نہ ہوتا؟ مگر (یہ خواہش اس لئے کی ہے) تاکہ میرے دل کو پورا اطمینان حاصل ہو جائے۔“

کیفیتِ احیاء و یکھنا مقصود تھا

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہ سوال ہی کیوں پیدا ہوا، جبکہ وہ حق تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ پر ایمان لانے میں اس وقت کی ساری دنیا سے زیادہ یقین رکھتے تھے؟

جواب یہ ہے کہ درحقیقت حضرت ابراہیم علیہ السلام خلیل اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سوال کسی شک و شبہ کی بنیاد پر تھا ہی نہیں، بلکہ سوال منشاء صرف یہ تھا کہ حق تعالیٰ قیامت میں مردوں کو زندہ کریں گے، اُن کی قدرتِ کاملہ سے یہ کسی بھی طرح مستبعد یا حیرت انگیز نہیں، بلکہ یقینی ہے، لیکن مردہ کو زندہ کرنے کا کام انسان کی طاقت سے باہر ہے، اس نے کبھی کسی مردہ کو زندہ ہوتے ہوئے دیکھا نہیں اور مردہ کو زندہ کرنے کی کیفیات و صورتیں مختلف ہو سکتی ہیں۔

انسان کی فطرت ہے کہ جو چیز اس کے مشاہدہ میں نہ ہو اس کی کیفیات کی کھوج لگانے کی فکر میں رہا کرتا ہے، اس میں اس کا خیال مختلف راہوں پر چلتا ہے، جس میں ذہنی انتشار کی تکلیف بھی برداشت کرتا ہے، اس ذہنی انتشار کو رفع کر کے قلب کو سکون مل جانے ہی کا نام اطمینان ہے، اسی لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ درخواست پیش فرمائی تھی۔

اسی سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ ایمان اور اطمینان میں کیا فرق ہے۔
ایمان اس اعتقاری یقین کا نام ہے جو انسان کو اللہ کے رسول کے اعتماد پر کسی غیب کی بات کے متعلق حاصل ہو جائے۔

اور اطمینان سکونِ قلب کا نام ہے، بعض اوقات نظروں سے غائب کسی چیز پر یقین کامل تو ہوتا ہے، مگر قلب کو سکون اس لئے نہیں ہوتا کہ اس کی کیفیات کا علم نہیں ہوتا، یہ سکون صرف مشاہدہ سے حاصل ہو سکتا ہے۔
حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بھی حیات بعد الموت پر تو کامل ایمان و یقین تھا، سوال صرف کیفیتِ احیاء کے متعلق تھا۔ اے

(۴۷) باب قولہ: ﴿أَيُّدُ أَحَدِكُمْ أَنْ تَكُونَ لَهُ جَنَّةٌ مِّنْ نَّحِيلٍ وَأَعْنَابٍ﴾ اِلَى

قولہ: ﴿لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُونَ﴾ [۲۶۶]

اس ارشاد کا بیان کہ: ”کیا تم میں سے کوئی یہ پسند کرے گا کہ اس کا کھجوروں اور انگوروں کا ایک باغ ہو“ تا ”تا کہ تم غور کرو“۔

ریا کاری کا انجام

یہ صدقات کو برباد کرنے کی مثال ہے، جس طرح ایک آگ سے بھرا بگولا ہرے بھرے باغ کو یکا یک تباہ کر ڈالتا ہے، اسی طرح ریا کاری یا صدقہ دے کر احسان جتلانا یا کسی اور طرح سے غریب آدمی کو ستانا صدقے کے عظیم ثواب کو برباد کر ڈالتا ہے۔

۴۵۳۸۔ حدثنا ابراہیم: أخبرنا هشام، عن ابن جریج: سمعت عبد اللہ بن ابی

ملیكۃ یحدث عن ابن عباس قال: وسمعت أخواه أبا بكر بن أبی ملیكۃ یحدث عن عبید بن

عمیر قال: قال عمر رضی اللہ عنہ یوما لأصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم: لیم ترون هذه الآية نزلت؟ ﴿أَيُّدُ أَحَدِكُمْ

أَنْ تَكُونَ لَهُ جَنَّةٌ مِّنْ نَّحِيلٍ وَأَعْنَابٍ﴾ قالوا: الله أعلم. فغضب عمر، فقال: قولوا: نعلم، أو لا

نعلم. فقال ابن عباس: فی نفسی منها شیء یا أمیر المؤمنین، قال عمر: یا ابن أخی قل

ولا تحقر نفسک۔ قال ابن عباس: ضربت مثلاً لعمل قال عمر: ای عمل؟ قال ابن عباس: لعمل۔ قال عمر: لرجل غنی بعمل بطاعة الله عزوجل ثم بعث الله له الشيطان لعمل بالمعاصی حتی اغرق اعماله۔ ﴿فَضْرَمُنْ﴾ لَطِئُنْ۔

ترجمہ: (پہلی سند) ابراہیم، ہشام سے روایت کرتے ہیں کہ ابن جریج نے عبد اللہ بن ابی ملیکہ سے سنا کہ وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے حدیث بیان کرتے ہیں، (دوسری سند) ابن جریج کہتے ہیں کہ میں نے عبد اللہ بن ابی ملیکہ کے بھائی ابو بکر بن ابی ملیکہ سے سنا کہ وہ عبید بن عمیر سے روایت کرتے تھے کہ ایک دن حضرت عمرؓ نے اصحاب رسول ﷺ سے پوچھا کہ اس آیت کے بارے میں تم لوگ کیا کہتے ہو کہ یہ آیت کس بارے میں نازل ہوئی؟ ﴿أَيُّوْدُ أَخَذَتْكُمْ أَنْ تَكُونُوا لَهُ جَنَّةٌ مِنْ نَجِيلٍ وَأَغْنَابُ﴾۔ صحابہ کرامؓ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ خوب واقف ہے اس کے بارے میں۔ حضرت عمرؓ نے اس پر غصہ کا اظہار کیا، پھر کہا کہ تم لوگ صاف کہو کہ ہم کو معلوم ہے یا نہیں معلوم؟ تو حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کہا کہ اے امیر المؤمنین! میرے دل میں اس کے بارے میں ایک خیال ہے، حضرت عمرؓ نے فرمایا اے میرے بھتیجے! ضرور کہو اور خود کو کم تر خیال مت کرو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے عرض کیا کہ یہ عمل کی مثال ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کیسے عمل کی؟ تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا بس عمل کی مثال ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ یہ ایک مالدار آدمی کی مثال ہے، جو اللہ عزوجل کی اطاعت و فرمانبرداری کرتا ہے، پھر اللہ تعالیٰ نے اس پر شیطان کو مسلط کر دیا تو گناہوں میں مبتلا ہو کر اپنے تمام نیک اعمال برباد اور ضائع کر دیئے۔

اعمال صالح کو ضائع کرنے والا عمل

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ایک دن حضرت عمرؓ نے صحابہ کرامؓ سے دریافت فرمایا کہ ”لیم ترون هذه الآية نزلت؟“ اس آیت کے بارے میں تم لوگوں کا کیا خیال ہے کہ کیوں نازل ہوئی؟ یعنی یہ آیت کریمہ ﴿أَيُّوْدُ أَخَذَتْكُمْ أَنْ تَكُونُوا لَهُ جَنَّةٌ مِنْ نَجِيلٍ وَأَغْنَابُ﴾ اس کے بارے میں پوچھا کہ یہ کس کے بارے میں یا کس سلسلے میں نازل ہوئی؟

صحابہ کرامؓ نے کہا کہ ”اللہ اعلم“ اللہ ہی بہتر جانتا ہے اس کے بارے میں۔

”فغضب عمر“ حضرت عمرؓ نے جب یہ جواب سنا تو اس پر ناراضگی اور غصہ کا اظہار کیا، پھر ان سے کہا کہ ”قولوا: لعلم، اولاعلم“ تم لوگ صاف اور سیدھی بات کہو جانتے ہو یا نہیں جانتے؟ کیونکہ اللہ تو جانتا ہی ہے۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اکثر و بیشتر جب رسول اللہ ﷺ صحابہ کرام ﷺ سے کوئی بات پوچھتے تھے تو صحابہ یہ جواب دیتے تھے کہ ”اللہ ورسولہ أعلم“ کہ اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتا ہے تو آپ ﷺ نے کبھی اس بات پر غصہ نہیں فرمایا کہ ایسے کیوں کہا، لیکن حضرت عمرؓ ناراض ہو گئے، اس کی کیا وجہ ہے؟

وجہ یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ جب اس طرح بات کرتے تھے کہ کیا یہ بات جانتے ہو؟ تو اس بات سے دراصل متوجہ کرنا مقصود ہوتا تھا یعنی آپ ایک بات فرمانا چاہتے ہیں اور اس کی طرف لوگوں کو متوجہ ہو جائیں۔

فی الواقعہ یہ مقصود نہیں کہ کون جانتا ہے اور کون نہیں جانتا بلکہ متوجہ کرنا مقصود ہوتا تھا تو اس لئے صحابہ کرام ﷺ یہ جواب دیتے کہ ”اللہ ورسولہ أعلم“ یعنی آپ بتائیے! ہم محتاج ہیں۔

جبکہ یہاں حضرت عمر فاروقؓ کے پوچھنے کا جو منشا تھا وہ امتحان تھا کہ بھئی! اس آیت کا مطلب کس کو آتا ہے اور کس کو نہیں آتا؟

اسکے جواب میں واضح طور پر یہ کہنا چاہئے تھا کہ مجھے آتا ہے یا مجھے نہیں آتا، اس لئے ناراضگی کا اظہار کیا۔

پھر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ”لسی نفسی منها شیء یا امیر المؤمنین“ اے امیر المؤمنین! میرے دل میں اس کے متعلق ایک بات ہے کہ یہ آیت اس بارے میں ہوگی۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ”یا ابن اخی قل ولا تحقر نفسک“ اے میرے بھائی کے بیٹے یعنی بھتیجے! کہو جو بات تمہارے دل میں ہے آیت کے متعلق، اور اپنے آپ کو حقیر مت سمجھو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ”ضربت مفلأ لعمل“ یہ اللہ ﷻ نے کسی عمل کی مثال دی ہے۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ”ای عمل؟“ کس عمل کی مثال دی ہے؟ تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ”لعملی“ مطلقاً کوئی بھی عمل ہو، اس کے بارے میں فرمایا ہے۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ”لرجل غنی بعمل بطاعة اللہ عزوجل“ یہ اصل میں مثال ہے ایسے شخص کی جو غنی مال دار ہے اور اللہ ﷻ کی اطاعت و فرمانبرداری کرتا ہے، ”ثم بعث اللہ له الشیطان فعلم بالمعاصی“ لیکن پھر اللہ ﷻ نے اس کے پاس شیطان کو بھیج دیا اور اس نے بہکاوے میں آکر گناہ کے کاموں پر عمل کیا، ”حتی اغرق أعماله“ یہاں تک کہ اس نے اپنے تمام نیک اعمال کو غرق کر دیا، ضائع کر دیا۔

اعمال کو حبط اور غرق کرنے کی صورت

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ معصیت تو فی نفسہ ہے ہی معصیت، اس میں نیک اعمال کیسے ختم ہو سکتے؟

جمہور اہل سنت کا مسلک یہ ہے کہ معصیت خواہ کیسی بھی ہو لیکن وہ سابقہ کسی بھی نیکی کو باطل نہیں کرتی۔

پہلے اگر کوئی نیکی کی ہوئی ہے تو اپنی جگہ پر اس کا الگ ثواب ہے اور گناہ جو کیا ہے اس کا اپنی جگہ پر عذاب ہے، ﴿وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ﴾ تو دونوں کے اوپر عمل ہوتا ہے۔

یہ اعمال کو جہٹ کرنے والی اور اعمال کو غرق کرنے والی بات کیسے ہو سکتی ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں ”اعترق اعمالہ“ کے معنی ہے اعمال میں معصیت غالب آگئی ہے، یہ نہیں ہے کہ وہ نیکیاں نامہ اعمال سے مٹ گئے، نامہ اعمال میں تو ہے لیکن بعد کی معصیتوں نے غلبہ پالیا یعنی وہ کثیر ہو گئی اور غلبہ پانے کی وجہ سے پچھلے اعمال کو ڈبو دیا کہ اس پر غالب آ گئے، لہذا آدمی جب آخرت میں آئے گا تو نیکیوں کے مقابلے میں معصیتیں غالب ہوں گی اور اس کی وجہ وہ جہنم میں جائے گا۔

جہٹ صرف کفر کی صورت میں ہوتا ہے۔ اس کا حاصل یہ ہے کہیں اس عمل کی نحوست کے نتیجے میں تم خود کفر میں مبتلا ہو جاؤ اور کفر میں مبتلا ہو کر جہٹ اعمال میں مبتلا ہو جاؤ۔

نبی کریم ﷺ کی بے ادبی، گستاخی اور تکلیف پہنچانا سب کفر ہے اور کفر سے جہٹ اعمال ہو جاتا ہے۔

(۳۸) باب: ﴿لَا يَسْأَلُونَ النَّاسَ إِخْفَاءً﴾ [۲۷۳]

باب: ”وہ لوگوں سے لپٹ کر سوال نہیں کرتے“۔

یقال: الخف علی الخ علی واحفانی بالمسألة.

ترجمہ: ”الخف علی الخ علی واحفانی“ کا مطلب یہ ہے کہ لپٹ کر مانگتے یعنی مانگنے پر اصرار۔

آیت کا مفہوم

اس آیت سے بظاہر یہ مفہوم نکلتا ہے کہ مسکین وہ ہے جو لپٹ کر نہیں مانگتے، لیکن بغیر لپٹ کر مانگنے کی نفی نہیں ہے، چنانچہ بعض حضرات کا یہی قول ہے۔

لیکن جمہور کے نزدیک اس کے معنی یہ ہے کہ وہ سوال بالکل ہی نہیں کرتے، لَآئِهِمْ مُتَعَفِّفُونَ عَنِ

الْمَسْأَلَةِ عِفَّةٌ نَامَةٌ۔ ۱۰۲

۳۵۳۹۔ حدیثنا ابی مریم: حدیثنا محمد بن جعفر قال: حدیثی شریک بن ابی نمر:

أن عطاء بن يسار وعبدالرحمن بن أبي عمرة الألباصي قالا: سمعنا أبا هريرة رضي الله عنه يقول: قال النبي ﷺ: ((ليس المسكين الذي ترده العمرة والتمرتان ولا اللقمة ولا اللقمة ولا اللقمة. إنما المسكين الذي يعفف، الرزآن شتم))، يعني قوله تعالى: ﴿لَا يَسْأَلُونَ النَّاسَ إِخْلَافًا﴾. [راجع: ۱۳۷۶]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضي الله عنه بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مسکین وہ نہیں ہے کہ جس کو ایک یاد کھجور اور ایک یاد دو لقمے کھانے کا لالچ در بدر لئے پھرتا ہے۔ بلکہ مسکین تو وہ ہے جو کسی سے سوال نہ کرے، اگر تم مسکین کا مطلب جانتا چاہتے ہو تو اس آیت کو پڑھو ﴿لَا يَسْأَلُونَ النَّاسَ إِخْلَافًا﴾۔

(۴۹) باب: ﴿وَأَخْلَ اللَّهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا﴾ [۲۷۵]

باب: ”حالانکہ اللہ نے بیع کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام قرار دیا ہے۔“

﴿الْمَسُّ﴾: الجنون.

ترجمہ: ”الْمَسُّ“ کے معنی جنون، دیوانگی کے ہیں۔

۳۵۳۰۔ حدثنا عمر بن حفص بن غياث: حدثنا أبي: حدثنا الأعمش: حدثنا مسلم،

عن مسروق، عن عائشة رضي الله عنها قالت: لما أنزلت الآيات من آخر سورة البقرة في

الربا فقرأها رسول الله ﷺ على الناس. ثم حرم التجارة في الخمر. [راجع: ۳۵۹]

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ جب سورہ بقرہ کی آخری آیات سود کے بارے

میں نازل ہوئیں تو رسول اللہ ﷺ نے سب کے سامنے ان آیات کو پڑھا (اس کی حرمت ظاہر فرمادی)، اس کے

بعد شراب کی تجارت کو بھی حرام کر دیا گیا۔

(۵۰) باب: ﴿يَمْحَقُ اللَّهُ الرِّبَا﴾ [۲۷۶]

باب: ”اللہ سود کو مٹاتا ہے۔“

يذهب.

ترجمہ: ”يَمْحَقُ“ بمعنی ”يُذْهِبُ“ یعنی اللہ اس کو زائل کر دے گا، ہلاک کر دے گا۔

۳۵۳۱۔ حدثنا بشر بن خالد: أخبرنا محمد بن جعفر عن شعبة، عن سليمان

الأعمش: سمعت أبا الضحى يحدث عن مسروق، عن عائشة أنها قالت: لما أنزلت الآيات الأواخر من سورة البقرة، خرج رسول الله ﷺ فعلاهن في المسجد، فحرم التجارة في الخمر. [راجع: ۳۵۹]

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ جس وقت سورہ بقرہ کی آخری آیات نازل ہوئیں تو رسول اللہ ﷺ (گھر سے) باہر تشریف لائے، اور مسجد میں لوگوں کو پڑھ کر سنائیں، پھر اس کے بعد شراب کی تجارت کو حرام قرار دیا۔

(۵۱) باب: ﴿فَأَذْنُوبًا يَحْرَبُ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ﴾ [۲۷۹]

باب: ”اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے اعلان جنگ سن لو“۔

۳۵۴۲ - حدثني محمد بن بشار: حدثنا غندر: حدثنا شعبة، عن منصور، عن أبي

الضحى، عن مسروق، عن عائشة، قالت: لما أنزلت الآيات من آخر سورة البقرة قرأهن النبي ﷺ في المسجد وحرم التجارة في الخمر. ۵۳

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ جب سورہ بقرہ کی آخری آیات نازل ہوئیں، تو نبی کریم ﷺ نے مسجد میں لوگوں کو اس کا مطلب سمجھایا، پھر اس کے بعد شراب کی تجارت کو حرام قرار دیا۔

(۵۲) باب: ﴿وَإِنْ كَانَ ذُو عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ إِلَىٰ مَيْسَرَةٍ﴾ [۲۸۰]

باب: ”اور اگر کوئی تنگ دست (قرض دار) ہو تو اس کا ہاتھ کھلنے تک مہلت دینی ہے“۔

یعنی جب سود کی ممانعت آگئی اور اس کا لینا دینا موقوف ہو گیا تو اب تم مدیون مفلس سے تقاضا کرنے لگو

۵۳ ولی صحیح مسلم، کتاب الطلاق، باب تحریم بیع الخمر، رقم: ۱۵۸۰، و سنن ابی داؤد، کتاب البیوع، باب

فی ثمن الخمر والمیئة، رقم: ۳۴۹۰، و سنن النسائی، کتاب البیوع، بیع الخمر، رقم: ۴۶۶۵، و سنن ابن ماجہ، کتاب

الأخریة، باب التجارة فی الخمر، رقم: ۳۳۸۲، و مسند أحمد، مسند الصدیقة عائشة بنت الصدیق رضی اللہ عنہما،

یہ ہرگز نہیں ہونا چاہئے بلکہ مفلس کو مہلت دو اور توفیق ہو تو بخش دو۔ ۵۳۔

۳۵۴۳۔ وقال محمد بن يوسف، عن سفیان، عن منصور والأعمش، عن أبي الضحی، عن مسروق، عن عائشة قالت: لما أنزلت الآيات من آخر سورة البقرة قام رسول الله ﷺ لقرأهن علينا ثم حرم العجارة في الخمر. [راجع: ۳۵۹]

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ سورہ بقرہ کی آخری چند آیات نازل ہوئیں، تو رسول اللہ ﷺ کھڑے ہوئے، ان آیات کو ہمارے سامنے پڑھا، پھر اس کے بعد شراب کی تجارت کو حرام فرمایا۔

حرمتِ خمر اور رِبَا

ان روایات میں ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب سورہ بقرہ کی آخری آیات نازل ہوئیں تو نبی کریم ﷺ نے وہ آیات مسجد میں تلاوت فرمائی پھر خمر کی تجارت کو حرام قرار دیا۔

سوال: یہاں اشکال یہ ہے کہ یہاں کہا گیا ہے کہ سورہ بقرہ کی آخری آیات نزول کے اعتبار سے بھی آخری آیات ہیں جو نبی کریم ﷺ کی عمر کے تقریباً آخری زمانے میں نازل ہوئیں۔ ﴿وَ اتَّقُوا يَوْمًا تُرْجَعُونَ فِيهِ إِلَى اللَّهِ﴾ [البقرة: ۲۶۱] کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ سب سے آخری آیت ہے جو نازل ہوئی۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب یہ آخری آیتیں پڑھیں اور اس کے بعد یہ کہا کہ ”ثم حرم العجارة في الخمر“ پھر خمر کی تجارت کو حرام قرار دیا گیا، حالانکہ خمر کی تجارت بہت پہلے حرام ہو چکی تھی؟

جواب: یہاں پر ”ثم“ یہ تراخی زمانی کے لئے نہیں بلکہ تراخی بیان کیلئے ہے، کیونکہ بعض اوقات ”ثم“ تراخی بیان کیلئے آتا ہے۔

مثال کے طور پر ﴿ثُمَّ اسْعَوْا إِلَى السَّمَاءِ فَسُوِّهُنَّ سَمَوَاتٍ﴾ [البقرة: ۲۹]۔ یہاں اس آیت میں ”ثم“ اس لئے نہیں ہے کہ پہلے زمین بنائی پھر آسمان بنائے، بلکہ بہت سے مفسرین نے یہ کہا ہے کہ ترتیب اسکے برعکس ہے کہ آسمان پہلے بنایا گیا جیسا کہ قرآن شریف میں دوسری جگہ ﴿وَ الْأَرْضُ بَعْدَ ذَلِكَ دَحَاهَا﴾ [النارعات: ۳۰] ہے کہ زمین بعد میں بنائی آسمان پہلے بنے۔

لیکن یہاں ”ثم“ تراخی بیان کیلئے ہوگا، مطلب یہ کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہہ رہی ہیں کہ خمر پینا تو حرام کیا ہی تھا پھر اس کی تجارت بھی حرام فرمائی۔

یہاں ”پھر“ سے مطلب یہ ہے کہ اس کے علاوہ تجارت کو بھی حرام کیا۔
اگر ”م“ تراخی بیان کیلئے ہو، تراخی زمان کیلئے نہ ہو تو کوئی اشکال نہیں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہاں پر
تھوڑا سا کسی راوی سے لفظوں میں کوئی بات آگے پیچھے ہوگئی ہو۔

ربا سود کب حرام ہوا؟

ربا کی حرمت کے وقت کے بارے میں مختلف روایتیں ملتی ہیں۔

بعض روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آخری آیت ہے جو ربا کے بارے میں نازل ہوئی۔

بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے جو بڑی کثرت سے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے سب سے پہلے حجۃ

الوداع کے موقع پر ربا کی حرمت کا اعلان کیا۔

تیسرا یہ کہ سن دو ہجری میں، کیونکہ سود کے متعلق سورہ آل عمران میں یہ آیت آئی ہے ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ

آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا الرِّبَا أَضْعَافًا مُضَاعَفَةً﴾ [آل عمران: ۱۳۰] اور سورۃ آل عمران غزوہ احد کے آس پاس

نازل ہوئی ہے یعنی سن دو ہجری میں تو اس طرح روایتیں مختلف ہیں۔

بعض حضرات نے ان روایات میں اس طرح تطبیق دی ہے کہ حرمت ربا غزوہ احد یعنی سن دو ہجری میں

آگئی تھی لیکن اس کی تفصیلات نہیں آئی تھیں اور تفصیلات کا اعلان حجۃ الوداع کے موقع پر کیا گیا تو اس طرح ہو سکتا

ہے کہ حرمت خمر کا تعلق سن دو ہجری کی تحریم سے ہے۔

یہاں ان روایات میں ”آخر سورۃ البقرۃ“ کا جو لفظ آیا ہے، اس سے ہو سکتا ہے کہ کسی راوی سے

وہم ہو گیا ہو، مراد ”آخر سورۃ البقرۃ“ نہیں بلکہ مراد ربا کی تحریم ہے اور ربا کی تحریم کا اعلان آپ ﷺ نے مسجد

میں فرمایا، اس کے بعد آپ ﷺ نے خمر کی تجارت کی حرمت کا اعلان فرمایا، تو پھر تراخی زمانی بھی مراد ہو سکتی ہے۔

(۵۳) باب: ﴿وَاتَّقُوا يَوْمًا تُرْجَعُونَ فِيهِ إِلَى اللَّهِ﴾ [۲۸۱]

باب: ”اور ڈرو اس دن سے جب تم سب اللہ کے پاس لوٹ کر جاؤ گے“۔

۳۵۴۴ - حدثنا قبيصة بن عقبة: حدثنا سفیان، عن عاصم، عن الشعبي، عن ابن

عباس رضي الله عنهما قال: آخر آية نزلت على النبي ﷺ آية الرها. ۲۰۳

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ پر آخر میں جو آیت نازل ہوئی، وہ سو کے متعلق تھی۔

باعتبار نزول آخری آیت

”آیۃ الہیاء“ سے مراد یہی ﴿وَأَلْفُوا يَوْمًا نَزَجُونَن فَبِهِ إِلَى اللَّهِ﴾ ہے۔
 ”آیۃ الہیاء“ اس سے پہلے ہی نازل ہو چکی تھی، اسکی دلیل یہ ہے کہ حضور ﷺ نے فتح مکہ کے بعد ربوا کے معاملات ممنوع قرار فرمادیئے تھے اور اسی پر یہ آیت نازل ہوئی تھی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی ”وَأَلْفُوا يَوْمًا“ مراد ہے، اسی کو آیت ربوا سے تعبیر فرمایا۔ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا اپنا خیال ہے۔
 بعض حضرات کہتے ہیں باعتبار نزول آخری آیت ﴿الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ﴾ [المائدہ: ۳] ہے۔
 کسی نے کہا باعتبار نزول آیت میراث آخری آیت ہے، غرض یہ کہ اس بارے میں مختلف اقوال ہیں۔

(۵۴) باب: ﴿وَإِنْ تُبَدُّوا مَالِي أَنْفُسِكُمْ أَوْ تُخْفَوُہُ يُحَاسِبُكُمْ بِهِ اللَّهُ﴾ [الایۃ: ۲۸۴]

باب: ”اور جو باتیں تمہارے دلوں میں ہیں، خواہ تم ان کو ظاہر کرو یا چھپاؤ، اللہ تم سے ان کا حساب لے گا۔“

احکام کے بیان کے بعد تہدید اور تنبیہ

اس سورت میں اصول و فروع عبادات و معاملات جانی و مالی ہر قسم کے احکامات بہت کثرت سے مذکور فرمائے اور شاید اس سورت کے سنام القرآن فرمانے کی یہی وجہ ہو۔ اس لئے مناسب ہے کہ بندوں کو پوری تاکید و تہدید بھی ہر طرح سے فرمادی جائے تاکہ تعمیل احکام مذکورہ میں کوتاہی سے اجتناب کریں۔
 سو اسی غرض کیلئے آخر سورت میں احکام کو بیان فرما کر اس آیت کو بطور تہدید و تنبیہ ارشاد فرما کر تمام احکام مذکورہ سابقہ کی پابندی پر سب کو مجبور کر دیا اور طلاق و نکاح قصاص و زکوٰۃ بیع و ربوا وغیرہ میں جو اکثر صاحب حیلوں اور اپنی ایجاد کردہ تدبیروں سے کام لیتے ہیں اور ناجائز امور کو جائز بنانے میں خود رانی اور سینہ زوری سے کام لیتے ہیں ان کو بھی اس میں پوری تنبیہ ہوگئی۔

دیکھئے جس کو ہم پر استحقاق عبادت حاصل ہوگا اس کو مالک ہونا چاہئے اور جو ہماری ظاہری اور مخفی تمام اشیاء کا محاسبہ کر سکے اس کو تمام امور کا علم ہونا ضروری ہے، اور جو ہماری تمام چیزوں کا حساب لے سکے اور ہر ایک

کے مقابلے میں جزاء و سزا دے سکے اس کو تمام چیزوں پر قدرت ہونی ضروری ہے۔
سوائے تین کمالات یعنی ملک اور علم اور قدرت کو یہاں بیان فرمایا اور انہی کا آیۃ الکرسی میں ارشاد ہو چکا ہے، مطلب یہی ہے کہ ذات پاک سبحانہ تمام چیزوں کی مالک اور خالق اس کا علم سب کو محیط، اس کی قدرت سب پر شامل ہے تو پھر اس کی نافرمانی کسی امر ظاہر یا مخفی میں کر کے بندہ کیونکر نجات پاسکتا ہے۔ ۱۰۵

۳۵۳۵ - حدثنا محمد: حدثنا النخعی: حدثنا مسکون: حدثنا شعبة، عن خالد الحذاء، عن مروان الأصغر، عن رجل من أصحاب النبی ﷺ وهو ابن عمر أنها قد نسخت: ﴿وَإِنْ تُبَدُّوْا مَا لِيْ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تَخْفَوْهُ﴾ الآية. [النظر: ۳۵۳۶] ۱۰۶
ترجمہ: مروان اصغر نے نبی کریم ﷺ کے ایک صحابی یعنی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی انہوں نے فرمایا کہ ﴿وَإِنْ تُبَدُّوْا مَا لِيْ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تَخْفَوْهُ﴾ والی آیت سے منسوخ ہو گئی ہے۔

تشریح

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ آیت ﴿وَإِنْ تُبَدُّوْا مَا لِيْ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تَخْفَوْهُ﴾ یہ آیت اب حکماً منسوخ ہو گئی ہے۔ ﴿لَا يَكْلَفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا﴾ [البقرة: ۲۸۶] نے اس کو منسوخ کر دیا۔

(۵۵) باب قوله تعالى: ﴿اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَا اَنْزَلَ اِلَيْهِ مِنْ رَبِّهِ وَالْمُوْمِنُوْنَ﴾ [۲۸۵]
باری تعالیٰ کے اس ارشاد کا بیان کہ: ”یہ رسول (یعنی حضرت محمد ﷺ) اس چیز پر ایمان لائے ہیں جو ان کی طرف ان کے رب کی طرف سے نازل کی گئی ہے، اور (ان کے ساتھ) تمام مسلمان بھی۔“

ہر حال میں رب کی اطاعت

پہلی آیت سے جب یہ معلوم ہوا کہ دل کے خیالات پر بھی حساب اور گرفت ہے تو اس پر صحابہ کرام ﷺ گھبرائے اور ڈرے اور ان کو اتنا صدمہ ہوا کہ کسی آیت پر نہ ہوا تھا۔

۱۰۵ تفسیر الکبیر، ج: ۷، ص: ۱۰۵، وتفسیر طبری، سورہ بقرہ، آیت: ۲۸۳، قاعدہ: ۱،

آپ ﷺ سے شکایت کی تو آپ نے فرمایا ”قولوا سمعنا و اطعنا“ یعنی اشکال نظر آئے یا دقت محسوس ہو مگر حق تعالیٰ کے ارشاد کی تسلیم میں ادنیٰ توقف بھی مت کرو اور سینہ ٹھوک کر ”سمعنا و اطعنا“ عرض کر دو۔ آپ ﷺ کے ارشاد کی تعمیل کی تو انشراح کے ساتھ کلمات زبان پر بے ساختہ جاری ہو گئے۔

مطلب ان کا یہ ہے کہ ہم ایمان لائے اور اللہ کے حکم کی اطاعت کی یعنی اپنی دقت اور خلجان سب کو چھوڑ کر ارشاد کی تعمیل میں مستعدی اور آمادگی ظاہر کی حق تعالیٰ کو یہ بات پسند ہوئی تب یہ دونوں آیتیں اتریں:

اول ﴿آمَنَ الرَّسُولُ بِمَا أُنزِلَ إِلَيْهِ مِنْ رَبِّهِ وَالْمُؤْمِنُونَ﴾ اس میں رسول کریم ﷺ اور ان کے صحابہ ﷺ کہ جن کو اشکال مذکور پیش آیا تھا ان کے ایمان کی حق سبحانہ نے تفصیل کے ساتھ مدح فرمائی جس سے ان کے دلوں میں اطمینان ترقی پاوے اور خلجان سابق زائل ہو۔

اس کے بعد دوسری آیت ﴿لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا﴾ میں فرما دیا کہ مقدور سے باہر کسی کو تکلیف نہیں دی جاتی، اب اگر کوئی دل میں گناہ کا خیال اور خطرہ پائے اور اس پر عمل نہ کرے تو کچھ گناہ نہیں اور بھول چوک بھی معاف ہے غرض صاف فرما دیا کہ جن باتوں سے بچنا طاقت سے باہر ہے جیسے برے کام کا خیال و خطرہ یا بھول چوک ان پر مواخذہ نہیں۔

ہاں جو باتیں بندہ کے ارادے اور اختیار میں ہیں ان پر مواخذہ ہوگا اب آیت سابقہ کو سن کر جو صدمہ ہوا تھا اس کے معنی بھی پچھلے قاعدہ کے موافق لینے چاہئیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور خلجان مذکور کا اب ایسا قلع قمع ہو گیا کہ سبحان اللہ۔ ۷۱

ول قال ابن عباس: ﴿إِضْرَأُ﴾ [۲۸۶] عهداً. ويقال: ﴿عُفْرَانِكُ﴾ [۲۸۵] مفرتك، ﴿لَا تُعْفِرُنَا﴾ [۲۸۶].

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ”إِضْرَأُ“ کے معنی عہد اور بیٹاق کے ہیں، ”عُفْرَانِكُ“ اور ”مفرتک“ کے ایک ہی معنی ہے یعنی ہمیں معاف فرما دیجئے۔

(۳) سورۃ آل عمران

سورۃ آل عمران کا بیان

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وجہ تسمیہ

عمران - حضرت مریم علیہا السلام کے والد کا نام ہے، اور ”آل عمران“ کا مطلب ہے ”عمران کا خاندان“۔ اس سورت میں اس خاندان کا ذکر آیا ہے، اس لئے اس سورت کا نام ”آل عمران“ ہے۔ یہ سورت مدنی ہے، اس کے شروع کی تراسی آیتیں نجران کے عیسائیوں کے بارے میں نازل ہوئی ہیں، جو حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں ۹ھ میں آئے تھے، جس کا مفصل بیان مبادلہ کی آیت ”قل تعالوا“ کی تفسیر میں عنقریب آئے گا ان شاء اللہ۔

﴿تَقَاةٌ﴾ و تَقِيَةٌ وَاحِدَةٌ، ﴿صِرٌّ﴾ [۱۱۷]: برد۔ ﴿شَفَا حُفْرَةٍ﴾ [۱۰۳]: مثل شفا الرکبة و هو حفر لها. ﴿تَبَوُّؤُا﴾ [۱۲۱]: تغلغل معسکراً. ﴿رَبِيبُونَ﴾ [۱۳۶]: الجموع، واحدها ربي. ﴿تَحْسُونَهُمْ﴾ [۱۵۲]: تستاصلونهم لتعلا. ﴿عُرَّاءُ﴾: واحدها غاز. ﴿سَنَكْتُبُ مَا قَالُوا﴾: سنحفظ. ﴿نُزُلًا﴾ [۱۹۸] ثواباً: ويجوز ومنزل من عند الله كقولك: أنزلته. ﴿وَالْخَيْلِ الْمَسْؤَمَةِ﴾: المسوم الذي له سيماء بعلامة أو بصوفة أو بما كان. وقال مجاهد: ﴿وَالْخَيْلِ الْمَسْؤَمَةِ﴾ [۱۳]: المطهمة الحسان. وقال سعيد بن جبیر: ﴿وَخَصُورًا﴾ [۳۹]: لا ياتى النساء. وقال عكرمة ﴿مِنْ قُورِهِمْ﴾ [۱۲۵]: غضبهم يوم بدر. وقال مجاهد: ﴿يَخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ﴾: النطفة تخرج ميتة، ويخرج منها الحي. ﴿الْإِنكَارُ﴾ [۳۱]: أول الفجر. ﴿وَالْعَيْشِيُّ﴾ [۳۱]: ميل الشمس الى أن تغرب.

ترجمہ و تشریح

”تقاة“ اور ”تقیة“ دونوں کے معنی ڈر اور بچاؤ کے ہیں، ”صیر“ بمعنی ٹھنڈک سردی۔
”شفا حفرہ“ کا مطلب ہے گڑھے کا کنارہ جیسے کچے کنویں کا کنارہ۔

”تَبَوُّی“ یعنی تم محاذ پر فوج کو جمع کرتے تھے، ”رَبِیُّونَ“ ربی کی جمع ہے، یعنی اللہ والے لوگ۔
 ”تَحْشُونَهُمْ“ کا معنی ہے کہ تم قتل کر کے ان کو جڑ سے ختم کر رہے تھے۔
 ”غَزَا“ جمع ہے ”غَزَا“ کی یعنی جہاد کرنے والا۔ ”سَنَكْتُبُ“ ہم عنقریب محفوظ کر لیں گے۔
 ”نُزُلًا“ بمعنی ثواب کے، اور منزل بھی اسی معنی میں ہے جیسے کہ کسی کے سامنے کچھ پیش کریں۔
 ”وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ“ کے ترجمہ میں کہا کہ نشان لگانا، داغ لگانا، یہ لفظ ”سیماء“ سے مشتق ہے اور اس کا معنی ہے وہ چیز جس کی کوئی علامت ہو کسی نشان کے ذریعے یا ادن کے ذریعے یا اور کوئی بھی علامت۔
 حضرت مجاہد رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ”وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ“ سے مراد مکمل ساخت والے کامل الاعضاء، خوبصورت عمدہ گھوڑا۔

حضرت سعید بن جبیر اور عبد اللہ بن عبد الرحمن بن ابی رجم اللہ فرماتے ہیں کہ ”الْمَسْوُومَةُ الرَّاعِيَّةُ“ سے مراد چرنے والے مویشی یعنی جنگل میں آزادی سے چرنے والے۔
 حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ”وَحَضْرًا“ کے معنی ہیں وہ شخص جو عورت کے پاس نہ جائے یعنی مباشرت پر قادر نہ ہو۔

حضرت عکرمہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ”مِنْ فَوْرِهِمْ“ کے معنی غضب اور جوش کے ہیں، جو کفار نے غزوہ بدر کے دن دکھایا۔

حضرت مجاہد رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ ”مِنْخَرِجُ الْحَيِّ مِنَ الْعَمِيَّتِ“ سے مراد نطفہ ہے کہ پہلے بے جان ہوتا ہے، پھر اسے جاندار بنا کر پیدا کرتا ہے۔

”الْإِنْكَارُ“ کے معنی ہیں فجر کا پہلا پہر یعنی صبح صادق۔

”وَالْعَيْشِيُّ“ کے معنی ہیں جس وقت سورج ڈھلنے سے شروع ہو کر غروب تک جاتا ہے۔

(۱) باب: ﴿مِنْهُ آيَاتٌ مُّعْجَمَاتٌ﴾ [۷]

باب: ”جس کی کچھ آیتیں تو محکم ہیں“۔

قال مجاهد: الحلال والحرام ﴿وَأَعْرُفَتْ سَابِغَاتٍ﴾ يصدق بعضها بعض، كقوله تعالى: ﴿وَمَا يُضِلُّ بِهِ إِلَّا الْفَاسِقِينَ﴾ [البقرة: ۲۶] وكقوله جل ذكره: ﴿وَيَجْعَلُ الرَّجْسَ عَلَى الَّذِينَ لَا يَعْقِلُونَ﴾ [يونس: ۱۰۰] وكقوله تعالى: ﴿وَالَّذِينَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى وَآتَاهُمْ

تَقْوَاهُمْ ﴿ [محمد: ۱۷۰]۔

﴿زِنَعٌ﴾: شک ﴿فَلْيَتَّبِعُوا مَآثِرَآءَ مِنۡهُ اِبْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ﴾ المشتبهات ﴿وَالرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ﴾ يعلمون تاویلہ و ﴿يَقُولُونَ آمَنَّا بِهِ﴾ الآية [۷۰]۔

ترجمہ و تشریح

حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آیات محکمات سے مراد وہ آیتیں ہیں جن میں حلال و حرام کے احکامات ہیں، اور آیات متشابہات وہ آیتیں ہیں جو بعض، بعض کی تصدیق کرتی ہیں، جیسے کہ سورۃ بقرہ میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ

﴿وَمَا يُضِلُّ بِهِ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ﴾

(مگر) وہ گمراہ انہی کو کرتا ہے جو نافرمان ہیں۔

اسی طرح سورۃ یونس میں اللہ ﷻ ارشاد ہے کہ

﴿وَيَجْعَلُ الرُّجْسَ عَلٰى الْاٰدِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ﴾

اور جو لوگ عقل سے کام نہیں لیتے، اللہ ان پر گندگی کو مسلط کر دیتا ہے۔

سورۃ محمد میں اللہ تعالیٰ کا فرمان موجود ہے کہ

﴿وَالَّذِيْنَ اهْتَدَوْا زَادْنٰهُمۡ هُدًى وَّاَنۡآهَمۡ تَقْوَاهُمْ﴾

اور جن لوگوں نے ہدایت کا راستہ اختیار کیا ہے، اللہ نے انہیں ہدایت میں اور ترقی دی ہے، اور انہیں ان کے حصے کا تقویٰ عطا فرمایا ہے۔

﴿زِنَعٌ﴾ کے معنی ہیں شک کے، اشارہ اس آیت کی طرف ہے کہ ﴿فَلْيَتَّبِعُوا مَآثِرَآءَ مِنۡهُ اِبْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ﴾ اس جگہ فتنہ سے مراد متشابہات ہیں، ﴿وَالرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ﴾ جو لوگ جانتے ہیں اس کی تاویل کو وہ کہتے ہیں ﴿يَقُولُونَ آمَنَّا بِهِ﴾۔

محکمات اور متشابہات کا حکم

آیت کریمہ ﴿مِنۡهُ اٰیٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ الْخٰلِفِ﴾ اس آیت میں آیات محکمات و متشابہات کا ذکر ہے۔

”محکمات“ وہ ہیں جن کی مراد کو ہم جانتے ہیں اس معنی میں کہ ان کی مراد کا معلوم ہونا کوئی ناممکن نہیں ہے، چاہے علم قطعی کے ساتھ ہو، چاہے علم ظنی کے ساتھ ہو، تو وہ ”محکمات“ ہیں۔

”متشابہات“ کی ایک تفصیل وہ ہے جو جمہور حضرات نے اختیار کی ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ قرآن کریم کی وہ آیات جن کی مراد ہمیں معلوم نہیں ہیں اور اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو اس کی مراد معلوم نہیں۔

جیسا کہ حروف مقطعات یا آیات صفات باری تعالیٰ مثلاً ”امتویٰ“ کی حقیقت کیا ہے؟ اس کی کیفیت کیا ہے؟ یہ سب ”متشابہات“ ہیں جن کی مراد ہم نہیں جانتے۔

یہ جمہور کے مذہب کا مختصر ذکر ہے۔

امام مجاہدؒ اور متشابہات

امام مجاہد رحمہ اللہ کی تفسیر جمہور سے مختلف ہے۔

ان کی تفسیر یہ ہے کہ ”متشابہات“ کے معنی یہ نہیں ہیں کہ اس کے معنی و مفہوم معلوم نہیں بلکہ ”یصدق بعضها بعض“ آیات متشابہات وہ آیتیں ہیں جن کی تصدیق دوسری آیت سے بھی ہوتی ہے، تو دونوں آیتیں متشابہ ہو جاتی ہیں یعنی ایک آیت مفہوم اور معنی کے لحاظ سے دوسری آیت جیسی ہے۔

اور اسی معنی میں قرآن کریم ہے کہ ﴿اللَّهُ نَزَّلَ أَحْسَنَ الْعَدِيثِ كِتَابًا مُتَشَابِهًا﴾ [الزمر: ۲۳] تو یہاں بھی معنی ہیں کہ ایک حصہ دوسرے حصے کے مشابہ ہے اور ایک دوسرے کے تصدیق کرتا ہے۔

امام مجاہد رحمہ اللہ نے یہ تفسیر کی ہے۔

”محکمات“ سے مراد وہ آیتیں ہیں جن کے مشابہ کوئی اور آیت قرآن میں موجود نہیں، ”متشابہات“ وہ ہیں کہ جن سے مشابہ دوسری آیتیں موجود ہیں۔

اب مجاہد رحمہ اللہ کی اس تفسیر پر یہ اشکال ہوتا تھا کہ آگے جو فرمایا گیا ہے کہ ﴿فَأَمَّا الْدِينِ فِیْ قُلُوبِهِمْ﴾ تو اگر متشابہ کے بعد یہ ہیں کہ وہ آیتیں جو ایک دوسرے کی تصدیق کر رہی ہیں تو ان کے اتباع سے کیوں منع کیا گیا؟

مجاہد رحمہ اللہ اس کا جواب دے رہے ہیں کہ اتباع سے منع نہیں کیا جا رہا، بلکہ ”ابتغاء الفتنة“ سے تاویل اور ایسی تاویل سے منع کیا جا رہا ہے کہ جو تحریف کی حد تک پہنچتی ہو، جن کے قلوب میں زلیخ ہے جو متشابہ آیات برحق ہیں اور معلوم المراد ہیں ان کے پیچھے پڑتے ہیں کہ ان کے ذریعہ فتنہ پیدا کریں اور اس کے متقا توڑ موڑ کے بیان کریں کہ فتنہ پیدا ہو۔

معنی تو صحیح ہے اور معلوم المراد ہے لیکن یہ جو زلیخ والے ہیں اس کو توڑ موڑ کر کسی اور طرف لے جا کر فتنہ

پیدا کرنا چاہتے ہیں۔

آگے مجاہد رحمۃ اللہ علیہ اس بات کی تشریح کر رہے ہیں کہ ایک آیت دوسری آیت کے مشابہ کیسے ہوتی ہے، جیسے قرآن کریم میں ایک جگہ فرمایا ﴿وَمَا يُضِلُّ بِهِ إِلَّا الْفَاسِقِينَ﴾ اللہ جل جلالہ فاسقین کو قرآن کے ذریعہ گمراہ کرتا ہے، اور دوسری جگہ فرمایا ﴿وَيَجْعَلُ الرَّجْسَ عَلَى الَّذِينَ لَا يَغْفِلُونَ﴾ دونوں کا مفہوم ایک جیسا ہے کہ اللہ تعالیٰ فاسقوں اور بے عقلوں کو گمراہی کی نجاست میں ڈال دیتا ہے اور یہی بات ﴿وَيَزِيدُ اللَّهُ الَّذِينَ اهْتَدَوْا هُدًى﴾ [مریم: ۷۶] کا مفہوم مخالف بھی ہے، لہذا تینوں آیتوں کا مفہوم ایک جیسا ہوا۔

امام بخاری رحمہ اللہ کا رجحان

تو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ترجمۃ الباب میں مجاہد کی تفسیر نقل کی ہے لیکن حدیث مرفوعہ جو لائے ہیں وہ جمہور کے مطابق لائے ہیں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ رجحان ان کا بھی جمہور کی تفسیر کے مطابق ہے، البتہ ترجمۃ الباب میں ایک قول کے طور پر امام بخاری رحمہ اللہ نے امام مجاہد رحمہ اللہ کا قول نقل کر دیا۔
”وقال مجاهد الحلال والحرام“ مجاہد کہتے ہیں کہ مشتبہات سے مراد حلال و حرام ہے۔

- ۴۵۳۷۔ حدثنا عبد الله بن مسلمة: حدثنا يزيد بن ابراهيم المستري، عن ابي مليكة، عن القاسم بن محمد، عن عائشة رضي الله عنها قالت: تلا رسول الله ﷺ هذه الآية ﴿هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ مِنْهُ آيَاتٌ مُحْكَمَاتٌ هُنَّ أُمُّ الْكِتَابِ وَأُخَرُ مُتَشَابِهَاتٌ فَأَمَّا الَّذِينَ لِي قُلُوبُهُمْ زَيَّغٌ فَيَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاءَ تَأْوِيلِهِ وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللَّهُ وَالرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ يَقُولُونَ آمَنَّا بِهِ كُلٌّ مِنْ عِنْدِ رَبِّنَا وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّا أُولُو الْأَلْبَابِ﴾ قالت: قال رسول الله ﷺ: ((فاذا رأيت الذين يتبعون ما تشابه منه فأولئك الذين سمي الله فاحذروهم)). ۱ .

۱۔ وفي صحيح مسلم، كتاب العلم، باب النهي عن اتباع متشابه القرآن، والتحذير من متبعه، والنهي عن الاختلاف في القرآن، رقم: ۲۶۶۵، وسنن ابي داود، كتاب السنة، باب النهي عن الجدال واتباع المتشابه من القرآن، رقم: ۴۵۹۸، وسنن العرملي، ابواب تفسير القرآن، باب ومن سورة آل عمران، رقم: ۲۹۹۳، ۲۹۹۴، وسنن ابن ماجه، الفتح الكتاب في الايمان وفضائل الصحابة والعلم، باب احتساب البدع والجدل، رقم: ۴۷، ومسند احمد، مسند الصديقه عائشة بنت الصديق رضي الله عنهما، رقم: ۲۳۲۱۰، ۲۳۹۲۹، ۲۵۰۰۳، ۲۶۱۹۷، وسنن الدارمي، كتاب العلم، باب من هاب الفتيا وكره التنطع والتبدع، رقم: ۱۳۷

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں رسول اللہ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی ﴿هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ مِنْهُ الْبَحْرُ﴾ پھر حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تم ان لوگوں کو دیکھو جو تشابہ آیات کی مثل میں لگے رہتے ہیں تو سمجھ لو کہ اللہ ﷻ نے اپنی کتاب میں انہیں لوگوں کا ذکر فرمایا ہے، لہذا ان کی صحبت سے پرہیز کرو۔

(۲) باب: ﴿وَإِنِّي أُعِيذُهَا بِكَ وَذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ﴾ [۳۶]

باب: ”اور میں اسے اور اس کی اولاد کو شیطان مردود سے حفاظت کیلئے آپ کی پناہ میں دیتی ہوں“۔

۴۵۳۸ - حدثني عبد الله بن محمد: حدثنا عبد الرزاق: أخبرنا معمر، عن الزهري، عن سعيد بن المسيب، عن أبي هريرة ؓ: أن النبي ﷺ قال: ((ما من مولود يولد إلا والشيطان يمسّه حين يولد فيستهل صارخاً من مس الشيطان إياه إلا مريم وابنها))، ثم يقول أبو هريرة: والقرآن ان شتم ﴿وَإِنِّي أُعِيذُهَا بِكَ وَذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ﴾. [راجع: ۳۲۸۶]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ ؓ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ شیطان ہر بچہ کو جب وہ پیدا ہوتا ہے چھوتا ہے اور وہ بچہ اس شیطان کے چھونے سے چلا کر روتا ہے، سوائے حضرت مریم علیہا السلام اور ان کے بیٹے (حضرت عیسیٰ ؑ) کے (کہ شیطان نے ان کو نہیں چھوا)۔ پھر حضرت ابو ہریرہ ؓ نے فرمایا کہ اگر تم جاہو تو یہ آیت پڑھ لو ﴿وَإِنِّي أُعِيذُهَا بِكَ وَذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ﴾۔

(۳) باب: ﴿إِنَّ الدِّينَ يَشْعُرُونَ بِعَهْدِ اللَّهِ وَأَيْمَانِهِمْ لَمَنَا لَيْلًا أَوْلَيْكَ لَا خَلْقَ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ﴾: لا خیر ﴿وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾ [۷۷]

باب: ”جو لوگ اللہ سے کئے ہوئے عہد اور اپنی کھائی ہوئی قسموں کا سودا کر کے تھوڑی سی قیمت حاصل کر لیتے ہیں ان کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہوگا“۔ ان کیلئے کوئی خیر نہیں ہے۔ ”اور ان کا حصہ تو بس عذاب ہوگا، انتہائی دردناک“۔

مؤلم موجع من الألم وهو فی موضع مفعول.

ترجمہ: ”الیم“ بمعنی ”مؤلم وموجع“ یعنی دردناک اور تکلیف دہ، اور یہ مفعول کے وزن پر ہے۔

۳۵۴۹، ۳۵۵۰۔ حدثنا حجاج بن منہال: حدثنا أبو عوانة، عن الأعمش، عن أبي
والل، عن عبد الله بن مسعود رضي الله عنه قال: قال رسول الله ﷺ: ((من حلف يمين صبر ليقطع بها
مال امرئ مسلم لقي الله وهو عليه غضبان. فانزل الله تصديق ذلك ﴿إِنَّ الَّذِينَ يَشْتَرُونَ
بِعَهْدِ اللَّهِ وَأَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيلًا أُولَئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ﴾) الى آخر الآية، قال: فدخل
الأشعث بن قيس وقال: ما يحدثكم أبو عبد الرحمن؟ قلنا: كذا وكذا، قال: لئى انزلت،
كانت لى بشر لى أرض ابن عم لى، قال النبى ﷺ: ((بينتك أو يمينه))، فقلت: إذا يحلف
بأرسول الله. فقال النبى ﷺ: ((من حلف على يمين صبر يقطع بها مال امرئ مسلم وهو
فيها فاجر لقي الله وهو عليه غضبان)). [راجع: ۲۳۵۶، ۲۳۵۷]

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن مسعود رضي الله عنه نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو آدمی مسلمان کا مال
حاصل کرنے کی غرض سے جھوٹی قسم کھاتا ہے، جب وہ اللہ ﷻ سے ملے گا تو اللہ ﷻ اس پر غصہ فرمائے گا، پھر
اللہ ﷻ نے یہی مضمون قرآن میں نازل فرمایا ﴿إِنَّ الَّذِينَ يَشْتَرُونَ بِعَهْدِ اللَّهِ وَأَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيلًا
أُولَئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ﴾ آیت کے آخر تک۔

ابو اکل کہتے ہیں کہ حضرت اشعث بن قیس رضي الله عنه ہمارے پاس آئے اور کہنے لگے کہ ابو عبد الرحمن یعنی
حضرت عبد اللہ بن مسعود رضي الله عنه نے تم لوگوں سے کیا حدیث بیان کی ہے؟ ہم نے ان کو بتایا کہ یہ حدیث بیان کی، تو
اس پر وہ کہنے لگے کہ یہ آیت تو میرے حق میں نازل ہوئی تھی، میرے ایک چچا زاد بھائی کی زمین میں میرا کنواں
تھا (میں نے اس پر مال خرچ کیا تھا، وہ انکار کرتا تھا)۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا تم گواہ لے کر آؤ، ورنہ اس سے قسم
لے لو۔ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! وہ تو (جھوٹی) قسم کھالے گا، چنانچہ اس موقع پر نبی کریم ﷺ نے فرمایا
کہ جو کسی مسلمان کا مال حاصل کرنے کے لئے جھوٹی قسم کھائے اللہ ﷻ اس پر غضب ناک ہوگا۔

۳۵۵۱۔ حدثنا علي هو ابن أبي هاشم: سمع هشيمًا: أخبرنا العوام بن حوشب،
عن ابراهيم بن عبد الرحمن، عن عبد الله بن أبي أوفى رضى الله تعالى عنهما: أن رجلا أقام
سلعة في السوق فحلف فيها لقد أعطى بها مالم يعطه ليوقع فيها رجلا من المسلمين،
فنزلت: ﴿إِنَّ الَّذِينَ يَشْتَرُونَ بِعَهْدِ اللَّهِ وَأَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيلًا﴾ الى آخر الآية. [راجع: ۲۰۸۸]

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے بازار میں کوئی چیز فروخت
کرتے ہوئے قسم کھائی کہ لوگ اس کی اتنی قیمت لگا رہے ہیں، حالانکہ اس کا یہ کہنا غلط تھا اور کوئی بھی اتنی قیمت جو
وہ بتا رہا تھا، نہیں دے رہا تھا، اور وہ یہ صرف اس لئے کر رہا تھا کہ کوئی مسلمان اس سے یہ سامان لے، اس وقت
اللہ ﷻ نے یہ آیت نازل فرمائی ﴿إِنَّ الَّذِينَ يَشْتَرُونَ بِعَهْدِ اللَّهِ وَأَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيلًا﴾۔

۴۵۵۲۔ حدثنا نصر بن علی بن نصر: حدثنا عبد الله بن داؤد، عن ابن جريج، عن ابن أبي مليكة: أن امرأتين كانتا تخمران في بيت أو في الحجرة فخرجت إحداهما ولد أفلد بإسفي في كفها فادعت علي الأخرى لرفع إلی ابن عباس فقال رسول الله ﷺ: ((لو يعطى الناس بدعواهم لذهب دماء قوم وأموالهم، ذكروها بالله والقرؤا عليها ﴿إِنَّ الَّذِينَ يَشْتَرُونَ بِعَهْدِ اللَّهِ﴾)) فلا کروها فاعترفت.

فقال ابن عباس: قال النبي ﷺ: ((اليمن على المدعى عليه)). [راجع: ۲۵۱۳]

ترجمہ: ابن ابی ملیکہ رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ دو عورتیں کسی گھریا حجرہ میں ساتھ بیٹھ کر موزے سیا کرتی تھیں، پھر ان میں سے ایک باہر آئی اور اس کے ہاتھ میں موزہ سینے والا سوا چھ گیا تھا، اور اس نے دوسری پر دعویٰ کر دیا کہ اس نے مجھے سوا چھو یا ہے، یہ معاملہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس آیا، آپ نے فرمایا رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ اگر لوگوں کو دعویٰ کے مطابق مطالبہ پورا کیا جاتا، تو بہت سوں کا مال اور خون تلف و ضائع ہو جاتے (جب پہلی عورت گواہ کو پیش نہیں کر سکی تو دوسری عورت قسم کھائے گی، جس پر الزام ہے)، اس کو اللہ ڈراؤ بھی (تا کہ جھوٹی قسم نہ کھائے)، اور اس کے سامنے یہ آیت پڑھو ﴿إِنَّ الَّذِينَ يَشْتَرُونَ بِعَهْدِ اللَّهِ﴾ چنانچہ اس کے بعد وہ عورت ڈر گئی اور اپنے جرم کا اقرار کر لیا۔

پھر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ قسم مدعی علیہ پر ہے (یعنی باتو بیٹھ چاہیے اور اگر بیٹھ نہ ہو تو مدعی علیہ جس پر الزام ہے اسکو قسم کھانا ہوگی)۔

(۴) باب: ﴿قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أُنْ

لَا نَعْبُدُ إِلَّا اللَّهَ﴾ [۶۳]

باب: ”(مسلمانو! یہود و نصاریٰ سے) کہہ دو کہ: ”اے اہل کتاب! ایک ایسی بات کی طرف آ جاؤ جو ہم تم میں مشترک ہو، (اور وہ یہ) کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں۔“

سواء: قصداً.

ترجمہ: ”سواء“ بمعنی قصد کرنے ہے یعنی ایسی بات کی طرف آ جاؤ جو تمہارے، اور ہمارے درمیان میں بالکل برابر ہو۔

۴۵۵۳۔ حدثني ابراهيم بن موسى، عن هشام، عن معمر، وحدثني عبد الله بن

محمد: حدثنا عبد الرزاق: أخبرنا معمر، عن الزهري: أخبرني عبيد الله بن عبد الله ابن عتبة: حدثني ابن عباس: حدثني أبو سفيان من فيه إلى أبي قال: الطلقت في المدة التي كانت بيني وبين رسول الله ﷺ قال: فبيننا أنا بالشام إذ جيء بكتاب من النبي ﷺ إلى هرقل، قال: وكان دحية الكلبي جاء به فدفعه إلى عظيم بصرى، فدفعه عظيم بصرى إلى هرقل. قال: فقال هرقل: هل هاهنا أحد من قوم هذا الرجل الذي يزعم أنه نبي؟ فقالوا: نعم، قال: فدعيت لي نفر من قريش فدخلنا على هرقل فأجلسنا بين يديه فقال: أيكم أقرب نسباً من هذا الرجل الذي يزعم أنه نبي؟ فقال أبو سفيان: فقلت: أنا، فأجلسوني بين يديه وأجلسوا أصحابي خلفي. ثم دعا بترجمانه فقال: قل لهم: إلى سائل هذا عن هذا الرجل الذي يزعم أنه نبي، فإن كذبني فكذبوه. قال أبو سفيان: ويم الله لولا أن يؤثر على الكذب لكذبت، ثم قال لترجمانه: سله: كيف حسبه فيكم؟ قال: قلت: هو لنا ذو حسب. قال: فهل كان من آباءه ملك؟ قال: قلت: لا، قال: فهل كنتم تتهمونه بالكذب قبل أن يقول ما قال؟ قلت: لا، قال: أيتبعه أشراف الناس أم ضعفاؤهم؟ قال: قلت: بل ضعفاؤهم. قال: يزيدون أم ينقصون؟ قال: قلت: لا بل يزيدون، قال: هل يرتد أحد منهم عن دينه بعد أن يدخل فيه سخطة له؟ قال: قلت: لا، قال: فهل قاتلتموه؟ قال: قلت: نعم. قال: فكيف كان قتالكم إياه؟ قال: قلت: تكون الحرب بيننا وبينه سجلاً يصيب منا ويصيب منه، قال: فهل يهدر، قال: قلت: لا، ونحن منه في هذه المدة لا ندري ما هو صالح فيها. قال: والله ما أمكنني من كلمة أدخل فيها شيئاً غير هذه، قال: فهل قال هذا القول أحد قبلك؟ قلت: لا، ثم قال لترجمانه: قل له: إلى سألته عن حسبه فيكم فزعمت أنه فيك ذو حسب، وكذلك الرسل تبعث في أحساب قومها. وسألته هل كان في آباءه ملك فزعمت أن لا. فقلت لو كان من آباءه ملك، قلت: رجل يطلب ملك أبيه. وسألته عن أتباعه أضعفاؤهم أم أشرفهم. فقلت: بل ضعفاؤهم، وهم أتباع الرسل. وسألته هل كنتم تتهمونه بالكذب قبل أن يقول ما قال، فزعمت أن لا، فعرفت أنه لم يكن ليدع الكذب على الناس ثم يذهب فيكذب على الله. وسألته هل يرتد أحد منهم عن دينه بعد أن يدخل فيه سخطة له، فزعمت أن لا، وكذلك الإيمان إذا خالط بشاشة القلوب. وسألته: هل يزيدون أم ينقصون؟ فزعمت أنهم يزيدون وكذلك الإيمان حتى يتم. وسألته هل قاتلتموه، فزعمت أنكم قاتلتموه فتكون الحرب بينكم وبينه سجلاً، ينال منكم وتنالون منه، وكذلك الرسل تبلى ثم تكون

لہم العاقبة. وسألتک: هل یقدر فزعمت أنه لا یقدر، وكذلك الرسل لا تقدر. وسألتک هل قال أحد هذا القول قبله فزعمت أن لا. فقلت: لو كان قال القول أحد قبله، لنت: رجل التعم بقول قيل قبله. قال: ثم قال: ہم یا مرمکم؟ قال: قلت: یا مرمنا بالصلاة والزكاة والصلة والعفاف، قال: ان یک ما تقول فیه حقاً فانه نبی وقد کنت أعلم أنه خارج ولم اک اظنه منکم، ولو انی أعلم انی اخلص الیه لأجبت لقاءه. ولو کنت عنده لفسلت عن قدمیه. ولیبلفن ملکہ ما تحت قدمی. قال: ثم دعا بکتاب رسول الله ﷺ فقرأه فاذا فیه:

بسم الله الرحمن الرحيم، من محمد رسول الله إلى هرقل عظيم الروم: سلام على من اتبع الهدى. أما بعد: فإني أدعوك بدعاية الإسلام، أسلم تسلم، وأسلم يؤتک الله أجرک مرتین. فان تولیت فان علیک إثم الأریسین. ﴿وَمَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللَّهَ﴾ إلى قوله: ﴿افْهَهُذْ وَابَانًا مُسْلِمُونَ﴾. فلما فرغ من قراءة الكتاب ارتفعت الأصوات عنده وكثر اللفظ، وأمرنا فأخرجنا، قال: فقلت لأصحابی حين خرجنا: لقد أمر أمر ابن أبي كبشة، إنه ليخالفه ملك بنى الأصفر. فما زلت موقنا بأمر رسول الله ﷺ أنه سيظهر حتى أدخل الله على الإسلام.

قال الزهري: فدعا هرقل عظماء الروم فجمعهم لى دار له فقال: يا معشر الروم، هل لكم فى الفلاح والرشد آخر الأبد وأن يثبت لكم ملككم؟ قال: فحاصوا حيصة حمر الوحش إلى الأبواب فوجدوها قد غلقت، فقال: على بهم، فدعاهم فقال: إني إنما اختبرت شدتكم على دينكم فقد رأيت منكم الذى أحببت، فسجدوا له ورضوا عنه. [راجع: ٤]

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضرت ابوسفیان ؑ نے یہ حدیث میرے سامنے بیان کی کہ جب ہماری اور رسول اللہ ﷺ کی صلح تھی، اس وقت میں ملک شام میں تھا، اسی زمانہ میں نبی کریم ﷺ کا خط وحیدہ الکلسی ؑ لے کر ہرقل کے پاس آئے تھے، انہوں نے یہ خط پہلے بصری کے سردار کو دیا، اس نے ہرقل کے پاس بھیج دیا، ہرقل نے خط پڑھ کر کہا کہ وہ شخص جو نبوت کا دعویٰ کرتا ہے، کیا اس کی قوم کا کوئی آدمی یہاں موجود ہے؟ لوگوں نے کہا ہاں! اس کی قوم کے لوگ یہاں موجود ہیں۔

حضرت ابوسفیان ؑ کا بیان ہے کہ مجھے قریش کے چند لوگوں کے ہمراہ ہرقل کے دربار میں بلا یا گیا، تو اس نے ہم کو اپنے سامنے بٹھایا، پھر پوچھا کہ تم میں سے، اس شخص کا جو نبوت کا دعویٰ کرتا ہے، اس کا سب قریشی رشتہ دار ہے؟ حضرت ابوسفیان ؑ کہتے ہیں کہ میں نے کہا میں ہوں، پھر اس نے مجھے اپنے سامنے بٹھایا اور دوسرے نبیوں کو میرے پیچھے بٹھایا۔ پھر اس نے اپنے ترجمان کو بلا یا اور اس سے کہا کہ ان لوگوں سے کہو کہ میں

اس سے (ابوسفیان سے) اُس شخص کے متعلق پوچھوں گا جو نبوت کا دعویٰ کرتے ہیں، مگر یہ غلط بیانی سے کام لے تو تم اس کی تردید کر دینا۔ حضرت ابوسفیان ؓ کہتے ہیں کہ اگر مجھے اس بات کا ڈر نہ ہوتا کہ میرے ساتھی مجھے جھٹلا دیں گے، تو ضرور کچھ غلط باتیں بھی کہتا۔

پھر ہرقل نے اپنے ترجمان سے کہا کہ اس شخص کا حسب کیسا ہے تم لوگوں کے درمیان؟ یعنی محمد ؐ کا حسب و نسب دریافت کرو، حضرت ابوسفیان ؓ کہتے ہیں کہ میں نے کہا کہ وہ ہم میں سب سے زیادہ عالی حسب، نسب والے ہیں۔ پھر اس نے دریافت کیا کہ کیا اس شخص کے آباؤ اجداد میں کوئی بادشاہ بھی ہوا ہے؟ تو میں نے جواب دیا کہ نہیں، پھر اس نے دریافت کیا کہ کیا تم نے دعویٰ نبوت سے پہلے کبھی ان کو جھوٹ بولتے سنا ہے؟ میں نے کہا نہیں۔

پھر اس نے پوچھا کہ ان کی اطاعت میں معزز و مال دار لوگ زیادہ آتے ہیں یا غریب اور کمزور لوگ؟ میں نے جواب دیا کہ بلکہ غریب اور کمزور لوگ ان کی اتباع کرتے ہیں، پھر اس نے دریافت کیا کہ ان کے ماننے والوں تعداد زیادہ ہو رہی ہے یا کم ہو رہی ہے؟ کہتے ہیں کہ میں نے جواب دیا کہ نہیں! ان کے ماننے والے تو مسلسل بڑھتے جا رہے ہیں، پھر اس نے پوچھا کہ کیا کوئی شخص ان کے دین میں داخل ہونے کے بعد ناراض ہو کر اس دین سے پھرا (مرتد) بھی ہے؟ میں نے جواب دیا نہیں۔

پھر اس نے پوچھا کیا تم لوگوں نے ان سے کبھی جنگ بھی کی ہے؟ کہتے ہیں میں کہا کہ ہاں ہمارے درمیان جنگیں ہوئی ہیں، پھر اس نے پوچھا کہ تمہاری ان سے جنگ کیسی رہی؟ میں نے جواب دیا ہمارے اور ان کے درمیان لڑائی کنویں کے ڈول کی طرح ہے، کبھی وہ ہم سے لے لیتے ہیں، اور کبھی ہم ان سے لے لیتے ہیں، یعنی کبھی مسلمان غالب آجاتے ہیں اور کبھی ہم غالب آجاتے ہیں۔ پھر اس نے پوچھا کہ کیا کبھی انہوں نے (محمد ؐ) نے عہد و پیمان کی وعدہ خلافی کی ہے؟ میں نے جواب دیا کہ نہیں انہوں نے کبھی ایسا نہیں کیا، مگر آج کل ہمارا اور ان کا ایک معاہدہ ہوا ہے، معلوم نہیں اس میں کیا صورت ہوتی ہے۔ حضرت ابوسفیان ؓ نے بیان کیا کہ اللہ کی قسم! مجھ کو سوائے اس آخری بات کے کچھ زیادہ بڑھانے کی گنجائش نہیں ملی۔ پھر ہرقل نے پوچھا کہ کیا ان سے پہلے بھی کبھی کسی نے انکے خاندان میں ایسا دعویٰ (دعویٰ نبوت) کیا ہے؟ میں نے جواب دیا کہ نہیں۔

اس کے بعد ہرقل نے اپنے ترجمان سے کہا کہ ان سے کہہ دو کہ تم سے ان کا حسب پوچھا، تو تم نے کہا کہ وہ عالی حسب ہیں، اور پیغمبر ہمیشہ عالی حسب و نسب والے ہی ہوتے ہیں، پھر پوچھا کہ ان کے باپ دادا میں کوئی بادشاہ ہوا ہے، تم نے کہا نہیں۔ ہرقل نے کہا کہ اس وقت میں سوچا تھا کہ اگر تم نے کہا کہ کوئی بادشاہ ہوا ہے، تو میں کہہ دوں گا کہ دعویٰ نبوت ایک حیلہ ہے، وہ اپنے باپ دادا کی بادشاہت کو حاصل کرنا چاہتے ہیں۔

میں نے ان کے ماننے والوں کے متعلق پوچھا کہ وہ امیر اور معزز ہیں یا غریب اور کمزور لوگ ہیں؟ تو تم

نے کہا غریب اور کمزور لوگ ہیں اور پیغمبروں کے ماننے والے اکثر غریب و کمزور ہی ہوتے ہیں، اور میں نے پوچھا کہ کبھی تم نے اس دعویٰ نبوت سے پہلے ان کو جھوٹ بولتے سنا ہے؟ تو تم نے کہا نہیں، اس لئے میں جان گیا کہ بے شک جو لوگوں پر جھوٹ نہیں بولتا تو اللہ تعالیٰ پر وہ کیسے جھوٹ بولے گا۔

اور میں نے تم سے سوال کیا کہ اس کے دین سے کوئی بدظن ہو کر پھرا بھی ہے یعنی مرتد بھی ہوا ہے کوئی؟ تو تم نے کہا نہیں، لہذا ایمان کی علامت یہی ہے کہ جب وہ دل میں بیٹھ جاتا ہے، تو پھر نکلتا نہیں ہے۔ پھر میں نے پوچھا کہ ان کے ماننے والوں کی تعداد بڑھ رہی ہے یا گھٹ رہی ہے؟ تو تم نے کہا کہ ان کی تعداد بڑھ رہی ہے، اور ایمان کی یہی خاصیت ہے کہ وہ بڑھتا ہی رہتا ہے۔ پھر میں نے پوچھا کہ کیا تم نے ان سے کبھی جنگ بھی کی ہے؟ تو تم نے کہا ہاں، اور اس میں کبھی وہ، کبھی ہم غالب رہے ہیں اور رسولوں کی یہی حالت ہوا کرتی ہے، اور آخر وہی فتح پاتے ہیں۔

پھر میں نے پوچھا کہ وہ عہد و پیمان کی وعدہ خلافی کرتے ہیں یا نہیں؟ تو تم نے کہا، نہیں، اور رسول وعدہ خلافی کبھی نہیں کرتے، پھر میں نے تم سے پوچھا کہ اس سے پہلے بھی کسی نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے، تو تم نے کہا نہیں، ہر قل نے کہا کہ میں نے اپنے دل میں سوچا تھا اگر کسی نے دعویٰ کیا ہوتا تو میں کہہ دیتا کہ یہ نبی نہیں ہیں، بلکہ اپنے پہلے والے کی پیروی کر رہا ہے۔

حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ پھر ہر قل نے پوچھا کہ وہ تم کو کس بات کا حکم دیتے ہیں؟ تو میں نے کہا کہ وہ ہمیں نماز، زکوٰۃ، صلہ رحمی اور پرہیزگاری کا حکم دیتے ہیں۔

اس کے بعد ہر قل نے کہا کہ اگر تم اپنے بیان میں سچا ہے تو بے شک وہ سچے نبی ہیں، اور میں جانتا تھا کہ ان کا ظہور ہونے والا ہے، مگر یہ معلوم نہ تھا کہ وہ تم میں پیدا ہوں گے، اگر یہ معلوم ہوتا تو میں ضرور ان کی خدمت میں پہنچتا، اور ان سے ملاقات کو پسند کرتا۔ اور اگر میں ان کے پاس ہوتا تو خود ان کے پاؤں دھوتا اور اس بات میں کوئی شک نہیں کہ ان کی حکومت ضرور میرے قدموں تک پہنچے گی۔

کہتے ہیں کہ اس کے بعد ہر قل نے پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خط منگوا یا اور اس کو دوبارہ پڑھا، مضمون یہ تھا:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ - یہ خط محمد رسول اللہ کی طرف سے ہر قل کے نام جو روم کا بادشاہ ہے: جو دین حق کی پیروی کرے گا اس پر سلامتی۔ اما بعد! میں تم کو کلمہ اسلام کی طرف بلاتا ہوں، اگر تم نے اسلام قبول کر لیا تو سلامت رہو گے، اور مسلمان ہو گئے تو دو گنا ثواب تم کو اللہ تعالیٰ عطا فرمائے گا۔ اگر تم نے اسلام قبول نہ کیا، تو تمہاری رعایا کے اسلام نہ لانے کا گناہ بھی تمہارے ہی سر پر ہوگا۔ اور یہ کہ ﴿قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللَّهَ﴾ یعنی اے اہل کتاب! ایک ایسی بات کی طرف آ جاؤ جو ہم تم میں مشترک ہو، (اور وہ یہ) کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں۔ آخر آیت تک۔۔ جب ہر قل خط سے فارغ

ہوا تو اس کے دربار میں آدازیں بلند ہونے لگیں اور عجیب ہلچل مچ گئی، اور ہمارے متعلق حکم دیا کہ ہم کو باہر نکال دیا جائے۔ حضرت ابوسفیان ؓ کا بیان ہے کہ میں نے باہر نکلتے ہوئے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ ابن ابی کبشہ یعنی رسول اللہ ﷺ کے کام میں بڑی مضبوطی پیدا ہو گئی ہے، اور اب اس سے بادشاہ روم بھی ڈرنے لگا ہے۔ حضرت ابوسفیان ؓ کا بیان ہے کہ اس وقت مجھے یہ یقین ہو گیا تھا کہ رسول اللہ ﷺ کو ضرور غلبہ ہو کر رہیں گے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے دین اسلام میں داخل ہونے کی سعادت عطا فرمائی۔

امام زہری رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اس کے بعد ہرقل نے تمام رؤسا کو بلایا اور انہیں اپنے ایک خاص گھر میں جمع کیا اور ان سے کہا کہ اے اہل روم! کیا تم چاہتے ہو کہ ہمیشہ سلامت رہو، اور تمہارے ملک تمہارے ہاتھ میں رہیں؟ (تو ہدایت اور ہمیشہ کی سلامتی کی طرف آؤ)، بیان کرتے ہیں کہ لوگ یہ بات سنتے ہی نیل گائے کی طرح دروازوں کی طرف بھاگے، مگر انہوں نے دروازے بند پائے۔ پھر ہرقل نے سب کو اپنے پاس بلایا اور کہا کہ بھاگو نہیں، میرے قریب آؤ، سب آگئے تو ہرقل نے کہا کہ میں تم لوگوں کا امتحان لے رہا تھا، میں خوش ہوں کہ تم اپنے دین پر قائم اور ثابت ہو، اس کے بعد سب خوش ہو گئے، اور ہرقل کو سجدہ کیا اور اس سے راضی ہو گئے۔

حدیث مذکورہ پر ایک تاریخی اشکال

یہاں تاریخی اعتبار سے ایک اشکال پیدا ہوتا ہے کہ سورہ آل عمران کی یہ آیت ﴿لَقَدْ يَا أُمَّةَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللَّهَ﴾ جو نصاریٰ سے متعلق ہے، اس کا شان نزول جس پر بیشتر مفسرین متفق ہیں کہ نجران کے عیسائیوں کا وفد آیا تھا جن سے نبی کریم ﷺ کا مکالمہ ہوا تھا اس موقع پر یہ آیات نازل ہوئیں انہیں کا ایک حصہ یہ بھی ہے۔

اب تاریخ سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ نصاریٰ نجران کا وفد ۹ھ میں آیا ہے، کیونکہ ان سے جزیہ کا مطالبہ کیا گیا تھا اور جزیہ فتح مکہ کے بعد ۹ھ میں فرض ہوا اور قیصر رقم ہرقل کو خط بھیجنے کا واقعہ صلح حدیبیہ کے بعد کا ہے جو زیادہ سے زیادہ ۶ھ بنتی ہے۔

۶ھ میں نہ نجران کا وفد آیا تھا اور نہ سورہ آل عمران کی متعلقہ آیات نازل ہوئیں تھیں، جن میں مذکورہ آیت بھی داخل ہے۔

تو یہ کیسے ممکن ہے کہ ۶ھ میں قیصر روم ہرقل کے نام خط میں رسول اللہ ﷺ نے وہ آیات کریمہ تحریر فرمادیں، جو کہ ۹ھ میں تین سال بعد نازل ہوئیں؟

اس اشکال کی وجہ سے بعض لوگوں نے اس روایت کی صحت پر شک کا اظہار کر دیا کہ یہ روایت ہی صحیح

نہیں ہے، کیونکہ اس میں تاریخی اشکال ہے۔

اشکال کا جواب

اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ اعتراض اس بنیاد پر ہوتا ہے کہ وفد کی آمد ۹ھ میں متعین کی گئی اور یہ کہ جزیرہ فتح مکہ کے بعد لاگو کیا گیا ہے، تو عین ممکن ہے کہ نجران کا وفد پہلے آ گیا ہو اور مکالمہ وغیرہ پہلے ہو چکا ہو اور جزیرہ کے احکام بعد میں آئے ہوں، لہذا یہ آیت پہلے نازل ہو چکی ہو۔

ساتھ ہی ساتھ یہ بھی ممکن ہے کہ سورۃ آل عمران کی جن آیتوں میں نصاریٰ کا ذکر ہے ان میں سے بیشتر نجران کے وفد کی آمد کے موقع پر نازل ہوئی ہیں لیکن مذکورہ آیت پہلے نازل ہو چکی ہو۔

تو دونوں احتمال موجود ہیں، ان احتمالات کی موجودگی میں یہ کہنا درست نہیں کہ یہ آیت خط لکھنے کے بعد نازل ہوئی تھی۔

(۵) باب: ﴿لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّى تُنْفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ﴾ [آل عمران: ۹۲]

باب: ”تم نیکی کے مقام تک اس وقت تک ہرگز نہیں پہنچو گے جب تک ان چیزوں میں سے (اللہ کیلئے) خرچ نہ کرو جو تمہیں محبوب ہیں۔“

۳۵۵۳۔ حدیثنا اسماعیل قال: حدثني مالك، عن اسحاق بن عبد الله بن أبي طلحة: انه سمع انس بن مالك رضي الله عنه يقول: كان أبو طلحة أكثر أنصاري بالمدينة نخلًا، وكان أحب أمواله إليه بئرحاء وكانت مستقبلة المسجد، وكان رسول الله ﷺ يدخلها ويشرب من ماء فيها طيب، فلما نزلت ﴿لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّى تُنْفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ﴾ قام أبو طلحة، فقال: يا رسول الله ان الله يقول ﴿لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّى تُنْفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ﴾ وان أحب أموالي إلى بئرحاء وانها صدقة لله أرجو برّها وذخرها عند الله، فضعها يا رسول الله حيث أراك الله. قال رسول الله ﷺ: ((بخ ذلك مال رايخ. ذلك مال رايخ. ولقد سمعت ما قلت، والى أرى أن تجعلها في الأبرين)). قال أبو طلحة: أفعلى يا رسول الله، ففلسها أبو طلحة في أثاره وبنى عمه.

ع مزید تفصیل و تشریح کیلئے ملاحظہ فرمائیں: انعام الباری، ج: ۱، ص: ۲۳۹-۲۸۹، وعمدة القاری، ج: ۱، ص: ۱۶۳

قال عبد الله بن يوسف وروح بن عبادۃ: ((ذلك مال رابع)).

حدثنی یحییٰ بن یحییٰ قال: لروا علی مالک: ((مال رابع)). [راجع: ۱۴۶۱]

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مدینہ منورہ میں انصاری لوگوں میں سب سے زیادہ باغات حضرت ابوطلمحہ رضی اللہ عنہ کے پاس تھے اور انہیں اپنی تمام جائیداد میں بیرحاء سب سے زیادہ پسند تھا اور یہ باغ مسجد نبوی سے قریب تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکثر وہاں تشریف لے جایا کرتے تھے اور اس کے ٹھنڈے اور میٹھے پانی کو پیا کرتے تھے، پھر جب یہ آیت ﴿لَنْ نَسْأَلَكُمُ الْمَالَ إِذَا لَمْتُمُوهُ﴾ نازل ہوئی تو حضرت ابوطلمحہ رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! آپ کو علم ہے کہ میں بیرحاء کو بہت پسند کرتا ہوں اور اللہ جل جلالہ فرماتا ہے کہ ﴿لَنْ نَسْأَلَكُمُ الْمَالَ إِذَا لَمْتُمُوهُ﴾ یعنی تم نیکی کے مقام تک اس وقت تک ہرگز نہیں پہنچو گے جب تک ان چیزوں میں سے (اللہ کیلئے) خرچ نہ کرو جو تمہیں محبوب ہیں۔ لہذا میں بیرحاء کو اللہ جل جلالہ کے نام پر صدقہ کرتا ہوں اور اللہ جل جلالہ سے ثواب کی امید رکھتا ہوں، تو اے اللہ کے رسول! آپ جس طرح چاہیں اس باغ کو اللہ جل جلالہ کی مرضی کے مطابق استعمال میں لائیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ واہ شاباش (یعنی اس نیک کام پر ان کی تعریف فرمائی اور فرمایا کہ) یہ مال تو فناء ہونے والا ہے (لیکن یہ کام تم کو آخرت میں بہت فائدہ پہنچائے گا)، اور میں نے سن لیا ہے جو کچھ تم نے کہا (یعنی تمہاری نیت معلوم کر لی ہے)، میرا خیال ہے تم اس باغ کو اپنے غریب رشتہ داروں میں تقسیم کر دو۔ حضرت ابوطلمحہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! میں ایسے ہی کرتا ہوں جیسے آپ نے فرمایا، پھر اس باغ کو انہوں نے اپنے رشتہ داروں میں اور چچا زاد بھائیوں میں تقسیم کر دیا۔

عبد اللہ بن یوسف اور روح بن عبادہ نے (بجائے ”مال رابع“ کے) ”ذکر مال رابع“ کہا ہے یعنی یہ مال نفع دینے والا ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ مجھ سے یحییٰ بن یحییٰ نے اس طرح یہ روایت کی ہے کہ ”ذکر مال رابع“ یعنی یہ مال فنا ہونے والا ہے۔

۴۵۵ - حدثنا محمد بن عبد الله: حدثنا الأنصاري: حدثني أبي، عن ثمامة، عن

انس رضی اللہ عنہ قال: فجعلها لحسان وأبي وأنا أقرب إليه ولم يجعل لي منها شيئاً. [راجع: ۱۴۶۱]

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہتے ہیں کہ حضرت ابوطلمحہ رضی اللہ عنہ نے بیرحاء کو تقسیم کرتے وقت حسان اور ابی بن کعب رضی اللہ عنہما کو تو دیا، مگر مجھے کچھ نہیں دیا، حالانکہ میں ان سے رشتہ میں بہت قریب تھا۔

تشریح

یہاں حضرت انس رضی اللہ عنہ کہہ رہے ہیں کہ میں حضرت ابوطلمحہ رضی اللہ عنہ کے زیادہ قریب تھا لیکن مجھے کچھ نہیں دیا اور

حضرت حسان بن ثابت اور ابی بن کعب رضی اللہ عنہما کو اس میں سے حصہ دیا۔
 پیچھے آپ وصایا میں پڑھ کر آئے ہیں کہ وہاں یہ کہا تھا کہ وہ مجھ سے زیادہ قریب تھے۔ پورا نسب بتایا
 تھا، کہتے ہیں کہ نسب کے اعتبار سے وہ زیادہ قریب ہے، یہاں میں زیادہ قریب تھا، تو دونوں میں تطبیق یوں ہے
 کہ نسب کے اعتبار سے وہی قریب تھے لیکن اپنے تعلقات کے لحاظ سے حضرت ابو طلحہ سے یہ زیادہ قریب تھے تو
 تعلقات کا ذکر رہے ہیں۔

(۶) باب: ﴿قُلْ فَأْتُوا بِالتَّوْرَةِ فَاتْلُوهَا إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ﴾ [آل عمران: ۹۳]

باب: ”(اے پیغمبر! یہودیوں سے) کہہ دو کہ: ”اگر تم سچے ہو تو تورات لے کر آؤ اور اس کی
 تلاوت کرو“۔

یہ پوری آیت اس طرح ہے:

﴿كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حَلَالًا لِّبَنِي إِسْرَائِيلَ إِلَّا مَا حَرَّمَ
 إِسْرَائِيلَ عَلَىٰ نَفْسِهِ مِنْ قَبْلِ أَنْ تُنزَلَ التَّوْرَةُ قُلْ
 فَأْتُوا بِالتَّوْرَةِ فَاتْلُوهَا إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ﴾

ترجمہ: تورات کے نازل ہونے سے پہلے کھانے کی تمام
 چیزیں (جو مسلمانوں کے لئے حلال ہیں) بنی اسرائیل کیلئے
 (بھی) حلال تھیں، سوائے اُس چیز کے جو اسرائیل (یعنی
 یعقوب علیہ السلام) نے اپنے اُور پر حرام کر لی تھی۔ (اے
 پیغمبر! یہودیوں سے) کہہ دو کہ: ”اگر تم سچے ہو تو تورات
 لے کر آؤ اور اس کی تلاوت کرو“۔

یہود کے اعتراض کا جواب

یہود آنحضرت ﷺ اور مسلمانوں سے کہتے تھے کہ تم اپنے کو دین ابراہیم پر کیسے بتلاتے ہو جب کہ وہ
 چیزیں کھاتے ہو جو اللہ ﷻ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے گھرانے پر حرام کی تھیں جیسے اونٹ کا گوشت اور دودھ۔
 اس مقام پر اللہ ﷻ نے فرمایا کہ جتنی چیزیں اب لوگ کھاتے ہیں سب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے وقت

میں بھی حلال تھیں یہاں تک کہ تورات نازل ہوئی۔

بے شک تورات میں خاص بنی اسرائیل پر بعض چیزیں حرام ہوئی ہیں، مگر اونٹ تورات سے پہلے حضرت یعقوب علیہ السلام نے اس کے کھانے کی قسم کھائی تھی، ان کی پیروی میں ان کی اولاد نے بھی اس کو کھانا چھوڑ دیا تھا اور اس قسم کا سبب یہ تھا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کو ”عرق النساء“ کا درد تھا، تو اس بیماری کے وقت یہ نذر کی کہ اگر اس بیماری سے صحت پائی تو جو چیز میری رغبت کی ہے، میری پسند کی ہے اسے چھوڑ دوں گا، اور ان کو یہی اونٹ کا گوشت اور دودھ بہت زیادہ مرغوب تھا، سو نذر کے سبب چھوڑ دیا۔

اس قسم کی نذر جو تحریم حلال پر مشتمل ہو ہماری شریعت میں روا نہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ

﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكَ﴾ [التحریم: ۱]

ترجمہ: اے نبی! جو چیز اللہ نے تمہارے لئے حلال کی ہے،

تم اُسے کیوں حرام کرتے ہو؟

اس لئے اگر ایسی نذر مان لی ہے تو اس کو توڑ دے اور کفارہ یحییٰ ادا کرے۔ ۳

۳۵۵۶۔ حدیثی ابراہیم بن المنذر: حدیث ابو ضمیر: حدیثنا موسیٰ بن عقبہ، عن

نافع، عن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما: أن اليهود جازا إلى النبی ﷺ برجل منهم وامرأة

قد زلیا فقال لهم: ((كيف تفعلون بمن زلی منکم؟)) قالوا: نُحْمَمُهُما ونضربہما، فقال:

((ل انجدون فی التوراة الرجم؟)) فقالوا: لانجد فیہا شیئا، فقال لهم عبد اللہ بن سلام:

کلہم فأتوا بالتوراة فاتلوها إن کنتم صادقین. فوضع مدراسها الذی یدرسها منہم کفہ

علی آية الرجم فطلق یقرأ مادون یدہ وما وراءها ولا یقرأ آية الرجم، فنزع یدہ عن آية

الرجم فقال: ما هذه؟ فلما رأوا ذلك قالوا: هی آية الرجم فأمر بہما فرجما قریبا من حیث

موضع الجنائز عند المسجد. قال: فرأیت صاحبها یجنا علیہا یقیہا الحجارة. [راجع: ۱۳۲۹]

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہودی اپنی قوم کے ایک مرد اور عورت کو جنہوں

نے زنا کیا تھا، رسول اللہ ﷺ کے پاس لائے۔ آپ نے ان دریافت فرمایا کہ تمہارے یہاں جو شخص زنا کرے

اسکے ساتھ تم لوگ کیا کرتے ہو یعنی کیا سزا دیتے ہو؟ یہودی کہنے لگے کہ ان دونوں کا منہ کالا کر کے اچھی طرح

مارتے پٹتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ کیا تم لوگوں کو تورات میں سنگسار کرنے کا حکم نہیں ملا؟ کہنے لگے کہ ہم

تورات میں اس طرح کا کوئی حکم نہیں پاتے، تو حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے اس موقع پر ان سے کہا کہ تم لوگ

جھوٹ بولتے ہو، اگر تم سچے ہو تو رات لا کر پڑھو۔ (چنانچہ جب وہ یہودی تورات لے کر آئے) تو ان میں تورات کا عالم جو تورات پڑھایا کرتا تھا اس نے پڑھا تو رجم کی آیت پر اپنا ہاتھ رکھ لیا اور ادھر ادھر سے پڑھنا شروع کر دیا لیکن آ۔ رجم کو نہیں پڑھا۔ تو حضرت عبداللہ بن سلام ؓ نے اس کا ہاتھ اُس آیت رجم سے ہٹایا اور کہا کہ یہ کیا ہے جس کو تم چھپا رہے تھے؟ جب انہوں نے اسے دیکھا تو کہنے لگے کہ یہی آیت رجم ہے۔ چنانچہ آنحضرت ؐ نے اس کے بعد ان کو مسجد کے قریب ہی جنازہ گاہ میں سنگسار کرنے کا حکم دیا، چنانچہ وہاں پر ان دونوں کو سنگسار کیا گیا۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں دیکھ رہا تھا کہ زانیہ کا ساتھی زانیہ پر جھک جاتا تھا، تاکہ پتھروں سے اس کو بچا سکے۔

(۷) باب: ﴿كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ﴾ [۱۱۰]

باب: ”(مسلمانو!) تم وہ بہترین امت ہو جو لوگوں کے فائدے کیلئے وجود میں لائی گئی ہے۔“

یہ گزشتہ رکوع کے شروع میں فرمایا تھا ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تَقَاتِهِ﴾ درمیان میں اسی کی مناسبت کچھ اوامر و نواہی اور وعد و وعید آئی، یہاں سے پھر اسی اول مضمون کی تکمیل کی جاتی ہے یعنی اے مسلمانو! اللہ ﷻ نے تم تمام امتوں میں بہترین امت قرار دیا ہے اسکے علم ازیلی میں پہلے سے یہ مقدر ہو چکا تھا جس کی خبر بعض انبیاء سابقین کو بھی دیدی گئی تھی کہ جس طرح نبی آخر الزماں محمد رسول اللہ ﷺ تمام نبیوں سے افضل ہوں گے، آپ کی امت بھی جملہ ام و اقوام پر گئے سبقت لے جائیں گی، کیونکہ ان کو سب سے اشرف و اکرم بشیخہ نصیب ہوگا، دوم و اکمل شریعت ملے گی علوم و معارف کے دروازے اس پر کھول دیئے جائیں گے، ایمان و عمل و تقویٰ کی تمام شاخیں انکی محنت اور قربانیوں سے سرسبز و شاداب ہوں گی، وہ کسی خاص قوم و نسب یا مخصوص ملک و اقلیم میں محصور نہ ہوگی، بلکہ اسکا دائرہ عمل سارے عالم کو اور انسانی زندگی کے تمام شعبوں کو محیط ہوگا، گویا اس کا وجود ہی اس لئے ہوگا کہ دوسروں کی خیر خواہی کرے اور جہاں تک ممکن ہو انہی جنت کے دروازوں پر لاکھڑا کر دے ﴿أَخْرِجَتْ لِلنَّاسِ﴾ میں اس طرف اشارہ ہے۔

اس سورت کے نویں رکوع میں ﴿وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ﴾ سے نبی کریم ﷺ کی امامت و جامعیت کبریٰ کا بیان ہوا تھا، دسویں رکوع میں ﴿إِنَّ أَوَّلَ نَسَبٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ﴾ سے اس امت کے قبلہ کی برتری دکھلائی، گیارہویں رکوع میں ﴿وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَ اللَّهِ جَمِيعَةً﴾ سے اس امت کی کتاب و شریعت کی مضبوطی کا اظہار فرمایا۔ اب یہاں بارہویں رکوع کے آغاز سے خود امت مرحومہ کی فضیلت و عظمت کا اعلان کیا جا رہا ہے۔

﴿وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ﴾ برے کاموں میں کفر، شرک، بدعات، رسوم قبیحہ، فسق و فجور اور ہر قسم کی بد اخلاقی اور نامعقول باتیں شامل

ہیں، ان سے روکنا بھی کئی طرح ہوگا، کبھی زبان سے، کبھی ہاتھ سے، کبھی قلم سے، کبھی تلوار سے، غرض ہر قسم کا جہاد اس میں داخل ہو گیا، یہ صفت جس قدر عموم و اہتمام سے امت محمدیہ میں پائی گئی، پہلی امتوں میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔ تفسیر عثمانی، سورہ آل عمران، آیت ۱۱۰، فائدہ: ۸۔

۳۵۵۷ - حدثنا محمد بن يوسف، عن سفیان، عن مسرة، عن أبي حازم، عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ ﴿كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ﴾ لال: خیر الناس للناس، تاتون بهم فی السلاسل فی اعناقهم حتی یدخلوا فی الإسلام. [راجع: ۳۰۱۰]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ﴿كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ﴾، اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ بہتر انسان لوگوں کو نفع پہنچانے والے وہ ہیں جو لوگوں ان کی گردنوں میں زنجیریں ڈال کر نہیں لاتے ہیں، یہاں تک کہ وہ اسلام میں داخل ہو جاتے ہیں۔

تشریح

”خیر الناس للناس“ یعنی کہنا یہ چاہتے ہیں کہ یہ ”خیر“ سے متعلق ہے ”اخرجت“ سے متعلق نہیں ہے، یہ نہیں ہے کہ لوگوں کیلئے نکالی گئی بلکہ ”خیر امة للناس“ تم لوگ دوسرے لوگوں کے لئے بہترین لوگ ہو۔ ”تاتون“ کہ وہ لے کر آئے ہیں لوگوں کو اس حالت میں کہ ان کی گردنوں میں زنجیریں ہوتی ہیں یہاں تک کہ وہ اسلام میں داخل ہو جاتے ہیں۔

بہت سے لوگ جنگ میں قیدی بن کر آتے ہیں لیکن بالآخر جنگ میں قید ہونا ان کے اسلام میں داخل ہونے کا ذریعہ و سبب بن جاتا ہے تو یہ قید ہو کر آنا ان کے حق میں بہتر ہوتا ہے، اس لئے ”خیر امة للناس“ ہے۔ اور دوسرے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ لوگوں کو اس حالت میں لائے ہیں کہ ان کے گردنوں میں کفر و شرک کی زنجیریں پڑی ہوئی ہیں، غیر اللہ کی عبادت کی زنجیریں پڑی ہوئی ہیں اور پھر امت کی تعلیم و تبلیغ سے مسلمان ہو جاتے ہیں تو اس واسطے یہ امت دوسرے لوگوں کیلئے بہتر ہے۔

(۸) باب ﴿إِذْ أَنْتُمْ طَائِفَتَانِ مِّنْكُمْ أَنْ تَفْشَلَا﴾ [۱۲۲]

باب: ”جب تمہی میں سے دو گروہوں نے یہ سوچا تھا کہ وہ ہمت ہار بیٹھیں“۔ ۵

۵ اس آیت میں جنگ احد کا واقعہ یاد دلایا ہے، صورت یہ ہوئی تھی کہ رمضان المبارک سن ۲ ہجری میں بدر کے مقام پر قریشی فوج اور مسلمان مجاہدین میں ٹڈبھڑ ہو گئی، جس میں کفار کے سردار امورا شخاص مارے گئے اور اسی قدر گرفتار ہوئے، اس جاہ کن اور ذلت آمیز شکست سے قریش کا حعلہ انتقام بھڑک اٹھا، جو سردار مارے گئے تھے ان کے اقارب نے تمام عرب کو غیرت دلائی اور اہل مکہ سے اپیل کی کہ تجارتی قافلہ جو مال شام سے لایا ہے (دی باعث جنگ بدر ہوا تھا) سب اسی ہم کے نذر کر دیں۔ ﴿بقیہ ماحیثہ کے صلے پر﴾۔

۳۵۵۸ - حدثنا علی بن عبد اللہ: حدثنا سفیان قال: قال عمرو: سمعت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما یقول: لَمَّا نَزَلَتْ ﴿إِذْ هَمَّتْ طَائِفَتَانِ مِنْكُمْ أَنْ تَفْشَلَا وَاللَّهُ وَلِيَهُمَا﴾ قال: لحن الطائفان، بنو حارثة و بنو سلمة وما لحب۔ وقال سفیان مرة: وما یسرني۔ ألبا لم تنزل للقول للهِ: ﴿وَاللَّهُ وَلِيَهُمَا﴾. [راجع: ۵۰۵۱]

﴿گذشتہ سے ہوتے﴾ تا کہ محمد ﷺ اور ان کے ساتھیوں سے اپنے مقتولین کا بدلہ لے سکیں سب نے منظور کیا اور سن ۳ ہجری میں قریش کے ساتھ بہت سے دوسرے قبائل بھی مدینہ پر چڑھائی کرنے کی غرض سے نکل پڑے حتیٰ کہ عورتیں بھی ساتھ آئیں تاکہ موقع پیش آنے پر مردوں کو غیرت دلا کر پسپائی سے روک سکیں۔

جس وقت یہ تین ہزار کاشفراسلو وغیرہ سے پوری طرح آراستہ ہو کر مدینہ سے تین چار میل جبل احد کے قریب خمیہ زن ہوا، تو نبی کریم ﷺ نے مسلمانوں سے مشورہ لیا، آپ ﷺ کی رائے مبارک یہ تھی کہ مدینہ کے اندر رہ کر دشمن کا مقابلہ بہت آسانی اور کامیابی کے ساتھ کیا جاسکتا ہے، اس کی تائید آپ کے ایک خواب سے ہوئی تھی، یہ پہلا موقع تھا کہ رئیس المنافقین عبد اللہ بن ابی سے بھی رائے مانگی جو حضور ﷺ کی رائے سے موافق تھی، مگر بعض پر جوش مسلمان جنہیں بدر کی شرکت نصیب نہ ہوئی تھی، ارشاد تو شہادت بے یمن کر رہا تھا، سہم ہوئے کہ ہم کو باہر نکل کر مقابلہ کرنا چاہئے، تاکہ دشمن ہماری نسبت بزدلی اور کمزوری کا گمان نہ کرے، کثرت رائے اسی طرف ہو گئی، اسی جیسے ہمیں میں آپ ﷺ مکان کے اندر تشریف لے گئے اور زورہ پہن کر باہر آئے اس وقت بعض لوگوں کو خیال ہوا کہ ہم نے آپ ﷺ کی رائے کے خلاف مدینہ سے باہر لڑائی کرنے پر مجبور کیا، انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! اگر آپ ﷺ کا خشاء نہ ہو تو یہیں تشریف رکھئے، فرمایا ایک پیغمبر کو سزاوار نہیں کہ جب وہ زورہ پہن لے اور تھیار لگا لے پھر بدون قتال کئے بدن سے اتارے، جب آپ ﷺ مدینہ سے باہر تشریف لے گئے تقریباً ایک ہزار آدمی آپ کے ساتھ تھے مگر عبد اللہ بن ابی تقریباً تین سو آدمیوں کو (جن میں بعض مسلمان بھی تھے) ساتھ لے کر راستہ سے یہ کہتا ہوا واپس ہو گیا کہ جب میرا مشورہ نہ مانا اور مردوں کی رائے پر عمل کیا تو ہم کو لڑنے کی ضرورت نہیں۔ کیوں خواہ مخواہ اپنے کو ہلاکت میں ڈالیں، بعض بزرگوں نے سمجھایا بھی مگر کچھ اثر نہیں ہوا۔

آخر آپ کل سات سو سپاہیوں کی جمعیت لے کر میدان جنگ پہنچ گئے، آپ ﷺ نے بنس نفیس فوجی قاعدہ سے صفیں ترتیب دیں، ہر ایک دستہ کو اس کے مناسب ٹھکانہ پر بٹھلایا اور فرمایا جب تک حکم نہ دوں کوئی قتال نہ کرے، اسی اثناء میں عبد اللہ بن ابی کی علیحدگی سے دو قبیلے بنو حارثہ اور بنو سلمہ کے دلوں میں کچھ کمزوری پیدا ہوئی، مسلمانوں کی قلیل جمعیت پر نظر کر کے دل چھوڑنے لگے اور خیال آیا کہ میدان سے سرک جائیں مگر حق تعالیٰ نے ان کی مدد اور دیکھری فرمائی، دلوں کو مضبوط کیا اور سمجھا دیا کہ مسلمانوں کا بھروسہ تمہا خدائے واحد کی اعانت، ولعرت پر ہونا چاہئے تعداد اور سامان وغیرہ کوئی چیز نہیں جب وہ مظہر و منصور کرنا چاہے تو سب سامان رکھے رہ جاتے ہیں اور نصیبی تائید سے فتح یمن حاصل ہو جاتی ہے جیسے معرکہ بدر میں ہوا، پس مسلمانوں کو صرف اللہ ﷻ سے ڈرنا چاہئے تاکہ اس کی طرف سے مزید انعام و احسان ہو اور مزید شکر گزاری کا موقع ملے، دو فرقوں سے مراد بنو سلمہ و بنو حارثہ ہیں، گواں آیت میں ان پر چشمک کی گئی، لیکن ان کے بعض بزرگ فرمایا کرتے تھے کہ اس آیت کا نازل نہ ہونا ہم کو پسند نہ تھا کیونکہ ﴿وَاللَّهُ وَلِيَهُمَا﴾ کی

بشارت عتاب سے بڑھ کر ہے۔ تفسیر عثمانی، سورہ آل عمران، آیت۔ ۱۲۲، فائدہ ۲، آسان ترجمہ قرآن، ج ۱، ص ۲۱۸

ترجمہ: حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ قرآن کی یہ آیت ﴿إِذْ هَمَّتْ طَائِفَتَانِ مِنْكُمْ أَنْ تَفْشَلَا وَاللَّهُ وَلِيَهُمَا﴾ ہمارے حق میں نازل کی گئی تھی، کیونکہ ہمارے ہی دو گروہ تھے، ایک بنی سلمہ، ایک بنی حارث، ہم اس آیت کے نزول کو اچھا خیال رہند کرتے ہیں، اور سفیان بن عیینہ نے ایک مرتبہ اس طرح سے بیان کیا کہ ہم کو اس وجہ سے خوشی ہوئی کہ ﴿وَاللَّهُ وَلِيَهُمَا﴾ اللہ ان دونوں گروہوں کا محافظ و مددگار ہے۔

بنو حارثہ و بنو سلمہ کیلئے باعث فخر

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ آیت ﴿إِذْ هَمَّتْ طَائِفَتَانِ الْخ﴾ دو طائفوں یعنی بنو حارثہ اور بنو سلمہ کے بارے میں نازل ہوئی تھی۔

غزوہ احد کے موقع پر عبد اللہ بن ابی جب تین سو افراد کے ساتھ واپس چلا گیا تو بنو حارثہ اور بنو سلمہ کے دل میں بھی خیال پیدا ہوا کہ ہم بھی چلے جاتے۔ لیکن اللہ ﷻ نے پھر ان کو محفوظ رکھا۔

اگرچہ قرآن کریم میں ان کے بارے میں فرمایا گیا کہ ﴿أَنْ تَفْشَلَا﴾ اگرچہ اس میں ہماری کمزوری کا ذکر ہے جو بظاہر اچھی بات نہیں ہے، مگر اسکے باوجود مجھے اس آیت کے نازل ہونے کی وجہ سے خوشی ہے بجائے اس کے کہ مجھے اس کا نازل نہ ہونا کوئی خوشی دیتا۔

اور وہ خوشی اس واسطے کہ اس آیت میں اللہ ﷻ نے فرمایا کہ ﴿وَاللَّهُ وَلِيَهُمَا﴾ یعنی اللہ ان دونوں گروہوں بنو حارثہ اور بنو سلمہ کا محافظ و مددگار ہے، تو اللہ ﷻ نے ہمارے لئے اپنے ولی ہونے کی شہادت دیدی کہ ہم ان کے ولی ہیں تو اس واسطے ہمیں تو اچھا لگتا ہے کہ اللہ ﷻ کی طرف سے ایک سند ہے ہمارے لئے۔

(۹) باب: ﴿لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ﴾ [۱۲۸]

باب: ”(اے پیغمبر!) تمہیں اس فیصلے کا کوئی اختیار نہیں۔“

آیت کے نزول کا پس منظر

غزوہ احد میں ستر (۷۰) صحابہ شہید ہوئے تھے، جن میں حضور اقدس ﷺ کے چچا سید الشہداء حضرت حمزہ بن عبد المطلب ﷺ بھی شامل تھے، مشرکین قریش نے نہایت وحشیانہ طور پر شہداء کا مثلہ کیا، ناک، کان وغیرہ کاٹے، پیٹ چاک کئے حتیٰ کہ حضرت حمزہ ﷺ کا جگر نکال کر چبایا گیا۔

خود نبی کریم ﷺ کو بھی اس لڑائی میں زخم پہنچے، سامنے کے چار دانتوں میں سے نیچے کا دائیں طرف

کا دانت شہید ہوا، خود کی کڑیاں ٹوٹ کر رخسار مبارک میں گھس گئیں، پیشانی زخمی ہوئی اور بدن مبارک لہولہاں تر اسی حالت میں آپ کا پون لڑکھڑایا اور زمین پر گر کر بے ہوش ہو گئے۔

اس موقع پر کفار نے مشہور کر دیا کہ محمد (ﷺ) قتل ہو گئے ہیں۔ نعوذ باللہ۔ اس افواہ کے سنتے ہی مسلمانوں کے لشکر میں بدحواسی پھیل گئی، تھوڑی دیر کے بعد آپ (ﷺ) کو ہوش آیا، اس وقت زبان مبارک سے نکلا ”وہ قوم کیونکر فلاح پائے گی جس نے اپنے نبی کا چہرہ زخمی کیا اور ان کے دانت توڑ دیئے، اس لئے کہ وہ نبی ان کو خدا کی طرف بلاتا تھا“۔ ۱

مشرکین کے وحشیانہ شدائد و مظالم کو دیکھ کر آپ (ﷺ) سے نہ رہا گیا اور ان میں سے چند نامور اشخاص کے حق میں آپ (ﷺ) نے بددعا کا ارادہ کیا یا شروع کر دی جس میں ظاہر ہے آپ (ﷺ) ہر طرح حق بجانب تھے مگر حق تعالیٰ کو منظور تھا کہ آپ اپنے منصب جلیل کے موافق اس سے بھی بلند مقام پر کھڑے ہوں، وہ ظلم کرتے جائیں آپ (ﷺ) خاموش رہیں جتنی بات کا آپ (ﷺ) کو حکم ہے (مثلاً دعوت و تبلیغ اور جہاد وغیرہ) اسے انجام دیتے رہیں، باقی ان کا انجام خدا کے حوالے کریں، اس کی جو حکمت ہوگی کرے گا۔

آپ (ﷺ) کی بدعا سے ہلاک کردئے جائیں کیا اس کی جگہ یہ بہتر نہیں کہ ان ہی دشمنوں کو اسلام کا محافظ اور آپ (ﷺ) کا جاں نثار عاشق بنا دیا جائے؟

چنانچہ جن لوگوں کے حق میں آپ (ﷺ) بددعا کرتے تھے، چند روز کے بعد سب کو اللہ (ﷻ) نے آپ (ﷺ) کے قدموں پر لا ڈالا، اور اسلام کا جاننا زسپا ہی بنا دیا، غرض ﴿لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ﴾ میں آپ (ﷺ) کو متنبہ فرمایا کہ بندہ کو اختیار نہیں نہ اس کا علم محیط ہے اللہ (ﷻ) جو چاہے سو کرے، اگرچہ کافر تمہارے دشمن ہیں اور ظلم پر ہیں لیکن چاہے وہ ان کو ہدایت دے، چاہے عذاب کرے تم اپنی طرف سے بددعا نہ کرو۔

بعض روایات سے ان آیات کی شان نزول کچھ اور معلوم ہوتی ہے کہ آپ (ﷺ) نے کفار کیلئے کسی اور موقع پر بددعا بھی فرمائی تھی، اس پر یہ آیت نازل ہوئی جس میں حضور اقدس (ﷺ) کو صبر و تحمل کی تعلیم دی گئی ہے۔ فتح الباری شرح صحیح البخاری میں کئی جگہ اس پر شافی کلام کیا ہے۔ ۲

۴۵۵۹۔ حدثنا حبان بن موسى: أخبرنا عبد الله: أخبرنا معمر، عن الزهري قال:

۱۔ حدثنا عفان، حدثنا حماد، أخبرنا ثابت، عن أنس، أن النبي ﷺ قال يوم أحد: وهو سلت الدم عن وجهه وهو يقول: كيف يفلح قوم شجروا بينهم، وكسروا رعايته وهو يدعوهم إلى الله، فالنزل الله عز وجل: ﴿لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ أَوْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ أَوْ يُعَذِّبُهُمْ فَلَأِنَّهُمْ ظَالِمُونَ﴾ [آل عمران: ۱۲۸]۔ مسند أحمد، مسند أنس بن مالك رضي الله تعالى عنه، رقم: ۱۳۶۵۷۔
۲۔ معارف القرآن، ج: ۲، ص: ۷۵، تفسير عثمانی، آل عمران: ۱۲۸، المائدة: ۲، - فتح الباری، ج: ۸، ص: ۲۲۶۔

حدثني سالم عن أبيه انه سمع رسول الله ﷺ اذا رفع رأسه من الركوع في الركعة الآخرة من الفجر يقول: ((اللهم العن فلانا وفلانا وفلانا)) بعد ما يقول: ((سمع الله لمن حمده، ربنا ولك الحمد))، فانزل الله: ﴿لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ﴾ الى قوله: ﴿فَاتَّهَمُوا ظَلْمُونَ﴾.

رواه اسحاق بن راشد، عن الزهري. [راجع: ۳۰۶۹]

ترجمہ: زہری رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ مجھے سالم رحمہ اللہ نے حدیث سنائی جو وہ اپنے والد (حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما) سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا کہ فجر کی نماز میں دوسری رکعت میں رکوع سے اٹھنے کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”اللَّهُمَّ العن فلانا وفلانا وفلانا“ اے اللہ! لعنت بھیج فلاں شخص پر، فلاں شخص پر اور فلاں شخص پر، یہ بدعاء آپ ﷺ نے ”سمع الله لمن حمده، ربنا ولك الحمد“ کہنے کے بعد کی تھی۔ تو اس پر اللہ ﷻ نے یہ آیت نازل فرمائی ﴿لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ﴾ آیت کے آخر تک۔

یہ روایت اسحاق بن راشد نے امام زہری کے واسطے سے بیان کی ہے۔

۳۵۶۰ - حدثنا موسى بن إسماعيل: حدثنا إبراهيم بن سعد: حدثنا ابن شهاب،

عن سعيد بن المسيب وأبي سلمة بن عبد الرحمن، عن أبي هريرة ؓ: أن رسول الله ﷺ كان إذا أراد أن يدعو على أحد أو يدعو لأحد قنت بعد الركوع فرمما قال - إذا قال: ((سمع الله لمن حمده)) - : ((اللهم ربنا لك الحمد. اللهم أنج الوليد ابن الوليد، وسلمة بن هشام، وعياش بن أبي ربيعة. اللهم اشدد وطأتك على مضر واجعلها سنين كسنى يوسف))، يجهر بذلك، وكان يقول في بعض صلواته في صلاة الفجر: ((اللهم العن فلانا وفلانا)) لأحياء من العرب حتى أنزل الله ﴿لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ﴾ [الآية]. [راجع: ۷۹۷]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ ؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب کسی پر بدعاء فرماتے یا کسی کے لئے دعا کرتے تھے تو رکوع کے بعد قنوت پڑھتے، جب آپ ﷺ نے ”سمع الله لمن حمده“ کہا تو بعض اوقات فرماتے تھے کہ اے اللہ! نجات دے ولید بن ولید کو، سلمہ بن ہشام کو اور عیاش بن ابی ربیعہ کو۔ اے اللہ! تکلیف پہنچانے والی قوم کو سختی سے پکڑ لیجئے اور ان پر حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانہ جیسی قحط سالی ڈال دیجئے۔ آپ ﷺ ہمیشہ یہ بلند آواز سے کہتے تھے، اور کبھی کبھی فجر کی نماز میں بعض قبائل عرب کے لئے یہ بدعاء فرماتے اے اللہ! لعنت بھیج فلاں شخص پر، فلاں شخص پر اور فلاں شخص پر۔ یہاں تک اللہ تعالیٰ نے یہ آیت

(۱۱) باب قوله: ﴿أَمَنَةً نُّعَاسًا﴾ [۱۵۳]

اس ارشاد کا بیان کہ: ”طمأنینت بھری اونگھ۔“

۳۵۶۲ - حدثني إسحاق بن إبراهيم بن عبد الرحمن أبو يعقوب: حدثنا حسين بن محمد: حدثنا شيبان، عن قتادة قال: حدثنا أنس: أن أبا طلحة قال: غشينا النعاس ونحن في مصافنا يوم أحد، قال: فجعل سيفي يسقط من يدي وأخذته، ويسقط وأخذته. [راجع: ۳۰۶۸]

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ احد کے دن جب کہ ہم میدان جنگ میں موجود تھے، ایسی اونگھ رہنید آنے لگی کہ میری تلوار میرے ہاتھ سے تلوار گرنے لگی، مگر میں نے اس کو پکڑ لیا، پھر گرنے لگی تو میں نے پکڑ لیا۔

اونگھ مسلط کرنے مقصد

”غشينا النعاس“ یعنی نیند طاری ہو گئی تھی تاکہ کفار کا رعب دور ہو جائے اور سکینت نازل ہو، تو ہاتھ میں تلوار ہوتی تھی اور وہ نیند کی وجہ سے گر جاتی تھی۔

(۱۲) باب قوله تعالى: ﴿الَّذِينَ اسْتَجَابُوا لَِّهِ وَالرُّسُولِ مِنْ بَعْدِ مَا أَصَابَهُمُ

الْقَرْحُ لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا مِنْهُمْ وَاتَّقُوا أَجْرٌ عَظِيمٌ﴾ [۱۷۲]

اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا بیان کہ: ”وہ لوگ جنہوں نے زخم کھانے کے بعد بھی اللہ اور رسول کی پکار کا فرماں برداری سے جواب دیا، ایسے نیک اور متقی لوگوں کیلئے زبردست اجر ہے۔“

﴿الْقَرْحُ﴾: الجراح. ﴿اسْتَجَابُوا﴾: اجابوا، ﴿يَسْتَجِيبُ﴾: بجیب.

ترجمہ: ”الْقَرْحُ“ کے معنی زخم کے ہیں، ”اسْتَجَابُوا“ کے معنی حکم سن کر تعمیل میں جواب

دینا، ”يَسْتَجِيبُ“ اور مانا۔

(۱۳) باب قوله: ﴿إِنِّ الدِّينَ قَالَ لَهُمُ النَّاسَ لَدَجَمْعُوا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ﴾ [۱۷۳]

اس ارشاد کا بیان کہ: ”وہ لوگ جن سے کہنے والوں نے کہا تھا کہ: ”یہ (مکہ کے کافر) لوگ تمہارے (مقابلے) کیلئے (پھر سے) جمع ہو گئے ہیں، لہذا ان سے ڈرتے رہنا۔“

۳۵۶۳۔ حدثنا أحمد بن يونس أراه قال: حدثنا أبو بكر، عن أبي حصين، عن أبي الضحى، عن ابن عباس: ﴿حَسْبُنَا اللَّهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ﴾ قالها إبراهيم رضي الله عنه حين ألقى في النار، وقالها محمد صلى الله عليه وسلم حين قالوا: ﴿إِنِّ الدِّينَ قَالَ لَهُمُ النَّاسَ لَدَجَمْعُوا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ لَزَادَهُمْ إِيمَانًا وَقَالُوا أَحْسَبْنَا اللَّهَ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ﴾. [الطبر: ۳۵۶۳] ۱

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ یہ آیت ﴿حَسْبُنَا اللَّهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ﴾ حضرت ابراہیم رضي الله عنه نے اس وقت کہی تھی جب ان کو آگ میں ڈالا گیا تھا اور یہی آیت محمد رسول اللہ صلى الله عليه وسلم نے اس وقت پڑھی تھی ﴿إِنِّ الدِّينَ قَالَ لَهُمُ النَّاسَ لَدَجَمْعُوا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ الخ﴾ یعنی جب منافقوں نے مسلمانوں کو ڈرانے کے لئے کہا تھا کہ تم سے لڑنے کو بہت لوگ جمع ہو گئے ہیں۔

صحابہ کرام رضي الله عنهم کی جا نشاری اور عزم و ہمت

یہ ”حمراء الأسد“ والا واقعہ ہے۔

غزوہ احد کے بعد جب کفار واپس گئے تو راستے میں ان کو خیال آیا کہ ہم سے غلطی ہو گئی کہ مسلمانوں کو شکست خوردہ حالت میں چھوڑ آئے، ہمیں یوں کرنا چاہئے تھا کہ ایک اور حملہ کر کے مسلمانوں کو ہمیشہ کے لئے ختم کر دیتے، اس پر کفار مشورہ کرنے لگے کہ پھر مدینہ واپس چل کر مسلمانوں کا خاتمہ کر دیں۔

رسول اللہ صلى الله عليه وسلم کو جب اس بات کی خبر ہوئی کہ کفار دوبارہ حملہ کرنے کے لئے جمع ہو رہے ہیں تو اس پر آپ صلى الله عليه وسلم نے فرمایا کہ احد کی لڑائی میں جو لوگ شریک تھے، وہ دشمن کا تعاقب کرنے کیلئے تیار ہو جائیں، صحابہ کرام رضي الله عنهم باوجود یہ کہ تھکے ہوئے اور شکست خوردہ تھے، پھر اللہ اور اس کے رسول کی پکار پر جانے کیلئے تیار ہو گئے۔

راستے میں جب منافقوں نے مسلمانوں کو ڈرانے کیلئے کہا کہ تم سے لڑنے کو بہت لوگ جمع ہو گئے ہیں تو اس موقع پر رسول اللہ ﷺ اور ان کے چار صحابہ ﷺ نے کہا کہ ”حَسْبُنَا اللَّهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ“ ہمارے لئے اللہ ہی کافی ہے اور بہترین کارساز ہے۔

تو اس موقع پر یہ آیت اللہ رب العزت کی طرف سے نازل ہوئی۔

۴۵۶۳۔ حدثنا أحمد بن يونس أراه لال: حدثنا أبو بكر، عن أبي حصين، عن أبي

الضحى، عن ابن عباس لال: كان آخر قول إبراهيم حين ألقى في النار: حسبي الله ونعم الوكيل. [راجع: ۴۵۶۳]

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا جا رہا تھا اس وقت آخری بات انہوں نے یہ کہی تھی کہ میرے لئے اللہ ہی کافی ہے اور وہی کارساز ہے۔

(۱۴) باب: ﴿وَلَا يَخْسِبُنَّ الَّذِينَ يَبْخَلُونَ بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ﴾ [۱۸۰] الآية

باب: ”اور جو لوگ اللہ کے دیئے ہوئے (مال) میں بخل سے کام لیتے ہیں وہ ہرگز یہ نہ سمجھیں کہ یہ ان کیلئے کوئی اچھی بات ہے۔“

یہود اور منافقین کا بخل

ابتدائے سورت کا بڑا حصہ اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) سے متعلق تھا، درمیان میں خاص مناسبات و وجوہ کی بنا پر غزوہ احد کی تفصیلات آگئیں، انہیں بقدر کفایت تمام کر کے یہاں سے پھر اہل کتاب کی شائع بیان کی جاتی ہیں۔

چونکہ ان میں یہود کا معاملہ بہت مضر رساں و تکلیف دہ تھا، منافقین بھی اکثر ان ہی میں سے تھے اور اوپر کی آیت میں آگاہ کیا گیا تھا کہ خدا تعالیٰ اب خبیث کو طیب سے جدا کر کے رہے گا، سو یہ جدائی جس طرح جانی و بدنی جہاد کے وقت ظاہر ہوتی تھی اسی طرح مالی جہاد کے وقت بھی کھرا کھوٹا، کچا پکا صاف طور پر الگ ہو جاتا تھا۔ اس لئے بتلادیا کہ یہود منافقین جیسے جہاد کے موقع سے بھاگتے ہیں، مال خرچ کرنے سے بھی جی چراتے ہیں لیکن جس طرح جہاد سے بچ کر دنیا میں چند روز کی مہلت حاصل کر لینا ان کے حق میں کچھ بہتر نہیں، ایسے ہی بخل کر کے بہت مال اکٹھے کر لینا بھی کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتا، اگر دنیا میں فرض کرو کوئی مصیبت پیش بھی نہ

آئے تو قیامت کے دن یقیناً یہ جمع کیا ہوا مال عذاب کی صورت میں ان کے گلے کا ہار بن کر رہے گا۔
اس میں مسلمانوں کو بھی کھٹکھٹا دیا کہ زکوٰۃ دینے اور ضروری مصارف میں خرچ کرنے سے کبھی جی نہ
چرائیں، ورنہ جو شخص بخل و حرص وغیرہ رذیل خصلتوں میں یہود منافقین کی روش اختیار کرے گا، اسے بھی اپنے
درجہ کے موافق اسی طرح کی سزا کا منتظر رہنا چاہئے، چنانچہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ مانعین زکوٰۃ کا مال
سخت زہریلے اثر دہے کی صورت میں متمثل کر کے ان کے گلے میں ڈالا جائے گا۔ نعوذ باللہ منہ۔ ۱۰

﴿سَيُطَوَّقُونَ﴾ کقولک: طوقہ بطوق

ترجمہ: "سَيُطَوَّقُونَ" عنقریب ان لوگوں کو طوق پہنائے جائیں، جیسا کہ تمہارا قول ہے کہ میں اس کی
گردن میں طوق پہنا دیا۔

۴۵۶۵۔ حدیسی عبد اللہ بن منیر: سمع ابا النظر: حدثنا عبدالرحمن هو ابن
عبد اللہ بن دينار، عن ابيه، عن ابي صالح، عن ابي هريرة قال: قال رسول الله ﷺ: ((من اناه
الله مالا فلم يؤده زكاه مثل له ماله شجاعا أقرع، له زبيبتان، يطوقه يوم القيامة ياخذ
بلهزمته - يعني بشدقيه - يقول: انا مالک، انا كنزک)). تلا هذه الآية ﴿وَلَا يَخْسِبُنَّ
الَّذِينَ يَتَخَلَّوْنَ بِمَاءِ اللَّهِ مِنْ فَضْلِهِ﴾ الى آخر الآية. [راجع: ۱۴۰۳]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس کو اللہ ﷻ نے
مال عطاء کیا ہو اور پھر اس نے اس مال کی زکوٰۃ ادا نہ دی، تو قیامت کے روز اس کا مال اس کے لئے سانپ بن
جائے گا، جو گنجا ہوگا اس کی آنکھوں پر دو نقطے ہوں گے اور پھر یہ سانپ اس کے گلے میں ہار کی طرح ڈالا جائے گا
اور پھر وہ سانپ اس کے دونوں جڑوں کو پکڑ کر کہے گا کہ میں تیرا مال ہوں، میں تیرا جمع کردہ خزانہ ہوں، اس کے
بعد آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی ﴿وَلَا يَخْسِبُنَّ الَّذِينَ يَتَخَلَّوْنَ بِمَاءِ اللَّهِ مِنْ فَضْلِهِ﴾۔

بخل اور زکوٰۃ نہ دینے پر شدید عذاب

اس آیت میں بخل کی مذمت اور اس پر وعید مذکور ہے۔

"بخل" کے معنی شرعی یہ ہیں کہ جو چیز اللہ کی راہ میں خرچ کرنا کسی پر واجب ہو اور وہ اس کو خرچ نہ
کرے، جیسے زکوٰۃ ادا کرنا واجب ہے لیکن بخل کی وجہ سے کہ مال کم ہو جائے گا اس لئے زکوٰۃ ادا نہ کرے۔

اسی لئے بخل حرام ہے، اور اس پر جہنم کی وعید شدید ہے۔
 اور جن مواقع میں خرچ کرنا واجب نہیں بلکہ مستحب ہے، وہ اس بخل حرام میں داخل نہیں، البتہ معنی عام کے اعتبار سے اس کو بھی بخل کہہ دیا جاتا ہے، اس قسم کا بخل حرام نہیں، مگر خلاف اولیٰ ہے۔
 بخل کی جو سزا اس آیت میں ذکر کی گئی ہے کہ قیامت کے روز جس چیز کے دینے میں بخل کیا اس کو طوق بنا کر اس گلے میں ڈالا جائے، اس کی تفسیر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس روایت سے معلوم ہوتی ہے۔
 آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ شخص جس کو اللہ تعالیٰ نے مال عطاء کیا، پھر اس شخص نے اس مال کا حق یعنی اس کی زکوٰۃ ادا نہیں کی تو روز قیامت اس کا یہ مال ایک خوفناک سانپ کی شکل اختیار کر لے جو اتنا زہریلا ہوگا کہ اس کے سر پر کوئی بال نہیں ہوگا، اور آنکھوں پر دو دھتے ہوں گے، اور یہ سانپ اس کی گردن میں طوق بنا کر ڈال دیا جائے گا، وہ سانپ اس شخص کے دونوں جڑوں ربا چھوں کو جکڑ کر کہے گا کہ میں تیرا مال و دولت ہوں اور وہ خزانہ ہوں جسے تو بڑے شوق سے جمع کرتا تھا۔ ۱۱

(۱۵) باب: ﴿وَلَنَسْمَعَنَّ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِينَ﴾

أَشْرَكُوا أَدَىٰ كَثِيرًا ﴿۱۸۶﴾

باب: ”اور تم اہل کتاب اور مشرکین دونوں سے بہت سی تکلیف دہ باتیں سنو گے۔“

صبر اور برداشت کی تلقین

اس آیت میں مسلمانوں کا بتلایا گیا ہے کہ دین کیلئے جان و مال کی قربانیوں سے اور کفار و مشرکین اور اہل کتاب کی بدزبانی کی ایذاؤں سے گھبرانا نہیں چاہئے، یہ سب ان کی آزمائش ہے، اور اس میں بہتر یہی ہے کہ صبر سے کام لیں اور اپنے اصل مقصد تقویٰ کی تکمیل میں مصروف رہیں، کفار و مشرکین کی جواب دہی کی فکر میں نہ پڑیں۔

۳۵۶۶۔ حدثنا أبو الیمان: أخبرنا شعیب، عن الزہری: أخبرنی عروة بن الزہیر

أن أسامة بن زيد رضي الله عنهما أخبره أن رسول الله ﷺ ركب علي حمار علي قطيفة
 لذكية وأردف أسامة بن زيد وراءه يعود سعد بن عبادة في بني الحارث بن الخزرج قبل

ولعة بدر، قال: حتى مر بمجلس فيه عبدالله بن ابي بن سلول وذلك قبل ان يسلم عبدالله بن ابي، فباذا في المجلس اخلاط من المسلمين والمشركين عبدة الاوثان، واليهود والمسلمين، وفي المجلس عبدالله بن رواحة. فلما غشيت المجلس عجاوبة الدابة حتم عبدالله بن ابي الفه بردائه ثم قال: لا تُفبروا علينا، فسلم رسول الله ﷺ عليهم ثم وقف فنزل فدعاهم إلى الله، وقرأ عليهم القرآن. فقال عبدالله بن ابي بن سلول: أيها المرء إنّه لا أحسن مما تقول. إن كان حقا فلا تؤذنا به في مجالسنا. ارجع إلى رحلك، فمن جاءك فالصص عليه. فقال عبدالله بن رواحة: بلى يا رسول الله فاغشناه في مجالسنا فلانا لحب ذلك. فاسب المسلمون والمشركون واليهود حتى كادوا يتناورون فلم يزل النبي ﷺ يخلصهم حتى سكنوا ثم ركب النبي ﷺ دابته فسار حتى دخل على سعد بن عباد، فقال له النبي ﷺ: ((أيا سعد ألم تسمع ما قال أبو حباب؟ - يريد عبدالله بن ابي - قال كذا وكذا))، قال سعد بن عباد: يا رسول الله أعف عنه وأصفح عنه، فوالذي أنزل عليك الكتاب لقد جاء الله بالحق الذي أنزل عليك، ولقد اصطلح أهل هذه البحيرة على أن يتوجوه ليعصوه بالعصاة فلما أباي الله ذلك بالحق الذي أعطاك الله شوق بذلك، لذلك فعل به ما رأيت، لعفا عنه رسول الله ﷺ وكان النبي ﷺ وأصحابه يعفون عن المشركين وأهل الكتاب كما أمرهم الله ويصبرون على الأذى، قال الله تعالى: ﴿وَلَقَسْمَعُنْ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِينَ أَشْرَكُوا أَذَى كَثِيرًا﴾ الآية. وقال الله: ﴿وَأَكْثَرُ مَنْ أَهْلَ الْكِتَابِ لَوِئَدُوا بِكُمْ مِنْ بَعْدِ إِيمَانِكُمْ كُفَّارًا أَحْسَدًا مِنْ عِنْدِ أَنْفُسِهِمْ﴾ إلى آخر الآية. وكان النبي ﷺ يتأول العفو ما أمره الله به حتى أذن الله فيهم، فلما غزا رسول الله ﷺ بدرًا ففعل الله به صناديد كفار قریش قال ابن ابي بن سلول ومن معه من المشركين وعبدة الاوثان: هذا أمر قد توجه، فبايعوا الرسول ﷺ على الإسلام فأسلموا. [راجع: ۲۹۸۷]

ترجمہ: حضرت عروہ بن زبیر کہتے ہیں کہ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما نے ان کو بتایا کہ رسول اللہ ﷺ ایک گدھے پر سوار تھے، جس پر فدک کی بنی ہوئی چادر رکھی تھی، آپ ﷺ نے اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کو اپنے پیچھے سوار کر لیا، پھر آپ بنو حارث بن خزرج میں سعد بن عبادہ ﷺ کو دیکھنے تشریف لے گئے اور یہ جنگ بدر سے پہلے کا واقعہ ہے۔

اسامہ بن زید کہتے ہیں کہ راستہ میں آپ ﷺ کچھ لوگوں کے پاس سے گذرے، ان میں (مشہور منافق) عبداللہ بن ابی بن سلول بھی بیٹھا ہوا تھا اور اس وقت تک ظاہر ابھی اسلام نہیں لایا تھا، اس مجلس میں مسلمان، بت

پرست مشرک اور یہودی سب بیٹھے ہوئے تھے اور ان میں حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ بھی بیٹھے تھے۔

جب گدھے کے چلنے سے گرداڑی، جس نے اس مجلس کو ڈھانپ لیا، تو عبداللہ بن ابی نے اپنی ناک کو چادر سے چھپا دیا اور کہنے لگا کہ ہم پر گرد مت اڑاؤ، رسول اللہ ﷺ نے مجلس والوں کو سلام کیا، پھر ٹھہرے اور سواری سے اترے، قرآن کی تلاوت فرمائی اور ان سب کو اللہ ﷻ کی طرف آنے کی دعوت دی، عبداللہ بن ابی نے کہا کہ جو کلام تم نے پڑھا اس سے عمدہ کوئی کلام نہیں ہے۔ اگرچہ جو تم کہہ رہے وہ سچ ہے، مگر پھر بھی اس کو ہماری مجلس میں سنا کر ہمارے کان مت کھاؤ، اپنے گھر میں جاؤ اور وہاں جو تمہارے پاس آئے اس کو سناؤ۔

تو حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے کہا اے اللہ کے رسول! آپ ضرور ہماری مجالس میں تشریف لایا کیجئے اور ہم کو سنا یا کیجئے کیونکہ ہم کو یہ باتیں بہت اچھی معلوم ہوتی ہیں، ہمیں یہ باتیں پسند ہیں۔

اس کے بعد مسلمانوں، مشرکین اور یہودیوں میں آپس میں کچھ ناگوار تلخ گفتگو شروع ہو گئی یہاں تک کہ قریب تھا کہ آپس میں ہاتھ پائی شروع کر دیں، تو نبی کریم ﷺ ان لوگوں کو روکنے لگے، آخر معاملہ رفع دفع ہو گیا اور سب خاموش ہو گئے۔

پھر نبی کریم ﷺ اپنی سواری پر سوار ہو گئے، اور حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لے گئے اور سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اے سعد! کیا تم نے سنا کہ ابو حباب یعنی عبداللہ بن ابی نے کیا باتیں کی ہیں؟ اُس نے اس قسم کی باتیں کی ہیں۔ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! آپ اسے معاف کر دیجئے اور اس کی باتوں کا کوئی خیال نہ فرمائیں بلکہ درگزر فرمائیں، میں اس ذات کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ جس نے آپ پر قرآن اتارا ہے جو کچھ آپ پر نازل ہو رہا ہے وہ برحق اور صحیح ہے اور آپ اللہ ﷻ کے سچے نبی اور رسول ہیں۔

بات یہ ہے کہ مدینہ کے لوگوں نے آپ کے تشریف لانے سے پہلے یہ طے کر لیا تھا کہ ہم عبداللہ بن ابی کو اپنا سردار بنائیں گے اور اس کو تاج پہنائیں گے، لیکن پھر جب اللہ تعالیٰ نے اس حق کے ذریعے آپ کو اس نے عطاء کیا ہے، اس کو روک دیا تو یہ بات اس کو ناگوار گذری اور وہ چڑ گیا، اس لئے وہ آپ کے ساتھ ایسا معاملہ کرتا ہے جو آپ نے خود دیکھا۔

چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے اس کو معاف کر دیا، کیونکہ نبی کریم ﷺ اور ان کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی یہ عادت تھی کہ وہ ہمیشہ مشرکین اور کفار کی گستاخیوں کو معاف کر دیا کرتے تھے، جیسا کہ اللہ ﷻ نے ان کو حکم دیا اور ان کی جانب سے دی جانے والی تکالیف پر صبر اختیار کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد مبارک ہے کہ ﴿وَلَقَدْ سَمِعْنَا مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِينَ أَهْرَؤْنَا اٰدٰی كُفِرًا﴾ اور فرمایا اللہ ﷻ نے فرمایا کہ ﴿وَلَقَدْ كَتَبْنَا مِنْ اٰهْلِ الْكِتَابِ لَوْ يَرُوْنَكُمْ مِنْ تَعَدٰی

إِنَّمَا لَكُمْ كُفَّارًا خَسَدًا مِّنْ عِنْدِ أَنْفُسِكُمْ -

نبی کریم ﷺ ہمیشہ کافروں کی تکلیفوں پر صبر اختیار کیا کرتے تھے، جس کا اللہ ﷻ نے حکم فرمایا تھا، یہاں تک کہ اللہ ﷻ نے کافروں سے جہاد کا حکم نازل فرمایا اور اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے بدر کی جنگ کی اور اللہ نے اس غزوہ کے ذریعے سے کفار قریش کے بڑے بڑے سردار مسلمانوں کے ہاتھ قتل کروائے، تو اس وقت عبداللہ بن ابی اور اس کے مشرکین و بت پرست ساتھیوں نے کہا کہ اب تو معاملہ پلٹ گیا ہے یعنی یہ دین غالب ہو گیا اور اس میں شریک ہونے کا وقت آ گیا ہے، چنانچہ ظاہر میں آنحضرت ﷺ سے اسلام پر بیعت کر کے (بظاہر) اسلام میں داخل ہو گئے۔

(۱۶) باب: ﴿لَا تَحْسَبَنَّ الدِّينَ بِفَرَحُونَ بِمَا آتَوْنَا﴾ [۱۸۸]

باب: ”یہ ہرگز نہ سمجھنا کہ جو لوگ اپنے کئے پر بڑے خوش ہیں۔“

۳۵۶۷ - حدثنا سعيد بن أبي مریم: حدثنا محمد بن جعفر قال: حدثني زيد بن أسلم، عن عطاء بن يسار، عن أبي سعيد الخدري ؓ: أن رجلاً من المنافقين على عهد رسول الله ﷺ، كان إذا خرج رسول الله ﷺ إلى الغزو تخلفوا عنه وفرحوا بمقدمهم خلاف رسول الله ﷺ، فإذا قدم رسول الله ﷺ اعتدروا إليه وحلفوا وأحبوا أن يحمداوا بما لم يفعلوا، فنزلت: ﴿لَا تَحْسَبَنَّ الدِّينَ بِفَرَحُونَ بِمَا آتَوْنَا وَيُحِبُّونَ أَنْ يُحْمَدُوا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوا﴾. ۱۱

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری ؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں جو لوگ منافق تھے، جب رسول اللہ ﷺ جہاد کے ارادے سے تشریف لے جاتے، تو یہ منافق لوگ پیچھے رہ جاتے، اور اس بات پر بہت خوش ہوتے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جہاد میں نہیں گئے، پھر جب رسول اللہ ﷺ واپس تشریف لاتے تو یہ لوگ حاضر ہو کر عذر اور مجبوریوں بیان کرنے لگ جاتے اور قسمیں اٹھا لیتے، اور وہ چاہتے تھے کہ جہاد کرنے والوں کے ساتھ ان کی بھی تعریف کی جائے، اس عمل پر جو انہیں نے کیا ہی نہیں تھا، اُس وقت یہ آیت نازل ہوئی ﴿لَا تَحْسَبَنَّ الدِّينَ بِفَرَحُونَ بِمَا آتَوْنَا وَيُحِبُّونَ أَنْ يُحْمَدُوا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوا﴾۔

منافقین کیلئے عذاب کی وعید

یہ آیت ﴿لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَفْرَحُونَ بِمَا آتَوْا وَيُحِبُّونَ أَنْ يُحْمَلُوا﴾ کہ جو لوگ اتراتے ہیں اپنے عمل پر خوش ہوتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ ان کی تعریف کی جائے ایسے کاموں میں جو انہوں نے نہیں کئے تو ان کیلئے عذاب کی وعید اس آیت میں ہے۔

یہ ان منافقین کے بارے میں ہے جو حضور ﷺ کے ساتھ جہاد میں نہیں جاتے تھے اور بڑے خوش ہوتے تھے کہ ہم نے بڑا اچھا کام کیا کہ نہیں گئے۔ تو جب حضور ﷺ واپس تشریف لاتے تو عذر کچھ ایسے پیش کرتے کہ حضور ﷺ ہماری تعریف کریں، کہ تم نے اچھا ہی کیا، ان کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

۳۵۶۸۔ حدیثی ابراہیم بن موسیٰ: أخبرنا هشام: أن ابن جريج أخبرهم، عن ابن أبي مليكة أن علقمة بن وقاص أخبره: أن مروان قال لبوابه: اذهب يا رافع إلى ابن عباس لقل: لئن كان كل امرئ فرح بما أوتي وأحب أن يحمد بما لم يفعل معذباً لنعذبن أجمعون. فقال ابن عباس: مالكم ولهذه؟ إنما دعا النبي ﷺ يهود فسألهم عن شيء فكتموه لئلا يأتوا بأخبارهم فأنزلوا به ما أنزلوا به من كتاب الله. ثم قرأ ابن عباس ﴿وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ﴾ كذلك حتى قوله: ﴿يَفْرَحُونَ بِمَا آتَوْا وَيُحِبُّونَ أَنْ يُحْمَلُوا﴾.

تابعہ عبدالرزاق، عن ابن جريج. حدثنا ابن مقاتل: أخبرنا الحجاج، عن ابن جريج: أخبرني ابن أبي مليكة، عن حميد بن عبدالرحمن بن عوف: أنه أخبره أن مروان: بهذا. ترجمہ: حضرت علقمہ بن وقاص نے بیان کیا کہ ایک دن مروان بن حکم نے اپنے دربان سے کہا کہ اے رافع! ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے پاس جاؤ اور ان سے معلوم کرو کہ اگر ہر شخص اس عمل سے خوش ہو جو اس نے کیا ہو، اور اگر کوئی شخص بغیر کسی عمل کئے ہوئے اپنی تعریف کرانے کو اچھا خیال کرے تو اس کو آخرت میں عذاب ہوگا، (یہ اگر صحیح ہے) تو پھر تو ہم ضرور عذاب میں ڈالے جائیں گے۔ تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ تم کو اس بات سے کیا سروکار؟ ایک دفعہ نبی کریم ﷺ نے کچھ یہودیوں کو بلا کر ان سے کوئی بات دریافت کی، انہوں نے اصلی بات کو چھپا لیا اور غلط بات بتادی، اور یہ ظاہر کرنے لگے کہ آپ ﷺ نے جو کچھ پوچھا تھا ہم نے وہی بتایا، وہ اپنی اس بات پر تعریف کے خواہشمند ہوئے، اور اپنے کتمان حق پر خوش ہوئے، اس کے بعد حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے آیت ﴿وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ﴾ سے لیکر

﴿يَفْرَحُونَ بِمَا آتَوْا وَيُحِبُّونَ أَنْ يُحْمَلُوا﴾ تک پڑھی۔

عبدالرزاق نے بھی ابن جریج سے اس کی روایت میں متابعت کی ہے۔ اس حدیث کو ابن ابی ملیکہ نے حمید بن عبدالرحمن بن عوف سے بھی بیان کیا ہے کہ مروان نے اس حدیث کو مجھ سے نقل کیا ہے۔

تشریح

علقمہ بن وقاص بیان کرتے ہیں کہ ایک دن مروان بن حکم نے اپنے خادم رافع سے کہا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس جاؤ اور ان سے معلوم کرو کہ ”لكن كان كل امرئ فرح بما آتاه“ جو شخص کوئی عمل کرتا ہے پھر اپنے اس عمل سے خوش ہوتا کہ اللہ ﷻ کی طرف سے اسے بطور نعمت دیا گیا ہے۔

”وأحب أن يحمد بما لم يفعل، معلها“ اور اگر بغیر کسی کام کے کئے ہوئے اپنی تعریف کرانے کو اچھا خیال کرے تو اس کو آخرت میں عذاب ہوگا، ”للعلمين اجمعون“ اگر یہ صحیح ہے تو پھر تو ہم ضرور عذاب میں ڈالے جائیں گے، کیونکہ ہم سب کی بھی یہی حالت ہے۔

مروان بن حکم کا اس بات کے متعلق سوال کرنا اس آیت کے ضمن میں تھا ﴿لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَفْرَحُونَ بِمَا آتَوْا وَيُحِبُّونَ أَنْ يُحْمَلُوا﴾۔

”لقال ابن عباس: مالکم ولہذہ؟“ تو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا تم کو اس بات سے کیا سروکار؟ تمہارا اس آیت سے تعلق کیسے ہو سکتا ہے؟

پھر اس آیت کا شان نزول بیان کیا یعنی تم جس آیت سے یہ خیال دل میں لائے ہو، اس کی وجہ تو یہ ہے کہ ”إنما دعا النبی ﷺ یهود فسألهم عن شیء“ ایک دفعہ نبی کریم ﷺ نے کچھ یہودیوں کو بلا کر کوئی بات دریافت کی، جو ان کی آسمانی کتاب تورات میں موجود تھی۔

”فكتموه إياه وأخبروه بغيره“ انہوں نے اصلی بات کو چھپا لیا اور غلط بات بتادی۔

”فأروه أن قد استحمدوا إليه بما أخبروه عنه فيما سألهم“ اور پھر یہ ظاہر کرنے لگے کہ

جو آپ نے دریافت کیا تھا اسی کے متعلق بتایا ہے، اور اپنی اس بات پر وہ تعریف کے خواہشمند تھے، ”ولم يحسوا بما آتوا من كمالهم“ وہ اس بات پر بہت خوش ہوئے کہ ہم نے حق بات کو چھپا دیا۔

یعنی جو پوچھا اس کے جواب میں جو غلط بات کہی اس پر تعریف چاہی اور جو حق کے بجائے جھوٹ کہا اس پر خود خیال کرنے لگے کہ چلو مفت میں ہماری نیک نامی ہوئی۔

اس شان نزول کو بیان کرنے کے بعد حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ آیت پڑھی

﴿وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ الْبَنِي إِسْرَائِيلَ أَنْ تَدِيعُوا قَدْحَكُمْ فِي مَجَارِئِهِمْ لِيَقُولَ قَدْ أَقْبَلْتُ مِنْكُمْ نَدَاةً وَأَقْبَلْتُ مِنْكُمْ نَدَاةً لَوْلَا إِتْرَافُكُمْ أَفْتَبُكُمْ فَخَلَقْنَا قُلُوبَهُمْ حَافِيًا فَذُكِرْتُمْ فَتُنَزَّلُونَ﴾ سے لیکر ﴿يَفْرَحُونَ بِمَا أُتُوا وَيُؤْمِنُونَ أَنْ يُحْمَلُوا﴾ تک۔

در اصل دونوں حدیثوں میں یہود اور منافق کے لئے تنبیہ ہے کہ یہود مسکے غلط بتاتے، رشوتیں کھاتے اور پیغمبر کی صفات و بشارت جان بوجھ کر چھپاتے تھے پھر خوش ہوتے کہ ہماری چالاکیوں کو کوئی پکڑ نہیں سکتا اور امید رکھتے کہ لوگ ہماری تعریف کریں کہ بڑے عالم اور دیندار حق پرست ہیں۔

دوسری طرف منافقین کا حال بھی ان کے مشابہ تھا، جب جہاد کا موقع آتا گھر میں چھپ کر بیٹھ رہتے اور اپنی اس حرکت پر خوش ہوتے کہ دیکھو کیسے جان بچائی، جب حضور ﷺ جہاد سے واپس تشریف لاتے تو غیر حاضری کے جھوٹے حذر پیش کر کے چاہتے کہ آپ ﷺ سے اپنی تعریف کرائیں۔

ان سب کو تلامذہ یا گیا کہ یہ باتیں دنیا و آخرت میں خدا کے عذاب سے چھڑا نہیں سکتیں۔
اول تو ایسے لوگ دنیا ہی میں فضیحت ہوتے ہیں اور کسی وجہ سے یہاں فح گئے تو وہاں کسی تدبیر سے نہیں چھوٹ سکتے۔

آیت میں گونڈ کرہ یہود یا منافقین کا ہے لیکن مسلمانوں کو بھی سنانا ہے کہ برا کام کر کے خوش نہ ہوں، بھلا کر کے اترا نہیں نہیں اور جو اچھا کام کیا نہیں اس پر تعریف کے امیدوار نہ رہیں، بلکہ کرنے کے بعد مدح سرائی کی ہوس نہ رہیں۔ ۳۱۱

(۷۱) باب قولہ: ﴿إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ

لآيَاتٍ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ﴾ [آل عمران: ۱۹۰]

اس ارشاد کا بیان کہ: ”بے شک آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں اور رات دن کے باری باری آنے جانے میں ان عقل والوں کیلئے بڑی نشانیاں ہیں۔“

عقل مندوں کیلئے تخلیق کائنات میں نشانیاں

﴿لآيَاتٍ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ﴾ - یعنی عقل مند آدمی جب آسمان و زمین کی پیدائش اور ان کے عجیب

وغریب احوال وروابط اور دن رات کے مضبوط و محکم نظام میں غور کرتا ہے تو اس کو یقین کرنا پڑتا ہے کہ یہ سہارا مرتب و منظم سلسلہ ضرور کسی ایک مختار کل اور قادر مطلق فرمانروا کے ہاتھ میں ہے جس نے اپنی عظیم قدرت و اختیار سے ہر چھوٹی بڑی مخلوق کی حد بندی کر رکھی ہے۔

کسی چیز کی مجال نہیں کہ اپنے محدود وجود اور دائرہ عمل سے باہر قدم نکال سکے، اگر اس عظیم الشان مشین کا ایک پرزہ یا اس کارخانہ کا ایک مزدور بھی مالک علی الاطلاق کی قدرت و اختیار سے باہر ہوتا تو مجموعہ عالم کا یہ مکمل و محکم نظام ہرگز قائم نہ رہ سکتا۔ ۱۳

۴۵۶۹ - حدثنا سعید بن ابی مریم: أخبرنا محمد بن جعفر قال: أخبرني شريك ابن عبد الله بن أبي نمر، عن كريب، عن ابن عباس رضي الله عنهما قال: بث عند خالتي ميمونة فتحدث رسول الله ﷺ مع أهله ساعة ثم رقد. فلما كان لث الليل الآخر لعد لظفر السلي السماء فقال: ﴿إِن فِي خَلْقِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاجْتِلَابِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ لآيَاتٍ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ﴾ ثم قام فتوضأ واستن: فصلی احدى عشرة ركعة، ثم أذن بلال لفصلی ركعتين ثم خرج لفصلی الصبح. [راجع: ۱۱۷]

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں اپنی خالہ حضرت ميمونہ رضی اللہ عنہا کے یہاں رات کو رہا، رسول اللہ ﷺ تشریف لائے تو کچھ دیر حضرت ميمونہ رضی اللہ عنہا سے باتیں کیں، پھر سو گئے، اس کے بعد رات کے آخری حصہ میں بیدار ہوئے، آسمان کی طرف دیکھا اور یہ آیت تلاوت فرمائی ﴿إِن فِي خَلْقِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاجْتِلَابِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ لآيَاتٍ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ﴾۔ اس کے بعد آپ کھڑے ہوئے وضو کیا، مسواک فرمائی، پھر گیارہ رکعت نماز ادا کی، پھر جب حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اذان کہی اور آپ نے دو رکعت نماز ادا فرمائی، پھر مسجد میں تشریف لا کر فرض نماز جماعت سے پڑھائی۔

(۱۸) باب: ﴿الَّذِينَ يَدْكُرُونَ اللَّهَ قِيَامًا وَقُعُودًا وَعَلَىٰ جُنُوبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُونَ فِي خَلْقِ

السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ﴾ الآية [۱۹۱]

باب: ”جو اٹھتے بیٹھتے اور لیٹے ہوئے (ہر حال میں) اللہ کو یاد کرتے ہیں، اور آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں غور کرتے ہیں۔“

پہلو میں کھڑا ہو گیا، تو آپ نے محبت سے میرے سر پر ہاتھ پھیرا اور میرے کانوں کو چھوا۔ پھر آپ ﷺ نے در رکعت نماز پڑھی، پھر دو رکعت، پھر دو رکعت، پھر دو رکعت، پھر دو رکعت، پھر دو رکعت، پھر دو رکعت، پھر دو رکعت (یعنی کل تیرہ رکعت پڑھیں)۔

(۱۹) باب: ﴿رَبَّنَا إِنَّكَ مَنْ تُدْخِلُ النَّارَ فَقَدْ أَخْزَيْتَهُ وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ

النَّصَارِ الَّذِينَ﴾ الآية [۱۹۲]

باب: ”اے ہمارے رب! آپ جس کسی کو دوزخ میں داخل کر دیں، اسے آپ نے یقیناً سزا ہی کر دیا۔ اور ظالموں کو کسی قسم کے مددگار نصیب نہ ہوں گے۔“

۲۵۷۱۔ حدثنا علي بن عبد الله: حدثنا معن بن عيسى، عن مالك، عن مخزومة ابن سليمان، عن كريب مولى عبد الله بن عباس: أن عبد الله بن عباس أخبره أنه بات عند ميمونة زوج النبي ﷺ وهي محالته. قال: فاضطجعت في عرض الوسادة، واضطجع رسول الله ﷺ وأمله في طولها. فنام رسول الله ﷺ حتى انتصفت الليل أو قبله بقليل أو بعده بقليل لم استيقظ رسول الله ﷺ فجعل يمسح النوم عن وجهه بيديه ثم قرأ العشر الآيات الخواتم من سورة آل عمران. ثم قام إلى جنب معلقة فتوضأ منها فأحسن وضوءه، ثم قام يصلي لصنعت مثل ما صنع. ثم ذهبت لقممت إلى جنبه فوضع رسول الله ﷺ يده اليمنى على رأسي وأخذ بأذني اليمنى يفتلها. فصلى ركعتين، ثم ركعتين، ثم ركعتين ثم ركعتين، ثم ركعتين، ثم ركعتين، ثم ركعتين حتى جاءه المؤذن. فقام فصلى ركعتين خلفتين ثم خرج فصلى الصبح. [راجع: ۱۱۷]

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں رسول اللہ ﷺ کا زوجہ محترمہ حضرت ميمونة رضی اللہ عنہا کے گھر سویا، جو آپ کی خالہ تھیں۔ میں بستر کے عرض میں لیٹا سر ہانے کی جانب پاؤں کی جانب، جبکہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کی الہیہ بستر طول میں لیٹے۔ پھر رسول اللہ ﷺ سو گئے، اور نصف رات کو یا اس سے تھوڑی دیر پہلے یا بعد میں آپ بیدار ہوئے، چہرہ انور پر ہاتھ پھیرنے لگے تاکہ نیند دور ہو۔ اس کے بعد سورہ آل عمران کی آخری دس آیات کی تلاوت فرمائیں، پھر اس کے بعد آپ اٹھ کر ایک مشکیزے کے پاس تشریف لائے جو کہ لٹکا ہوا تھا اس سے وضو فرمایا اور خوب اچھے انداز میں وضو کیا اور نماز کے لئے کھڑے ہو گئے۔

میں بھی اٹھا اور جو کچھ آپ ﷺ نے کیا دیا ہی سب کچھ میں نے بھی کیا، پھر میں آپ ﷺ کے پہلو میں کھڑا ہو گیا، تو آپ نے محبت سے اپنا داہنا ہاتھ میرے سر پر ہاتھ پھیرا اور میرے کانوں کو چھوا۔ پھر آپ ﷺ نے دو رکعت نماز پڑھی، پھر دو رکعت، پھر دو رکعت، پھر دو رکعت، پھر دو رکعت، پھر دو رکعت، پھر دو رکعت، پھر دو رکعت (یعنی کل تیرہ رکعت پڑھیں)۔ پھر آپ دو بارہ سے لیٹ گئے، یہاں تک کہ آپ کے پاس مؤذن آیا تو آپ ﷺ اٹھے اور دو رکعت ہلکی نماز (فجر کی دو سنتیں) پڑھیں، اس کے بعد آپ ﷺ مسجد شریف لے گئے اور صبح کی نماز پڑھائی۔

(۲۰) باب: ﴿زَبْنًا إِنَّا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُنَادِي لِلْإِيمَانِ﴾ الآية [۱۹۳]

باب: ”اے ہمارے پروردگار! ہم نے ایک منادی کو سنا جو ایمان کی طرف پکار رہا تھا۔“

۲۵۷۲ - حَدَّثَنَا قَعِيبَةَ بْنِ سَعِيدٍ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عُرْمَةَ بْنِ سَلِيمَانَ، عَنْ كُرَيْبِ مَوْلَى ابْنِ عَبَّاسٍ: أَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا أَخْبَرَهُ أَنَّهُ بَاتَ عِنْدَ مَيْمُونَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ وَهِيَ عَالِيَةٌ. قَالَ: فَاضْطَجَعْتُ لِي عَرْضُ الْوَسَادَةِ وَاضْطَجَعَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ وَأَهْلُهُ فِي طَوْلِيهَا. فَنَامَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ حَتَّى إِذَا انْتَصَفَتِ اللَّيْلُ أَوْ قَبْلَهُ بِقَلِيلٍ أَوْ بَعْدَهُ بِقَلِيلٍ، ثُمَّ اسْتَيْقَظَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فَجَعَلَ يَمْسَحُ النَّوْمَ عَنْ وَجْهِهِ بِيَدَيْهِ، ثُمَّ قَرَأَ الْعَشْرَ الْآيَاتِ الْخَوَاتِمِ مِنْ سُورَةِ آلِ عِمْرَانَ. ثُمَّ قَامَ إِلَى سِنِّ مَعْلَقَةٍ فَنَوَّضَا مِنْهَا فَأَحْسَنَ وَضُوءَهُ، ثُمَّ قَامَ يَصَلِي. قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: لَقِمْتُ لِمَنْعَتٍ مَثَلِ مَانِعٍ، ثُمَّ ذَهَبْتُ لَقِمْتُ إِلَى جَنْبِهِ فَوَضَعَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَدَهُ الْيَمْنَى عَلَى رَأْسِي وَأَخَذَ بَأُذُنِي الْيَمْنَى بِفَتْلِيهَا. فَصَلَّى رَكَعَتَيْنِ، ثُمَّ رَكَعَتَيْنِ، ثُمَّ رَكَعَتَيْنِ لَمْ يَرْكَعَتَيْنِ، ثُمَّ رَكَعَتَيْنِ، ثُمَّ رَكَعَتَيْنِ، ثُمَّ رَكَعَتَيْنِ حَتَّى جَاءَهُ الْمُؤَذِّنُ لِقَامِ فَصَلَّى رَكَعَتَيْنِ خَفِيفَتَيْنِ لَمْ يَخْرُجْ لِفِصْلِ الصُّبْحِ. [راجع: ۱۱۷]

(۴) سورۃ النساء

سورۃ نساء کا بیان

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وجہ تسمیہ

عبادات، اخلاق، معاشرت اور مستحکم خاندانی ڈھانچہ کسی بھی معاشرے کی بنیاد ہوتا ہے۔ اس لئے یہ سورت خاندانی معاملات کے بارے میں مفصل احکام سے شروع ہوئی ہے۔

چونکہ خاندانی نظام میں عورتوں کا بڑا اہم کردار ہوتا ہے، اس لئے عورتوں کے بارے میں اس سورت نے تفصیلی احکام عطا فرمائے ہیں، اور اسی لئے اس کا نام سورۃ نساء ہے۔

قال ابن عباس: ﴿يَسْتَنكِفُ﴾ [۱۷۲]: يستكبر.

قواما: قوامکم، من معاشکم.

﴿لَهْنٌ مَّسِيلاً﴾ [۱۵]: یعنی الرجم للثیب والجلد للبکر.

وقال غیره: ﴿مَنْسَى وَثَلَاثَ وَرُبَاعَ﴾ [۳] یعنی الثینین وثلاثا واربعا. ولا

تجاوز العرب رباع.

ترجمہ و تشریح

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ”یَسْتَنكِفُ“ کا معنی غرور کرنے، تکبر کرنے کے ہیں۔

”قواما“ کے معنی معاش کے ہیں۔

”لَهْنٌ مَّسِيلاً“ سے مراد شادی شدہ کو سنگسار کرنا اور غیر شادی شدہ کو کوڑے لگانا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے علاوہ یعنی حضرت ابو عبیدہ رحمہ اللہ ﴿مَنْسَى وَثَلَاثَ وَرُبَاعَ﴾ کی

یہ تفسیر بیان کرتے ہیں کہ اس کے معنی دو دو، تین تین اور چار چار کے ہیں۔ جبکہ اہل عرب اس سے زیادہ پر اسکو نہیں بولتے تھے۔

مَثْنِي وَثَلَاثَ وَرُبَاعَ - کی تفصیل

حضرت ابو عبیدہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ثنی، ثلاثاء، رباع میں اس سے آگے نہیں جاسکتے کیوں کہ عرب کے لوگ رباع سے آگے نہیں گئے تھے۔ یعنی خماس اور سداس وغیرہ۔

لیکن یہ صرف حضرت ابو عبیدہ رحمہ اللہ کا خیال ہے، دوسرے حضرات کہتے ہیں کہ عربوں کے ہاں رباع سے آگے خماس اور سداس وغیرہ بھی کہا جاتا ہے۔

”مثنی و ثلاث و رباع“ کے معنی اہل ظواہر اور خوارج نے یہ لئے ہیں کہ نو تک شادیاں جائز ہیں اور بعض نے کہا کہ اٹھارہ تک جائز ہے۔

ان کے نزدیک یہ اس لئے جائز ہے کہ مثنی - دو اور دو جمع چار، اور ثلاث - تین اور تین جمع چھ، اور رباع - چار اور چار جمع آٹھ۔ اب ان تمام کا مجموعہ یعنی چار + چھ + آٹھ = اٹھارہ ہوا، اس لئے وہ کہتے ہیں کہ اٹھارہ تک شادیاں کرنا جائز ہے۔

لیکن یہ کلام عرب کے محاورات کے بالکل خلاف ہے اور اجماع امت کے بھی بالکل خلاف ہے۔ ۱

(۱) باب: ﴿وَإِنْ خِفْتُمْ أَنْ لَاتُقْسَطُوا فِي الْيَمَامِي﴾ [۳]

باب: ”اور اگر تمہیں یہ اندیشہ ہو کہ تم یتیموں کے بارے میں انصاف سے کام نہیں لے سکو گے۔“

۴۵۷۳ - حدثنا ابراهيم بن موسى: اخبرنا هشام، عن ابن جريج قال: اخبرني

هشام ابن عروة، عن أبيه، عن عائشة رضي الله عنها: أن رجلاً كانت له يتيمة فنكحها وكان لها علق وكان يمسكها عليه ولم يكن لها من نفسه شيء، فنزلت فيه ﴿وَإِنْ خِفْتُمْ أَنْ لَاتُقْسَطُوا فِي الْيَمَامِي﴾ أحسبه قال: كانت شريكته في ذلك العلق وفي ماله. [راجع: ۲۴۹۴]

ترجمہ: هشام بن عروہ رحمہ اللہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک شخص ایک یتیم لڑکی کی پرورش کرتا تھا، اس شخص نے اس یتیم لڑکی سے نکاح کر لیا، اس لڑکی کا ایک کھجور کا

باغ تھا، اس شخص نے اس باغ کی لالچ میں ہی اس سے نکاح کیا تھا، مگر دل میں محبت نہ تھی۔ چنانچہ اس کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی ﴿وَإِنْ خِفْتُمْ أَنْ لَاتُقْسَطُوا إِلَى الْيَتَامَىٰ﴾۔

ہشام کہتے ہیں کہ شاید عروہ (ہشام کے والد حضرت عروہ بن زبیر رحمہ اللہ) نے مجھ سے اس طرح بیان کیا تھا کہ اس باغ میں اور اس شخص کے دوسرے مال میں وہ یتیم لڑکی شریک کی حیثیت رکھتی تھی۔

۳۵۷۴ - حدثنا عبدالعزيز بن عبدالله: حدثنا ابراهيم بن سعد، عن صالح بن

كيسان، عن ابن شهاب قال: اخبرني عروة بن الزبير: انه سأل عائشة عن قول الله تعالى: ﴿وَإِنْ خِفْتُمْ أَنْ لَاتُقْسَطُوا إِلَى الْيَتَامَىٰ﴾ فقالت: يا ابن اختي، هذه اليتيمة تكون في حجر وليها تشاركه في ماله ويعجبه مالها وجمالها فيريد وليها أن يتزوجها بغير أن يقسط في صداقها، فيعطيها مثل ما يعطيها غيره. فنهوا عن ذلك إلا أن يقسطوا لهن ويبلغوا لهن أعلى سنتهن في الصداق، فأمروا أن ينكحوا ما طاب لهم من النساء سواهن. قال عروة: قالت عائشة: وإن الناس استفتوا رسول الله ﷺ بعد هذه الآية فأنزل الله ﴿وَيَسْتَفْتُونَكَ فِي النِّسَاءِ﴾ قالت عائشة: وقول الله تعالى في آية أخرى: ﴿وَوَرَعَبُونَ أَنْ تَنْكِحُوهُنَّ﴾ رغبة أحدكم عن یتیمته حين تكون قليلة المال والجمال، قالت فنهوا أن ينكحوا عمن رغبوا في ماله وجماله في يتامى النساء الا بالقسط من أجل رغبتهن عنهن إذا كن قليلات المال والجمال. [راجع: ۲۳۹۳]

ترجمہ: ابن شہاب کہتے ہیں کہ مجھے حضرت عروہ بن زبیر رحمہ اللہ نے خبر دی کہ انہوں (عروہ بن زبیر) نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس ارشاد باری تعالیٰ کے متعلق دریافت کیا ﴿وَإِنْ خِفْتُمْ أَنْ لَاتُقْسَطُوا إِلَى الْيَتَامَىٰ﴾ تو انہوں نے جواب دیا کہ اے میرے بھانجے! یہ آیت ایسی یتیم لڑکی کے بارے میں ہے کہ وہ اپنے والی کی پرورش میں ہو اور اس کے مال میں شریک کی حیثیت رکھتی ہو، اور والی کو اس مال اور اس کا حسن پسند بھی ہوتا تھا اور ولی سوچتا ہو کہ اس کے ساتھ نکاح کرے اس کے مہر کے معاملے میں انصاف کئے بغیر، مہر کے بارے میں بھی نیت ٹھیک نہیں ہوتی تھی اور اس کا خیال ہوتا تھا کہ دوسری سے کم مہر ادا کروں گا۔ اس لئے لوگوں کو ایسی یتیم لڑکیوں سے نکاح کرنے سے روک دیا گیا کہ وہ ایسی یتیم لڑکیوں سے اس صورت میں نکاح کریں جب ان کے ساتھ انصاف مد نظر ہو اور بہترین انداز میں ان کو مہر دیں، پھر یہ حکم دیا گیا کہ ان یتیم لڑکیوں کے علاوہ جو بھی تمہیں پسند ہوں ان سے نکاح کر لیں۔ عروہ بن زبیر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ بھی فرمایا کہ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد کئی آدمیوں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ مسئلہ دریافت کیا تو اللہ ﷻ نے آیت نازل فرمائی ﴿وَيَسْتَفْتُونَكَ فِي النِّسَاءِ﴾، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ دوسری آیت

میں اللہ تعالیٰ کے ارشاد ﴿وَتَزَوَّجُوْنَ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ﴾ سے وہ یتیم لڑکیوں مراد ہیں جو مال بھی کم رکھتی ہوں اور حسن میں بھی کم ہوں اور ان کی طرف تم لوگ ان باتوں کی وجہ سے نکاح کرنے کی رغبت نہیں رکھتے ہو، فرماتی ہیں کہ اس لئے ان یتیم لڑکیوں سے نکاح کرنے سے روکا دیا گیا جو مال اور حسن دونوں کی مالک ہوں، الا یہ کہ تم انصاف کو پیش نظر رکھو، اس لئے کہ اگر وہ مال و حسن میں کم ہوتیں تو تم ان سے نکاح کرنے میں رغبت نہیں کرتے تو پھر مال اور حسن والی کے ساتھ تم نکاح نہیں کر سکتے۔

یتیم لڑکیوں کی حق تلفی کا انسداد

زمانہ جاہلیت میں جن لوگوں کی ولایت میں یتیم لڑکیاں ہوتی تھیں جو شکل و صورت سے اچھی سمجھی جاتی تھیں یا ان کی ملکیت میں کوئی مال و جائیداد ہوتی تو ان کے اولیاء ایسا کرتے تھے کہ خود ان سے نکاح کرتے یا اپنی اولاد کا نکاح ان سے کر دیتے تھے، جو چاہا کم سے کم مہر مقرر کر دیا، اور جس طرح چاہا ان کو رکھا، کیونکہ وہی ان کے ولی اور نگران ہوتے تھے، ان کا باپ موجود نہ ہوتا تھا جو ان کے حقوق کی پوری نگرانی کر سکتا، اور ان کی ازدواجی زندگی کے ہر پہلو پر نظر اور قلاح و بہبود کا مکمل انتظام کر کے ان کا نکاح کر دیتا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ان دونوں روایت میں اسی طرح کے واقعہ کا ذکر ہے کہ عہد رسالت ﷺ میں ایک شخص کی ولایت میں ایک یتیم لڑکی تھی، اور اس شخص کا ایک باغ تھا جس میں یہ لڑکی بھی شامل تھی، اس شخص نے اس یتیم لڑکی سے خود اپنا نکاح کر لیا جبکہ اس کے دل میں اس لڑکی کے لئے کوئی رغبت یا محبت نہیں تھی اور پھر بجائے اس کے کہ وہ شخص اس لڑکی کو اس کا مناسب حق مہر وغیرہ اداء کرتا اس کے باغ پر بھی قبضہ کر لیا۔

اس پر یہ آیت نازل ہوئی ﴿وَ اِنْ حِفْتُمْ اَنْ لَا تَقْسَطُوْا اِلَيْهِ الْبِئْسَ مَا لَخَ لِيْعْنِيْ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ﴾ یعنی اگر تمہیں یہ خطرہ ہو کہ تم یتیم لڑکیوں سے خود اپنا نکاح کرنے میں تم انصاف پر قائم نہیں رہو گے، بلکہ ان کی حق تلفی ہو جائے گی تو تمہارے لئے دوسری بہت سے عورتیں ہیں، ان میں جو تمہارے لئے حلال تمہارے کو پسند ہوں ان سے نکاح کر لو۔

آیت میں یتیم لڑکیوں کے ازدواجی حقوق کو پوری نگہداشت کا حکم ہے، مگر عام حکومتوں کے قانون کی طرح اس کے نافذ کرنے کی ذمہ داری براہ راست حکومت پر ڈالنے کے بجائے خود اس میں انسان کو خدا تعالیٰ کے خوف کا حوالہ دیا گیا کہ اگر تمہیں اس میں بے انصافی کا خطرہ ہو تو پھر یتیم لڑکی سے شادی کے خیال کو چھوڑ دو دوسری عورتیں تمہارے لئے بہت ہیں ان سے نکاح کرو۔ ج

(۲) باب: ﴿وَمَنْ كَانَ فَقِيرًا فَلْيَأْكُلْ بِالْمَعْرُوفِ فَإِذَا دَفَعْتُمْ إِلَيْهِمْ أَمْوَالَهُمْ

فَأَشْهَدُوا عَلَيْهِمْ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ حَسِيبًا﴾ [۶]

باب: ”ہاں اگر وہ خود محتاج ہو تو معروف طریق کار کو ملحوظ رکھتے ہوئے کھالے۔ پھر جب تم ان کے مال انہیں دو ان پر گواہ بنا لو۔ اور اللہ حساب لینے کیلئے کافی ہے۔“

﴿وَبِدَارِأَ﴾ [۶]: مبادرۃ. ﴿أَعْتَدْنَا﴾ [۱۸]: أعددنا، أعلنا من العتاد.

ترجمہ: ”وَبِدَارِأَ“ کے معنی جلدی جلدی کرنا۔

”اعتدنا“ بمعنی ”أعددنا“ بوزن ”أعلنا“ یعنی ہم نے تیار کر رکھا ہے۔

۳۵۷۵ - حدثني اسحاق: أخبرنا عبد الله بن نمير: حدثنا هشام، عن أبيه، عن

عائشة رضي الله عنها في قوله تعالى: ﴿وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ وَمَنْ كَانَ فَقِيرًا فَلْيَأْكُلْ بِالْمَعْرُوفِ﴾ أنها نزلت في مال اليتيم إذا كان فقيراً أنه يأكل منه مكان قيامه عليه بمعروف. [راجع: ۲۲۱۲]

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ یہ آیت ﴿وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ وَمَنْ كَانَ فَقِيرًا فَلْيَأْكُلْ بِالْمَعْرُوفِ﴾ خاص یتیموں کے مال کے حق میں نازل فرمائی گئی ہے، اس حالت میں جب کہ پالنے والا غریب ہو، تو اس یتیم کے مال سے جس قدر اس کی پرورش اور دیکھ بھال میں خرچ کیا ہو اس کے بدلے میں مناسب مقدار کھا سکتا ہے، لے سکتا ہے۔

ولی کو ضرورتاً لینے کا حکم

یتیم کا ولی اس کے مال میں ضرورتاً کچھ لے سکتا ہے۔

اس روایت میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ﴿وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ وَمَنْ كَانَ فَقِيرًا فَلْيَأْكُلْ بِالْمَعْرُوفِ﴾ اس آیت کی رو سے ولی یتیم کے مال سے اس کی پرورش اور دیکھ بھال کے بدلے میں مناسب مقدار میں مال لے سکتا ہے، جب وہ ولی خود غریب ہو۔

آیت میں ضابطہ ارشاد فرمایا کہ جو مالدار شخص کسی یتیم کی بچے کی تربیت اور اس کے مال کی حفاظت میں

اپنا وقت اور محنت خرچ کرتا ہے، کیا اس کو یہ حق ہے کہ یتیم کے مال میں سے اپنا حق الخدمت کچھ لے لے؟ چنانچہ ارشاد فرمایا ہے کہ ﴿وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ﴾ یعنی جو شخص حاجت مند نہ ہو اپنی ضرورت کا تکفل کسی دوسرے ذریعہ سے کر سکتا ہو، اس کو چاہئے کہ یتیم کے مال میں سے حق الخدمت نہ لے، کیونکہ یہ خدمت اس کے ذمہ فرض ہے، اس کا معاوضہ لینا جائز نہیں ہے۔

پھر ارشاد فرمایا کہ ﴿وَمَنْ كَانَ فَقِيرًا فَلْيَأْكُلْ بِالْمَعْرُوفِ﴾ یعنی جو یتیم کا ولی، فقیر محتاج ہو اور دوسرا کوئی ذریعہ معاش نہ رکھتا ہو وہ یتیم کے مال میں سے ایک مناسب مقدار کھا سکتا ہے جس سے حاجات ضروریہ پوری ہو جائیں۔

مال سپرد کرتے وقت گواہ بنانا

آخر آیت میں ارشاد فرمایا ہے کہ ﴿وَإِذَا دَفَعْتُمْ إِلَيْهِمْ أَمْوَالَهُمْ فَأَشْهِدُوا عَلَيْهِمْ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ حَسِيبًا﴾ یعنی جب آزمائش کے بعد یتیموں کے اموال ان کے سپرد کرنے لگو تو چند ثقہ اور نیک لوگوں کو گواہ بنا لیا کرو، تاکہ آئندہ کسی نزاع اور جھگڑے کی صورت پیدا نہ ہو، اور یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ کے حساب میں ہر چیز ہے۔

(۳) باب: ﴿وَإِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ أُولُو الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينُ﴾ الآية [النساء: ۸]

باب: ”اور جب (میراث کی) تقسیم کے وقت (غیر وارث) رشتہ دار، یتیم اور مسکین لوگ آجائیں۔“

محروم الارث رشتہ داروں کی دلداری

میت کے رشتہ داروں میں کچھ ایسے لوگ بھی ہوں گے جن کو ضابطہ شرعی کے ماتحت اس کی میراث میں حصہ نہیں ملے گا، لیکن یہ ظاہر ہے کہ فرائض کی تفصیلات کا علم ہر شخص کو نہیں ہوتا، عام طور پر ہر رشتہ دار خواہش مند ہوتا ہے کہ اس کو بھی میراث میں سے حصہ ملے، اس لئے وہ رشتہ دار جو شرعی ضابطہ میراث کے تحت محروم قرار دیئے گئے ہیں، تقسیم میراث کے وقت ان کا دل افسردہ اور رنجیدہ ہو سکتا ہے۔

خصوصاً جب کہ تقسیم میراث کے وقت وہ موجود بھی ہوں، اور بالخصوص جبکہ ان میں کچھ یتیم اور مسکین حاجت مند بھی ہوں، ایسی حالت میں جب کہ دوسرے رشتہ دار اپنا اپنا حصہ لے جا رہے ہوں اور یہ کھڑے دیکھ رہے ہوں، ان کی حسرت و یاس اور دل شکنی کا اندازہ کچھ وہی لوگ کر سکتے ہیں جن پر کبھی یہ کیفیت گزری ہو۔

اب قرآنی نظام کی خوبی و خوش اسلوبی کو دیکھئے کہ ایک طرف تو خود قرآن ہی کا بتایا ہوا عادلانہ ضابطہ یہ

ہے کہ ”أَقْرَبُ“ کے مقابلہ میں ”أَبْعَدُ“ کو محروم کیا جائے۔

دوسری طرف محروم ہونے والے ”أَبْعَدُ“ کی حسرت اور دل شکنی بھی گوارا نہیں کی جاتی ہے، اس کے لئے ایک مستقل آیت میں ہدایت دی گئی ہے یعنی جو ذور کے رشتہ دار اور یتیم مسکین میراث میں حصہ پانے سے محروم رہے ہوں، اگر وہ تقسیم میراث کے وقت آ موجود ہوں تو میراث پانے والوں کا اخلاقی فرض ہے کہ اس مال میں سے با اختیار خود کچھ حصہ ان کو بھی دیدیں، جو ان کے لئے ایک قسم کا صدقہ اور موجب ثواب ہے۔ اور ایسے وقت میں جب کہ ایک مال بغیر کسی سعی و عمل کے محض خدا تعالیٰ کے دین سے انہیں مل رہا ہو تو صدقہ خیرات فی سبیل اللہ خود بھی داعیہ ان کے دل میں ہونا چاہئے۔ ۳

۳۵۷۶ - حدثنا أحمد بن حميد: أخبرنا عبيد الله الأشجعي، عن مفيان، عن

الشيثاني، عن عكرمة عن ابن عباس رضي الله عنهما ﴿وَإِذَا خَصَرَ الْقِسْمَةَ أُولُو الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينُ﴾ قال: هي محكمة وليست بمنسوخة. تابعه سعيد بن جبیر عن ابن عباس. [راجع: ۲۷۵۹]

ترجمہ: عکرمة روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ آیت ﴿وَإِذَا خَصَرَ الْقِسْمَةَ أُولُو الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينُ﴾ منسوخ نہیں ہوئی ہے بلکہ محکم ہے۔ حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ نے بھی اس حدیث کو حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا ہے۔

حدیث کی تشریح؛ رشتہ داروں کی دلجوئی کا حکم

تقسیم میراث کے وقت برابری اور کنبہ کے لوگ جمع ہوں تو جو رشتہ دار ایسے ہوں جن کو میراث میں حصہ نہیں پہنچتا یا جو یتیم اور محتاج ہوں ان کو کچھ کھلا کر رخصت کر دیا کوئی چیز ترکہ میں سے حسب موقع ان کو بھی دیدو کہ یہ سلوک کرنا مستحب ہے۔

اور اگر مال میراث میں سے کھلانے یا کچھ دینے کا موقع نہ ہو مثلاً وہ یتیموں کا مال ہے اور میت نے وصیت بھی نہیں کی تو ان لوگوں سے معقول بات کہہ کر رخصت کر دو یعنی نرمی سے عذر کر دو کہ یہ مال یتیموں کا ہے اور میت نے وصیت بھی نہیں کی اس لئے ہم مجبور ہیں۔

ابتداءً سورت میں بیان ہو چکا ہے تمام قرابت والے درجہ بدرجہ سلوک اور مراعات کے مستحق ہیں اور

یتامی اور مسکین بھی اور جو قریب یتیم یا مسکین بھی ہو تو اس کی رعایت اور بھی زیادہ ہونی چاہئے۔
اس لئے تقسیم میراث کے وقت ان کو حتی الوسع کچھ نہ کچھ دینا چاہئے، اگر کسی وجہ سے وارث نہ ہو تو حسن سلوک سے محروم نہ رہیں، یہ ارشاد تو اصل میں یتیم کے ولی اور وصی کے لئے ہے درجہ بدرجہ دوسرے لوگوں کو بھی اس کا خیال رہے۔

مطلب یہ ہے کہ اپنے مرنے کے بعد جیسا ہر کوئی اس بات سے ڈرتا ہے کہ میری اولاد کے ساتھ سختی اور برائی سے معاملہ کیا جائے ایسا ہی تم کو بھی چاہئے کہ یتیم کے ساتھ وہ معاملہ کرو جو اپنی اولاد کے ساتھ پسند کرتے ہو اور اللہ سے ڈرو اور یتیموں سے سیدھی اور اچھی بات کہو، یعنی جس سے ان کا دل نہ ٹوٹے اور ان کا نقصان نہ ہو بلکہ ان کی اصلاح ہو۔ ج

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اس آیت کے متعلق فرمایا ہے کہ یہ آیت محکم ہے یعنی اس کا حکم اب بھی باقی ہے، منسوخ نہیں ہوئی۔

(۴) باب: ﴿يُؤْتِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ﴾ [۱۱]

باب: ”اللہ تمہاری اولاد کے بارے میں تم کو حکم دیتا ہے۔“

۴۵۷۷۔ حدیثی ابراہیم بن موسیٰ: اخبرنا هشام: ان ابن جریج اخبرہم قال:

اخبرنی ابن المنکدر، عن جابر رضی اللہ عنہ قال: عادنی النبی صلی اللہ علیہ وسلم وأبو بکر فی بنی سلمة ما شیین فوجدنی النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا اعقل فدعا بماء فتوضا منه ثم رش علی فالفقت فقلت: ما تأمرنی ان اصنع فی مالی یا رسول اللہ؟ فنزلت ﴿يُؤْتِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ﴾. [راجع: ۱۹۳]

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ دونوں بنی سلمہ کے یہاں پیدل چل کر میری عبادت کے لئے تشریف لائے، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے کو اس حال میں پایا کہ میں بیہوش تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی منگوایا اس سے وضو کیا اور باقی بچا ہوا پانی میرے اوپر چھڑکا جس سے مجھے ہوش آ گیا، پھر میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! آپ مجھے کیا حکم دیتے ہیں کہ میں اپنے مال کا کیا کروں؟ چنانچہ اس پر یہ آیت نازل ہوئی ﴿يُؤْتِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ﴾۔

(۵) باب قوله: ﴿وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ أَزْوَاجُكُمْ﴾ [۱۲]

باب: ”اور تمہاری بیویاں جو کچھ چھوڑ جائیں“۔

۴۵۷۸۔ حدثنا محمد بن يوسف، عن ورقاء، عن ابن أبي نجيح، عن عطاء، عن ابن عباس رضي الله عنهما قال: كان المال للولد وكانت الوصية للوالدين، فنسخ الله من ذلك ما أحب فجعل للذكر مثل حظ الأنثيين وجعل للأبوين لكل واحد منهما السدس والثلث، وجعل للمرأة الثمن والرابع، وللزوج الشطر والرابع. [راجع: ۲۷۳۷]

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ (ابتداءً اسلام میں) کل مال بیٹے کو ملتا تھا اور ماں باپ کو وہ ملتا تھا جس کی وصیت کی جاتی تھی، اللہ ﷻ نے جو چاہا اسے منسوخ فرما دیا اور مرد کے لئے عورت سے دگنا مقرر فرمایا، ماں باپ کے لئے چھٹا حصہ اور تہائی حصہ مقرر فرمایا، بیوی کے لئے آٹھواں یا چوتھائی مقرر فرمایا اور خاوند کو نصف یا چوتھائی عطا کیا۔

(۶) باب: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَحِلُّ لَكُمْ أَنْ تَرِثُوا النِّسَاءَ كَرِهًا وَلَا تَفْضُلُوهُنَّ

لِتَلْهَبُوا بَعْضُ مَا أَيْتُمُوهُنَّ إِلَّا أَنْ يَأْتِيَنَّ بِفَاحِشَةٍ مُبَيَّنَةٍ﴾ [۱۹] الآية

باب: ”اے ایمان والو! یہ بات تمہارے لئے حلال نہیں ہے کہ تم زبردستی عورتوں کے مالک بن بیٹھو، اور ان کو اس غرض سے مقید مت کرو کہ تم نے جو کچھ ان کو دیا ہے ان کا کچھ حصہ لے اڑو، الا یہ کہ وہ کھلی بے حیائی کا ارتکاب کریں“۔

ویدکر عن ابن عباس ﴿لَا تَفْضُلُوهُنَّ﴾: لاتفہروہن۔ ﴿حُوبًا﴾: العما۔ ﴿تَقُولُوا﴾: تمیلوا۔ ﴿بِخَلَّةٍ﴾: فالنخلۃ المہر۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ ”لاتفضلوهن“ کے معنی ہیں کہ ان (عورتوں) پر جبر و قہر مت کرو۔

”حوباً“ کے معنی گناہ کے ہیں۔

”تَعُولُوا“ بمعنی ”تحیلوا“ یعنی ایک طرف جھک جانا۔
”نِخْلَةٌ“ کے معنی مہر کے ہیں۔

۴۵۷۹۔ حدثنا محمد بن مقاتل: أخبرنا اسباط بن محمد: حدثنا الشيباني، عن
عكرمة، عن ابن عباس، قال الشيباني: وذكره ابو الحسن السوائي، ولا اظنه ذكره الا عن
ابن عباس ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَحِلُّ لَكُمْ أَنْ تَرِثُوا النِّسَاءَ كَرِهًا وَلَا تَفْضُلُوهُنَّ لِتَذْهَبُوا
بِبَعْضِ مَا آتَيْتُمُوهُنَّ﴾ قال: كانوا اذا مات الرجل كان اولياؤه احق بامرأته. ان شاء بعضهم
تزوجها وان شاؤا تزوجوها، وان شاؤا لم يزوجوها وهم احق بها من أهلها، فنزلت هذه
الآية في ذلك. [انظر: ۶۹۳۸] ۵

ترجمہ: شیبانی نے عکرمہ کے واسطے سے روایت بیان کی کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں،
شیبانی کہتے ہیں کہ اس روایت کو ابو الحسن سوائی نے بھی نقل کیا ہے، اور جہاں تک میں سمجھتا ہوں کہ انہوں نے بھی
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَحِلُّ
لَكُمْ أَنْ تَرِثُوا النِّسَاءَ كَرِهًا وَلَا تَفْضُلُوهُنَّ لِتَذْهَبُوا بِبَعْضِ مَا آتَيْتُمُوهُنَّ﴾ اس وقت اتری کہ جب
کوئی شخص مر جاتا تھا تو اس کے وارث اس کی عورت کے زیادہ حق دار سمجھے جاتے تھے، اگر ان میں سے کوئی
چاہتا تو خود نکاح کر لیتا تھا، یا اگر چاہتے تو کسی اور کے ساتھ اس کا نکاح کر دیتے تھے اور اگر چاہتے تو یونہی بغیر
نکاح کے اسے رہنے دیتے، اور یہ لوگ (شوہر کے وارث) عورت کے گھر والوں سے زیادہ حق دار سمجھے جاتے
تھے، چنانچہ یہ آیت اسی معاملہ کے بارے میں نازل ہوئی۔

آیت کا شان نزول

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَحِلُّ لَكُمْ أَنْ تَرِثُوا النِّسَاءَ
كَرِهًا وَلَا تَفْضُلُوهُنَّ لِتَذْهَبُوا بِبَعْضِ مَا آتَيْتُمُوهُنَّ
الْآنَ يَأْتِينَ بِفَاحِشَةٍ مُّبِينَةٍ﴾

ترجمہ: اے ایمان والو! یہ بات تمہارے لئے حلال نہیں ہے

۵ وہی سنن اسی دالود، کتاب النکاح، باب لولہ تعالیٰ: ﴿لَا يَحِلُّ لَكُمْ أَنْ تَرِثُوا النِّسَاءَ كَرِهًا وَلَا تَفْضُلُوهُنَّ﴾، رقم

کہ تم زبردستی عورتوں کے مالک بن بیٹھو، اور ان کو اس غرض سے مقید مہر کرو کہ تم نے جو کچھ ان کو دیا ہے ان کا کچھ حصہ لے اُڑو، الا یہ کہ وہ کھلی بے حیائی کا ارتکاب کریں۔

حسب بیان سابق عورتوں کی بدفعالی کی بابت تادیب و سیاست کا حکم دے کر اب اہل جاہلیت کی اس ظلم و تعدی کو روکا جاتا ہے جو تعدی عورتوں پر وہ طرح طرح سے کیا کرتے تھے۔

سومن جملہ اس صورتوں کے ایک صورت یہ ہوتی ہے کہ جب کوئی مر جاتا تو اس کی عورت کو میت کا سوتیلا بیٹا یا بھائی یا اور کوئی وارث لے لیتا پھر چاہتا تو اس سے نکاح کر لیتا یا بغیر نکاح ہی اپنے گھر میں رکھتا یا کسی دوسرے سے نکاح کر کے اس کا مہر کل یا بعض لے لیتا یا ساری عمر اس کو اپنی قید میں رکھتا اور اس کے مال کا وارث ہوتا اس کی بابت یہ آیت نازل ہوئی۔

جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جب کوئی مر جائے تو اس کی عورت اپنے نکاح کی مختار ہے، میت کے بھائی اور اس کے وارث کو یہ اختیار نہیں کہ زبردستی اپنے نکاح میں لے لے، نہ وہ عورت کو نکاح سے روک سکتے ہیں کہ وہ مجبور ہو کر خاوند کے درشہ سے جو اس کو ملا تھا کچھ پھیر دے۔

عورت سے مہر اور مال وغیرہ واپس لینے کی صورت

﴿الْأَنْ يَأْتِيَنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبِينَةٍ﴾ ہاں اگر صریح بدچلتی کریں تو ان کو روکنا چاہیے۔

عورتوں کو دیا ہوا مہر جبراً واپس لے لیا یا واجب الاداء کو جبراً معاف کرائیں، یہ سب کام ناجائز و حرام ہیں۔ البتہ بعض ایسی صورتوں کو مستثنیٰ فرما دیا گیا ہے کہ جن میں شوہر کو اپنا دیا ہوا مال مہر وغیرہ واپس لینا جائز ہوتا ہے۔ معنی یہ ہیں کہ اگر عورت ربوی کی طرف سے کوئی کھلی ہوئی ناشائستہ ایسی حرکت صادر ہو جائے جس کی وجہ سے طلاق دینے کے لئے آدمی طبعاً مجبور ہو جائے تو ایسی صورت میں مضاائقہ نہیں کہ شوہر اس وقت تک طلاق نہ دے جب تک یہ اس کا دیا ہوا مہر واپس نہ کرے یا واجب الاداء مہر کو معاف نہ کر دے۔

اور اس جگہ لفظ فاحشہ یعنی ناشائستہ حرکت سے مراد بعض حضرات کے نزدیک تو شوہر کی نافرمانی اور بدزبانی ہے، جبکہ بعض دوسرے حضرات کے نزدیک اس جگہ بے حیائی اور زناء مراد ہے۔

تو معنی یہ ہوئے کہ اگر ان عورتوں سے کوئی بے حیائی کا کام سرزد ہو گیا، یا وہ نافرمانی اور بدزبانی سے پیش آتی ہیں، جس سے مجبور ہو کر مرد طلاق دینے پر آمادہ ہو رہا ہے، تو چونکہ قصور عورت کا ہے، اس لئے شوہر کو یہ حق حاصل ہے کہ اس کو اس وقت تک اپنے نکاح میں روکے رکھے جب تک اس سے اپنا دیا ہوا مال واپس وصول

نہ کرے، یا مقرر کردہ مہر معاف کر دے۔ ۷

(۷) باب: ﴿وَلِكُلِّ جَعَلْنَا مَوَالِيَّ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَالَّذِينَ عَاقَدْتَ أَيْمَانُكُمْ فَأَتَوْهُمْ نَصِيْبُهُمْ إِنْ اللَّهُ كَانَ عَلَيَّ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدًا﴾ [۳۳]
 باب: ”اور ہم نے ہر اس مال کے کچھ وارث مقرر کئے ہیں جو والدین اور قریب ترین رشتہ دار چھوڑ کر جائیں۔ اور جن لوگوں سے تم نے کوئی عہد و پیمانہ باندھا ہو ان کو ان کا حصہ دو۔ بیشک اللہ ہر چیز کا گواہ ہے۔“

وقال معمر: ﴿مَوَالِيٌّ﴾ أولياء ورتة. ﴿عَاقَدْتَ أَيْمَانُكُمْ﴾: هو مولى اليمين: وهو الحليف. المولى أيضاً ابن العم، والمولى المنعم المعتق، والمولى: المليك، والمولى مولى فى الدين.

ترجمہ: مہر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ لفظ ”موالی“ سے مراد میت کے ”ورثہ“ ولی اور وارث ہیں۔
 ”عاقدت ايمانكم“ سے مراد وہ لوگ ہیں جن کو بذریعہ قسم اپنا وارث بناتے ہیں اور حلیف ہیں یعنی جن سے تم معاہدہ کرتے ہو۔

”والمولى“ کے اور بھی کئی معنی آتے ہیں، چچا کا بیٹا، غلام یا لونڈی کا مالک جو اس پر احسان کر کے اسے آزاد کر دے، خود وہ غلام جو آزاد کیا جائے، مالک، اور وہ جس سے دینی تعلق ہو۔

۳۵۸۰۔ حدثنا الصلت بن محمد: حدثنا أبو أسامة، عن إدريس، عن طلحة بن مصرف، عن سعيد بن جبیر، عن ابن عباس رضی اللہ عنہما ﴿وَلِكُلِّ جَعَلْنَا مَوَالِيَّ﴾ قال: ورتة ﴿وَالَّذِينَ عَاقَدْتَ أَيْمَانُكُمْ﴾ كان المهاجرون لما قدموا المدينة يرث المهاجری الأنصاری دون ذوی رحمہ للأخوة التى آخى النبی ﷺ بینہم. فلما نزلت ﴿وَلِكُلِّ جَعَلْنَا مَوَالِيَّ﴾ نسخت، ثم قال: ﴿وَالَّذِينَ عَاقَدْتَ أَيْمَانُكُمْ﴾ من النصر والرفادة والنصيحة. وقد ذهب الميراث ويوصى له.

سمع أبو أسامة إدريس، وسمع إدريس طلحة. [راجع: ۲۲۹۲]

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ اس آیت ﴿وَلِكُلِّ جَعَلْنَا مَوَالِي﴾ میں درثامراد ہیں، ﴿وَالِدَيْنِ عَاقَدْتَ اٰیْمَانُكُمْ﴾ کی تفصیل یہ ہے کہ جب مہاجرین مدینہ آئے تو اپنے رشتہ داروں کے علاوہ مہاجرین اپنے انصاری بھائیوں کے بھی وارث ہوتے تھے، اور انصار کے رشتہ دار اور ذوی الارحام وارث نہیں ہوتے تھے، کیونکہ نبی کریم ﷺ نے مہاجرین اور انصار کے درمیان میں بھائی چارگی کا رشتہ قائم کر دیا تھا۔ جب یہ آیت ﴿وَلِكُلِّ جَعَلْنَا مَوَالِي﴾ نازل ہوئی تو سابقہ بھائی بندی کی میراث کا سلسلہ منسوخ ہو گیا۔ پھر حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ ﴿وَالِدَيْنِ عَاقَدْتَ اٰیْمَانُكُمْ﴾، جن سے مدد و معاونت اور خیر خواہی کے ساتھ عہد باندھے گئے تھے ان کے لئے بھی ترک نہیں رہا البتہ حلیف کیلئے وصیت باقی ہے۔ اس حدیث کو ابو اسامہ نے ادریس سے اور ادریس نے طلحہ سے سنا ہے۔

مہاجرین و انصار کے درمیان رشتہ اخوت اور میراث کا حکم

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا کہ اصل میں صورت حال یہ تھی کہ شروع میں اس آیت کا یہ حصہ نازل ہوا تھا ﴿وَالِدَيْنِ عَاقَدْتَ اٰیْمَانُكُمْ﴾ یعنی جن لوگوں سے تم نے کوئی عہد و پیمانہ باندھا ہو ان کو ان کا حصہ دو۔

یہ شروع کی بات تھی کہ جب مہاجرین حضرات مدینہ منورہ آئے تو مہاجر صحابی اپنے اس انصاری ساتھی کا وارث ہوا کرتا تھا، جس سے رسول اللہ ﷺ نے اس رشتہ اخوت کا قائم فرمایا تھا، اور اس انصاری صحابی کے قریبی رشتہ دار اور ذوی الارحام اس کے وارث نہیں ہوا کرتے تھے۔

اور جب یہ آیت نازل ہوئی کہ ﴿وَلِكُلِّ جَعَلْنَا مَوَالِي مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْاَقْرَبُونَ﴾ یعنی ہم نے ہر اس مال کے کچھ وارث مقرر کئے ہیں، تو پہلا حکم ﴿وَالِدَيْنِ عَاقَدْتَ اٰیْمَانُكُمْ﴾ منسوخ ہو گیا۔

پھر حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ لیکن اس میں ایک چیز ابھی تک باقی ہے کہ ”من النصر والرفادة والنصيحة“ جن کے ساتھ مواخات قائم کی تھی اب ان کی مدد کریں، ان کو ہدیہ دیں، ان کو عطیہ دیں، ان کی خیر خواہی کریں، اس حد تک تو باقی ہے، البتہ جو میراث والا حکم ہے وہ منسوخ ہو گیا۔

”وقد ذهب الميراث“ مطلب یہ ہے کہ جو پہلی والی آیت میراث تھی وہ منسوخ ہو گئی، البتہ ”ولاء الموالاة“ اگر کسی کے ساتھ قائم کر دی گئی ہے تو اس کا وارث ہونا اب بھی باقی ہے، لیکن وہ ”ذوی الارحام“ کے بعد ہوتا ہے۔

اکثر لوگ حضور اکرم ﷺ کے ساتھ اکیلے اکیلے مسلمان ہو گئے تھے اور ان کا سب کنبہ اور تمام اقرباء کافر

تھے، تو اس وقت حضور اکرم ﷺ دو دو مسلمانوں کو آپس میں بھائی بھائی کر دیا تھا وہی دونوں آپس میں ایک دوسرے کے وارث ہوتے جب ان کے اقرباء بھی مسلمان ہو گئے تب یہ آیت اتری کہ میراث تو اقرباء اور رشتہ داروں ہی کا حق ہے اب رہ گئے وہ منہ بولے بھائی تو ان کیلئے میراث نہیں ہاں زندگی میں ان کے ساتھ سلوک ہے اور مرتے وقت کچھ وصیت کر دے تو مناسب ہے، مگر میراث میں کوئی حصہ نہیں۔ ۷

(۸) باب قوله: ﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ﴾ [۳۰]

باب: ”اللہ ذرہ برابر بھی کسی پر ظلم نہیں کرتا۔“

یعنی ذرہ ذرہ۔

ترجمہ: لال رنگ کی چھوٹی چوٹی کے برابر کم اور حقیر۔

اعمالِ حسنہ کا پورا پورا بدلہ

اللہ تعالیٰ کسی کے اعمالِ حسنہ کا ثواب اور جزائے خیر میں ذرہ برابر بھی کمی نہیں فرماتے بلکہ اپنی طرف سے اس میں اور اضافہ فرما دیتے ہیں اور آخرت میں چند در چند ثواب بڑھا کر نوازیں گے اور اپنی طرف سے ثوابِ عظیم عطاء فرمائیں گے۔ اللہ تعالیٰ کے یہاں ثواب کا کم سے کم معیار یہ ہے کہ ایک نیکی کی دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں، اور اس کے علاوہ مختلف بہانوں سے اضافہ در اضافہ ہوتا رہتا ہے۔

بعض روایاتِ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ کچھ اعمال ایسے ہیں کہ جن کا ثواب بیس لاکھ گنا تک زیادہ ہو جاتا ہے، اور اللہ کی ذات تو کریم ذات ہے، وہ اپنی بے پایاں رحمت سے اتنا بڑھ کر دیدیتے ہیں کہ حساب و شمار میں بھی نہیں آتا۔ ۵

۳۵۸۱۔ حدثنا محمد بن عبد العزيز: أخبرنا أبو عمر حفص بن مسرة، عن زيد

ابن أسلم، عن عطاء بن يسار، عن أبي سعيد الخدري رضي الله عنه: أن أناساً في زمن النبي ﷺ قالوا:

يا رسول الله، هل نرى ربنا يوم القيامة؟ قال النبي ﷺ: ((نعم، هل تضارون في رؤية

۷ تفسیر عثمانی، سورہ نساء، آیت ۳۳، ناکدہ ۲، معارف القرآن، ج ۲، ص ۳۸۹

۵ معارف القرآن، ج ۲، ص ۳۱۹، ۳۲۰، وعمدة القاری، ج ۱۸، ص ۲۳۳

الشمس بالظہیرة ضوءاً ليس فيها محاب؟)) قالوا: لا، قال: ((وهل تضارون في رؤية القمر ليلة البدر ضوءاً ليس فيها محاب؟)) قالوا: لا، قال النبي ﷺ: ((ما تضارون في رؤية الله عز وجل يوم القيامة إلا كما تضارون في رؤية أحدهما. إذا كان يوم القيامة أذن مؤذن: تتبع كل أمة ما كانت تعبد. فلا يبقى من كان يعبد غير الله من الأصنام والأنصاب إلا يتساقطون في النار حتى إذا لم يبق إلا من كان يعبد الله برأول فاجرو وغُيِّرات أهل الكتاب. فبدعى اليهود فيقال لهم: ما كنتم تعبدون؟ قالوا: كنا نعبد عزيراً ابن الله، فيقال لهم: كذبتم ما اتخذ الله من صاحبه ولا ولد فماذا تبغون؟ فقالوا: عطشنا ربنا فاسقنا. فيشار إلى النار، فيحشرون إلى النار كأنها مراب يحطم بعضها بعضاً فيتساقطون في النار. ثم يدعى النصارى فيقال لهم: ما كنتم تعبدون؟ قالوا: كنا نعبد المسيح ابن الله، فيقال لهم: كذبتم ﴿مَا اتَّخَذَ اللَّهُ مِنْ صَاحِبَةٍ وَلَا وَلَدٍ﴾ فيقال لهم: ماذا تبغون؟ فكذلك مثل الأول. حتى إذا لم يبق إلا من كان يعبد الله من برأول فاجر، أتاهم رب العالمين في أدنى صورة من التي رآه فيها، فيقال: ماذا تنتظرون؟ تتبع كل أمة ما كانت تعبد، قالوا: فارقنا الناس في الدنيا على الفقر ما كنا إليهم ولم نصاحبهم ونحن ننتظر ربنا الذي كنا نعبد، فيقول: أنا ربكم، فيقولون: لا نشرك بالله شيئاً))، مرتين أو ثلاثاً. [راجع: ۲۲]

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کے عہد مبارک میں چند لوگوں نے آپ سے پوچھا اے اللہ کے رسول! کیا قیامت کے دن ہم اللہ تعالیٰ کو دیکھ سکیں گے؟ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہاں! دیکھو گے، کیا دوپہر کے وقت جب کوئی بادل نہ ہو، اس وقت سورج کو دیکھنے میں تمہیں کوئی دشواری ہوتی ہے؟ صحابہ نے عرض کیا نہیں، اس کے بعد پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ چودھویں رات کو جب کوئی بادل موجود نہ ہو، چاند کے دیکھنے میں تم کو کوئی دشواری ہوتی ہے؟ صحابہ نے عرض کیا کہ نہیں! تو نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ پس اسی طرح تم قیامت کے دن اللہ تبارک و تعالیٰ کو دیکھو گے، اور تمہیں کوئی دشواری نہیں ہوگی، جس طرح ان دونوں سورج یا چاند کے دیکھنے میں کوئی دشواری نہیں ہوتی ہے۔ اور قیامت کا دن ایسا دن ہوگا کہ کوئی پکارنے والا پکارے گا کہ تم میں جو آدمی جس کو پوجتا تھا، اسی کے ساتھ ہو لے، لہذا اللہ کے سوا پرستش کرنے والا کوئی باقی نہ رہے گا، چنانچہ تمام جھوٹے پیغمبر اپنے جھوٹے معبودوں کے ساتھ دوزخ میں گریں گے، اور صرف وہی باقی رہیں گے جو اللہ تعالیٰ کو پوجتے تھے، اور اس میں اچھے برے سب ہی ہوں گے، پھر اہل کتاب یہودی بلائے جائیں گے اور ان سے کہا پوچھا جائے گا کہ تم (اللہ کے علاوہ) کس کو بھی پوجتے تھے؟ وہ جواب دیں گے کہ ہم حضرت عزیر کو بھی پوجتے تھے کہ وہ اللہ کے بیٹے تھے، تو ان سے کہا جائے گا کہ تم جھوٹ کہتے ہو اللہ نے نہ کسی کو

بیوی بنایا ہے اور نہ بیٹا۔ (پھر ان سے پوچھا جائے گا کہ) تم کیا چاہتے ہو؟ وہ کہیں گے کہ اے ہمارے رب! ہم پیاسے ہیں، ہمیں پانی پلا دیجئے۔ انہیں اشارہ کیا جائے گا کیا ادھر نہ چلیں؟ پھر سب جہنم آگ کی طرف لے جائے جائیں گے، جو سراپ کی طرح نظر آرہی ہوگی، اور بعض بعض کے ٹکڑے کئے دے رہی ہوگی، اور پھر ان اس آگ میں ڈال دیا جائے گا۔ اس کے بعد نصاریٰ کو بلایا جائے گا، اور ان سے بھی یہی سوال ہوگا کہ تم کس کی عبادت کرتے تھے؟ وہ بولیں گے کہ ہم تو اللہ کے بیٹے مسیح کو معبود کہتے تھے، پھر ان کو جواب ملے گا کہ تم لوگ جھوٹے ہو، ﴿مَا اتَّخَذَ اللَّهُ مِنْ صَاحِبَةٍ وَلَا وَالِدٍ﴾ یعنی اللہ کی کوئی اولاد یا بیوی نہیں، پھر ان سے پوچھا جائے گا کہ تم کیا چاہتے ہو؟ وہ بھی وہی جواب دیں گے، جو یہودیوں نے دیا تھا، پھر چلیں گے، اور دوزخ میں گر پڑیں گے۔ پھر تو میدان میں صرف وہی باقی ہوں گے، جو صرف اللہ کی عبادت کرتے تھے، ان میں اچھے برے سب ہی ہوں گے، پھر تمام جہانوں کا رب اللہ ان کے پاس آئے گا ایسی صورت میں جو اس صورت کے مقابلے میں کمتر ہوگی جس کو وہ جانتے تھے، پھر ان سے کہا جائے گا کہ تمہیں کس کا انتظار ہے؟ حالانکہ ہر امت اپنے اپنے معبودوں کے ساتھ اپنے ٹھکانے پر جا چکی ہے، وہ لوگ جواب دیں گے کہ ہم تو دنیا میں ان ملافروں سے جدا رہے جب ہم بہت کمزور تھے پھر بھی ان کے ساتھ نہیں رہے، اب ہم اپنے معبود برحق کی راہ دیکھ رہے ہیں، جس کی عبادت ہم کیا کرتے تھے، پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ میں تمہارا رب ہوں، پھر تمام مسلمان لوگ کہیں گے کہ ہم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتے، یہ جملہ دو یا تین مرتبہ کہیں گے۔

روایت باری تعالیٰ

یہ شروع میں اسی بات کا ذکر ہے جو متعدد احادیث میں آئی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ تم اللہ ﷻ کو اس طرح دیکھو گے کہ جس طرح تمہیں سورج اور چاند کو دیکھنے میں تکلیف نہیں ہوتی اس طرح دیکھو گے۔ اسکے بعد اس حدیث کے الفاظ کی تفسیر کہ قیامت کے دن جب ایک اعلان کرنے والا اعلان کرے گا کہ "تبع کل امة ما كانت لعبد" ہر امت اس چیز کے پیچھے جائے جس کی وہ عبادت کیا کرتی تھی، جو بتوں کی عبادت کرتے تھے وہ بتوں کے پیچھے جائیں، جو پتھروں کی عبادت کیا کرتے تھے وہ پتھروں کے پیچھے جائیں وغیرہ۔ "فلا یبقی من کان یعبد غیر اللہ من الاصنام والانساب" تو جتنے غیر اللہ کی عبادت کرنے والے بت پرست ہوں گے، پتھروں کو معبود بنانے والے ہوں گے، ان میں سے کوئی بھی باقی نہیں بچے گا۔ "لا یتساقطون فی النار" اور یہ تمام مشرکین، غیر اللہ کی عبادت کرنے والے سب جہنم میں گر جائیں گے۔ "حتیٰ اذا لم یبق الا من کان یعبد اللہ" یہاں تک کہ میدانِ حشر میں صرف وہ لوگ باقی رہ

جائیں گے جو اللہ ﷻ کی عبادت کرتے تھے، ”بر او فاجر“ اللہ ﷻ کی عبادت کرنے والے یہ لوگ چاہے نیک ہوں یا گناہ گار ہوں، بس یہی لوگ باقی رہیں گے۔

اور ان کے علاوہ ”وغُبرَاتِ اَہْلِ الْکِتَابِ“ اہل کتاب کے باقی رہ جائیں گے، اہل کتاب کیونکہ بت پرستی نہیں کرتے تھے، اس واسطے وہ بھی باقی رہ جائیں گے۔

پھر یہودیوں کو بلایا جائے گا، ”لیقال لہم: ما کنتم تعبدون؟ اور ان سے پوچھا جائے گا تم اللہ کے علاوہ کس کی عبادت کرتے تھے؟ یہودی جواب دیں گے ”کننا نعبد عزیر ابن اللہ“ کہ ہم حضرت عزیر علیہ السلام کی عبادت کرتے تھے، جو کہ اللہ کے بیٹے تھے۔ یہودیوں کو جواب میں کہا جائے گا کہ ”کذبتم ما انخذ اللہ من صاحبہ ولا ولد“ تم لوگ جھوٹ بولتے ہو اللہ تعالیٰ نے نہ کسی کو بیوی بنایا ہے اور نہ بیٹا۔

پھر ان سے کہا جائے گا کہ ”لماذا تبغون؟“ اب تم لوگ کیا چاہتے ہو؟

یہودی کہیں گے ”عطشنا ربنا فاسقنا“ اے ہمارے پروردگار! ہم پیاسے ہیں، ہمیں پانی پلا دیجئے۔ ”فیشار الا تردون“ تو اشارہ کیا جائے گا کہ کیا ادھر نہیں چلتے، ”فیحشرون الی النار کأنہا مراب“ تو پھر ان کو جہنم کی طرف لیجا یا جائے گا جو کہ مراب کی مانند ہوگی یعنی سامنے سے ایسا نظر آ رہا ہوگا جیسے سامنے پانی ہے۔

”یحطم بعضها بعضا فیتساقطون فی النار“ اور جہنم کی حالت یہ ہوگی کہ بعض بعض کے ٹکڑے کئے جا رہی ہوگی یعنی آگ کی لپٹیں ایک دوسرے پر چڑھ رہی ہوں گی، پھر ان کو اس آگ میں ڈال دیا جائے گا اور ان کو جلا کر بھسم کر دے گی۔

پھر نصاریٰ یعنی عیسائیوں کو بلایا جائے گا اور ان سے پوچھا جائے گا کہ تم لوگ اللہ کے علاوہ کس کی عبادت کرتے تھے؟ نصاریٰ کہیں گے کہ ”کننا نعبد المسیح ابن اللہ“ حضرت مسیح علیہ السلام کی عبادت کرتے تھے جو اللہ تعالیٰ کے بیٹے تھے۔ پھر ان سے بھی کہا جائے گا تم جھوٹ بولتے ہو اللہ تعالیٰ نے نہ کسی کو بیوی بنایا ہے اور نہ بیٹا۔

پھر ان سے بھی پوچھا جائے گا کہ تم کیا چاہتے ہو؟ اور ان کا حال بھی یہودیوں جیسا ہوگا۔

”حتی اذا لم یبق الا من کان یعبد اللہ من بر او فاجر“ یہاں تک کہ میدانِ حشر میں اس کے بعد صرف مسلمان باقی رہ جائیں گے، چاہے وہ نیک ہوں یا بد اعمال ہوں۔

”انہم رب العالمین فی ادنی صورۃ من التی راوہ فیہا“ پھر رب العالمین ان کے پاس آئیں گے، ایسی صورت میں جو اس صورت کے مقابلے میں کمتر ہوگی جس کو وہ جانتے تھے۔

یعنی تجلی فرمائیں گے اور یہ تجلی اسی صفت کے ساتھ ہوگی کہ جو اس صورت میں قریب تر ہوگی جن میں

مسلمانوں نے اللہ ﷻ کو دیکھا ہوگا۔ دیکھنے سے مراد محض تصور کرنا ہے، کیونکہ اس سے پہلے اللہ ﷻ کو کسی نے دیکھا تو نہیں یعنی لوگوں کے تصور میں اللہ ﷻ کی جو تجلی ہوگی اس میں ظاہر ہوں گے، اگرچہ وہ قریب ہوگی لیکن پھر بھی مسلمان پہچانیں گے نہیں کہ یہ اللہ کی ذات عالی شان ہے۔

پھر ان سے کہا جائے گا کہ ”ماذا تنتظرون؟ تتبع کل امة ما کانت تعبد“ بھی! کس چیز کا انتظار کر رہے ہو؟ کہ ہر امت اس کے پیچھے چلی گئی جس کی وہ عبادت کرتی تھی تو تم کس چیز کا انتظار کر رہے ہو۔

تو مسلمان کہیں گے کہ ”لما رانا الناس فی الدنیا علی افر ما کنا الیہم ولم لصاحبہم“ دنیا کے لوگوں کو ہم نے چھوڑ دیا تھا باوجود یہ کہ ہم اپنے دنیاوی معاملات میں ان دنیا کے لوگوں کے محتاج تھے، لیکن ہم نے ان کو چھوڑ دیا تھا اس واسطے کہ وہ ہمارے دین پر نہیں تھے اور اللہ ﷻ کی عبادت نہیں کرتے تھے یعنی باوجود اپنے احتیاج کے ہم نے چھوڑ دیا تھا تو آج کیسے ان کے پیچھے چلے جائیں۔

”ولمن ينتظر ربنا الذي كنا نعبد“ لہذا ہم تو منتظر ہیں اپنے رب کے، جس کی ہم عبادت کرتے تھے۔ تو اس پر ”لیقول: انار بکم“ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ میں ہوں تمہارا رب ہوں۔

پھر مسلمان کہیں گے کہ ”لا نشرك با الله شيئا“ ہم اللہ ﷻ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتے۔ اس لئے کہ وہ پہچان لیں گے کہ یہی اللہ ﷻ ہیں، اس واسطے کہیں گے۔
”مرتين اولانا“ اسی طرح دو تین مرتبہ ہوں گے۔

(۹) باب: ﴿فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلَىٰ هَؤُلَاءِ﴾

شہیداً ﴿۳۱﴾

باب: ”پھر (یہ لوگ سوچ رکھیں کہ) اس وقت (انکا) کیا حال ہوگا جب ہم ہر امت میں سے ایک گواہ لیکر آئیں گے، اور (اے پیغمبر!) ہم تم کو ان لوگوں کے خلاف گواہ کے طور پر پیش کریں گے۔“

المختال والنختال واحد. ﴿نطمس وجوها﴾ [۳۷] لسويها حتى تعود كاقفانهم.

طمس الكتاب: محاه. ﴿بجهنم سعيرا﴾: وقوداً.

ترجمہ: ”المختال والنختال“ دونوں کے ایک ہی معنی ہے یعنی مغرور، متکبر۔

﴿نطمس وجوها﴾ یعنی ہم چہروں کو برابر کر دیں گے، مٹا دیں گے، یہاں تک کہ وہ چہرے پچھلے ہوں۔

کے پچھلے حصے کی طرح ہموار ہو جائیں گے۔
”سعیرا“ بمعنی ایندھن۔

۳۵۸۲۔ حدثنا صدقة: أخبرني يحيى، عن سفیان، عن سليمان، عن ابراهيم، عن عبدة، عن عبدالله- قال: يحيى بعض الحديث عن عمرو بن مرة- قال: قال لي رسول الله ﷺ: ((الرا على)). قلت: اقرأ عليك وعليك النزل؟ قال: ((فاني أحب ان اسمعه من غيري)). فقرأت عليه سورة النساء حتى بلغت ﴿لَتَكْفِيَنَّ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلَى هَؤُلَاءِ شَهِيدًا﴾ قال: ((أنتيك)). فاذا عناه تدر فان. [أنظر: ۵۰۳۹، ۵۰۵۰، ۵۰۵۵، ۵۰۵۶] ۱

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ میرے سامنے قرآن پڑھو، میں نے عرض کیا کہ حضور! قرآن تو آپ پر نازل ہوا ہے اور تو میں آپ کے سامنے کیسے قرآن پڑھوں؟ حضور اکرم نے فرمایا ہاں! مجھ کو دوسرے کی زبان سے سنا اچھا معلوم ہوتا ہے۔ پھر میں نے سورہ نساء کی تلاوت شروع کی اور جس وقت اس آیت پر پہنچا ﴿لَتَكْفِيَنَّ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلَى هَؤُلَاءِ شَهِيدًا﴾ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ بس کرو۔ میں نے دیکھا کہ آپ پر رقت طاری ہو گئی تھی اور آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔

﴿عَلَى هَؤُلَاءِ شَهِيدًا﴾ کی تفسیر

﴿عَلَى هَؤُلَاءِ شَهِيدًا﴾ بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ -ہؤلاء- کا اشارہ زمانہ رسالت ﷺ میں موجود کفار و منافقین کی طرف ہے۔

۱۔ ولی صحیح مسلم، کتاب صلاة المسالین و لصرها، باب فضل اسماع القرآن و طلب القرآن من حافظه للاسماع و البكاء عند القراءة والتدبر، رقم: ۸۰۰، و سنن ابی داؤد، کتاب العلم، باب فی القصص، رقم: ۳۶۶۸، و سنن الترمذی، أبواب السفر، باب ما ذکر فی الفناء علی اللہ، و الصلاة علی النبی ﷺ قبل الدعاء، رقم: ۵۹۳، و أبواب لتفسیر القرآن، باب و من سورة النساء، رقم: ۳۰۲۳، ۳۰۲۵، و سنن ابن ماجہ، کتاب الزهد، باب الحزن و البكاء، رقم: ۳۱۹۳، و مسند احمد، مسند المکفرین من الصحابة، مسند عبدالله بن مسعود ؓ، رقم: ۳۵۵۰، ۳۵۵۱، ۳۶۰۶، ۳۶۶۲، ۳۷۹۷، ۳۱۱۸، ۳۱۶۵، ۳۲۵۵، ۳۳۳۰

اور بعض حضرات فرماتے ہیں کہ قیامت تک کی پوری امت کی طرف اشارہ ہے، اس لئے بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کی امت کے اعمال آپ ﷺ پر پیش ہوتے رہتے ہیں۔ بہر حال اس سے معلوم ہوا کہ گذشتہ امتوں کے انبیاء اپنی اپنی امت پر بطور گواہ پیش ہوں گے، اور آنحضرت ﷺ بھی اپنی امت کے اعمال کی گواہی دیں گے۔ قرآن کریم کے اس اسلوب سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں آنے والا ہے، جو اپنی امت کے متعلق گواہی دے، ورنہ قرآن کریم میں اس کا اور اس کی شہادت کا بھی ذکر ہوتا، اس اعتبار سے یہ آیت ختم نبوت کی بھی دلیل ہے۔ ﷻ

حضور اقدس ﷺ کو اس آیت سے آخرت کا منظر متحضر ہو گیا، اور اپنی امت کے کوتاہ عمل اور بے عمل لوگوں کی بابت خیال آیا اس لئے آنسو مبارک جاری ہو گئے۔

(۱۰) باب قوله: ﴿وَإِنْ كُنْتُمْ مَرْضَىٰ أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِّنْكُمْ مِنَ

الغائِبِ﴾ [۲۳]

باب: ”اور اگر تم بیمار ہو یا سفر پر ہو یا تم میں سے کوئی قضائے حاجت کی جگہ سے آیا ہو۔“

﴿صَعِيدًا﴾: وجه الأرض. وقال جابر: كانت الطواغيت التي يتحاكمون إليها: لى جهينة واحد، ولى أسلم، ولى كل واحد. كهان ينزل عليهم الشيطان. وقال عمر: الجبت: السحر، ﴿وَالطَّاغُوتِ﴾: الشيطان. وقال عكرمة: ﴿الْجِبْتُ﴾ بلسان الحبشة شيطان. ﴿وَالطَّاغُوتِ﴾: الكاهن.

ترجمہ و تشریح

”صَعِيدًا“ کے معنی ہیں سطح زمین۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ”الطواغیت“ سے مراد وہ لوگ ہیں، جن کے پاس (زمانہ جاہلیت) میں لوگ اپنے مقدمات لیکر آیا کرتے تھے۔ ان میں سے ایک قبیلہ جبینہ میں تھا، ایک قبیلہ بنو اسلم میں تھا، اور تمام قبائل میں ایک طاغوت تھا۔ یہ طاغوت وہی کاہن لوگ تھے جنکے پاس شيطان (مستقبل کی خبریں لیکر) آتا تھا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ”الجبت“ کے معنی جادو کے ہیں اور ”طاغوت“ شیطان کو کہتے ہیں۔ اور حضرت عکرمہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ”الجبت“ جہشی زبان میں شیطان کو کہتے ہیں اور ”طاغوت“ کاہن کو کہتے ہیں۔

۳۵۸۳۔ حدیثی محمد: أخبرنا عبده، عن هشام، عن أبيه، عن عائشة رضي الله عنها قالت: هلكت فلاة لأسماء لبعث النبي ﷺ في طلبها رجالا فحضرت الصلاة وليسوا على وضوء ولم يجدوا ماءً فصلوا وهم على غير وضوء، لما نزل الله تعالى، يٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا [راجع: ۳۳۳]

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ (ایک بار سفر میں) میرا ہار کھو گیا جو کہ میں نے اسماء سے مانگا تھا، نبی کریم ﷺ نے چند لوگوں کو تلاش کرنے کے لئے بھیجا، وہ لوگ ابھی تلاش ہی کر رہے تھے کہ نماز کا وقت ہو گیا، اور وہ وضو سے نہیں تھے اور پانی بھی موجود نہ تھا لہذا انہوں نے بغیر وضو کے نماز ادا کر لی، اس وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ آیت تیمم نازل کی گئی۔

ایک وضاحت

یہ فلابہ۔ ہار حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کا تھا جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عاریتا ان سے لیا ہوا تھا اور ”کتاب التیمم“ میں اس کی تفصیل گزر چکی ہے۔ تو اس واسطے کبھی حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کی طرف منسوب کر دیا گیا اور کبھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف منسوب کر دیا گیا۔ ۱۱

(۱۱) باب : ﴿أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ﴾ [۵۹]

باب: ”اللہ کی اطاعت کرو اور اس کے رسول کی بھی اطاعت کرو اور تم میں سے جو صاحب اختیار ہوں، اُن کی بھی۔“

ذوی الأمر.

ترجمہ: ”ذوی الأمر“ سے مراد حکم والے یعنی حکام۔

۴۵۸۴۔ حدثنا صدقة بن الفضل: أخبرنا حجاج بن محمد، عن ابن جريج، عن يعلى بن مسلم، عن سعيد بن جبیر، عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما ﴿أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ﴾ قال: نزلت فی عبد اللہ بن حذافة بن لیس ابن عدی اذ بعثه النبی ﷺ فی سرية. ۱۲

ترجمہ: حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ یہ آیت ﴿أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ﴾ حضرت عبد اللہ بن حذافة بن قیس بن عدی کے بارے میں نازل ہوئی ہے، جب نبی کریم ﷺ نے ان کو ایک سریہ میں روانہ فرمایا تھا۔

حدیث کا مطلب

﴿أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ﴾

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے یہ روایت ہے کہ مذکورہ آیت حضرت عبد اللہ بن حذافة بن قیس بن عدی کے بارے میں نازل ہوئی ہے، حضور اقدس ﷺ نے ان کو ایک سریہ کا امیر بنا کر روانہ فرمایا۔ انہوں نے لشکر کے لوگوں کا امتحان لینے کے لئے راستہ میں آگ جلائی اور اپنے ساتھیوں سے کہا کہ اس آگ میں داخل ہو جاؤ تو بہت سے لوگوں نے انکار کر دیا اور کچھ آگ میں داخل ہونے پر راضی بھی ہو گئے تھے۔ اس سے پہلی آیت میں حکام کو عدل کا حکم فرما کر اب عام لوگوں کو حکام کی متابعت کا حکم دیا جاتا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حکام کی اطاعت جب ہی واجب ہوگی جب وہ حق کی اطاعت کریں گے۔

فائدہ حاکم اسلام بادشاہ یا اس کا صوبہ دار یا قاضی یا سردار لشکر اور جو کوئی کسی کام پر مقرر ہو ان کے حکم کا ماننا ضروری ہے جب تک وہ خدا اور رسول کے خلاف حکم نہ دیں اگر خدا اور رسول کے حکم کے صریح خلاف کرے تو اس حکم کو ہرگز نہ مانے۔ ۱۳

۱۲۔ وسنن النسائی، کتاب البیعة، قولہ تعالیٰ ﴿وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ﴾، رقم: ۴۱۹۳، ومسند أحمد، ومن مسند ہی

ہاشم، مسند عبد اللہ بن عباس بن عبد المطلب عن النبی ﷺ، رقم: ۳۱۲۳

۱۳۔ حضرت عبد اللہ بن حذافة بن قیس کے اس حکم پر تفصیلی بحث اور ان کے حالات کے لئے ملاحظہ فرمائیں: انعام الباری شرح صحیح

البخاری، کتاب المغازی - حصہ دوم، باب سرية عبد اللہ بن حذافة السهمی، وعلمة بن معجز المدلجی،

وقال انہا سرية الأنصاری، ج: ۱۰، ص: ۳۱۹ - ۳۲۵

(۱۲) باب: ﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يَحْكُمُواكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ﴾ [۲۵]
 باب: ”نہیں، (اے پیغمبر!) تمہارے پروردگار کی قسم! یہ لوگ اس وقت تک مؤمن نہیں ہو سکتے
 جب تک یہ اپنے باہمی جھگڑوں میں تمہیں فیصلہ نہ بنائیں۔“

شریعت زندگی کے ہر معاملے پر لاگو

اس آیت سے یہ مسئلہ نکلا ہے کہ لفظ صرف معاملات اور حقوق کے ساتھ متعلق نہیں، عقائد اور نظریات
 اور دوسرے نظری مسائل کو بھی حاوی ہے۔

اس لئے ہر مسلمان کا فرض ہے کہ جب بھی کسی مسئلہ میں باہم اختلاف کی نوبت آئے تو باہم جھگڑتے
 رہنے کے بجائے دونوں فریق رسول اللہ ﷺ کی طرف اور آپ کے بعد آپ کی شریعت کی طرف رجوع کر کے
 مسئلہ کا حل تلاش کریں۔ ۱۳

۳۵۸۵ - حدثنا علي بن عبد الله: حدثنا محمد بن جعفر: أخبرنا معمر، عن الزهري،
 عن عروة قال: خاصم الزبير رجلاً من الأنصار في شريح من الحرة، فقال النبي ﷺ: ((اسق
 يا زبير ثم أرسل الماء إلى جارك)). فقال الأنصاري: يا رسول الله أن كان ابن عمك؟
 فتلون وجهه ثم قال: ((اسق يا زبير ثم احبس الماء حتى يرجع إلى الجدر، ثم أرسل الماء
 إلى جارك)). واستوعى النبي ﷺ للزبير حقه في شريح الحكم حين أحفظه الأنصاري كان
 أشار عليهما بأمر لهما فيه سعة. قال الزبير: فما أحسب هذه الآيات إلا نزلت في ذلك
 ﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يَحْكُمُواكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ﴾. [راجع: ۲۳۶۰]

ترجمہ: حضرت عروہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کا ایک انصاری سے حہ کے مقام پر موجود
 پانی کے نالے کے بارے میں جھگڑا ہو گیا کہ کون پہلے کھیت کو پانی پہنچائے؟ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اے زبیر! تم
 پہلے اپنے کھیت کو پانی دو اور پھر پڑوسی کیلئے پانی کو چھوڑ دینا۔ اس پر اس انصاری شخص نے کہا اے اللہ کے رسول!
 (آپ نے ایسا شاید اس لئے فرمایا کہ) یہ آپ کی پھوپھی کے بیٹے ہیں! یہ بات سن کر حضور اکرم ﷺ کا چہرہ غصہ

سے سرخ ہو گیا اور آپ نے فرمایا کہ اے زبیر! پہلے تم اپنے باغ کو پانی دو اور پھر پانی روکے رکھنا یہاں تک کہ مینڈھیر تک بھر دو، پھر پڑوسی کے لئے چھوڑ دو۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے (اس دفعہ) پورا حق دلایا، یہ اس لئے ہوا کہ انصاری نے آپ کو غصہ دلایا تھا، ورنہ پہلے ایسا حکم دیا تھا جس میں دونوں کی رعایت رکھی گئی تھی۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میرے خیال میں یہ آیت ﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يَخِشُّوكَ مُتَجَنِّبِينَ﴾ اسی واقعہ کے لئے نازل ہوئی تھی۔ ۱۵

(۱۳) باب: ﴿فَأُولَٰئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ﴾ [۶۱]

باب: ”تو وہ اُن کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام فرمایا ہے، یعنی انبیاء“۔

شانِ نزول

یہ آیت ایک خاص واقعہ کی بناء پر نازل ہوئی، جس کو حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے متعدد اسناد سے ذکر کیا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک روز ایک صحابی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! میرے دل میں آپ کی محبت اپنی جان سے بھی زیادہ ہے، اپنی بیوی سے بھی زیادہ ہے، اپنی اولاد سے بھی زیادہ ہے، بعض اوقات میں اپنے گھر میں بے چین رہتا ہوں یہاں تک کہ آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ کی زیارت کر لوں تب سکون ہوتا ہے۔ اب مجھے فکر ہے کہ جب اس دنیا سے آپ کی وفات ہو جائے گی، اور مجھے بھی موت آجائے گی تو میں جانتا ہوں کہ آپ جنت میں انبیاء علیہم السلام کے ساتھ درجاتِ عالیہ میں ہوں گے، اور مجھے اول تو یہ معلوم نہیں کہ میں جنت میں پہنچوں گا بھی یا نہیں، اگر پہنچ بھی گیا تو میرا درجہ آپ سے بہت نیچے ہوگا، میں وہاں آپ کی زیارت نہ کر سکوں گا تو مجھے صبر کیسے آئے گا؟

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا کلام سن کر کوئی جواب نہ دیا، یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہو گئی:

﴿فَأُولَٰئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ
وَالصَّادِقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ﴾

اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو یہ بشارت سنادی کہ اطاعت گزاروں کو جنت میں انبیاء علیہم السلام،

صدیقین، شہداء اور صالحین کے ساتھ ملاقات کا موقع ملتا رہے گا۔ یعنی درجاتِ جنت میں تفاضل اور اعلیٰ ادنیٰ ہونے کے باوجود باہم ملاقات و مجالس کے مواقع ملیں گے۔ ۱۶

۴۵۸۶۔ حدثنا محمد بن عبد اللہ بن حوشب: حدثنا ابراہیم بن سعد، عن ابیہ،

عن عروة، عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت: سمعت رسول اللہ ﷺ يقول: ((ما من نبی یمرض الا خیر بین الدنیا والآخرۃ))، وکان فی شکواہ الذی قبض فیہ اخلتہ بحۃ شدیدۃ لسمعتہ یقول: ((مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ مِنَ النَّبِیِّیْنَ وَالصّٰدِقِیْنَ وَالشّٰہِدَآءِ وَالصّٰلِحِیْنَ))، فعملت انہ خیر۔ [راجع: ۴۴۳۵]

ترجمہ: عروہ بن زبیر روایت کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا کہ آپ فرماتے تھے کہ ہر نبی کو یہ اختیار دیا جاتا ہے کہ وہ دنیا اور آخرت میں سے کسی ایک کو رہنے کے لئے پسند کرے۔ جب آپ ﷺ مرض الموت میں مبتلا ہوئے، تو آپ کی اواز میں کرخنگی پیدا ہو گئی تو میں نے سنا کہ آپ فرما رہے تھے ﴿مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ مِنَ النَّبِیِّیْنَ وَالصّٰدِقِیْنَ وَالشّٰہِدَآءِ وَالصّٰلِحِیْنَ﴾ چنانچہ میں سمجھ گئی کہ آپ کو اختیار ملا ہے اور آپ نے آخرت کو ترجیح دی ہے۔

آخرت میں انبیاء، صدیقین، شہداء، صالحین کی رفاقت

اللہ اور رسول کے احکامات کو ماننے والوں، ان پر عمل کرنے والوں کو انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین کی رفاقت میسر آتی ہے، جو اللہ ﷻ کا بڑا انعام اور اس کا محض فضل ہے۔

ان کی اطاعت کا معاوضہ نہیں جس سے منافقین بالکل محروم ہیں اور اللہ ﷻ کافی ہے جاننے والا اور خبر رکھنے والا وہ ہر ایک مخلص اور منافق اور ہر مطیع کی اطاعت اور اس کے استحقاق اصلی اور مقدار فضل کو بالانفصیل جانتا ہے تو اب کسی کو ان امور کی تفصیل کی وجہ سے وعدہ الہی کو پورا ہونے میں خلجان پیدا نہ ہو۔

نبی: نبی وہ ہیں جن پر اللہ ﷻ کی طرف وحی آئے یعنی فرشتہ ظاہر میں آکر پیغام کہہ جائے۔

صدیق: صدیق وہ کہ جو پیغام اور احکام اللہ ﷻ کی طرف سے پیغمبروں کو آئے، ان کا جی خود ہی اس پر گواہی دے اور بلا دلیل اس کی تصدیق کرے۔

شہید: شہید وہ کہ پیغمبروں کے حکم پر اپنی جان سینے کو حاضر ہیں۔

صالحین: صالح اور نیک بخت وہ کہ جن کی طبیعت نیکی ہی پر پیدا ہوئی ہے اور بری باتوں سے اپنے نفس اور بدن کی اصلاح اور صفائی کر چکے ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ یہ مذکورہ چار قسمیں جو امت کے باقی افراد سے افضل ہیں ان کے ماسوا جو مسلمان ہیں اور درجہ میں ان کے برابر نہیں لیکن اللہ اور رسول کی فرمانبرداری میں مشغول ہیں، وہ لوگ بھی انہی کی شمار اور ذیل میں لئے جائیں گے اور ان حضرات کی رفاقت بہت ہی خوبی اور فضیلت کی بات ہے، اس کو کوئی حقیر نہ سمجھے۔
فائدہ: اس آیت میں اشارہ ہو گیا ہے کہ منافقین جن کا ذکر پہلے سے ہو رہا ہے وہ اس رفاقت اور معیت سے محروم ہیں۔ ۱۷

(۱۴) باب: ﴿وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ﴾ الی ﴿الظَّالِمِ أَهْلُهَا﴾ [۷۵]

باب: ”اور (اے مسلمانو!) تمہارے پاس کیا جواز ہے کہ اللہ کے راستے میں اور ان بے بس مردوں، عورتوں اور بچوں کی خاطر نہ لڑو جو یہ دُعا کر رہے ہیں کہ ”اے ہمارے پروردگار! ہمیں اس بہتی سے نکال لائیے جس کے باشندے ظلم توڑ رہے ہیں۔“ ۱۸

۴۵۸۷۔ حدثنا عبد الله بن محمد: حدثنا سفیان، عن عبيد الله قال: سمعت ابن عباس قال: كنت أنا وأمى من المستضعفين. [راجع: ۱۳۵۷]

ترجمہ: عبید اللہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سنا کہ انہوں نے فرمایا کہ میں اور میری والدہ کمزوروں میں سے تھے۔

۴۵۸۸۔ حدثنا سليمان بن حرب: حدثنا حماد بن زيد، عن أيوب، عن ابن أبي مليكة: أن ابن عباس تلا ﴿إِلَّا الْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانَ﴾ قال: كنت أنا

۱۷ تفسیر عثمانی، سورہ نساء، آیت ۶۹، فائدہ: ۳۰۲۔

۱۸ یعنی دو وجہ سے تم کو کافروں سے لڑنا ضروری ہے ایک تو اللہ کے دین کو بلند اور غالب کرنے کی فرض سے دوسرے جو لوگ مظلوم مسلمانوں کافروں کے ہاتھ بے بس پڑے ہیں ان کو چھڑانے اور ظامی دینے کی وجہ سے، مکہ میں بہت لوگ تھے حضرت کے ساتھ ہجرت نہ کر سکے اور ان کے اقرباء ان کو ستانے لگے کہ پھر کافر ہو جائیں سو خدا تعالیٰ نے مسلمانوں کو فرمایا کہ تم کو دو وجہ سے کافروں سے لڑنا ضرور ہے تاکہ اللہ کا دین بلند ہو اور مسلمان جو کہ مظلوم اور کمزور ہیں کفار کے ظلم سے نجات پائیں۔ [تفسیر عثمانی، سورہ نساء، آیت: ۷۵، فائدہ: ۳۰]

وَأَمِي مِمَّنْ عَدِرَ اللَّهُ. وَيَذَكُرُ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ: ﴿حَصِرَتْ﴾ [۹۰]: ضاقت، ﴿تَلَوُوزًا﴾ [۱۳۵] السنتكم: بالشهادة. وقال غيره: المراغم: المهاجر، زاغمت: هاجرت قومي ﴿موقوتًا﴾ [۱۰۳]: موقوتًا ولته عليهم. [راجع: ۱۳۵۷]

ترجمہ: ابن ابی ملیکہ کہتے ہیں کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ آیت تلاوت کی ﴿إِلَّا الْمُسْتَظْفِقِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ﴾ اور پھر فرمانے لگے کہ میں اور میری والدہ بھی ان لوگوں میں شامل تھے جن کو اللہ ﷻ نے معذور رکھا تھا۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ ”حَصِرَتْ بِمَعْنَى ضَاقَتْ“ یعنی ان کے دل تنگ ہو گئے اور ”تَلَوُوزًا“ کے معنی ہیں کہ زبان کو پھیر کر گواہی دینا۔ اور دوسرے لوگوں نے کہا کہ ”المراغم“ کے معنی ہیں ہجرت کا مقام اور ”موقوتًا“ کے معنی ہیں وقت مقررہ۔

(۱۵) باب: ﴿فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنَافِقِينَ فِتْنِينَ وَاللَّهُ أَرْكَسَهُمْ بِمَا كَسَبُوا﴾ [۸۸]

باب: ”پھر تمہیں کیا ہو گیا کہ منافقین کے بارے میں تم دو گروہ بن گئے؟، حالانکہ انہوں نے جیسے کام کئے ہیں ان کی بناء پر اللہ نے ان کو اوندھا کر دیا ہے۔“

قال ابن عباس: بددهم. فنة: جماعة.

ترجمہ: ابن عباس رضی اللہ عنہما ”أَرْكَسَهُمْ“ کی تفسیر فرماتے ہیں کہ یہ ”بددهم“ متفرق کرنے کے معنی میں ہے، ”فنة“ سے جماعت مراد ہے۔

۴۵۸۹۔ حدثني محمد بن بشار: حدثنا غندر وعبد الرحمن قالا: حدثنا شعبة، عن عدي، عن عبد الله بن يزيد، عن زيد بن ثابت رضي الله عنه، ﴿فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنَافِقِينَ فِتْنِينَ﴾ رجوع الناس من أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم من أحد وكان الناس فيهم فرقتين: فريق يقول: القلهم، وفريق يقول: لا، فنزلت ﴿فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنَافِقِينَ فِتْنِينَ﴾ وقال: ((الها طيبة تنفي الخبث كما تنفي النار خبث الفضة)). ۱۹

۱۹ ولفي صحيح مسلم، كتاب الحج، باب المدينة تنفي شرارها، رقم: ۱۳۸۴، وكتاب صلوات المنافقين وأحكامها،

رقم: ۲۷۷۶، وسنن الترمذی، أبواب تفسیر القرآن، باب ومن سورة النساء، رقم: ۳۰۲۸، ومسند أحمد، مسند

الأصهار، حديث زيد بن ثابت عن النبي صلى الله عليه وسلم، ۲۱۵۹۹، ۲۱۶۳۰، ۲۱۶۳۳، ۲۱۶۳۶

ترجمہ: حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اس آیت ﴿لَمَّا لَكُمْ فِي الْمُنَافِقِينَ فِئَتَيْنِ﴾ کے متعلق، جب جنگ احد میں کچھ لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر الگ ہو گئے تھے، ان وقت مسلمانوں کی ان کے متعلق دو رائیں ہو گئیں تھیں، ایک فریق تو کہتا تھا کہ انہیں قتل کر دیا جائے، اور دوسرا فریق کہتا تھا کہ نہیں ایسا نہیں کیا جائے، تو اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یہ مدینہ کا طیبہ ر پاک ہے، یہ ناپاکی اور خباثت کو اس طرح دور کر دیتا ہے، جس طرح آگ چاندی کے میل کو دور کر دیتی ہے۔

باب

یہ باب بلا عنوان ہے۔

﴿وَإِذَا جَاءَهُمْ أَمْرٌ مِنَ الْأَمْنِ أَوِ الْخَوْفِ إِذَا غَوَابَهُ﴾ [۸۳] ای الفشوه.
 ﴿يَسْتَنْبِطُونَهُ﴾ [۸۳]: يستخرجونه. ﴿عَسِيْبًا﴾ [۸۶]: كالفيا. ﴿إِلَّا إِنَانًا﴾: یعنی
 الموات حجراً أو مدراً أو ما شبهه. ﴿مَرِيْدًا﴾ [۱۱۷]: منمرداً.
 ﴿فَلْيَبْتِكُنْ﴾ [۱۱۹]: بتكه: قطعہ. ﴿لِيَلَا﴾ [۱۲۲] ولولا واحد. ﴿طَبَعٌ﴾ [۱۵۶]:
 ختم. [راجع: ۱۸۸۴]

آیت سے مراد

﴿وَإِذَا جَاءَهُمْ أَمْرٌ مِنَ الْأَمْنِ أَوِ الْخَوْفِ إِذَا غَوَابَهُ﴾
 اور جب ان کو کوئی بھی خبر پہنچتی ہے، چاہے وہ امن کی ہو یا
 خوف پیدا کرنے والی، تو یہ لوگ اسے (تحقیق کے
 بغیر) پھیلانا شروع کر دیتے ہیں۔

”ای الفشوه“۔ یعنی اس کو پھیلا دیتے ہیں۔

ان منافقوں اور کم سمجھ مسلمانوں کی ایک خرابی یہ ہے کہ جب کوئی بات امن کی پیش آتی ہے مثلاً رسول
 اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کسی سے صلح کا قصد فرمانا یا لشکر اسلام کی فتح کی خبر سننا یا کوئی خوفناک خبر سن لینا جیسے دشمنوں کا کہیں جمع ہونا
 یا مسلمانوں کی شکست کی خبر آنا تو اس کو بلا تحقیق مشہور کرنے لگتے اور اس میں اکثر فساد و نقصان مسلمانوں کو پیش
 آجاتا ہے۔ منافقین ضرر رسانی کی غرض سے ایسا کرتے اور مسلمان کم سمجھ، کم فہمی کی وجہ سے ایسا کرتے تھے۔

الفاظ کا ترجمہ و تشریح

”يَسْتَنْبِطُونَهُ“ بمعنی ”یستخر جو لوہ“ سے مراد خبر کی تحقیق کرنا کہ اس کو پھیلا نا مناسب ہے چھپانے کی ضرورت ہے۔

”حَسِينًا“ بمعنی ”کافیا“ یعنی اللہ ہر چیز کیلئے کافی ہوتا۔

”أَنَانًا“ سے مراد غیر جاندار چیزیں ہیں مثلاً پتھر یا مٹی وغیرہ جو ان کے مشابہ ہوں۔

”مَرِيدًا“ بمعنی ”متمرداً“ سرکش ہونے کو کہتے ہیں۔

”بِتَكَّة“ بمعنی ”قطعہ“ کا مطلب ہے کاٹنا، ٹکڑے کرنا۔

”قِيْلًا“ اور ”قَوْلًا“ کے ایک ہی معنی ہیں۔

”طَبَعَ“ بمعنی ”ختم“ یعنی ہیں مہر کے ہیں۔

(۱۶) باب: ﴿وَمَنْ يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُتَعَمِّدًا فَجَزَاؤُهُ جَهَنَّمُ﴾ [۹۳]

باب: ”اور جو شخص کسی مسلمان کو جان بوجھ کر قتل کرے تو اس کی سزا جہنم ہے۔“

۳۵۹۰۔ حدثنا آدم بن أبي إياس: حدثنا شعبة: حدثنا مغيرة بن النعمان قال:

سمعت سعيد بن جبیر قال: آية اختلف فيها أهل الكوفة فرحلت فيها إلى ابن عباس فسأله

عنها فقال: نزلت هذه الآية ﴿وَمَنْ يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُتَعَمِّدًا فَجَزَاؤُهُ جَهَنَّمُ﴾ هي آخر ما نزل،

ومانسخها شي. [راجع: ۳۸۵۵]

ترجمہ: مغیرہ بن نعمان روایت کرتے ہیں کہ میں نے سعید بن جبیر رحمہ اللہ سے سنا کہ وہ فرما رہے تھے کہ

اہل کوفہ کا اس آیت میں اختلاف تھا، لہذا میں سفر کر کے اس بات کو پوچھنے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس

گیا اور ان سے دریافت کیا، تو انہوں نے فرمایا کہ یہ آیت ﴿وَمَنْ يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُتَعَمِّدًا فَجَزَاؤُهُ جَهَنَّمُ﴾

قتل وغیرہ کے متعلق سب سے آخر میں نازل ہوئی اور اس کو کسی دوسری آیت نے منسوخ نہیں کیا ہے۔

﴿فَجَزَاؤُهُ جَهَنَّمُ﴾ میں تفصیل

یہاں یہ سوال پیدا ہوا کہ بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ اس آیت کریمہ میں یہ فرمایا گیا ہے ﴿وَمَنْ يَقْتُلْ

مُؤْمِنًا مُتَّعِدًا فَجَزَاؤُهُ جَهَنَّمُ ﴿ قاتل ہمیشہ جہنم میں رہے گا، اس کا مطلب یہ ہوا کہ کبھی نہیں نکالا جائے گا۔
بعض حضرات یہ کہتے تھے کہ یہ حکم بعد میں منسوخ ہو گیا اس آیت کریمہ سے جس میں اللہ ﷻ نے فرمایا:

إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ
ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدِ افْتَرَى
إِنَّمَا عَظِيمًا [النساء: ۳۸]

یعنی جب اللہ تعالیٰ کے یہاں شرک کے علاوہ ہر گناہ کی مغفرت ہو سکتی ہے تو اس قتل کی بھی معافی ہو سکتی ہے، لیکن حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اس بات کی تردید کر رہے ہیں کہ کوئی منسوخ نہیں ہوا، یہ حکم اب بھی برقرار ہے۔

اس صورت میں اسکے معنی کیا ہیں؟

جمہور فقہاء کا کہنا ہے یہ حکم اس شخص کے بارے میں ہے جو قتل کو حلال سمجھ کر کرے تو وہ ایک صریح حرام فعل کو حلال سمجھنے کی وجہ سے کافر ہو جائے گا اور کافر ہونے کی وجہ سے ”مُخَالِدًا فِيهَا“ ہمیشہ کیلئے جہنم میں رہے گا۔ بعض حضرات نے کہا کہ یہ ”مُخَالِدًا“ کے معنی ”مکث طویل“ ہے اور ”أَحْقَابًا“ اس کو مجازاً ”مُخَالِدًا“ سے تعبیر کر دیا گیا۔

(۷۱) باب: ﴿وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ أَلْقَى إِلَيْكُمُ السَّلَامَ لَسْتَ مُؤْمِنًا﴾ [۹۳]

باب: ”اور جو شخص تم کو سلام کرے تو دُنیوی زندگی کا سامان حاصل کرنے کی خواہش میں اس کو یہ نہ کہو کہ ”تم مؤمن نہیں ہو“۔

السَّلَامُ وَالسَّلَامُ وَالسَّلَامُ وَاحِدٌ.

ترجمہ: ان تینوں کا ایک ہی معنی ہیں۔

۳۵۹۱۔ حدیثی علی بن عبد اللہ: حدثنا سفیان، عن عمرو، عن عطاء، عن ابن

عباس رضی اللہ عنہما ﴿وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ أَلْقَى إِلَيْكُمُ السَّلَامَ لَسْتَ مُؤْمِنًا﴾ قال: قال ابن عباس: كان رجل في غنمة له فلحقه المسلمون فقال: السلام عليكم. فقتلوه وأخذوا غنيمته. فانزل

اللہ فی ذلک الی قولہ: ﴿عَرَضَ الْحَبَلَةُ الدُّنْيَا﴾ تلک الغنیمۃ. قال: قرأ ابن عباس: ﴿السلام﴾. ۱۱

ترجمہ: عطاء بن رباح رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے آیت ﴿وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ أَلْفَىٰ إِلَيْكُمْ لَسْتُمْ مُؤْمِنًا﴾ کا شان نزول بیان کیا، راوی کہتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ کچھ مسلمان جہاد سے واپس آ رہے تھے کہ انہیں راستہ میں ایک بکریاں چرانے والا شخص ملا، تو اس نے ”السلام علیکم“ کہا، لیکن مسلمانوں نے اس کو قتل کر ڈالا، اور اس کی تمام بکریاں لے لیں، چنانچہ اس وقت اللہ تعالیٰ کی جانب سے یہ آیت ﴿عَرَضَ الْحَبَلَةُ الدُّنْيَا﴾ تک نازل ہوئی، اور یہ سامان دنیوی سے مراد غنیمت سمجھ کر لے جانے والی بکریاں ہیں۔ عطاء بن رباح رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے ﴿السلام﴾ کا لفظ پڑھا ہے۔

نادانستگی میں قتل پر عتاب و تنبیہ

﴿وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ أَلْفَىٰ إِلَيْكُمْ لَسْتُمْ مُؤْمِنًا﴾ ابن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت کا شان نزول بیان فرما رہے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے ایک جماعت کو جہاد کیلئے بھیجا۔ جس قوم کی طرف جہاد کا حکم دے کر بھیجا تھا، اس قوم میں ایک شخص مسلمان بھی تھا جو اپنا مال و اسباب اور مویشی ان میں سے نکال کر علیحدہ کھڑا ہو گیا تھا، اس نے مسلمانوں کو دیکھ کر السلام علیکم کہا، مسلمانوں نے یہ سمجھا کہ یہ بھی کافر ہے اپنی جان و مال کو بچانے کی غرض سے اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتا ہے، اس لئے اس کو قتل کر ڈالا اور اس کے مویشی اور اسباب سب لے لیا۔

اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور مسلمانوں کو تنبیہ اور تاکید فرمائی گئی کہ جب تم جہاد کے لئے سفر کرو تو تحقیق سے کام لو بے سوچے سمجھے کام مت کرو جو تمہارے سامنے اسلام ظاہر کرے اس کے مسلمان ہونے کا ہرگز انکار مت کرو، اللہ ﷻ کے پاس بہت کچھ غنیمت ہے ایسے حقیر سامان پر نظر نہ کرنی چاہئے۔ ۱۲

۱۱ وفی صحیح مسلم، کتاب التفسیر، رقم: ۳۰۲۵، وسنن ابی داؤد، کتاب الحروف والقرآن، رقم: ۳۹۷۴،

وسنن الترمذی، ابواب التفسیر، باب ومن سورۃ النساء، رقم: ۳۰۳۰، ومسند أحمد، ومن مسند ہی ہاشم، مسند

عبد اللہ بن العباس بن عبدالمطلب عن النبی ﷺ، رقم: ۲۰۲۳، ۲۳۶۴، ۲۹۸۶

۱۲ حمدہ القاری، ج: ۱۸، ص: ۲۶۳

(۱۸) باب: ﴿لَا يَسْتَوِي الْقَاعِدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ﴾ الآية [۹۵]

باب: ”وہ مسلمان جو جہاد میں جانے کے بجائے گھر میں بیٹھ رہیں وہ برابر نہیں ہو سکتے۔“

۳۵۹۲۔ حدثنا اسماعيل بن عبد الله قال: حدثني ابراهيم بن سعد، عن صالح، عن ابن شهاب قال: حدثني سهل بن سعد الساعدي أنه رأى مروان بن الحكم في المسجد فأقبلت حتى جلست الى جنبه فأخبرنا أن زيد بن ثابت أخبره أن النبي ﷺ أُملي عليه ﴿لَا يَسْتَوِي الْقَاعِدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ﴾ فجاءه ابن أم مكتوم وهو يملها على. قال: يا رسول الله، والله لو أستطيع الجهاد معك لجاهدت، وكان أعمى. فأنزل الله على رسوله ﷺ وفخذه على فخذي فقلت على حتى خفت أن ترض فخذي ثم سرى عنه فأنزل الله ﴿غَيْرِ أُولَى الضَّرَرِ﴾. [راجع: ۲۸۳۲]

ترجمہ: حضرت سہل بن سعد ساعدی ؓ نے بیان کیا کہ میں نے مروان بن حکم کو مسجد میں دیکھا تو میں اس کے پہلو میں آکر بیٹھ گیا، تو اس نے حضرت زید بن ثابت ؓ سے یہ روایت بیان کی کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ آیت مجھے لکھوائی ﴿لَا يَسْتَوِي الْقَاعِدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ﴾ ابھی آپ ﷺ مجھے آیت لکھوا ہی رہے تھے کہ اتنے میں ابن ام مکتوم ؓ آپ کی خدمت حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! اگر مجھ میں جہاد کی طاقت ہوتی، تو اللہ کی قسم! میں ضرور جہاد کرتا، اور وہ ناپیتا تھے، اس وقت اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پر وحی نازل فرمائی اس حال میں کہ آپ میری ران کو اپنی ران سے دبائے ہوئے بیٹھے تھے، چنانچہ میری ران پر اتنا بوجھ اور وزن پڑا کہ میں نے خیال کیا کہ کہیں میری ہڈی ٹوٹ نہ جائے، جب یہ کیفیت ختم ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے یہ الفاظ نازل فرمائے ﴿غَيْرِ أُولَى الضَّرَرِ﴾ (یعنی معذور نہ ہوں وہ لوگ مراد ہیں، معذور لوگ اس سے مستثنیٰ ہیں)۔

۳۵۹۳۔ حدثنا حفص بن عمر: حدثنا شعبة، عن أبي اسحاق، عن البراء ﷺ قال: لما نزلت ﴿لَا يَسْتَوِي الْقَاعِدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ﴾ دعا رسول الله ﷺ زيدا فكتبها فجاء ابن أم مكتوم فشكا ضرارته، فأنزل الله ﴿غَيْرِ أُولَى الضَّرَرِ﴾. [راجع: ۲۸۳۱]

ترجمہ: حضرت براء بن عازب ؓ نے بیان کیا کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے زید ؓ کو بلایا، تو انہوں نے یہ آیت لکھ دی، پھر ابن ام مکتوم خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنے ناپیتا ہونے کا عذر

پیش کیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ الفاظ نازل فرمائے ﴿غَيْرَ أُولَى الضَّرَرِ﴾۔

۳۵۹۳۔ حدثنا محمد بن يوسف، عن اسرائيل، عن ابي اسحاق، عن البراء قال: لما نزلت ﴿لَا يَسْتَوِي الْقَاعِدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ﴾ قال النبي ﷺ: ((ادعوا الملائنا))، فجاءه ومعه الدواة واللوح أو الكتف فقال: ((اكتب ﴿لَا يَسْتَوِي الْقَاعِدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ﴾ وخلف النبي ﷺ ابن أم مكتوم فقال: يا رسول الله أنا ضريب، فنزلت مكانها ﴿لَا يَسْتَوِي الْقَاعِدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ غَيْرَ أُولَى الضَّرَرِ وَالْمُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ﴾. [راجع: ۲۸۳۱]

ترجمہ: حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے ان فرمایا کہ فلاں شخص (یعنی زید بن ثابت) کو بلاؤ، وہ اپنے ساتھ دو ات اور تختی یا ہڈی لئے ہوئے آئے، تو آپ نے فرمایا یہ آیت لکھو ﴿لَا يَسْتَوِي الْقَاعِدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ﴾۔ ابن مکتوم رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کے پیچھے بیٹھے ہوئے تھے، انہوں نے کہا کہ اے اللہ کے رسول! میں تو ایک نابینا شخص ہوں، تو اس وقت یہ الفاظ نازل ہوئے کہ ﴿لَا يَسْتَوِي الْقَاعِدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ غَيْرَ أُولَى الضَّرَرِ وَالْمُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ﴾۔

۳۵۹۵۔ حدثنا ابراهيم بن موسى: اخبرنا هشام: أن ابن جريج اخبرهم ح؛ وحدثني اسحاق: اخبرنا عبدالرزاق: اخبرنا ابن جريج: اخبرني عبدالكريم: أن مقسما مولى عبدالله بن الحارث اخبره أن ابن عباس رضی اللہ عنہما أخبره ﴿لَا يَسْتَوِي الْقَاعِدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ﴾ عن بدر والخارجون الى بدر. [راجع: ۳۹۵۳]

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ ﴿لَا يَسْتَوِي الْقَاعِدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ﴾ ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی تھی جو جنگ بدر سے بیٹھے رہ گئے تھے اور جو لوگ بدر کی طرف نکلے۔

پچھلی آیت سے ربط اور جہاد میں نکلنے والوں کی فضیلت

اس سے پہلی آیت میں مسلمانوں کو نادانستگی اور چوک سے قتل کر دینے پر عتاب اور تنبیہ فرمائی تھی اس لئے یہ احتمال تھا کہ کوئی جہاد کرنے سے رک جائے کیونکہ مجاہدین کو ایسی صورت پیش آہی جاتی ہے اس لئے مجاہدین کی فضیلت بیان فرما کر جہاد کی رغبت دلائی گئی۔

خلاصہ آیت کا یہ ہے کہ لنگڑے لہجے اندھے بیمار معذور لوگوں کو تو جہاد کرنے کا حکم نہیں، باقی سب

مسلمانوں میں جہاد کرنے والوں کے بڑے درجے ہیں جو جہاد نہیں کرتے۔
اس سے معلوم ہو گیا کہ جہاد فرض کفایہ ہے فرض عین نہیں یعنی اگر مسلمانوں کی کافی مقدار اور ضرورت کے موافق جماعت جہاد کرتی رہے تو جہاد نہ کرنے والوں پر کوئی گناہ نہیں ورنہ سب گناہ گار ہوں گے۔ ۳۳

(۱۹) باب: ﴿إِنَّ الدِّينَ تَوْفَهُمُ الْمَلَائِكَةُ ظَالِمِي أَنْفُسِهِمْ قَالُوا فِيمَ كُنْتُمْ﴾ الآية [۱۷۷]
باب: ”جن لوگوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا تھا، اور اسی حالت میں فرشتے ان کی روح قبض کرنے آئے تو وہ بولے ”تم کس حالت میں تھے؟“۔

۳۵۹۶۔ حدثنا عبد الله بن يزيد المقرئ: حدثنا حيوة وغيره قال: حدثنا محمد ابن عبد الرحمن أبو الأسود قال: قطع على أهل المدينة بعث فَاكْتَتَبْتُ فِيهِ فَلَقِيَتْ عَكْرَمَةَ مَوْلَى ابْنِ عَبَّاسٍ فَأَخْبَرْتَهُ فَنَهَانِي عَنْ ذَلِكَ أَشَدَّ النَّهْيِ ثُمَّ قَالَ: أَخْبَرَنِي ابْنُ عَبَّاسٍ أَنَّ لَنَا مِنَ الْمُسْلِمِينَ كَالْوَامِعِ الْمَشْرُكِينَ يَكْثُرُونَ سِوَادَ الْمَشْرُكِينَ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ يَأْتِي السَّهْمَ فَيُرْمِي بِهِ فَيَصِيبُ أَحَدَهُمْ فَيَقْتُلُهُ أَوْ يَضْرِبُ فَيَقْتُلُ. فَأَنْزَلَ اللَّهُ ﴿إِنَّ الدِّينَ تَوْفَهُمُ الْمَلَائِكَةُ ظَالِمِي أَنْفُسِهِمْ﴾ الآية.

رواه الليث، عن أبي الأسود. [انظر: ۷۰۵۸] ۳۳

ترجمہ: ابو الاسود نے بیان کیا کہ اہل مدینہ کا لشکر تیار کیا گیا، اس میں میرا بھی نام تھا، میری ملاقات حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے آزاد کردہ غلام عکرمہ سے ہوئی تو میں انہیں اس بات کی خبر دی کہ میرا نام بھی لشکر میں لکھا گیا ہے تو انہوں نے بڑی سختی سے مجھے منع کیا، پھر کہا کہ مجھے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بتایا تھا کہ مسلمانوں میں سے کچھ لوگ مشرکین کے ساتھ رہتے تھے اور رسول اللہ ﷺ کے خلاف کافروں کی تعداد میں اضافے کا سبب بنتے تھے (کفار انہیں جنگ میں زبردستی لاتے تھے)، پھر ایک تیر آتا جس کو پھینکا جاتا تھا جو ان میں سے کسی کو لگا جاتا تو یہ قتل ہوتے تھے یا تلوار چلائی جاتی تو اس سے مارے جاتے تھے، اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی ﴿إِنَّ الدِّينَ تَوْفَهُمُ الْمَلَائِكَةُ ظَالِمِي أَنْفُسِهِمْ﴾۔ اس حدیث کو لیث نے بھی اسود سے بیان کیا۔

۳۳ عمدة القاری، ج: ۱۸، ص: ۲۶۷

۳۳ الفرد بہ البخاری.

حدیث کی تشریح - فتنہ کا سبب بننا بھی ناجائز

حضرت ابوالاسود رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ "قطع علی اهل المدينة بعث فانكثبت فيه" اہل مدینہ کے ذمہ ایک لشکر لگایا گیا تھا میرا نام بھی لشکر میں لکھا گیا تھا، مطلب یہ ہے کہ ان کے ذمہ لگایا گیا کہ تم ایک لشکر تیار کرو اور تیاری کر کے نکلو اور ہمارے مخالف سے لڑو۔

"فلقيت عكرمة مولى ابن عباس فأخبرته فنهاني عن ذلك أشد النهي" میری ملاقات حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے آزاد کردہ غلام عکرمہ سے ہوئی تو میں انہیں اس بات کی خبر دی کہ میرا نام بھی لشکر میں لکھا گیا ہے تو انہوں نے بڑی سختی سے مجھے منع کیا۔

یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی خلافت کا زمانہ تھا اور اہل شام ابن زبیر رضی اللہ عنہما کی مخالفت کر رہے تھے تو حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے اہل مدینہ کے پاس پیغام بھیجا کہ تم لوگ یہاں سے ایک لشکر تیار کرو تا کہ وہ اہل شام سے جا کر مقابلہ کریں، اس بات کا یہ مطلب ہے۔

پھر فرمایا کہ "أخبرني ابن عباس أن ناسا من المسلمين كانوا مع المشركين يكثرون سواد المشركين على رسول الله ﷺ" مجھے حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ بات بتائی ہے کہ کچھ لوگ مسلمان تھے، لیکن مشرکین کے ساتھ رہتے تھے اور رسول اللہ ﷺ کے خلاف مشرکین کی جماعت میں نکثیر کا سبب بنتے تھے یعنی تھے وہ مسلمان اور ان کا مقصد مسلمانوں اور حضور اکرم ﷺ سے لڑنا نہیں تھا لیکن نکثیر سواد و تعداد میں اضافہ کی غرض سے مشرکین ان کو اپنے ساتھ لے آتے تھے۔

"يأبى السهم فبرمى به فيصيب أحدهم فيقتله أو يضرب فيقتل" وہ لوگ اگرچہ خود لڑائی میں شریک نہیں ہوتے تھے لیکن اگر کوئی تیر آتا تو ان میں سے کسی کو لگ جاتا اور اس کو مار دیتا یا ان کے اوپر کوئی تلوار سے حملہ کر دیتا تو پس وہ قتل کیا جاتا۔

تو اس پر اللہ ﷻ نے آیت نازل کی ﴿إِنَّ الدِّينَ تُوَفِّهُمُ الْمَلَائِكَةُ ظَالِمِي أَنْفُسِهِمُ الْخ﴾ کہ جب ملائکہ ان کی روح قبض کرنے کیلئے آئے تو ان سے کہا تم کہاں تھے؟ تو انہوں نے کہا کہ ہم مکہ مکرمہ کے رہنے والے ہیں اور مشرکوں نے ہمیں نکلنے نہیں دیا تو اس پر فرشتے جواب میں کہیں گے کہ کیا اللہ ﷻ کی زمین اتنی کشادہ نہیں تھی چاہتے تو ہجرت کر کے چلے جاتے؟

معلوم ہوا کہ یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے ہجرت پر قدرت رکھنے کے باوجود ہجرت نہیں کی اور اس واسطے یہ مسلمانوں کے ہاتھوں مارے گئے، ایسے لوگوں کیلئے قرآن نے وعید بیان کی ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی یہ بات نقل کر کے عکرمہ نے کہا کہ اس سے معلوم ہوا کہ تکبیر سوا دیکھی اس میں شامل ہونے کے معنی میں ہے، اس واسطے وہ بھی ناجائز ہے۔

(۲۰) باب: ﴿إِلَّا الْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ﴾ [الآیہ: ۹۸]

باب: ”البتہ وہ بے بس مرد، عورتیں (اس انجام سے مستثنیٰ ہیں)۔“

۳۵۹۷۔ حدثنا أبو النعمان: حدثنا حماد، عن أيوب، عن أبي مليكة، عن ابن عباس رضي الله عنهما ﴿إِلَّا الْمُسْتَضْعَفِينَ﴾ قال: كانت أمي ممن عذر الله. [راجع: ۱۳۵۷]

ترجمہ: ابن ابی ملیکہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ﴿إِلَّا الْمُسْتَضْعَفِينَ﴾ کے بارے میں بیان کیا کہ میری والدہ ان لوگوں میں سے تھیں جنہیں اللہ نے (ہجرت سے) معذور رکھا تھا۔

(۲۱) باب قوله: ﴿فَأَوْلِيكَ عَسَى اللَّهُ أَنْ يَغْفِرَ عَنْهُمْ﴾ [الآیہ

باب: ”چنانچہ پوری امید ہے کہ اللہ ان کو معاف فرمادے۔“

۳۵۹۸۔ حدثنا أبو نعیم: حدثنا شبان، عن يحيى، عن أبي سلمة، عن أبي هريرة قال: بينا النبي ﷺ يصلي العشاء إذ قال: ((سمع الله لمن حمده))، ثم قال قبل أن يسجد: ((اللهم نج عياش بن أبي ربيعة، اللهم نج سلمة بن هشام، اللهم نج الوليد بن الوليد، اللهم نج المستضعفين من المؤمنين. اللهم اشدد وطأتك على مضر، اللهم اجعلها سنين كسني يوسف)). [راجع: ۷۹۷]

ترجمہ: ابوسلمہ رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ عشاء کی نماز پڑھ رہے تھے کہ آپ نے ”سمع الله لمن حمده“ کے بعد سجدہ سے پہلے اس طرح دعا فرمائی کہ اے اللہ! عیاش بن ابی ربیعہ کو نجات عطا فرما، اے اللہ! سلمہ بن ہشام کو نجات عطا فرما، اے اللہ! ولید بن ولید کو بھی نجات دے، اے اللہ! کمزور مسلمانوں کو نجات عطا فرمادے، اے اللہ! مضر کے کافروں پر اپنی پکڑ سخت کر دے اور اے اللہ! اس سزا کو قحط سالی بنا دے، ایسے قحط میں مبتلا کر جیسا حضرت یوسف رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں طویل قحط آیا تھا۔

آیت کا خلاصہ و فائدہ۔ ہجرت کا حکم

یعنی مسلمان ایسے بھی ہیں کہ دل سے تو سچے مسلمان ہیں مگر کافروں کی حکومت میں ہیں اور ان سے مغلوب ہیں اور کافروں کے خوف سے اسلامی باتوں کو مکمل رنہیں کر سکتے نہ حکم جہاد کی تعمیل کر سکتے ہیں سو ان پر فرض ہے کہ وہاں سے ہجرت کریں۔

اس جگہ میں اسی کا ذکر ہے خلاصہ یہ کہ جو لوگ اپنے اوپر ظلم کرتے ہیں یعنی کافروں کے ساتھ مل کر رہ رہے ہیں اور ہجرت نہیں کرتے تو فرشتے ان سے مرتے وقت پوچھتے ہیں کہ تم کس دین پر تھے وہ کہتے ہیں کہ ہم تو مسلمان تھے مگر بوجہ ضعف و کمزوری کے دین کی باتیں نہ کر سکتے تھے۔ فرشتے کہتے ہیں کہ اللہ ﷻ کی زمین تو بہت وسیع تھی تم یہ تو کر سکتے تھے کہ وہاں سے ہجرت کر جاتے سو ایسوں کا ٹھکانا جہنم ہے۔

البتہ جو لوگ ضعیف ہیں اور عورتیں اور بچے کہ نہ وہ ہجرت کی تدبیر کر سکتے ہیں نہ ان کو ہجرت کا راستہ معلوم ہے، وہ قابل معافی ہیں۔

فائدہ: اس سے یہ معلوم ہو گیا کہ مسلمان جس ملک میں کھلا نہ رہ سکے وہاں سے ہجرت کرنا فرض ہے اور سوائے ان لوگوں کے جو بالکل معذور اور بے بس ہوں اور کسی کو وہاں پڑے رہنے کی اجازت نہیں۔ ۲۵

(۲۲) باب: ﴿وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِنْ كَانَ بِكُمْ أذىٌ مِنْ مَطَرٍ﴾ [۱۰۲] الآية

باب: ”اور اگر تمہیں بارش کی وجہ سے تکلیف ہو تو اس میں بھی تم پر کوئی گناہ نہیں ہے۔“

۴۵۹۹۔ حدیثنا محمد بن مقاتل أبو الحسن: أخبرنا حجاج، عن ابن جریج قال:

أخبرني يعلى، عن سعيد بن جبیر، عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما ﴿إِنْ كَانَ بِكُمْ أذىٌ مِنْ مَطَرٍ أَوْ كُنْتُمْ مَرَضَى﴾ قال عبدالرحمن بن عوف وکان جریجا. ۲۶

۲۵ ولی (تفسیر ابن الجوزی) قال مجاهد: هم قوم أسلموا ولتوا على الإسلام ولم يكن لهم عجلة في الهجرة،

لعددهم اللہ تعالیٰ بقوله: ﴿عَسَى اللّٰهُ أَنْ يَفْعَلَ عَنْهُمْ﴾، عمدة القاری، ج: ۱۸، ص: ۲۷۰، و تفسیر عثمانی، سورة

النساء: ۹۹، فائدہ: ۳.

۲۶ الفردیہ البخاری.

ترجمہ: سعید بن جبیر روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت ﴿إِنْ كَانَ بِكُمْ أذى مِنْ مَطَرٍ أَوْ كُنْتُمْ مَرَضَى﴾ کے بارے میں فرمایا کہ عبدالرحمن بن عوف زخمی ہو گئے تھے۔

ہزار اور خوف کی تدابیر

یعنی اگر بارش یا بیماری اور ضعف کی وجہ سے ہتھیار کا اٹھانا مشکل ہو تو ایسی حالت میں ہتھیار اتار کر رکھ دینے کی اجازت ہے لیکن اپنا بچاؤ کر لینا چاہیے مثلاً زرہ، سپر اور خود ساتھ لے لو۔
فائدہ: اگر دشمنوں کے خوف سے اتنی مہلت بھی نہ ملے کہ نماز خوف بصورت مذکورہ ادا کر سکیں تو جماعت موقوف کر کے تنہا نماز پڑھ لیں پیادہ ہو کر سواری سے اترنے کا موقع بھی نہ ملے تو سواری پر اشارہ سے نماز پڑھ لیں، اگر اس کی بھی مہلت نہ ملے تو پھر نماز کو قضا کر دیں۔ ۷۷

(۲۳) باب قوله: ﴿وَيَسْتَفْتُونَكَ فِي النِّسَاءِ قُلِ اللَّهُ يُفْتِيكُمْ فِيهِنَّ وَمَا يُتْلَىٰ

عَلَيْكُمْ فِي الْكِتَابِ فِي يَتَأَمَى النِّسَاءِ﴾ [۱۲۷]

باب: ”اور (اے پیغمبر!) لوگ تم سے اپنی عورتوں کے بارے میں شریعت کا حکم پوچھتے ہیں۔ کہہ دو کہ اللہ تم کو ان کے بارے میں حکم بتاتا ہے، اور اس کتاب (یعنی قرآن) کی آیتیں جو تم کو پڑھ کر سنائی جاتی ہیں وہ بھی ان یتیم عورتوں کے بارے میں (شرعی حکم بتاتی ہیں)۔“

۳۶۰۰ - حدثنا عبید بن اسماعیل: حدثنا أبو أسامة قال: حدثنا هشام بن عروة، عن ابیه، عن عائشة رضی اللہ عنہما ﴿وَيَسْتَفْتُونَكَ فِي النِّسَاءِ قُلِ اللَّهُ يُفْتِيكُمْ فِيهِنَّ﴾ الی قوله: ﴿وَتَرْغَبُونَ أَنْ تَنْكِحُوهُنَّ﴾ قالت عائشة: هو الرجل تكون عنده الیتیمه هو ولیها و وارثها فاشترکتہ فی مالہ حتی فی العلق لیرغب أن ینکحها ویکره أن یزوجها رجلاً فیشترکہ فی مالہ بما شرکتہ فیعضلها فنزلت هذه الآية. [راجع: ۲۳۹۳]

۷۷ ذکرہ العلامة بدرالدین العینی رحمہ اللہ: ولقد غمض اکثر الشراح اعینہم فی هذا الموضع، ولہما ذکرنا کلامہ

ولہ الحمد. عمدة القاری، ج: ۱۸، ص: ۲۷۱

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ اس آیت ﴿وَيَسْتَفْتُونَكَ فِي النِّسَاءِ قُلِ اللَّهُ يُفْتِيكُمْ فِيهِنَّ﴾ سے مراد وہ آدمی ہے جو کسی یتیم عورت کا وارث ہو، اور اس کے کسی مال میں شریک بھی ہو، اور پھر اس سے نکاح بھی کرنا چاہے، اور دوسرے سے نکاح کرنے کو برا جانے، اس لئے کہ وہ غیر آدمی اس کے مال میں اس کا شریک ہو جائے گا، لہذا اس بنا پر عورت کو دوسرے سے نکاح کرنے سے روکے، چنانچہ اس کیلئے یہ نازل فرمائی گئی۔

رعایت کی صورت میں والی کا یتیم لڑکی سے نکاح کرنا

اس سورت کے اول ﴿وَإِنْ خِفْتُمْ أَنْ لَاتُقْسَطُوا فِي الْيَتَامَى﴾ میں یتیموں کے حق ادا کرنے کی تاکید فرمائی تھی اور فرمایا تھا کہ یتیم لڑکی جس کا والی مثلاً چچا کا بیٹا ہو اگر جانے کہ میں اس کا حق پورا ادا نہ کر سکوں گا تو خود اس لڑکی سے نکاح نہ کرے بلکہ کسی اور سے اس کا نکاح کر دے اور آپ اس کا حمایتی بنا رہے۔

اس پر مسلمانوں نے ایسی عورتوں سے نکاح کرنا موقوف کر دیا تھا مگر تجربہ سے معلوم ہوا کہ بعض جگہ لڑکی کے حق میں یہی بہتر ہے کہ اس کا والی ہی اپنے نکاح میں لائے جیسی رعایت وہ کرے گا غیر نہ کرے گا تب مسلمانوں نے حضور اقدس ﷺ سے نکاح کی اجازت مانگی اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور رخصت مل گئی۔

اور فرمایا کہ وہ جو پہلی ممانعت سنائی گئی تھی وہ خاص اس صورت میں تھی کہ ان کا حق پورا ادا نہ کرو اور یتیموں کے حق ادا کرنے کی تاکید کی گئی تھی اور جو یتیموں کے ساتھ سلوک اور بھلائی کرنے کے ارادہ سے ایسا نکاح کیا جائے تو اجازت ہے۔

فائدہ: عرب کے لوگ عورتوں، بچوں اور یتیموں کو بعض حقوق سے محروم رکھتے تھے میراث نہ دیتے تھے اور کہتے تھے میراث اس کا حق ہے جو دشمنوں سے لڑائی کرے یتیم لڑکیوں سے ان کے اولیاء نکاح کر کے نفقہ اور مہر میں کمی اور ان کے مال میں بیجا تصرف کرتے تھے، چنانچہ ابتدائے سورت میں ان باتوں کی تاکید گزر چکیں۔

اب اس کا خلاصہ یہ ہے کہ واجب الاتباع حکم الہی ہے کسی کی عقل، کسی کا دستور، کسی کا حکم، کسی کی آرزو اور قیاس قابل اعتبار نہیں ہو سکتا، اللہ جل جلالہ کے حکم کے سامنے کسی کی بات سنی اور اللہ جل جلالہ کے حکم کو چھوڑ کر اس پر عمل کرنا صریح کفر اور گمراہی ہے اور اس مضمون کو طرح طرح سے تاکیدات بلیغہ کے ساتھ ظاہر کر کے دکھلایا ہے۔

اب اس کے بعد آیات سابقہ کا حوالہ دے کر بعض اور مسائل عورتوں اور یتیم لڑکیوں کے نکاح کے متعلق بتلائے جاتے ہیں تاکہ ان تاکیدات کے بعد کسی کو عورتوں کے حقوق دینے میں کوئی بات باقی نہ رہے۔

روایت ہے کہ جب عورتوں کے متعلق آپ ﷺ نے حکم میراث ظاہر فرمایا تو بعض عرب کے سردار آپ

کی خدمت میں آئے اور تعجب سے کہا کہ ہم نے سنا ہے کہ آپ بہن، بیٹی کو میراث دلواتے ہیں حالانکہ میراث تو ان کا حق ہے جو دشمنوں سے لڑیں اور غنیمت کا مال لائیں، آپ ﷺ نے فرمایا کہ بے شک اللہ ﷻ کا یہی حکم ہے کہ ان کو میراث دی جائے۔ ۲۸

(۲۴) باب: ﴿وَإِنْ امْرَأَةٌ خَافَتْ مِنْ بَعْلِهَا نُشُوزًا أَوْ إِعْرَاضًا﴾ [۱۲۸]

باب: ”اور اگر کسی عورت کو اپنے شوہر کی طرف سے زیادتی یا بیزاری کا اندیشہ ہو“۔

قال ابن عباس: ﴿شِقَاقٌ﴾ [۳۵]: تفساد ﴿وَأُخْضِرَتِ الْأَنْفُسَ الشُّحَّ﴾ [۱۲۸] قال: هو اه في الشيء يحرم عليه ﴿كَالْمُعَلَّقَةِ﴾ [۱۲۹] لاهى ايم ولا ذات زوج. ﴿نُشُوزًا﴾ بغضا.

ترجمہ و تشریح

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں ”شِقَاقٌ“ معنی ”تفساد“ باہمی فساد اور جنگ ہے۔
﴿وَأُخْضِرَتِ الْأَنْفُسَ الشُّحَّ﴾ اس آیت میں ”الشُّحَّ“ کا مطلب کسی چیز کے لئے حرص و لالچ اور خواہش نفسانی ہے۔

”كَالْمُعَلَّقَةِ“ کا مطلب ہے کہ بچ میں لٹکی ہوئی، وہ عورت جو گویا نہ بیوہ ہو، نہ شوہر والی ہو۔
”نُشُوزًا“ کا مطلب ہے ناراضگی، خفگی اور بغض وغیرہ۔

۳۶۰۱۔ حدثنا محمد بن مقاتل: أخبرنا عبد الله: أخبرنا هشام بن عروة، عن أبيه، عن عائشة رضي الله عنها ﴿وَإِنْ امْرَأَةٌ خَافَتْ مِنْ بَعْلِهَا نُشُوزًا أَوْ إِعْرَاضًا﴾ قالت: الرجل تكون عنده المرأة ليس بمستكثر منها يريد أن يفارقها، فتقول: اجعلك من شالي في حل. فنزلت هذه الآية في ذلك. [راجع: ۲۳۵۰]

۲۸ قولہ تعالیٰ: ﴿قُلْ اللَّهُ يَتَّبِعُكُمْ لَيْلًا﴾ [النساء: ۱۲۷]، ای: فی توریتھن، وکانت العرب لا تورث النساء والعبيان. قولہ: ((وما يتلى عليكم في الكتاب))، ارید بہ ما ذکر لیل هذه الآية وهو قوله تعالى: ﴿وان خفتن الا تقسطوا في اليتيمى فانكحوا ما طاب لكم من النساء﴾ [النساء: ۳] الآية. والذي كتب في النساء هو قوله تعالى: ﴿في يمتي النساء التي الخ﴾ الآية. عمدة القاری، ج: ۱۸، ص: ۲۷۲

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اس آیت ﴿وَإِنْ امْرَأَةٌ خَافَتْ مِنْ بَعْلِهَا نُشُوزًا أَوْ إِعْرَاضًا﴾ کے بارے میں بیان کیا کہ ایک آدمی اپنی بیوی سے اچھا برتاؤ و محبت نہیں کرتا تھا، اور چاہتا تھا کہ اس کو الگ کر دے، عورت نے کہا، اچھا میں اپنا (نان نفقہ، مہر) معاف کئے دیتی ہوں (مگر تم مجھے طلاق مت دو)، اس وقت یہ آیت نازل فرمائی گئی (یعنی تم آپس میں صلح کر لو، یہی اچھی بات ہے)۔

عورت کا مہر یا نفقہ معاف کرنا

اگر کوئی عورت خاوند کا دل اپنے سے پھرا دیکھے اور اس کو خوش اور متوجہ کرنے کو اپنے مہر یا نفقہ وغیرہ میں سے کچھ چھوڑ کر اس کو راضی کر لے تو اس مصالحت میں کسی ذمہ کچھ گناہ نہیں زوجین میں مصالحت اور موافقت بہت ہی اچھی بات ہے۔

البتہ بے وجہ عورت کو تنگ کرنا اور بلا رضا اس کے مال میں تصرف کرنا گناہ ہے۔ ۲۹

(۲۵) باب: ﴿إِنَّ الْمَنَافِقِينَ فِي الدُّرُكِ الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ﴾ [۱۳۵]

باب: ”یقین جانو کہ منافقین جہنم کے سب سے نچلے طبقے میں ہوں گے“۔

قال ابن عباس: أسفل النار. ﴿نَفَقًا﴾ [الأنعام: ۳۵]: سربا۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہاں ”أسفل النار“ مراد ہے یعنی آگ کا سب

سے نچلا حصہ۔

”نَفَقًا“ بمعنی ”سربا“ سرنگ کے ہیں۔

۳۶۰۲۔ حدثنا عمر بن حفص: حدثنا أبي: حدثنا الأعمش قال: حدثني إبراهيم،

عن الأسود قال: كنا في حلقة عبد الله فجاء حديفة حتى قام علينا فسلم ثم قال: لقد أنزل

النفاق على قوم خير منكم، قال الأسود: سبحان الله، إن الله يقول: ﴿إِنَّ الْمَنَافِقِينَ فِي

الدُّرُكِ الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ﴾ فتبسم عبد الله وجلس حديفة في ناحية المسجد. فقام عبد الله

فتفرق أصحابه فرمالي بالحصاء، فأتيته فقال حديفة: عجبت من ضحكة وقد عرف

ماقلت، لقد أنزل النفاق على قوم كانوا خيرا منكم ثم تابوا لكتاب الله عليهم. ۱۰۰
ترجمہ: اسود سے روایت ہے کہ ہم لوگ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، کہ اتنے
میں ایک صحابی حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ آئے، ہمارے پاس کھڑے ہوئے اور سلام کیا، پھر فرمایا کہ نفاق ایسی
چیز ہے جو تم سے اچھے لوگوں کی جماعت پر نازل ہو چکی ہے، اسود نے (راوی نے ذرا تعجب سے) کہا سبحان اللہ،
اللہ تعالیٰ تو فرماتا ہے کہ ﴿إِنَّ الْمَنَّافِقِينَ فِي الذُّرْبِ الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ﴾ تو اس پر حضرت عبداللہ بن
مسعود رضی اللہ عنہ مسکرائے، اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ اٹھ کر مسجد کے ایک گوشے میں بیٹھ گئے۔ اس کے بعد حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ
بھی اٹھ گئے اور ان کے شاگرد بھی ادھر ادھر منتشر ہو گئے، پھر حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے ایک کنکری میرے طرف
پھینکی، میں ان کے پاس آیا اور تو حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں (عبداللہ بن مسعود) کے مسکرانے سے تعجب
میں پڑ گیا، کیونکہ جو کچھ میں نے کہا، وہ انہوں نے اچھی طرح سمجھ لیا، بیشک نفاق اس قوم پر آیا تھا جو تم سے بہتر تھی،
لیکن پھر انہوں نے توبہ کی، تو اللہ تعالیٰ نے ان کی خطا کو معاف کر دیا۔

نفاق سے برأت اور توبہ کا حکم

حضرت اسود بن یزید رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ہم حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے حلقہ درس میں بیٹھے
ہوئے تھے کہ اتنے میں حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ آئے اور ہمارے پاس کھڑے ہو کر سلام کیا۔
پھر فرمانے لگے کہ ”لقد أنزل النفاق على قوم خیر منکم“ نفاق ایسی قوم پر نازل کیا گیا تھا یعنی
ان کو نفاق میں مبتلا کیا گیا تھا جو لوگ تم سے بہتر تھے۔

روی حضرت اسود بن یزید رحمہ اللہ نے اس پر تعجب سے کہا کہ ”سبحان اللہ“ منافقین ہم سے بہتر کیسے
ہو گئے؟ جہاں اللہ تعالیٰ ان کے بارے میں فرماتا ہے کہ ﴿إِنَّ الْمَنَّافِقِينَ فِي الذُّرْبِ الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ﴾ یعنی
منافقین جہنم کے سب سے نچلے حصے میں ہوں گے اور آپ کہہ رہے ہیں کہ وہ ہم سے بہتر ہیں۔
”لتبسم عبد اللہ“ تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس بات پر تبسم فرمایا یعنی وہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ
کا مطلب سمجھ گئے تھے اور ”وجلس حذیفہ فی ناحية المسجد“ پھر حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ مسجد کے گوشے میں
جا کے بیٹھ گئے۔

۱۰۰ رقم مسیح مسلم، کتاب التفسیر، رقم: ۳۰۱، وسنن الترمذی، أبواب تفسیر القرآن، باب ومن سورة المائدة، رقم:

۳۰۴۳، و، سند احمد، مسند المشرقة المبشرين بالجنة، مسند الخلفاء الراشدين، أول مسند عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ، رقم: ۱۸۸

”لقام عبد اللہ فتفرق أصحابہ“ اور پھر حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اٹھ کر چلے گئے اور ان کے شاگرد بھی منتشر ہو گئے، ”لرومانی بالحصا“ تو حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے میری طرف ایک کنگر متوجہ کرنے، بلانے کیلئے پھینکا اور اپنے پاس بلایا، تو میں ان کے پاس گیا۔

پھر حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ”عجبت من ضحکة وقد عرف ما قلت“ مجھے عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے ہنسنے سے تعجب ہوا، کیونکہ جو کچھ میں نے کہا اس کا مطلب وہ سمجھ گئے تھے اور میں نے یہ کہا تھا کہ ”لقد أنزل النفاق علی قوم کالواخیرا منکم“ نفاق ایسی قوم پر نازل ہوا جو تم سے بہتر تھی یعنی جو لوگ نفاق میں مبتلا ہوئے تھے وہ بہتر تھے، کیونکہ وہ خیر القرون کے لوگ تھے۔

”ثم تابوا لتاب اللہ علیہم“ پھر انہوں نے اس سے توبہ کر لی اور پھر اللہ ﷻ نے ان کی توبہ قبول کر لی تو وہ چونکہ حضور اقدس ﷺ کے زمانے کے لوگ تھے، لہذا تم سے بہتر تھے خاص طور پر وہ جب انہوں نے توبہ کر لی تو تم سے بہتر ہی تھے اس لئے میں نے کہا تھا۔

(۲۶) باب قوله: ﴿إِنَّا أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ كَمَا أَوْحَيْنَا إِلَى نُوحٍ﴾ الی قوله:

﴿وَيُونُسَ وَهَارُونَ وَسُلَيْمَانَ﴾ [۱۶۳]

اس ارشاد کا بیان کہ: ”(اے پیغمبر!) ہم نے تمہارے پاس اسی طرح وحی بھیجی ہے جیسے نوح پر بھیجی تھی“ آخر آیت تک۔

وحی کے ادوار

اہل کتاب، مشرکین مکہ اور جملہ کفار قرآن مجید کی حقانیت اور صداقت میں طرح طرح سے بیہودہ شبہات پیدا کرتے، اس موقع میں یہی کہہ دیا کہ جیسے تو ریت سب کی سب ایک دفعہ اتری تھی ایسے ہی تم بھی ایک کتاب آسمان سے لا دو تو ہم تم کو سچا جانیں بقول شخصے۔

خوئے بدر ابہانہ بسیار سو۔

اللہ ﷻ نے اس جگہ چند آیتیں نازل فرما کر اس کی حقیقت واضح کر دی اور وحی کی عظمت اور کفار کے سب خیالات اور شبہات بیہودہ کو رد کر دیا اور وحی الہی کی متابعت کو عامۃ اور قرآن مجید کی اطاعت کو تخصیص کے ساتھ بیان فرما کر بتلا دیا کہ حکم الہی کا ماننا سب پر فرض ہے کسی کا کوئی عذر اس میں نہیں چل سکتا جو اس کے تسلیم

کرنے میں تردید یا تاثر یا انکار کرے وہ گمراہ اور بے دین ہے۔ اب یہاں سے تحقیقی جواب دیا جاتا ہے۔ اس سے معلوم ہو گیا کہ وحی خاص اللہ ﷻ کا حکم اور اس کا پیام ہے جو پیغمبروں پر بھیجا جاتا ہے، انبیاء سابقین پر جیسے وحی الہی نازل ہوئی ویسے ہی حضرت محمد ﷺ پر بھی اللہ ﷻ نے اپنی وحی بھیجی تو جس نے اس کو مانا اس کو بھی ضرور ماننا چاہیے اور جس نے اس کا انکار کیا وہ گویا ان سب کا منکر ہو گیا۔

اور حضرت نوح علیہ السلام اور ان سے پچھلوں کے ساتھ مشابہت کی وجہ شاید یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے وقت سے جو وحی شروع ہوئی تو اس وقت بالکل ابتدائی حالت تھی، حضرت نوح علیہ السلام پر اس کی تکمیل ہو گئی گویا اول حالت محض تعلیمی حالت تھی، حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ میں وہ حالت پوری ہو کر اس قابل ہو گئی کہ ان کا امتحان لیا جائے اور فرمانبرداروں کو انعام اور نافرمانوں کو سزا دی جائے۔

چنانچہ انبیاء اولوالعزم کا سلسلہ بھی حضرت نوح علیہ السلام سے ہی شروع ہوا اور وحی الہی سے سرتابی کرنے والوں پر بھی اول عذاب حضرت نوح علیہ السلام کے وقت سے شروع ہوا۔

خلاصہ یہ کہ پہلے حکم الہی اور انبیاء کی مخالفت پر عذاب نازل نہیں ہوتا تھا بلکہ انکو معذور سمجھ کر ان کو ڈھیل دی جاتی تھی اور سمجھانے ہی میں کوشش کی جاتی تھی، حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ میں جب مذہبی تعلیم خوب ظاہر ہو چکی اور لوگوں کو حکم خداوندی کی متابعت کرنے میں کوئی نفاذ باقی نہ رہا تو اب نافرمانوں پر عذاب نازل ہوا۔

اول حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ میں طوفان آیا، اس کے بعد حضرت یعقوب علیہ السلام، حضرت صالح علیہ السلام، حضرت شعیب علیہ السلام وغیرہ کے زمانہ میں کافروں پر قسم قسم کے عذاب آئے تو آپ ﷺ کی وحی کو حضرت نوح علیہ السلام اور ان سے پچھلوں کی وحی کے ساتھ تشبیہ دینے میں اہل کتاب اور مشرکین مکہ کو پوری تنبیہ کر دی گئی کہ جو آپ ﷺ کی وحی یعنی قرآن کو نہ مانے گا وہ عذاب عظیم کا مستحق ہوگا۔ ۱۱

۴۶۰۳ - حدثنا مسدد: حدثنا يحيى، عن سفیان قال: حدثني الأعمش، عن أبي وائل، عن عبد الله عن النبي ﷺ قال: ((ما ينبغي لأحد أن يقول: أنا خير من يونس ابن متى)). [راجع: ۳۴۱۲]

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کسی کیلئے یہ بات مناسب نہیں ہے وہ یہ کہے کہ میں یونس بن متی (علیہ السلام) سے بہتر ہوں۔

۴۶۰۴ - حدثنا محمد بن سنان: حدثنا فليح: حدثنا هلال، عن عطاء بن يسار، عن أبي هريرة رضي الله عنه عن النبي ﷺ قال: ((من قال: أنا خير من يونس بن متى، فقد كذب)). [راجع: ۳۴۱۵]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جس نے یہ کہا کہ میں یونس بن متی سے بہتر ہوں، تو اس نے جھوٹ بولا۔

(۲۷) باب: ﴿يَسْتَفْتُونَكَ قُلِ اللَّهُ يُفْتِيكُمْ فِي الْكَلَالَةِ إِنَّ أَمْرًا هَلَكَ لَيْسَ لَهُ وَوَلَدٌ وَلَهُ أُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ وَهُوَ يَرِيهَا إِنْ لَمْ يَكُنْ لَهَا وَوَلَدٌ﴾ [۱۷۶]

باب: ”(اے پیغمبر!) لوگ تم سے (کلالہ کا حکم) پوچھتے ہیں۔ کہہ دو کہ اللہ تمہیں کلالہ کے بارے میں حکم بتاتا ہے۔ اگر کوئی شخص اس حال میں مر جائے کہ اس کی اولاد نہ ہو، اور اس کی ایک بہن ہو تو وہ اس کے تر کے میں سے آدھے کی حق دار ہوگی۔ اور اگر اس بہن کی کوئی اولاد نہ ہو (اور وہ مر جائے، اور اس کا بھائی زندہ ہو) تو وہ اس بہن کا وارث ہوگا۔

کلالہ کی تفسیر

شروع سورت میں آیت میراث میں کلالہ کی میراث کا ذکر گزر چکا ہے اسکے بعد جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس کے متعلق زیادہ تفصیل پوچھنی چاہی تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

”کلالہ“ کے معنی کمزور اور ضعیف، یہاں وہ شخص مراد ہے جس کے وارثوں میں باپ اور اولاد میں سے کوئی نہ ہو جیسا کہ پہلے بیان ہوا، کیونکہ اصلی وارث والد اور ولد ہی ہیں جس کے یہ نہیں تو اس کے حقیقی بھائی بہن کو بیٹا بیٹی کا حکم ہے اور اگر حقیقی نہ ہوں تو یہی حکم سوتیلوں کا ہے جو کہ باپ میں شریک ہوں ایک بہن ہو تو آدھا اور دو بہن ہوں تو دو تہائی اور اگر بھائی اور بہن دونوں ہیں تو مرد کو دوہرا حصہ اور عورت کو اکہر ملے گا اور اگر فقط بھائی ہوں بہن کوئی نہ ہو تو وہ بہن کے مال کے وارث ہوں گے یعنی ان کا کوئی حصہ معین نہیں، کیونکہ وہ عصبہ ہیں جیسا کہ آیت میں آگے یہ سب صورتیں مذکور ہیں۔

اب باقی رہ گئے وہ بھائی بہن جو صرف ماں میں شریک ہوں جن کو اخیانی کہتے ہیں سوان کا حکم شروع سورت میں فرمادیا گیا ان کا حصہ معین ہے یعنی اگر مرد مر گیا اور اس نے ایک بہن چھوڑی، نہ بیٹا چھوڑا نہ باپ تو اس کو میراث میں نصف مال ملے گا۔

اور اگر اسکے برعکس ہو یعنی کوئی عورت لا ولد مر گئی اور اس نے بھائی اعیانی یا علاتی چھوڑا تو وہ بہن کے مال کا وارث ہوگا کیونکہ وہ عصبہ ہے اور اگر اس نے لڑکا چھوڑا تو بھائی کو کچھ ملے گا اور لڑکی چھوڑی تو لڑکی سے جو

بچے گا وہ اس بھائی کو ملے گا اور بھائی یا بہن اخیانی چھوڑے گی تو اس کے لئے چھٹا حصہ معین ہے جیسا کہ ابتداء سورت میں ارشاد ہوا۔

والکلالۃ من لم یرثہ اب او ابن، وهو مصدر من تکللہ النسب.

ترجمہ: کلالہ وہ شخص ہے جس کے ورثاء میں سے نہ باپ ہونہ بیٹا ہو، اور کلالہ مصدر ہے تکللہ النسب کا۔

۴۶۰۵ - حدثنا سلیمان بن حرب: حدثنا شعبة، عن أبي إسحاق: سمعت البراء

رضی اللہ عنہ قال: آخر سورة نزلت براءة، و آخر آية نزلت ﴿يَسْتَفْتُونَكَ قُلِ اللَّهُ يُفْتِيكُمْ فِي الْكُلَالَةِ﴾. [راجع: ۴۳۶۳]

ترجمہ: ابواسحاق کہتے ہیں میں نے سنا کہ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرما رہے تھے کہ سب سے آخر میں

جو سورت نازل ہوئی، وہ سورۃ براء ہے، اور آخر میں جو آیت اتری وہ یہ آیت ہے: ﴿يَسْتَفْتُونَكَ قُلِ اللَّهُ يُفْتِيكُمْ فِي الْكُلَالَةِ﴾۔

تشریح

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کا خیال ہے کہ قرآن کی آخری آیت ﴿يَسْتَفْتُونَكَ قُلِ اللَّهُ يُفْتِيكُمْ

فِي الْكُلَالَةِ﴾ ہے۔

کسی نے کہا ہے کہ آخری آیت ﴿الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ﴾ [المائدہ: ۳] ہے۔

اور کسی نے کہا کہ ﴿وَاتَّقُوا يَوْمًا تُزْجَعُونَ فِيهِ إِلَى اللَّهِ﴾ [البقرہ: ۲۸۱] آخری آیت ہے۔

یہ سب تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔

تینوں صورتوں میں تطبیق

ان تینوں میں تطبیق کی صورت یہ ہے کہ:

﴿يَسْتَفْتُونَكَ قُلِ اللَّهُ يُفْتِيكُمْ فِي الْكُلَالَةِ﴾ حضرت براء رضی اللہ عنہ کا کہنے کا منشا یہ ہے کہ اس آیت

میں میراث کے معاملے میں آخری آیت یہی نازل ہوئی تھی، مطلق آخر میں نازل ہونا مراد نہیں ہے

﴿الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ﴾ آخری احکام والی آیت ہے جو نازل ہوئی ہے۔

اور جس نے ﴿وَاتَّقُوا يَوْمًا تُزْجَعُونَ فِيهِ إِلَى اللَّهِ﴾ کہا ہے جیسے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ

عنہما تو ان کی مراد یہ ہے باقاعدہ واقعاً آخری آیت۔

(۵) سورة المائدة

سورة مائدہ کا بیان

بسم الله الرحمن الرحيم

وجہ تسمیہ

اس سورة کو "سورة المائدة" کہتے ہیں، اس لئے کہ اس میں "مائدہ" کا ذکر ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوا تھا۔ اس کا نام "سورة العقود" بھی ہے، چونکہ اس کی پہلی آیت میں ایقانے عہود کا حکم ہے۔ لفظ "مائدہ" کے معنی ہیں وہ دسترخوان جس پر کھانا ہو، لیکن اگر دسترخوان پر کھانا موجود نہ تو اس کو "مائدہ" نہیں کہا جائے، جیسا کہ علامہ عینی رحمہ اللہ نقل کرتے ہیں کہ "مائدہ" فاعلہ کے وزن پر ہے بمعنی مفعولہ جیسے "عیشۃ راضیۃ" بمعنی "مرضیۃ" ہے۔ ۱

سورة المائدہ کا نزول

حضرت اسماء بنت یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کی اونٹنی عشاء کی تکمیل تھامے ہوئی تھی کہ آپ پر سورہ پوری نازل ہوئی قریب تھا کہ اس بوجھ سے اونٹنی کے بازو ٹوٹ جائیں۔ ۲

حضرت جبیر بن نفیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں حج کے لئے گیا وہاں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے مجھ سے فرمایا تم سورہ مائدہ پڑھا کرتے ہو؟ میں نے کہا جی ہاں! تو آپ نے فرمایا کہ سنو سب سے آخر یہی سورت نازل ہوئی اس میں جس چیز کو حلال پاؤ اس کو حلال ہی سمجھو اور اس میں جس چیز کو حرام پاؤ حرام ہی جانو۔ ۳

۱۔ عمدة القاری، ج: ۱۸، ص: ۲۷۹

۲۔ مسند احمد، الملحق المستدرک من مسند الأنصار بقية خامس عشر الأنصار، من حديث أسماء بنت يزيد رضي

الله عنها، رقم: ۲۷۵۷۵

۳۔ المستدرک علی الصحیحین للحاکم، کتاب التفسیر.....، تفسیر سورة المائدة، رقم: ۲۳۱۰

(۱) باب

یہ باب بلا عنوان ہے۔

﴿وَأَنْتُمْ حُرْمٌ﴾ [۱] واحدها حرام ﴿لَبِئْسَ لِقَاضِيهِمْ مِيثَاقُهُمْ﴾ [۱۳] بنقضهم ﴿الَّذِي كَتَبَ اللَّهُ﴾ [۱]: جعل الله. ﴿كِبُوءٌ﴾ [۲۹]: تحمل.
 ﴿ذَائِرَةٌ﴾: دولة. وقال غيره: الاغراء: التسليط، ﴿أَجُوزَهُنَّ﴾ [۵]: مهورهن.
 المهيمن: الامين. القرآن امين على كل كتاب قبله.
 وقال سفيان: مالى القرآن آية اشد على من ﴿لَسْتُمْ عَلَى شَيْءٍ حَتَّى تُقِيمُوا التَّوْرَةَ وَالْإِنْجِيلَ وَمَا أَنْزَلْنَا إِلَيْكُمْ مِنْ رَبِّكُمْ﴾.
 ﴿مَخْمَصَةٌ﴾ مجاعة. ﴿مَنْ أَحْيَاهَا﴾ لمن من حرم قتلها الا بحق حيي الناس منه
 جميعا ﴿خِزْعَةٌ وَمِنْهَا جَاءَ سَبِيلًا وَسَنَةً﴾.
 ﴿فَإِنْ غَيْرَ﴾ ظهر ﴿الْأَوْلِيَانِ﴾ واحدهن اولى.

ترجمہ و تشریح

”حرم“ کا واحد ”حرام“ ہے، یعنی احرام کی حالت۔
 ”لَبِئْسَ لِقَاضِيهِمْ“ کا معنی ہے ان کے عہد توڑنے کی وجہ۔
 ”كَتَبَ اللَّهُ“ کا معنی ”جعل الله“ یعنی اللہ نے مقرر کر دیا ہے۔
 ”كِبُوءٌ“ کا معنی ہے تو بوجہ اٹھائے۔
 ”ذَائِرَةٌ“ گردش زمانہ، مصیبت۔
 ”الْاِغْرَاءُ“ کے معنی ہے مسلط کر دینا۔
 ”أَجُوزَهُنَّ“ کے معنی ہیں ان کے حق مہر۔
 ”المهيمن“ کے معنی امانتدار، قرآن گویا انکی کتابوں کا محافظ ہے۔

حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ کہتے ہیں میرے خیال میں پورے قرآن میں میرے لئے اس سے زیادہ کوئی سخت اور شدید تر آیت نہیں ہے ﴿لَسْتُمْ عَلَى شَيْءٍ حَتَّى تُقِيمُوا التَّوْرَةَ وَالْإِنْجِيلَ وَمَا أَنْزَلْنَا

إِنِّكُمْ مِنْ رَبِّكُمْ﴾ -

”مَخْمَصَةٌ“ کے معنی سخت بھوک کے ہیں۔

”مَنْ أَحْبَبَهَا“ کے معنی ہیں، جس نے بغیر کیسی شرعی حق کے کسی قتل انسانی کو حرام جانا۔

”شُرْعَةٌ“ شریعت کو کہتے ہیں ”مِنْهَا جَاءَ“ سنت محمدی ﷺ کو کہتے ہیں۔

”فَإِنْ غَيَّرَ“ یعنی ظاہر ہوا، ”الْأُولِيَانِ“ اس کا واحد اولی ہے۔

(۲) باب قوله: ﴿الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ﴾ [۳]

باب: ”آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا ہے“۔

وقال ابن عباس: ﴿مَخْمَصَةٌ﴾ [۳]: مجاعة.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ”مَخْمَصَةٌ“ کے معنی سخت بھوک کے ہیں۔

۳۶۰۶ - حدثني محمد بن بشار: حدثنا عبدالرحمن: حدثنا سفيان، عن قيس،

عن طارق بن شهاب: قالت اليهود لعمر: إنكم تقرؤن آية لو نزلت فينا لامتخذناها عيداً،

فقال عمر: إني لأعلم حيث أنزلت، وأين أنزلت. وأين رسول الله ﷺ حيث أنزلت، يوم

عرفة وإنا والله بعرفة.

قال سفيان: وأشك كان يوم الجمعة أم لا؟ ﴿الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ﴾.

[راجع: ۳۵]

ترجمہ: طارق بن شہاب روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر ؓ سے یہودیوں نے کہا کہ یہ آیت جو تم

پڑھتے ہو، گہماریے متعلق نازل ہوتی / ہمارے درمیاں نازل ہوتی تو ہم اس دن کو عید کا دن بنا لیتے۔ حضرت عمر

ؓ نے جواب دیا کہ میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ یہ آیت کب کہاں اور کس وقت نازل ہوئی تھی اور رسول اللہ

ؓ کہاں رونق افروز تھے؟ اللہ کی قسم! جب یہ آیت نازل ہوئی وہ عرفہ کا دن اور ہم میدان عرفات میں تھے۔

سفيان کہتے ہیں کہ مجھے شک ہے کہ وہ جمعہ کا دن تھا یا نہیں؟ ﴿الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ﴾ - ج

ج مزید تفصیل کیلئے دیکھئے: انعام الباری شرح صحیح البخاری، جلد: ۱، ص: ۵۳۲، کتاب الايمان، رقم الحديث: ۴۵،

تفسیر طبری، ج: ۶، ص: ۸۳، فتح الباری، ج: ۱، ص: ۱۰۵، وعمدة القاری، ج: ۱۲، ص: ۵۶۶

(۳) باب قوله: ﴿فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا﴾ [۶]

باب: ”اور تمہیں پانی نہ ملے تو پاک مٹی سے تیمم کرو۔“

﴿تَيَمَّمُوا﴾ تعمّدوا، ﴿آمَنَ﴾ [۲] عامدین، اُمتت وتيممت واحد۔
وقال ابن عباس: ﴿لَمَسْتُمْ﴾ [النساء: ۴۳]، و﴿تَمَسُّوْهُنَّ﴾ [البقرة: ۲۳۶]، ﴿وَالَّذِينَ
دَخَلْتُمْ بِهِنَّ﴾ [النساء: ۴۳]، والافضاء: النكاح.

ترجمہ و تشریح

”تَيَمَّمُوا“ بمعنی ”تعمّدوا“ یعنی تم قصد کرو، ارادہ کرو۔
”آمَنَ“ بمعنی ”عامدین“ یعنی قصد و ارادہ کرنے والے۔
”اُمتت وتيممت“ ان دونوں کا معنی ایک ہی ہے قصد کرنا، کسی کام کا ارادہ کرنا۔
حضرت عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ”لَمَسْتُمْ“ اور ”تَمَسُّوْهُنَّ“ اور ”دَخَلْتُمْ بِهِنَّ“
”الافضاء“ ان سب الفاظ کے معنی ایک ہی ہیں نکاح یعنی جماع روٹی کرنا۔

۳۶۰۷۔ حدثنا اسماعيل قال: حدثني مالك، عن عبد الرحمن بن القاسم، عن
أبيه، عن عائشة رضي الله عنها زوج النبي ﷺ قالت: خرجنا مع رسول الله ﷺ في بعض أسفاره
حتى إذا كنا بالبيداء أو بيدات الجيش القطع عقد لي. فأقام رسول الله ﷺ على التماسه وأقام
الناس معه وليسوا على ماء وليس معهم ماء، فأتى الناس إلى أبي بكر الصديق فقالوا: ألا
تري ما صنعت عائشة أقامت برسول الله ﷺ وبالناس وليسوا على ماء وليس معهم ماء؟
فجاء أبو بكر ورسول الله ﷺ واضع رأسه على فخذي قد نام، فقال: حبست رسول الله ﷺ
والناس وليسوا على ماء وليس معهم ماء. قالت عائشة: فعاتبني أبو بكر وقال ما شاء الله
أن يقول وجعل يطعنني بيده في خاصرتي، ولا يمنعني من التحرك إلا مكان رسول الله ﷺ
على فخذي. فقام رسول الله ﷺ حين أصبح على غير ماء فأنزل الله آية التيمم. فقال أسيد
بن حضير: ما هي بأول بركتكم يا آل أبي بكر. قالت: لمعنا البعير الذي كنت عليه فإذا
العقد تحته. [راجع: ۳۳۳]

ترجمہ: ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نبی کریم ﷺ کی زوجہ مطہرہ فرماتی ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ ایک سفر میں گئے، جب ہم مقام بیداء میاذاذات الخیش کے مقام پر پہنچے، تو میرا ہار کہیں گم ہو گیا، تو رسول اللہ ﷺ اسی جگہ ٹھہر گئے، اور لوگ بھی ٹھہر گئے ہار ڈھونڈنے لگے، اور یہ جگہ ایسی تھی کہ پانی کہیں نام و نشان نہیں تھا، اور نہ ان لوگوں کے پاس پانی موجود تھا، کچھ لوگ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس آ کر کہنے لگے کہ کیا آپ نہیں دیکھ رہے ہیں عائشہ کیا کر رہی ہیں؟ کہ ان کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ اور دوسرے سب لوگوں کو رکنا پڑا ہے، اور نہ اس جگہ پر پانی موجود ہے، اور نہ ہی ان کے پاس پانی ہے۔ پھر ابو بکر صدیق میرے پاس آئے، اُس وقت رسول اللہ ﷺ میری ران پر سر رکھے ہوئے سو رہے تھے، اور کہنے لگے کہ اے عائشہ! تم نے رسول اللہ ﷺ کو اور تمام لوگوں کو ایسی جگہ روک دیا ہے کہ جہاں قریب میں پانی بھی دستیاب نہیں ہے، اور نہ ہی پانی ان کے پاس موجود ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ابو بکر مجھ سے بہت ناراض ہوئے، جو اللہ کو منظور تھا وہ کہا، اور انہوں نے میری کوکھ پر انگلی بھی ماری تھی، میں اس لئے خاموش ہو رہی کہ میری ران پر سر رکھے ہوئے سو رہے تھے۔ جب صبح کے وقت رسول اللہ ﷺ نیند سے بیدار ہوئے تو پانی موجود نہیں تھا، اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت یعنی آیت تیمم نازل فرمائی۔ حضرت اسید بن خضیر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اے ابو بکر کے خاندان والو! یہ سب کچھ تم لوگوں کی کوئی پہلی برکت نہیں ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ جب میرا اونٹ کھڑا ہوا تو ہار اس کے نیچے سے برآمد ہوا اور مجھے مل گیا۔

ہار گم ہونے کا واقعہ اور نزول تیمم

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں میں ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ سفر کو گئی، جب ہم مقام بیداء میں پہنچے تو میرا ہار کہیں گم ہو گیا، چنانچہ رسول اللہ ﷺ اسی جگہ ٹھہر گئے اور لوگ ہار ڈھونڈنے لگے اور یہ جگہ ایسی تھی کہ پانی کا کہیں نام و نشان نہیں تھا، اور ساتھ میں بھی پانی موجود نہ تھا۔ کچھ لوگ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس آ کر کہنے لگے کہ یہ عجیب بات ہوئی ہے کہ عائشہ کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ اور دوسرے سب لوگوں کو رکنا پڑا اور نہ یہاں پانی پر ہیں، اور نہ ہی لوگوں کے پاس پانی موجود ہے۔

اس وقت رسول اللہ ﷺ میری ران پر سر رکھے ہوئے سو رہے تھے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ آئے اور کہنے لگے کہ اے عائشہ! تم نے رسول اللہ ﷺ کو اور تمام لوگوں کو ایسی جگہ روک دیا ہے کہ جہاں پانی بھی دستیاب نہیں ہے اور نہ ہی ان کے پاس پانی موجود ہے، اور پھر مجھے سخت سخت کہا۔ میں اس لئے خاموش ہو رہی کہ رسول اللہ ﷺ

میری ران پر سر رکھ کر سو رہے تھے، حالانکہ انہوں نے میری کوکھ میں انگلی بھی ماری تھی۔
آخر صبح کو رسول اللہ ﷺ بیدار ہوئے، مگر پانی موجود نہ تھا اس وقت اللہ ﷻ نے یہ آیت تیمم نازل فرمائی ﴿فَلَمَّ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا﴾۔

حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اے ابو بکر کے خاندان والو! اس آیت کے نزول کا سبب حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی اولاد کی بزرگی اور کرامت ہے، آخر میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب میرا اونٹ کھڑا ہوا تو ہمارا اس کے نیچے سے برآمد ہوا اور مجھے مل گیا۔

۳۶۰۸۔ حدثنا يحيى بن سليمان قال: حدثني ابن وهب قال: أخبرني عمرو بن عبد الرحمن بن القاسم حدثه عن أبيه، عن عائشة رضي الله عنها: سقطت قلادة لي بالبدياء ولحن داخلون المدينة، فإناخ النبي ﷺ ونزل فنقى رأسه لي حجري والذءاء، أقبل أبو بكر فلكنزني لكزة شديدة وقال: حبست الناس لي قلادة لبي الموت لمكان رسول الله ﷺ وقد أوجعني، لم أن النبي ﷺ استيقظ وحضرت الصبح، فالتمس الماء فلم يوجد، فنزلت ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ﴾ الآية، فقال أسيد بن حضير: لقد بارك الله للناس فيكم يا آل أبي بكر، ما أنتم إلا بركة لهم. [راجع: ۳۳۳]

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ہم مدینہ کی طرف واپس آرہے تھے کہ راستہ میں مقام بیداء میں میرا ہار گم ہو گیا، جب نبی کریم ﷺ کو معلوم ہوا تو آپ نے اپنی اونٹنی کو بٹھا دیا، اور اسی جگہ اتر گئے اور اور اپنا سر مبارک میری گود میں رکھ کر آرام کرنے لگے، تھوڑی دیر میں میرے باپ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ آئے اور میرے سینہ پر زور سے ہاتھ مار کر کہا کہ تم نے سب لوگوں کو ایک ہار کی وجہ سے یہاں روک کر بڑی پریشانی میں ڈال دیا ہے، مجھے بڑی تکلیف ہوئی، مگر آنحضرت ﷺ کے خیال سے برداشت کر گئی، اور خاموش رہی۔ جب نبی کریم ﷺ صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہوئے اور صبح کا وقت ہوا تو پانی طلب کیا، مگر پانی موجود نہ تھا، چنانچہ اس وقت یہ آیت ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ﴾ آخر تک نازل ہوئی، اس موقع پر اسید بن حضیر نے کہا کہ اے اولاد ابو بکر! تم لوگوں کیلئے باعث برکت و رحمت ہو، کیونکہ تمہاری وجہ سے آیت تیمم نازل ہوئی۔

حدیث باب میں تیمم کا حکم اور معذوری کی صورتیں

حالت جنابت میں نماز کا نہ پڑھنا تا وقتیکہ غسل نہ کر لے، یہ حکم اس صورت میں ہے کہ جب کوئی عذر نہ ہو۔ ہاں اگر کوئی ایسا عذر پیش آئے کہ پانی کے استعمال سے معذوری ہو اور طہارت کا حاصل کرنا ضروری ہو تو

ایسے وقت میں زمین سے تیمم کر لینا کافی ہے۔

اب پانی کے استعمال سے معذوری کی تین صورتیں بتلائیں گئی ہیں:

ایک ایسی بیماری کہ اس میں پانی ضرور نقصان کرتا ہے۔

دوسری یہ کہ سفر درپیش ہے، پانی اتنا موجود ہے وضو کر لے تو پیاس سے ہلاک ہونے کا اندیشہ ہے

اور دور دور تک پانی نہ ملے گا۔

تیسری یہ کہ پانی بالکل موجود ہی نہیں اس پانی موجود نہ ہونے کی صورت کے ساتھ دو صورتیں طہارت

کے ضروری ہونے کی بیان فرمائیں:

ایک یہ کہ کوئی قضائے حاجت سے فارغ ہو کر آیا اس کو وضو کی حاجت ہے۔

دوسری یہ کہ عورت سے صحبت کی ہو تو اس کو غسل کی ضرورت ہے۔

تیمم کا طریقہ اور حکمت

تیمم کا طریقہ یہ ہے کہ پاک زمین پر دونوں ہاتھ مارے پھر سارے منہ پر اچھی طرح مل لے پھر دونوں ہاتھ زمین پر مار کر دونوں ہاتھوں کو کہنیوں تک مل لے۔

مٹی طاہر، پاک ہے اور بعض چیزوں کے لئے مثل پانی کے مطہر پاک کرنے والی بھی ہے، مثلاً خف، تلواری، آئینہ وغیرہ اور جو نجاست زمین پر گر کر خاک ہو جاتی ہے وہ بھی پاک ہو جاتی ہے۔

نیز ہاتھ اور چہرہ پر مٹی ملنے میں تذلل و عجز بھی پورا ہے جو گناہوں سے معافی مانگنے کی اعلیٰ صورت ہے، سو جب مٹی ظاہری و باطنی دنوں طرح کی نجاست کو زائل کرتی ہے تو اس لئے بوقت معذوری پانی کی قائم مقام کی گئی ہے۔

اس کے سوا مقضائے آسانی و سہولت جس پر حکم تیمم مبنی ہے یہ ہے کہ پانی کی قائم مقام ایسی چیز کی جائے جو پانی سے زیادہ سہل الوصول ہو سوز مین کا ایسا ہونا ظاہر ہے، کیونکہ وہ سب جگہ موجود ہے، ساتھ ہی یہ خاک

انسان کی اصل ہے اور اپنی اصل کی طرف رجوع کرنے میں گناہوں اور خرابیوں سے بچاؤ ہے۔

جیسا کہ قرآن کریم میں بیان کیا گیا ہے روز قیامت کافر بھی آرزو کریں گے کہ ہم کسی طرح خاک میں

مل جائیں۔ ۵

۵ تفسیر عثمانی، سورہ نساء: ۳۳، سورہ مائدہ: ۶۰ - وانعام الباری شرح صحیح البخاری، ج: ۲، ص: ۵۱۹، کتاب التیمم، رقم

(۴) باب قوله: ﴿فَاذْهَبْ أَنْتَ وَرَبُّكَ لِقَابِلَا إِنَّا هَاهُنَا قَاعِدُونَ﴾ [۲۴]

باب: ”(اگر ان سے لڑنا ہے تو) بس تم اور تمہارا رب چلے جاؤ، ہم تو یہیں بیٹھے ہیں۔“

بنی اسرائیل کی حکم عدولی

اس آیت متذکرہ میں اس کا بیان ہے کہ اس کے باوجود بنی اسرائیل نے اپنی معروف سرکشی اور کج طبعی کی وجہ سے اس حکم کو بھی تسلیم نہ کیا، بلکہ حضرت موسیٰ عليه السلام سے کہا کہ اے موسیٰ! اس ملک پر تو بڑے ہی زبردست قوی لوگوں کا قبضہ ہے، ہم تو اس زمین میں اس وقت تک داخل نہ ہوں گے جب تک وہ لوگ وہاں قابض ہیں، ہاں وہ کہیں اور چلے جائیں تو بے شک ہم وہاں جا سکتے ہیں۔

واقعہ اس کا جو ائمہ تفسیر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور عکرمہ اور علی ابی طلحہ وغیرہ رحمہم اللہ جمعین سے منقول ہے، وہ یہ ہے کہ اس وقت ملک شام اور بیت المقدس پر قوم عمالقہ کا قبضہ تھا، جو قوم عاد کی کوئی شاخ اور بڑے ذلیل ڈول اور بیت ناک قد و قامت کے لوگ تھے، جن سے جہاد کر کے بیت المقدس فتح کرنے کا حکم حضرت موسیٰ عليه السلام اور ان کی قوم کو ملا تھا۔

حضرت موسیٰ عليه السلام حکم خداوندی کی تعمیل کیلئے اپنی قوم بنی اسرائیل کو ساتھ لیکر ملک شام کی طرف روانہ ہوئے، جانا بیت المقدس پر تھا۔ جب نہر اردن سے پار ہو کر دنیا کے قدیم ترین شہر ایریحا پہنچے تو یہاں قیام فرمایا اور بنی اسرائیل کے بارہ سرداروں کو آگے بھیجا تاکہ وہ ان لوگوں کے حالات اور محاذ جنگ کی کیفیات معلوم کر کے آئیں جو بیت المقدس پر قابض ہیں اور جن سے جہاد کرنے کا حکم ملا ہے۔

یہ حضرات بیت المقدس پہنچے تو شہر سے باہر ہی قوم عمالقہ کا کوئی آدمی مل گیا اور وہ اکیلا ان سب کو گرفتار کر کے لے گیا، بادشاہ کے سامنے پیش کیا کہ یہ لوگ ہم سے جنگ کرنے کے قصد سے آئے ہیں۔ شاہی دربار میں مشورہ ہوا کہ ان سب کو قتل کر دیا جائے یا کوئی دوسری سزا دی جائے۔

بالآخر رائے اس پر ٹھہری کہ ان کو آزاد کر دیں تاکہ یہ اپنی قوم میں جا کر عمالقہ کی کی قوت و شوکت کے ایسے یعنی گواہ ثابت ہوں کہ کبھی ان کی طرف رخ کرنے کا خیال بھی دل میں نہ لائیں۔

بہر حال بنی اسرائیل کے بارہ سردار جب قوم عمالقہ کی قید سے رہا ہو کر اپنی قوم کے پاس مقام ایریحا پہنچے، تو حضرت موسیٰ عليه السلام سے اس عجیب و غریب قوم اور اس کی ناقابل قیاس قوت و شوکت کا ذکر کیا۔ حضرت

موسیٰ عليه السلام کے قلب پر تو ان کی باتوں کا ذرہ برابر بھی اثر نہ ہوا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی فتح و کامیابی کی بشارت سنادی تھی۔

حضرت موسیٰ عليه السلام تو ان کی قوت و شوکت کا حال سن کر اپنی جگہ کوہ استقامت بنے ہوئے تھے، اقدام جہاد کی فکر میں لگے رہے۔ مگر خطرہ یہ ہو گیا کہ بنی اسرائیل کو اگر حریفِ مقابل کی اس بے پناہ طاقت کا علم ہو گیا تو یہ لوگ پھسل جائیں گے۔ اس لئے ان بارہ سرداروں کو ہدایت فرمائی کہ قومِ عمالقہ کے یہ حالات بنی اسرائیل کو ہرگز نہ بتائیں، بلکہ راز رکھیں۔

مگر اس راز کا پھیل جانا قدرتی امر تھا، بنی اسرائیل میں جب ان حالات کی خبریں شائع ہونے لگیں تو رونے، پیٹنے اور کہنے لگے کہ اس سے تو اچھا یہی تھا کہ قومِ فرعون کی طرح ہم بھی غرقِ دریا ہو جاتے، وہاں سے بچا لاکر ہمیں یہاں مردایا جا رہا ہے۔

حضرت موسیٰ عليه السلام چونکہ فتح کی بشارت سن چکے تھے اور اس پر کامل یقین ہونے کی وجہ سے ان کو تسلی دی، مگر بنی اسرائیل حضرت موسیٰ عليه السلام کی بات نہ سنی اور بھونڈے انداز میں کہا کہ

﴿لَا ذَهَبَ أَنتَ وَرَبُّكَ فَقَابِلًا إِنَّا هَاهُنَا قَاعِدُونَ﴾

ترجمہ: (اگر ان سے لڑنا ہے تو) بس تم اور تمہارا رب چلے

جاؤ، ہم تو یہیں بیٹھے ہیں۔ ۱

۳۶۰۹۔ حدیثنا ابو نعیم: حدیثنا اسرائیل، عن مخارق، عن طارق بن شہاب: سمعت

ابن مسعود رضی اللہ عنہ، قال: شهدت من المقداد، ح؛

وحدیثی حمدان بن عمر: حدیثنا أبو النضر: حدیثنا الأشجع، عن سفیان، عن

مخارق، عن طارق، عن عبد اللہ قال: قال المقداد یوم بدر: یا رسول اللہ انا لانقول لک

کما قالت بنو اسرائیل لموسیٰ ﴿لَا ذَهَبَ أَنتَ وَرَبُّكَ فَقَابِلًا إِنَّا هَاهُنَا قَاعِدُونَ﴾ ولكن امض

ولنحکم معک، لکالہ سوری عن رسول اللہ ﷺ.

وراه وکیع، عن سفیان، عن مخارق، عن طارق أن المقداد قال ذلک للنبی ﷺ.

[راجع: ۳۹۵۲]

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ غزوہ بدر کے موقع پر حضرت مقداد رضی اللہ عنہ کہنے لگے

اے اللہ کے رسول! ہم آپ کو اس طرح ہرگز نہیں کہیں گے جس طرح بنی اسرائیل کی طرح نے موسیٰ عليه السلام سے کہا

تھا ﴿فَاذْهَبْ أَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَابِلًا إِنَّا هَاهُنَا قَاعِذُونَ﴾ لیکن ہم ایسا کہیں گے کہ آپ فکر مت کیجئے، ہم ہر حال میں آپ کے ساتھ ہیں، اس بات سے رسول اللہ ﷺ کو بڑی مسرت حاصل ہوئی۔ اور کعب نے یہ حدیث روایت کی سفیان سے، انہوں نے مخارق سے، اور انہوں نے طارق سے کہ حضرت مقدادؓ نے نبی کریم ﷺ سے یہ فرمایا تھا۔ ۷

(۵) باب: ﴿إِنَّمَا جَزَاءُ الَّذِينَ يُحَارِبُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ

فَسَادًا﴾ [۳۳]

باب: ”جو لوگ اللہ اور اسکے رسول سے لڑائی کرتے اور زمین میں فساد مچاتے پھرتے ہیں“۔

المحاربة لله: الكفر به.

ترجمہ: اے اللہ سے جنگ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اس کا انکار کرنا۔

محاربه اور فساد فی الارض کی تفصیل

اس مقام پر پہلی بات قابل غور یہ ہے کہ اللہ اور رسول کے ساتھ محاربه اور زمین میں فساد کا کیا مطلب ہے اور کون لوگ اس کے مصداق ہیں؟

لفظ ”محاربه - حرب“ سے ماخوذ ہے، اس کے اصل معنی سلب کرنے اور چھین لینے کے ہیں اور محاورات میں یہ لفظ ”سِلْم“ کے بالقابل استعمال ہوتا ہے، جس کے معنی امن اور سلامتی کے ہیں۔

معلوم ہوا کہ حرب کا مفہوم بد امنی پھیلانا ہے اور ظاہر ہے کہ اکاؤڈ کا چوری یا قتل و غارت گری سے امن عامہ سلب نہیں ہوتا، بلکہ یہ جیسی ہوتی ہے کوئی طاقتور جماعت رہزنی اور قتل و غارت گری پر کھڑی ہو جائے۔

اسی لئے فقہائے کرام نے اس سزاء کا مستحق صرف اس جماعت یا فرد کو قرار دیا ہے جو مسلح ہو کر عوام پر ڈاکے ڈالے، اور حکومت کے قانون کو قوت کے ساتھ توڑنا چاہے، جس کو دوسرے الفاظ میں ڈاکو یا باغی کہا جاسکتا ہے، عام انفرادی جرائم کو نیا لے چور، گرہ کٹ وغیرہ اس میں داخل نہیں ہیں۔

۷ حضرت مقداد بن اسودؓ کی ولولہ انگیز تقریر اور غزوہ بدر کی تفصیل کیلئے ملاحظہ فرمائیں: انعام الہاری شرح صحیح البخاری - کتاب

دوسری بات یہاں یہ قابل غور ہے کہ اس آیت میں محاربہ کو اللہ اور رسول کی طرف منسوب کیا ہے حالانکہ ڈاکو یا بغاوت کرنے والے جو مقابلہ یا محاربہ کرتے ہیں وہ انسانوں کے ساتھ ہوتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کوئی طاقت ور جماعت جب طاقت کے ساتھ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے قانون کو توڑنا چاہے تو اگرچہ ظاہر میں اس کا مقابلہ عوام اور انسانوں کے ساتھ ہوتا ہے لیکن درحقیقت اس کی جنگ حکومت کے ساتھ ہے اور اسلامی حکومت میں جب قانون اللہ اور رسول کا نافرمان ہو تو یہ محاربہ بھی اللہ و رسول ہی مقابلہ میں کہا جائے گا۔ ۵

۴۶۱۰ - حدثنا علی بن عبد اللہ: حدثنا محمد بن عبد اللہ الأنصاری: حدثنا ابن عون قال: حدثني سلمان أبو رجاء مولى أبي قلابه، عن أبي قلابه: أنه كان جالسا خلف عمر بن عبد العزيز فذكروا وذكروا، فقالوا وقالوا: قد أفادت بها الخلفاء. فالتفت إلى أبي قلابه وهو خلف ظهره فقال: ما تقول يا عبد الله بن زيد؟ أو قال: ما تقول يا أبا قلابه؟ قلت: ما علمت نفسا حل قتلها في الإسلام إلا رجل زنى بعد إحصان، أو قتل نفسا بغير نفس، أو حارب الله ورسوله ﷺ. فقال عبسة: حدثنا أنس بكذا وكذا، قلت: إياي حدث أنس، قال: قدم قوم على النبي ﷺ فكلّموه فقالوا: قد استوخمنا هذه الأرض، فقال: ((هذه نعم لنا تخرج لترعى فما خرجوا فيها فاشربوا من ألبانها وأبو الهاء))، فخرجوا فيها فاشربوا من ألبانها وألبانها واستصحبوا ومالوا على الراعي فقتلوه واطردوا النعم فما يستبطن من هؤلاء، قتلوا النفس وحاربوا الله ورسوله وخوفوا رسول الله ﷺ؟ فقال: سبحان الله. فقلت: تهمني؟ قال: حدثنا بهذا أنس قال: وقال: يا أهل كذا إنكم لن تزالوا بخير ما بقى الله هذا فيكم، ومثل هذا. [راجع: ۲۳۳]

ترجمہ: سلمان ابو رجاء روایت کرتے ہیں کہ ابو قلابہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے پاس ان کی پشت کی جانب بیٹھا ہوا تھا کہ کچھ لوگوں نے (قسامت کا) ذکر چمڑ دیا اور کہا کہ اس (قسامت) میں قصاص لازم ہوگا، کیونکہ خلفاء راشدین نے بھی اس میں قصاص کا حکم دیا، پھر حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ ابو قلابہ کی طرف متوجہ ہوئے جو کہ ان کے پیچھے بیٹھے ہوئے تھے، عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے ان سے کہا کہ اے عبداللہ بن زید! تم اس بارے میں کیا کہتے ہو؟ یا یوں کہا اے ابو قلابہ! اس معاملہ میں تم کیا کہتے ہو؟ انہوں نے کہا میرا نہیں خیال ہے کہ سوائے تین لوگوں کے اسلام میں کسی اور کا قتل جائز ہو، اول جو

شادی شدہ ہو کر زنا کا ارتکاب کرے، دوم جس نے ناحق کسی انسان کو قتل کیا ہو، سوم وہ جس نے اللہ اور رسول کے ساتھ جنگ کی ہو (یعنی کفر کیا ہو)۔ یہ بات سن کر عنبہ بن سعید کہنے لگے ہم سے تو حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے اس طرح حدیث بیان کی تھی، پھر یہ حدیث بیان فرمائی کہ (قبیلہ عرینہ کے) کچھ آدمی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور کہنے لگے کہ مدینہ کی آب و ہوا موافق نہیں آئی اور بد ہضمی ہو گئی ہے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ ہمارے یہ اونٹ چرنے کے لئے جنگل میں جا رہے ہیں تم بھی ان کے ساتھ چلے جاؤ، اور ان کا دودھ اور پیشاب پیو۔ چنانچہ وہ لوگ چلے گئے اور اونٹوں کا دودھ اور پیشاب (بطور علاج) پیا تو تندرست ہو گئے پھر انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چرواہے کو قتل کر ڈالا اور اونٹ لے کر بھاگ گئے۔ کیا ایسے لوگوں کے قتل میں کوئی تامل ہو سکتا ہے کہ انہوں نے ایک آدمی کو مار دیا، اللہ اور رسول سے لڑے، اور نافرمانی کی اور اس طرح انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خوف زدہ کیا؟، یہ سن کر عنبہ نے سبحان اللہ کہا، میں نے کہا کیا آپ مجھ کو جھٹلاتے ہو؟ انہوں نے کہا بلکہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث مجھ سے بھی بیان کی ہے (مجھے تعجب ہوا کہ آپ کو حدیث خوب یاد رکھتی ہے)، ابو قلابہ کہتے ہیں کہ اس کے بعد عنبہ نے کہا اے اہل شام تم ہمیشہ خوش رہو گے، جب تم میں یہ (ابو قلابہ) یا ان جیسے عالم موجود رہیں گے۔

وضاحت

یہ روایت ان شاء اللہ تعالیٰ قسامت کے باب میں آرہی ہے، وہاں تفصیل آجائے گی، یہاں یہ روایت بالکل مجمل ہے جس کی تفسیر بالکل سمجھ میں نہیں آتی، لیکن وہاں پر بالکل واضح ہو جائے گی ان شاء اللہ تعالیٰ۔ ۹

(۶) باب قوله: ﴿وَالْجُرُوحَ قِصَاصًا﴾ [۳۵]

باب: ”اور زخموں کا بھی (اسی طرح) بدلہ لیا جائے“۔

اس آیت کا پس منظر میں یہ ہے کہ مدینہ منورہ میں یہودیوں کے دو قبیلے آباد تھے، ایک بنو قریظہ اور دوسرا بنو نضیر۔ بنو نضیر کے لوگ مالی اعتبار سے مضبوط تھے اور بنو قریظہ کے لوگ مالی اعتبار سے انکے مقابلے میں کمزور تھے۔

اگر چہ دونوں یہودی تھے، مگر بنو نضیر نے ان کی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر ان سے یہ ظالمانہ اصول طے کر لیا تھا کہ اگر بنو نضیر کا کوئی آدمی بنو قریظہ کے کسی شخص کو قتل کرے گا تو قاتل سے جان کے بدلے جان کے اصول پر قصاص نہیں لیا جائے گا، بلکہ وہ خون بہا کے طور پر ستر و سق کھجوریں دے گا، (وسق ایک بیہ نہ تھا جو تقریباً پانچ من دس سیر کا ہوتا تھا)، اور بنو قریظہ کا کوئی آدمی بنو نضیر کے کسی شخص کو قتل کرے گا تو نہ صرف قاتل کو قصاص میں قتل کیا جائے گا، بلکہ اس سے خون بہا بھی لیا جائے گا اور وہ بھی دس ڈنگا۔

جب آنحضرت ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے تو ایک واقعہ ایسا پیش آیا کہ قریظہ کے کسی شخص نے بنو نضیر کے ایک آدمی کو قتل کر دیا۔ بنو نضیر نے جب اپنی سابق قرارداد کے مطابق قصاص اور خون بہا دونوں کا مطالبہ کیا تو قریظہ کے لوگوں نے اسے انصاف کے خلاف قرار دیا اور تجویز پیش کی کہ فیصلہ آنحضرت ﷺ سے کرایا جائے، کیونکہ اتنا وہ بھی جانتے تھے کہ آپ کا دین انصاف کا دین ہے۔

جب قریظہ کے لوگوں نے زیادہ اصرار کیا تو بنو نضیر نے کچھ منافقین کو مقرر کیا کہ وہ آنحضرت ﷺ سے غیر رسمی طور پر آپ کا عندیہ معلوم کریں، اور اگر عندیہ بنو نضیر کے حق میں ہو تو فیصلہ ان سے کرائیں، ورنہ ان سے فیصلہ نہ لیں۔ چنانچہ اس پس منظر میں یہ آیت نازل ہوئی اور اس سے معلوم ہوا کہ تورات نے واضح طور پر فیصلہ دیا ہوا ہے کہ جان کے بدلے لینی ہے، اور اس لحاظ سے بنو نضیر کا مطالبہ سراسر ظالمانہ اور تورات کے خلاف ہے۔ ۱۰

۳۶۱۱۔ حدیثی محمد بن سلام: أخبرنا الفزازی، عن حمید، عن انس ؓ قال:

كسرت الربيع وهي عمه انس بن مالك ثنية جارية من الأنصار فطلب القوم القصاص فأتوا النبي ﷺ فأمر النبي ﷺ بالقصاص، فقال انس بن النضر عم انس بن مالك: لا والله لا تكسر منها يا رسول الله. فقال رسول الله ﷺ: ((يا انس كتاب الله القصاص))، فرضى القوم وقلبوا الأرض. فقال رسول الله ﷺ: ((إن من عباد الله من لو ألقى على الله لأبره)).

[راجع: ۲۷۰۳]

ترجمہ: حضرت انس بن مالک ؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک دفعہ میری پھوپھی ربیع نے ایک انصاریہ کے دو دانت توڑ ڈالے، تو اس کی قوم والوں نے قصاص کا مطالبہ کیا اور نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو نبی کریم ﷺ نے قصاص کا حکم صادر فرمایا۔ تو حضرت انس بن نضر ؓ نے انس بن مالک کے چچا، کہنے لگے کہ اے اللہ کے رسول! اللہ کی قسم ان کے دانت ہرگز نہیں توڑے جاسکتے، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے انس! کتاب اللہ کا حکم تو قصاص ہے۔ پھر انصاریہ کے رشتہ دار راضی ہو گئے اور دیت لینا منظور کر لیا۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا

کہ اللہ ﷻ کے بہت سے نیک بندوں میں سے جب کوئی کسی بات کی قسم کھا لیتا ہے، تو اللہ ﷻ اس کی بات کو پورا کر دیتا ہے (اور اسے جھوٹا نہیں ہونے دیتا)۔

(۷) باب: ﴿يَا أَيُّهَا الرُّسُلُ بَلِّغْ مَا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ﴾ [۶۷]

باب: ”اے رسول! جو کچھ تمہارے رب کی طرف سے تم پر نازل کیا گیا ہے اس کی تبلیغ کرو“۔

تبلیغ کی تاکید اور آنحضرت ﷺ کو تسلی

اس آیت سے پہلے یہود و نصاریٰ کی کج روی و بے راہی اور ضد و ہٹ دھرمی اور مخالف اسلام سازشوں کا ذکر چل رہا تھا، اس کا ایک اثر طبعی طور پر بقاضائے بشریت یہ بھی ہو سکتا تھا کہ آنحضرت ﷺ اس سے مایوس ہو جائیں یا مجبور ہو جائیں جس کی وجہ سے تبلیغ و رسالت میں کچھ کمی ہو جائے، اور دوسرا اثر یہ بھی ہو سکتا تھا کہ آپ مخالفت اور دشمنی اور ایذا رسانی کی پرواہ کئے بغیر تبلیغ رسالت میں لگے رہیں اور اس کے نتیجے میں آپ کو دشمنوں کے ہاتھ سے تکالیف و مصائب کا سامنا ہو۔

اس لئے اس آیت میں ایک طرف تو رسول اللہ ﷺ کو یہ تاکید حکم دیا گیا کہ جو کچھ آپ پر اللہ ﷻ کی طرف سے نازل کیا جائے وہ سب بغیر کسی جھجک کے لوگوں تک پہنچادیں، کوئی بُرا مانے یا بھلا، مخالفت کرے یا قبول کرے۔

۳۶۱۲ - حدثنا محمد بن يوسف: حدثنا سفیان، عن اسماعیل، عن الشعبي، عن مسروق، عن عائشة رضی اللہ عنہا قالت: من حدثك أن محمداً ﷺ كتم شيئاً مما أنزل عليه فقد كذب، والله يقول: ﴿يَا أَيُّهَا الرُّسُلُ بَلِّغْ مَا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ﴾ الآية. [راجع: ۳۲۳۴]

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جو آدمی یہ بات کہے کہ محمد ﷺ نے خدا کے کسی حکم کو چھپا لیا ہے جو آپ پر نازل ہوا ہے تو وہ کاذب و جھوٹا ہے، اللہ ﷻ نے فرمادیا ہے کہ ﴿يَا أَيُّهَا الرُّسُلُ بَلِّغْ مَا أُنزِلَ إِلَيْكَ﴾۔

۱۱ بھیل آیات میں اہل کتاب کی شرارت، کفر اور یہ کاریوں کا ذکر کر کے تورات، انجیل، قرآن اور کتب سماویہ کی اقامت کی ترغیب دی گئی تھی، آئندہ ﴿لَنْ يَأْتِيَنَّكَ الْكِتَابُ لَسْتَ عَلَىٰ حَقٍّ﴾ سے اہل کتاب کے مجمع میں اعلان کرنا چاہئے ہیں کہ اس ”اقامت“ کے بدون تمہاری مذہبی زندگی بالکل مفرا رلاشے ہے محض ہے ﴿يَا أَيُّهَا الرُّسُلُ بَلِّغْ مَا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ﴾ میں . . . ﴿بِقِرْمَانِ الْكَلْبِ﴾ . . .

(۸) باب قوله: ﴿لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللَّهُ بِاللَّغْوِ فِي أَيْمَانِكُمْ﴾ [۸۹]

باب: ”اللہ تمہاری لغو قسموں پر تمہاری پکڑ نہیں کرے گا“۔

..... ﴿گذشتہ سے پیوستہ﴾ اسی دونوں اعلان کیلئے حضور ﷺ کو تیار کیا گیا ہے، یعنی آپ ﷺ پر جو کچھ پروردگار کی طرف سے اتارا جائے خصوصاً اس طرح کے فیصلہ کن اعلانات آپ بے خوف و خطر اور بلا تامل پہنچاتے رہے، اگر بالفرض وہ حال کسی ایک چیز کی تبلیغ میں بھی آپ سے کوتاہی ہوئی تو بحیثیت رسول (خدا کی پیغامبر) ہونے کی رسالت و پیغام رسانی کا جو منصب جلیل آپ کو تفویض ہوا ہے سمجھا جائیگا کہ آپ نے اس کا حق کچھ بھی ادا نہ کیا۔ بلاشبہ نبی کریم ﷺ کے حق میں فریضہ تبلیغ کی انجام دہی پر پیش از پیش ثابت قدم رکھنے کے لئے اس سے بڑھ کر کوئی مؤثر عنوان نہ ہو سکتا تھا، آپ ﷺ میں، بائیس سال تک جس بے نظیر اولوالعزمی، جانفشانی، مسلسل جدوجہد اور صبر و استقلال سے فرض رسالت و تبلیغ کو ادا کیا، وہ اس کی واضح دلیل تھی کہ آپ ﷺ کو دنیا میں ہر چیز سے بڑھ کر اپنے فرض منصبی (رسالت و بلاغ) کی اہمیت کا احساس ہے۔

حضور ﷺ کے اس احساس قوی اور تبلیغی جہاد کو ملحوظ رکھتے ہوئے وظیفہ تبلیغ میں مزید استحکام و ہمت کی تاکید کے موقع پر مؤثر ترین عنوان یہ ہی ہو سکتا تھا کہ حضور ﷺ کو ”ہا ایہا الرسول“ سے خطاب کر کے صرف اتنا کہہ دیا جائے کہ اگر بالفرض حال تبلیغ میں ادنیٰ سی کوتاہی ہوئی تو سمجھو کہ آپ اپنے فرض منصبی کے ادا کرنے میں کامیاب نہ ہوئے، اور ظاہر ہے کہ آپ کی تمام تر کوششوں اور قربانیوں کا مقصد وحید ہی یہ تھا کہ آپ خدا کے سامنے فرض رسالت کی انجام دہی میں اعلیٰ سے اعلیٰ کامیابی حاصل فرمائیں لہذا یہ کسی طرح ممکن ہی نہیں کہ کسی ایک پیغام کے پہنچانے میں بھی ذرا سی کوتاہی کریں، عموماً یہ تجربہ ہوا ہے کہ فریضہ تبلیغ ادا کرنے میں انسان چند وجوہ سے مقصر رہتا ہے، یا تو اسے اپنی فرض کی اہمیت کا کافی احساس اور شغف نہ ہو یا لوگوں کی عام مخالفت سے نقصان شدید پہنچنے یا کم از کم بعض فوائد کے فوت ہونے کا خوف ہو اور یا مخالفین کے عام تہر و طغیان کو دیکھتے ہوئے جیسا کہ پچھلی اور اگلی آیات میں اہل کتاب کی نسبت بتلایا گیا ہے، تبلیغ کے مشر اور بیچ ہونے سے مایوسی ہو۔

پہلی وجہ کا جواب ”ہا ایہا الرسول“ سے ”لما بلغت رسالته“ تک دوسری کا ﴿وَاللَّهُ يَغْفِرُكَ مِنَ النَّاسِ﴾ میں اور تیسری کا ﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ﴾ میں دیدیا گیا، یعنی تم اپنا فرض ادا کئے جاؤ اللہ ﷻ آپ کی جان اور عزت و آبرو کی حفاظت فرمانے والا ہے وہ تمام روئے زمین کے دشمنوں کو بھی آپ کے مقابلہ پر کامیابی کی راہ نہ دکھلا گا، باقی ہدایت و ضلالت خدا کے ہاتھ میں ہے، ایسی قوم جس نے کفر و انکار ہی پر کمر باندھ لی ہے اگر راہ راست پر نہ آئی تو تم غم نہ کرو اور نہ مایوس ہو کر اپنے فرض کو چھوڑ دو۔

نبی کریم ﷺ نے اس ہدایت ربانی اور آئین آسانی کے موافق است کو ہر چھوٹی بڑی چیز کی تبلیغ کی، نوع انسانی کے عوام و خواص میں سے جو بات، جس طبقہ کے لائق اور جس کی استعداد کی مطابق تھی، آپ نے بلا کم و کاست اور بے خوف و خطر پہنچا کر خدا کی حجت بندوں پر تمام کر دی، اور وفات سے دو، وحاتی مینے پہلے حجۃ الوداع کے موقع پر، جہاں چالیس ہزار سے زائد خادمان اسلام اور عاشقان تبلیغ کا اجتماع تھا، آپ نے علی رؤس الاشہاد اعلان فرما دیا کہ ”اے خدا تو گواہ رہ میں (حیرت امانت) پہنچا چکا۔ (تفسیر عثمانی، سورہ مائدہ، آیت: ۶۷، فائدہ نمبر: ۷)

یمین لغو سے مراد

لغو قسموں سے مراد ایک تو وہ قسمیں ہیں جو قسم کھانے کے ارادے کے بغیر محض مجاورے اور تکیہ کلام کے طور پر کھالی جاتی ہیں، اور دوسرے وہ قسمیں بھی لغو کی تعریف میں داخل ہیں جو ماضی کے کسی واقعے پر سوچ سمجھ کر کھائی گئی ہوں، مگر بعد میں معلوم ہو کہ جس بات کو سچ سمجھا تھا وہ سچ نہیں تھی۔

اس قسم کی قسموں پر نہ کوئی گناہ ہوتا ہے اور نہ کوئی کفارہ واجب ہوتا ہے، البتہ بلا ضرورت قسم کھانا کوئی اچھی بات نہیں ہے، اس لئے ایک مسلمان کو اس سے احتیاط کرنی چاہئے۔ ۱۲

۴۶۱۳۔ حدثنا علی بن مسلمة: حدثنا مالک بن سعیر: حدثنا هشام، عن ابیه، عن عائشة رضي الله عنها: أنزلت هذه الآية ﴿لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللَّهُ بِاللَّغْوِ فِي أَيْمَانِكُمْ﴾ في قول الرجل: لا والله، وبلى والله. [النظر: ۶۶۶۳] ۱۳

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ یہ آیت ﴿لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللَّهُ بِاللَّغْوِ فِي أَيْمَانِكُمْ﴾ اس آدمی کے متعلق نازل فرمائی گئی ہے جو اپنی عادت سے مجبور ہو کر بلا قصد قسم کھاتا ہو، جیسے لوگ والد اور باللہ باتیں کرتے ہوئے کہا کرتے ہیں۔

۴۶۱۴۔ حدثنا أحمد بن أبي رجاء: حدثنا النضر، عن هشام قال: أخبرني أبي، عن عائشة رضي الله عنها: ان أبها كان لا يحث في يمين حتى أنزل الله كفارة اليمين. قال أبو بكر: لا أرى يمينا أرى غيرها خيرا منها إلا قبلت رخصة الله وفعلت الذي هو خير. [النظر: ۶۶۲۱] ۱۴

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا روایت کرتی ہیں کہ میرے والد ابو بکر ؓ اپنی قسم کے خلاف کبھی نہیں کیا کرتے تھے (یعنی کبھی نہیں توڑتے تھے)، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے کفارہ الیمین کی یہ آیت نازل ہوئی، چنانچہ حضرت ابو بکر ؓ نے فرمایا کہ اس کے بعد میں نے ہر اس قسم کو توڑ دیا جس میں میں نے بھلائی دیکھی اور کفارہ ادا کر دیا اور اچھے کام کو اختیار کیا۔

۱۲ آسان ترجمہ قرآن، سورۃ المائدہ، آیت: ۸۹، حاشیہ: ۵۹، ج. ۱، ص: ۳۶۳

۱۳ ولعی سنن ابی داؤد، کتاب الایمان والصلو، باب لغو الیمین، رقم: ۳۲۵۳

۱۴ انفراد بہ البخاری.

(۹) باب قوله تعالى: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ لَا تُحَرِّمُوا طَيِّبَاتِ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكُمْ﴾ [۸۷]
 ارشاد باری تعالیٰ کا بیان کہ: ”اے ایمان والو! اللہ نے تمہارے لئے جو پاکیزہ چیزیں
 حلال کی ہیں ان کو حرام قرار نہ دو۔“

۳۶۱۵۔ حدثنا عمرو بن عون: حدثنا خالد، عن اسماعيل، عن قيس، عن عبد الله
 قال: كنا لغزو مع النبي ﷺ وليس معنا نساء فقلنا: ألا نختصي؟ فنهانا عن ذلك
 فرخص لنا بعد ذلك ان نعزوج المرأة بالشوب ثم قرأ ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ لَا تُحَرِّمُوا طَيِّبَاتِ مَا
 أَحَلَّ اللَّهُ لَكُمْ﴾. [النظر: ۵۰۷۱، ۵۰۷۵] ۱۵

ترجمہ: حضرت عبد اللہ ﷺ بیان کرتے ہیں کہ ہم نبی کریم ﷺ کے ساتھ جہاد پر گئے اور عورتیں ہمارے
 ساتھ نہیں تھیں، ہم نے (خواستہ سے مجبور ہو کر) عرض کیا کہ ہم خسی نہ ہو جائیں؟ تو آپ ﷺ نے ہمیں ایسا
 کرنے سے منع فرمایا، پھر ہمیں اس بات کی اجازت دی کہ ہم کسی عورت سے کپڑے کے عوض نکاح کر لیں، پھر
 آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ لَا تُحَرِّمُوا طَيِّبَاتِ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكُمْ﴾۔ ۱۶

۱۵ وفي صحيح مسلم، كتاب الحج، باب لذب من رأى امرأة فرغت فى نفسه، الى أن يأتى امرأته أو جارية فبولعها،
 رقم: ۱۴۰۳، ومسنده أحمد، مسند العكرين من الصحابة، مسند عبد الله بن مسعود، رقم: ۳۶۵۰، ۳۷۰۶،
 ۳۹۸۶، ۴۱۱۳

۱۶ پچھلے رکوع میں یہود نصاریٰ کے جو فضاخ بیان کئے گئیں سمجھنے والوں کے نزدیک ان کا خلاصہ دو چیزیں تھیں یعنی یہود کا لذات شہوات دنیا اور حرام
 خوری میں انہماک جو ”تفریط فی الدین“ کا سبب ہوا، اور نصاریٰ کا دین میں غلو اور افراط جو آخر کار رہبانیت وغیرہ پر تھمی ہوا، بلاشبہ رہبانیت جسے
 دیندازی یا روحانیت کا ہیضہ کہنا چاہئے، نیت و نثائے اصلی کے اعتبار سے فی الجملہ محمود ہو سکتی تھی اسی لئے ﴿ذَلِكَ بِأَنَّ مِنْهُمْ قِسِيْنَ وَزُهَّانَا
 وَأَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُونَ﴾۔ [المائدة: ۸۲] کو من وجہ معرض مدح میں پیش کیا گیا۔

لیکن چونکہ اس طرح کا تجرد ترک دنیا، اس مقصد عظیم اور قانون قدرت کے راستہ میں حائل تھا جو فاطر عالم نے عالم کی تخلیق میں مری رکھا
 ہے اس لئے وہ عالم گیر نہ ہو جاوے اور پر تمام بنی نوع انسان کی فلاح دارین اور اصلاح معاش و معاد کا متکفل ہو کر آیا ہے ضروری تھا کہ اس طرح
 کے مبتدیانہ طریق عبادت پر سختی سے نکتہ چینی کرے کوئی آسانی کتاب آج تک ایسی جامع، معتدل، فطری تعلیم انسانی ترقیات کے ہر شعبہ کے متعلق پیش
 نہیں کر سکتی، جو قرآن کریم نے ان دو آیتوں میں پیش کی ہے۔۔۔ ﴿بقیہ ماشیہ اگلے نسطے پر﴾۔

(۱۰) باب قوله: ﴿إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ رَجِسٌ مِّنْ

عَمَلِ الشَّيْطَانِ﴾ [۹۰]

اس ارشاد کا بیان کہ: ”شراب، جوا، بتوں کے تھان اور جوئے کے تیر، یہ سب ناپاک شیطانی کام ہیں۔“

زمانہ جاہلیت کا جوئے اور فال کے طریقے

جاہلیت کے زمانے میں ایک طریقہ یہ تھا کہ مشترکہ اونٹ ذبح کر کے اس کا گوشت قرعہ اندازی کے

﴿گذشتہ سے پیوستہ﴾ ان آیتوں میں اللہ ﷻ نے مسلمانوں کو صاف طور پر اس سے روک دیا کہ وہ کسی لذیذ

حلال و طیب چیز کو اپنے اوپر عقیدہ یا عملاً حرام ٹھہرائیں، نہ صرف یہ ہی بلکہ ان کو خدا کی پیدا کی ہوئی حلال و طیب نعمتوں سے متنع ہونے کی ترغیب دی ہے، مگر سلبی اور ایجابی دو شرطوں کے ساتھ: [۱] اعتدائے نہ کریں (حد سے نہ بڑھیں) [۲] اور تقویٰ اختیار کریں (خدا سے ڈرتے رہیں)۔

اعتدائے نہ کرنا اور ایجابی دو شرطوں کے ساتھ حرام کا سا معاملہ کرنے لگیں اور نصاریٰ کی طرح رہبانیت میں مبتلا ہو جائیں، یا لذیذ و طیبات سے تنعم کرنے میں حد اعتدال سے گذر جائیں، حتیٰ کہ لذات و شہوات میں شہک ہو کر یہود کی طرح حیات دنیاوی کو اپنا مطلق نظر بنالیں۔
الغرض غلو و جفا اور افراط و تفریط کے درمیان متوسط و معتدل راستہ اختیار کرنا چاہئے، نہ تو لذائذ دنیوی میں غرق ہونے کی اجازت ہے اور نہ ازراہ رہبانیت مباحات و طیبات کو چھوڑنے کی۔

”ازراہ رہبانیت“ کی قید ہم نے اس لئے لگائی کہ بعض اوقات بدنی یا نفسی علاج کی غرض سے کسی مباح سے عارضی طور پر پرہیز کرنا ممانعت میں داخل نہیں، نیز مسلمان تقویٰ کے مامور ہیں جس کے معنی ہیں خدا سے ڈر کر منوعات سے اجتناب کرنا، اور تجربہ سے معلوم ہے کہ بعض مباحات کا استعمال بعض اوقات کسی حرام یا ممنوع کے ارتکاب کی طرف منہسی ہو جاتا ہے، ایسے مباحات کو عہدہ قسم یا تقرب کے طور پر نہیں بلکہ بطریق احتیاط اگر کوئی شخص کسی وقت باوجود اعتقاد اہانت ترک کر دے تو یہ رہبانیت نہیں بلکہ ورع و تقویٰ میں شامل ہے۔

حدیث میں ہے ”لا یبلغ العبد ان یمکن من المظہین معنی یدع مالا یأس بہ حلاً و ما یأس بہ باس“۔ رسول اللہ ﷺ نے

فرمایا بندہ متعین کے مقام کو نہیں پہنچ سکتا جب تک کہ وہ اس بات کو جس میں کوئی حرج نہ ہو، اس چیز سے بچے کیلئے نہ چھوڑ دے، جس میں برائی ہے۔

الحاصل ترک اعتدائے اور اختیار تقویٰ کی قید ملحوظ رکھ کر ہر قسم کے طیبات سے مؤمن مستفید ہو سکتا ہے زندگی کے ہر شعبہ میں ترقیات کے

دروازے کھلے ہوئے ہیں۔ [تفسیر عثمانی، سورہ مائدہ، آیت: ۸۷، فائدہ نمبر: ۲] (سنن العمادی، ابواب الزہد، باب، رقم: ۲۳۵۱)۔

ذریعے تقسیم کرتے تھے اور قرعہ اندازی کا طریقہ یہ ہوتا تھا کہ مختلف تیروں پر حصوں کے نام لکھ کر ایک تھیلے میں ڈال دیتے تھے، پھر جس شخص کے نام جو حصہ نکل آیا، اسے گوشت میں سے اتنا حصہ دیا جاتا تھا، اور کسی کے نام پر کوئی ایسا تیر نکل آیا جس پر کوئی حصہ مقرر نہیں ہے تو اس کو کچھ بھی نہیں ملتا تھا۔

اسی طرح ایک اور طریقہ یہ تھا کہ جب کسی اہم معاملے کا فیصلہ کرنا ہوتا تو تیروں کے ذریعے فال نکالتے تھے، اور اس فال میں جو بات نکل آئے اس کی پیروی لازمی سمجھتے تھے۔

ان تمام طریقوں کو آیت کریمہ نے ناجائز قرار دیا ہے، کیونکہ پہلی صورت میں یہ جو ہے، اور دوسری صورت میں یا علم غیب کا دعویٰ ہے، یا کسی معقول وجہ کے بغیر کسی بات کو لازم سمجھنے کی خرابی ہے۔ ع

وقال ابن عباس: ﴿الْأَزْلَامُ﴾: القداح يقتسمون بها في الأمور. والنصب: أنصاب يلبعون عليها. وقال غيره: الزلم: القدح لا ريش له وهو واحد الأزلام. والاستقسام: أن يجبل القداح، فإن لهته انتهى، وإن أمرته فعل ما تأمره به. وقد أعلموا القداح أعلاما بضروب يستقسمون بها، وفعلت منه لسمت. والقسوم المصدر.

أزلام، نصب اور استقسام کی تعریف

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ "الأزلام" سے مراد فال نکالنے کے تیر ہیں، جن سے لوگ قسمت کا حال معلوم کیا کرتے ہیں۔ "نصب" سے تھان مراد ہیں جن پر کافر لوگ قربان کیا کرتے تھے۔ دوسرے لوگوں نے کہا کہ "الزلم" بے پرکی تیر کا پھرانا مراد ہے اور یہ "الأزلام" کا واحد ہے۔ "الاستقسام" سے مراد یہ ہے کہ تیروں کو گھمایا جائے، پس اگر منع کا تیر نکلتا تو رک جاتے اور اگر حکم کا تیر نکلتا تو حکم کے مطابق عمل کر لیتے۔ زمانہ جاہلیت میں ان لوگوں نے تیروں پر مختلف قسم کے نشانات لگا رکھے تھے اور انہی سے فال نکالا کرتے تھے۔

۴۶۱۶۔ حدثنا اسحاق بن ابراهيم: أخبرنا محمد بن بشر: حدثنا عبد العزيز بن

عمر عبد العزيز قال: حدثني نافع، عن ابن عمر رضي الله عنهما قال: نزل تحريم الخمر وان في المدينة يومئذ لخمسة أشربة ما فيها شراب العنب. [أنظر: ۵۵۷۹] ۱۸

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ جس دن شراب کی حرمت نازل ہوئی تو مدینہ میں اس وقت پانچ قسم کی شراب تھی مگر انگری شراب نہیں تھی۔

۴۶۱۷۔ حدثنا يعقوب بن ابراهيم: حدثنا ابن علية: حدثنا عبدالعزیز بن صہیب قال: قال انس بن مالك ﷺ: ما كان لنا خمر غير فضيخكم هذا الذي تسمونه الفضيخ، فاني لقائم اسقى ابا طلحة وفلانا وفلانا اذ جاء رجل فقال: وهل بلغكم الخبر؟ فقالوا: وما ذاك؟ قال: حرمت الخمر، قالوا: اهرق هذه القلال يا انس. قال: فما سألوا عنها ولا راجعوا بعد خبر الرجل. [راجع: ۲۴۶۳]

ترجمہ: حضرت انس بن مالک ﷺ نے بیان کیا کہ ہم لوگ کھجور سے تیار شدہ شراب کے علاوہ کوئی شراب استعمال نہیں کرتے تھے، جس کا نام تم لوگوں نے فضيخ رکھا ہے، ایک دن میں کھڑا ابو طلحہ اور دوسرے فلاں، فلاں لوگوں کو شراب پلا رہا تھا کہ ایک شخص آئے اور کہنے لگے کہ کیا تم لوگوں کو خبر نہیں پہنچی ہے؟، لوگوں نے پوچھا کیا خبر؟ تو کہنے لگے کہ شراب حرام کر دی گئی ہے، تو جو لوگ شراب پی رہے تھے انہوں نے کہا انس! ان منکوں کو بہادو۔ حضرت انس ﷺ کہتے ہیں کہ پھر کسی نے کوئی بات نہیں پوچھی اور نہ اس بات کے خلاف کوئی کام کیا۔

هذا الذي تسمونه الفضيخ.

فضيخ - کچی کھجور کی شراب کو کہتے ہیں۔ اس کی تفصیل کتاب الاشریہ میں آئے گی۔

۴۶۱۸۔ حدثنا صدقة بن الفضل: اخبرنا ابن عيينة، عن عمرو، عن جابر قال: صح اناس غداة احد الخمر فقتلوا من يومهم جميعا شهداء وذلك قبل تحريمها. [راجع: ۲۸۱۵]

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ کچھ لوگوں نے صبح کے وقت جنگ احد میں شراب پی، پھر وہ سب حضرات اس دن شہید ہو گئے، یہ قصہ اس وقت پیش آیا جب کہ حرمت شراب کا حکم نازل نہیں ہوا تھا۔

۴۶۱۹۔ حدثنا اسحاق بن ابراهيم: اخبرنا عيسى وابن ادريس، عن ابي حبان، عن الشعبي، عن ابن عمر قال: سمعت عمر ﷺ على منبر النبي ﷺ يقول: اما بعد ايها الناس، انه نزل تحريم الخمر وهي من خمسة: من العنب، والتمر، والعسل، والحنطة، والشعير. والخمر: ما خامر العقل. [أنظر: ۵۵۸۱، ۵۵۸۸، ۵۵۸۹، ۷۳۳۷] و

۱۹ و فی صحیح مسلم، کتاب التفسیر، باب فی نزول تحريم الخمر، رقم: ۳۰۳۲، و سنن ابی داؤد، کتاب الاشریہ، باب فی

تحريم الخمر، رقم: ۳۶۶۹، و سنن الترمذی، ابواب الاشریہ، باب ماجاء فی الحبوب التي يتخذ منها الخمر، رقم: ۱۸۷۳،

و سنن النسائی، کتاب الاشریہ، ذکر انواع الاشریة التي كانت منها الخمر حين نزل تحريمها، رقم: ۵۵۷۸، ۵۵۷۹

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے اپنے والد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو (خلافت کے زمانے میں) منبر رسول ﷺ پر تقریر کرتے ہوئے سنا کہ آپ کہہ رہے تھے کہ حمد و ثناء کے بعد اے لوگو! شراب کی حرمت نازل ہو چکی ہے اور یہ پانچ چیزوں سے تیار کی جاتی ہے، انگور، گیہوں، کھجور، شہد اور جو، اور شراب کی خاصیت یہ ہے کہ عقل کو زائل کر دیتی ہے۔

شراب کی حرمت و ممانعت کا حکیمانہ اصول

﴿إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ

رَجَسَ مَنْ عَمِلَ الشَّيْطَانَ﴾

اس آیت سے پہلے بعض آیات خمر (شراب) کے بارے میں نازل ہو چکی تھیں، اول یہ آیت نازل ہوئی

﴿يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قُلْ فِيهِمَا إِثْمٌ

كَبِيرٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَإِثْمُهُمَا أَكْبَرُ مِن نَّفْعِهِمَا﴾

گو اس سے نہایت واضح اشارہ تحریم خمر کی طرف کیا جا رہا تھا مگر چونکہ صاف طور پر اس کے چھوڑنے کا

حکم نہ تھا اس لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سن کر کہا ”اللہم بین لنا بیانا شافیا“ اس کے بعد دوسری آیت آئی

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ وَأَنتُمْ

سُكَارَىٰ﴾

اس میں بھی تحریم خمر کی تصریح نہ تھی، گو نشہ کی حالت میں نماز کی ممانعت ہوئی اور یہ قرینہ اسی کا تھا کہ غالباً

یہ چیز عنقریب کلیہ حرام ہونے والی ہے، مگر چونکہ عرب میں شراب کا رواج انجا کو پہنچ چکا تھا اور اس کا دفعہ

چھڑا دینا مخاطبین کے لحاظ سے سہل نہ تھا اس لئے نہایت حکیمانہ تدریج سے اولاً قلوب میں اس کی نفرت بٹھلائی گئی

اور آہستہ آہستہ حکم تحریم سے مانوس کیا گیا۔

چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس دوسری آیت کو سن کر پھر وہی لفظ کہے ”اللہم بین لنا بیانا شافیا“۔

آخر کار ”سورہ مائدہ“ کی یہ آیتیں جو اس وقت ہمارے سامنے ہیں ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا﴾ سے

﴿لَقَدْ أَنْتُمْ مُنْتَهَوْنَ﴾ تک نازل کی گئیں، جس میں صاف صاف بت پرستی کی طرح اس گندی چیز سے بھی

اجتناب کرنے کی ہدایت تھی، چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ”لہم انتم منتہون“ سن کر چلا آئے ”العہینا التہمینا“۔

لوگوں نے شراب کے منگے توڑ ڈالے، خم خانے برباد کر دیئے، مدینہ کی گلی کو چوں میں شراب پانی کی طرح بہتی پھرتی تھی، سارا عرب اس گندی شراب کو چھوڑ کر معرفت ربانی اور محبت و اطاعت نبوی کی شراب طہور سے مخمور ہو گیا اور ام النجاشٹ کے مقابلہ پر حضور ﷺ کا یہ جہاد ایسا کامیاب ہوا جس کی نظیر تاریخ میں نہیں مل سکتی۔
خدا کی قدرت دیکھو کہ جس چیز کو قرآن کریم نے اتنا پہلے شدت سے روکا تھا، آج سب سے بڑے شراب خور ملک امریکہ وغیرہ اس کی خرابیوں اور نقصانات کو محسوس کر کے اس کے منادینے پر تلے ہوئے ہیں۔
(فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالْمُنَىٰ) ۲۲

(۱۱) باب: ﴿لَيْسَ عَلَى الدِّينِ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جُنَاحَ﴾

﴿لَيْسَ عَلَى الدِّينِ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جُنَاحَ﴾ [۹۳] ۲۹۲

باب: ”جو لوگ ایمان لے آئے اور نیکی پر کار بند رہے ہیں، انہوں نے جو کچھ پہلے کھایا یا پیا ہے۔“

۳۶۲۰۔ حدثنا أبو النعمان: حدثنا حماد بن زيد: حدثنا ثابت، عن أنس ؓ: إن الخمر التي هربت الفضيخ. وزادني محمد البيكندی، عن أبي النعمان قال: كنت ساقى القوم في منزل أبي طلحة فنزل تحريم الخمر فأمر مناديا فنادى، فقال أبو طلحة: أخرج فانظر ما هذا الصوت. قال: فخرجت لقلت هذا مناد ينادى: إلا ان الخمر قد حرمت، فقال لي: اذهب فأمر لها، قال: فخرجت في سكك المدينة. قال: وكانت خمرهم يومئذ الفضيخ، فقال بعض القوم: قتل قوم وهي في بطونهم، قال: فأنزل الله ﴿لَيْسَ عَلَى الدِّينِ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جُنَاحَ لِيَمَّا طَعِمُوا﴾. [راجع: ۲۳۶۳]

ترجمہ: حضرت انس ؓ فرماتے ہیں کہ جو شراب بھنگی گئی تھی وہ فسخ، کھجور سے تیار شدہ تھی، بیان کیا کہ جب شراب بھنگی گئی تھی۔ اور امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مجھ سے محمد بیکندی نے ابو النعمان کے واسطے سے اس زیادتی کے ساتھ بیان کیا کہ حضرت انس ؓ فرماتے ہیں میں ابو طلحہ ؓ کے گھر سب کو شراب پلا رہا تھا، اس وقت حرمت شراب کا حکم نازل ہوا تھا، ہوا یہ کہ رسول اکرم ﷺ نے ایک شخص کو حکم دیا کہ منادی کر دے، وہ منادی کرتا ہوا ادھر آیا تو ابو طلحہ نے کہا کہ دیکھو یہ کیا کہہ رہا ہے؟ میں باہر آیا تو دیکھا کہ ایک منادی کرنے والا پکار پکار کر کہہ رہا

ہے کہ لوگو! خبردار ہو جاؤ، آج سے شراب حرام کر دی گئی ہے، اسکے بعد ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا، جاؤ شراب کو پھینک دو، حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ اس دن مدینہ کے راستوں، گلیوں میں شراب بہ رہی تھی، اور حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ان دنوں میں شراب فقیح استعمال ہوتی تھی، کچھ لوگوں نے کہا کہ مسلمان اس جال میں مارے گئے کہ انکے پیٹ میں شراب بھری تھی، چنانچہ اس وقت یہ آیت ﴿لَيْسَ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ﴾ نازل ہوئی۔

حرمت سے پہلے شراب پینے والوں کا حکم

جب تحریم خمر کی آیت نازل ہوئی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سوال کیا کہ اے اللہ کے رسول! ان مسلمانوں کا کیا حال ہوگا جنہوں نے حکم تحریم آنے سے پہلے شراب پی اور اسی حالت میں انتقال کر گئے؟
مثلاً بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو جنگ احد میں شہید ہوئے تھے، جب وہ شہید ہوئے تو انہوں نے شراب پی رکھی تھی اور پیٹ میں شراب موجود تھی کہیں وہ ان کیلئے گناہ کا سبب نہ بنے۔
اس پر یہ آیات نازل ہوئیں اور یہ غلط فہمی دور ہوگئی، چونکہ اس وقت اللہ تعالیٰ نے شراب پینے سے صاف الفاظ میں منع نہیں کیا تھا، اس لئے اس وقت جنہوں نے شراب پی تھی اس پر ان کی کوئی پکڑ نہیں ہوگی۔ ۲۳

(۱۲) باب قوله: ﴿لَا تَسْأَلُوا عَنْ أَشْيَاءَ إِنْ تُبَدَّ لَكُمْ تَسْأَلُكُمْ﴾ [۱۰۱]

باب: ”اے ایمان والو! ایسی چیزوں کے بارے میں سوالات نہ کیا کرو جو اگر تم پر ظاہر کر دی جائیں تو تمہیں ناگوار ہوں۔“

۳۶۲۱۔ حدثنا منذر بن الوليد بن عبد الرحمن الجاوردی: حدثنا أبي: حدثنا شعبة، عن موسى بن انس عن انس رضی اللہ عنہ قال: خطب النبي ﷺ خطبة ما سمعت مثلها قط، قال: ((لو تعلمون ما أعلم لضحككم قليلاً ولبكعتم كثيراً))، وقال: فغطي أصحاب رسول الله ﷺ وجوههم لهم حنين، فقال رجل: من أسي؟ قال: ((أبوك فلان))، فنزلت هذه الآية ﴿لَا تَسْأَلُوا عَنْ أَشْيَاءَ إِنْ تُبَدَّ لَكُمْ تَسْأَلُكُمْ﴾. رواه النضر وروح بن عباد، عن شعبة. [راجع: ۹۳]

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ نے ایسا خطبہ پڑھا جو میں نے پہلے

نہیں سنا تھا، آپ نے فرمایا جو کچھ میں جانتا ہوں اگر تم اس کو جانتے تو کم ہتے اور بہت زیادہ روتے۔ یہ بات سکر رسول اللہ ﷺ کے اصحاب نے اپنے چہرے چادر میں چھپائے اور انکے رونے کی آواز آنے لگی، ایک آدمی نے پوچھا میرا باپ کون ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا فلاں شخص تیرا باپ ہے، تب یہ آیت نازل ہوئی ﴿لَا تَسْأَلُوا عَنْ أَفْيَاءٍ إِنْ تُبَدِّلَكُمْ تَسْؤُكُمْ﴾۔ اس حدیث کو نصر اور روح بن عبادہ نے بھی شعبہ سے روایت کیا ہے۔

۳۶۲۲۔ حدثني الفضل بن سهل قال: حدثنا أبو النضر: حدثنا أبو خيثمة: حدثنا

أبو الجويرية، عن ابن عباس رضي الله عنهما قال: كان قوم يسألون رسول الله ﷺ استهزاء ليقول الرجل: من أبي؟ ويقول الرجل تفضل لائقه: أين لائقتي؟ فأنزل الله فيهم هذه الآية ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَسْأَلُوا عَنْ أَفْيَاءٍ إِنْ تُبَدِّلَكُمْ تَسْؤُكُمْ﴾ حتى فرغ من الآية كلها. ۳۶

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ کچھ لوگوں نے بطور استہزاء رسول اللہ ﷺ سے کچھ باتیں دریافت کیں، ایک آدمی نے کہا میرا باپ کون ہے؟ اور اگر کسی کی اونٹنی گم جاتی تو وہ کہتا کہ میری اونٹنی کہاں ہے؟ تو اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کے بارے میں یہ آیت نازل فرمائی ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَسْأَلُوا النَّبِيَّ﴾ یہاں تک کہ آپ پوری آیت سے فارغ ہو گئے۔

آیت کا مطلب

اس آیت میں اس بات کی تشبیہ فرمادی کہ جو چیزیں رسول اللہ ﷺ نے تصریح کے ساتھ بیان نہیں فرمائیں ہیں، ان کے متعلق فضول اور بے کار کے سوالات مت کیا کرو کیونکہ جس طرح حلت و حرمت کے مسائل کے سلسلہ میں شارع کا بیان موجب ہدایت و بصیرت ہے، اس کا سکوت بھی ذریعہ رحمت و سہولت ہے۔

خدا نے جس چیز کو کمال حکمت و عدل سے حلال یا حرام کر دیا وہ حلال یا حرام ہو گئی اور جس سے سکوت کیا اس میں گنجائش اور توسیع رہی، مجتہدین کو اجتہاد کا موقع ملا، عمل کرنے والے اسکے فعل و ترک میں آزاد رہے۔ اب اگر ایسی چیزوں کی نسبت خواہ مخواہ کھود، کرید کر بحث و سوال کا دروازہ کھولا جائے، بحالیکہ قرآن شریف نازل ہو رہا ہے اور تشریح کا باب مفتوح ہے تو بہت ممکن ہے کہ سوالات کے جواب میں بعض ایسے احکام نازل ہو جائیں جن کے بعد تمہاری یہ آزادی اور گنجائش اجتہاد باقی نہ رہے، پھر یہ سخت شرم کی بات ہوگی کہ جو چیز خود مانگ کر لی ہے اس کو نباہ نہ سکیں۔

سنت اللہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ جب کسی معاملہ میں بکثرت سوال اور کھود کرید کی جائے اور خواہ مخواہ

شکوہ و شبہات اور احتمالات نکالے جائیں تو ادھر سے تشدید (سختی) بڑھتی جاتی ہے، کیونکہ اس طرح کے سوالات ظاہر کرتے ہیں گویا سائلین کو اپنے نفس پر بھروسہ ہے اور جو حکم - طے گا اس کے اٹھانے کیلئے وہ ہمہ وجوہ تیار ہیں۔ اس قسم کا دعویٰ کو بندہ کے ضعف و افتقار کے مناسب نہیں۔ ۲۵

(۱۳) باب: ﴿مَا جَعَلَ اللَّهُ مِنْ بَحِيرَةٍ وَلَا سَائِبَةٍ وَلَا وَصِيلَةٍ وَلَا حَامٍ﴾ [۱۰۳]

باب: ”اللہ نے کسی جانور کو نہ بحیرہ بنانا طے کیا ہے، نہ سائبہ، نہ وصیلہ اور نہ حامی“۔

﴿وَإِذْ قَالَ اللَّهُ﴾ [۱۱۶] يقول: قال الله، وإذ هاهنا صلة. المائدة أصلها مفعولة، كعيشة راضية، وتطليقة بانئة. والمعنى ميد بها صاحبها من خير، يقال: مادني يميدني. وقال ابن عباس: ﴿مُتَوَفِّيكَ﴾ [آل عمران: ۵۵]: مميتك.

ترجمہ و تشریح

﴿وَإِذْ قَالَ اللَّهُ﴾ بمعنی ”يقول“ کے ہے، اور ”إِذْ“ یہاں پر صلہ ہے یعنی زائدہ ہے۔ ”المائدة“ یہ اصل میں اسم مفعول ہے، جیسا کہ ”كعيشة راضية“ یہاں پر ”راضية“ اصل میں ”مرضية“ یعنی اسم مفعول کے معنی میں ہے، اسی طرح ”تطليقة بانئة“ کی مثال بھی ہے۔ ”ميد بها“ اس کے معنی کسی کے پاس کھانا لے جانا، مطلب یہ ہے کہ خیر و بھلائی کا ذریعہ بنایا گیا۔

﴿مُتَوَفِّيكَ﴾ کی تشریح

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے ﴿مُتَوَفِّيكَ﴾ کی تفسیر میں کہا کہ ”مميتك“ یا ”فلما توفيتني كنت أنت الرقيب عليهم“ لیکن اسکی مناسبت سے انہوں نے ”مُتَوَفِّيكَ“ کی تفسیر نقل کر دی۔

۵۵ قولہ: ((لاسالوا)) الآية. تاديب من الله تعالى عباده المؤمنين، ونهى لهم عن أن يسألوا عن أشياء مما لا فائدة لهم في السؤال والتغيب عنها لأنها ان ظهرت تلك الأمور ربما ساء لهم وحق عليهم سماعها، كما جاء في الحديث أن رسول الله قال: ((لا ينبغي أحد عن أحد شيئاً أبى أحب أن أخرج اليكم وأنا سليم الصدر)). عمدة القاري، ج: ۱، ص: ۳۰۳.

۳۰۳، وآسان ترجمہ قرآن، المائدہ: ۱۰۱، حاشیہ: ۶۹

کیا معنی ہوئے کہ عیسیٰ تم کو موت دوں گا۔ کیسے اور کب؟

جب واپس آئیں گے آخر زمانہ میں تو اس وقت موت دوں گا۔ مطلب یہ ہے کہ تمہیں یہ قتل کرنے کے قابل نہیں ہیں، قتل نہیں کر پائیں گے اور میں تمہیں آخر زمانہ میں موت دوں گا اس دوران تمہیں آسمان کی طرف اٹھالوں گا۔ یہ تفسیر امام بخاری رحمہ اللہ نے یہاں پر حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی نقل کی ہے اور وہی ابو عبیدہ اور عمر بن شہنی کے حوالہ سے نقل کی ہے۔

جب کہ دوسرے حضرات اس کے معنی یہ بیان کرتے ہیں کہ ”عوفی“ کے معنی جب حضرت عیسیٰ ﷺ کیلئے آئے ہیں، تو اسکے معنی ہیں پورا پورا لے لینا کہ میں تم کو پورا پورا لے لوں گا اور اپنی طرف تم کو اٹھالوں گا۔ حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ نے ”مشکلات القرآن“ میں بڑی مزے دار بات لکھی ہے۔

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کا عجیب معمول تھا، عموماً لوگ رمضان میں تلاوت کی مقدار بڑھا دیتے ہیں، حضرت تلاوت کی مقدار اتنی ہی رکھتے تھے جتنی کہ عام دنوں میں رکھتے تھے لیکن قرآن میں تذبذب فرمایا کرتے تھے۔ تلاوت کے علاوہ باقی سارا وقت تذبذب قرآن میں خرچ فرماتے تھے، تفاسیر وغیرہ کا مطالعہ کرتے تھے، ایک ایک آیت پر غور کرتے تھے، اس دوران ہاتھ میں کاغذ یا قلم ہوتا تو کچھ بات کسی آیت کے بارے میں یاد آتی تو اسے یادداشت کے طور پر لکھ دیتے تھے یا حوالہ دے دیا کرتے تھے۔ حضرت کی وہ یادداشتیں مشکلات القرآن کے نام سے چھپی ہوئیں ہیں۔ اور اس پر ضرورت تھی کہ کوئی آدمی اس کو تشریح کے ساتھ چھاپتا۔ تشریح وغیرہ تو کچھ نہیں کی گئی، البتہ حضرت نے جو حوالے دیئے تھے انکو حاشیہ میں نقل کر دیا ہے، بعض جگہ بڑا فائدہ بھی ہو جاتا ہے۔

ایک بات انہوں نے فرمائی اور جو کہ حضرت عیسیٰ ﷺ کے بارے میں حضرت کی کتاب ”عقیدۃ الاسلام فی حیاة عیسیٰ“ میں موجود ہے، وہ کہتے ہیں کہ موت کیلئے وفات کا لفظ سب سے پہلے قرآن کریم نے استعمال کیا ہے، اس سے پہلے وفات کا لفظ عرب کے اندر تھا ہی نہیں، عرب میں جتنے لفظ موت کیلئے استعمال ہوتے تھے سب ایسے الفاظ تھے کہ جو عدم پر دلالت کرتے تھے، وفات کا لفظ کہیں بھی نہیں تھا۔

چونکہ موت اہل عرب کے اس عقیدے پر مبنی تھی کہ جب آدمی مر جاتا ہے تو بس فنا ہو جاتا ہے۔ وہ فنا کے معنی پر دلالت کرتا ہے، سب سے پہلے قرآن نے وفات کا لفظ دیا ہے۔

”اللہ بعوفی الانفس“ کہ پورا پورا لے لینا کہ جس ذات نے بنایا ہے وہی اس کو پورا پورا واپس لے رہی ہے۔ اب ”عوفی“ جس طرح موت کیلئے ہو سکتا ہے اسی طرح اللہ جس طرح بھی واپس لے لیں۔

چنانچہ نیند کیلئے بھی یہی لفظ استعمال ہوا ہے، ”اللہ بعوفی الانفس“ اسی طرح اگر کسی کو آسمان کی طرف رافع کیا گیا تو اس میں بھی کہہ سکتے ہیں ”انسی معوفک“ اور ساتھ اس کا معنی بھی بتا دیا کہ ”انسی والمع الیک“۔ تو اسلئے اس سے مرزا قادیانی وغیرہ جو منکرین نزول مسیح ہے وہ جو استدلال کرتے ہیں کہ انتقال

ہو گیا ہے، یہ استدلال باطل محض ہے۔

۴۶۲۳۔ حدثنا موسى بن اسماعيل: حدثنا ابراهيم بن سعد، عن صالح بن كيسان، عن ابن شهاب، عن سعيد بن المسيب قال: البحيرة التي يمنع درها للطواغيت فلا يحلبها أحد من الناس. والسائبة كانوا يسيبونها لألثتهم فلا يحمل عليها شيء. قال: وقال أبو هريرة: قال رسول الله ﷺ: ((رأيت عمرو بن عامر الخزاعي يجر قصبه في النار، كان أول من سب السوالب)). والوصيلة: الناقة البكر تبكر في أول نتاج الإبل بأنثى ثم تنثى بعد بأنثى، وكانوا يسيبونها للطواغيتهم ان وصلت احدهما بالآخرى ليس بينهما ذكر. والحام: فحل الإبل يضرب الضراب المعدود فاذا قضى ضرابه ودعوه للطواغيت واعفوه من الحمل فلم يحمل عليه شيء، وسموه الحامى.

وقال لي أبو اليمان: أخبرنا شعيب، عن الزهري: سمعت سعيدا يخبره بهذا. قال:

وقال أبو هريرة: سمعت النبي ﷺ لحوه، ورواه ابن الهاد، عن ابن شهاب، عن سعيد، عن أبي هريرة ﷺ: سمعت النبي ﷺ. [راجع: ۳۵۲۱]

ترجمہ: حضرت سعید بن مسیب رحمہ اللہ نے بیان کیا کہ بحیرہ اس اونٹنی کو کہا جاتا ہے، جس کو کفار کسی بت کی نذر کر کے آزاد چھوڑ دیتے تھے، اور اس کا دودھ نہ دوہتے تھے۔ اور سائبہ وہ اونٹنی ہے، جو بچوں کی نذر کی جاتی، اس پر نہ کوئی سواری کی جاتی تھی، اور نہ اس سے کوئی کام لیتے تھے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں نے عمرو بن عامر خزاعی کو دوزخ میں دیکھا کہ اس کی انتڑیاں باہر نکلی ہوئی تھیں اور وہ ان کو گھسیٹتا تھا، یہ وہ آدمی ہے، جس نے سب سے پہلے بتوں کے نام پر سائبہ (اونٹنی) کو چھوڑنے کی رسم نکالی تھی۔ اور وصیلہ اس جوان اونٹنی کو کہتے ہیں جو پہلی اور دوسری مرتبہ میں مادہ جنتی، اور اس کو بھی بت کے نام پر چھوڑ دیا جاتا، یعنی متصل دودھ مادہ جنے، جن کے درمیان نرنہ ہو۔ اور حام اس اونٹ کو کہتے جس کیلئے کفار کہتے تھے کہ اگر اس سے ہماری اونٹنی کے دس یا بیس (مقررہ تعداد) بچے پیدا ہوئے تو ہمارے لئے ہوں گے اور اگر زائد ہوئے تو ہمارے بچوں کے لئے ہوں گے، پھر جو زائد ہوتے ہیں، ان کو بچوں کے نام پر چھوڑ دیتے، اور اس سے کچھ کام نہیں لیا کرتے تھے اور اس کا نام حامی رکھتے تھے۔

امام بخاری رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ یہ حدیث ابو الیمان نے بتوسط شعیب، انہوں نے زہری سے، زہری کہتے ہیں کہ میں نے سعید بن مسیب سے اس حدیث کو سنا اور انہوں نے کہا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں، میں نے نبی کریم ﷺ سے اسی طرح سنا۔ اور ابن الهاد نے بواسطہ ابن شہاب، انہوں نے سعید بن مسیب سے اور وہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ سے سنا۔

بحیرہ، سائبہ وغیرہ کی تفصیل

”البحيرة التي يمنع درها للطواغيت فلا يحلبها أحد من الناس“ - بحیرہ اس اونٹنی کو کہا جاتا ہے، جس کو کفار کسی بت کی نذر کر کے آزاد چھوڑ دیتے تھے، اور اس کا دودھ نہ دوتے تھے۔

”والسائبه كانوا يسيبونها لآلئهم فلا يحمل عليها شيء“ - سائبہ وہ اونٹنی ہے جو بتوں کی نذر کی جاتی اور جس پر کوئی سواری نہ کی جاتی تھی اور نہ اس سے کوئی کام لیتے تھے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ”رأيت عمرو بن عامر الخزاعي يجر لصبه في النار، كان أول من سبب السواب“ - میں نے عمرو بن عامر خزاعی کو دوزخ میں جلتے ہوئے دیکھا، اس کی انتزایاں باہر نکلی ہوئی تھیں اور وہ ان کو گھسیٹتا تھا، یہ وہ آدمی ہے جس نے سب سے پہلے بتوں کے نام پر اونٹنی کو چھوڑا تھا۔

”الوصيلة: الناقة البكر بكر في أول لتاج الابل بانثى ثم تنثى بعد بانثى، وكانوا يسيبونهم لطواغيتهم ان وصلت احدهما بالآخرى ليس بينهما ذكر“ - وصیلہ اس اونٹنی کو کہتے ہیں جو ابھی جوان ہے پہلی مرتبہ اس نے اونٹنی دی پھر دوسری اونٹنی دی درمیان میں کوئی ذکر نہیں تھا تو اس کو وہ بے لگام بتوں کے نام پر چھوڑ دیتے تھے، کیونکہ اس نے ایک اونٹنی کو دوسری کے ساتھ ملا دیا اس کو ”وصیلہ“ کہتے تھے۔

”الحام: فحل الابل يضرب الضراب المعدود فاذا قضى ضرابه ودعوه للطواغيت واعطوه من الحمل فلم يحمل عليه شيء، وسموه الحامی“ - حام اس اونٹ کو کہتے ہیں جس کیلئے کفار کہتے تھے اگر اس اونٹنی سے ہماری مقرر کردہ تعداد میں بچے پیدا ہوئے تو ہمارے ہوں گے اور اگر زائد ہوئے تو ہمارے بتوں کیلئے ہوں گے، پھر جو زائد ہوتے ہیں ان کو بتوں کے نام پر چھوڑ دیتے، اس سے کچھ کام نہیں لیا کرتے تھے۔

۳۶۲۳ - حدثني محمد بن أبي يعقوب أبو عبد الله الكرمانی: حدثنا حسان بن ابراهيم: حدثنا يونس، عن الزهري، عن عروة: ان عائشة رضي الله عنها قالت: قال رسول الله ﷺ: ((رأيت جهنم يحطم بعضها بعضا، ورأيت عمرا يجر لصبه، وهو أول من سبب السواب)). [راجع: ۱۰۴۴]

مشاہدہ - اعمالِ بد کی سزا آخرت میں

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے دوزخ کو دیکھا کہ

اس کے بعض حصے بعض کو کچل رہے تھے اور میں نے جہنم کے اس حصے میں عمرو کو اپنی آنتیں کھینچتے ہوئے دیکھا، اور یہی شخص ہے جس نے سب سے پہلے بنوں کے نام پر جانور چھوڑے تھے۔

(۱۴) باب: ﴿وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيداً مَا دُمْتُ فِيهِمْ فَلَمَّا تَوَلَّيْتَنِي كُنْتُ أَنْتَ

الرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ وَأَنْتَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ﴾ [۱۱۷]

باب: ”اور جب تک میں ان کے درمیان موجود رہا، میں ان کے حالات سے واقف رہا۔ پھر جب آپ نے مجھے اٹھالیا تو آپ خود ان کے نگران تھے، اور آپ ہر چیز کے گواہ ہیں۔“

۴۶۲۵ - حدثنا أبو الوليد: حدثنا شعبة: أخبرنا المغيرة بن النعمان قال: سمعت سعيد بن جبیر، عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال: خطب رسول اللہ ﷺ فقال: ((يا أيها الناس انکم محشورون الی اللہ حفاة عراة غرلا)) ثم قال: ((كَمَا بَدَأْنَا أَوَّلَ خَلْقٍ نُعِيدُهُ وَغَدَاً عَلَيْنَا إِنَّا كُنَّا فَاعِلِينَ)) الی آخر الآیة. ثم قال: ((الأوان أول الخلائق یکسی يوم القيامة إبراهیم، ألا والله یجاء برجال من امتی فیؤخذ بهم ذات الشمال فأقول: یا رب اصبحابی، فیقال: إنک لا تدری ما أحدثوا بعدک، فأقول كما قال العبد الصالح: ﴿وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيداً مَا دُمْتُ فِيهِمْ فَلَمَّا تَوَلَّيْتَنِي كُنْتُ أَنْتَ الرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ﴾ فیقال: إن هؤلاء لم یزالوا مردین علی أعقابهم منذ فارقتهم)). [راجع: ۳۳۴۹]

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے خطبہ میں فرمایا کہ اے لوگو! تم (قیامت کے دن) اللہ ﷻ کی طرف سے ننگے پیر اور ننگے بدن اور بلا ختنہ اٹھائے جاؤ گے، پھر آپ ﷺ نے یہ آیت ﴿كَمَا بَدَأْنَا أَوَّلَ خَلْقٍ نُعِيدُهُ وَغَدَاً عَلَيْنَا إِنَّا كُنَّا فَاعِلِينَ﴾ تلاوت فرمائی، یعنی جس حال میں تم کو پیدا کیا ہے، اسی حال میں تم کو قیامت کے دن اٹھائیں گے اس وعدے کے مطابق جو ہم نے کیا ہے اور ہم اس کام کے کرنے والے ہیں۔ اس کے بعد فرمایا سن لو! کہ روز قیامت سب سے پہلے حضرت ابراہیم ؑ کو لباس پہنایا جائے گا، اور پھر چند آدمی میری امت کے لائے جائیں گے اور انہیں بائیں طرف جانے والوں میں لے جایا جائے گا (یعنی دوزخ کی طرف)، تو میں عرض کروں گا کہ اے رب! یہ تو میرے امتی ہیں، کہا جائے گا کہ مگر تم کو نہیں معلوم کہ انہوں نے تمہارے بعد کیا کیا نئے کام (بدعات) کئے، اس وقت میں عبد صالح (حضرت عیسیٰ ؑ) طرح عرض کروں گا ﴿وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيداً مَا دُمْتُ فِيهِمْ﴾

فَلَمَّا تَوَلَّيْتَنِي كُنْتُ أَنْتَ الرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ ﴿﴾ پھر ارشاد باری تعالیٰ ہوگا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو تمہارے جدا ہوتے ہی دین سے پھر گئے تھے۔

(۱۵) باب قوله: ﴿إِنْ تُعَذِّبُهُمْ فَلِإِنَّهُمْ عِبَادُكَ﴾ [۱۱۸]

اس ارشاد کا بیان کہ: ”اگر آپ ان کو سزا دیں، تو یہ آپ کے بندے ہیں۔“

۳۶۶۶۔ حدثنا محمد بن كثير: حدثنا سفیان: حدثنا المغيرة بن النعمان قال:

حدثني سعيد بن جبیر، عن ابن عباس عن النبي ﷺ قال: ((الكم محشورون، وان ناسا يلوخذ بهم ذات الشمال فأقول كما قال العبد الصالح: ﴿وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيداً مَا دُمْتُ لِيَنَّهُمْ﴾ الى قوله ﴿الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ﴾)). [راجع: ۳۳۴۹]

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اے لوگو! تم قیامت کے روز اللہ ﷻ کی طرف سے اٹھائے جاؤ گے، پھر تم میں سے کچھ لوگوں کو دوزخ میں ڈالا جائے گا، اس وقت میں اس وقت میں عبد صالح (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) کی طرح وہی کہوں گا جو انہوں نے کہا تھا کہ ﴿وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيداً مَا دُمْتُ لِيَنَّهُمْ﴾ تا ﴿الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ﴾۔

اپنی امت کیلئے آہ و بکاء

یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قول ہے جو نبی کریم ﷺ تلاوت فرما رہے تھے، پھر آپ نے اپنے ہاتھ اٹھائے اور فرمایا ”اللہم امتی“ (اے میرے رب! میری امت) اور زار و قطار رو رہے تھے۔

اللہ ﷻ نے حضرت جبریل علیہ السلام کو بھیجا، انہوں نے آکر رونے کی وجہ پوچھنے لگے تو رسول اکرم ﷺ نے جو جواب دینا تھا حضرت جبریل علیہ السلام کو دیا تو اللہ ﷻ نے فرمایا اے جبریل! محمد سے جا کر کہو ہم تمہاری امت کے بارے میں تمہیں راضی کریں گے اور دل نہ دکھائیں گے۔ ۲۶

(۶) سورة الأنعام

سورة انعام کا بیان

بسم الله الرحمن الرحيم

وجہ تسمیہ

عربی زبان میں ”انعام“ چوپایوں کو کہتے ہیں۔

عرب کے مشرکین مویشیوں کے بارے میں بہت سے غلط عقائد رکھتے تھے، مثلاً ان کو بتوں کے نام پر وقف کر کے ان کا کھانا حرام سمجھتے تھے۔ چونکہ اس سورت میں ان بے بنیاد عقائد کی تردید کی گئی ہے، اس لئے اس کا نام ”سورة الانعام“ رکھا گیا ہے۔

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ چند آیتوں کو چھوڑ کر یہ پوری سورت ایک ہی مرتبہ میں نازل ہوئی تھی۔ لیکن علامہ آلوسی رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر ”روح المعانی“ میں ان روایتوں پر تنقید کی ہے۔^۱

قال ابن عباس: ﴿ثُمَّ لَمْ تَكُنْ لِنَفْسِهِمْ﴾ [۲۳]: مَعْدِرَتِهِمْ. ﴿تَغْرُؤَاتٍ﴾ [۱۳۱]: مَا يَعْرِشُ مِنَ الْكُرْمِ وَغَيْرِ ذَلِكَ. ﴿حَمُولَةً﴾ [۹]: مَا يَحْمَلُ عَلَيْهَا.

﴿وَلَلْبَنَاتِ﴾ [۹]: لَشَبَهْنَآ. ﴿لَأَنْذِرَنَّكُمْ بِهِ﴾ اهل مكة ﴿وَيَنْتَظُونَ﴾ [۲۶]: يَجْعَلُونَ. ﴿تُسَبَّلُ﴾: تَفْضَحُ. ﴿أُتْسَلُّوا﴾ [۷۰]: الضَّحْوَا.

﴿بِأَيْمُونَا أَيْدِيهِمْ﴾ [۹۳]: الْبَسَطُ: الضَّرْبُ. ﴿اسْتَكْفَرْتُمْ﴾: أَضَلَلْتُمْ كَثِيرًا.

﴿مِمَّا دَرَأَ مِنَ الْحَرْثِ﴾ [۱۳۶]: جَعَلُوا اللَّهَ مِنْ ثَمَرِهِمْ وَمَالِهِمْ نَصِيبًا وَلِلشَّيْطَانِ

وَالْأَوْثَانِ نَصِيبًا.

﴿أَكِنَّةٌ﴾ واحدها كنان. ﴿أَمَّا أَضَعَمَلْتَ﴾ [۱۳۳-۱۳۴]: يَعْنِي هَلْ تَشْتَمِلُ الْآعْلَى

ذَكَرَ أَوَّلِي؟ فَلَمْ تَحْرَمُونَ بَعْضًا وَتَحْلُونَ بَعْضًا؟

^۱ تفسیر آلوسی۔ روح المعانی، سورة الانعام، ج: ۴، ص: ۷۲۔ وآسان ترجمہ قرآن، سورة الانعام، ج: ۱، ص: ۳۸۰۔

﴿مَفْسُوحًا﴾: مہر اقا۔ ﴿صَدَقَ﴾ [۱۵۸]: اعرض۔ اہلسوا: اویسوا۔ ﴿أَنْبَسُوا﴾: اسلموا۔ ﴿سَرَمَدًا﴾ [۷۱]: دائما۔ ﴿إِسْتَهْوَتْهُ﴾: أضلته۔
 ﴿تَنْتَرُونَ﴾ [۲]: تشکون۔ ﴿وَلَقَدْ﴾ [۲۵]: صمم، وأما الوقوف فانه الحمل۔
 ﴿أَسَاطِيرُ﴾ [۲۵]: واحدها أسطورة واسطورة وهي الترهات۔
 ﴿الْبَاسَاءُ﴾ [۳۲]: من البأس، ويكون من البؤس۔ ﴿جَهْرَةً﴾ [۳۷]: معالية۔
 ﴿الضُّورُ﴾ [۷۳]: جماعة صورة۔ كقوله سورة وسور، ملكوت وملك۔ رهبوت، رحمت، وتقول: ترهب خیر من أن ترحم۔
 ﴿جَنُّ﴾ [۷۶]: اظلم۔ تعالیٰ علا ﴿وَإِنْ تَعَدِلْ﴾ تقسط - لا یقبل منها فی ذلك اليوم یقال: علی الله حسابانه: ای حسابہ۔
 ویقال: ﴿حُسْبَالًا﴾ مرامی و﴿زُجُومًا لِلشَّيَاطِينِ﴾۔ مستقر: فی الصلب و﴿مُسْتَوْدَعٌ﴾ [۹۸] فی الرحم۔
 القنو: العلق، واللائان قنوان، والجماعة أيضا قنوان، مثل صنو وصنوان۔

ترجمہ و تشریح

﴿ثُمَّ لَمْ تَكُنْ فِئْتَهُمْ﴾ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یہاں پر "فِئْتَهُمْ" سے مراد ہے ان کا عذر اور بہانہ بازی کرنا۔
 حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے "مَعْرُوفَاتٍ" کی تفسیر یہ کی ہے کہ وہ بلیں جو دیواروں، چھپروں پر پھیلی ہیں، جیسے انگور وغیرہ۔
 ﴿حَمُولَةً﴾ کے معنی وہ جانور جن پر بوجھ لادا جاتا ہے۔
 ﴿وَلَلْبَسَنَاءُ﴾ کے معنی ہم شبہ میں ڈال دیں گے۔
 ﴿لَا نُنزِلُكُمْ بِهِ﴾ یعنی اس قرآن کے ذریعے میں تم لوگوں کو ڈراؤں، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس آیت میں خطاب اہل مکہ کو ہے۔
 ﴿وَيَبْأَوْنَ﴾ بمعنی "بعباعدون" یعنی دور رہتے ہیں، بھاگتے ہیں۔
 ﴿يُنْسَلُ﴾ بمعنی "تفضح" اور ﴿أَنْبَسُوا﴾ بمعنی "الفضحوا" یعنی رسوا کیا جائیگا، عیب ظاہر کئے جائیں گے اور زلیں و خوار ہو کر ہلاکت میں ڈالے گئے۔

﴿بَسِطُوا أَيْدِيَهُمْ﴾ یعنی موت کے فرشتے اپنے ہاتھ بڑھا رہے ہوں گے، اس آیت میں "البسط" بمعنی "الضرب" - مارنے کے ہیں۔

﴿اسْتَكَفَرْتُمْ﴾ بمعنی "اضلعلیم" گمراہ کرنا، یعنی تم نے بہت سے انسان گمراہ کئے۔
﴿مِمَّا ذَرَأَا مِنَ الْحَبِثِ﴾ - اس آیت کی تفسیر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ انہوں نے اپنے مالوں اور پھلوں میں سے ایک حصہ تو اللہ جل جلالہ کے واسطے ٹھہرایا اور ایک حصہ اپنے بتوں کے لئے مقرر کیا۔

"اکنہ" کے معنی پردہ، یہ "کنان" کی جمع ہے۔
﴿أَمَا اخْتَلَفْتُمْ﴾ - یعنی نر اور مادہ کے سوا کسی اور جنس پر مشتمل نہیں ہوتے، پھر تم کیوں ایک حلال اور دوسرے کو حرام ٹھہراتے ہو۔

﴿مَفْسُوحًا﴾ بمعنی "مہرالا" یعنی بہتا ہوا خون۔

﴿صَدَفٌ﴾ بمعنی "اعراض" یعنی اس سے اعراض کرنا، اس سے پھر جانا۔

"ابلسوا" بمعنی "اویسوا" یعنی ناامید ہو گئے۔

﴿أَنْبَسُوا﴾ بمعنی "اسلموا" یعنی پھانسی گئے، ہلاکت کے سپرد کئے گئے۔

﴿سَرْمَدًا﴾ ہمیشہ قائم رہنے والا۔

﴿إِمْتَهَانًا﴾ اسکو پھینک دیا۔

﴿تَفَعُّوْنَ﴾ تم شبہ کرتے ہو۔

﴿وَقَرٌّ﴾ بمعنی "صمم" یعنی بہرا پن۔ یہ جمہور کی قرأت کے مطابق ہے۔

جبکہ حضرت ابو عبیدہ رحمہ اللہ کہتے ہیں "وَأَمَّا الْوَقْرُ فَإِنَّهُ الْحَمْلُ" اس قرأت میں معنی یہ ہوگا کہ ان کے کانوں بوجھ ہے، ڈاٹ ہے جو بات سننے میں رکاوٹ ہوتی ہے۔

﴿أَسَاطِيرُ﴾ بے سند باتیں، جس کا واحد "اسطورة و اسطارة" اور اس کی تشریح "تُرَاهَات" سے

کی گئی ہے جس کا مطلب باطل اور یہ جھوٹے قصے کہانیوں وغیرہ کو کہا جاتا ہے۔

﴿الْبَأْسَاءُ﴾ یہ "بأس" یا "ہوس" سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں محتاجی اور سختی۔

﴿جَهْرَةً﴾ یعنی سامنے رو برو۔

﴿الصُّورِ﴾ جمع "صورة" جیسے سورۃ اور سور میں، "ملکوت" بمعنی "ملک" یعنی بادشاہت کے

ہیں، "رہبوت" کے معنی بہت ڈر، "رحموت" مہربانی، اور جیسے کہ کہتے ہیں تیرا ڈرایا جاتا تجھ پر مہربانی کرنے

سے بہتر ہے۔

”ملکوت - ملک“ سے نکلا ہے جیسے ”رہبوت“ نکلا ہے ”راہب“ سے، ”رہبوت غمیر من“ اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ ”رحم غمیر من قرہب“ تمہیں ڈرایا جاتا بہتر ہے نسبت اس کے کہ تم پر رحم کیا جائے۔

یعنی ان لوگوں کا مقولہ ہے جو یہ کہتے ہیں کہ ”ترہیب“ زیادہ مؤثر ہے نسبت ترغیب کے کہ جب پٹائی کا اندیشہ ہوگا تو آدمی ٹھیک رہے گا اور اگر بہت زیادہ رحمت کا معاملہ کر دیا تو بگڑ جائے گا، حالانکہ معاملات تو مختلف لوگوں کے ساتھ مختلف ہوتے ہیں ”اذا انت اکرمت (معنی)“ تو ہر جگہ کا معاملہ و حال الگ ہے۔

﴿جَنُّ﴾ یعنی رات کی اندھیری اس پر چھا گئی۔

﴿وَاِنْ تَعَدَلْ﴾ یعنی اپنے گناہ کے بدلہ میں وہ اپنی ساری دنیا جہاں بھی فدیہ یا بدلہ میں دے ڈالے تو اس دن قبول نہ ہوگی۔

اور چھوٹے تیر کو ”حسبان“ کہتے ہیں اور شیطان کو تیر مارنے کو بھی کہتے ہیں جیسا کہ آیت میں ہے ﴿رُجُومًا لِلشَّيَاطِينِ﴾

”مستقر“ کا مطلب ہے رہنے کی جگہ۔

﴿مُسْتَوْدَعٌ﴾ عورت کا رحم۔

”القنو“ کچھا، خوشہ اس کا شنیہ اور جمع دونوں ”قنوان“ ہے۔ اسی طرح ”صنو“ کا ”صنوان“ ہے یعنی جڑ ملے ہوئے درخت۔

(۱) باب: ﴿وَعِنْدَهُ مَفَاتِيحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا اِلَّا هُوَ﴾ [۵۹]

باب: ”اور اسی کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں جنہیں اس کے سوا کوئی نہیں جانتا ہے“۔

علم غیب اللہ ﷻ ہی کے ساتھ خاص ہے

اس آیت میں اللہ ﷻ کی خصوصی صفت بتلائی گئی ہے کہ وہ عالم الغیب ہے، ہر غیب کو جانتا ہے، بعد کی آیتوں میں غیب کے مقابل علم شہادت یعنی حاضر و موجود چیزوں کے علوم کا بیان ہے کہ انکے علم میں بھی اللہ ﷻ کی یہ خصوصیت ہے کہ اس کا علم محیط ہے کوئی ذرہ اس سے باہر نہیں ہے۔

ارشاد فرمایا کہ وہی جانتا ہے ہر اس چیز کو جو خشکی میں ہے اور اس چیز کو جو دریا میں ہے، اور کوئی پتہ کسی درخت کا نہیں گرتا جس کا علم اس کو نہ ہو، اسی طرح کوئی دانہ جو زمین کے تارکے میں مستور ہے وہ بھی اس کے

علم میں، اور ہر تر و خشک میں کل کائنات کا ذرہ ذرہ اس کے علم میں ہے اور لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے۔
خلاصہ یہ ہے کہ علم کے متعلق دو چیزیں حق تعالیٰ کی خصوصیات میں سے ہیں، جن میں کوئی فرشتہ یا رسول یا کوئی دوسری مخلوق شریک نہیں۔

ایک علم غیب، دوسرے موجودات کا علم محیط جس سے کوئی ذرہ مخفی نہیں، پہلی آیت میں انہی دونوں مخصوص صفات کا بیان ہے، ﴿وَعِنْدَهُ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يُعَلِّمُهَا إِلَّا هُوَ﴾۔
بعد کی آیتوں میں تمام کائنات و موجودات کے علم محیط کا ذکر اس طرح فرمایا کہ پہلے ارشاد ہوا ﴿وَيَعْلَمُ مَا فِي السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ﴾ یعنی اللہ ہی جانتا ہر اس چیز کو جو خشکی میں ہے اور دریا میں ہے۔

مراد اس سے کل کائنات و موجودات ہے، جیسے صبح و شام کا لفظ بول کر پورا زمانہ اور مشرق و مغرب کا لفظ بول کر پوری زمین مراد لی جاتی ہے، اسی طرح بروبحر یعنی خشکی اور دریا بول کر مراد اس سے پورے عالم کی کائنات و موجودات ہیں اس سے معلوم ہوا کہ اللہ ﷻ کا علم تمام کائنات پر محیط ہے۔ ۲

۳۶۲ - حدثنا عبدالعزيز بن عبدالله: حدثنا ابراهيم بن سعد، عن ابن شهاب، عن سالم بن عبدالله، عن أبيه: أن رسول الله ﷺ قال: ((مفاتيح الغيب خمس: ﴿إِنَّ اللَّهَ عِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ، وَيُنزِلُ الْغَيْثَ، وَيَعْلَمُ مَا فِي الْأَرْحَامِ، وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا، وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوتُ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ﴾)). [راجع: ۱۰۳۹]

ترجمہ: حضرت سالم بن عبد اللہ رحمہ اللہ اپنے والد (حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما) سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ غیب کے پانچ خزانے ہیں (پھر یہ آیت تلاوت فرمائی): یقیناً (قیامت کی) گھڑی کا علم اللہ ہی کے پاس ہے، وہی بارش برساتا ہے، اور وہی جانتا ہے کہ ماؤں کے پیٹ میں کیا ہے، اور کسی تنفس کو یہ پتہ نہیں ہے کہ وہ کل کیا کمائے گا، اور نہ کسی تنفس کو یہ پتہ ہے کہ کونسی زمین میں اُسے موت آئے گی۔ بیشک اللہ ہر چیز کا مکمل علم رکھنے والا، ہر بات سے پوری طرح باخبر ہے۔

مفاتیح الغیب

آیت ہذا میں جو پانچ چیزیں مذکور ہیں احادیث میں ان کو مفاتیح الغیب فرمایا ہے جن کا علم (یعنی علم کلی) بجز اللہ تعالیٰ کے کسی کو نہیں، فی الحقیقت ان پانچ چیزوں میں کل اکوان غیبیہ کی انواع کی طرف اشارہ ہو گیا۔

”إِنَّ اللَّهَ عِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ“ قیامت کی گھڑی کا علم مراد ہے۔

”يُنزِلُ الْغَيْثَ“ میں غالباً زمانیہ ماضیہ پر تشبیہ ہے۔

”قَالِي الْأَزْحَامَ“ میں زمانیہ حالیہ۔

”مَاذَا تَكْسِبُ غَدًا“ میں زمانیہ مستقبلہ۔

”بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوتُ“ میں غیوب مکانیہ۔

یعنی بارش آتی ہوئی معلوم ہوتی ہے لیکن یہ کسی کو معلوم نہیں کہ پہلے سے کیا ایسے اسباب فراہم ہو رہے تھے کہ ٹھیک اسی وقت اسی جگہ اسی مقدار میں بارش ہوئی۔

ماں بچہ کو پیٹ میں لئے پھرتی ہے پر اُسے پتہ نہیں کہ پیٹ میں کیا ہے، لڑکا یا لڑکی؟

انسان واقعات آئندہ پر حاوی ہونا چاہتا ہے لیکن یہ نہیں جانتا کہ کل میں خود کیا کام کروں گا؟ میری موت کہاں واقع ہوگی؟

اس جہل و بیچارگی کے باوجود تعجب ہے کہ دنیا کی زندگی پر مفتون ہو کر خالق حقیقی کو اور اس دن کو بھول جائے جب پروردگار کی عدالت میں کشاں کشاں حاضر ہونا پڑے گا۔

بہر حال ان پانچ چیزوں کے ذکر سے تمام اکوان غیبیہ کے علم کلی کی طرف اشارہ کرنا ہے حصر مقصود نہیں اور غالباً ذکر میں ان پانچ کی تخصیص اس لئے ہوئی کہ ایک سائل نے سوال انہیں پانچ باتوں کی نسبت کیا تھا جس کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی۔ ۵

(۲) باب: ﴿قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلَىٰ أَنْ يَبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ لَّوْنِكُمْ﴾ [۶۵]

باب: ”کہو کہ: وہ اس بات پر پوری طرح قدرت رکھتا ہے کہ تم پر کوئی عذاب، تمہارے اوپر سے بھیج دے۔“

قدرتِ کاملہ

اللہ تعالیٰ کی قدرت میں یہ ہے کہ کوئی عذاب، کوئی مصیبت اور کیسی ہی بڑی سے بڑی آفت ہو اس کو

نال سکتا ہے۔ اسی طرح اس کو اس پر بھی قدرت حاصل ہے کہ جب کسی فریاد جماعت کو اس کی سرکشی کی سزا اور عذاب میں مبتلا کرنا چاہے تو ہر قسم کا عذاب اس کے لئے آسان ہے، کسی مجرم کو سزا دینے کے لئے دنیا کے حکام کی طرح اس کو نہ کسی پولیس اور فوج کی حاجت ہے اور نہ کسی مددگار کی ضرورت۔
اسی مضمون کو اس طرح بیان فرمایا

﴿قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلَىٰ أَنْ يَبْعَثَ عَلَيْكُمْ

عَذَابًا مِّنْ لَّدُنْكَ﴾

یعنی اللہ تعالیٰ اس پر بھی قادر ہے کہ بھیج دے تم پر کوئی عذاب تمہارے اوپر سے یا تمہارے پاؤں تلے سے یا تمہیں مختلف گروہوں میں تقسیم کر کے آپس میں بھڑادے اور ایک کو دوسرے کے ہاتھ سے عذاب میں ہلاک کر دے۔

﴿يَلْبَسَكُمْ﴾ [۶۵]: يَخْلَطُكُمْ مِنَ الْإِلْبَاسِ، ﴿يَلْبَسُوا﴾ [۸۲]: يَخْلَطُوا.

﴿شِبَعًا﴾ [۵۶]: لِرَقَا.

ترجمہ: "يَلْبَسَكُمْ" بمعنی "يَخْلَطُكُمْ" یہ "اللباس" سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں اشتباہ اور اختلاط کے، "يَلْبَسُوا" بھی اسی معنی میں ہے ملا دینا، خلط ملط کر دینا۔
"شِبَعًا" بمعنی گروہ گروہ، فرتے فرتے۔

۳۶۲۸۔ حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ: حَدَّثَنَا حَمَادُ بْنُ زَيْدٍ، عَنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ، عَنْ جَابِرٍ

قَالَ: لَمَّا نَزَلَتْ هَذِهِ الْآيَةُ ﴿قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلَىٰ أَنْ يَبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ لَّدُنْكَ﴾ قَالَ

رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: ((أَعُوذُ بِوَجْهِكَ)) ﴿أَوْ مِنْ تَحْتِ أَرْجُلِكَ﴾ قَالَ: ((أَعُوذُ بِوَجْهِكَ))

﴿أَوْ يَلْبَسَكُمْ شِبَعًا وَيُلْدِقُ بَعْضُكُمْ بَأْسَ بَعْضٍ﴾ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: ((هَذَا أَهْوَنُ، أَوْ هَذَا

أَيْسَرُ)). [ال نظر: ۷۳۱۳، ۷۳۰۶] ج

ترجمہ: حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ جس وقت یہ آیت ﴿قُلْ هُوَ الْقَادِرُ

عَلَىٰ أَنْ يَبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ لَّدُنْكَ﴾ نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ "أَعُوذُ

بِوَجْهِكَ" یعنی میں پناہ لیتا ہوں، پھر اللہ ﷻ نے ارشاد فرمایا ﴿أَوْ مِنْ تَحْتِ أَرْجُلِكَ﴾ آپ ﷺ نے

اس سے بھی پناہ مانگی، پھر اللہ ﷻ نے فرمایا ﴿أَوْ يَلْبَسَكُمْ شِبَعًا وَيُلْدِقُ بَعْضُكُمْ بَأْسَ بَعْضٍ﴾ تو آپ ﷺ

ج ولسی سنن العرملی، أبواب تفسیر القرآن، باب ومن سورة الانعام، رقم: ۳۰۶۵، ومسند احمد، مسند المکفرین

من الصحابة، مسند عبد اللہ بن جابر رضی اللہ عنہما، رقم: ۱۳۳۱۶

نے فرمایا ہاں یہ اس سے آسان ہے (کہ ان پر یہ عذاب مسلط کر دیا جائے)۔

عذاب الہی کی تین قسمیں

اس میں عذاب کی تین قسمیں بیان فرمائیں:

(۱) جو اوپر سے آئے جیسے پتھر برسنا یا طوفانی ہوا اور بارش۔

(۲) جو پاؤں کے نیچے سے آئے، جیسے زلزلہ یا سیلاب وغیرہ۔

یہ دونوں خارجی اور بیرونی عذاب جو پھیلی قوموں پر مسلط کئے گئے، حضور اقدس ﷺ کی دعا سے اس امت کو اس قسم کے عام عذاب سے محفوظ کر دیا گیا ہے یعنی اس قسم کا عام عذاب جو گزشتہ اقوام کی طرح اس امت کا استیصال کر دے نازل نہ ہوگا، جزئی اور خصوصی واقعات اگر پیش آئیں، آپس کی نفی نہیں۔

(۳) تیسری قسم عذاب کہ جسے اندرونی اور داخلی عذاب کہنا چاہئے، اس امت کے حق میں باقی رہی

ہے اور وہ پارٹی بندی، باہمی جنگ و جدل اور آپس کی خونریزی کا عذاب ہے۔

موضع القرآن میں ہے کہ قرآن شریف میں اکثر کافروں کو عذاب کا وعدہ دیا، یہاں کھول دیا کہ عذاب وہ بھی ہے جو انکی امتوں پر آیا آسان سے یا زمین سے اور یہ بھی ہے کہ آدمیوں کو آپس میں لڑا دے اور ان کو قتل یا قید یا ذلیل کرے، حضور اکرم ﷺ نے سمجھ لیا کہ اس امت پر یہ ہی ہوگا، اکثر ”عذاب الہم“ اور ”عذاب مہین“ اور ”عذاب شدید“ اور ”عذاب عظیم“ ان ہی باتوں کو فرمایا ہے اور آخرت کا عذاب بھی ہے ان پر جو کافر ہی مرے۔ ۵

(۳) باب: ﴿وَلَمَّ يَلْبِسُوا إِيمَانَهُمْ بِظُلْمٍ﴾ [۸۲]

باب: ”اور انہوں نے اپنے ایمان کے ساتھ کسی ظلم کا شائبہ بھی آنے نہیں دیا“۔

ظلم کی تصریح و مراد

اس آیت ﴿وَلَمَّ يَلْبِسُوا إِيمَانَهُمْ بِظُلْمٍ﴾ میں ظلم سے نبی کریم ﷺ کی تصریح کے موافق شرک

مراد ہے، عام گناہ مراد نہیں، لیکن لفظ ”بِظُلْمٍ“ کو نکرہ لاکر عربی کے قواعد کے مطابق عام کر دیا ہے، جو ہر قسم کے

شُرک کو شامل ہے۔

لفظ ”لَمْ يَلْبِسُوا“۔ ”لَبَسَ“ سے بنا ہے جس کے معنی ہیں اُدڑھنایا خلط ملط کر دینا ہے۔
مراد اس آیت کی یہ ہے کہ جو آدمی اپنے ایمان میں کسی قسم کا شرک ملا دے یعنی اللہ تعالیٰ کو تمام صفات
کمال کے ساتھ ماننے کے باوجود غیر اللہ کو بھی ان میں سے بعض صفات کا حامل سمجھے وہ اس امن و ایمان سے
خارج ہے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ شرک صرف یہی نہیں کہ کھلے طور پر شرک و بت پرست ہو جائے، بلکہ وہ
آدمی بھی مشرک ہے جو اگرچہ کسی بت کی پوجا پاٹ نہیں کرتا اور کلمہ اسلام پڑھتا ہے، مگر کسی فرشتہ یا رسول یا کسی ولی
اللہ کو اللہ کی بعض صفات خاصہ کا شریک ٹھہرائے۔

اس میں اُن عوام کیلئے سخت تنبیہ ہے جو اولیاء اللہ اور ان کے مزار کو حاجت روا سمجھتے ہیں اور عملاً ان کو ایسا
سمجھتے ہیں کہ گویا خدائی کے اختیارات اُن کے حوالے کر دیئے گئے ہیں۔ نعوذ باللہ منہ۔ ۱

۳۶۲۹۔ حدیسی محمد بن بشار: حدیثنا ابن ابی عدی، عن شعبۃ، عن سلیمان،
عن ابراہیم، عن علقمۃ، عن عبد اللہ ؓ قال: لما نزلت ﴿وَلَمْ يَلْبِسُوا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ﴾ قَالَ
اصْحَابُه: وَاَيْنَا لَمْ يَظْلَمُوْا؟ فَنَزَلَتْ ﴿اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ﴾. [راجع: ۳۲]
ترجمہ: حضرت علقمہ رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ (بن مسعود) ؓ فرماتے ہیں کہ جس
وقت یہ آیت نازل ہوئی ﴿وَلَمْ يَلْبِسُوا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ﴾ تو آپ ﷺ کے صحابہ نے عرض کیا کہ ہم میں سے
ایسا کون ہے؟ جس نے ظلم نہ کیا ہو، تو اسکے بعد یہ آیت نازل فرمائی گئی کہ ﴿اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ﴾
[لقمان] یعنی ظلم سے مراد شرک ہے۔

شُرک؛ سب سے بڑا ظلم

امام بخاری رحمہ اللہ یہاں پر ﴿اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ﴾ اس لئے لے کر آئے ہیں کہ ظلم کے
ساتھ جو عظیم کا لفظ ہے وہ دلالت کر رہا ہے کہ ظلم کے مختلف مراتب ہیں، عظیم ترین جو ظلم ہے وہ شرک ہے جو انسان
کو ملت سے خارج کر دیتا ہے اور اس سے نیچے جو مراتب ہیں وہ ملت سے نکلنے والے نہیں ہیں۔
اور ظلم میں اصل یہ ہے کہ وہ ایمان سے خارج نہ کرے، کیونکہ وہ معصیت محض ہے۔ لیکن اس کا ایک فرد

اعلیٰ درجہ کا جو انسانوں کو اسلام سے خارج کر دیتا ہے۔ ۷

(۴) باب قوله: ﴿وَيُؤْنَسُ وَلَوْطًا وَكُلًّا فَضَّلْنَا عَلَيَّ الْعَالَمِينَ﴾ [۸۶]

باب: ”اور یونس اور لوط کو بھی۔ اور ان سب کو ہم نے دُنیا جہاں کے لوگوں پر فضیلت بخشی تھی“۔

۴۶۳۰۔ حدثنا محمد بن بشار: حدثنا ابن مهدي: حدثنا شعبة، عن قتادة، عن

أبي العالية قال: حدثني ابن عم ليكم، يعني ابن عباس رضي الله عنهما عن النبي ﷺ قال:

((ما ينبغي لعبد أن يقول: أنا خير من يونس بن متى)). [راجع: ۳۳۹۵]

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ کسی شخص کیلئے یہ مناسب نہیں کہ

وہ یہ کہے کہ میں یعنی آنحضرت ﷺ یونس بن متی سے بہتر ہوں۔

۴۶۳۱۔ حدثنا آدم بن أبي إياس: حدثنا شعبة: أخبرنا سعد بن إبراهيم قال:

سمعت حميد بن عبد الرحمن بن عوف، عن أبي هريرة رضي الله عنه عن النبي ﷺ قال: ((ما ينبغي

لعبد أن يقول: أنا خير من يونس بن متى)). [راجع: ۳۳۱۵]

(۵) باب قوله: ﴿أُولَئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ فَبِهِدَاهُمُ التَّوْبَةَ﴾ [۹۰]

اس ارشاد کا بیان کہ: ”یہ لوگ وہ تھے جن کو اللہ نے (مخالفین کے رویے پر صبر کرنے کی)

ہدایت کی تھی، لہذا (اے پیغمبر!) تم بھی انہی کے راستے پر چلو“۔

انبیاء سابقین کی اقتداء کا حکم

آیت میں رسول کریم ﷺ کو خطاب فرما کر اہل مکہ کو سنا یا گیا ہے کہ کسی قوم کے آباء و اجداد محض باپ دادا

ہونے کی حیثیت سے قابل تقلید نہیں ہو سکتے کہ ان کے ہر قول و فعل کو قابل اتباع سمجھا جائے جیسا کہ عموماً عرب اور

۷۔ ومن أراد التعمیل فليراجع: انعام الباری شرح صحیح البخاری، ج: ۱، ص: ۴۷۸، کتاب الايمان، باب: ظلم

اہل مکہ کا خیال تھا بلکہ تہلیل و اتباع کے لئے پہلے یہ جاننا ضروری ہے کہ ہم جس کی پیروی کرتے ہیں وہ خود بھی ہدایت کے صحیح راستے پر ہے یا نہیں؟

اس لئے انبیاء علیہم السلام کی ایک مختصر فہرست شمار کر کے فرمایا گیا کہ ﴿أُولَٰئِكَ الدِّينَ هَدَىٰ اللَّهُ﴾ یعنی یہی وہ لوگ ہیں جن کو اللہ نے ہدایت دی ہے، پھر فرمایا کہ ﴿فَبِهَٰذَا هُمْ الْقَدِيدَةُ﴾ یعنی آپ بھی ان کی ہدایت اور طریق کار کو اختیار فرمادیں۔

اس میں ایک ہدایت تو اہل عرب اور تمام امت کو یہ ہے کہ تہلیل و آباء کی وہم پرستی کو چھوڑیں اور خدا تعالیٰ کی طرف سے ہدایت یافتہ بزرگوں کی اتباع کریں۔

دوسری ہدایت خود رسول اللہ ﷺ کو ہے کہ آپ بھی انہی انبیاء سابقین کا طریق اختیار فرمائیں۔ یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی شریعتوں میں فروعی اور جزوی اختلافات پہلے بھی ہوتے رہے، اور ملت اسلام میں ان سے مختلف بہت سے احکام نازل ہوئے ہیں، تو پھر حضور اقدس ﷺ کو انبیاء سابقین کے طریق پر چلنے اور عمل کرنے کا کیا مطلب ہوا؟

دوسری آیات اور روایات حدیث کے پیش نظر اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں تمام فروعی اور جزوی احکام میں انبیاء سابقین کا طریق کار اختیار کرنے کا حکم نہیں، بلکہ اصول دین، توحید، رسالت، آخرت میں ان کا طریق اختیار کرنا مقصود ہے جو کسی پیغمبر کی شریعت میں اڈل بدل نہیں ہوئے۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لیکر خاتم الانبیاء ﷺ تک تمام انبیاء علیہم السلام کا یہی ایک عقیدہ اور طریقہ رہا ہے۔

باقی فروعی احکام جن میں کوئی تبدیلی نہیں کی گئی، ان میں بھی طریقہ کار مشترک رہا اور جن میں حالات کے بدلنے کی وجہ سے بتقاضائے وقت و حکمت کوئی دوسرا حکم دیا گیا اس کی تعمیل کی گئی۔

یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا معمول یہ تھا کہ جب آپ کو بذریعہ وحی کوئی خاص ہدایت نہ آتی تھی تو آپ فروعی معاملات میں بھی پچھلے انبیاء علیہم السلام کے طریقہ کار پر چلتے تھے۔ ۵

۴۶۳۲۔ حدثنی ابراہیم بن موسیٰ: أخبرنا هشام: ان ابن جریج أخبر ہم قال:

أخبرنی سلیمان الأحول: ان مجاہدا أخبرہ: انه سأل ابن عباس ألی من سجدة؟ فقال:

نعم، ثم تلا ﴿وَوَهَبْنَا﴾ الی قوله ﴿فَبِهَٰذَا هُمْ الْقَدِيدَةُ﴾ ثم قال: هو منهم. زاد یزید بن ہارون،

ومحمد بن عبید، وسهل بن یوسف، عن العوام، عن مجاهد: قلت لابن عباس، فقال:

لیکم ﷺ ممن أمر أن یقتدی بهم. [راجع: ۳۴۲۱]

ترجمہ: حضرت مجاہد رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا کہ سورت میں سجدہ ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں ہے، پھر یہ آیت پڑھی ﴿وَوَهَبْنَا﴾ تا ﴿لِيَهْدَاهُمُ الْبَيْتَ الْحَرَامَ﴾ یعنی انبیاء کی پیروی ضروری ہے، انہیں میں حضرت ابو داؤد رضی اللہ عنہ بھی ہیں، جن کے سجدہ کا اس سورت میں ذکر ہے، اسی حدیث کو یزید بن ہارون محمد بن عبید اور اسلم بن یوسف نے عوام بن حوشب سے اور وہ مجاہد سے اس طرح روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے معلوم کیا، تو انہوں نے فرمایا کہ تمہاری نبی ﷺ کو بھی (پچھلے) انبیاء کی پیروی کا حکم دیا گیا ہے۔ ۱

(۶) باب قوله: ﴿وَعَلَى الدِّينِ هَادُوا وَآخِرُ مَنْ كُلِّ ذِي ظَفْرٍ﴾ [۱۴۶]

باب: ”اور یہودیوں پر ہم نے ہر ناخن والے جانور کو حرام کر دیا تھا۔“

وقال ابن عباس: كل ذي ظفر: البعير والنعامة. ﴿الْحَوَايَا﴾: المعبر، وقال غيره: هادوا: صاروا يهودا، وأما قوله: ﴿هُدُنَا﴾ [الأعراف: ۱۵۶]: تناء، هالد: تالب.
ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ”كل ذي ظفر“ کی تفسیر بیان کرتے ہیں کہ یہاں اس سے مراد شتر مرغ اور اونٹ ہے۔

”حوایا“ کا مطلب وہ آنتیں جن میں ٹیگنی رہتی ہے۔

اور بعض کا کہنا ہے کہ ”ہادوا“ کا مطلب یہود ہو گئے۔

”هدنا“ کے معنی ہیں توبہ کرنے والے، ”ہالد“ بمعنی تائب۔

۳۶۳۳ - حدثنا عمرو بن خالد: حدثنا الليث، عن يزيد بن أبي حبيب: قال عطاء:

سمعت جابر بن عبد الله رضي الله عنهما: سمعت النبي ﷺ قال: ((قاتل الله اليهود لما حرم

۱۔ تمام انبیاء علیہم السلام عقائد، اصول دین اور مقاصد کلیہ میں متحد ہیں۔ سب کا دستور اساسی ایک ہے، ہر نبی کو اسی پر چلنے کا حکم ہے۔ آپ بھی اسی طریق مستقیم پر چلنے رہنے کے مامور ہیں۔ گویا اس آیت میں متنبہ کر دیا کہ اصولی طور پر آپ کا راستہ انبیاء سابقین کے راستہ سے ہدائیں، رہا فردغ کا اختلاف وہ ہر زمانہ کی مناسبت و استعداد کے اعتبار سے پہلے بھی واقع ہوتا رہا ہے اور اب بھی واقع ہو تو مضاقت نہیں۔

فائدہ: علمائے اصول نے اس آیت کے عموم سے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ اگر نبی کریم ﷺ کسی معاملہ میں شرائع سابقہ کا ذکر فرمائیں تو وہ اس

امت کے حق میں بھی سند ہے بشرطیکہ شارع نے اس پر کئی یا جزئی طور پر انکار نہ فرمایا ہو۔ تفسیر عثمانی، سورہ انعام: ۹۰، فائدہ: ۷۔

اللہ علیہم شحومہا جملوہا ثم باعوہا فأكلوها))۔

وقال أبو عاصم: حدثنا عبد الحميد: حدثنا يزيد: كتب الی عطاء: سمعت جابراً

عن النبی ﷺ. [راجع: ۲۲۳۶]

ترجمہ: حضرت عطاء (بن ابی رباح) رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے سنا کہ وہ بیان کر رہے تھے کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا، آپ فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ یہودیوں کو برباد کرے جب چربی کو ان کیلئے حرام کیا گیا تو انہوں نے اس کو پگھلا کر فروخت کیا اور اس کی قیمت وصول کر کے اس کو کھایا (یعنی اس کی قیمت کھائی)۔

اور ابو عاصم کہتے ہیں کہ ہم سے عبد الحمید نے بیان کیا اور ان سے یزید نے بیان کیا کہ حضرت عطاء رحمہ اللہ نے مجھے لکھا کہ میں نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے سنا کہ وہ نبی کریم ﷺ نے اسی حدیث کو روایت کرتے ہیں۔

یہودی کی ہٹ دھرمی

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ ﷻ ان یہودیوں کو مار ڈالے، کیونکہ اللہ ﷻ نے ان پر چربی حرام فرمائی تھی، لیکن انہوں نے اس چربی کو پگھلایا اور پھر فروخت کر کے اس کی قیمت کھالی۔

نام بدلنے سے حقیقت نہیں بدلتی

یہودیوں نے چربی استعمال کرنے کا یہ حیلہ کیا کہ انہوں نے کہا کہ ہم پر ”شحم“۔۔۔ چربی حرام کی گئی ہے، اور لفظ ”شحم“ کا اطلاق چربی پر اس وقت ہوتا جب تک اس کو پگھلایا نہ گیا ہو اور پگھلانے کے بعد اس کو ”شحم“ نہیں کہا جاتا بلکہ اس کو ”ودک“ کہتے ہیں، اب جب ہم نے اس کو پگھلایا تو اب یہ ”شحم“ نہ رہی بلکہ ”ودک“ ہو گئی اور یہ ہمارے لئے حرام نہیں۔

حالانکہ حقیقت میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی تھی، لہذا ان کا یہ حیلہ درست نہیں تھا۔ اس لئے حضور اقدس ﷺ نے اس حیلے کی مذمت بیان فرمائی۔

اس سے یہ اصول معلوم ہوا کہ محض نام کے بدل جانے سے حقیقت تبدیل نہیں ہوتی، اور حلت و حرمت پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔

البتہ اگر ماہیت ہی بدل جائے، مثلاً ”خمر۔ شراب“ کی ماہیت بدل کر ”خل۔ سرکہ“ بن گیا تو اس

صورت میں حکم بھی بدل جاتا ہے یعنی حرمت کا حکم بھی باقی نہیں رہتا بلکہ وہ شی طاهر اور حلال ہو جاتی ہے۔ ۱۰

(۷) باب: ﴿وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ﴾ [۱۵۱]

باب: ”اور بے حیائی کے کاموں کے پاس بھی نہ پھنکو، چاہے وہ بے حیائی کھلی ہوئی ہو یا چھپی ہوئی“۔

بے حیائی کے کاموں سے دور رہنے کا حکم

”فَوَاحِشٌ - فاحشه“ کی جمع ہے، اور لفظ ”لحش، لِحشاء، فاحشه“ سب مصدر ہیں، جن کا

اردو میں ترجمہ بے حیائی سے کیا جاتا ہے۔

قرآن وحدیث کی اصطلاح میں ہر ایسے بُرے کام کے لئے یہ الفاظ بولے جاتے ہیں جس کی برائی اور

فساد کے اثرات بُرے ہوں اور دور تک پہنچیں۔

امام راغب رحمہ اللہ نے مفردات القرآن میں اور ابن اشیر رحمہ اللہ نہا یہ میں یہی معنی بیان فرمائے ہیں،

قرآن کریم میں جا بجا فحش اور فحشاء کی ممانعت وارد ہوئی ہے، ایک آیت میں ارشاد ہے ﴿يَنْهَى عَنِ الْفَحْشَاءِ

وَالْمُنْكَرِ﴾، ایک جگہ ارشاد ہے ﴿حَرَّمَ رَبِّي الْفَوَاحِشَ﴾۔ ۱۱

”لحش و لِحشاء“ - اس کے مفہوم عام میں تمام بڑے گناہ داخل ہیں، خواہ اقوال کے متعلق ہوں

یا افعال سے اور ظاہر سے متعلق ہوں یا باطن اور قلب سے، بدکاری اور بے حیائی کے جتنے کام ہیں وہ بھی سب اس

میں داخل ہیں۔

اس لئے عام زبانوں پر یہ لفظ بدکاری کے معنی میں بولا جاتا ہے، قرآن کریم کی اس آیت میں فواحش

کے قریب جانے سے بھی روکا گیا ہے، اس کو اگر مفہوم عام میں لیا جائے تو تمام بُری خصلتیں اور گناہ خواہ زبان

کے ہوں، خواہ ہاتھ پاؤں وغیرہ کے، اور خواہ دل کے متعلق ہوں، سبھی اس میں داخل ہو گئے۔

اور اگر اس کو عام عوام میں مشہور بے حیائی کے معنی میں لئے جائیں تو بدکاری اور اس کے مقدمات اور

اسباب مراد ہوں گے۔

۱۱ مزید تفسیر کے لئے انہی فرمائیں۔ لغت الباری، کتاب البیوع، رقم: ۲۲۳۶، ج: ۶، ص: ۳۱۹

۱۲ مفردات الفاظ العربیة، لعلامة الراغب الاصفهانی، ص: ۶۲۶، والنہایة فی غریب الحدیث والاثار لابن الاثیر

الجلدی الشامی، ج: ۳، ص: ۱۵

پھر اسی آیت میں فواحش کی تفسیر میں یہ بھی فرمایا ﴿مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَّنَ﴾ پہلی تفسیر کے مطابق ظاہری فواحش سے زبان اور ہاتھ پاؤں وغیرہ کے تمام گناہ مراد ہوں گے اور باطنی فواحش سے مراد وہ گناہ ہوں گے جو دل سے متعلق ہیں، جیسے حسد، کینہ، حرص، ناشکری، بے صبری وغیرہ۔

اور دوسری تفسیر کے مطابق ظاہری فواحش سے مراد وہ بے حیائی کے کام ہوں گے جن کو علانیہ کیا جاتا ہے، اور وہ باطنی وہ جو چھپ کر کئے جائیں، کھلی بدکاری میں اس کے مقدمات اور لوازمات سب داخل ہیں، بدینتی سے کسی عورت کی طرف دیکھنا، ہاتھ وغیرہ سے چھونا، اس سے اس طرح کی باتیں کرنا سب اس میں داخل ہیں، اور باطنی بے حیائی اور بدکاری میں وہ خیالات اور ارادے اور ان کو پورا کرنے کی خفیہ تدبیریں داخل ہیں جو کسی بے حیائی اور بدکاری کے سلسلہ میں عمل میں لائی جائیں۔

بعض حضرات مفسرین نے فرمایا کہ ظاہری فواحش سے وہ بے حیائی کے کام مراد ہیں جن کا بُرا ہونا عام طور پر مشہور و معلوم ہے اور سب جانتے ہیں۔

اور باطنی فواحش سے مراد وہ افعال ہیں جو اللہ کے نزدیک بے حیائی کے کام ہیں، اگرچہ عام طور پر ان کو لوگ بُرا نہیں جانتے یا عام لوگوں کو ان کا حرام ہونا معلوم نہیں، مثلاً بیوی کو طلاق دینے کے بعد بیوی بنا کر رکھ چھوڑا یا کسی ایسی عورت سے نکاح کر لیا جو شرعاً اس کیلئے حلال نہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ یہ آیت فواحش کے اصل مفہوم کے اعتبار سے تمام ظاہری اور باطنی گناہوں کو مشہور عام مفہوم کے اعتبار سے بدکاری و بے حیائی کے جتنے طریقے کھلے یا چھپے ہوئے ہیں ان سب کو شامل ہے۔

اور حکم اس میں یہ دیا گیا ہے کہ ان چیزوں کے پاس بھی نہ جاؤ، پاس نہ جانے سے مراد یہ ہے کہ ایسی مجلسوں اور ایسے مقامات سے بھی بچو جہاں جا کر اس کا خطرہ ہو کہ ہم گناہ میں مبتلا ہو جائیں گے، اور ایسے کاموں سے بچو جن سے ان گناہوں کا راستہ نکلتا ہو۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ ”كُرَاعِ يَوْعَى حَوْلَ الْحِمَى، يُوشِكُ أَنْ يُوالِغَةَ“۔ یعنی وہ چڑھا جو (شاہی محفوظ) چراگاہ کے آس پاس اپنے جانوروں کو چرائے، قریب ہے کہ وہ کبھی اس چراگاہ کے اندر گھس جائے یعنی جو شخص کسی ممنوع جگہ کے گرد گھومتا ہے تو کچھ بعید نہیں کہ وہ اس میں داخل بھی ہو جائے۔ ۱۲

اس لئے احتیاط کا مقتضی یہی ہے کہ جس جگہ کا داخلہ ممنوع ہے اس جگہ کے گرد بھی نہ پھرے۔ ۱۳

۳۶۳۴۔ حدثنا حفص بن عمر قال: حدثنا شعبة، عن عمرو، عن أبي وال، عن

۱۲ صحیح البخاری، کتاب الإیمان، باب فضل من استبرا لدينه، رقم الحدیث: ۵۲

۱۳ معارف القرآن، ج: ۳، ص: ۳۸۶، ۳۸۵

عبداللہ ﷺ قال: لا أحد أغير من الله، ولذلك حرم الفواحش، ما ظهر منها وما بطن. ولا شيء أحب إليه المدح من الله، ولذلك مدح نفسه. قلت: سمعته من عبد الله؟ قال: نعم، قلت: ورفعه؟ قال: نعم. [أنظر: ۴۶۳۷، ۵۲۲۰، ۷۳۰۳] ۳

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ ﷻ سے زیادہ کوئی غیرت دار نہیں ہے، یہی وجہ ہے اس نے تمام ظاہر و باطن کی نفس چیزوں کو حرام کر دیا ہے، اور اللہ ﷻ اپنی تعریف، حمد و ثنا سے زیادہ کسی چیز کو پسند نہیں کرتا ہے، یہی وجہ ہے کہ اس نے خود اپنی تعریف فرمائی۔ عمرو بن مرہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے استاد ابو داؤد سے اس حدیث کو سن کر کہا کہ کیا آپ نے یہ حدیث حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے سنی ہے؟ تو انہوں نے فرمایا ہاں! اس کے بعد میں نے کہا اس کا سلسلہ رسول اکرم ﷺ تک جا پہنچتا ہے؟ فرمایا ہاں!

(۸) باب:

یہ باب بلا عنوان ہے۔

﴿وَكَيْلٌ﴾: حفيظ ومحيط به. ﴿ثَبَلًا﴾ جمع قبيلا. والمعنى أنه ضروب لعذاب كل ضرب منها قبيلا. ﴿زُخْرُفُ الْقَوْلِ﴾: كل شيء حسنته زينته وهو باطل فهو زخرف. ﴿وَعَرْتٌ حِجْرٌ﴾: حرام، وكل ممنوع فهو حجر محجور. والحجر: كل بناء بنيته. ويقال للأنثى من الخيل: حجر. ويقال للعقل: حجر وحجا. وأما الحجر لموضع لعمود، وما حجرت عليه من الأرض فهو خيمر. ومنه سمي حطيم فلسطين حجرا كأنه مشق من محطوم، مثل قعيل من مفعول. وأما حجر الإمامة فهو منزل.

ترجمہ و تشریح

امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ”وَكَيْلٌ“ بمعنی ”حفيظ ومحيط به“ یعنی وہی اللہ ہر چیز کا

۳۱ ولی صحیح مسلم، کتاب التوبۃ، باب غیرۃ اللہ تعالیٰ وتحريم الفواحش، رقم: ۲۷۶۰، وسنن الترمذی، أبواب

الدعوات، باب، رقم: ۳۶۳۰، ومسند أحمد، مسند المكفرین من الصحابة، مسند عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، رقم:

۳۶۱۶، ۴۰۳۴، ۴۱۵۳، وسنن الدارمی، ومن کتاب النکاح، باب فی الفیرۃ، رقم: ۲۷۷۱

تکبہاں و محافظ ہے، اور کوئی شے اسکے احاطہ سے باہر نہیں۔

”قُبُلًا“ جمع ہے اور اس کا واحد ”قبیل“ ہے اور اس سے مراد ہر قسم کا عذاب ہے۔

”وَحَزُونٍ“ کے معنی ہر وہ چیز جس کو ظاہری طور پر خوبصورت و آراستہ کیا گیا ہو لیکن حقیقتاً وہ بیکار چیز ہو۔

”وَحَزُونٌ حَجْرٌ“ یعنی حرام ہے، ہر وہ چیز جو ممنوع ہے وہ حجر ہے، اور ”حجر“ بمعنی ”محجور“۔

”حجر“ ہر وہ عمارت ہے جس کو تم نے تعمیر کی، یعنی حجر کا اطلاق عمارت پر بھی ہوتا ہے۔

اس کے علاوہ ”حجر“ کا اطلاق گھوڑے کی مادہ یعنی گھوڑی پر بھی ہوتا ہے۔

”حجر و حجاج“ اور ان دونوں کا اطلاق ”عقل“ پر بھی ہوتا ہے۔

”حجر“ قوم ثمود کی بستی کا نام بھی ہے، جو مدینہ و شام کے درمیان واقع ہے، غزوہ تبوک کے موقع پر

آنحضرت ﷺ مع اصحاب وہاں سے گزرے تھے۔

اور زمین کے جس حصہ پر ٹنگی ہو یعنی ہر ممنوع علاقہ ”حجر“ ہے اور اسی لئے بیت اللہ کے ”حطیم“ کو

بھی ”حجر“ کہتے ہیں گویا کہ ”حطیم“ مشتق ہے ”محطوم“ سے یعنی ”حطیم - محطوم“ کے مفہوم کو

ادا کرتا ہے، جیسے قتل، مقتول کے معنی کو اداء کرتا ہے اور ”حجر یمامہ“ ایک مقام کا نام ہے۔

(۹) باب قوله: ﴿قُلْ هَلْمْ شَهَادَةٌ﴾ [۱۵۰]

اس ارشاد کا بیان کہ: ”ان سے کہو کہ اپنے وہ گواہ ذرا سامنے تولاد“۔

لغة أهل الحجاز هلم للواحد والأثنين والجمع.

ترجمہ: لفظ ”هلم“ اہل حجاز کی لغت ہے، اور واحد، ثننیہ اور جمع سب کیلئے استعمال ہوتا ہے۔

(۱۰) باب: ﴿لَا يَنْفَعُ نَفْسًا إِيْمَانُهَا﴾ [۱۵۸]

باب: ”اُس دن کسی ایسے شخص کا ایمان اُس کیلئے کارآمد نہیں ہوگا“۔

مغرب سے طلوع آفتاب کے بعد توبہ کا دروازہ بند

اس آیت میں اس بات پر متنبہ فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بعض نشانیاں سامنے آجانے کے بعد توبہ کا

دروازہ بند ہو جائے گا، جو شخص اس سے پہلے ایمان نہیں لایا، اب ایمان لائے گا تو قبول نہیں ہوگا، اور جو شخص ایمان تو لایا چکا تھا مگر نیک اعمال نہیں کئے تھے، وہ اب توبہ کر کے آئندہ نیک عمل کا ارادہ کرے گا تو اس کی توبہ بھی قبول نہ ہوگی۔ خلاصہ یہ ہے کہ کافر اپنے کفر سے یا اپنے فاسق اپنے فسق و معصیت سے اگر اس وقت توبہ کرنا چاہے گا تو وہ توبہ قبول نہیں ہوگی۔

سبب یہ ہے کہ ایمان اور توبہ صرف اس وقت تک قبول ہو سکتی ہے جب تک وہ انسان کے اختیار میں ہے، اور سبب عذاب الہی کا اور حقائق آخرت کا مشاہدہ ہو گیا تو ہر انسان ایمان لانے میں اور گناہ سے باز آنے پر خود مجبور ہو گیا، مجبوری کا ایمان اور توبہ قابل قبول نہیں ہے۔

قرآن مجید کی بے شمار آیات میں مذکور ہے کہ اہل دوزخ، دوزخ میں پہنچ کر فریاد کریں گے اور بڑے بڑے وعدے کریں گے کہ اگر ہمیں اب دنیا میں دوبارہ لوٹا دیا جائے تو ہم ایمان اور عمل صالح کے سوا کچھ نہ کریں گے، مگر سب کا جواب یہی ہوگا کہ ایمان و عمل کا وقت ختم ہو چکا ہے اور اب جو کچھ کہہ رہے ہو مجبور ہو کر کہہ رہے ہو اس کا اعتبار نہیں۔

اس آیت میں اتنی بات تو قرآنی تصریح سے معلوم ہو گئی کہ بعض نشانیاں ایسی واقع ہوں گی، جن کے بعد توبہ کا دروازہ بند ہو جائے گا، کسی کافر یا فاسق کی توبہ قبول نہ ہوگی، لیکن قرآن کریم نے اس وضاحت نہیں فرمائی کہ وہ کونسی نشانی ہے؟

آگے حدیث میں اسی آیت کی تفسیر میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قیامت اس وقت تک قائم نہیں جب تک سورج مغرب کی طرف سے طلوع نہ ہو، جب لوگ یہ نشانی دیکھیں گے تو سب ایمان لے آئیں گے لیکن اس وقت کسی کی توبہ قبول نہیں ہوگی کیونکہ اسی وقت کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی ہے۔

امام قرطبی رحمہ اللہ نے تذکرہ میں اور حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے شرح بخاری فتح الباری میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی یہ روایت بھی بیان کی ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ اس واقعہ یعنی سورج مغرب کی طرف سے طلوع ہونے کے بعد ایک سو بیس سال تک دنیا قائم رہے گی۔ ۵

۴۶۳۵ - حدثنا موسى بن اسماعيل: حدثنا عبد الواحد: حدثنا عمارة: حدثنا أبو

زرعة: حدثنا أبو هريرة رضی اللہ عنہ قال: قال رسول الله ﷺ: ((لا تقوم الساعة حتى تطلع الشمس

۵ تفسیر آلوسی - روح المعانی، سورۃ الانعام، ج: ۴، ص: ۳۰۵، فتح الباری، کتاب الرقاق، باب، رقم الحدیث:

۶۵۰۶، ج: ۱۱، ص: ۳۵۳، تفسیر معارف القرآن، ج: ۳، ص: ۳۹۸، ۳۹۷

من مغربها فاذا رآها الناس آمن من عليها فداك حين ﴿لَا يَنْفَعُ نَفْسًا إِيْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ آمَنَتْ مِنْ قَبْلُ﴾. [راجع: ۸۵]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اس وقت تک قیامت نہیں آئے گی جب تک سورج مغرب سے طلوع نہ ہوگا، پھر جب آدمی اسے دیکھیں گے تو سب ایمان لے آئیں گے، مگر یہ وقت ایسا ہوگا کہ جیسا اس آیت میں ذکر ہے ﴿لَا يَنْفَعُ نَفْسًا إِيْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ آمَنَتْ مِنْ قَبْلُ﴾ یعنی اس دن کسی ایسے شخص کا ایمان اُس کے لئے کارآمد نہیں ہوگا جو اس سے پہلے ایمان نہیں لایا۔ ۱۱

۲۶۳۶ - حدیثی اسحاق: أخبرنا عبدالرزاق: أخبرنا معمر، عن همام، عن

أبو هريرة رضی اللہ عنہ قال: قال رسول الله ﷺ: ((لا تقوم الساعة حتى تطلع الشمس من مغربها فاذا طلعت ورآها الناس آمنوا أجمعون، وذلك حين ﴿لَا يَنْفَعُ نَفْسًا إِيْمَانُهَا﴾)) لم اقرأ الآية بـ

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اس وقت تک قیامت نہیں آئے گی جب تک سورج مغرب سے طلوع نہ ہو جائے، پھر جب سورج مغرب سے طلوع ہوگا، لوگ اس نشانی کو دیکھیں گے تو سب ایمان لے آئیں گے، اور یہی وہ وقت ہوگا کہ جیسا اس آیت میں ذکر ہے ﴿لَا يَنْفَعُ نَفْسًا إِيْمَانُهَا﴾ یعنی اس دن کسی ایسے شخص کا ایمان اُس کے لئے کارآمد نہیں ہوگا۔ پھر آپ ﷺ نے آیت پوری تلاوت فرمائی۔

۱۱ ﴿لَا يَنْفَعُ نَفْسًا إِيْمَانُهَا﴾۔ یعنی اللہ ﷻ کی طرف سے ہدایت کی جو حدیثی وہ پوری ہو چکی، انبیاء تشریف لائے، شریعتیں اتریں، کتابیں آئیں حتیٰ کہ اللہ ﷻ کی آخری کتاب بھی آ چکی، تب بھی نہیں مانتے تو شاید اب اس کے فخر ہیں کہ اللہ ﷻ آپ آئے یا فرشتے آئیں یا قدرت کا کوئی بڑا نشان مثلاً قیامت کی کوئی بڑی علامت ظاہر ہو، تو یاد رہے کہ قیامت کے نشانیوں میں سے ایک نشان وہ بھی ہے جس کے ظاہر ہونے کے بعد نہ کافر کا ایمان لانا معتبر ہوگا نہ عاصی کی توبہ۔

مختلف احادیث بتاتی ہیں کہ یہ نشان آفتاب کا مغرب سے طلوع کرنا ہے، یعنی جب خدا کا ارادہ ہوگا کہ دنیا کو ختم کرے اور عالم کا موجودہ نظام درہم برہم کر دیا جائے تو موجودہ قوانین طبیعیہ کے خلاف بہت سے عظیم الشان خوارق و قوتوں میں آئیں گے، ان میں سے ایک یہ ہے کہ آفتاب مشرق سے بجائے مغرب سے طلوع ہوگا۔ غالباً اس حرکت مقلوبی اور رجعتِ ظہیری سے اس طرف اشارہ کرنا مقصود ہو کہ جو قوانین قدرت اور فواید میں طبیعیہ دنیا کے موجودہ نظم و نسق میں کار فرما تھے، ان کی میعاد ختم ہونے اور نظامِ شمس کے الٹ پلٹ ہو جانے کا وقت آ پہنچا ہے۔ گویا اس وقت سے عالم کبیر کا نزع اور جاگتی کا وقت شروع ہوتا ہے اور جس طرح عالم صغیر (انسان) کی جاگتی کے وقت ایمان اور توبہ مقبول نہیں، کیونکہ وہ حقیقت میں اختیاری نہیں ہوتا، اسی طرح طلوع شمس من المغرب کے بعد مجموعہ عالم کے حق میں یہی حکم ہوگا کہ کسی کا ایمان و توبہ معتبر نہ ہو۔

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر﴾

﴿گزشتہ سے پیوستہ﴾

بعض روایات میں "طلوع الشمس من مغربها" کے ساتھ چند دوسرے نشانات بھی بیان ہوئے ہیں مثلاً خروج دجال، خروج دابہ وغیرہ، ان روایات کی مراد یہ معلوم ہوتی ہے کہ جب ان سب نشانات کا مجموعہ تحقق ہوگا اور وہ جب ہی ہو سکتا ہے کہ "طلوع الشمس من مغربها" بھی تحقق ہو، تو دروازہ توبہ کا بند کر دیا جائے گا الگ الگ ہر نشان پر یہ حکم متفرغ نہیں۔ آسان ترجمہ قرآن، سورۃ الانعام، آیت ۱۵۸، -تفسیر عثمانی، سورۃ العام، آیت: ۱۵۸، ناکدہ: ۲۔

بحل ولسی صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب بیان الزمن الذي لا يقبل فيه الايمان، رقم: ۱۵۷، وسنن ابی داؤد، کتاب الملاحم، باب امارات الساعة، رقم: ۴۳۱۲، وسنن ابن ماجہ، کتاب الفتن، باب طلوع الشمس من مغربها، رقم: ۴۰۶۸، و مسند احمد، مسند المكلفين من الصحابة، مسند ابی هريرة رضي الله عنه، رقم: ۷۱۶۱، ۸۵۹۹، ۱۰۷۵۹، ۹۱۷۲، ۸۸۵۰

سورة الاعراف

سورة اعراف کا بیان

بسم الله الرحمن الرحيم

وجہ تسمیہ

”اعراف“ کے لفظی معنی بلند یوں کے ہیں۔

اور اصطلاح میں یہ اُس جگہ کا نام ہے، جو جنت اور دوزخ کے درمیان واقع ہے، اور جن لوگوں کے اچھے اور بُرے اعمال برابر ہوں گے، اُن کو کچھ عرصے کے لئے یہاں رکھا جائے گا، پھر اُن کے ایمان کی وجہ سے آخر کار وہ بھی جنت میں داخل ہو جائیں گے۔

چونکہ اسی سورت میں اعراف اور اس میں رکھے جانے والوں کا بیان تفصیل سے آیا ہے، اس لئے اس کا نام سورۃ اعراف رکھا گیا ہے۔ ۱

قال ابن عباس: ﴿وَرِيْشًا﴾: المال. ﴿اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُفْتَدِيْنَ﴾: فى الدعاء ولى غيره. ﴿عَفْوًا﴾: كثروا. ﴿الْفَتَاخُ﴾: القاضى.

﴿الْفَتْحُ بَيْنَنَا﴾: اقص بيننا. ﴿تَعَفَّنَا الْجَبَلَ﴾: رلعنا. ﴿الْبَجَسَتْ﴾: الفجرت. ﴿مُتَبِّرًا﴾: عسرا. ﴿آسَى﴾: احزن. ﴿تَأْسًا﴾: تحزن.

﴿مَا مَنَعَكَ اَنْ لَا تَسْجُدَ﴾ بقول: ما منعك ان تسجد. ﴿يَخْصِفَانِ﴾: اخذا الخصاف من ورق الجنة، يؤلفان الورق: يخصفان الورق بعضه الى بعض.

﴿سَوَّآبِهِمَا﴾: كناية عن فرجيهما.

﴿وَمَتَاعٍ اِلَىٰ حِينٍ﴾: هو ما هنا الى القيامة، والحين عند العرب من ماعة الى ما

لا يحصى عدها. الرياش والريش واحد وهو ما ظهر من اللباس.

﴿قَبِيْلَةٌ﴾: جيله الذى هو منهم.

﴿إِذَا رَكُوتًا﴾: اجتمعوا. ومثاق اللسان والدابة كلها يسمى سموما واحدها سم، وهي عيناه ومنخراه ولفمه وأذناه ودبره واحليله.

﴿عَوَاشٍ﴾ ما غشوا به. ﴿نُشْرًا﴾: متفرقة. ﴿نِكَدًا﴾: قليلا. ﴿يَفْتَنُوا﴾: يعيشوا. ﴿اسْتَرْهَبُوهُمْ﴾، من الرهبة. ﴿تَلْقَفُ﴾: تلقم.

﴿طَالرُهُمُ﴾: حَطُّهُمْ. طوفان: من السيل، ويقال للموت الكثير: الطوفان.

﴿القَمْلُ﴾: الحمقان شبه صفار الحلم. عروش وعريش: بناء.

﴿سَقَطُ﴾: كل من لدم فقد سقط في يده. الأسباط: لبائل بنى اسرائيل.

﴿يَعْدُونَ فِي السَّبْتِ﴾: يتعدون له، يجاوزون. ﴿تَعْلَمُ﴾ [الكهف: ۲۸]: تجاوز.

﴿شُرْعًا﴾: شوارع. ﴿بَنِيْسٍ﴾: شديد. ﴿أَخْلَدَ إِلَى الْأَرْضِ﴾: لعدو تقاعس.

﴿سَنَسَعَدِرِ جُهَنَّمَ﴾: نأبيهم من مأمهم كقوله تعالى: ﴿فَأَنذَرْتَهُمُ اللَّهُ مِن حَيْثُ لَمْ يَحْتَسِبُوا﴾ [الحشر: ۲]. ﴿مِن جَنَّةٍ﴾: من جنون.

﴿أَيَّانَ مَرَسَاكًا﴾ من خروجها ﴿لَمَرَّتْ بِهِ﴾: استمر بها الحمل فأتمته.

﴿يَنْزَعُكَ﴾: يستخفك. ﴿طَيْفٌ﴾ ملثم: به لمم، ويقال: طائف وهو واحد.

﴿يَمُدُّوْنَهُمْ﴾: يزينون. ﴿وَخَيْفَةً﴾: خوفا. ﴿وَخَيْفَةً﴾: من الاخفاء.

﴿وَالْأَصَالِ﴾: واحدهما أصيل، ما بين العصر الى المغرب كقوله تعالى: ﴿بُكْرَةً وَأَصِيلًا﴾ [الفرقان: ۵].

ترجمہ و تشریح

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ ”وَرِيْشًا“ کا مطلب ہے ”الجمال“ یعنی دنیاوی ساز و سامان اور مال و متاع۔

﴿إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ﴾ یعنی اللہ حد سے زیادہ تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا، اس آیت میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ دعائیں حد سے زیادہ تجاوز کرنا، اس طرح کہ کوئی شخص ناممکن چیزیں دعاء میں مانگنے لگ جائے۔

”عَفْوًا“ بمعنی ”کفووا“ کے معنی بہت ہوئے اور ان کے اموال زیادہ ہو گئے۔

”الْفَتْحُ“ بمعنی قاضی، حکم کرنے والا اور ”الْفَتْحُ بَيْنَنَا“ کے معنی ہیں ہمارے درمیان فیصلہ کر دیجئے۔

”تَقْنَا“ کے معنی ہیں ”رفعنا“ یعنی ہم نے اٹھایا۔
 ”انْبَجَسَتْ“ بمعنی ”الفطرت“ یعنی جاری ہو گیا۔
 ”مُتَبَّرٌ“ بمعنی ”خسران“ خسارہ پانے والے۔
 ”آسَى“ بمعنی ”احزن“ رنج کرنا، غم کھانا، اسی مناسبت سے دوسرا لفظ ”تَأْسٌ“ بمعنی ”حزن“ کو ذکر کر دیا۔

اس آیت ﴿مَا مَنَعَكَ أَنْ لَا تُسْجِدَ﴾ اس میں ”لا“ زائدہ ہے اور معنی ہوگا کس چیز نے منع کیا تجھ کو سجدہ کرنے سے؟

”يَنْصِلَانِ“ کے معنی ہیں دونوں جوڑنے لگے، چپکانے لگے جنت کے پتوں کو جوڑ جوڑ کر رکھنے لگے، اور دونوں پتوں کو ایک دوسرے پر تہ بہ تہ جوڑتے تھے۔
 ”سَوَّآبِهِمَا“ کنایہ ہے دونوں کے شرم گاہ سے۔

﴿وَمَعَاقِ السِّجْنِ﴾ سے یہاں مراد ہے قیامت کے دن تک اور لفظ ”حِجْنِ“ عرب کے نزدیک استعمال کیا جاتا ہے ایک ساعت سے لے کر غیر محصور مدت تک۔

”رباش و ریش“ دونوں ہم معنی ہیں اور وہ ظاہری لباس ہے۔
 ﴿قَبِيلُهُ﴾ - قبیل“ کا معنی ہے گروہ، قوم، اس کا قبیلہ اس کا گروہ ہے کہ جن میں سے وہ ہے۔
 ﴿إِذَا رُكَّوْا﴾ کے معنی ہیں سب جمع ہو گئے۔

انسان اور چوپائے سب میں جو سوراخ ہیں ان کو ”شُمُومًا“ کہتے ہیں، جس کا واحد ”سَمٌ“ ہے اور اس سے مراد دونوں آنکھیں اور دونوں ناک، منہ، دونوں کان اور بروہل یعنی شرم گاہیں۔

”هَوَاشٍ“ یعنی وہ چیز ہے جس سے ڈھانکا جائے۔
 ”نُشْرًا“ کے معنی ہیں متفرقہ، جدا جدا، مختلف۔
 ”رُكَّوْا“ کے معنی قلیل اور تھوڑے کے ہیں۔

”يَهْنَوْنَ“ کے معنی جینے اور زندگی گزارنے کے ہیں۔
 ”اسْتَرْهَبُوهُمْ“ - ”رہبہ“ سے مشتق ہے جس کے معنی خوف کے ہیں۔
 ”تَلَقَّفَ“ بمعنی ”تَلَقَّمْ“ یعنی لقمہ بنانے لگا، نگلنے لگا۔

”طوفان“ کے معنی سیلاب، بہنے والا پانی اور اموات کی کثرت یعنی موت کی گرم بازاری کو بھی طوفان

کہا جاتا ہے۔
 ”الْقَمَلُ“ بمعنی ”حمنان“ یعنی چھوٹی چھڑیاں جو مشابہ ہے چھوٹے چھوٹے کیڑوں سے۔

”عروش و عروش“ کے معنی ہیں ”بناء“ یعنی عمارت، محل۔
 ”سُقَطُ“ کے معنی ہیں ہر وہ شخص جو شرمندہ ہوا اور وہ ہاتھ مل کر پچھتا یا۔
 ”الأسباط“ سے مراد قبائل بنی اسرائیل ہیں۔
 ”يَعْتَدُونَ فِي السَّنَةِ“ کے معنی ہیں ”یتعدون“ تعدی کر رہے تھے، وہ لوگ حد شرعی سے تجاوز کر رہے تھے۔

اسی طرح سورہ کہف میں ﴿تَعْدُو﴾ کا بھی یہی مطلب ہے۔
 ”شُرْعًا“ کے معنی ہیں پانی کے اد پر ظاہر ہونے والے، یہ لفظ کھچلی آیت سے متعلق ہے۔
 ”بئیس“ بمعنی - شدید۔
 ”أَخْلَدَ إِلَى الْأَرْضِ“ کی تفسیر کی ہے ”لعد“ اور ”لقعاس“ دونوں کے معنی ایک ہیں اپنی ضرورت یا اپنے کام سے پیچھے ہٹ جانا۔
 ”سَنَسْتَدِرُّ جُهُنْمَ“ کے معنی ہیں آئیں گے ہم نے ان کے پاس ایسی جگہ سے جہاں سے ان کا گمان بھی بھی نہیں ہوگا ایسی پر امن جگہ ہوگی۔
 استدراج کے معنی ہیں ایک درجہ سے دوسرے درجہ میں چڑھانا، قریب کرنا، مراد یہاں پر یہ ہے کہ اللہ کی پکڑا چاک آن دیو جتی ہے۔

ایسے ہی دوسرا ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿فَلَمَّا هَمَّ مِنْ حَيْثُ لَمْ يَخْتَسِبُوا﴾ [الحشر: ۲۰]۔
 ”مِنْ جَنِبَةٍ“ سے مراد یہاں پر جنوں ہے۔
 ﴿إِبَانٌ مَرْمَأًا﴾ سے مراد یہ ہے کہ قیامت کی گھڑی کب نکلے گی، کب قائم ہوگی؟
 ”فَمَرَّتْ بِهِ“ کا مطلب یہ پھر جب مرد نے عورت کو دھانک لیا، جماع کیا، تو اس نے ہلکا سا بوجھ اٹھالیا یعنی اس کو خفیف سا حمل رہ گیا، اس کو پیٹ میں لئے پھرتی رہی اور اس کی مدت کو پورا کیا۔
 ”يَنْزَعُنكَ“ سے مراد یہ ہے شیطان تجھے بہکائے۔
 ”طَيْفٌ“ بمعنی ”ملم“ یعنی دل میں آنے والے خیالات اور دوسے۔
 اور بعض حضرات کہتے ہیں ”طائف“ جمع ہے ”طيف“ کی جس کے معنی ہیں جمع، بھیر و غیرہ۔
 ”يَمْلُؤْنَهُمْ“ وہ ان کو خوبصورت کر کے دکھلاتے ہیں۔
 ”وَحَيْفَةٌ: حَوْلًا - وَحَيْفَةٌ: مِنَ الْإِخْفَاءِ“ دونوں کے معنی ایک ہی ہیں یعنی خوف اور ڈر۔
 ”وَالْأَصَالُ“ جمع ہے، ”اصیل“ کی جس کے معنی ہیں عصر سے مغرب تک کا وقت، جیسے اللہ ﷻ کا قول ہے کہ ﴿بُكْرَةٌ وَأَصِيلَةٌ﴾۔

(۱) باب قول اللہ عزوجل: ﴿قُلْ إِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا

وَمَا بَطَّنَ ﴿۳۳﴾

اللہ عزوجل کے اس ارشاد کا بیان کہ: ”کہہ دو کہ: میرے پروردگار نے تو بے حیائی کے کاموں کو حرام قرار دیا ہے، چاہے وہ بے حیائی کھلی ہوئی ہو، یا چھپی ہوئی۔“

افتراء علی اللہ ایک سنگین گناہ

یوں تو کسی بھی شخص کی طرف کوئی غلط بات منسوب کرنا ہر اعتبار سے ایک ناجائز اور غیر اخلاقی فعل ہے، لیکن اگر یہ جرم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کیا جائے تو اس کی سنگینی انسان کو کفر تک لے جاتی ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ کی طرف کوئی بات منسوب کرتے وقت انتہائی احتیاط کی ضرورت ہے، اور جب تک انسان کو یقینی علم حاصل نہ ہو، ایسی نسبت کا اقدام ہرگز نہیں کرنا چاہئے۔

عرب کے بت پرستوں نے اپنی طرف سے باتیں گھڑ گھڑ کر اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کر رکھی تھیں، جن کی بنیاد کسی علم پر نہیں تھی، بلکہ اپنے بے بنیاد اندازوں پر تھی، جن کی حقیقت کا خود انہیں بھی علم حاصل نہیں تھا۔ ع
۴۶۳۔ حدیثنا سلیمان بن حرب: حدیثنا شعبہ، عن عمرو بن مرة، عن ابی وائل، عن عبد اللہ رضی اللہ عنہ قال: قلت: ألت سمعت هذا من عبد اللہ؟ قال: نعم، ورفعه قال: ((لا أحد أغیر من اللہ فلذلک حرم الفواحش ما ظہر منها وما بطن، ولا أحد أحب الیہ المدح من اللہ فلذلک مدح لفسہ)). [راجع: ۴۶۳۲]

بے حیائی کے تمام کام حرام قرار

عمرو بن مرة کہتے ہیں کہ میں نے اس حدیث کے راوی ابو داؤد اہل سے پوچھا کہ کیا آپ نے یہ حدیث خود حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے سنی ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ ہاں میں نے خود ان سے سنی ہے، اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے براہ راست روایت کی تھی۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے زیادہ غیرت مند کوئی نہیں ہے، اس لئے اللہ نے بے حیائی کے تمام کاموں کو حرام قرار دیا ہے، خواہ وہ علی الاعلان بے حیائی کے کام ہوں، یا چھپ کر بے حیائی کے کام ہوں اور اللہ تعالیٰ سے زیادہ کوئی اپنی حمد و تعریف کو پسند کرنے والا نہیں ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ خود اپنی تعریف بیان فرماتا ہے۔

(۲) باب: ﴿وَلَمَّا جَاءَ مُوسَىٰ لِمِيقَاتِنَا وَكَلَّمَهُ رَبُّهُ قَالَ رَبِّ أَرِنِي أَنْظُرْ﴾

الْبَك [۱۳۳]

باب: ”اور جب موسیٰ ہمارے مقررہ وقت پر پہنچے، اور اُن کا رتب اُن سے ہم کلام ہوا، تو وہ کہنے لگے: ”میرے پروردگار! مجھے دیدار کر دیجئے کہ میں آپ کو دیکھ لوں۔“

روایت باری تعالیٰ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سامنے تجلی کا ظہور

اللہ تعالیٰ کا دیدار اس دنیا میں تو ممکن نہیں ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے اس بات کا مظاہرہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کروادیا کہ اس دنیا میں انسانوں کو تو کجا، پہاڑوں کو بھی یہ طاقت نہیں دی گئی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی تجلی کو بھی برداشت کر سکیں۔

اس آیت میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ روایت باری تعالیٰ ناممکن نہیں مگر مخاطب بحالت موجودہ اس کو برداشت نہیں کر سکتا، ورنہ اگر روایت ممکن ہی نہیں ہوتی تو اس آیت میں اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یوں مخاطب نہ کرتے ﴿لَنْ تَرَانِي﴾ بلکہ فرماتے ﴿لَنْ أُرِي﴾ یعنی میری روایت نہیں ہو سکتی۔

اس سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا دیدار دنیا میں بھی عقلاً ممکن ہے مگر اس آیت سے ان کا امتنع الوقوع ہونا بھی ثابت ہو گیا اور جمہور اہل سنت کا یہی مذہب ہے کہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کی روایت عقلاً ممکن ہے مگر شرعاً امتنع ہے۔ جیسا کہ ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ”تعلمون انه لن يروى احد منكم ربه حتى يموت“ یعنی تم لوگ یہ جان رکھو کہ تم میں سے کوئی بھی اپنے رب کو مرنے سے پہلے ہرگز نہیں دیکھ سکتا۔ ۱۱

پھر فرمایا کہ ﴿وَلَكِنْ انظُرْ إِلَى الْجَبَلِ﴾ اس میں اس امر کی شہادت ہے کہ بحالت موجودہ مخاطب

روایت الہی کو برداشت نہیں کر سکتا، اس لئے اس پہاڑ پر ادنیٰ سی جھلک ڈال کر بتلا دیا گیا کہ وہ بھی برداشت نہیں کر سکتا، انسان تو ضعیف الخلق ہے وہ کیسے برداشت کر لے گا۔

پھر اسی آیت میں آگے فرمایا کہ ﴿لَمَّا تَجَلَّىٰ رَبُّهُ لِلْجَبَلِ﴾ - ”تَجَلَّىٰ“ کے معنی عربی لغت میں ظاہر اور منکشف ہونے کے ہیں، اور صوفیہ کرام کی نزدیک تجلی کے معنی کسی چیز کو بالواسطہ دیکھنے کے ہیں، جیسے کوئی چیز بواسطہ آئینہ کے دیکھی جائے، اسی لئے تجلی کو روایت نہیں کہہ سکتے، خود اسی آیت میں اس کی شہادت موجود ہے کہ اللہ تعالیٰ نے روایت کی تو نفی فرمائی ہے اور تجلی کا اثبات۔

امام احمد، ترمذی، حاکم نے بروایت حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نقل کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اس آیت کی تلاوت فرما کر ہاتھ کی چھوٹی انگلی (خضر) کے سرے پر انگوٹھا رکھ کر اشارہ فرمایا کہ اللہ جل شانہ کے نور کا صرف اتنا سا حصہ ظاہر کیا گیا تھا جس سے پہاڑ کے ٹکڑے اڑ گئے۔ یہ ضروری نہیں کہ سارے پہاڑ کے ٹکڑے ہو گئے ہوں جس حصہ پر اللہ تعالیٰ نے یہ تجلی فرمائی وہ حصہ ہی اس سے متاثر ہوا ہو۔ ۵

قال ابن عباس: أرنى: أعطنى.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ”ارنى“ کا یہاں پر مطلب ہے مجھے عطاء کر۔

۴۶۳۸ - حدثنا محمد بن يوسف: حدثنا سفیان، عن عمرو بن يحيى المازنى، عن أبيه، عن أبي سعيد الخدري رضی اللہ عنہ قال: جاء رجل من اليهود الى النبي ﷺ قد لطم وجهه وقال: يا محمد ان رجلا من اصحابك من الانصار لطم في وجهي، قال: ((ادعوه)) فدعوه قال: ((لم لطمت وجهه؟)) قال: يا رسول الله، انى مررت باليهود فسمعتهم يقول: والذي اصطفى موسى على البشر، فقلت: وعلى محمد؟ واخذتني غصبة فلطمته، قال: ((لا تخبرونى من الانبياء فان الناس يصعقون يوم القيامة فاكون اول من يفيق فاذا انا بموسى آخذ بقائمة من لوائم العرش. فلا أدري أفاق قبلى أم جرى بصوفة الطور؟)). [راجع: ۲۴۱۲]

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک دفعہ ایک یہودی نے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں فریاد کی کہ آپ کے ایک انصاری صحابہ نے میرے منہ پر پتھر مارا ہے اور نشان پڑ گیا ہے، آپ ﷺ نے

۵ من اراد التفصيل للمراجع: عمدة القاری شرح صحيح البخاری، ج: ۱۸، ص: ۳۴۲، ۳۴۳

۵ معارف القرآن، سورة اعراف، ج: ۳، ص: ۲۶، ۲۵

فرمایا صحابی کو بلاؤ، جب وہ آئے تو آپ ﷺ نے پوچھا کہ تم نے تھپڑ کیوں مارا ہے؟ صحابی نے کہا کہ میں جب اس یہودی کے پاس سے گذرا تو یہ کہہ رہا تھا قسم ہے اس ذات کی جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تمام انسانوں پر فضیلت دی ہے، میں نے اپنے دل میں سوچا کہ اس نے تو آپ ﷺ پر بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کو افضل بتایا ہے اس لئے مجھے غصہ آ گیا اور میں نے اسے طمانچہ مار دیا، آپ ﷺ نے فرمایا مجھے دوسرے انبیاء پر فضیلت نہ دو، کیونکہ قیامت کے دن سب بیہوش ہو جائیں گے اور پھر سب سے پہلے مجھے ہوش آئے گا، تو دیکھوں گا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام عرش کا پایہ پکڑے ہوئے کھڑے ہیں، اب میں نہیں کہہ سکتا کہ وہ مجھ سے پہلے ہوش میں آئے یا بے ہوش ہی نہیں ہوئے۔

۴۶۳۹ - حدثنا مسلم: حدثنا شعبه، عن عبد الملك، عن عمرو بن حريث، عن سعيد بن زيد عن النبي ﷺ قال: ((الكمة من المن ومائها شفاء العين)). [راجع: ۳۴۷۸]

ترجمہ: حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ سے سنا کہ ”کھسی“ من کی ایک قسم ہے اور اس کا پانی آنکھ کیلئے مفید ہے۔

(۳) باب: ﴿قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا الَّذِي لَهُ مُلْكُ

السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ يُحْيِي وَيُمِيتُ فَأَمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ النَّبِيِّ الْأُمِّيِّ

الَّذِي يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَكَلِمَاتِهِ وَاتَّبِعُوهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ﴾ [۱۵۸]

باب: ”(اے رسول! ان سے) کہو کہ: ”اے لوگو! میں تم سب کی طرف اُس اللہ کا بھیجا ہوا رسول ہوں جس کے قبضے میں تمام آسمانوں اور زمین کی سلطنت ہے۔ اُس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ وہی زندگی اور موت دیتا ہے۔ اب تم اٹھو۔ پر اور اُس کے رسول پر ایمان لے آؤ جو نبی امی ہے، اور جو اللہ پر اور اُس کے کلمات پر ایمان رکھتا ہے، اور اُس کی پیروی کرو، تاکہ تمہیں ہدایت حاصل ہو۔“ ۱

۱ یعنی آپ ﷺ کی بعثت تمام دنیا کے لوگوں کو عام ہے، عرب کے اسمٰئیل یا یہود و نصاریٰ تک محدود نہیں، جس طرح خداوند تعالیٰ شہنشاہ مطلق ہے، آپ ﷺ اس کے رسول مطلق ہیں، اب ہدایت و کامیابی کی صورت بجز اس کے کچھ نہیں کہ اس جامع ترین عالمگیر صداقت کی پیروی کی جائے جو آپ ﷺ لے کر آئے ہیں، یہی پیغمبر ہیں، جن پر ایمان لانا تمام انبیاء و مرسلین علیہم السلام اور تمام کتب سماویہ پر ایمان لانے کا مرادف ہے۔ تفسیر عثمانی، سورۃ اعراف، آیت: ۱۵۸، ناکدہ: ۱۔

۴۶۴۰۔ حدثني عبدالله: حدثنا سليمان بن عبد الرحمن وموسى بن هارون قالا: حدثنا الوليد بن مسلم: حدثنا عبدالله بن العلاء بن زهير قال: حدثني بسر بن عبيد الله قال: حدثني أبو إدريس الخولاني قال: سمعت أبا الدرداء يقول: كانت بين أبي بكر وعمر معاورة فأغضب أبو بكر عمر، فأنصرف عنه عمر مفضبا فاتبعه أبو بكر يسأله أن يستغفر له فلم يفعل حتى أغلق بابه في وجهه، فأقبل أبو بكر إلى رسول الله ﷺ. فقال أبو الدرداء: ونحن عنده. فقال رسول الله ﷺ: ((أما صاحبكم هذا فقد غامر))، قال: وندم عمر على ما كان منه فأقبل حتى سلم وجلس إلى النبي ﷺ وقص على رسول الله ﷺ الخبر، قال أبو الدرداء: وغضب رسول الله ﷺ وجعل أبو بكر يقول: والله يا رسول الله لا أراكنت أظلم، فقال رسول الله ﷺ: ((هل أنتم تاركولي صاحبى؟ هل أنتم تاركولي صاحبى إلى قلت: ﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا﴾ لقلتم: كذبت، وقال أبو بكر: صدقت)).

قال أبو عبدالله: غامر: سبق بالخير. [راجع: ۳۶۶۱]

ترجمہ: بسر بن عبید اللہ کہتے ہیں کہ حضرت ابو ادريس خولانی رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابو الدرداء ؓ نے سے سنا وہ فرما رہے تھے حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے درمیان بحث چھڑ گئی، حضرت ابو بکر صدیق ؓ نے حضرت عمر ؓ پر غصہ کیا، تو حضرت عمر ؓ ان کے پاس سے ناراض ہو کر چل دیئے، حضرت ابو بکر صدیق ؓ بھی پیچھے ہوئے اور معافی چاہی، مگر حضرت عمر ؓ نے معافی نہیں کیا، بلکہ ان کے چہرے کے سامنے (اپنے گھر کا) دروازہ بند کر لیا، اس کے بعد پھر حضرت ابو بکر صدیق ؓ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت ابو الدرداء ؓ کہتے ہیں کہ ہم لوگ بھی اس وقت آپ ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ یہ تمہارے دوست (حضرت ابو بکر ؓ) کسی سے لڑ کر آرہے ہیں۔ حضرت ابو الدرداء ؓ بیان کرتے ہیں کہ پھر حضرت عمر ؓ بھی اپنے اس طرز عمل پر شرمندہ و نادم ہوئے اور مجلس میں حاضر ہوئے، سلام کیا اور نبی کریم ﷺ کے پاس بیٹھ گئے، اور تمام قصہ رسول اللہ ﷺ سے بیان کیا۔ حضرت ابو الدرداء ؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے غصہ کا اظہار فرمایا، تو حضرت ابو بکر صدیق ؓ کہنے لگے کہ اے اللہ کے رسول، اللہ کی قسم! میری ہی غلطی تھی۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کیا تم لوگ میرے ساتھی کو چھوڑنا چاہتے ہو؟ آپ ﷺ نے یہ بات دو دفعہ فرمائی، پھر ارشاد فرمایا جب میں نے یہ کہا تھا ﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا﴾ تو تم سب نے مجھے جھٹلایا تھا، اور صرف ایک ابو بکر ہی تھے جنہوں نے میری تصدیق کی تھی۔

ابو عبد اللہ یعنی امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ”غامر“ کا مطلب یہ ہے کہ نیکی، خیر میں سبقت کی۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا مقام و فضیلت

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے درمیان تھوڑی سی محاورہ یعنی بحث ہوگئی، تھوڑی سی ناراضگی ہوگئی تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر غصہ کیا، جس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ غصہ میں ناراض ہو کر چلے گئے۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی پیچھے پیچھے چلے اور کہا کہ مجھے معاف کر دو، ”فلم يفعل“ مگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے معاف نہیں کیا ”حیی اخلق“ یہاں تک دروازہ بند کر کے اندر چلے گئے۔

پھر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ”اما صاحبکم هذا فقد غامر“ یہ تمہارے دوست کسی سے لڑ کر آئے ہیں۔

”اما صاحبکم هذا فقد غامر“ اس جملے کے دو مطلب ہو سکتے ہیں:

ایک تو عام طور پر جو کچھ میں آتے ہیں کہ ”غامر“ کے معنی جھگڑے میں پڑ گئے۔

اسکے اصل معنی ہیں کسی چیز میں گھس جانا، مطلب یہ ہے کہ جھگڑے میں پڑ گئے اور ہو سکتا ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ ہو اور ہو سکتا ہے کہ وحی ہو یا ان کے چہرے کو دیکھ کر کہ ان کے چہرے پر کوئی آثار نظر آئے۔

دوسرا معنی یہ بھی ہو سکتا ہے جو کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے آگے نقل کیا ہے ”غامر“ کے معنی سابق بالخیر کے یعنی یہ جو تمہارا ساتھی ابو بکر ہے، یہ خیرات میں سابق ہے، یہ تو ایک تعریف کا ایک جملہ ارشاد فرمایا۔

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ”ولدم عمر علی ما کان منہ“ بعد میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے طرز عمل پر شرمندہ و نادم ہوئے۔

”فابل حیی سلم و جلس الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم“ اور آپ بھی اس مجلس میں حاضر ہوئے، سب کو سلام کیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھ گئے، ”وقص علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الخیر“ اور ناراضگی کا تمام قصہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کیا۔

”وغضب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم“ یہ بات سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غصے کا اظہار فرمایا۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کہنے لگے کہ ”واللہ یا رسول اللہ لا نا کنت اظلم“ اے اللہ کے رسول، اللہ کی قسم! میری ہی غلطی تھی۔

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ”هل انتم تارکون لی صاحبی؟“ کیا تم لوگ میرے ساتھی کو چھوڑنا

چاہتے ہو؟ آپ ﷺ نے یہ بات دو دفعہ فرمائی۔

پھر ارشاد فرمایا جب میں نے یہ کہا تھا ﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا﴾ تو تم سب نے مجھے جھٹلایا تھا، اور صرف ایک ابو بکر تھے جنہوں نے میری تصدیق کی تھی۔
”غامر“ کے معنی سابق بالخیر۔

مطلب یہ ہے کہ جو لوگ پہلے معافی چاہتا ہے اس نے نیکی کرنے میں سبقت کی۔

(۴) باب قوله: ﴿وَقُولُوا حِطَّةٌ﴾ [۱۶۱]

باب: ”اور یہ کہتے جانا کہ (یا اللہ) ہم آپ کی بخشش کے طلب گار ہیں۔“

بنی اسرائیل کا ضد اور عناد

بنی اسرائیل نے جہاد کے ایک حکم کی نافرمانی کی تھی جس کی پاداش میں انہیں صحرائے سینا میں مقید کر دیا گیا تھا، اس صحراء میں رہتے ہوئے جب مدت گزر گئی اور بنی اسرائیل من و سلوئی سے بھی اکتا گئے تو انہوں نے یہ مطالبہ کیا کہ ہم ایک ہی قسم کے کھانے پر گزارہ نہیں کر سکتے۔ ہم زمین کی ترکاریاں وغیرہ کھانا چاہتے ہیں۔ اس موقع پر انکی یہ خواہش بھی پوری کی گئی اور یہ اعلان فرمایا گیا کہ اب تمہیں صحرا کی خاک چھاننے سے نجات دی جاتی ہے۔ سامنے ایک شہر ہے اس میں چلے جاؤ، لیکن اپنے گناہوں پر ندامت کے اظہار کے طور پر سر جھکائے ہوئے اور معافی مانگتے ہوئے شہر میں داخل ہو، وہاں اپنی رغبت کے مطابق جو حلال غذا چاہو کھا سکو گے۔ لیکن ان ظالموں نے پھر ضد کا مظاہرہ کیا۔

شہر میں داخل ہوتے ہوئے سر تو کیا جھکاتے، سینے تان تان کر داخل ہوئے، اور معافی مانگنے کے لئے انہیں جو الفاظ کہنے کی تلقین کی گئی تھی ان کا مذاق بنانا سے ملتے جلتے ایسے نعرے لگاتے ہوئے داخل ہوئے جن کا مقصد مسخرہ پن کے سوا کچھ نہ تھا۔

جو لفظ انہیں معافی مانگنے کے لئے سکھایا گیا تھا وہ تھا: ”حِطَّةٌ“ (یا اللہ! ہمارے گناہ بخش دے) انہوں نے اسے بدل کر جس لفظ کے نعرے لگائے وہ تھا: ”حِنطَةٌ“ یعنی گندم۔ و

۶۴۱ - حدیثی اسحاق: اخبرنا عبدالرزاق: اخبرنا معمر، عن همام بن منبه:

أَلَمْ يَسْمَعْ أَهْلُ مَدْيَنَ بِمَا قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: ((لَيْلَ لَبْنَى إِسْرَائِيلَ: ﴿أَدْخُلُوا الْبَابَ مُسْجِدًا وَقُولُوا حِطَّةَ نَفْسِكُمْ خَطَايَاكُمْ﴾ فَبَدَلُوا فَدَخَلُوا يَزْحَفُونَ عَلَى أَسْتَاهِمِمْ وَقَالُوا: حِبَّةٌ فِي شَعْرَةٍ)). [راجع: ۳۳۰۳]

ترجمہ: ہام بن مدیہ کہتے ہیں میں نے سنا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرما رہے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بنی اسرائیل سے کہا گیا تھا کہ ﴿أَدْخُلُوا الْبَابَ مُسْجِدًا وَقُولُوا حِطَّةَ نَفْسِكُمْ خَطَايَاكُمْ﴾، مگر ان لوگوں نے اس کو بدل ڈالا، اور اپنی سرینوں کو زمین پر گھسٹتے ہوئے داخل ہوئے، اور ”حِطَّة“ کی جگہ (کہنے لگے ”حِبَّةٌ فِي شَعْرَةٍ“ یعنی اناج کا دانہ۔

حِطَّة - کی توضیح و تشریح

اللہ ﷻ نے بنی اسرائیل کو حکم دیا تھا کہ تم بیت المقدس کے دروازے میں عاجزی کے ساتھ ہٹے کہتے ہوئے داخل ہو، تو ہم تمہارے گناہ معاف کریں گے، مگر بنی اسرائیل نے اس حکم کو نہیں مانا اور اپنی سرینوں کو زمین پر گھسٹتے ہوئے داخل ہوئے اور ہٹے کی جگہ ”حِبَّةٌ فِي شَعْرَةٍ“ یعنی اناج کا دانہ کہتے ہوئے داخل ہوئے۔

(۵) باب: ﴿تُحَدِّثُ الْعَفْوَ وَأَمْرٌ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضُ عَنِ الْجَاهِلِينَ﴾ [۱۹۹]

باب: ”(اے پیغمبر!) درگزر کا رویہ اپناؤ، اور (لوگوں کو) نیکی کا حکم دو، اور جاہلوں کی طرف دھیان نہ دو“۔

﴿العرف﴾: المعروف.

ترجمہ: ”العرف“ بمعنی معروف کے ہے یعنی اچھی بات، نیک بات کام یا بات۔

۴۶۴۲۔ حدثنا أبو الیمان: حدثنا شعيب، عن الزهري: أخبرني عبيد الله بن عبد الله

بن عتبة: أن ابن عباس رضي الله عنهما قال: قدم عيينة بن حصن بن حذيفة فنزل على ابن أخيه الحر بن قيس وكان من نفر الذين يدينهم عمر، وكان القراء أصحاب مجالس عمر ومشاورته كهؤلاء كانوا أوشبانا، فقال عيينة لابن أخيه: يا ابن أخي، لك وجه عند هذا الأمير فاستأذن لي عليه، قال: ما استأذن لك عليه، قال ابن عباس: فاستأذن الحر لعيينة فآذن له عمر، فلما دخل عليه قال: هي يا ابن الخطاب، فوالله ما تعطينا الجزل ولا نحكم

بیننا بالعدل. لفضب عمر حتی ہم بہ، لقال له الحر: یا امیر المؤمنین، ان الله تعالی قال
لنبیہ ﷺ: ﴿عَلِدِ الْعَفْوُ وَأْمُرِ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِينَ﴾ وإن هذا من الجاهلین، والله
ما جاوزها عمر حين تلاها عليه و كان ولالا عند كتاب الله. [انظر: ۷۲۸۶] ۱۰

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ عیینہ بن حصن بن خذیفہ اپنے بھتیجے حرب بن قیس
کے پاس آئے، حرب بن قیس ان لوگوں میں سے تھے جو حضرت عمرؓ کے مقرئینا میں سے تھے، حضرت عمرؓ کی
عادت تھی کہ اپنی قرآن لوگوں میں صرف انہیں لوگوں کو شامل کرتے تھے جو عالم اور قاری ہوں، غرض ایسے ہی لوگ
اس کی مجلس میں شامل ہوتے تھے، خواہ وہ بوڑھے ہوں یا جوان ہوں (عمر کی کوئی پابندی نہ تھی)۔

عیینہ بن حصن نے اپنے بھتیجے سے کہا کہ تمہاری تو حضرت عمرؓ تک رسائی ہے، دراصل مجھے بھی ان کے
پاس لے چلو، حرب بن قیس نے کہا اچھا میں آپ کے لئے اجازت طلب کروں گا، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما
فرماتے ہیں کہ حرب نے عیینہ کے لئے اجازت طلب کی اور حضرت عمر نے ان کو اجازت حاصل کی۔ عیینہ جب
حضرت عمرؓ کے پاس گئے تو کہنے لگے کہ اے خطاب کے بیٹے! اللہ کی قسم! نہ تو تم ہمارے کو کچھ مانا، اسباب
دیتے ہو اور نہ تم ہمارے ساتھ عدل و انصاف کرتے ہو، حضرت عمرؓ یہ سن کر بہت غصہ ہوئے اور قریب تھا کہ
اسے ماریں، اس وقت حرب نے کہا اے امیر المؤمنین! اللہ ﷻ نے اپنے پیغمبر ﷺ سے فرمایا ہے کہ ﴿عَلِدِ الْعَفْوُ
وَأْمُرِ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِينَ﴾ اور بے شک یہ بھی جاہلوں سے ہے۔ (حضرت ابن عباس رضی
اللہ عنہما کا بیان ہے کہ) اللہ کی قسم! جس وقت حرب نے یہ آیت تلاوت کی تو حضرت عمرؓ نے ذرا بھی زیادتی نہیں
کی اور حضرت عمر کتاب اللہ کے حکم پر فوراً رک جاتے تھے۔

حدیث سے علم اور درگزر کا سبق

عیینہ بن حصن یہ وہی شخص تھا جو غلیظ قسم کا تھا اور تالیف قلب کیلئے اس کو بہت پیسے دیئے گئے تھے، مگر اس
کی آخر تک اصلاح نہ ہو سکی۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ ”قدم عیینہ بن حصن بن خذیفہ، فنزل علی
ابن اخیه“ عیینہ بن حصن مدینہ آیا، اپنے بھتیجے ابن قیس کے پاس اترا، ”کان من النفر“ وہ ان لوگوں میں
سے تھے جن کو حضرت عمرؓ قریب رکھتے تھے۔

”وكان القراء“ اور جو قراء تھے وہ حضرت عمرؓ کے مجالس والے اور ان کے اہل مشورہ تھے، چاہے ادھیڑ عمر ہوں یا جوان ہوں۔ حضرت عمرؓ اس کو مقدم رکھتے تھے جس کے پاس علم زیادہ ہو۔

تو عیینہ نے اپنے بھائی کے بیٹے سے کہا کہ ”لک وجہ عند هذا الأمير فاستاذن لی علیہ“ اے میرے بھتیجے! امیر المؤمنین یعنی حضرت عمرؓ کے پاس تمہاری بڑی اچھی وجاہت ہے اور اثر و رسوخ ہے، میرے لئے ان سے ملاقات کی اجازت لے لو، تو ابن قیس نے کہا کہ ”استاذن لک علیہ“ میں آپ کے لئے ان سے ملاقات کی اجازت لے لوں گا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ”استاذن الحر لعینة فاذن له عمر“ جب حر بن قیس نے عیینہ کیلئے اجازت چاہی تو حضرت عمرؓ نے ملاقات کی اجازت دے دی۔

”فلما دخل علیہ“ جب وہ حضرت عمرؓ کے پاس آیا تو اس نے کہا کہ ”لو الله ما نعطينا الجزل ولا تحکم بیننا بالعدل“ اے خطاب کے بیٹے! اللہ کی قسم! نہ تو تم ہمارے کو کچھ مال و اسباب دینے ہو اور نہ تم ہمارے درمیان عدل و انصاف کا معاملہ کرتے ہو۔

”فغضب عمر حتی هم به“ عیینہ کی یہ بات سن کر حضرت عمرؓ کو بہت غصہ آیا اور قریب تھا کہ اسے ماریں، اس وقت حرنے کہا اے امیر المؤمنین! اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ سے فرماتا ہے کہ ﴿غَدِ الْعَفْوُ وَأْمُرٌ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِينَ﴾ اور بے شک یہ (عیینہ) بھی جاہلوں سے ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا فرماتے ہیں کہ ”والله ما جاوزها عمر حين تلاها عليه“ اللہ کی قسم! جس وقت حر بن قیس نے یہ آیت تلاوت کی تو حضرت عمرؓ نے ذرا بھی زیادتی نہیں کی، ”وكان ولما عند كتاب الله“ اور حضرت عمرؓ کتاب اللہ کے حکم پر فوراً رک جاتے تھے۔

اس شخص کی گفتگو کا انداز دیکھیں کہ بالکل بازاری انداز میں بات کر رہا تھا جس پر حضرت عمرؓ کو شدید غصہ آ گیا تھا لیکن جیسے ہی یہ آیت سنی اور وہیں ٹھنڈے پڑ گئے۔

یہ چیزیں سیکھنے کی ہوتی ہیں کہ آدمی اپنے جذبات میں کبھی بھی اتنا مغلوب نہ ہو۔ جب جذبات و عقل کے اوپر شریعت کا حکم آجائے تو آدمی اپنے جذبات سے نکل کر اس شریعت اور عقل سلیم کی پیروی کرے، یہ نہیں کہ وہ مغلوب الغضب ہو جائے۔ علم کو علم سے زینت ملتی ہے، بغیر علم کے علم زینت والا نہیں۔ وہ ویسے ہی ننگا ہے، تو آدمی کو اس بات کی تربیت دینی چاہئے کہ آدمی اپنے جذبات کو عقل سلیم اور شریعت کے تابع بنا دے۔

طبیعت پر ہمیشہ عقل کو اور عقل پر شریعت کو غالب رکھو، دل یہ چاہ رہا ہے طبیعت یہ چاہ رہی ہے لیکن شریعت کچھ اور چاہ رہی ہے، عقل کچھ اور چاہ رہی ہے، تو طبیعت کو مارو اور عقل شریعت اور عقل سلیم پر کرو۔

تو یہ جو فرما رہے ہیں اللہ ﷻ کے کتاب کے آگے ٹھہر جانے والے تھے کہ اتنا غصہ آیا ہوا تھا کہ اس کو

رنے والے تھے لیکن جب یہ آیت پڑھی تو ٹھنڈے پڑ گئے، اس کی عادت ڈالنے کا نور حاصل ہوگا۔ ان احادیث کا منشا صرف تلاوت کرنا نہیں ہے، بلکہ ان احادیث کے اوپر عمل کرنا اور اپنی زندگی کا وظیفہ بنانا ہے۔

۳۶۳۳ - حدیثی یحییٰ: حدیثنا وکیع، عن هشام، عن ابیہ، عن عبد اللہ بن الزبیر

﴿خُلِدِ الْعَفْوُ وَأُمِرَ بِالْعُرْفِ﴾ قَالَ: مَا نَزَلَ اللَّهُ إِلَّا فِي اخْتِلاَقِ النَّاسِ. [أنظر: ۳۶۳۳] ۱۱

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت ﴿خُلِدِ الْعَفْوُ وَأُمِرَ

بِالْعُرْفِ﴾ کو اخلاق انسانی کے لئے نازل فرمایا ہے۔

۳۶۳۴ - وقال عبد الله بن براء: حدثنا أبو أسامة: قال هشام، عن ابیہ، عن عبد اللہ

ابن الزبیر قال: أمر الله نبيه ﷺ أن يأخذ العفو من اخلاق الناس، أو كما قال.

[راجع: ۳۶۳۳]

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو اور تمام انسانوں کو

درستی اخلاق کیلئے، عفو و درگزر کو اختیار کرنے کا حکم دیا ہے، یا کچھ اس قسم کی کوئی اور بات فرمائی۔

عفو اور درگزر کا حکم

حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ اللہ ﷻ نے اس آیت کو ﴿خُلِدِ الْعَفْوُ وَأُمِرَ

بِالْعُرْفِ﴾ اخلاق انسانی کے لئے نازل فرمایا ہے۔

اللہ ﷻ نے اپنے نبی کو اور تمام انسانوں کو درستی اخلاق کیلئے عفو کو اختیار کرنے کا حکم دیا ہے۔

(۸) سورة الأنفال

سورة انفال کا بیان

بسم الله الرحمن الرحيم

شان نزول

علامہ یعنی رحمہ اللہ مسند احمد کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب غزوہ بدر کا واقعہ پیش آیا اور اس غزوہ میں میرے بھائی عمیر شہید ہو گئے، میں نے ان کے بالقابل مشرکین میں سے سعید بن العاص کو قتل کر کے اس کی تلوار لے لی اور تلوار لے کر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ اس کو مال غنیمت میں جمع کر دو۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں واپس ہوا، حالانکہ میرے دل میں بھائی عمیر کے قتل اور سامان کی ضبطی کا جو صدمہ مجھ کو تھا وہ صرف خدا ہی کو معلوم، یعنی میرا دل چاہتا تھا کہ یہ تلوار مجھ کو مل جائے، لیکن میں حکم ماننے پر مجبور تھا، اس لئے تعمیل حکم کیلئے اموال غنیمت میں جمع کرنے کے لئے چلا گیا اور بھی دوڑ نہیں گیا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سورہ انفال کی یہ آیت نازل ہوئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بلوا کر یہ تلوار مجھے عنایت فرمائی۔
یہ سورت مدنی ہے، جنگ بدر کے بعد نازل ہوئی۔

مکہ مکرمہ کی سیزدہ (۱۳) سالہ زندگی میں مشرکین نے جو دردناک اور ہوشربا مظالم مٹھی بھر مسلمانوں پر روا رکھے اور مظلوم مسلمانوں نے جس صبر و استقلال اور معجزہ نما استقامت و للہیت سے مسلسل تیرہ برس تک ان ہولناک مصائب و نوائب کا تحمل کیا، وہ دنیا کی تاریخ کا بے مثال واقعہ ہے، مشرکین قریش اور ان کے حامیوں نے کوئی صورت ظلم و ستم کی اٹھا کر نہ رکھی، تاہم مسلمانوں کو اللہ ﷻ نے ان وحشی ظالموں کے مقابلہ میں ہاتھ اٹھانے کی اجازت نہ دی۔

صبر و تحمل کی آخری حد یہ تھی کہ مسلمان مقدس وطن، عزیز واقارب، اہل و عیال مال و دولت سب چیزوں

۱۔ مسند احمد، مسند العشرة المبشرين بالجنة، مسند باقي العشرة المبشرين بالجنة، مسند ابی اسحاق سعد بن

کو خیر باد کہہ کر خالص خدا اور رسول کی خوشنودی کا راستہ طے کرنے کیلئے گھروں سے نکل پڑے، جب مشرکین کا ظلم و تکبر اور مسلمانوں کی مظلومیت، بے بسی حد سے گذر گئی۔

ادھر اہل ایمان کے قلوب وطن و قوم، زن و فرزند، مال و دولت غرض ہر ایک ماسوی اللہ ﷻ کے تعلق سے خالی اور پاک ہو کر محض خدا اور رسول کی محبت اور دولت تو حید و اخلاص سے ایسے بھر پور ہو گئے گویا غیر اللہ کی ان میں کوئی گنجائش ہی نہ رہی، تب ان مظلوموں کو جو تیرہ برس سے برابر کفار کے ہر قسم کے حملے سر رہے تھے اور وطن چھوڑنے پر بھی امن حاصل نہ کر سکتے تھے، ظالموں سے لڑنے اور بدلہ لینے کی اجازت دی گئی:

﴿أَذِنَ لِّلَّذِينَ يُقَاتِلُونَ بِأَنَّهُمْ ظَلَمُوا وَإِنَّ اللّهَ عَلٰى
نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ ۝ الَّذِينَ أَخْرَجُوا مِن دِيَارِهِمْ حَقًّا ۝ أَلَا
أَنَّ يَقُولُوا رَبَّنَا اللّٰهُ﴾ [الحج: ۶]

مکہ کا ادب مانع تھا کہ مسلمان ابتداء وہاں چڑھ جائیں اس لئے ہجرت کے بعد تقریباً ڈیڑھ سال تک لائحہ عمل یہ رہا کہ مشرکین ”مکہ“ کے تجارتی سلسلوں کو جو شام و یمن وغیرہ سے قائم تھے، شکست دے کر ظالموں کی اقتصادی حالت کمزور اور مسلمانوں کی مالی پوزیشن مضبوط کی جائے۔

ہجرت کے پہلے سال ”ابواء، بواط و عثیرہ“ وغیرہ چھوٹے چھوٹے غزوات و سرایا جن کی تفصیل کتب احادیث و سیر میں ہے، اسی سلسلہ میں وقوع پذیر ہوئے۔

۲ھ ہجری میں آپ ﷺ کو معلوم ہوا کہ ایک بھاری تجارتی مہم ابوسفیان کی سرکردگی میں شام کو روانہ ہوئی ہے، ابوسفیان کا یہ تجارتی قافلہ جس کے ساتھ تقریباً ساٹھ قریشی، ایک ہزار اونٹ اور پچاس ہزار دینار کا مال تھا، جب شام سے مکہ کو واپس ہوا تو نبی کریم ﷺ کو خبر پہنچی، تو صحیح مسلم کی ایک روایت کے موافق آپ ﷺ نے صحابہ کرام ﷺ سے مشورہ لیا آیا اس جماعت سے تعرض کیا جائے، طبری کے بیان کے موافق بہت سے لوگوں نے اس مہم میں جانے پہلو تہی کی، کیونکہ انہیں کسی بڑی جنگ کا خطرہ نہ تھا جس کیلئے بڑا اجتماع و اہتمام کیا جائے۔

دوسرے انصار کی نسبت عموماً یہ بھی خیال کیا جاتا تھا کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے نصرت و حمایت کا معاہدہ صرف اس صورت میں کیا ہے کہ کوئی قوم مدینہ پر چڑھائی کرے یا آپ پر حملہ آوار ہو، ابتداء اقدام کر کے جانا خواہ کسی صورت میں ہو، ان کے معاہدہ میں شامل نہ تھا۔

مجمع کارنگ دیکھ کر ابو بکر و عمر اور رئیس انصار سعد بن عبادہ ﷺ نے حوصلہ افزاء تقریریں کیں، آخر حضور اقدس ﷺ تین سو کچھ آدمیوں کی جمعیت لے کر قافلہ کی طرف روانہ ہو گئے، چونکہ کسی بڑے لشکر سے مدد بھڑھونے کی توقع نہ تھی، اس لئے جمعیت اور سامان اسلحہ وغیرہ کا زیادہ اہتمام نہیں کیا گیا، نبی الوقت جو لوگ اکٹھے ہو گئے سرسری سامان کے ساتھ روانہ ہوئے۔

اسی لئے روایت میں حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ”جو لوگ غزوہ بدر میں شریک نہیں ہوئے ان پر کوئی عتاب نہیں ہوا، کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم صرف تجارتی مہم کے ارادے سے نکلے تھے، اتفاقاً اللہ تعالیٰ نے باقاعدہ جنگ کی صورت پیدا فرمادی۔“

ابوسفیان کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارادے کا پتہ چل گیا، اس نے فوراً مکہ آدمی بھیجا، وہاں سے تقریباً ایک ہزار کا لشکر جس میں قریش کے بڑے بڑے سردار تھے، پورے ساز و سامان کے ساتھ مدینہ کی طرف روانہ ہو گیا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مقام صفراء میں تھے جب معلوم ہوا کہ ابو جہل وغیرہ بڑے بڑے ائمہ الکفر کی کمانڈ میں مشرکین کا لشکر یلغار کرتا چلا آ رہا ہے۔ اس غیر متوقع صورت پیش آ جانے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اطلاع کی کہ اس وقت دو جماعتیں تمہارے سامنے ہیں، تجارتی قافلہ اور فوجی لشکر، خدا کا وعدہ ہے کہ دونوں میں سے کسی ایک پر تم کو مسلط کرے گا، تم بتلاؤ کہ کس جماعت کی طرف بڑھنا چاہتے ہو؟

چونکہ اس لشکر کے مقابلے میں تیاری کر کے نہ آئے تھے اس لئے اپنی تعداد اور سامان وغیرہ کی قلت کو دیکھتے ہوئے بعض لوگوں کی یہ رائے ہوئی کہ تجارتی قافلہ پر حملہ کرنا زیادہ مفید اور آسان ہے، مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس رائے سے خوش نہ تھے، ابو بکر صدیق و عمر فاروق اور مقداد بن الاسود رضی اللہ عنہم نے ولولہ انگیز جوابات دئے اور اخیر میں حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی تقریر کے بعد یہ ہی فیصلہ ہوا کہ فوجی مہم کے مقابلے پر جو ہر شجاعت دکھلائے جائیں۔ چنانچہ مقام بدر میں دونوں فوجیں بھڑکنیں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح عظیم عنایت فرمائی، کافروں کے ستر (۷۰) بڑے بڑے سردار مارے گئے اور ستر (۷۰) قید ہوئے، اس طرح کفر کا زور ٹوٹا۔

اس سورۃ میں عموماً اسی واقعہ کے اجزاء و متعلقات کا بیان ہوا ہے۔ ع

(۱) باب قولہ: ﴿يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْأَنْفَالِ قُلِ الْأَنْفَالُ لِلَّهِ وَالرَّسُولِ فَاتَّقُوا اللَّهَ

وَأَضِلُّوا ذَاتَ بَيْنِكُمْ﴾ [۱]

باب: ”(اے پیغمبر!) لوگ تم سے مالِ غنیمت کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ کہہ دو کہ مالِ غنیمت (کے بارے میں فیصلے) کا اختیار اللہ اور رسول کو حاصل ہے۔ لہذا تم ڈرو، اور آپس کے تعلقات درست کر لو۔“

مالِ غنیمت میں اللہ اور رسول کو اختیار

جنگِ بدر کے موقع پر جب دشمن کو شکست ہو گئی تو صحابہ کرام تین حصوں میں تقسیم ہو گئے:

ایک حصہ آنحضرت ﷺ کی حفاظت کے لئے آپ کے ساتھ رہا۔

دوسرا حصہ دشمن کے تعاقب میں روانہ ہو گیا۔

تیسرا حصہ دشمن کے چھوڑے ہوئے مالِ غنیمت کو جمع کرنے میں مشغول ہو گیا۔

یہ چونکہ پہلی جنگ تھی اور مالِ غنیمت کے بارے میں مفصل ہدایات نہیں آئی تھیں، اس لئے اس تیسرے حصے نے یہ سمجھا کہ جو مال انہوں نے اکٹھا کیا ہے وہ انہی کا ہے (اور شاید زمانہ جاہلیت میں معمول ایسا ہی رہا ہوگا)۔

لیکن جنگ ختم ہونے کے بعد پہلے دو گروہوں کو یہ خیال ہوا کہ وہ بھی جنگ میں برابر کے شریک تھے، بلکہ مالِ غنیمت اکٹھا ہونے کے وقت زیادہ اہم خدمات انجام دے رہے تھے، اس لئے ان کو بھی اس مال میں حصہ دار ہونا چاہئے۔ یہ ایک فطری تقاضا تھا جس کی بنا پر ان حضرات کے درمیان بحث کی نوبت آئی۔ جب معاملہ آنحضرت ﷺ کے پاس پہنچا تو یہ آیات نازل ہوئیں جن میں بتا دیا گیا کہ مالِ غنیمت کے بارے میں فیصلے کا مکمل اختیار اللہ اور اس کے رسول کو ہے۔

چنانچہ بعد میں اسی سورت میں مالِ غنیمت کی تقسیم کے بارے میں مفصل احکام آ گئے۔

ترجمۃ الباب میں مذکور آیت نے ہدایت دی کہ اگر مسلمانوں کے درمیان رنجش ہوئی ہے تو اس کی وضاحت کر کے اسے دور کر کے باہمی تعلقات درست کر لینے چاہئیں۔ ج

قال ابن عباس: ﴿الْأَنْفَالُ﴾: الْمَغَانِمِ. قَالَ: لِعَادَةِ: ﴿رَبِّنَحْكُم﴾ [۴۶]: الْحَرْبِ،

يَقَالُ: نَافِلَةٌ: عَطِيَّةٌ.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ "الْأَنْفَالُ" سے غنیمت کا مال مراد ہے۔

حضرت قتادہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ "رَبِّنَحْكُم" سے لڑائی ر جنگ مراد ہے۔ "نَافِلَةٌ" کے معنی عطیہ۔

۴۶۳۵۔ حدیثی محمد بن عبدالرحیم: حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ سُلَيْمَانَ: أَخْبَرَنَا هِشَامُ:

أَخْبَرَنَا أَبُو بَشِيرٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ جَبْرِ قَالَ: قُلْتُ لَابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا: سُورَةُ الْأَنْفَالِ؟

قال: نزلت فی بدر. [راجع: ۴۰۲۹]

ترجمہ: حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ کہتے ہیں میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا کہ سورۃ الانفال کے متعلق پوچھا کہ اس کا شان نزول کیا ہے؟ تو انہوں نے فرمایا یہ سورت جنگ بدر میں نازل ہوئی تھی۔
 ﴿الشُّوْكَیَّةُ﴾: الحد۔ ﴿مُرْدِفِیْنِ﴾: فوجا بعد فوج، رد فنی و ارد فنی: جاء بعدی۔
 ﴿ذُو قُلُوْا﴾: ہاشروا و جربوا، و لیس هذا من ذوق الفم۔
 ﴿فَیْرُكْمَةَ﴾: بجمعہ۔ ﴿حَرْدٌ﴾: لرقی۔ ﴿وَ اِنْ جَنَحُوا﴾: طلبوا۔ ﴿السَّلْمُ﴾
 و السلام و السلام و احد۔ ﴿یَفْعِنُ﴾: یغلب۔
 و قال مجاهد: ﴿مُكَّاءٌ﴾ ادخال اصابعهم فی الفواہم۔ ﴿وَقَصْدِیَّةٌ﴾: الصفر۔
 ﴿لِیَفْبُتُوْكَ﴾: لیحبسوك۔

ترجمہ و تشریح

”الشُّوْكَیَّةُ“ کے معنی ہیں تیز دھارا۔
 ”مُرْدِفِیْنِ“ غول کے غول، فوج در فوج۔
 ”رد فنی و ارد فنی“ کا مطلب یہ ہے کہ میرے بعد آیا۔
 ”ذُو قُلُوْا“ بمعنی ”ہاشروا و جربوا“ یعنی خود اٹھاؤ اور آزماؤ، اور یہ ”ذوق الفم“ منہ سے چکھنا۔ سے مشتق نہیں ہے۔
 ”فَیْرُكْمَةَ“ کے معنی ہیں جمع کر دے، ڈھیر کر دے۔
 ”حَرْدٌ“ کا مطلب جدا کر دے، منتشر کر دے۔
 ”وَ اِنْ جَنَحُوا“ کا معنی ہیں طلب کریں۔
 ”السَّلْمُ، و السَّلْمُ و السَّلَامُ“ ان تینوں الفاظ کے معنی ایک ہیں یعنی امن و امان، صلح و سلامتی۔
 ”یَفْعِنُ“ کے معنی ہیں غلبہ حاصل کرنا۔
 حضرت مجاہد رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ”مُكَّاءٌ“ کے معنی ہیں اپنی انگلیوں کو اپنے منہ میں داخل کرنا یعنی منہ سے سیٹی بجانا۔

”وَقَصْدِیَّةٌ“ کے معنی ہیں تالیاں بجانا۔
 ”لِیَفْبُتُوْكَ“ کے معنی ہیں کہ آپ قید کر لیں، مجبوس کر لیں۔

باب: ﴿إِنَّ شَرَّ الدَّوَابِّ عِنْدَ اللَّهِ الضَّمُّ الْبُكْمُ الَّذِينَ لَا يُعْقِلُونَ﴾ [۲۳]
 باب: ”یقین رکھو کہ اللہ کے نزدیک بدترین جانوروہ بہرے گوئلے لوگ ہیں جو عقل سے کام نہیں لیتے“۔

جانوروں سے بدتر لوگ

کافر لوگ کانوں سے تو سننے کا دعویٰ کرتے ہیں، مگر سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے۔ اس لحاظ سے وہ جانوروں سے بھی بدتر ہیں، کیونکہ بے زبان جانور اگر کسی کی بات کو نہ سمجھیں تو اتنی بڑی بات ہے۔ اُن میں یہ صلاحیت پیدا ہی نہیں کی گئی، اور نہ اُن سے یہ مطالبہ ہے۔ لیکن انسانوں میں تو سمجھنے کی صلاحیت پیدا کی گئی ہے، اور اُن سے یہ مطالبہ بھی ہے کہ وہ سوچ سمجھ کر کوئی راستہ اپنائیں۔ اگر وہ سمجھنے کی کوشش نہ کریں تو جانوروں سے بھی بدتر ہیں۔ ج

۴۶۴۶۔ حدثنا محمد بن يوسف: حدثنا ورقاء، عن ابن أبي نجيح، عن مجاهد، عن ابن عباس ﴿إِنَّ شَرَّ الدَّوَابِّ عِنْدَ اللَّهِ الضَّمُّ الْبُكْمُ الَّذِينَ لَا يُعْقِلُونَ﴾ قال: هم نفر من بني عبد الدار. هـ

ترجمہ: حضرت مجاہد رحمہ اللہ، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں انہوں نے فرمایا کہ اس آیت ﴿إِنَّ شَرَّ الدَّوَابِّ عِنْدَ اللَّهِ الضَّمُّ الْبُكْمُ الَّذِينَ لَا يُعْقِلُونَ﴾ کو اللہ تعالیٰ نے بنی عبد الدار کے ایک گروہ کے بارے میں اتارا۔

آیت سے مراد

آیت میں قبیلہ بنی عبد الدار کے افراد مراد ہیں، جو کہتے تھے کہ محمد جو چیز لے کر آئے ہیں ہم اس کے سننے سے بہرے، اقرار کرنے سے گوئلے اور دیکھنے سے ناپسند ہیں۔

ان میں سے صرف دو آدمی مسلمان ہوئے، مصعب بن عمیر اور سوط بن حرملہ رضی اللہ عنہما۔ جنگ احد میں باقی سب مارے گئے، لشکر کے علم بردار یہی تھے یعنی مکہ مکرمہ کے قریش لوگوں میں جنگوں کے اندر جھنڈے والے ہوا کرتے تھے۔ جب انکے سامنے قرآن شریف پڑھا جاتا تھا تو وہ کہتے تھے کہ ہم تو ”ضم“ اور ”ہکم“ ہیں خود کہتے تھے کہ ہم نے اپنے آپ کو بہرہ بنالیا ہے۔ العیاذ باللہ۔ ۱

(۲) باب: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيكُمْ، وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَحُولُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهِ وَأَنَّهُ إِلَيْهِ تُخْشَرُونَ﴾ [۲۳]

باب: ”اے ایمان والو! اللہ اور رسول کی دعوت قبول کرو، جب رسول تمہیں اُس بات کی طرف بلائے جو تمہیں زندگی بخشنے والی ہے۔ اور یہ بات جان رکھو کہ اللہ انسان اور اُس کے دل کے درمیان آڑ بن جاتا ہے، اور یہ کہ تم سب کو اسی کی طرف اکٹھا کر کے لے جایا جائے۔“

﴿اسْتَجِيبُوا﴾: اجیبوا۔ ﴿لِمَا يُحْيِيكُمْ﴾: لما يصلحكم۔

ترجمہ: ”اسْتَجِيبُوا“ یعنی ”اجیبوا“ ہے یعنی قبول کرو، بجالایا کرو، لبیک کہو۔

”لِمَا يُحْيِيكُمْ“ کے معنی ”یصلحکم“ یعنی تمہاری اصلاح کرے گا۔

۴۶۴۔ حدیثی اسحاق قال: أخبرنا روح: حدثنا شعبة، عن خبيب بن عبد الرحمن، سمعت حفص بن عاصم يحدثك عن أبي سعيد بن المعلى ؓ قال: كنت أصلي فمر بهي رسول الله ﷺ فدعاني فلم آتته حتى صليت ثم أتته فقال: ((ما منعك أن تأتي؟ ألم يقل الله: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ﴾ ثم قال: ((لأعلمك أعظم سورة في القرآن قبل أن أخرج))، فذهب رسول الله ﷺ ليخرج فذكرت له.

وقال معاذ: حدثنا شعبة، عن خبيب بن عبد الرحمن: سمع حفصاً: سمع أبا سعيد رجلاً من أصحاب النبي ﷺ بهذا وقال: ((هي الحمد لله رب العالمين، السبع المثالي)). [راجع: ۴۴۷۴]

ترجمہ: حضرت ابوسعید بن معلیؓ کہتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ نماز ادا کر رہا تھا کہ رسول اللہ ﷺ میرے پاس سے گزرے اور مجھ کو پکارا، لیکن میں فوراً نہیں آسکا، یہاں تک کہ میں نماز سے فارغ ہوا اور پھر میں آپ خدمت میں حاضر ہوا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم کو میرے پاس آنے سے کس چیز نے روک رکھا تھا؟ کیا اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد تم کو معلوم نہیں ہے؟ ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ﴾ پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ مسجد سے نکلنے سے پہلے میں تم کو قرآن کریم کی عظیم ترین سورت بتاؤں گا، پھر جب آپ ﷺ مسجد سے باہر جانے لگے تو میں نے عرض کیا اور یاد دلایا۔

معاذ روایت کرتے ہیں کہ ہم سے شعبہ بیان کیا اور انہوں نے ضعیب بن عبدالرحمن سے روایت کی وہ کہتے ہیں میں حفص سے سنا اور انہوں نے حضرت ابوسعیدؓ سے، جو کہ نبی کریم ﷺ کے صحابہ میں سے ہیں، اس حدیث کو سنا کہ آپ ﷺ نے فرمایا وہ سورت ”الحمد لله رب العالمين“ ہے اور اسکو سبع مثانی بھی کہا جاتا ہے۔

مسئلہ

بعض علماء کا قول ہے کہ نماز میں رسول اللہ ﷺ کی دعوت پر جواب دینے سے نماز نہیں ٹوٹی۔ بعض علماء کے نزدیک اگر کسی فوری کام کیلئے رسول اللہ ﷺ نے دعوت دی ہو تو اس کی تعمیل کیلئے نماز توڑ دینا لازم ہے۔ پہلا قول زیادہ قوی ہے ورنہ ہر دینی ضروری کام کیلئے جو تاخیر کرنے سے فوت ہو رہا ہو نماز توڑ دینا جائز ہے، مثلاً کوئی تاجینا کنویں میں گر رہا ہو اور کوئی نمازی نماز پڑھ رہا ہو اور خیال ہو کہ اگر نماز نہ توڑے گا تو اندھا کنویں میں گر پڑے گا تو نماز توڑ کر اس کو راستہ بتانا اور بچا دینا جائز ہے۔ ۷

(۳) باب قوله: ﴿وَإِذْ قَالُوا اللَّهُمَّ إِنَّ كَانَ هَذَا هُوَ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِكَ

فَانظُرْ﴾ [۱۹۹:۳۲]

اس ارشاد کا بیان کہ: ”(اور ایک وقت وہ تھا) جب انہوں نے کہا تھا کہ: ”یا اللہ! اگر یہ (قرآن) ہی وہ حق جو تیری طرف سے آیا ہے تو بارش (عذاب) برسا دے۔“

قال ابن عیینة: ماسمى الله مطراً فى القرآن الاعداها وتسميه العرب الغيث وهو

قوله تعالى: ﴿وَهُوَ الَّذِي يُنَزِّلُ الْغَيْثَ مِنْ بَعْدِ مَا قُنِطُوا﴾ [الشورى: ۲۸].

ترجمہ: حضرت سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ قرآن کریم میں ”مطر“ کا لفظ جہاں بھی آیا ہے عذاب کے لئے آیا ہے اور اہل عرب بارش کیلئے ”غیث“ کا لفظ استعمال کرتے ہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ﴿وَهُوَ الَّذِي يُنَزِّلُ الْغَيْثَ مِنْ بَعْدِ مَا قُنِطُوا﴾۔

۴۶۳۸ - حدثني أحمد: حدثنا عبيد الله بن معاذ: حدثنا أبي: حدثنا شعبة، عن عبد الحميد صاحب الزيادة: سمع انس بن مالك رضي الله عنه: قال أبو جهل: اللهم ان كان هذا هو الحق من عندك فامطر علينا حجارة من السماء أو ائتنا بعذاب أليم. فنزلت ﴿وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنْتَ لِيهِمْ وَمَا كَانَ اللَّهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُونَ وَمَالَهُمْ أَنْ لَا يُعَذِّبَهُمُ اللَّهُ وَهُمْ يَصُدُّونَ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ﴾ الآية. [النظر: ۴۶۳۹] ۵

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضي الله عنه فرماتے ہیں کہ جب ابو جہل نے یہ کہا کہ اے اللہ اگر یہ قرآن تیری طرف سے حق ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسادے، یا ہمیں دردناک عذاب میں مبتلا کر دے، تو اس وقت یہ آیت نازل فرمائی ﴿وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنْتَ لِيهِمْ الْخ﴾۔

مشرکین قریش پر اللہ کا عذاب

اس آیت میں مشرکین مکہ کے انتہائی جہل اور شقاوت و عناد کا اظہار ہے، یعنی وہ کہتے تھے کہ خداوند اگر واقعی یہ ہی دین حق ہے جس کی ہم اتنی دیر اور اس قدر شد و مد سے تکذیب کر رہے ہیں تو پھر دیر کیوں ہے؟ گزشتہ اقوام کی طرح ہم پر بھی پتھروں کا سینہ کیوں نہیں برس دیا جاتا، یا اسی طرح کسی دوسرے عذاب میں مبتلا کر کے ہمارا استیصال کیوں نہیں کر دیا جاتا؟

کہتے ہیں کہ یہ دعا ابو جہل نے مکہ سے نکلنے وقت کعبہ کے سامنے کی، آخر جو کچھ مانگا تھا اس کا نمونہ بدر میں دیکھ لیا، وہ خود مع ۶۹ سرداروں کے کنز اور بے سروسامان نبتے مسلمان کے ہاتھوں سے مارا گیا، ستر (۷۰) سردار اسیری کی ذلت میں گرفتار ہوئے، اس طرح خدا نے ان کی جڑ کاٹ دی۔

بے شک قوم لوط کی طرح ان پر آسمان سے پتھر نہیں بر سے، لیکن ایک مٹھی منگریزے جو اللہ ﷻ نے محمد رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ سے پھینکے تھے وہ آسمانی سنگباری کا چھوٹا سا نمونہ تھا۔

۵ وفي صحيح مسلم، كتاب صفة القيامة والجنة والنار، باب في قوله: ﴿وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنْتَ لِيهِمْ﴾، رقم: ۲۷۹۶

﴿لَم تَفْعَلُوهُمْ وَلَكِنَّ اللَّهَ قَتَلَهُمْ وَمَا رَمَيْتَ إِذْ

رَمَيْتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ رَمَى﴾ [الأنفال: ۱۷]

ترجمہ: چنانچہ (مسلمانو! حقیقت میں) تم نے ان (کافروں کو) قتل نہیں کیا تھا، بلکہ انہیں اللہ نے قتل کیا تھا، اور (اے پیغمبر!) جب تم نے ان پر (مٹی) پھینکی تھی تو وہ تم نے نہیں، بلکہ اللہ نے پھینکی تھی۔

سہ اللہ یہ ہے کہ جب کسی قوم پر تکذیب انبیاء کی وجہ سے عذاب نازل کرتے ہیں تو اپنے پیغمبر کو ان سے علیحدہ کر لیتے ہیں، اللہ ﷻ نے جب حضرت محمد ﷺ کو مکہ سے علیحدہ کر لیا تب مکہ والے عذاب میں پکڑے گئے۔ نزول عذاب سے دو چیزیں مانع ہیں: ایک ان کے درمیان پیغمبر کا موجود رہنا۔

دوسرے استغفار یعنی مکہ میں حضور اکرم ﷺ کے قدم سے عذاب اٹک رہا تھا، اب ان پر عذاب آیا، اسی طرح جب تک گناہ گار نادم رہے اور توبہ کرتا رہے تو پکڑا نہیں جاتا، اگر چہ بڑے سے بڑا گناہ ہو، حضور اکرم ﷺ نے فرمایا گناہ گاروں کی پناہ دو چیزیں ہیں، ایک میرا وجود، دوسرے استغفار۔ ۹

(۵) باب: ﴿وَقَالُوا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ أَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِي أَصْحَابِ السَّعِيرِ﴾ [۳۹]

باب: ”اور (مسلمانو!) ان کافروں سے لڑتے رہو، یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے، اور دین پورے کا پورا اللہ کا ہو جائے۔“

فتنہ اور دین کی تفسیر

اس آیت میں دو لفظ قابل غور ہیں، ایک لفظ فتنہ، دوسرا دین۔ یہ دونوں لفظ عربی لغت کے اعتبار سے کئی معنی میں استعمال ہوتے ہیں۔ ائمہ تفسیر صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین و تابعین رحمہم اللہ اجمعین سے اس جگہ دو معنی منقول ہیں۔

ایک تفسیر یہ کہ فتنہ سے مراد کفر و شرک اور دین سے مراد دین اسلام لیا جائے۔
حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے یہی تفسیر منقول ہے، اس تفسیر پر آیت کے معنی یہ ہوں گے کہ
مسلمانوں کو کفار سے قتال اُس وقت تک جاری رکھنا چاہئے جب تک کہ کفر مٹ کر اُس کی جگہ اسلام آجائے،
اسلام کے سوا کوئی دین و مذہب باقی نہ رہے۔

اس صورت میں حکم صرف اہل مکہ اور اہل عرب کیلئے مخصوص ہوگا، کیونکہ جزیرۃ العرب اسلام کا گھر اور
قلعہ ہے اس میں اسلام کے سوا کوئی دوسرا دین رہے تو دین اسلام کیلئے خطرہ ہے۔ باقی ساری دنیا میں دوسرے
ادیان و مذاہب کو قائم رکھا جاسکتا۔ یہ جیسا کہ قرآن کریم کی دوسری آیات اور روایات حدیث اس پر شاہد ہیں۔
دوسری تفسیر جو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما وغیرہ سے منقول ہے، وہ یہ ہے کہ فتنہ سے مراد اس جگہ
وہ ایذا اور عذاب و مصیبت ہے جس کا سلسلہ کفار مکہ کی طرف سے مسلمانوں پر ہمیشہ جاری رہا تھا، جب تک وہ
مکہ میں تھے تو ہر وقت ان کے زخے میں پھنسے ہوئے طرح طرح کی ایذائیں سہتے رہے پھر جب مدینہ طیبہ کی
طرف ہجرت کی تو ایک ایک مسلمان کا تعاقب کر کے قتل و غارت گری کرتے رہے۔ مدینہ میں پہنچنے کے بعد بھی
پورے مدینہ پر حملوں کی صورت میں ان کا غیظ و غضب ظاہر ہوتا رہا۔

اور اس کے مقابل دین کے معنی قہر و غلبہ کے ہیں اس صورت میں آیت کی تفسیر یہ ہوگی کہ مسلمانوں کو
کفار سے اُس وقت تک قتال کرتے رہنا چاہئے جب تک کہ مسلمان ان کے مظالم سے محفوظ نہ ہو جائیں اور دین
اسلام کا غلبہ نہ ہو جائے کہ وہ غیروں کے مظالم سے مسلمانوں کی حفاظت کر سکے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے ایک واقعہ سے بھی اسی تفسیر کی تائید ہوتی ہے، واقعہ یہ ہے کہ جب امیر
مکہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے مقابلہ میں حجاج بن یوسف نے فوج کشی کی اور دونوں طرف مسلمانوں
کی تلواریں مسلمانوں کے مقابلہ پر چل رہی تھیں تو دو شخص حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس حاضر ہوئے
اور کہا کہ اس وقت جس بلاء میں مسلمان مبتلا ہیں آپ دیکھ رہے ہیں، حالانکہ آپ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے
صاحبزادے ہیں جو کسی طرح ایسے فتنوں کو برداشت کرنے والے نہ تھے۔ کیا سبب ہے کہ آپ اس فتنہ کو رفع
کرنے کیلئے میدان میں نہیں آتے؟

تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ سبب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی مسلمان کا خون بہانا
حرام قرار دیا ہے۔

انہوں نے کہا کہ کیا آپ نے قرآن کی یہ آیت نہیں پڑھتے ﴿وَلَا يَلْبُؤُهُمْ حَتَّى لَا يَكُونُوا فِتْنَةً﴾؟
حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ بیشک میں یہ آیت پڑھتا ہوں اور اس پر عمل بھی کرتا ہوں، ہم نے
اس آیت کے مطابق کفار سے قتال جاری رکھا یہاں تک کہ فتنہ ختم ہو گیا اور غلبہ دین اسلام ہو گیا اور تم لوگ یہ

چاہتے ہو کہ اب باہم قتال کر کے پھر فتنہ پیدا کرو اور غلبہ غیر اللہ کا دین حق کے خلاف ہو جائے۔ ۱۰
مطلب یہ تھا کہ جہاد و قتال کا حکم فتنہ کفر اور مظالم کفار کے مقابلہ میں تھا وہ ہم کر چکے اور برابر کرتے
رہے یہاں تک کہ یہ فتنہ فرو ہو گیا۔

مسلمانوں کی باہمی خانہ جنگی کو اس پر قیاس کرنا صحیح نہیں بلکہ مسلمانوں کے باہمی مقاتلہ کے وقت تو
رسول اللہ ﷺ کی ہدایات یہ ہیں کہ اس میں بیٹھا رہنے والا کھڑا ہونے والے سے بہتر ہے۔ ۱۱
خلاصہ اس تفسیر کا یہ ہے کہ مسلمانوں پر اعداء اسلام کے خلاف جہاد و قتال اُس وقت تک واجب ہے
جب تک مسلمانوں پر اُن کے مظالم کا فتنہ ختم نہ ہو جائے اور اسلام کو سب ادیان باطلہ پر غلبہ نہ ہو جائے اور یہ
صورت صرف قرب قیامت میں ہوگی اس لیے جہاد کا حکم قیامت تک جاری اور باقی ہے۔ ۱۲

۳۶۵۰ - حدثنا الحسن بن عبد العزيز: حدثنا عبد الله بن يحيى: حدثنا حيوة، عن
بكر بن عمرو، عن بكير، عن نافع، عن ابن عمر رضي الله عنهما: أن رجلا جاءه فقال: يا
أبا عبد الرحمن، ألا تسمع ما ذكر الله في كتابه؟ ﴿وَإِنْ طَالِفْتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اتَّعَلَوْا﴾ إلى
آخر الآية، لما يمنعك أن لا تقاتل كما ذكر الله في كتابه؟ فقال: يا ابن أخي، أعمر بهذه
الآية ولا أتاتل أحب إلى من أن أعمر بهذه الآية التي يقول الله تعالى: ﴿وَمَنْ يُقْتَلْ مُؤْمِنًا
مُتَعَمِّدًا﴾ إلى آخرها، قال: فإن الله يقول: ﴿وَقَالُوا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ أَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِي أَصْحَابِ
أُولَئِكَ﴾ قال ابن عمر: ما قولك في علي وعثمان؟ أما عثمان فكان الله قد
عفا عنه فكرهتم أن تعفوا عنه. وأما علي فابن عم رسول الله ﷺ وختنه، وأشار بيده وهذه
ابنته، أو بنته حيث ترون. [راجع: ۳۱۳۰]

۱۰ صحیح البخاری، کتاب التفسیر، رقم الحدیث: ۳۵۱۳

۱۱ ان سعد بن ابی وقاص قال عند فتنه عثمان بن عفان: اشهد ان رسول الله ﷺ قال: ((إنها ستكون فتنه القاعد فيها
خير من القائم، والقائم خير من الماشي، والماشي خير من الساعي)). سنن الترمذی، أبواب الفتن، باب ما جاء تكون
فتنة القاعد فيها خير من القائم، رقم: ۲۱۹۳

۱۲ معارف القرآن، ج: ۳، ص: ۲۳۳، ۲۳۲ - ((ان الجهاد مع كل امام الى يوم القيامة)). سنن الترمذی، أبواب الجهاد،

باب ما جاء في فضل العيل، رقم: ۱۲۹۳، وعمدة القاری، ج: ۱۸، ص: ۱۵۵، رقم: ۳۵۱۳، و ص: ۳۵۸، رقم: ۳۶۵۰

حدیث کا ترجمہ و تشریح

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی آپ کے پاس آیا اور اس نے کہا کہ اے ابو عبد الرحمن! کیا آپ نے اللہ ﷻ کا یہ فرمان نہیں سنا جو اس نے اپنی کتاب میں ذکر فرمایا ہے کہ ﴿وَإِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَلَوْا نَحْوَ﴾ تو پھر آپ کو کون سی چیز مانع ہے، جو آپ جہاد نہیں کرتے ہیں؟ اس پر حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا اے بھتیجے! اگر میں اس حکم میں تاویل کر کے مسلمانوں سے نہ لڑوں تو یہ مجھ کو اچھا لگتا ہے، اس بات سے کہ میں ﴿وَمَنْ يَفْعَلْ مُؤْمِنًا مَّتَعَمَدًا﴾ کی تاویل کروں۔ پھر اس آدمی نے کہا اللہ تعالیٰ ارشاد ہے کہ ﴿وَلَا يَلُوهُمْ حَتَّى لَا تُكُونَ فَتْنَةً﴾ یعنی پھر آپ اس آیت کو کیا کریں گے؟

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا کہ یہ کام تو ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں کر چکے ہیں، حالانکہ اس وقت اسلام بہت قلیل تھا اور آدمی اپنے دین کے بارے میں فتنے میں مبتلا کر دیا جاتا تھا، یا تو لوگ اس کو قتل کر ڈالتے تھے، یا تو اس کو سخت تکالیف اور اذیت پہنچاتے، یہاں تک کہ اسلام بڑھ چکا، اس لئے اب وہ فتنہ ختم ہو گیا۔

جب اس آدمی نے دیکھا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اس کی رائے کے موافق نہیں بیان کر رہے تو کہنے لگا کہ علی و حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کے متعلق آپ کیا خیال رکھتے ہیں؟ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا کہ جہاں تک بات ہے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی، تو ان کو تو اللہ ﷻ نے معافی دیدی، مگر تم ان کے معاف کئے جانے کو برا سمجھتے ہو، رہ گئے حضرت علی رضی اللہ عنہ تو وہ داماد رسول اور رسول اللہ ﷺ کے چچا زاد بھائی ہیں۔

(راوی کا بیان ہے اتنا کہہ کر) پھر ابن عمر رضی اللہ عنہما نے ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا دیکھو یہ ان کی بیٹی ہے یا (شک راوی) فرمایا کہ یہ ان کا گھر ہے جیسا کہ تم مکان سامنے دیکھ رہے ہو۔
 ”اعبر بہذہ الآیۃ“ اگر میں اس آیت سے غفلت کروں اور قتال نہ کروں تو یہ مجھے پسند ہے بہ نسبت اس کے کہ میں غفلت کروں دوسری آیت سے جو اللہ ﷻ فرماتے ہیں ”وَمَنْ يَفْعَلْ مُؤْمِنًا مَّتَعَمَدًا“ تو اس آیت سے غفلت کرنا مجھے زیادہ گراں ہے۔

یہ تفصیل ہوگی اس سے کہ جب اس لفظ کو ”غرۃ“ سے نکالیں یعنی ”غرۃ“ کے معنی غفلت کے آتے ہیں اور اگر ”غرود“ سے نکالیں کہ میں دھوکے میں پڑوں اس آیت سے اور قتال نہ کرو۔ اور دھوکے میں پڑنے

کا معنی ”تاویل کرنا“ کہ اس آیت میں تاویل کروں یہ مجھے زیادہ پسند ہے بہ نسبت اس کے کہ میں دوسری آیت میں تاویل کروں۔ کہ اس میں وعید بڑی سخت ہے۔

۳۶۵۱۔ حدثنا أحمد بن یونس: حدثنا زهير: حدثنا بيان: أن وبرة حدثه قال: حدثني سعيد بن جبیر قال: خرج علينا أوالينا ابن عمر فقال رجل: كيف ترى في قتال الفتنة؟ فقال: وهل تدري ما الفتنة كان محمد ﷺ يقاتل المشركين وكان الدخول عليهم فتنة وليس كقتالكم على الملك. [راجع: ۳۱۳۰]

ترجمہ: حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہمارے پاس حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما تشریف لائے تو ایک آدمی نے کہا کہ اس فتنہ و فساد کی لڑائی کے متعلق کیا کہتے ہیں آپ کی کیا رائے ہے؟ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے جواب دیا کہ تم کیا جانو فتنہ کس کو کہتے ہیں! حضرت محمد ﷺ مشرکین سے لڑتے تھے اور ان میں داخل ہو جاتے تھے، یہ اصل فتنہ تھا، نہ کہ تم لوگوں جیسی لڑائیاں جنگیں جو صرف حصول اقتدار کی خاطر ہو بلکہ وہ صرف دین کے لئے لڑتے تھے۔

(۶) باب: ﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِينَ عَلَى الْقِتَالِ﴾ [۶۵]

باب: ”اے نبی! مومنوں کو جنگ پر ابھارو“۔

۳۶۵۲۔ حدثنا علي بن عبد الله: حدثنا سفیان، عن عمرو، عن ابن عباس رضي الله عنهما: لما نزلت ﴿إِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ عِشْرُونَ صَابِرُونَ يَغْلِبُوا مِائَتِينَ﴾ فكتب عليهم أن لا يفر واحد من عشرة، فقال سفیان غير مرة: أن لا يفر عشرون من مائتين، ثم نزلت ﴿الآن خَفَّفَ اللَّهُ عَنْكُمْ﴾ الآية. فكتب أن لا يفر مائة من مائتين. وزاد سفیان مرة نزلت: ﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِينَ عَلَى الْقِتَالِ إِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ عِشْرُونَ صَابِرُونَ﴾. قال سفیان: وقال ابن شبرمة: وأرى الأمر بالمعروف والنهي عن المنكر مثل هذا. [أنظر: ۳۶۵۳] ۳

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی کہ ﴿إِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ عِشْرُونَ صَابِرُونَ يَغْلِبُوا مِائَتِينَ﴾ تو پھر اس وقت یہ بات لازم کر دی گئی کہ اگر ایک مسلمان ہو تو

دس کافروں کے مقابلے سے راہ فرار اختیار مت کرے، اور سفیان نے کئی مرتبہ یہ بھی کہا کہ اگر میں مسلمان ہوں تو دوسو کافروں سے مقابلہ کرنے سے نہ بھاگیں، پھر اس کے بعد یہ آیت اتری کہ ﴿أَلَا نَخَفُ اللَّهَ عَنْكُمْ﴾ اس کے بعد یہ بات لازم قرار دی گئی کہ ایک سو مسلمان، دوسو کافروں کا مقابلہ کرنے سے نہ بھاگیں۔ اور سفیان نے ایک مرتبہ اس زیادتی کے ساتھ روایت بیان کی کہ یہ آیت نازل ہوئی ﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ خَرِّضِ الْمُؤْمِنِينَ عَلَى الْقِتَالِ إِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ عَشْرُونَ صَابِرُونَ﴾۔ سفیان کہتے ہیں کہ عبد اللہ بن شبرمہ کہتے تھے کہ میرا خیال ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں بھی یہی حکم پایا جاتا ہے۔

دعوت و تبلیغ میں اسلوب و انداز

سفیان کہتے ہیں کہ عبد اللہ بن شبرمہ رحمہ اللہ جو کوفہ کے قاضی تھے، کہتے تھے کہ میرا خیال ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں بھی یہی حکم پایا جاتا ہے۔ یعنی امر بالمعروف و نہی عن المنکر میں بھی یہی قاعدہ ہے کہ اگر نہی عن المنکر میں اپنے سے دوہرے آدمی ہو تب بھی نہی عن المنکر کرنی چاہئے اور ان کی مار پٹائی سے ڈرنا نہیں چاہئے۔ اور اگر دو سے زیادہ ہوں تو پھر یعنی معذوری ہے۔

لیکن دوسرے حضرات کا کہنا یہ ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ اس وقت ہوتا ہے کہ جب آدمی اپنے آپ کو ضرر سے بچاتے ہوئے آدمی یہ کام کر لے اور جب ضرر پہنچنے کا اندیشہ ہو، دوہرے کیا تہرے آدمی ہوں لیکن یہ معلوم ہو کہ یہ دھینکا مٹی کرائے گا اور میں اس کا مقابلہ نہیں کر سکوں گا تو پھر اس معنی کا امر بالمعروف فرض نہیں ہے۔ ۱۴

آیت کی تشریح و مراد

﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ خَرِّضِ الْمُؤْمِنِينَ عَلَى الْقِتَالِ إِنْ

يَكُنْ مِنْكُمْ عَشْرُونَ صَابِرُونَ يَفْلِحُوا مَا تَتَّبِعُونَ﴾

ترجمہ: اے نبی! مومنوں کو جنگ پر ابھارو۔ اگر تمہارے

میں آدمی ایسے ہوں گے جو ثابت قدم رہنے والے ہوں تو

وہ دوسو پر غالب آجائیں گے۔

یہ مسلمانوں کو جہاد کی ترغیب دی کہ تھوڑے بھی ہوں تو جی نہ چھوڑیں خدا کی رحمت سے دس گئے دشمن پر غالب آئیں گے، سبب یہ ہے کہ مسلمان کی لڑائی محض خدا کیلئے ہے، وہ خدا کو اور اس کی مرضی کو پہچان کر اور یہ سمجھ کر میدان جنگ میں قدم رکھتا ہے کہ خدا کے راستے میں مرنا اصلی زندگی ہے اس کو یقین ہے کہ میری تمام قربانوں کا ثمرہ آخرت میں ضرور ملنے والا ہے خواہ میں غالب ہوں یا مغلوب اور اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے جو تکلیف میں اٹھاتا ہوں وہ فی الحقیقت مجھ کو دائمی خوشی اور ابدی مسرت سے ہمکنار کرنے والی ہے۔

مسلمان جب یہ سمجھ کر جنگ کرتا ہے تو تائید ایزدی مددگار ہوتی ہے اور موت سے وحشت نہیں رہتی، اسی لئے پوری دلیری اور بے جگری سے لڑتا ہے، کافر چونکہ اس حقیقت کو نہیں سمجھ سکتا، اس لئے محض حقیر اور فانی اغراض کیسے بہائم کی طرح لڑتا ہے اور قوت قلبی اور امداد غیبی سے محروم رہتا ہے۔

بشارت کے رنگ میں حکم دیا گیا کہ مومنین کو اپنے سے دس گئے دشمنوں کے مقابلہ میں ثابت قدمی سے لڑنا چاہئے، اگر مسلمان بیس ہوں تو دوسو کے مقابلہ سے نہ ہٹیں اور سو ہوں تو ہزار کو پیٹھ نہ دکھلائیں۔ ۱۵

(۷) باب: ﴿الْآنَ خَفَّفَ اللَّهُ عَنْكُمْ وَعَلِمَ أَنَّ فِيكُمْ ضَعْفًا﴾ الآية [۶۶]

باب: ”لَوَابِ اللّٰهِ نَمَّ سَمَّ بُوْجْهٍ بَلَاكَرُ دِيَا، اَوْرَا سَمَّ كَلْمِ مِي سَمَّ هَمَّ كَه تَهَارِي اَنْدَر كَمَّ كَزُوْرِي هَمَّ“۔

۳۶۵۳۔ حَدَّثَنَا يَحْيَىٰ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ السُّلَمِيُّ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ الْمُبَارَكِ: أَخْبَرَنَا جَرِيرُ بْنُ حَازِمٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي الزُّبَيْرُ بْنُ الْخُوَيْمِ، عَنْ عِكْرَمَةَ، عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ: لَمَّا نَزَلَتْ ﴿إِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ عَشْرُونَ صَابِرُونَ يَغْلِبُوا مِائَتِينَ﴾ شَقَّ ذَلِكَ عَلَى الْمُسْلِمِينَ حِينَ فَرَضَ عَلَيْهِمْ أَنْ لَا يَفِرَ وَاحِدٌ مِنْ عَشْرَةٍ لِحِجَابِ الضَّعْفِ لِقَالَ ﴿الْآنَ خَفَّفَ اللَّهُ عَنْكُمْ وَعَلِمَ أَنَّ فِيكُمْ ضَعْفًا لِأَنَّ يَكُنْ مِنْكُمْ مِائَةٌ صَابِرَةٌ يَغْلِبُوا مِائَتِينَ﴾ قَالَ: فَلَمَّا خَفَّفَ اللَّهُ عَنْهُمْ مِنَ الْعِدَّةِ لِقَضَى مِنَ الصَّبْرِ بِقَدَرِ مَا خَفَّفَ عَنْهُمْ. [رَاجِع: ۳۶۵۲]

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جس وقت اللہ ﷻ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ ﴿إِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ عَشْرُونَ صَابِرُونَ يَغْلِبُوا مِائَتِينَ﴾ تو مسلمانوں پر یہ بات بہت بھاری ہوئی کہ ایک مسلمان دس کافروں کے مقابلے سے نہ بھاگے، تو اللہ ﷻ نے اس آیت کے حکم میں تخفیف فرمائی،

پھر یہ آیت پڑھی ﴿الآن خَفَّفَ اللَّهُ عَنْكُمْ وَعَلِمَ أَنَّ فِيكُمْ ضَعْفًا لَإِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ مِائَةٌ صَابِرَةٌ يَغْلِبُوا مِائَتَيْنِ﴾۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ جب اللہ ﷻ نے تعداد کے حوالے سے تخفیف کر دی تو اس سے مسلمانوں کے استقلال میں بھی تھوڑا سا فرق آ گیا۔

تخفیف کا حکم؛ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی تفسیر

”لَمَّا خَفَّفَ اللَّهُ عَنْهُمْ مِنَ الْعِدَّةِ لِقُضِّ مِنَ الصَّبْرِ بِقَدْرِ مَا خَفَّفَ عَنْهُمْ“۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس حکم میں تخفیف کے بعد کا حال بیان فرماتے ہیں کہ جب اللہ ﷻ نے تعداد کم کر دی تو صبر میں بھی کمی کر دی یعنی جتنا صبر پہلے لوگوں کو حاصل تھا، استقامت حاصل تھی اور ثابت قدمی حاصل تھی اب وہ نہیں رہی۔ اب یہ بات کہنا عام آدمی کیلئے تو مشکل ہے اگر ایسا آدمی کہہ رہا ہے تو کہہ رہا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ گزشتہ آیت جس میں مسلمانوں کو دس گنا کافروں کے مقابلہ پر ثابت قدم رہنے کا حکم تھا، جب لوگوں کو بھاری معلوم ہوئی تو اس کے بعد یہ آیت اتری:

﴿الآن خَفَّفَ اللَّهُ عَنْكُمْ وَعَلِمَ أَنَّ فِيكُمْ ضَعْفًا لَإِنْ

يَكُنْ مِنْكُمْ مِائَةٌ صَابِرَةٌ يَغْلِبُوا مِائَتَيْنِ﴾

ترجمہ: اللہ نے تمہاری ایک قسم کی کمزوری اور سستی کو دیکھ کر

پہلا حکم اٹھالیا، اب صرف اپنے سے دوگنی تعداد کے مقابلہ

میں ثابت قدم رہنا ضروری اور بھاگنا حرام ہے۔

یہ کمزوری یا سستی جس کی وجہ سے حکم میں تخفیف ہوئی، اس کی کئی وجوہات ہو سکتی ہیں:

ابتدائے ہجرت میں گئے چنے مسلمان تھے جن کی قوت و جلاوت معلوم تھی، کچھ مدت بعد ان کے بہت سے افراد بوڑھے اور کمزور ہو گئے اور جو نئی پود آئی ان میں پرانے مہاجرین و انصار جیسی بصیرت، استقامت اور تسلیم و تقویٰ نہ تھی، اور تعداد بڑھ جانے سے کسی درجہ میں اپنی کثرت پر نظر اور ”توکل علی اللہ“ میں قدرے کمی ہوئی ہوگی۔

ویسے بھی طبیعت انسانی کا خاصہ ہے کہ جو سخت کام تھوڑے آدمیوں پر پڑ جائے تو کرنے والوں میں جوش عمل زیادہ ہوتا ہے اور ہر شخص اپنی بساط سے بڑھ کر ہمت کرتا ہے، لیکن وہی کام جب بڑے مجمع پر ڈال دیا جائے تو ہر ایک کا منتظر رہتا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ آخر کچھ میں تھا تو اس کا ذمہ دار نہیں، اسی قدر جوش، حرارت اور ہمت میں کمی ہو جاتی ہے۔

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اول کے مسلمان یقین میں کامل تھے، ان پر حکم ہوا تھا کہ اپنے سے دس گنے کافروں پر جہاد کریں، پچھلے مسلمان ایک قدم کم تھے، تب یہی حکم ہوا کہ دو گنا پر جہاد کریں، یہی حکم اب بھی باقی ہے لیکن اگر دو سے زیادہ پر حملہ کریں تو بڑا اجر ہے۔

حضور اکرم ﷺ کے وقت میں ہزار مسلمان اسی ہزار سے لڑے، ”غزوہ موتہ“ میں تین ہزار مسلمان دو لاکھ کفار کے مقابلہ میں ڈٹے رہے، اس طرح کے واقعات سے اسلام کی تاریخ محمد اللہ بھری پڑی ہے۔ ۱۶

۱۶ آسان ترجمہ قرآن، سورۃ الانفال، ۶۶، تفسیر عثمانی، سورۃ انفال، ۶۶، فائدہ: ۵، معارف القرآن، ج: ۳، ص: ۲۷۹، - وعمدة القاری، ج: ۱۸، ص: ۳۶۱، رقم: ۳۶۵۳

(۹) سورۃ براءۃ سورۃ براءۃ توبہ کا بیان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وجہ تسمیہ

اس سورت کا نام براءت اس لئے ہوا کہ اس سورت میں کفار سے براءت کا ذکر ہے، اور توبہ اس لئے کہا جاتا ہے اس میں مسلمانوں کی توبہ قبول ہونے کا بیان ہے۔

سورۃ براءۃ کے مضامین کا حاصل

سورۃ انفال اوائل ہجرت میں اور یہ سورۃ براءۃ آواخر ہجرت میں نازل ہوئی ہے۔ آنحضرت ﷺ کی عادت تھی کہ جو آیات قرآنی نازل ہوتیں فرمادیتے کہ ان کو فلاں سورت میں فلاں موقع پر رکھو، ان آیات کے متعلق جنہیں ”سورۃ براءۃ“ یا ”سورۃ توبہ“ کہا جاتا ہے کوئی تصریح نہیں فرمائی کہ کس سورت میں درج کی جائیں جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مستقل سورت ہے کسی دوسری سورت کا جز نہیں۔ لیکن عام قاعدہ یہ تھا کہ جب نئی سورت نازل ہوتی تو پہلی سورت سے جدا کرنے کیلئے ”بسم اللہ“ آتی تھی، سورۃ توبہ کے شروع میں ”بسم اللہ“ نہ آئی، جو مشعر ہے کہ یہ جداگانہ سورت نہیں، ان وجوہ پر نظر کر کے مصاحف عثمانیہ میں اس کے شروع میں ”بسم اللہ“ نہیں لکھی گئی لیکن کتابت میں اس کے اور انفال کے درمیان فصل کر دیا گیا کہ نہ پوری طرح اس کا استقلال ظاہر ہو اور نہ دوسری سورت کا جز ہوتا، باقی انفال کے بعد متصل رکھنے کی وجہ یہ ہے کہ انفال نزول میں مقدم ہے بلا خاص وجہ کے مؤخر کیوں کی جاتی اور دونوں کے مضامین باہم اس قدر مرتبط و متنسق واقع ہوئے ہیں کہ گویا براءۃ کو ”انفال“ کا تہہ اور تکملہ کہا جاسکتا ہے۔

”سورۃ الانفال“ تمام تر غزوہ بدر اور اسکے متعلقات پر مشتمل ہے۔

یوم بدر کو قرآن نے ”یوم الفرقان“ کہا، کیونکہ اس نے حق و باطل، اسلام و کفر اور موحدین و مشرکین کی پوزیشن کو بالکل جدا جدا کرے دکھلا دیا، بدر کا معرکہ فی الحقیقت نہ صرف اسلام کی عالمگیر اور طاقتور برادری کی

تعمیر کاسنگ بنیاد اور حکومت الہی کا تاسیس کا دیباچہ تھا۔

﴿وَالَّذِينَ كَفَرُوا بِغَضُوبِ رَبِّهِمْ أُولَٰئِكَ فِي الْعَذَابِ﴾ [الانفال: ۳۳] کے مقابلہ میں جس خالص اسلامی برادری کے قیام کی طرف ”سورہ انفال“ کے ذمہ پر ﴿لَا تَقْعَلُوهُ تَكُنَّ فِتْنَةً لِّبِی الْأَرْضِ وَلَسَآذَ كَبِيرًا﴾ [الانفال: ۴۳] کہہ کر توجہ دلائی ہے اس کا صریح اقتضاء ہے کہ اس عالمگیر برادری کا کوئی طاقتور اور زبردست مرکز حسی طور پر بھی دنیا میں قائم ہو، جو ظاہر ہے جزیرۃ العرب کے سوا نہیں ہو سکتا جس کا صدر مقام مکہ معظمہ ہے۔

”سورہ انفال“ کے اخیر میں یہ بھی جتلا دیا گیا تھا کہ جو مسلمان مکہ وغیرہ سے ہجرت کر کے نہیں آئے اور کافروں کے زیر سایہ زندگی بسر کر رہے ہیں، دارالاسلام کے آزاد مسلمانوں پر ان کی ولایت و رفاقت کی کوئی ذمہ داری نہیں ﴿مَالِكُمْ مِنْ وَلَا يَتِيهِمْ مِنْ حُنَىٰ يَهَابُوا﴾ [الانفال: ۴۲]۔

ہاں حسب استطاعت ان کیلئے دینی مدد بہم پہنچانی چاہئے، اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ مرکز اسلام میں موالات و اخوت اسلامی کی کڑیوں کو پوری مضبوطی کے ساتھ جوڑنے کیلئے دو باتوں میں سے ایک ہونی چاہئے یا تمام عرب کے مسلمان ترک وطن کر کے مدینہ آجائیں، اسلامی برادری میں بے روک ٹوک شامل ہوں اور یا آزاد مسلمان مجاہدانہ قربانیوں سے کفر کی قوت کو توڑ کر جزیرۃ العرب کی سطح ایسی ہموار کر دیں کہ کسی مسلمان کو ہجرت کی ضرورت ہی باقی نہ رہے، یعنی تقریباً سارا جزیرۃ العرب خالص اسلامی برادری کا ایسا ٹھوس مرکز اور غیر مخلوط مستقر بن جائے جس کے دامن سے عالمگیر اسلامی برادری کا نہایت محکم اور شاندار مستقبل وابستہ ہو سکے۔

یہ دوسری صورت ہی ایسی تھی جس سے روز بروز کے فتنہ و فساد کی بیخ کنی ہو سکتی تھی، اور مرکز اسلام کفار کے اندرونی فتنوں سے بالکل پاک و صاف اور آئے دن کی بدعہدیوں اور ستم رانیوں سے پورا مومن و مطمئن ہو کر تمام دنیا کو اپنی عالمگیر برادری میں داخل ہونے کی دعوت دے سکتا تھا۔

اسی اعلیٰ اور پاک مقصد کے لئے مسلمانوں نے ۲ھ ہجری میں پہلا قدم میدان بدر کی طرف اٹھایا تھا، جو آخر کار ۸ھ ہجری میں مکہ معظمہ کی فتح عظیم پر منتہی ہوا جو فتنے اشاعت یا حفاظت اسلام کی راہ میں مہم جوئی ہوتے رہتے تھے فتح مکہ نے ان کی جڑوں پر تیشہ لگایا۔

لیکن ضرورت تھی کہ ﴿وَلَقَالُوا هُمْ حَتَّىٰ لَا تَكُونَ فِتْنَةً﴾ - [الانفال: ۳۹] کے امتثال میں اسلامی برادری کے مرکز اور حکومت الہیہ کے مستقر یعنی جزیرۃ العرب کو فتنہ کے جرائم سے بالکل صاف کر دیا جائے تاکہ وہاں سے تمام دنیا کو اسلامی دیانت اور حقیقی تہذیب کی دعوت دیتے وقت تقریباً سارا جزیرۃ العرب یک جان و یک زبان ہو اور کوئی اندرونی کمزوری یا خلفشار بیرونی مزاحمتوں کے ساتھ مل کر اس مقدس مشن کو نقصان نہ پہنچا سکے۔

پس جزیرۃ العرب کو ہر قسم کی کمزوریوں اور فتنوں سے پاک کرنے اور عالمگیر دعوت اسلامی کے بلند

ترین مقام پر کھڑا کرنے کے لئے لازم ہوا کہ دعوت اسلام کا مرکز خالص اسلامیہ - کے رنگ میں رنگین ہو، اس کے قلب و جگر سے صدائے حق کے سوا کوئی دوسری آواز نکل کر دنیا کے کانوں میں نہ پہنچے، پورا جزیرہ سارے جہان کا معلم اور ہادی بنے اور ایمان و کفر کی کشمکش کا ہمیشہ کے لئے یہاں سے خاتمہ ہو جائے۔

سورہ براءۃ کے مضامین کا یہی حاصل ہے۔

چنانچہ چند روز میں خدا کی رحمت اور سچائی کی طاقت سے مرکز اسلام ہر طرح کے دسائے کفر و شرک سے پاک ہو گیا اور سارا عرب متحد ہو کر شخص واحد کی طرح تمام عالم میں نور ہدایت اور عالمگیر اسلامی اخوت پھیلانے کا تکفیل و ضامن بنا۔ **فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ عَلٰی ذٰلِكَ**۔

الغرض ”سورہ انفال“ میں جس چیز کی ابتداء تھی، سورہ توبہ میں اس کی انتہاء ہے، اسی لئے ”اول باخر نیبے دارد“ کے موافق ”براءۃ“ کو ”انفال“ کے ساتھ بطور کلمہ ملحق کر دیا گیا، اور بھی مناسبات ہیں جن کو علماء نے تفاسیر میں بیان کیا ہے۔ ۱

﴿مَرَضٌ﴾ طریق **﴿اِلَّا﴾**: الال: القرابة و **﴿الدمۃ﴾** والعهد. **﴿وَلِیِّنَجۡةٍ﴾**: کل شیء ادخلته فی شیء. **﴿الشُّقَّةُ﴾**: السفر. **﴿الْخَبَالُ﴾**: الفساد، والخبال الموت. **﴿وَلَا تَفْتَنۡنِیۡ﴾**: لا تو بختنی. **﴿كُرۡهًا﴾** و **﴿كُرۡهًا﴾** واحد. **﴿مُدۡخَلًا﴾**: یدخلون لیہ. **﴿مُدۡخَلًا﴾**: یدخلون لیہ. **﴿بِجَمۡحُونٍ﴾**: یسرعون. **﴿وَالْمُؤْتَفِكَاتِ﴾**: التکفت: القلبت بها الارض.

﴿اَفۡوٰی﴾: القاه فی هوة. **﴿عَدَنٍ﴾**: خلد. عدلت بأرض: آی اقلت، ومنه معدن. ويقال: فی معدن صدق: فی منبت صدق.

﴿الْخَوَالِفِ﴾ الخالف الذی خلفنی لقعد بعدی ومه یخلفه فی الغابریں. ویجوز ان یکون النساء من الخالفة، وان کان جمع الذکور فاه لم یوجد علی تقدیر جمعة الاحرفان فارس وفوارس، وهالک وهو الک.

﴿الْخَیْرٰتِ﴾: واحدها خیره وهی الفواضل. **﴿مُرۡجَوۡنٍ﴾**: مؤخرون. **﴿الشَّفَاۗءِ﴾**: شفیر وهو حده. **﴿الْجُرۡفِ﴾**: ما تجرف من السیول والأودية.

۱ معارف القرآن، ج ۳، ص ۳۱۳ تا ۳۰۳، آسان ترجمہ قرآن، سورہ توبہ، ج ۱، ص ۵۶۰ تا ۵۵۶، تفسیر عثمانی، سورہ توبہ، افاکدہ ۶، مسند

احمد، مسند المکتوبین من الصحابة، مسند جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما، رقم: ۱۳۷۱۶، وعمدة القاری، ج: ۱۸،

﴿هَارٍ﴾: هالر۔ ﴿لَاؤَاكِبَ﴾: شققا و لرقا۔ وقال الشاعر:
إذا قمت ارحلها بليل - تاوه آهه الرجل الحزين

ترجمہ و تشریح

”مَوَّصِدٌ“ سے گھات لگانے کی جگہ سے مراد ہے طریقہ یا راستہ۔

”إِلًا“ سے مراد قرابت داری برشتہ داری۔

”الدِّمَّةُ“ سے عہد مراد ہے۔

”وَالنَّجَّةُ“ کا مطلب ہے کہ کسی چیز کو دوسری چیز میں داخل کرنا۔

”الشَّقَّةُ“ سے مراد سفر ہے۔ ”الْعِبَالُ“ کے معنی فساد اور موت دونوں آتے ہیں۔

”وَلَا تَفْتَنِي“ مطلب ہے کہ مت جھڑک مجھ کو۔

”كُرْهَا وَكُرْهَا“ یعنی زبردستی رنا خوش دونوں کا ایک ہی مطلب ہے۔

”مُدَّخَلًا“ کا مطلب داخل ہونے کی جگہ۔

”يَهْجَمُخُونَ“ بمعنی دوڑتے جائیں۔

”وَالْمُؤْتَفِكَاتُ“ یہ لفظ مأخوذ ہے ”الْقَلْبُتِ بَهَا الْأَرْضُ“ سے، یعنی وہ بستیاں جو عذاب کی وجہ

سے الٹ دی گئیں۔

”أَهْوَى“ کے معنی ہیں اس کو گڑھے میں دھکیل دیا۔

”عَدَنٌ“ بمعنی ”مخلد“ ہمیشہ کی جگہ یعنی جنت جسے بہشت بھی کہتے ہیں۔

”عَدَلْتُ بَارِضٌ“ یعنی میں نے اقامت اختیار کی، لفظ ”معدن“ اسی سے نکلا ہے، جس کا معنی ہے

سونے، چا۔ بی وغیرہ کی کان۔

اور اہل عرب کا مقولہ ہے ”لَسِي مَعْدِنٌ صَدَقٌ“ یعنی فلاں شخص جو سچائی کی کان ہے، یہاں

پر ”معدن“ سے ”لبت“ مراد لیتے ہیں، یعنی وہ جگہ جہاں سے سچائی آگتی ہے۔

”الْعَوَالِفُ“ جمع ”العالف“۔ کا معنی یہ ہے، جیسا کہ کہتے ہیں کہ فلاں شخص کسی کا جانشین

ہو گیا یا کسی کے پیچھے رہے۔

”الذی خلفنی“ اسی سے ”بمخلفه فی العاہرین“ نکلا ہے۔ جب حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے

شوہر ابو مسلم کا انتقال ہوا تو آنحضرت ﷺ نے دعا فرمائی ”اللہم اظفر لی ابی سلمة و اخلف بالعاہرین“

یعنی اے اللہ! ان کی مغفرت فرما اور ان کا خلیفہ بن جا یعنی ان کی جگہ ان کے پیچھے رہ جانے والوں کیلئے شفقت کرنے والا بن جا۔ ”أخلف بالغاہرین“ سے اس کی طرف اشارہ کر رہے ہیں۔
یہ بھی بہ دیا ”يجوز أن يكون النساء“ مرد اور عورت ہوں دونوں کیلئے ”خالف“ کہیں گے۔
اگرچہ یہاں پر یہ ذکر کی جمع ہے اور یہ بھی بتا دیا کہ ”فاعل“ کی جمع ”فواعل“ صرف چند لفظوں میں آتی ہے، ان میں ایک ”خالف“ کی جمع ”خوالف“ ہے، جیسا کہ ”فارس“ کی جمع ”فوارس“ ہے اور ”هالك“ کی جمع ”هوالک“ آتی ہے، ورنہ عام طور پر ”فواعل“ جو ہے وہ ”فاعلہ“ مؤنث کی جمع ہوتی ہے، نہ کہ مذکر کی۔

”الخيموات“ اسکا واحد ”خيمرة“ آتا ہے اور اسکا مطلب ہے فضائل، نیکیاں۔
”مؤجون“ مہلت دیئے گئے، جیسے ”مؤخرون“ تاخیر میں ڈالے گئے ملتوی کئے گئے۔
”الشفاء“ کے معنی ”شفيرو“ کے ہیں، یعنی کنارہ۔
”الجرف“ وہ کنارہ جو ندی، نالوں کی وجہ سے کھد گیا اور گرنے کے قریب ہو، اس سے مراد پانی کی تالیاں ہیں۔

”هادر“ یہ اصل میں ”هائر“ ہے یعنی گرنے والی۔
”لاؤاة“ نرم دل ہونا، خوف خدا سے ڈرنے والا، آہ و زاری کرنے والا۔
إذا قمت ارحلها بليل - تاوه آهه الرجل الحزين
ناقد راونٹی کے بارے میں شاعر کہہ رہا ہے کہ
جب میں رات کے وقت کھڑے ہو کر اس پر کجاوہ کستا ہوں،
تو غمگین مرد کی طرح وہ آہ بھرتی ہے کہ اب مصیبت آنے والی ہے۔

(۱) باب قوله: ﴿بَرَاءَةٌ مِّنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ إِلَى الَّذِينَ عَاهَدْتُمْ مِنَ الْمُشْرِكِينَ﴾ [۱]
اس ارشاد کا بیان کہ: ”(مسلمانو!) یہ اللہ اور اُس کے رسول کی طرف سے دستبرداری کا اعلان ہے اُن مشرکین کے خلاف جن سے تم نے معاہدہ کیا ہوا ہے۔“

﴿أَذَانٌ﴾: اعلام. وقال ابن عباس: ﴿أَذَانٌ﴾ بصدق ﴿نُطِقُواهُمْ وَتَزَكَّيْتُمْ بِهِمْ﴾
ولحوا كثيرا.

﴿وَالزُّكَاةُ﴾: الطاعة والاخلاص، ﴿لَا يُؤْتُونَ الزُّكَاةَ﴾: لا يشهدون أن لا إله إلا الله. ﴿يُضَاهُونَ﴾: يشبهون.

ترجمہ و تشریح

”أذان“ بمعنی ”اعلام“ یعنی اعلام کرنا۔

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ یہ ”أَذُن“ کے معنی میں ہے، یعنی کسی کی بات سن کر تصدیق کرنے والا۔

”تَطَهَّرْتُمْ“ اور ”وَوَضَّعْتُمْ يَدَايَاكُمْ“ دونوں ایک ہی معنی میں ہیں، ”وَلَحَوْهَا كَثِيرًا“ یعنی قرآن میں ایسا بکثرت ہوا ہے کہ ایک ہی معنی کیلئے دو لفظ تاکید الالائے گئے ہیں۔

”الزُّكَاةُ“ کے ایک معنی اطاعت اور اخلاص کے بھی آتے ہیں۔

چنانچہ ﴿لَا يُؤْتُونَ الزُّكَاةَ﴾ کی تفسیر بعض حضرات نے یہ کی ہے ”لَا يَشْهَدُونَ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ شہادتین سے انکار کرنا۔

عام طور سے تو یہ مشہور ہے کہ زکوٰۃ نہیں دیتے لیکن چونکہ مشرکین کا ذکر ہو رہا ہے تو مشرکین کے ذکر میں زکوٰۃ نہ دینے کی کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی، اس لئے بعض حضرات نے اس کی تفسیر یہ کی ہے کہ یہاں پر ”لَا يُؤْتُونَ الزُّكَاةَ“ کے معنی یہ ہے کہ اپنی اطاعت اور اخلاص کے لئے نہیں کرتے اور شہادت نہیں پڑھتے۔

اگرچہ دوسرے لوگوں نے معروف معنی بیان کیا ہے۔

”يُضَاهُونَ“ کے معنی ہیں ”بشبهون“ یعنی مشابہت کرتے ہیں، مطلب یہ ہے کہ اگلے کافروں بت پرستوں جیسی بات کرتے ہیں۔

۴۶۵۳ - حَدَّثَنَا أَبُو وَلِيدٍ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ قَالَ: سَمِعْتُ الْبَرَاءَ رضی اللہ عنہ يَقُولُ آخِرَ آيَةِ نَزَلَتْ ﴿يَسْتَفْتُونَكَ قُلِ اللَّهُ يُفَعِّلُكُمْ فِي الْكَلَالَةِ﴾ [النساء: ۱۷۶] وَآخِرُ سُورَةِ نَزَلَتْ بَرَاءً رضی اللہ عنہ. [راجع: ۴۳۶۳]

ترجمہ: ابو اسحاق کہتے ہیں کہ میں نے حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے سنا کہ وہ فرما رہے تھے کہ سب سے آخر میں یہ آیت نازل ہوئی تھی ﴿يَسْتَفْتُونَكَ قُلِ اللَّهُ يُفَعِّلُكُمْ فِي الْكَلَالَةِ﴾ یعنی (اے پیغمبر!) لوگ تم سے (کلالہ کا حکم) پوچھتے ہیں۔ کہہ دو کہ اللہ تمہیں کلالہ کے بارے میں حکم بتاتا ہے۔ اور سب سے آخر میں سورہ براءت نازل ہوئی تھی۔

(۲) باب قولہ: ﴿فَسِيحُوا فِي الْأَرْضِ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَاعْلَمُوا أَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي

اللَّهِ وَأَنَّ اللَّهَ مُخْزِي الْكَافِرِينَ﴾ [۲]

ارشاد کا بیان کہ: ”لہذا (اے مشرکوا) تمہیں چار مہینے تک اجازت ہے کہ تم (عرب کی)

سرزمین میں آزادی سے گھومو پھرو، اور یہ بات جان رکھو کہ تم اللہ کو عاجز نہیں کر سکتے، اور یہ بات بھی

کہ اب کافروں کو رسوا کرنے والا ہے۔“

معاہدہ ختم - دو ٹوک اعلان

سن ۶ ہجری میں بمقام حدیبیہ جب نبی کریم ﷺ اور قریش کے درمیان معاہدہ صلح ہو چکا تو بنی خزاعہ مسلمانوں کے اور بنی بکر قریش کے حلیف بنے۔ بنی بکر نے معاہدہ کی پرواہ نہ کر کے خزاعہ پر حملہ کر دیا اور قریش نے اسلحہ وغیرہ سے ظالم حملہ آوروں کی مدد کی، اس طرح قریش اور ان کے حلیف دونوں معاہدہ حدیبیہ پر قائم نہ رہے جس کے جواب میں سن ۸ ہجری میں نبی کریم ﷺ نے اچانک حملہ کر کے مکہ معظمہ بڑی آسانی سے فتح کر لیا۔ ان قبائل کے سوا دوسرے قبائل عرب سے مسلمانوں کا میعاد یا غیر میعاد معاہدہ تھا، جن میں سے بعض اپنے معاہدہ پر قائم رہے، بہت سے قبائل وہ تھے جن سے کسی قسم کا معاہدہ نہیں ہوا تھا۔

اس سورۃ میں مختلف قبائل کے متعلق آیات نازل ہوئیں۔ شروع میں ان مشرکین کا ذکر ہے جن سے معاہدہ تھا مگر میعاد ہی نہ تھا، انکو اطلاع کر دی گئی کہ ہم آئندہ معاہدہ رکھنا نہیں چاہتے، چار ماہ کی مہلت تم کو دی جاتی ہے کہ اس مدت کے اندر اسلام میں داخل ہو جاؤ یا وطن چھوڑ کر مرکز ایمان و توحید کو اپنے وجود سے خالی کر دو اور یا جنگی مقابلہ کیلئے تیار ہو جاؤ، لیکن یہ خوب سمجھ لینا کہ تم خدا کی مشیت کو روک نہیں سکتے، اگر اسلام نہ لائے تو وہ تم کو دنیا و آخرت میں رسوا کرنے والا ہے، تم اپنی تدبیروں اور حیلہ بازیوں سے اسے عاجز نہ کر سکو گے۔

باقی جن قبائل سے کوئی معاہدہ ہی نہ تھا، انہیں بھی چار ماہ کی مہلت دی گئی ہو یعنی جن مشرکین کے ساتھ مسلمانوں نے جنگ بندی کا کوئی معاہدہ نہیں کیا ہوا تھا، ایسے مشرکین کو چار مہینے کی مہلت دی گئی کہ ان چار مہینوں میں اگر وہ اسلام لانا چاہیں تو اسلام لے آئیں، اور اگر جزیرۃ العرب سے باہر کہیں جانا چاہیں تو اس کا انتظام کر لیں۔ اگر یہ دونوں کام نہ کر سکیں تو ان کے خلاف ابھی سے اعلان کر دیا گیا ہے کہ ان کو جنگ کا سامنا کرنا ہوگا۔ اور اس کے بعد کی آیتوں کا اعلان عام سن ۹ ہجری میں حج کے موقع پر تمام قبائل عرب کے سامنے حضرت علی

کرم اللہ وجہہ نے کیا، جس کا ذکر آگے حدیث میں ہے۔ ج

﴿فَسِينُحُوا﴾: سیروا۔

”فَسِينُحُوا“ کا مطلب یہ ہے کہ چلو، پھرو۔

۳۶۵۵ - حدثنا سعيد بن عفير قال: حدثني الليث: عن عقيل، عن ابن شهاب:

وأخبرني حميد بن عبد الرحمن: أن أبا هريرة رضي الله عنه قال: قال بعثني أبو بكر في تلك الحجة لي مؤذنين بعثهم يوم نحر يؤذن بمعنى أن لا يحج بعد العام مشرك، ولا يطوف بالبيت عريان. قال حميد بن عبد الرحمن: ثم أردف رسول الله صلى الله عليه وسلم بعلي بن أبي طالب وأمره أن يؤذن ببراءة. قال أبو هريرة: فأذن معنا على يوم النحر في أهل منى ببراءة، وأن يحج بعد العام مشرك، ولا يطوف بالبيت عريان. [راجع: ۳۶۹]

سالار حج اور مشرکین کو اعلانِ آگاہی

حضرت ابو ہریرہ رضي الله عنه نے بیان کیا کہ حضرت ابو بکر رضي الله عنه نے اس حج کے موقع پر (جس میں ان سالار حج بنایا گیا تھا) مجھے بھی اعلان کرنے والوں میں رکھا تھا، جنہیں آپ نے اس بات پر مقرر کیا تھا کہ یوم نحر میں اس امر کا اعلان کریں کہ آئندہ سال سے کوئی مشرک حج نہیں کرے گا اور اسی طرح کوئی شخص بھی کعبہ کا شگ طواف نہیں کرے گا۔ راوی حمید بن عبد الرحمن کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلى الله عليه وسلم نے پیچھے سے حضرت علی رضي الله عنه کو روانہ فرمایا اور ان کو سورہ براءت کے احکامات کا اعلان کرنے کا حکم دیا۔ حضرت ابو ہریرہ رضي الله عنه نے بیان کیا کہ چنانچہ وہ بھی ہمارے ہمراہ منیٰ میں موجود تھے، اور سورہ براءت کا اعلان کر رہے تھے اور اس بات کا اعلان کہ کوئی مشرک اب نہ حج کر سکتا ہے اور نہ برہنہ ہو کر طواف کر سکتا ہے۔

(۳) باب قولہ: ﴿وَأَذَانٌ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ﴾ الی قولہ: ﴿الْمُشْرِكِينَ﴾

اس ارشاد کا بیان: ”اللہ اور اس کے رسول کی طرف تمام انسانوں کیلئے یہ اعلان کیا جاتا ہے۔“

آذنبہم: أعلمہم۔

ترجمہ: امام بخاری رحمہ اللہ کہتے ہیں ”أَذْلِهِمْ“ بمعنی ”أَعْلَمِهِمْ“ یعنی ان کو علم ہو جائے، اعلان کی غرض یہ ہے کہ لوگوں کو اچھی طرح آگاہ کر دیا جائے۔

۳۶۵۶۔ حدثنا عبد الله بن يوسف: حدثنا الليث قال: حدثني عقيل: قال ابن شهاب: فأخبرني حميد بن عبد الرحمن أن أباه ريرة قال: بعثني أبو بكر ﷺ في تلك الحجة في المؤذنين، بعثهم يوم النحر يؤذن بمنى: أن لا يحج بعد العام مشرك ولا يطوف بالبيت عريان. قال حميد: ثم أرفد النبي ﷺ بعلي بن أبي طالب فأمره أن يؤذن ببراءة. قال أبو هريرة: فأذن معنا علي في أهل منى يقيم النحر ببراءة. وأن لا يحج بعد العام مشرك ولا يطوف بالبيت عريان. [راجع: ۳۶۹]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اُس حج کے موقع پر مجھے بھی اعلان کرنے والوں میں رکھا تھا، جنہیں قربانی کے دن منیٰ میں اعلان کرنے کے لئے بھیجا تھا (ہم یہ اعلان کریں) کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک نہ توجج کرے گا، اور نہ ہی برہنہ ہو کر کعبہ کا طواف کرے گا۔ راوی حمید رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ پھر رسول اللہ ﷺ نے پیچھے سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھی روانہ فرمایا اور ان کو سورہ براءت کا اعلان کرنے کا حکم دیا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی ہمارے ساتھ ہی یوم النحر میں سورہ براءت کا یہ اعلان فرمایا کہ اس سال کے بعد نہ تو کوئی مشرک حج کرے گا، اور نہ ہی برہنہ ہو کر کعبہ کا طواف کر سکے گا۔

جزیرۃ العرب کی تطہیر اور میعادی معاہدہ ختم ہونے کا اعلان

﴿وَإِذْ أَنْزَلْنَا مِنَ اللَّهِ مَوْذِنًا لِقَوْمِ بَنِي إِسْرَائِيلَ أَنْ لَا يَجْعَلُوا لِلذَّكَرِ شَيْئًا وَاللَّهُ يَكْفُرُ عَنْهُمْ فَأُولَئِكَ جَانِبُوا غُرَابًا مَبْعُوثًا فِي الْأَرْضِ وَأَتُوا بِقُرْبَانِهِمْ وَأُخْرِجُوا مِنْهَا وَأُولَئِكَ أَتُّوا بَعْضُهُمْ أَوْلَىٰ بِبَعْضٍ فِي الْغُرَابِ لِمَتَلَأَأَنِ الْعَيْنُ﴾

یہ اعلان ان قبائل سے متعلق تھا جنہوں نے میعادی معاہدہ کیا، پھر خود ہی عہد شکنی کی مثلاً بنی بکر، قریش وغیرہ یعنی ایسے لوگوں سے اب کوئی معاہدہ باقی نہیں رہا، اگر یہ سب لوگ کفر و شرک سے توبہ کر لیں تو انکی دنیا و آخرت دونوں سنور جائیں گی، نہیں تو خدا کا جو کچھ ارادہ ہے یعنی تطہیر جزیرۃ العرب کا وہ پورا ہو کر رہے گا، کوئی طاقت اور تدبیر اسے مغلوب نہیں کر سکتی اور کافروں کو کفر اور بد عہدی کی سزاں سر رہے گی۔ ان قبائل کی عہد شکنی اگرچہ فتح مکہ سن ۸ ہجری سے پہلے ہو چکی تھی، بلکہ اسی کے جواب میں مکہ فتح ہوا۔ تاہم سن ۹ ہجری کے حج کے موقع پر اس کا بھی دوبارہ اعلان عام کرایا گیا تاکہ ۱۰ ح ہو جائے کہ اس قسم کے جتنے لوگ ہیں ان سے کسی قسم کا معاہدہ باقی نہیں رہا۔

”بعثني أبو بكر ﷺ في تلك الحجة في المؤذنين، بعثهم يوم النحر يؤذن بمنى“ یہاں پر

جن اعلان کرنے والوں کی ذمہ داری لگائی گئی تھی اس سے یہی اعلان کر دانا مراد ہے۔

(۴) باب: ﴿إِلَّا الَّذِينَ عَاهَدْتُمْ مِنَ الْمُشْرِكِينَ﴾ [۳]

باب: ”البتہ (مسلمانو!) جن مشرکین سے تم نے معاہدہ کیا“۔

۳۶۵۷۔ حدیثی اسحاق: حدیثنا یعقوب بن ابراہیم: حدیثنا ابی، عن صالح، عن ابن شہاب: أن حمید بن عبدالرحمن أخبره: أن أبا هريرة أخبره: أن أبا بكر ﷺ بعثه في الحجة التي أتمه رسول الله ﷺ عليها قبل حجة الوداع في رهط يؤذن في الناس أن لا يحجوا بعد العام مشرك ولا يطوف بالبيت عريان. فكان حميد يقول: يوم النحر يوم الحج الأكبر، من أجل حديث أبي هريرة. [راجع: ۳۶۹]

ترجمہ: حمید بن عبدالرحمن بیان کرتے ہیں کہ انہیں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اُس حج کے موقع پر، جس کا انہیں رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع سے پہلے والے حج میں امیر بنا کر بھیجا تھا، انہیں (حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو) بھی اعلان کرنے والوں میں رکھا تھا، (جنہیں آپ نے اس بات کا اعلان کرنے کے واسطے بھیجا تھا کہ) اس سال کے بعد کوئی مشرک نہ توج کو آئے گا، اور نہ ہی بیت اللہ کا طواف کوئی شخص برہنہ ہو کر کر سکے گا۔ راوی حمید بن عبدالرحمن کہا کرتے تھے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ یوم النحر حج اکبر کا دن ہے۔

دو ٹوک آگاہی کا اعلان، لیکن معاہدہ کا احترام

﴿إِلَّا الَّذِينَ عَاهَدْتُمْ مِنَ الْمُشْرِكِينَ﴾ یہ استثناء ان قبائل کیلئے ہے جن کا معاہدہ میعاد تھا، پھر وہ اس پر برابر قائم رہے کچھ کوتاہی ایفائے عہد میں نہیں کی، نہ بذات خود کوئی کارروائی خلاف عہد کی اور نہ دوسرے بدعہدوں کو مدد پہنچائی۔

مثلاً بنی ضمرہ، بنی مدلج ان کے متعلق اعلان کر دیا گیا کہ میعاد معاہدہ منقضی ہونے تک مسلمان بھی برابر معاہدہ کا احترام کریں گے میعاد ختم ہونے کے بعد کوئی جدید معاہدہ نہیں، اس وقت ان کیلئے بھی وہی راستہ ہے جو اوروں کے لئے تھا۔

”یوم النحر، یوم الحج الاکبر“ حج کو اکبر اس لئے کہا جاتا ہے کہ ”عمرہ“ حج اصغر ہے اور ”یوم“

الحج الاکبر“ سے دسویں تاریخ ”عید الاضحیٰ کا دن یا نویں تاریخ ”عرفہ“ کا دن مراد ہے۔ ۲

(۵) باب قوله تعالى: ﴿لَقَابِلُوا أُمَّةَ الْكُفْرِ إِيَّاهُمْ لَا أَيْمَانَ لَهُمْ﴾ [۱۲]

اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا بیان کہ: ”تو ایسے کفر کے سربراہوں سے اس نیت سے جنگ کرو کہ وہ باز آجائیں، کیونکہ یہ ایسے لوگ ہیں کہ ان کی قسموں کی کوئی حقیقت نہیں۔“

آیت کا خلاصہ

آیت میں اس کا بیان ہے کہ پیش گوئی کے مطابق جب یہ لوگ عہد شکنی کر ہی ڈالیں تو پھر ان کے ساتھ مسلمانوں کو کیا کرنا چاہئے؟

یعنی اگر یہ لوگ اپنے معاہدہ اور قسموں کو توڑ ڈالیں اور مسلمان بھی نہ ہوں بلکہ بدستور تمہارے دین اسلام پر طعن و تشنیع کرتے رہیں تو ان کفر کے پیشواؤں کے ساتھ مقابلہ کرو۔ کیونکہ ان کا کوئی قول و قسم اور عہد و پیمان باقی نہیں رہا ممکن ہے تمہارے ہاتھوں سے کچھ سزا پانا کر اپنی شرارت و سرکشی سے باز آئیں۔

۴۶۵۸ - حدثنا محمد بن المثنی: حدثنا يحيى: حدثنا اسماعيل: حدثنا زيد بن

وهب قال: كنا عند حذيفة لقال: ما بقى من أصحاب هذه الآية إلا ثلاثة، ولا من المنافقين إلا أربعة. فقال أعرابي: إنكم أصحاب محمد ﷺ تسخرونا فلاندري فما بال هؤلاء الذين يبقرون بيوتنا ويسرقون اعلالنا؟ قال: أولئك الفساق، أجل لم يبق منهم إلا أربعة أحدهم شيخ كبير لو شرب الماء البارد لما وجد برده. ۲

ترجمہ: زيد بن وہب کہتے ہیں کہ ہم لوگ حضرت حذیفہ بن یمان ؓ کے پاس بیٹھے تھے، تو حضرت حذیفہ ؓ نے فرمایا کہ اس آیت (ترجمہ الباب میں ذکر کی گئی آیت) سے تعلق رکھنے والے یعنی منافقین میں صرف تین مسلمان اور چار منافق زندہ ہیں۔ اتنے میں یک دہائی نے کہا کہ آپ سب حضرت محمد ﷺ کے صحابی ہیں، ہمیں ان لوگوں کا حال بتائیے جو کہ ہمارے گمروں میں نقب لگا کر اچھی اچھی چیزیں چُرا لیتے ہیں، کیونکہ ہم

ان کا حال نہیں جانتے۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا، وہ سب فاسق و بدکار ہیں، ہاں البتہ ان میں (یعنی منافقین میں سے) سے چار آدمی اب بھی زندہ ہیں، اور ان میں سے ایک تو اس قدر بوڑھا ہو چکا ہے کہ اگر ٹھنڈا پانی پیتا ہے تو اس پانی کی ٹھنڈک کا بھی اسے احساس نہیں ہوتا ہے (یعنی بڑھاپے کی وجہ سے اس کی عقل ماری گئی ہے)۔

”ائمۃ الکفر“ کی تفسیر

آیت ﴿لَقَالُوا اٰیْمَةُ الْکُفْرِ﴾ کی تفسیر میں ابن وہب رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ہم صحابی رسول حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کے پاس تھے تو انہوں نے فرمایا کہ اس آیت کے اصحاب میں سے باقی نہیں رہے مگر تین آدمی اور منافقین میں سے کوئی باقی نہیں رہا سوائے چار آدمیوں کے، یعنی جن لوگوں کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی ان میں صرف تین آدمی کفار میں سے باقی رہ گئے ہیں اور چار آدمی منافقین میں سے۔

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے منافقین کی فہرست بتائی ہوئی تھی، اس لئے انہوں نے کہا تو ایک اعرابی نے کہا کہ ”انکم اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم“ آپ لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ ہیں، ہمیں ذرا بتائیں ہمیں پتہ نہیں ہے کہ ان لوگوں کا کیا حکم ہے جو ہمارے گھروں پر نقب زنی کرتے ہیں اور ہمارا نفیس مال چوری کر کے لے جاتے ہیں۔

”اعلاق“ جمع ”علق“ کی ہے، نفیس مال کو کہتے ہیں، اس کے کہنے کا منشا یہ تھا کہ یہ لوگ ہمارے گھروں پر جو چوری اور ڈاکے ڈال رہے ہیں تو کیا یہ بھی ائمۃ الکفر میں داخل ہیں کہ نہیں؟ تو انہوں نے فرمایا یعنی حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ نے ”اولئک“ کہ وہ کافر نہیں ہیں، ایسے لوگ فساق ہیں۔ ”اجل لم یبق منهم الا اربعۃ“ جن کا ذکر میں کر رہا تھا ان میں سے صرف چار باقی رہ گئے ہیں۔ ”احدہم شیخ کبیر“ ان میں سے ایک بہت بوڑھا آدمی ہے یعنی بوڑھا ہونے کی وجہ سے اس کا احساس اتنا ختم ہو گیا ہے کہ ٹھنڈا پانی بھی پئے تو اس کو محسوس تک نہ ہو۔

اب یہ تین آدمی کفار کے بیان کئے ہیں، بعض روایتوں میں عتبہ بن ربیعہ اور ابو جہل کا بھی ذکر ہے تو اس کا کوئی ٹک سمجھ میں نہیں آتا، اس واسطے کہ ابو جہل اور عتبہ بن ربیعہ تو بدر میں مارے گئے تھے، اس لئے یا تو روایت میں کسی راوی کو وہم ہوا ہے کہ جس میں ناموں کی تعین کی تو ابو جہل وغیرہ کا نام بھی لے لیا یا مقصد یہ ہے کہ جس وقت آیت نازل ہوئی تھی اس وقت ائمۃ الکفر میں یہ بھی داخل تھے، یہ مراد یہ نہیں کہ اب بھی زندہ ہیں۔ ۵

(۶) باب قوله: ﴿وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يَنْفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ

فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ﴾ [۳۴]

اس ارشاد کا بیان کہ: ”اور جو لوگ سونے چاندی کو جمع کر کر رکھتے ہیں، اور اس کو اللہ کے راستے میں خرچ نہیں کرتے، اُن کو ایک دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دو“۔

۴۶۵۹۔ حدثنا الحكم بن نافع: أخبرنا شعيب: حدثنا أبو الزناد أن عبد الرحمن الأعرج حدثه أنه قال: حدثني أبو هريرة رضي الله عنه أنه سمع رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: ((يكون كنز أحدكم يوم القيامة شجاعا أقرع)). [راجع: ۱۳۰۳]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضي الله عنه نے بیان کیا کہ انہوں نے رسول اللہ صلى الله عليه وسلم سے سنا کہ آپ فرما رہے ہیں کہ قیامت کے روز تم میں سے کسی کا خزانہ (جس کی زکوٰۃ ادا نہ کی جاتی ہو، وہ خزانہ) گنجا سانپ (جس سانپ کے سر کے بال گر جائیں، اس کے زہر میں بہت تیزی پیدا ہو جاتی ہے) بن جائے گا۔

۴۶۶۰۔ حدثنا قتيبة بن سعيد: حدثنا جريرو، عن حصين، عن زيد بن وهب قال: مررت على أبي ذر بالربذة فقلت: ما أنزلت بهذه الأرض؟ قال: كنا بالشام فقرات ﴿وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يَنْفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ﴾. قال معاوية: ما هذه لينا، ما هذه الا في أهل الكتاب. قال: قلت: انها لينا وفيهم. [راجع: ۱۳۰۶]

ترجمہ: زید بن وہب نے بیان کیا کہ میں مقام ربذہ میں حضرت ابو ذر غفاری رضي الله عنه کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان سے پوچھا کہ آپ یہاں جنگل میں کس لئے آکر قیام کئے ہوئے ہیں؟ فرمانے لگے کہ ہم لوگ ملک شام میں تھے، میں نے یہ آیت پڑھی ﴿وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ لَا يَنْفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ﴾ حضرت معاویہ رضي الله عنه کہنے لگے، یہ آیت ہمارے حق میں نہیں ہے، بلکہ اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) کیلئے نازل ہوئی ہے۔ حضرت ابو ذر غفاری رضي الله عنه فرماتے ہیں کہ میں نے کہا کہ یہ ہمارے لئے بھی ہے اور ان کیلئے بھی ہے (اس لئے میں یہاں آ گیا)۔

حضرت ابو ذر غفاری رضي الله عنه کا تقویٰ اور احتیاط

زید بن وہب رحمہ اللہ نے بیان کیا کہ میں نے مقام ربذہ میں حضرت ابو ذر غفاری رضي الله عنه سے پوچھا کہ

آپ یہاں جنگل میں کس لئے آکر پڑے ہوئے ہیں؟

حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ فرمانے میں لگے کہ میں ملک شام میں تھا اور میرا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے جھگڑا ہو گیا، لہذا میں نے یہ آیت پڑھی ﴿وَالذِّينَ يَكْتُمُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ الْخ﴾ تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کہنے لگے یہ آیت ہمارے حق میں نہیں ہے بلکہ یہود و نصاریٰ کیلئے نازل ہوئی ہے، میں نے کہا نہیں، یہ سب کے لئے ہے، چنانچہ میں اس جھگڑے کی وجہ سے سب کچھ چھوڑ کر یہاں چلا آیا ہوں۔ ۱

مسئلہ

جمہور فقہاء اہل ائمہ کا یہی مسلک ہے کہ جب کسی شخص کے پاس سونا اور چاندی تھوڑا تھوڑا موجود ہو تو اعتبار چاندی کا کیا جائے گا، سونے کی قیمت بھی چاندی کے حساب میں لگا کر زکوٰۃ ادا کی جائے گی۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ جس مال کی زکوٰۃ ادا کر دی جائے وہ کنز میں داخل نہیں ہے۔ ۲ جس سے معلوم ہوا کہ زکوٰۃ نکالنے کے بعد جو مال باقی رہے اس کا جمع رکھنا کوئی گناہ نہیں ہے۔ ۳

(۷) باب قوله عز وجل: ﴿يَوْمَ يُنْعَمَىٰ عَلَيْهَا فَيُنَادِرُ جَهَنَّمَ فَتَكْوَىٰ بِهَا﴾ [۳۵]
اللہ عزوجل کے اس ارشاد کا بیان: ”جس دن اس دولت کو جہنم کی آگ میں تپایا جائے گا، پھر اُس سے ان لوگوں کو دانا جائے گا۔“

بخیل کے بخل کی سزا

بخیل دولت مند سے جب خدا کے راستے میں خرچ کرنے کو کہا جائے تو اس کی پیشانی پر بل پڑ جاتے ہیں زیادہ کہو تو اعراض کر کے ادھر سے پہلو بدل لیتا ہے، اگر اس پر بھی جان نہ بچی تو پیٹھ پھیر کر چل دیتا ہے۔

۱ حریدہ قصیل بشریح کیلئے مراجعت فرمائیں: انعام الباری شرح صحیح البخاری، ج: ۵، ص: ۴۷، کتاب الزکاة، رقم: ۱۴۰۶

۲ عن ام سلمة، قالت: كنت البس ارجاحا من ذهب، فقلت: يا رسول الله، اكنز هو؟ فقال: ((ما بلغ ان تؤدى زكاته،

فزكي للبس بكنز)). سنن أبي داود، كتاب الزكاة، باب الكنز ما هو؟ و زكاة الحل، رقم: ۱۵۶۳

۳ معارف القرآن، ج: ۴، ص: ۳۶۷

اس لئے سونا چاندی تپا کر ان ہی تین موقعوں (پیشانی) پہلو، پیٹھ پر داغ دیئے جائیں گے، تاکہ اس کے جمع کرنے اور گاڑنے کا مزہ چکھ لے۔

۳۶۶۱۔ وقال أحمد بن حنبل بن سعيد: حدثنا أبي، عن يونس، عن ابن شهاب، عن خالد بن أسلم قال: خرجنا مع عبد الله بن عمر فقال: هذا قبل أن تنزل الزكاة، فلما أنزلت جعلها الله طهراً للأموال. [راجع: ۱۴۰۳]

ترجمہ: خالد بن اسلم کہتے ہیں کہ ہم لوگ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے ہمراہ نکلے، تو انہوں نے فرمایا کہ یہ حکم زکوٰۃ سے پہلے کا ہے، پھر جب زکوٰۃ کا حکم نازل ہوا تو اللہ جل جلالہ نے اس زکوٰۃ کو مال کی پاکیزگی کا سبب بنا دیا۔

(۸) باب قوله: ﴿إِنَّ عِدَّةَ الشُّهُورِ عِنْدَ اللَّهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِي كِتَابِ اللَّهِ يَوْمَ

خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ مِنْهَا أَرْبَعَةٌ حُرْمٌ ذَلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ فَلَا تَظْلِمُوا فِيهِنَّ

أَنْفُسَكُمْ﴾ [۳۶]

اس ارشاد کا بیان کہ: ”حقیقت یہ ہے کہ اللہ کے نزدیک مہینوں کی تعداد بارہ مہینے ہے، جو اللہ کی (یعنی لوح محفوظ) کے مطابق اُس دن سے نافذ چلی آتی ہے جس دن اللہ آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا تھا۔ یہی دین (کا) کا سیدھا سادہ (تقاضا) ہے، لہذا ان مہینوں کے معاملے میں اپنی جانوں پر ظلم نہ کرو۔“

﴿الْقَيِّمُ﴾: هو القائم.

ترجمہ: ”الْقَيِّمُ“ کے معنی ہیں ”قائم“ یعنی مستقیم اور درست۔

۳۶۶۲۔ حدثنا عبد الله بن عبد الوهاب: حدثنا حماد بن زيد، عن أيوب، عن محمد، عن ابن أبي بكرة عن أبي بكرة، عن النبي ﷺ قال: ((ان الزمان قد استدار كهيئته يوم خلق الله السموات والأرض، السنة اثنا عشر شهراً، منها أربعة حرم، ثلاث معاليات: ذوالقعدة، وذو الحجة، والمحرم، ورجب مضر الذي بين جمادى وشعبان)). [راجع:

ترجمہ: محمد بن ابی بکرہ اپنے والد حضرت ابی بکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے (حجۃ الوداع کے موقع پر) ارشاد فرمایا دیکھو! زمانہ پھر اسی نقشہ رہبت پر آ گیا ہے، جس دن اللہ ﷻ نے زمین و آسمان کو پیدا فرمایا تھا، ایک سال بارہ مہینے کا ہوتا ہے، ان میں چار مہینے حرمت والے ہیں جن میں تین مہینے تو مسلسل ہیں، یعنی ذیقعدہ، ذی الحجہ، محرم اور ایک رجب کا مہینہ ہے جو کہ جمادی الثانی اور شعبان کے درمیان آتا ہے۔

جاہلیت کے زمانے مہینوں کو آگے پیچھے کرنے کی رسم

اسلام سے ایک مدت پہلے جب عرب کی وحشت و جہالت حد سے بڑھ گئی اور باہمی جدال و قتال میں بعض بعض قبائل کی درندگی اور انتقام کا جذبہ کسی آسمانی یا زمینی قانون کا پابند نہ رہا تو ”نسیء“ کی رسم نکالی۔ ”نسیء“ یعنی جب کسی زور آور قبیلہ کا ارادہ ماہ محرم میں جنگ کرنے کا ہو تو ایک سردار نے اعلان کر دیا کہ اس سال ہم نے محرم کو اشہر حرم سے نکال کر اس کی جگہ صفر کو حرام کر دیا ہے، پھر اگلے سال کہہ دیا کہ اس مرتبہ حسب دستور قدیم محرم حرام اور صفر حلال رہے گا۔

اس طرح سال میں چار مہینوں کی گنتی تو پوری کر لیتے تھے لیکن تحقیقی کے موافق ”نسیء“ (مہینے آگے پیچھے کرنے) کی رسم صرف محرم و صفر میں ہوتی تھی۔

امام مغازی محمد بن اسحاق رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ پہلا شخص جس نے یہ رسم جاری کی قلمس کنانی تھا، پھر اس کی اولاد دور اولاد یوں ہی ہوتا چلا آیا، آخر میں اسی کی نسل سے ابو ثمامہ جنادہ بن عوف کنانی کا معمول تھا کہ ہر سال موسم حج میں اعلان کرتا کہ اس سال محرم اشہر حرم داخل رہے گا یا صفر، اسی طرح محرم و صفر میں سے ہر مہینہ کبھی حلال اور کبھی حرام کیا جاتا تھا اور عام طور پر لوگ اسی کو قبول کر لیتے تھے۔ و

مہینوں کی ترتیب و تعیین آسمانی ہے

﴿إِنَّ عِدَّةَ الشُّهُورِ عِنْدَ اللَّهِ﴾

اس کے رد کی تمہید ہے، یعنی آج سے نہیں جب سے آسمان و زمین پیدا کئے خدا کے نزدیک بہت سے احکام شرعیہ جاری کرنے کیلئے سال کے بارہ مہینے رکھے گئے ہیں، جن میں سے چار اشہر حرم یعنی ادب کے مہینے ہیں جن میں گناہ و ظلم سے بچنے کا اور زیادہ اہتمام کرنا چاہئے۔

﴿ذَلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ فَلَا تَظْلِمُوا فِيهِنَّ أَنْفُسَكُمْ﴾ یہی سیدھا دین ابراہیم علیہ السلام کا ہے، سو

ان میں ظلم مت کرو۔ ۱۱

امام بھصاص رحمہ اللہ نے احکام القرآن میں فرمایا ہے کہ اس میں اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ ان متبرک مہینوں کا خاصہ یہ ہے کہ ان میں جو شخص کوئی عبادت کرتا ہے اس کو بقیہ مہینوں میں بھی عبادت کی توفیق اور ہمت ہوتی ہے، اسی طرح جو شخص کوشش کر کے ان مہینوں میں اپنے آپ کو گناہوں اور بُرے کاموں سے بچالے تو باقی سال کے مہینوں میں اس کو ان تمام برائیوں سے بچنا آسان ہو جاتا ہے، اس لئے ان مہینوں میں فائدہ نہ اٹھانا ایک عظیم نقصان ہے۔ ۱۲

تاریخ و سال کا حساب چاند و سورج دونوں سے

مہینوں کی جو ترتیب اور ان مہینوں کے جو نام اسلام میں معروف ہیں وہ انسانوں کی بنائی ہوئی اصطلاح نہیں، بلکہ رب العالمین نے جس دن جس دن آسمان و زمین پیدا کئے اسی دن یہ ترتیب اور یہ نام اور ان کے ساتھ خاص خاص احکام متعین فرمادیئے تھے۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک احکام شرعیہ میں قمری مہینوں کا اعتبار ہے، اسی قمری حساب پر تمام احکام شرعیہ، روزہ، حج زکوٰۃ وغیرہ دائر ہیں، لیکن قرآن حکیم نے تاریخ و سال معلوم کرنے کے لئے جیسے قمر کو علامت قرار دیا ہے، اسی طرح آفتاب کو بھی اس کی علامت قرار دیا ہے۔

﴿لَتَعْلَمُوا عَدَّةَ السِّنِّينَ وَالْحِسَابِ﴾ اس لئے تاریخ و سال کا حساب چاند اور سورج دونوں سے جائز ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے احکام کے لئے چاند کے حساب کو پسند فرمایا اور احکام شرعیہ اس پر دائر فرمائے ہیں۔ اس لئے قمری حساب کا محفوظ رکھنا فرض کفایہ ہے۔

اگر ساری امت قمری حساب کو ترک کر کے اس کو بھلا دے تو سب گناہگار ہوں گے، اور اگر وہ محفوظ رہے تو دوسرے حساب کا استعمال بھی جائز ہے، لیکن سنت اللہ اور سنت سلف کے خلاف ضرور ہے اس لئے بلا ضرورت اس کو اختیار کرنا اچھا نہیں ہے۔ ۱۳

۱۱ عمدة القاری، ج: ۱۸، ص: ۳۸۰، رقم: ۳۶۶۲، وفتح الباری، ج: ۸، ص: ۳۲۳

۱۲ معارف القرآن، ج: ۳، ص: ۳۷۲، واحکام القرآن للجصاص، ج: ۳، ص: ۱۳۳

۱۳ معارف القرآن، ج: ۳، ص: ۳۷۳

(۹) باب قوله: ﴿لَا يَأْتِي النَّبِينَ إِذْ هُمْ لِي الْغَارِ إِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ لَا تَحْزَنْ إِنَّ

اللَّهُ مَعَنَا﴾ [۳۰]

اس ارشاد کا بیان کہ: ”جب وہ دو آدمیوں میں سے دوسرے تھے، جب وہ دونوں غار میں تھے، جب وہ اپنے ساتھی سے کہہ رہے تھے کہ: غم نہ کرو اللہ ہمارے ساتھ ہے۔“

سفر، ہجرت اور رسول اللہ ﷺ کا اطمینان

اس آیت میں رسول اللہ ﷺ کی ہجرت کا واقعہ پیش کر کے یہ بتلادیا گیا کہ اللہ تعالیٰ کا رسول کسی انسان کی نصرت و امداد کا محتاج نہیں، اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو براہ راست غیب سے امداد پہنچا سکتے ہیں۔ جیسا کہ ہجرت کے وقت پیش آیا، جب آپ ﷺ کو آپ کی برادری اور اہل وطن نے وطن سے نکلنے پر مجبور کر دیا، سفر میں آپ کا رفیق بھی ایک صدیق حضرت ابو بکر ﷺ کے سوا کوئی نہ تھا، دشمنوں کے پیادے اور سوار تعاقب کر رہے تھے۔

آپ ﷺ کی جائے پناہ بھی کوئی مستحکم قلعہ نہ تھا بلکہ ایک غار تھا، جس کے کنارے تک تلاش کرنے والے دشمن پہنچ چکے تھے اور رفیق غار ابو بکر صدیق ﷺ کو اپنی جان کا تو کوئی غم نہ تھا، مگر اس لئے سہم رہے تھے کہ یہ دشمن سردار دو عالم ﷺ پر حملہ آور ہو جائیں گے، مگر رسول اللہ ﷺ کو وہ ثابت بنے ہوئے نہ صرف خود مطمئن تھے، بلکہ اپنے رفیق صدیق کو فرما رہے تھے کہ ﴿لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا﴾ تم غمگین نہ ہو کیونکہ اللہ ہمارے ساتھ ہے۔

یہ بات کہنے کو تو دو لفظ ہیں جن کا بولنا کچھ مشکل نہیں، مگر سننے والے حالات کا پورا نقشہ سامنے رکھ کر دل پر ہاتھ رکھ کر دیکھیں کہ محض مآذیات پر نظر رکھنے والے سے یہ اطمینان ممکن ہی نہیں ہے۔ ۳۲

﴿مَعَنَا﴾: ناصرنا. ﴿السَّكِينَةَ﴾: لعليلة من السكون.

ترجمہ: ”مَعَنَا“ کا مطلب ہے ہمارا مددگار۔

”السَّكِينَةَ“ لعليلة کے وزن پر ہے اور سکون سے مشتق ہے۔

۳۶۶۳ - حدثنا عبد الله بن محمد: حدثنا حبان: حدثنا همام: حدثنا ثابت: حدثنا

انس قال: حدثني أبو بكر رضي الله عنه قال: كنت مع النبي صلى الله عليه وسلم في الغار فرأيت آثار المشركين قلت: يا رسول الله، لو أن أحدهم رفع قدمه رآنا، قال: ((ما ظنك باثنين الله ثالثهما)). [راجع: ۳۶۵۳]

ترجمہ: حضرت ابو بکر صدیق رضي الله عنه فرماتے ہیں کہ میں نبی کریم صلى الله عليه وسلم کے ساتھ غار ثور میں تھا، تو میں نے مشرکین کے قدموں کو دیکھا، تو میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! اگر ان میں سے کسی ایک نے بھی اپنا قدم اٹھالیا تو ہمیں دیکھ لیگا، آپ صلى الله عليه وسلم نے فرمایا کہ ان دو آدمیوں کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے جن کے ساتھ تیسرا اللہ تبارک و تعالیٰ ہو؟

۳۶۶۳ - حدثنا عبد الله بن محمد: حدثنا ابن عيينة، عن ابن جريج عن ابن أبي مليكة، عن ابن عباس رضي الله عنهما انه قال حين وقع بينه وبين ابن الزبير، قلت: أبوه الزبير، وأمه أسماء، وخالته عائشة، وجدته أبو بكر، وجدته صفية. فقلت لسفيان: اسناده؟ فقال: حدثنا. فشغله النسان، ولم يقل: ابن جريج. [أنظر: ۳۶۶۵، ۳۶۶۶] ۳

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب میرے اور عبد اللہ بن زبیر کے درمیان اختلاف ہوا تو میں نے کہا ان کے والد حضرت زبیر بن عوام رضي الله عنه ہیں، ان کی والدہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا ہیں، ان کی خالہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہیں، اور ان کے نانا حضرت ابو بکر رضي الله عنه ہیں، اور ان کی دادی حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا تھیں۔ راوی عبد اللہ بن محمد جنہوں نے سفیان (بن عیینہ) رحمہ اللہ سے اس روایت کی اسناد کیا ہے؟ تو انہوں نے ابھی ”حدثنا“ کہا تھا کہ کسی شخص نے ان کو مشغول کر لیا اور وہ ”ابن جريج“ نہ کہہ سکے۔

ابن زبیر رضی اللہ عنہما کے فضائل

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ”حين وقع بينه وبين ابن الزبير“ جب ان کے اور حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہما کے درمیان کچھ رنجش ہوئی۔
رنجش اس معنی میں کہ جب عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی حجاز و دیگر مقامات پر خلافت قائم ہوئی تو وہ چاہتے تھے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بھی ان کے ساتھ شریک ہوں اور ان کے ہاتھ پر بیعت کر لیں، لیکن حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ان کے ساتھ نہیں ملے، نہ اہل شام کا ساتھ دیا تھا۔

اس انکار کی وجہ سے ان دونوں کے درمیان تھوڑی سی رنجش پیدا ہو گئی تھی، اس وقت حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما یہ بات کہہ رہے ہیں کہ میں نے کہا کہ ان کے یعنی عبداللہ بن زبیر کے والد حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ ہیں، حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ عشرہ مبشرہ میں سے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پھوپھی زاد بھائی تھے۔ ان کی والدہ اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا ہیں اور ان کی خالہ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہیں اور ان کے نانا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں، جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے رفیق خاص ہیں، انبیاء علیہم السلام کے بعد افضل ترین انسان ہیں، ان کی دادی حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا ہیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سگی پھوپھی ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ بات کرنے کا مقصد تھا کہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کو اتنے فضائل حاصل ہیں، تو اتنے فضائل ہونے کی وجہ سے میرا رجحان یہ تھا کہ میں انکے ساتھ رہوں، لیکن انہوں نے خود ایسے حالات پیدا کر دیئے جس کی وجہ سے میں ان کے ساتھ نہیں رہ سکتا۔

انگلے روایت میں تفصیل آ رہی ہے۔

راوی حدیث عبداللہ بن محمد رحمہ اللہ جنہوں نے حضرت سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ سے اس روایت کو نقل کیا ہے، انہوں نے کہا کہ میں نے سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ سے دریافت کیا کہ اس روایت کی سند کیا ہے؟ انہوں نے ابھی ”حدثنا“ کہا ہی تھا کہ کسی دوسرے شخص نے ان کو مشغول کر لیا اور وہ ”ابن جریر“ نہ کہہ سکے۔ یعنی وہ ”حدثنا ابن جریر“ کہنا چاہ رہے تھے ابھی ”حدثنا“ ہی کہہ پائے تھے کہ کوئی آدمی آیا اور بات شروع کر دی تو ”ابن جریر“ کا لفظ انہوں نے نہیں کہا۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس بات کا پتہ کیسے چلا کہ ابن جریر رحمہ اللہ سے روایت کی ہے؟ تو دوسری روایتوں سے پتہ لگتا ہے کہ ابن جریر سے روایت کرتے تھے۔

۳۶۶۵ - حدیثی عبداللہ بن محمد قال: حدیثی یحییٰ ابن معین: حدثنا حجاج:

قال ابن جریر، قال ابن ابی ملیکۃ: وکان بینہما شیء ففقدت علی ابن عباس فقلت: انرید ان تقاتل ابن الزبیر فتحل ما حرم اللہ؟ فقال: معاذ اللہ، ان اللہ کعب ابن الزبیر وبنی امیۃ محلین، والی واللہ لا احلہ ابدأ، قال: قال الناس: بایع لابن الزبیر، فقلت: واین بہذا الامر عنہ؟ اما ابوہ لحواری النبی صلی اللہ علیہ وسلم، یرید الزبیر، وما جدہ فصاحب الفار، یرید اباہ بکر، وما امہ لذات النطاق، یرید اسماء، واما خالہ فام المؤمنین، یرید عائشہ، واما عمہ، فزوج النبی صلی اللہ علیہ وسلم، یرید خدیجہ، واما عمۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم فجدتہ، یرید صفیہ، ثم عقیف فی الاسلام، قاری للقرآن. واللہ ان وصلونی وصلونی من قریب، وان رہونی رہونی اکفاء کرام. فائر علی العویات والاسامات والحمدات، یرید ابطننا من بنی اسد: ابن تویہ،

وبنی اسامة، وبنی اسد، ان ابن ابي العاص بن زبير بنى القدمية، يعنى عبد الملك بن مروان، وانه لوى ذليه، يعنى ابن الزبير. [راجع: ۲۶۶۳]

ترجمہ: ابن جریج کہتے ہیں کہ ابن ابی ملیکہ نے بیان کیا کہ جب ابن عباس اور ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے درمیان کچھ (اختلاف) ہوا تو میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے صبح کے وقت ملاقات کی اور عرض کیا کہ کیا آپ اس بات کو پسند کرتے ہیں کہ ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے جنگ کریں؟ اور (اس طرح) کیا آپ اللہ کے حرم کی توہین چاہتے ہیں؟ اس پر حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ اللہ کی پناہ! یہ کام تو اللہ نے ابن زبیر اور بنی امیہ ہی کے حصہ میں لکھ دیا ہے کہ وہ حرم کی بے حرمتی کریں اور میں تو اللہ کی قسم! میں تو کبھی یہ کام نہیں کروں گا کہ اس کی بے حرمتی کروں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ جب لوگوں نے مجھے کہا تھا کہ آپ ابن زبیر سے بیعت کر لیجئے، تو میں نے لوگوں سے کہا کہ اس میں کیا مضائقہ ہے؟ وہ اس قابل ہیں، کیونکہ ان کے والد حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حواری تھے، اور ان کے نانا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے یارِ غار تھے، اور ان کی والدہ حضرت اسماء بنت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو ذات النطاقین ہونے کا شرف حاصل ہے، اور ان کی خالہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ام المؤمنین ہیں، اور جہاں تک بات ہے ان کی پھوپھی حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی تو وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ تھیں، ان کی دادی حضرت صفیہ (بنت عبدالمطلب) رضی اللہ تعالیٰ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی ہیں۔ پھر وہ خود بھی ہمیشہ پاک دامن رہے ہیں، اور قرآن کے قاری ہیں۔ اللہ کی قسم! اگر وہ (بنو امیہ) ہم سے اچھا برتاؤ کرتے ہیں اور ان کو کرنا ہی چاہئے کہ وہ ہمارے نزدیک رشتہ دار ہیں، اور اگر وہ ہم پر حاکم ہوں، تو ہمارے برابر ہیں، مگر عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے تو بنی اسد، بنی تویت اور بنی اسامہ کو ہم سے زیادہ اپنا مقرب اور نزدیک بنا لیا ہے، اور عبد الملک نے اپنی چال میں غرور پیدا کر لیا ہے (یعنی مستحکم ہو رہا ہے)، مگر ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اپنی ذمہ داری ہے (یعنی شکست کھا رہے ہیں)۔

ابن عباس اور ابن زبیر رضی اللہ عنہما کے مابین رنجش کی وجہ

اس میں پچھلی روایت کی تھوڑی سی تفصیل گزری ہے، اس روایت میں مزید تفصیل ہے۔

حضرت ابن ابی ملیکہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے درمیان بیعت کے معاملے میں کچھ رنجش تھی، میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس گیا اور ان سے کہا کہ "السرمد ان لقاتل ابن الزبير" کیا آپ اس بات کو پسند کرتے ہیں کہ ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما

سے جنگ کریں ران سے لڑائی کریں؟ **فعلعل ما حرم اللہ؟** اور کیا اس طرح اللہ کے حرم کی توہین چاہتے ہیں؟ لڑنے کے معنی یہ ہیں کہ چونکہ حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما مکہ مکرمہ میں موجود ہیں تو ان سے لڑنے کیلئے مکہ مکرمہ پر حملہ کرنا ہوگا، حرم مکی کی بے حرمتی کرنی ہوگی اور حرم کے اندر قتال کرنا ہوگا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ ”معاذ اللہ“ حرم میں لڑنے سے میں اللہ ﷻ کی پناہ مانگتا ہوں ”ان اللہ، کتب ابن الزبیر وبنی امیہ محلین“ یہ کام تو اللہ ﷻ نے ابن زبیر اور بنو امیہ کے مقدر میں لکھا ہے کہ وہ حرم کو حلال کر رہے ہیں یعنی ان کے درمیان جو لڑائی ہو رہی ہے تو وہ حرم میں ہو رہی ہے تو اللہ ﷻ نے ان کے مقدر میں لکھا تھا کہ وہ یہ کام کریں۔

”والی والله لا احله اهداء“ اللہ کی قسم! میں تو کبھی بھی یہ کام نہیں کروں گا کہ حرم مکی میں قتال کو حلال سمجھوں اور اس کی بے حرمتی کروں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ ”قال الناس: بايع لابن زبیر“ جب لوگوں نے مجھے کہا تھا کہ آپ ابن زبیر کے ہاتھ پر بیعت کر لیجئے۔

تو میں نے لوگوں سے کہا کہ ”واين بهذا الامر عنہ“ یہ خلافت کا معاملہ کچھ اس سے دور تو نہیں۔ ”ابن عنہ“ یعنی اس معاملے سے عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کو کتنا قاصد ہے؟ یعنی خلافت کو کتنا قاصد ہے عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے یہ کوئی بعید بات نہیں تھی، اس میں کوئی مضائقہ نہیں تھا کہ ہم عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے ہاتھ پر بیعت کر لیتے۔

”اما ابوه فحواری النبی ﷺ“ کیونکہ ان کے والد حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کے حواری و معاون تھے، ”وما جدہ فصاحب الغار“ اور ان کے نانا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ حضور اقدس ﷺ کے صاحب الغار یعنی یار غار تھے، ”وما امه فلذات النطاق“ اور ان کی والدہ حضرت اسماء بنت ابو بکر رضی اللہ عنہا کو ذات النطاقین ہونے کا شرف حاصل ہے، ”واما محالته فام المؤمنین“ اور ان کی خالہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ام المؤمنین ہیں، ”واما عمه، فزوج النبی ﷺ“ اور جہاں تک بات ہے ان کی پھوپھی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی تو وہ نبی کریم ﷺ کی زوجہ محترمہ تھیں، ”واما عمه النبی ﷺ فجده“ ان کی دادی حضرت صفیہ (بنت عبدالمطلب) رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کی پھوپھی ہیں۔

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ان کی نسبی خصوصیات کو بیان کرنے بعد ان ذاتی صفات کو بیان کر رہے ہیں کہ ”لم علف فی الاسلام: قاری للقرآن“ پھر عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما خود بھی اسلام میں ہمیشہ سے پاک دامن رہے ہیں، اور قرآن کے قاری و عالم ہیں۔

یعنی صرف اتنی بات نہیں کہ نسب کے اعتبار سے رشتے میں ان کو اتنی نسبتیں حاصل ہیں دینی اور ذاتی

صفات میں بھی باکمال شخص ہیں، تو یہ ان کی یعنی ابن زبیر رضی اللہ عنہما کی صفات ہیں۔
آگے بنو امیہ کی صفات کو بتایا جو ان کے مقابلے میں تھے۔

”والله ان وصلونی وصلونی من قریب“ اللہ کی قسم! اگر بنو امیہ کے لوگ میرے ساتھ صلہ رحمی کرتے ہیں، اچھا برتاؤ کرتے ہیں، تو صلہ رحمی قرابت کی وجہ سے کرتے ہیں کہ میری ان سے بنو امیہ سے قرابت ہے۔ ”وان رسولی رسولی اکفاء کرام“ اور اگر وہ میرے پر حاکم ہوں تو میرے برابر کے لوگ مجھ پر حاکم ہیں یعنی بنو امیہ کے لوگ مجھ پر حکمران بننے کی اہلیت رکھتے ہیں۔

”اکفاء“ جمع ہے ”کفو“ کی، جو کسی چیز کا اہل ہو اس کو ”کفو“ کہتے ہیں۔

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اگرچہ ان لوگوں کی صلہ رحمی کی مجھے توقع تھی کہ میرے ساتھ یہ صلہ رحمی قرابت کی وجہ سے کریں گے، لیکن اس کے باوجود عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے ان فضائل کی وجہ سے جو میں نے ابھی ذکر کئے، میں ان کے ہاتھ پر بیعت کرنے پر تیار تھا، بنو امیہ میرے ساتھ زیادہ صلہ رحمی کرنے والے تھے، پھر بھی میں عبد اللہ بن زبیر کے ساتھ فی الجملہ بیعت کرنے پر تیار تھا۔
لیکن! ہوا کیا؟ وہ وجہ بیان فرما رہے ہیں۔

”لأثر علی العویصات والاسامات والحميدات“ مگر ابن زبیر رضی اللہ عنہما نے مجھ پر توثیقات، اسامات اور حمیدات کو ترجیح دی، یعنی ان کو اپنا مقرب اور نزدیک بنا لیا اور میرے ساتھ بے اعتنائی کا معاملہ کیا۔
”ہرمید ابطنا من بنی اسد: ابن تویت، وبنی اسامة، وبنی اسد“ آپ کی مراد مختلف قبائل تھے یعنی بنی اسد، بنی تویت اور بنی اسامہ وغیرہ، تویت ایک شخص کا نام تھا جس کے نام پر قریش کا ایک قبیلہ ہے۔
پھر آگے فرمایا ”ان ابن اسی العاص ہرز یمشی القدمیة“ اور ابن ابی العاص یعنی عبد الملک بن مروان، جو حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے مقابلے پر تھا، وہ پیش قدمی کی چال چلتا ہوا آگے نکل آیا ہے یعنی اس نے بہت سے علاقوں پر فتح پالی ہے۔

”وانہ لوی ذلہ، یعنی ابن الزبیر“ اور انہوں نے یعنی حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہما نے اپنی ذمہ موزلی ہے۔ یہ محاورہ ہے، مراد ہے کہ شکست کھا رہے ہیں اور اپنے مقاصد میں ناکام ہو رہے ہیں۔

اب نتیجہ یہ ہو رہا ہے اور عبد الملک بن مروان بنو امیہ کی نمائندگی کرتے ہوئے بڑھتے چلے جا رہے ہیں اور حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما پیچھے ہٹتے جا رہے ہیں۔ یہ اس وجہ سے ہوا کہ انہوں نے غلط لوگوں کو اپنے قریب کر لیا اور جو ان کے فضائل کو جاننے والے تھے ان کو پیچھے رکھا، ان کو کوئی اہمیت نہیں دی۔ ۵۱

۴۶۶۶ - حدثنا محمد بن عبید بن میمون: حدثنا عیسیٰ بن یونس، عن عمر بن سعید. قال: أخبرني ابن مليكة: دخلنا على ابن عباس فقال: ألا تعجبون لابن الزبير قام لي أمره هذا؟ فقلت: لأحاسبن نفسي له، ما حاسبها لأبي بكر ولا لعمر، ولهما كانا أولى بكل خير منه. وقلت: ابن عمه النبي ﷺ، وابن الزبير، وابن أبي بكر، وابن أبي خديجة، وابن اخت عائشة، فإذا هو يتعلني عني ولا يربد ذلك. فقلت: ما كنت أظن الي أعرض هذا من نفسي ليدعه وما أراه يربد خيرا وان كان لا بد لأن يربني بنو عمي أحب الي من أن يربني غيرهم. [راجع: ۴۶۶۴]

ترجمہ: ابن ابی ملیکہ رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ ہم حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے پاس آئے تو وہ کہنے لگے کیا تمہیں ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما پر حیرت نہیں ہوتی کہ وہ خلافت کے لئے کھڑے ہوئے ہیں؟ میں نے سوچ لیا ہے کہ میں اس معاملہ میں غور کروں گا (کہ آیا وہ اس کے مستحق ہیں یا نہیں)، میں نے حضرت ابوبکر و حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی خلافت کے معاملہ میں کبھی کچھ غور نہیں کیا، کیونکہ وہ ہر طرح اس کے لائق تھے۔ اور پھر میں نے لوگوں کہا کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی کے بیٹے اور زبیر بن عوام رضی اللہ عنہما کے صاحبزادے ہیں، اور ابوبکر رضی اللہ عنہما کے نواسے ہیں، اور حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے بھائی کے بیٹے ہیں اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی بہن کے بیٹے ہیں، یہی وجہ ہے کہ وہ خود کو مجھ سے افضل خیال کرتے ہیں، اور اس بات کی کوشش نہیں کرتے کہ میں ان سے مقرب بن جاؤں۔ میں نے اپنے دل میں بھی یہ گمان نہیں کیا تھا میں ان کے لئے کبھی ایسے اعراض کروں گا، مگر ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما میری طرف توجہ نہیں کرتے، اور میرا نہیں خیال کہ وہ اس میں کچھ بھلائی پاتے ہوں، لیکن میں اب اپنے چچا کے بیٹے کی بیعت کر لوں گا، کیونکہ غیر کے حاکم ہونے سے یہ بہتر ہے کہ ہمارے عزیز حاکم ہوں۔

تشریح

یہاں پر بھی یہی روایت ہے الفاظ ذرا مختلف ہیں۔

”فقلت: لأحاسبن نفسي له“ یعنی میں نے دل میں یہ سوچا تھا کہ میں نے سوچ لیا ہے کہ میں اس معاملہ میں غور کروں گا کہ آیا وہ اس کے مستحق ہیں یا نہیں، اپنے نفس سے حساب لوں گا۔

”ما حاسبها لأبي بكر ولا لعمر“ حضرت صدیق اکبر اور عمر رضی اللہ عنہما کیلئے یعنی ان کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے لئے میں نے کبھی کچھ غور نہیں کیا، ”ولهما كانا أولى بكل خير منه“ اور وہ دونوں

حضرات ان کے مقابلے میں بیعت کے ہر طرح سے زیادہ مستحق تھے۔

”قللت: ما كنت أظن أني أعرض هذا من نفسي فبده“ کہہ رہے ہیں کہ میرا گمان یہ نہیں تھا کہ میں اپنے نفس کی طرف سے عبد اللہ بن زبیر کو اس بات کی پیشکش کروں گا کہ میں تمہاری اطاعت کروں گا یعنی اس حد تک ان کیلئے عاجزی اور انکساری کا مظاہرہ کروں گا، اور وہ چھوڑ دیں گے یعنی وہ میری حمایت کی کوئی پرواہ بھی نہیں کریں گے، ”وما آراه يرید خميرا“ میرا نہیں گمان کہ وہ کوئی بھلائی کا ارادہ کر رہے ہیں۔

”وان كان لا بد“ اور اگر ان کو یہی اعراض ہی کرنا ہے، ”لان یربني بنو عمی أحب الی من ان یربني همهم“ تو اگر میرے پرورش کریں میرے چچا زاد بھائی یعنی بنو امیہ تو مجھے یہ زیادہ پسند ہے اس بات سے کہ کوئی دوسرا پرورش کرے یعنی پھر میں ان کے ساتھ جا کر مل جاؤں، کیونکہ بنو امیہ بنو ہاشم سے بنسبت بنو اسد کے زیادہ قریب تھے۔

(۱۰) باب قوله: ﴿وَالْمَوْلَاةُ قُلُوبُهُمْ وَلِي الرِّقَابِ﴾ [۶۰]

اس ارشاد کا بیان کہ: ”اور ان کا جن کی دلداری مقصود ہے، نیز انہیں غلاموں کو آزاد کرنے میں۔“

رسول اللہ ﷺ کے بعد مَوْلَاةِ قُلُوبُهُمْ - کا حکم

محققین، محدثین و فقہاء کی تصریحات سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ مَوْلَاةِ الْقُلُوبِ کا حصہ کسی کا فر کسی وقت بھی نہیں دیا گیا، نہ رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں اور نہ خلفائے راشدین کے زمانہ میں، اور جن غیر مسلموں کو دینا ثابت ہے، وہ صدقات و زکوٰۃ سے نہیں بلکہ خمسِ غنیمت میں سے دیا گیا ہے، جس سے ہر حاجت مند مسلم و غیر مسلم کو دیا جاسکتا ہے، تو مَوْلَاةِ الْقُلُوبِ صرف مسلم رہ گئے، اور ان میں جو فقراء ہیں ان کا حصہ بدستور باقی ہونے پر پوری امت کا اتفاق ہے۔

اختلاف صرف اس صورت میں رہ گیا کہ یہ لوگ غنی صاحبِ نصاب ہوں تو امام شافعی، امام احمد رحمہما اللہ کے نزدیک چونکہ تمام مصارفِ زکوٰۃ میں فقرو حاجت مندی شرط نہیں، اس لئے وہ مَوْلَاةِ الْقُلُوبِ میں ایسے لوگوں کو بھی داخل کرتے ہیں جو غنی اور صاحبِ نصاب ہیں۔

امام اعظم ابوحنیفہ اور امام مالک رحمہما اللہ کے نزدیک عالمین صدقہ کے علاوہ باقی تمام مصارفِ فقرو حاجت مندی شرط ہے، اس لئے مَوْلَاةِ الْقُلُوبِ حصہ بھی ان کو اسی شرط پر دیا جائے گا کہ وہ فقرو حاجت مند ہوں جیسے غارمین اور رقاب، ابن سبیل وغیرہ سب میں اسی شرط کے ساتھ ان کو زکوٰۃ دی جاتی ہے کہ وہ اس جگہ

حاجتمندوں ہوں، گو وہ اپنے مقام پر مال دار ہوں۔

اس تحقیق کا نتیجہ یہ نکلا کہ مولفۃ القلوب کا حصہ ائمہ اربعہ کے نزدیک منسوخ نہیں فرق صرف اتنا ہے کہ بعض حضرات نے فقراء و مساکین کے علاوہ کسی دوسرے مصرف میں فقر و حاجت مندی کے ساتھ مشروط نہیں کیا، اور بعض نے یہ شرط رکھی ہے کہ مولفۃ القلوب میں بھی صرف انہی لوگوں کو دیتے ہیں جو حاجتمند اور غریب ہوں، بہر حال یہ حصہ قائم اور باقی ہے۔ ۱۶

فی الرقاب - سے مراد اور اس میں اختلاف

”فی الرقاب“ یعنی غلاموں کا بدل کتابت ادا کر کے آزادی دلوائی جائے یا خرید کر آزاد کیا جائے یا سیروں کا فدیہ دے کر رہا کرایا جائے۔

فقہائے کرام کا اس بات میں اختلاف ہے کہ یہاں رقاب سے کیا مراد ہے؟
جمہور فقہاء و محدثین کہتے ہیں کہ اس سے مراد وہ غلام ہیں جن کے آقاؤں نے کوئی مقدار مال کی متعین کر کے کہہ دیا ہے کہ اتنا مال کما کر ہمیں دیدو تو تم آزاد ہو، جس کو قرآن و سنت کی اصطلاح میں ”مکاتب“ کہا جاتا ہے ایسے شخص کو آقا اس کی اجازت دیتا ہے کہ وہ تجارت یا مزدوری کے ذریعے مال کمائے اور آقا کو لا کر دے، آیت میں رقاب سے مراد یہ ہے کہ اس شخص کو رقم زکوٰۃ میں حصہ دے کر اسکی گلو خلاصی میں امداد کی جائے۔
یہ قسم غلاموں کی باتفاق مفسرین و فقہاء لفظ ”و فی الرقاب“ کی مراد ہے کہ رقم زکوٰۃ ان کو دے کر ان کی گلو خلاصی میں امداد کی جائے۔

ان کے علاوہ دوسرے غلاموں کو خرید کر آزاد کرنا یا ان کے آقاؤں کو رقم زکوٰۃ دے کر یہ معاہدہ کر لینا کہ وہ ان کو آزاد کر دیں گے، اس میں ائمہ فقہاء کا اختلاف ہے۔

جمہور ائمہ ابو حنیفہ، شافعی، احمد بن حنبل وغیرہ رحمہم اللہ، جمعین اس کو جائز نہیں سمجھتے ہیں۔

امام مالک رحمہ اللہ بھی ایک روایت میں جمہور کے ساتھ متفق ہیں کہ فی الرقاب کو صرف مکاتب کے ساتھ مخصوص فرماتے ہیں، اور ایک دوسری روایت میں امام مالک رحمہ اللہ سے یہ بھی منقول ہے کہ وہ فی الرقاب میں عام غلاموں کو داخل کر کے اس کی بھی اجازت دیتے ہیں کہ رقم زکوٰۃ سے غلام خرید کر آزاد کئے جائیں۔ ۱۷

۱۶ معارف القرآن، ج: ۴، ص: ۴۰۴

۱۷ احکام القرآن لابن العربی، ج: ۲، ص: ۵۳۱ - ۵۴۰

جمہور ائمہ و فقہاء جو اس کو جائز نہیں سمجھتے ہیں، ان کے پیش نظر ایک فقہی اشکال ہے کہ اگر رقم زکوٰۃ سے غلام خرید کر آزاد کیا گیا تو اس پر صدقہ کی تعریف ہی صادق نہیں آتی، کیونکہ صدقہ وہ مال ہے کو کسی مستحق کو بلا معاوضہ دیا جائے۔

رقم زکوٰۃ اگر آقا کو دی جائے تو ظاہر ہے کہ وہ مستحق زکوٰۃ ہے ہی نہیں اور نہ اس کو یہ رقم بلا معاوضہ دی جا رہی ہے، اور غلام جو مستحق زکوٰۃ ہے اس کو یہ رقم دی نہیں گئی، یہ الگ بات ہے کہ اس رقم کے دینے کا فائدہ غلام پہنچ گیا کہ اس نے خرید کر آزاد کر دیا، مگر آزاد کرنا صدقہ کی تعریف میں داخل نہیں ہوتا اور حقیقی معنی کو بلا وجہ چھوڑ کر صدقہ کے مجازی معنی یعنی عام مراد لینے کا بلا ضرورت کوئی جواز نہیں۔

اور یہ بھی ظاہر ہے کہ آیت مذکورہ میں مصارف صدقات کے بیان کئے جا رہے ہیں، اس لئے فی الزقاب کا مصداق کوئی ایسی چیز نہیں بن سکتی جس پر صدقہ کی تعریف ہی صادق نہ آئے۔ اور اگر یہ رقم زکوٰۃ خود غلام کو دی جائے تو غلام کی کوئی ملک نہیں ہوتی وہ خود بخود آقا کا مال بن جائے گا، پھر آزاد کرنا نہ کرنا بھی اس کے اختیار میں رہے گا۔

اس فقہی اختلاف کی وجہ سے جمہور ائمہ و فقہاء رحمہم اللہ اجماعاً نے فرمایا ہے کہ ”فی الزقاب“ سے مراد صرف غلام مکاتب ہیں۔

اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ صدقہ کی ادائیگی کے لئے یہ شرط ہے کہ کسی مستحق کو مالک بنا کر اس کے قبضے میں دیدیا جائے، جب تک مستحق کا مالکانہ قبضہ اس پر نہیں ہوگا زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی۔ ۱۸

قال مجاهد: يعالْفهم بالعطية.

ترجمہ: حضرت مجاہد رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ عطیہ رتخائف دیکر لوگوں کی دل جوئی فرماتے تھے۔

۴۶۶۷۔ حدیثنا محمد بن کثیر: أخبرنا سفیان، عن أبيه، عن أبي نعم، عن أبي

سعيد قال: بعث الى النبي ﷺ بشيء فقسمه بين أربعة وقال: ((أنا لفهم))، فقل رجل:

ما عدلت، فقال: ((بمخرج من ضنضى هذا قوم يمرقون من الدين)). [راجع: ۳۳۴۳]

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے پاس کچھ مال آیا، تو آپ نے اسے چار آدمیوں کے درمیان میں تقسیم کر دیا اور فرمایا کہ میں ان لوگوں کی دلجوئی کرتا ہوں۔ اس پر ایک شخص نے بولا کہ آپ نے انصاف سے کام نہیں لیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس شخص کی نسل سے ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو دین سے خارج ہو جائیں گے۔

(۱۱) باب قولہ: ﴿الَّذِينَ يَلْمِزُونَ الْمُطَّوِّعِينَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ فِي الصَّدَقَاتِ﴾ [۷۹]
اس ارشاد کا بیان: ”(یہ منافق وہی ہیں) جو خوشی سے صدقہ کرنے والوں کو بھی طعن دیتے ہیں“۔

منافقین کے مخلص مسلمانوں کو طعن

نبی کریم ﷺ نے مسلمانوں کو صدقات نکالنے کی ترغیب دی تو ہر مخلص مسلمان نے اپنی استطاعت کے مطابق صدقہ لا کر پیش کیا، منافقین خود تو اس اس کار خیر میں کیا حصہ لیتے، مسلمانوں کو طعن دیتے رہتے تھے۔
اگر کوئی شخص زیادہ مال لے کر آتا تو کہتے کہ یہ تو دکھاوے کے لئے صدقہ کر رہا ہے، اور اگر کوئی غریب مزدور اپنے گاڑھے پسینے کی کمائی سے کچھ تھوڑا صدقہ لے کر آتا تو منافقین اس کا مذاق اڑاتے اور کہتے یہ کیا چیز اٹھا کر لایا ہے؟ اللہ اس سے بے نیاز ہے۔

روایات میں ایسے کئی واقعات ملتے ہیں، لیکن اس جگہ غالباً غزوہ تبوک کے موقع پر جب چندہ جمع کرنے کی ترغیب دی گئی اس کا ذکر ہے۔ و

﴿يَلْمِزُونَ﴾: يعيبون. ﴿جَهَنَّهُمْ﴾: وجَهَنَّهُمْ: طاعتهم.

ترجمہ: ”یَلْمِزُونَ“ کے معنی ہیں کہ وہ لوگ طعن کرتے ہیں، عیب لگاتے ہیں۔

”جَهَنَّهُمْ“ ضمہ کے ساتھ اور ”جَهَنَّهُمْ“ فتح کے ساتھ، ان دونوں کا ایک ہی مطلب ہے طاقت۔

۴۶۶۸ - حدیثی بشر بن خالد ابو محمد: أخبرنا محمد بن جعفر، عن شعبة، عن

سليمان، عن أبي وال، عن أبي مسعود قال: لما أمرنا بالصدقة كنا نحامل فجاء أبو عقيل

بـنصف صاع وجاء النسان بأكثر منه فقال المنافقون: ان الله لغني عن صدقة هذا وما فعل

هذا الآخر الا رياء، فنزلت ﴿الَّذِينَ يَلْمِزُونَ الْمُطَّوِّعِينَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ فِي الصَّدَقَاتِ وَالَّذِينَ

لَا يَجِدُونَ إِلَّا جَهَنَّهُمْ﴾ الآية. [راجع: ۱۴۱۵]

ترجمہ: حضرت ابی مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ جب ہمیں صدقہ رخیرات کرنے کا حکم آیا تو ہم مزدوری پر

بوجھ اٹھایا کرتے تھے، ایک دن ابو عقیل رضی اللہ عنہ آدھا صاع لیکر آئے، اور ایک صحابی بہت زیادہ مال لے کر آئے،

تو منافق کہنے لگے، اللہ اس (ابو عقیل رضی اللہ عنہ کے) حقیر صدقہ سے بے پروا ہے، اور یہ دوسرا تو صرف زیادہ مال

دکھانے کیلئے لایا ہے، تو اس وقت یہ آیت نازل ہوئی ﴿الَّذِينَ يَلْمِزُونَ الْمُطَّوِّعِينَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ فِي
الصَّدَقَاتِ وَالَّذِينَ لَا يَجِدُونَ إِلَّا جُهْدَهُمْ﴾۔

صدقہ سے مال بڑھتا ہے

”تسامل“ کے معنی ہم سامان اٹھا کر مزدوری کیا کرتے تھے اور اس مزدوری پر جو تھوڑی بہت اجرت
ہمیں مل جایا کرتی تھی۔

تو اب جب صدقہ کا حکم ہوا تو حضرت ابو عقیل رضی اللہ عنہ آدھا صاع لے کر آئے، کوئی دوسرا آدمی اس سے
تھوڑا زیادہ لے کر آیا تو منافقین نے مذاق اڑایا اور یہ کہا کہ اللہ ﷻ ان کے صدقے سے غنی ہے، تو یہ جو کر رہے
ہیں صرف دکھاوے کیلئے کر رہے ہیں، ورنہ آدھا صاع صدقہ کرنے سے کیا فائدہ، ان کا یہ مطلب ہے۔

۴۶۶۹۔ حدثني اسحاق بن ابراهيم قال: قلت لأبي أسامة: أحدلكم زائدة، عن
سليمان، عن شقيق، عن أبي مسعود الأنصاري قال: كان رسول الله ﷺ يأمر بالصدقة
ليتحال أحدنا حتى يجيء بالمد وأن لأحدكم اليوم مائة ألف، كانه يعرض بنفسه. [راجع:
۱۴۱۵]

ترجمہ: حضرت ابی مسعود انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ نے ہم کو صدقہ کا حکم دیتے تو
ہم میں سے بعض نہایت محنت مزدوری کرنے کے بعد ایک مد لاتے تھے، مگر آج ان میں سے بعض ایسے ہیں کہ
ایک لاکھ موجود ہے ہیں، غالباً حضرت ابی مسعود انصاری رضی اللہ عنہ کا اپنی طرف اشارہ کرنا مقصود تھا۔

صدقہ کی برکات

حضرت ابی مسعود انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب حضور اکرم ﷺ نے صدقہ کا حکم دیا ”ليتحال
أحدنا حتى يجيء بالمد“ تو ہم میں سے بعض لوگ بہت مشکل سے رحمت مزدوری کرنے کے بعد ایک
مد صدقہ لے آتا تھا، اس وقت یہ حالت تھی۔

”وان لأحد اليوم مائة الف“ جبکہ آج یہ حالات ہے کہ اسی آدمی کے پاس ایک لاکھ کے قریب مال

موجود ہے۔

”كانه يعرض بنفسه“ گویا میرے پاس، اپنے نفس کی طرف اشارہ کر کے، کہ ایک لاکھ کا مال ہے
اور اس وقت ایک مد کا بھی صدقہ کرنا بھاری ہوتا تھا۔

(۱۲) باب قوله: ﴿اسْتَغْفِرْ لَهُمْ أَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ إِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِينَ

مَرَّةً فَلَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَهُمْ﴾ [۸۰]

اس ارشاد کا بیان: ”(اے نبی!) تم ان کیلئے استغفار کرو یا نہ کرو، اگر تم ان کیلئے ستر مرتبہ

استغفار کرو گے تب بھی اللہ انہیں معاف نہیں کرے گا۔“

۲۶۷۰۔ حدیثی عبید بن اسماعیل، عن ابی اسامہ، عن عبید اللہ عن نافع، عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال: لما توفي عبد اللہ بن ابی جاء ابنه عبد اللہ بن عبد اللہ الی رسول اللہ ﷺ فسأله أن يعطيه قميصه يكفن فيه أباه، فأعطاه ثم سأله أن يصلي عليه فقام رسول اللہ ﷺ ليصلي عليه، فقام عمر فأخذ بثوب رسول اللہ ﷺ فقال: يا رسول اللہ، أتصلي عليه وقد لهاك ربك أتصلي عليه؟ فقال رسول اللہ ﷺ: ((الما خير لي اللہ فقال: ﴿اسْتَغْفِرْ لَهُمْ أَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ إِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِينَ مَرَّةً فَلَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَهُمْ﴾ وسأريده (على السبعين)). قال: انه منافق، قال: فصلى عليه رسول اللہ ﷺ فأنزل اللہ تعالیٰ ﴿وَلَا تَصَلُّ عَلَىٰ أَحَدٍ مِّنْهُمْ مَا تَأْتِيهِمْ عَلَيْهِ﴾ [۸۳]. ۲۰

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ جب عبد اللہ بن ابی منافق کا انتقال ہوا تو ان کے بیٹے عبد اللہ بن عبد اللہ ﷺ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ آپ اپنی قمیصرے والد کے کفن طور پر عنایت فرمادیں، پھر انہوں نے درخواست کی کہ آپ ان کی نماز جنازہ بھی پڑھادیں، چنانچہ رسول اللہ ﷺ عبد اللہ بن ابی کی نماز جنازہ پڑھانے کے لئے کھڑے ہو گئے تو حضرت عمر ﷺ اٹھے اور آپ ﷺ کا دامن پکڑ کر عرض کیا اے اللہ کے رسول! کیا آپ اسکی نماز جنازہ پڑھائیں گے، حالانکہ آپ کو اسکی نماز

۱۰: روى صحيح مسلم، كتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل عمر، رقم: ۲۳۰۰، وكتاب صفات المنافقين وأحكامها، رقم: ۲۷۷۳، وسنن الترمذی، أبواب تفسير القرآن، باب ومن سورة التوبة، رقم: ۳۰۹۷، ۳۰۹۸، وسنن النسائی، كتاب الجنائز، القميص في الكفن، رقم: ۱۹۹۰، والصلاة على المنافقين، رقم: ۱۹۶۶، وسنن ابن ماجه، كتاب الجنائز، باب في الصلاة على أهل القبلة، رقم: ۱۵۲۳، ومسند أحمد، مسند الخلفاء الراشدين، أول مسند عمر بن الخطاب، رقم: ۹۵، ومسند المكثرين من الصحابة، مسند عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما، رقم: ۳۶۸۰

جتازہ پڑھانے سے آپ کے رب نے منع فرمادیا ہے؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ ﷻ نے مجھے اختیار دیا ہے اور فرمایا ہے کہ ﴿إِمْتَعْنِيْز لَّهُمْ أَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ إِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِينَ مَرَّةً فَلَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَهُمْ﴾، اور میں ستر مرتبہ سے بھی زیادہ استغفار کروں گا (شاید کہ اللہ ﷻ ان کو معاف کر دے)، حضرت عمرؓ نے عرض کیا یہ تو ایک منافق شخص ہے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے اس کی نماز جتازہ پڑھائی، اسکے بعد اللہ ﷻ نے یہ حکم نازل فرمایا ﴿وَلَا تُصَلِّ عَلَى أَحَدٍ مِنْهُمْ مَاتَ أَيْدِئًا وَلَا تَقُمْ عَلَى قَبْرِهِ﴾۔

۴۶۷۱۔ حدثنا يحيى بن بكير: حدثنا الليث، عن عقيل، وقال غيره: حدثني الليث: حدثني عقيل، عن ابن شهاب قال: أخبرني عبيد الله بن عبد الله، عن ابن عباس، عن عمر بن الخطاب ؓ أنه قال: لما مات عبد الله بن أبي بن سلول دعى له رسول الله ﷺ ليصلي عليه، فلما قام رسول الله ﷺ وثبت إليه فقلت: يا رسول الله، أتصلي على ابن أبي وقد قال يوم كذا، كذا وكذا؟ قال: أعدد عليه قوله، فتبسم رسول الله ﷺ وقال: ((آخر عسى يا عمر))، فلما أكثرت عليه قال: ((التي خيرت لاعتدت، لو أعلم أني ان زدت على السبعين يغفر له لزدت عليها)). قال: فصلى عليه رسول الله ﷺ ثم الصرف فلم يمكث الا يسيراً حتى نزلت الآيات من براءة ﴿وَلَا تُصَلِّ عَلَى أَحَدٍ مِنْهُمْ مَاتَ أَيْدِئًا﴾ الى قوله: ﴿وَهُمْ لَا يَسْقُونَ﴾ قال: فعجبت بعد من جرأتى على رسول الله ﷺ، والله ورسوله أعلم. [راجع: ۱۳۶۶]

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطابؓ سے روایت ہے کہ جب عبد اللہ بن ابی مرثد رسول اللہ ﷺ کو اس کی نماز جتازہ پڑھانے کے لئے بلایا گیا، جب آپ ﷺ نماز جتازہ پڑھانے کے لئے کھڑے ہوئے تو میں تیزی آپ کے پاس آیا اور عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! آپ اس کی نماز پڑھائیں گے؟ حالانکہ اس شخص نے فلاں دن، اس اس طرح کی باتیں کہی تھیں، حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں اس کی کی ہوئی ایک ایک بات آپ کے سامنے پیش کرنے لگا، تو رسول اللہ ﷺ قدرے مسکرائے، اور ارشاد فرمایا کہ اے عمر! مجھ سے پیچھے ہو جاؤ۔ جب میں نے زیادہ اصرار کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے اختیار دیا گیا ہے تو میں نے اس بات کو اختیار کیا ہے، گر میں یہ سمجھوں کہ کوئی ستر مرتبہ سے زیادہ استغفار کرنے سے بخش دیا جائے گا تو میں اس کے لئے ستر سے زیادہ بار استغفار کروں گا۔ حضرت عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ پھر رسول اللہ ﷺ نے اس کی نماز جتازہ پڑھائی، اور واپس تشریف لائے، ابھی تھوڑی دیر ہی گزری تھی کہ سورۃ براءۃ کی دو آیات نازل ہوئیں ﴿وَلَا تُصَلِّ عَلَى أَحَدٍ مِنْهُمْ مَاتَ أَيْدِئًا﴾ سے لیکر ﴿وَهُمْ لَا يَسْقُونَ﴾ تک۔ حضرت

عمرؓ فرمایا کرتے تھے کہ بعد میں مجھے رسول اللہ ﷺ کے سامنے اس حد تک جرأت کرنے حیرانگی ہوتی تھی، اور اللہ اور اس کا رسول خوب جانتے ہیں۔

احسان کا ازالہ بھی، قبول اسلام کا مالہ بھی

عبداللہ بن ابی ایک ایسا منافق تھا جس کا نفاق مختلف اوقات میں ظاہر بھی ہو چکا تھا اور سب منافقوں کا سردار مانا جاتا تھا اس کے ساتھ حضور اقدس ﷺ کا یہ امتیازی سلوک کیسے ہوا کہ اس کے کفن کے لئے اپنا کرتہ مبارک عطا فرمایا دیا تھا۔

خلاصہ یہ ہے کہ آیت سابقہ سے خود آنحضرت ﷺ کو یقین ہو گیا تھا کہ ہمارے کسی عمل سے اس منافق کی مغفرت نہیں ہوگی، مگر چونکہ ظاہری الفاظ آیات میں آپ کو اختیار دیا گیا تھا اور کسی دوسری آیت سے بھی اس کی ممانعت اب تک نہیں آئی تھی۔

دوسری طرف ایک کافر کے احسان سے دنیا میں نجات حاصل کرنے کا فائدہ بھی تھا اور اس معاملہ میں دوسرے کافروں کے مسلمان ہونے کی توقع تھی، اسی لئے آپ ﷺ نے نماز پڑھانے کو ترجیح دی۔ [۱۳]

(۱۳) باب قولہ: ﴿وَلَا تُصَلِّ عَلَىٰ أَحَدٍ مِّنْهُمْ مَا تَأْتِيهِمْ عَلَيْهِ﴾ [۱۳]

اس ارشاد کا بیان: ”اور (اے پیغمبر!) ان (منافقین) میں سے جو کوئی مر جائے، تو تم اس پر نماز (جنازہ) مت پڑھنا، اور نہ اس کی قبر پر کھڑے ہونا۔“

۲۶۷۲ - حدثني ابراهيم بن المنذر: حدثنا ابي بن عياض، عن عبيد الله، عن نافع، عن ابن عمر رضي الله عنهما انه قال: لما توفي عبد الله بن ابي جاء ابنه عبد الله بن عبد الله الى رسول الله ﷺ فاعطاه قميصه وامره ان يكفنه فيه، ثم قام يصلي عليه فاعل عمر بن الخطاب بدوه فقال: تصلي عليه وهو منافق وقد نهاك الله ان تستغفر لهم؟ قال: ((الما خير لي الله، او اخبر لي الله فقال: ﴿اَسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِينَ مَرَّةً فَلَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَهُمْ﴾ فقال: سألته على سبعين)). قال: فصلى عليه رسول الله

[۱] اس پر چند اشکالات اور اہل سفیرت جہات ملاحظہ فرمائیں: العام الباری شرح صحیح البخاری، کتاب الجنائز برقم: ۱۲۶۹، ج: ۴، ص: ۳۲۹

﴿وَصَلَبْنَا مَعَهُ لَمْ أَنْزَلِ اللَّهُ عَلَيْهِ ﴿وَلَا تَصَلَّ عَلَى أَحَدٍ مِنْهُمْ مَاتَ أَبَدًا وَلَا تَقُمْ عَلَى قَبْرِهِ إِنَّهُمْ كَفَرُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَمَاتُوا وَهُمْ فَاسِقُونَ﴾﴾.

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ جب عبد اللہ بن ابی منافق کا انتقال ہوا تو ان کے بیٹے عبد اللہ بن عبد اللہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیت و آپ اپنی قمیص ان کو عطاء فرمائی اور حکم دیا کہ اس قمیص کو اس کا کفن بنایا جائے، پھر آپ اس کی نماز جنازہ پڑھانے کیلئے کھڑے ہوئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کا دامن پکڑ کر عرض کیا اے اللہ کے رسول! کیا آپ اس کی نماز جنازہ پڑھائیں گے؟ حالانکہ یہ منافق ہے اور اللہ ﷺ ان کیلئے استغفار سے آپ کو منع فرما چکے ہیں۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ ﷺ نے مجھے اختیار دیا ہے یا یہ فرمایا کہ اللہ ﷺ مجھے خبر دے چکے ہیں اور فرمایا ہے کہ ﴿إِسْتَعْفِرْ لَهُمْ أَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ الْخ﴾، پھر فرمایا کہ میں ستر مرتبہ سے بھی زیادہ استغفار کروں گا (شاید کہ اللہ ﷺ ان کو معاف کر دے)۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے اسکی نماز جنازہ پڑھی، اور ہم نے بھی آپ کے ساتھ پڑھی اسکے بعد اللہ ﷺ نے یہ حکم نازل فرمایا ﴿وَلَا تَصَلَّ عَلَى أَحَدٍ مِنْهُمْ مَاتَ أَبَدًا وَلَا تَقُمْ عَلَى قَبْرِهِ إِنَّهُمْ كَفَرُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَمَاتُوا وَهُمْ فَاسِقُونَ﴾۔

(۱۴) باب قولہ: ﴿سَيَخْلِفُونَ بِاللَّهِ لَكُمْ إِذَا انْقَلَبْتُمْ إِلَيْهِمْ لِنِعْمِ رِضْوَانِهِمْ﴾ الآية [۱۵]

اس ارشاد کا بیان: ”جب تم ان کے پاس واپس جاؤ گے تو یہ لوگ تمہارے سامنے اللہ کی قسمیں کھائیں گے، تاکہ تم ان سے درگزر کرو۔“

۴۶۷۳ - حدیثنا یحییٰ: حدیثنا اللیث، عن عقیل، عن ابن شہاب، عن عبدالرحمن

بن عبداللہ: ان عبداللہ بن کعب بن مالک قال: سمعت کعب بن مالک حین تخلف عن

تہوک: واللہ ما انعم اللہ علی من نعمة بعد اذ هدانی اعظم من صدقی رسول اللہ ﷺ ان

لا اکون کذبتہ فاهلک کما هلک الذین کذبوا حین انزل الوحی ﴿سَيَخْلِفُونَ بِاللَّهِ لَكُمْ

إِذَا انْقَلَبْتُمْ إِلَيْهِمْ﴾ الی قولہ: ﴿الْفَاسِقِينَ﴾. [راجع: ۲۷۵۷]

ترجمہ: عبد اللہ بن کعب بن مالک نے بیان کیا کہ میں نے (اپنے والد) حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ

سے غزوہ تبوک میں ان کے شریک نہ ہونے سکنے کا واقعہ ان سے سنا، انہوں نے فرمایا کہ اللہ کی قسم! سیدھے راستے

(اسلام) پر چلنے کی ہدایت کے بعد اللہ ﷺ نے مجھ پر اتنا بڑا کوئی اور انعام نہیں کیا جتنا رسول اللہ ﷺ سے سچ

بولنے کے بعد ظاہر ہوا کہ میں جھوٹ بولنے سے محفوظ رہا ورنہ میں بھی اسی طرح ہلاک ہو جاتا جس طرح دوسرے لوگ جھوٹی معذرتیں بیان کرنے والے ہلاک ہوئے تھے، جس وقت وحی نازل ہوئی تھی ﴿سَمِعِلْفُونَ بِاللَّهِ لَكُمْ إِذَا الْقَلْبُكُمْ إِلَيْهِمْ﴾ اس آیت سے لیکر ﴿الْقَابِضِينَ﴾ تک۔

(۱۵) باب قولہ: ﴿وَأَخْرُوزًا اغْتَرَفُوا بِذُنُوبِهِمْ﴾ الآية [۱۰۲]

اس ارشاد کا بیان کہ: ”اور کچھ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنی کوتاہیوں کا اعتراف کر لیا ہے۔“

آیت کا شان نزول

منافقین اپنی منافقت کی وجہ سے غزوہ تبوک میں شامل نہیں ہوئے، اور اب تک انہی کا ذکر ہوتا رہا ہے لیکن مخلص مسلمانوں میں بھی کچھ لوگ ایسے تھے جو سستی کی وجہ سے جہاد میں جانے سے رہ گئے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کے مطابق یہ کل دس افراد تھے۔

ان میں سے سات کو اپنی اس سستی پر اتنی سخت شرمندگی ہوئی کہ ابھی آنحضرت ﷺ تبوک سے واپس بھی نہیں پہنچے تھے کہ یہ خود اپنے آپ کو سزا دینے کیلئے مسجد نبوی پہنچے اور اپنے آپ کو مسجد کو ستونوں سے باندھ لیا اور کہا کہ جب تک آپ ﷺ خود ہمیں معاف کر کے نہیں کھولیں گے، ہم انہی ستونوں سے بندھے رہیں گے۔

آپ ﷺ کی واپسی کا وقت قریب تھا، اور جب آپ تشریف لائے اور انہیں بندھا ہوا دیکھا تو پوچھا کیا معاملہ ہے؟ اس پر آپ کو علم ہوا کہ انہوں نے اس لئے اپنے آپ کو باندھ رکھا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اب میں بھی اس وقت تک نہیں کھولوں گا جب تک اللہ تعالیٰ خود انہیں کھولنے کا حکم نہ دیدے۔

اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی، اُن کی توبہ قبول کر لی گئی اور انہیں کھول دیا گیا۔ ان سات حضرات میں حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ بھی تھے، جن کے نام سے ایک ستون اب بھی مسجد نبوی میں موجود ہے اور اُسے اُسٹوانہ التوبہ بھی کہا جاتا ہے۔

ایک روایات میں یہ بھی ہے کہ انہوں نے اس ستون سے اپنے آپ کو اُس وقت باندھا تھا جب بنو قریظہ کے معاملے میں اُن سے ایک غلطی ہو گئی تھی، لیکن حافظ ابن جریر رحمہ اللہ علیہ نے اسی کو ترجیح دی ہے کہ یہ واقعہ تبوک کے متعلق ہے، اسی کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔ ۲۲

باقی تین حضرات کعب بن مالک، ہلال بن امیہ اور مرارہ بن الربیع رضی اللہ عنہم جو غزوہ تبوک میں شریک نہیں ہوئے تھے ان کا ذکر آگے آ رہا ہے۔

اپنے گناہوں پر اظہارِ ندامت

اس آیت نے یہ واضح کر دیا ہے کہ اگر کسی سے کوئی گناہ ہو جائے تو اُسے مایوس ہونے کے بجائے توبہ کی طرف متوجہ ہونا چاہئے۔

اور غلطی کی تائید و یقین کرنے کے بجائے ہر ممکن طریقے سے اپنی غلطی پر اظہارِ ندامت کرنا چاہئے۔ ایسے لوگوں کیلئے اللہ تعالیٰ نے یہ اُمید دلائی ہے کہ انہیں معاف کر دیا جائے گا۔ ۲۳

۴۶۷۴ - حدیثی مؤمل: حدیثنا اسمعیل بن ابراہیم: حدیثنا عوف: حدیثنا ابو رجاء: حدیثنا سمرة بن جندب رضی اللہ عنہ قال: رسول الله ﷺ لنا: ((أنا لى الليلة آبتان فابتعثنى فالتهمنا الى مدينة مبنية بلبن ذهب ولبن فضة فطلقنا رجال، شطر من خلقهم كأحسن ما أنت راء، و شطر كأقبح ما أنت راء، قالوا لهم: اذهبوا فلقوا فى ذلك النهر، فوقعوا فيه ثم رجعوا الينا قد ذهب ذلك السوء عنهم فصاروا فى احسن صورة. قال لى: هذه جنة عدن وهذاك منزلک. قالوا: اما القوم الذين كانوا شطر منهم حسن و شطر منهم قبيح فالتهم خلطوا عملا صالحا و آخر سيئا، تجاوز الله عنهم)). [راجع: ۸۴۵]

ترجمہ: حضرت سرہ بن جندب رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ہم سے فرمایا ارات کو میرے پاس دو فرشتے آئے اور مجھے ایسے شہر میں لے گئے جو سونے اور چاندی کے اینٹوں سے بنایا گیا تھا، وہاں ہمیں ایسے لوگ ملے جن کا آدھا بدن نہایت خوبصورت تھا کہ کسی دیکھنے والے نے ایسا حسن نہ دیکھا ہوگا اور بدن کا دوسرا حصہ نہایت بدصورت تھا کہ کسی نے بھی ایسی بدصورتی نہ دیکھی ہوگی، دونوں فرشتوں نے ان سے کہا کہ جاؤ اور اس نہر میں غوطہ لگاؤ، چنانچہ وہ لوگ اس نہر میں غوطہ لگایا، پھر جب وہ دوبارہ ہمارے پاس آئے تو ان کی وہ بدصورتی چلی گئی اور اب وہ نہایت حسین و خوبصورت ہو گئے، پھر دونوں فرشتوں نے مجھ سے کہا یہ جنت عدن ہے اور یہی آپ کی منزل ہے، دونوں فرشتوں نے بتایا کہ جن لوگوں کو ابھی آپ نے دیکھا کہ جسم کا آدھا حصہ خوبصورت تھا اور آدھا بدصورت، تو یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے نیک اعمال کے ساتھ کچھ برے اعمال بھی کئے تھے اور اللہ ﷻ نے انہیں معاف کر دیا تھا۔

(۱۶) باب قولہ: ﴿مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَاللَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ﴾ [۱۱۳]

اس ارشاد کا بیان کہ: ”یہ بات نہ تو نبی کو زیب دیتی ہے، اور نہ دوسرے مؤمنوں کو کہ وہ مشرکین کیلئے مغفرت کی دعا کریں۔“

مشرکین کیلئے دعاء مغفرت کی ممانعت

اس آیت کا شان نزول یہ بیان ہوا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے چچا ابوطالب نے اگرچہ آپ کی بڑی مدد کی تھی، لیکن انہوں نے آخر وقت تک اسلام قبول نہیں کیا تھا۔ جب ان کی وفات کا وقت آیا تو آپ ﷺ نے انہیں ترغیب دی کہ وہ کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو جائیں، مگر اسی وقت ابو جہل وغیرہ نے مخالفت کی اور وہ مسلمان نہ ہوئے۔ آنحضرت ﷺ نے اس وقت یہ فرمایا تھا کہ میں آپ کیلئے اُس وقت تک استغفار کرتا رہوں گا جب تک مجھے اس سے منع نہ کر دیا جائے۔ چنانچہ اس آیت نے آپ کو ان کیلئے استغفار سے منع فرما دیا۔

اس کے علاوہ تفسیر ابن جریر وغیرہ میں روایت ہے کہ بعض مسلمانوں نے اپنے مشرک باپ دادوں کے لئے استغفار کرنے کا ارادہ ظاہر کیا تھا، اور یہ کہا تھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے والد کیلئے استغفار کی تھی، اس لئے ہم بھی کر سکتے ہیں، اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ ۳

۴۶۷۵۔ حدثنا اسحاق بن ابراہیم: حدثنا عبدالرزاق: أخبرنا معمر، عن الزهري، عن

سعيد بن المسيب، عن أبيه قال: لما حضرت أبا طالب الوفاة دخل النبي ﷺ وعنده أبو جهل وعبد الله بن أبي أمية فقال النبي ﷺ: ((أى عم، قل: لا إله إلا الله، أحاج لك بها عند الله)). فقال أبو جهل وعبد الله بن أبي أمية: يا أبا طالب أترغب عن ملة عبد المطلب؟ فقال النبي ﷺ: ((لا تغفركم لك ما لم آله عنك))، فنزلت ﴿مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أُولَىٰ لِرَبِّي مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُمْ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ﴾ [۱۱۳]. ۵

۳ تفسیر الطبری - جامع البیان عن تاویل آية القرآن، ج: ۱۲، ص: ۱۹، وآسان ترجمہ قرآن، ج: ۱، ص: ۶۱۱

۴ ولی صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب اول الایمان لقوله لا اله الا الله، رقم: ۲۳۰، وسنن النسائی، کتاب الجنائز، النهی عن الاستغفار للمشرکین، رقم: ۲۰۳۵، ومسند أحمد، احادیث رجال من اصحاب النبي ﷺ، حدیث

المسيب بن حزم، رقم: ۲۳۶۷۳

ترجمہ: حضرت سعید بن مسیب رحمہ اللہ اپنے والد حضرت مسیب بن حزن رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ابوطالب کی وفات کے وقت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لائے، اس وقت ابوطالب کے پاس ابو جہل اور عبد اللہ بن ابی امیہ بھی موجود تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوطالب سے فرمایا اے چچا! آپ ایک بار زبان سے کہ یہ کلمہ ادا کر دیں ”لا الہ الا اللہ“ میں اس کلمہ کو آپ کی نجات کیلئے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش کر دوں گا۔ اس پر ابو جہل اور عبد اللہ بن ابی امیہ کہنے لگے ابوطالب! کیا تم عبد المطلب کے دین سے پھر جاؤ گے؟ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں آپ کیلئے برابر مغفرت کی دعا مانگتا رہوں گا جب تک مجھے اس سے روک نہ دیا جائے تو یہ آیت نازل ہوئی ﴿مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَاللَّيِّنِ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ﴾۔

(۱۷) باب قولہ: ﴿لَقَدْ تَابَ اللَّهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ﴾ [۱۷۱]
اس ارشاد کا بیان: ”حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے رحمت کی نظر فرمائی ہے نبی پر اور ان مہاجرین اور انصار پر“۔

کٹھن حالات میں شریک جہاد ہونے پر اللہ کی رحمت

منافقین کی مذمت اور سستی سے رہ جانے والے مسلمانوں کی معافی کا ذکر کرنے کے بعد مسلمانوں کی اس کی اکثریت کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے شاباش دی جا رہی ہے جنہوں نے انتہائی کٹھن حالات میں خندہ پیشانی کے ساتھ جوک کی مہم میں حصہ لیا۔ ان میں اکثریت تو انہی کی تھی جن کے دل میں جہاد اور تعمیل حکم کا جذبہ اتنا مضبوط تھا کہ وہ ان مشکل حالات کو خاطر میں نہیں لائے۔

البتہ کچھ حضرات ایسے بھی تھے کہ شروع میں ان مشکلات کی وجہ سے انکے دل میں دسو سے آئے، لیکن آخر کار انہوں نے دل و جان سے مہم میں حصہ لیا۔ انہی مسلمانوں کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی۔ ۶۱

۴۶۷۶۔ حدثنا أحمد بن صالح قال: حدثني ابن وهب قال: أخبرني يونس. قال

أحمد: وحدثنا عيسى: حدثنا يونس، عن ابن شهاب قال: أخبرني عبد الرحمن بن كعب قال: أخبرني عبد الله بن كعب وكان فائد كعب من بني حنين عمي قال: سمعت كعب بن

مالک لی حدیثہ ﴿وَعَلَى الثَّلَاثَةِ الَّذِينَ خُلِفُوا﴾ قال لی آخر حدیثہ: ان من توبتی ان
انخلع من مالی صدقة الی اللہ ورسول اللہ، فقال النبی ﷺ: ((امسک بعض مالک فهو
خیر لک)). [راجع: ۲۷۵۷]

ترجمہ: عبد اللہ بن کعب رحمہ اللہ کا بیان ہے اور جس وقت حضرت کعب بن مالک ﷺ نابینا ہو گئے تھے تو
ان کے بیٹوں میں یہی عبد اللہ بن کعب ان کو راستہ میں لے کر چلتے تھے، انہوں نے بیان کیا کہ میں نے حضرت
کعب بن مالک ﷺ سے ان سے اس واقعہ کے بارے میں سنا جس کے بارے میں آیت ﴿وَعَلَى الثَّلَاثَةِ
الَّذِينَ خُلِفُوا﴾ نازل ہوئی تھی، حضرت کعب بن مالک ﷺ نے آخر میں سے عرض کیا تھا کہ اپنی توبہ کے قبول
ہونے کی خوشی میں اپنا تمام مال اللہ ﷻ اور اس کے رسول کے راستے میں صدقہ کرتا ہوں لیکن نبی کریم ﷺ نے
فرمایا کہ اپنا کچھ تھوڑا سا مال اپنے پاس ہی رہنے دو یہ تمہارے لئے بہتر ہے۔

صداقت کی برکت سے جوش طاعت میں اضافہ

یہاں پر حدیث کعب بن مالک ﷺ کے آخری حصہ کو نقل کیا ہے کہ جب توبہ قبول ہونے کا اعلان ہوا اور
میں حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! کیا میں اپنی توبہ قبول ہونے کی
خوشی میں اپنا سب مال و متاع اللہ اور اس کے رسول کے راستے میں صدقہ کر دوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ نہیں
کچھ مال اپنی ضروریات کیلئے اپنے پاس ہی رہنے دو یہ تمہارے لئے زیادہ بہتر ہے۔

تفصیلی روایت میں ہے کہ پھر حضرت کعب بن مالک ﷺ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ اے اللہ
کے رسول! مجھے اللہ نے سچ بولنے کی وجہ سے نجات دی ہے اس لئے میں عہد کرتا ہوں کہ جب تک زندہ رہوں کبھی
سچ کے سوا کوئی کلمہ نہیں بولوں گا۔ پھر فرماتے ہیں کہ جب سے میں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ سچ بولنے کا عہد کیا تھا
الحمد للہ اس کے بعد آج تک کوئی جھوٹ کلمہ میری زبان پر نہیں آیا، اور مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ باقی زندگی میں بھی
مجھے اس سے محفوظ رکھیں گے۔

حضرت کعب بن مالک ﷺ فرماتے ہیں کہ خدا کی قسم! اسلام کے بعد اس سے بڑی نعمت مجھے نہیں ملی کہ
میں نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے سچ بولا، جھوٹ سے پرہیز کیا، کیونکہ اگر میں جھوٹ بولتا تو اسی طرح ہلاکت میں
پڑ جاتا جس طرح دوسرے جھوٹی قسمیں کھانوا لے ہلاک ہوئے۔

(۱۸) باب: ﴿وَعَلَى الثَّلَاثَةِ الَّذِينَ خُلِفُوا حَتَّىٰ إِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْأَرْضُ بِمَا

رَحِبَتْ﴾ الآية [۱۸]

باب: ”اور ان تینوں پر بھی (اللہ نے رحمت کی نظر فرمائی) جن کا فیصلہ ملتوی کر دیا گیا تھا، یہاں

تک کہ جب ان پر یہ زمین اپنی ساری وسعتوں کے باوجود تنگ ہو گئی۔“

۳۶۷۷ - حدثني محمد: حدثنا أحمد بن أبي شعيب: حدثنا موسى بن أعين:

حدثنا اسحاق بن راشد: أن الزهري حدثه قال: أخبرني عبدالرحمن بن عبد الله بن كعب بن مالك، عن أبيه قال: سمعت أبي كعب بن مالك وهو أحد الثلاثة الذين تيب عليهم أنه لم يتخلف عن رسول الله صلى الله عليه وسلم في غزوة غزاها قط غير غزوتين: غزوة العسرة، وغزوة بدر. قال: فأجمعت صدق رسول الله صلى الله عليه وسلم ضحى وكان قلما يقدم من سفر سافرهِ الاضحى، وكان يبدأ بالمسجد ليركع ركعتين ونهى النبي صلى الله عليه وسلم عن كلامى وكلام صاحبه ولم ينه عن كلام أحد من المتخلفين غيرنا. فاجتنب الناس كلامنا فلبثت كذلك حتى طال على الأمر وما من شيء أهم الي من أن أموت فلا يصلى على النبي صلى الله عليه وسلم، أو يموت رسول الله فأكون من الناس بعلك المنزلة فلا يكلمنى أحد منهم ولا يصلى على، فأنزل الله توبتنا على نبيه صلى الله عليه وسلم حين بقى الثلث الآخر من الليل ورسول الله صلى الله عليه وسلم عند أم سلمة، وكانت أم سلمة محسنة لى شائى، معنية لى أمرى. فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ((يا أم سلمة، تيب على كعب)) قالت: أفلا أرسل اليه فأبشره؟ قال: ((إذا بحتكم الناس فيمنعونكم النوم سائر الليلة))، حتى اذا صلى رسول الله صلى الله عليه وسلم صلاة الفجر آذن بتوبة الله علينا، وكان اذا استبشر استنار وجهه حتى كأنه قطعة من القمر، وكنا أيها الثلاثة الذين خلفوا عن الأمر الذى قبل من هؤلاء الذين اعتذروا حين أنزل الله لنا التوبة. فلما ذكر الدين كذبوا رسول الله صلى الله عليه وسلم من المتخلفين واعتذروا بالباطل ذكروا بشرما ذكر به أحد، قال الله سبحانه: ﴿يَقْتَدِرُونَ إِلَيْكُمْ إِذَا رَجَعْتُمْ إِلَيْهِمْ فَلَ لَاتَقْتَدِرُوا لَنْ تُؤْمِنَ لَكُمْ قَدْ نَبَأْنَا اللَّهُ مِنْ أَنْخَابِكُمْ وَسَمِعَى اللَّهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُولُهُ﴾ الآية

[۹۳] ۲۸

ترجمہ: عبدالرحمن بن عبداللہ بن کعب بن مالک اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے اپنے والد حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے سنا کہ وہ فرماتے ہیں کہ وہ ان تین صحابہ میں سے تھے جن کی توبہ قبول کی گئی، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کسی بھی غزوہ میں جانے سے کبھی پیچھے نہیں رہے، مگر سوائے دو غزوات کے، ایک غزوہ عسره یعنی غزوہ تبوک اور دوسرا غزوہ بدر۔

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ (جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ تبوک سے واپسی پر مدینہ تشریف لائے) تو چاشت کے وقت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے (بہانہ کرنے کے بجائے) سچ کہنے کا ہنڈیہ ارادہ کر چکا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ جب بھی سفر سے واپس تشریف لاتے تو اکثر چاشت کے وقت تشریف لایا کرتے تھے، اور پہلے مسجد تشریف لے جاتے اور دو رکعت نماز ادا کرتے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو میرے اور میرے دونوں ساتھیوں کے ساتھ بات کرنے سے روک دیا تھا، مگر ہمارے دوسرے رہ جانے والوں سے بات کرنے سے نہیں روکا تھا، چنانچہ لوگ ہم تینوں سے بات کرنے سے اجتناب کرتے (اور ہم سے الگ رہتے)، میں اسی حالت میں ٹھہرا رہا یہاں تک کہ معاملہ طویل ہو گیا اور مجھے اس بات کا بہت غم تھا کہ کہیں میں اسی حال میں مرنہ جاؤں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مجھ پر نماز جنازہ بھی نہ پڑھیں

۲۸ وفی صحیح مسلم، کتاب صلاة المسافرين وقصرها، باب استحباب الركعتين في المسجد لمن قدم من سفر اول قدمه، رقم: ۷۱۶، وکتاب العویة، باب حدیث توبۃ کعب بن مالک وصاحبہ، رقم: ۲۷۶۹، وسنن ابی داؤد، کتاب الطلاق، باب فيما عني به الطلاق والنيات، رقم: ۲۲۰۲، وکتاب الجهاد، باب فی ای یوم يستحب السفر، رقم: ۲۶۰۰۵، وباب الماکر فی الحرب، رقم: ۲۶۳۷، وسنن النسائی، کتاب المساجد، الرخصة فی الجلوس فیہ والخروج منه بغير صلاة، رقم: ۷۳۱، وکتاب الطلاق، باب الحلی باهلک، رقم: ۳۳۲۲، ۳۳۲۳، ۳۳۲۴، ۳۳۲۵، ۳۳۲۶، وکتاب الايمان والندوة، اذا نذرتم اسلم قبل ان یفتی، رقم: ۳۸۲۳، ۳۸۲۴، ۳۸۲۵، ۳۸۲۶، وسنن ابن ماجه، کتاب القامة الصلاة والسنة فیها، باب ما جاء فی الصلاة والمسجدة عند الشکر، رقم: ۱۳۹۳، ومسند احمد، مسند المکین، بقية حدیث کعب بن مالک الأنصاری، رقم: ۱۵۷۷۰، ۱۵۷۷۱، ۱۵۷۷۲، ۱۵۷۷۳، ۱۵۷۷۴، ۱۵۷۷۵، ۱۵۷۷۶، ۱۵۷۷۷، ۱۵۷۷۸، ۱۵۷۷۹، والمطلوع المسند رک من مسند الأنصار بقية خامس عشر الأنصار، حدیث کعب بن مالک، رقم: ۲۷۱۷۰، ۲۷۱۷۱، ۲۷۱۷۲، ۲۷۱۷۳، ۲۷۱۷۴، ۲۷۱۷۵، ۲۷۱۷۶، ۲۷۱۷۷، ۲۷۱۷۸، وسنن الدارمی، کتاب الصلاة، باب فی صلاة الرجل اذا قدم من سفره، رقم: ۱۵۶۱، ومن کتاب السير، باب فی الخروج بالی العنسی، رقم: ۲۳۸۰، وباب فی الحرب محدمة، رقم: ۲۳۹۳

گے، یا خدا انخواستہ خود رسول اللہ ﷺ ہی اس دنیا سے سے رحلت نہ فرما جائیں، تو پھر سب کا ہمارے ساتھ ایسا ہی برتاؤ رہے، اور لوگ نہ ہمارے ساتھ کلام کریں اور نہ ہی نماز جنازہ پڑھیں۔

آخر (پچاس دن کے بعد) اللہ تعالیٰ کی طرف سے، جب راتِ ثانیہ آخری تہائی حصہ باقی تھا تو رسول اللہ ﷺ کے پاس ہماری توبہ (کی قبولیت) کی وحی نازل کی گئی، اس وقت رسول اللہ ﷺ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے یہاں تھے، اور ام سلمہ رضی اللہ عنہا میرے اس معاملے میں میری محسنہ اور میری مدد کرنے والی تھیں (یعنی وہ ہماری بہت سفارش کیا کرتی تھیں)۔

رسول اللہ ﷺ نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ اے ام سلمہ! کعب کی توبہ قبول ہو گئی ہے۔ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ میں ان کے پاس کسی کو بھیجنا دوں جو جا کر انہیں یہ خوشخبری سنا دے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ (یہ خبر سنتے ہی) اس وقت سب لوگ جمع ہو جائیں گے، پھر تم کو تمام رات سونا نصیب نہ ہوگا۔ چنانچہ جب صبح کی نماز سے فارغ ہونے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ہماری توبہ کے قبول ہونے کا اعلان فرمایا، آپ ﷺ کا چہرہ مبارک خوشی سے چمک رہا تھا گویا چاند کو کلزا ہو، اور ہر خوشی کے وقت آپ ﷺ کا چہرہ اسی طرح چمکنے لگتا تھا۔ ہم تینوں آدمی تھے جن کا معاملہ مؤخر کر دیا گیا تھا، ان تمام لوگوں (منافقوں) سے جنہوں نے بہانے بنائے تھے اور ان کی بات کو قبول بھی کر لیا گیا تھا۔

جب اللہ نے ہماری توبہ کے قبول ہونے کی وحی نازل فرمائی، اس وقت ان لوگوں کا ذکر کیا گیا، جو پیچھے رہ گئے تھے، اور رسول اللہ ﷺ سے جھوٹب ولا اور سراسر جھوٹی معذرتیں پیش کیں، اللہ تعالیٰ نے ان سب کیلئے ایسا برا بھلا کہا کہ کسی کیلئے ایسے نہیں کہا، اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا فرمان ہے کہ ﴿تَعْلِيْرُونَ اِلَيْكُمْ اِذَا رَجَعْتُمْ اِلَيْهِمْ لَنْ لَا تَعْلِيْرُوْا لَنْ تُؤْمِنَ لَكُمْ لَدُنَّا اِنَّ مِنْ اٰخِيَارِكُمْ وَاَسْوَىٰ اِنَّ اِلٰهَ عَمَلِكُمْ وَرَسُوْلُكُمُ﴾۔

تشریح

وَعَلَى الْفَلَاةِ الدِّينِ عُلْفُوا -

یہ تین شخص حضرت کعب بن مالک، حضرت ہلال بن امیہ اور حضرت مرارہ بن الربیع ﷺ ہیں، جو باوجود مؤمن مخلص ہونے کے محض تن آسانی اور سہل انگاری کے بنا پر بدون عذر شرعی کے غزوہ تبوک میں شرکت سے محروم رہے۔

جب حضور اقدس ﷺ واپس تشریف لائے تو نہ انہوں نے منافقین کی طرح جھوٹے عذر پیش کئے اور نہ بعض صحابہ کرام ﷺ کی طرح اپنے دوستوں سے باندھا، جو واقعہ تھا صاف صاف عرض کر دیا اور اپنی کوتاہی و تقصیر کا

اعتراف کیا۔

نتیجہ یہ ہوا کہ منافقین کی طرف سے بظاہر اغماض کر کے ان کے بواطن کو خدا کے سپرد کر دیا گیا، ”اصحاب سواری“ یعنی جو مسجد کے ستونوں سے بندھے ہوئے تھے، ان کی توبہ قبول کر لی گئی۔

لیکن ان تینوں حضرات کعب بن مالک، ہلال بن امیہ اور مرارہ بن الربیع رضی اللہ عنہم کا فیصلہ تا دیا کچھ مدت کیلئے ملتوی رکھا گیا، پچاس دن گزرنے کے بعد ان کی توبہ قبول ہوئی۔

پچھے رہ جانے کا یہ مطلب ہے جیسا کہ خود کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے منقول ہے۔

(۱۹) باب: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ﴾ [۱۱۹]

باب: ”اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو، اور سچے لوگوں کے ساتھ رہا کرو“۔

۴۶۷۸۔ حدثنا يحيى بن بكير: حدثنا الليث، عن عقيل، عن ابن شهاب، عن عبد الرحمن بن عبد الله بن كعب بن مالك أن عبد الله بن كعب بن مالك وكان قائد كعب بن مالك قال: سمعت كعب بن مالك يحدث حين تخلف عن قصة تبوك: فوالله ما أعلم أحدا أبلاه الله في صدق الحديث أحسن مما أبلاني، ما تعدت منذ ذكرت ذلك لرسول الله ﷺ إلى يومى هذا كذبا، وأنزل الله عز وجل على رسوله ﷺ ﴿لَقَدْ تَابَ اللَّهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهَاجِرِينَ﴾ إلى قوله: ﴿وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ﴾ [۱۱۹-۱۱۷].

ترجمہ: ابن شہاب رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ عبد الرحمن بن عبد اللہ بن کعب بن مالک (حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کے پوتے) روایت کرتے ہیں کہ عبد اللہ بن کعب بن مالک، یہ عبد اللہ وہی ہیں جو حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کے نابینا ہونے کے بعد انکو اپنے ساتھ لے کر چلتے تھے، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے (اپنے والد) حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے سنا کہ، انہوں نے غزوہ تبوک سے اپنے پیچھے رہ جانے کے واقعہ کو بیان کرتے ہوئے کہا کہ اللہ کی قسم! شاید اللہ تعالیٰ نے کسی پر سچ بولنے کے صلہ میں اتنا بڑا انعام نہ کیا ہو، جتنا مجھ پر عنایت فرمایا ہے، جب سے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے غزوہ تبوک سے پیچھے رہ جانے کا ٹھیک ٹھاک سبب بیان کر دیا ہے، تب سے لے کر آج تک جھوٹ بولنے کا قصد بھی نہیں کیا ہے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ پر یہ آیت ﴿لَقَدْ تَابَ اللَّهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهَاجِرِينَ﴾ سے لیکر ﴿وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ﴾ تک نازل فرمائی۔

سچائی میں برکت اور جھوٹ میں نحوست

”وكان قائد كعب بن مالك“ عبد اللہ بن كعب بن مالك نے بیان کیا اور یہ عبد اللہ اپنے والد حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے کر چلتے تھے، جب آخری عمر میں وہ نابینا ہو گئے تھے۔۔

عبد اللہ بن کعب کا بیان ہے کہ میں نے کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے سنا غزوہ تبوک میں اپنی غیر حاضری کا قصہ بیان کر رہے تھے، فرمایا خدا کی قسم! سچ بولنے کا جتنا عمدہ پھل اللہ ﷻ نے مجھے دیا کسی اور کو دینا میرے علم میں نہیں جب سے میں نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے اس بارے میں سچی بات کہی تھی اس وقت سے آج تک میں نے کبھی جھوٹ کا ارادہ تک نہیں کیا۔

اور اللہ ﷻ نے اپنے رسول ﷺ پر یہ آیت نازل کی تھی ﴿لَقَدْ تَابَ اللَّهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهَاجِرِينَ﴾ بے شک اللہ نے نبی پر اور مہاجرین و انصار پر رحمت کے ساتھ توجہ فرمائی کہ ان کی اس سچائی کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے ان کی نہ صرف توبہ قبول فرمائی، بلکہ سچے لوگوں کی حیثیت سے قیامت تک کیلئے ان کا تذکرہ قرآن کریم میں زندہ جاوید کر دیا گیا۔

اس آیت میں یہ تعلیم بھی ہے کہ انسان کو اپنی صحبت سچے لوگوں کے ساتھ رکھنی چاہئے، جو زبان کے بھی سچے ہوں اور عمل کے بھی سچے ہوں۔

(۲۰) باب قوله: ﴿لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنْفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ﴾

[۱۲۸]

اس ارشاد کا بیان: ”(لوگو!) تمہارے پاس ایک ایسا رسول آیا ہے جو تمہی میں سے ہے، جس کو تمہاری ہر تکلیف بہت گراں معلوم ہوتی ہے۔“

رسول اللہ ﷺ کی ذات؛ ہر ایک کیلئے رحمت

اس آیت میں رسول اللہ ﷺ کا پوری خلق خدا خصوصاً مسلمانوں پر بے حد مہربان و شفیق ہونا بیان فرمایا ہے۔ سورہ توبہ کے آخر میں یہ مضمون اس لئے لانا مناسب ہوا کہ اس پوری سورت میں کفار سے براءت، قطع

تعلق، قتال و جہاد کا ذکر تھا جو دعوت الی اللہ کی آخری صورت ہے جبکہ زبانی دعوت و تبلیغ سے اصلاح کی توقع نہ رہے، لیکن اصل کام انبیاء علیہم السلام کا یہی ہے کہ شفقت و رحمت اور ہمدردی و خیر خواہی کے جذبے سے خلق خدا کو خدا کی طرف آنے کی دعوت دیں، اور ان کی طرف سے اعراض یا کوئی تکلیف پیش آئے تو اس کو اللہ کے سپرد کر دیں اس پر توکل کریں، کیونکہ وہ رب العرش العظیم ہے۔ ۲۹

من الرأفة .

ترجمہ الباب میں بیان کی گئی آیت میں لفظ ”رؤف“ مشتق ہے ”الرأفة“ سے جسکے معنی ہیں مہربانی اور شفقت کے ہیں۔

۴۶۷۹ - حدثنا أبو الیمان: أخبرنا شعيب، عن الزهري قال: أخبرني ابن السبائي:

أن زيد بن ثابت الأنصاري رضي الله عنه وكان ممن يكتب الوحي قال: أرسل الي أبو بكر مقتل أهل اليمامة وعنده عمر فقال أبو بكر: ان عمر أتاني فقال: ان القتل قد استعمر يوم القيامة بالناس، والى أخشى أن يستعمر القتل بالقراء في المواطن فيذهب كثير من القرآن الا أن تجمعه. والى لأرى أن تجمع القرآن، قال أبو بكر: قلت لعمر: كيف أعمل شيئا لم يفعله رسول الله ﷺ? فقال عمر: هو والله خير، فلم يزل عمر يراجعني فيه حتى شرح الله لذلك صدري ورأيت الذي رأى عمر. قال زيد بن ثابت: وعمر عنده جالس لا يكلم، فقال أبو بكر: انك رجل شاب عاقل ولا تفهمك، كنت تكتب الوحي لرسول الله ﷺ فتجمع القرآن فاجمعه. فوالله لو كلفني نقل جبل من الجبال ما كان أثقل علي مما أمرني به من جمع القرآن. قلت: كيف تفعلان شيئا لم يفعله النبي ﷺ? فقال أبو بكر: هو والله خير، فلم أزل أراجع حتى شرح الله صدري للذي شرح الله له صدر أبي بكر وعمر. فقلت فتبعتم القرآن أجمعه من الرقاع والأكتاف والعسف وصدور الرجال حتى وجدت من سورة التوبة آيتين مع غزيمة الأنصاري لم أجدهما مع أحد غيره ﴿لَقَدْ جَاءكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ﴾ إلى آخرها. وكانت الصحف التي جمع فيها القرآن عند أبي بكر حتى توفاه الله، ثم عند عمر حتى توفاه الله، ثم عند حفصة بنت عمر.

تابعه عثمان بن عمر، والليث، عن يونس، عن ابن شهاب.

وقال الليث: حدثني عبد الرحمن بن خالد، عن ابن شهاب وقال: مع أبي غزيمة

الانصاری وقال موسى، عن ابراهيم: حدثنا ابن شهاب: مع ابي خزيمه. ونابعه يعقوب بن ابراهيم عن ابيه. وقال ابونايت: حدثنا ابراهيم، وقال: مع خزيمه، او ابي خزيمه. [راجع: ۲۸۰۷]

ترجمہ: حضرت زید بن انصاری رضی اللہ عنہ جو کاتب وحی تھے، انہوں نے بیان کیا کہ ان یمامہ کی جنگ کے بعد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مجھ کو بلا بھیجا، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی ان کے پاس موجود تھے، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ عمر میرے پاس آئے اور کہا کہ جنگ یمامہ میں مسلمانوں کا فی تعداد میں شہید ہوئے ہیں (جن میں قرآن کے حافظ صحابہ بڑی تعداد میں تھے) اور مجھے اندیشہ ہے کہ مختلف مقامات میں بھی کفار کے ساتھ جنگ میں قرآن کے حافظ شہید ہوں گے، پھر قرآن مجید کا بہت سا حصہ ضائع ہو جائے گا، اس لئے آپ قرآن مجید کو ایک جگہ جمع کرادیں (تا کہ قرآن محفوظ ہو جائے) اور میرا خیال یہ ہے کہ آپ قرآن جمع کرادیں۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرماتے ہیں کہ اس پر میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ میں ایسا کام کس طرح کر سکتا ہوں جو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا تھا؟ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا اللہ کی قسم! یہ تو محض نیک کام ہے، چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس معاملہ میں بار بار مجھ سے گفتگو کرتے رہے، آخر کار اللہ جل جلالہ نے اس کام کے لئے مجھے بھی شرح صدر عطا فرمایا اور میری بھی رائے وہی ہو گئی جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تھی۔

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ وہیں پر خاموشی کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔ پھر ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا تم جوان اور سمجھ دار آدمی ہو اور نہ ہمیں تم پر کسی قسم کا جھوٹ اور بھول کا شبہ ہے اور تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی بھی لکھا کرتے تھے اس لئے تم ہی قرآن مجید کو متفرق مخطوطات سے تلاش کر کے اسے جمع کر دو۔

(حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ) اللہ کی قسم! اگر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ مجھے کسی پہاڑ کو اٹھا کر لے جانے کے متعلق کہتے تو یہ میرے لئے اتنا گراں نہیں تھا جتنا قرآن کی ترتیب و جمع کا حکم مجھ پر گراں تھا۔ پھر میں (یعنی حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ) نے عرض کیا کہ آپ دونوں حضرات یعنی ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما ایسا کام کرنے پر کس طرح آمادہ ہو گئے جسے خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا تھا؟ تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا اللہ کی قسم! یہ تو ایک نیک کام ہے۔

پھر میں ان سے اس مسئلہ پر گفتگو کرتا رہا یہاں تک کہ اللہ جل جلالہ نے مجھے بھی شرح صدر فرمایا جس طرح حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کو شرح صدر فرمایا تھا۔

چنانچہ میں اٹھا اور میں نے کھال، ہڈی اور کھجور کی شاخوں سے قرآن کو جمع کرنا شروع کیا، اور دوسرے لوگوں کے حافظہ سے بھی مدد لی، یہاں تک کہ سورہ توبہ کی دو آیتیں حضرت خزیمہ انصاری رضی اللہ عنہ کے پاس مجھے ملیں، جو ان کے علاوہ کسی کے پاس مجھے نہیں ملی تھیں (وہ آیتیں یہ تھیں)، ﴿لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ﴾

عَزِيزًا عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ ﴿سورة کے آخر تک۔

پھر وہ مصحف جس میں قرآن مجید جمع کیا گیا تھا حضرت ابو بکر صدیق ؓ کے پاس رہا، یہاں کہ اللہ نے آپ کو وفات دے دی، پھر حضرت عمر ؓ کے پاس محفوظ رہا، یہاں کہ اللہ نے ان کو وفات دے دی، پھر اس کے بعد ام المؤمنین حضرت حفصہ بنت عمر رضی اللہ عنہا کے پاس محفوظ رہا۔

اس روایت میں شعیب کی متابعت عثمان بن عمرو اور لیث بن سعد نے کی، ان دونوں بھی یونس سے روایت کی اور انہوں ابن شہاب زہری سے۔

لیث بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے عبدالرحمن نے حدیث بیان کی اور انہوں نے ابن شہاب سے روایت نقل کی، اور کہتے ہیں سورة التوبہ کی آخری دو آیات ابو خزیمہ انصاری ؓ کے پاس تھیں، (نہ کہ خزیمہ انصاری ؓ کے پاس)۔ اور موسیٰ بن اسماعیل نے ابراہیم سے روایت کی، ہم سے ابن شہاب نے روایت بیان کی کہ ابو خزیمہ انصاری ؓ کے پاس تھیں۔ اور ان کی متابعت یعقوب بن ابراہیم نے بھی کی ہے، اپنے والد سے روایت کرتے ہوئے۔ اور ابو ثابت کہتے ہیں کہ ہم سے ابراہیم نے روایت بیان کی اور خزیمہ ؓ یا ابو خزیمہ ؓ کہا (یعنی شک کے ساتھ)۔

(۱۰) سورۃ یونس

سورۃ یونس کا بیان

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وجہ التسمیہ

یہ سورت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی تھی، البتہ بعض مفسرین نے اس کی تین آیتوں کے بارے میں یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ وہ مدینہ منورہ میں نازل ہوئی تھیں۔ لیکن اس کا کوئی یقینی ثبوت موجود نہیں ہے۔ سورت کا نام حضرت یونس علیہ السلام کے نام پر رکھا گیا ہے جن کا ذکر اس آیت میں ہے ﴿فَلَوْلَا كُنَّاَتْ لِقٰۤیَةِ رَبِّكَ اَمَّا نْتَ فَنَنْفَعُهَا اِیْمَانُهَا اِلَّا قَوْمٌ یُّوْنُسُ﴾ [۹۸: ۶۱]۔

سورت کا مرکزی مضمون

ہجرت سے پہلے مکہ مکرمہ میں سب سے اہم مسئلہ اسلام کے بنیادی عقائد کو ثابت کرنا تھا، اس لئے اکثر کئی سورتوں میں بنیادی زور توحید، رسالت اور آخرت کے مضامین پر دیا گیا ہے۔ اس سورت کے بھی مرکزی موضوعات یہی ہیں۔

اس کے ساتھ اسلام پر مشرکین عرب کے اعتراضات کے جواب دیئے گئے ہیں اور ان کے غلط طرز عمل کی مذمت کی گئی ہے اور انہیں تنبیہ کی گئی ہے کہ اگر انہوں نے اپنی ضد جاری رکھی تو دنیا اور آخرت دونوں میں ان پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے عذاب آسکتا ہے۔

اسی سلسلے میں پچھلے انبیاء کرام میں سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مخالفت کے نتیجے میں فرعون کے غرق ہونے کا واقعہ تفصیل کے ساتھ اور حضرت نوح اور حضرت یونس علیہما السلام کے واقعات اختصار کے ساتھ بیان فرمائے گئے ہیں۔ ان میں کافروں کیلئے تو یہ سبق ہے کہ انہوں نے پیغمبر کی مخالفت میں جو رویہ اختیار کیا ہوا ہے، اس کے نتیجے میں ان کا انجام بھی ایسا ہی ہو سکتا ہے۔

اور آنحضرت ﷺ اور مسلمانوں کیلئے یہ تسلی کا سامان بھی ہے کہ ان ساری مخالفتوں کے باوجود آخری انجام ان شاء اللہ انہی کے حق میں ہوگا۔

(۱) باب:

یہ باب بلا عنوان ہے۔

وقال ابن عباس: ﴿فَاخْتَلَطَ﴾ [۲۳]: فنبت بالماء من كل لون. و﴿قَالُوا اتَّخَذَ اللَّهُ وَلَدًا سُبْحَانَهُ هُوَ الْغَنِيُّ﴾ [۶۸]. وقال زيد بن اسلم ﴿أَنْ لَهُمْ لَدَمْ صِدْقٍ﴾ [۲] محمد ﷺ. وقال مجاهد: خير. يقال: ﴿بَلَكَ آثَاكَ﴾، بمعنى هذه أعلام القرآن. ومثله ﴿حَتَّىٰ إِذَا كُنْتُمْ فِي الْفُلِكِ وَجَرَبَتنَ بِهِنْمَ﴾ [۲۲] المعنى: بكم. ﴿دَعْوَاهُمْ﴾ [۱۰]: دعاؤهم. ﴿أَجِنَطُ بِهِنْمَ﴾ [۲۳]: دلو من الهلكة، ﴿أَخَاطُكُ بِهِ عَطِيتُنَّةُ﴾ [البقرة: ۸۱]. ﴿فَاتَّبَعْتَهُمْ﴾ واتبعهم واحد. ﴿عَدُوا﴾ [۹۰]: من العدوان. وقال مجاهد: ﴿وَلَوْ يُعْجِلُ اللَّهُ لِلنَّاسِ الشَّرَّ اسْتَعْجَلَهُمْ بِالْخَيْرِ﴾. قول الإنسان لولده وماله إذا غضب: اللَّهُمَّ لَا تَبَارِكْ لِيهِ وَالْعَنَةُ. ﴿لَقَدْ بَيَّسَ إِلَيْهِمْ أَجْلَهُمْ﴾ [۱۱]: لأهلك من دعى عليه ولأمانة. ﴿لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا الْحُسْنَىٰ﴾ به مثلها حسنى. ﴿وَزِيَادَةٌ﴾ [۲۶]: غفرة ورضوان. وقال غيره: النظرالى وجهه. ﴿الْكِبْرِيَاءُ﴾ [۷۸]: الملك.

ترجمہ و تشریح

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما "فَاخْتَلَطَ" کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ بارش کے بعد زمین پر اگنے والے ہر قسم کے بیزہ اور ہریالی مراد ہے یہاں پر۔

﴿قَالُوا اتَّخَذَ اللَّهُ وَلَدًا سُبْحَانَهُ هُوَ الْغَنِيُّ﴾

ترجمہ: (کچھ) لوگوں نے کہہ دیا کہ اللہ اولاد رکھتا ہے۔

پاک ہے اُس کی ذات! وہ ہر چیز سے پاک ہے۔

آیت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بیوی بچوں سے پاک ہے، ساری کائنات اسکی مخلوق و مملوک ہے۔ حضرت زید بن اسلم رحمہ اللہ نے ﴿أَنْ لَهُمْ لَدَمْ صِدْقٍ﴾ کی تفسیر کی ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ تشریف لائے ہیں یعنی اللہ ﷻ نے ان کو نبوت و رسالت سے نوازا ہے۔ اور حضرت مجاہد رحمہ اللہ نے اس کی یہ تفسیر بیان

کی ہے کہ ”غصیر“ سے مراد ہے بھلائی، نیک عمل ہے۔

جبکہ عام مفسرین نے اس کی تفسیر یوں کی ہے کہ ”قدم صدق“ کے معنی ہے سچائی کا مقام یعنی وہ لوگ جو ایمان لائیں گے اور عمل صالح کریں گے ان کو اللہ ﷻ اچھا مقام عطا فرمائیں گے۔

کہا گیا ہے کہ ”بَلِّغْ آيَاتِكَ“ کے معنی یہ ہے کہ یہ قرآن مجید کی نشانیاں ہیں۔

اس بات کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ یہاں پر ”تَلْكَ“ جو غائب کی طرف اشارہ کرنے کیلئے

بیان ہوتا ہے یہاں پر موجود کیلئے استعمال ہو رہا ہے۔ جیسے کہ اس آیت میں ہے کہ ۔

﴿حَتَّىٰ إِذَا كُنْتُمْ لِيَ الْفَلَكَ وَجْرَيْنَٰ ۖ يٰٓأَيُّهَا ۙ﴾

ترجمہ: یہاں تک کہ جب تک کشتیوں سوار ہوتے ہو، اور یہ

کشتیاں تم لوگوں کو لے کر چلتی ہیں۔

یہاں پر ”يٰٓأَيُّهَا“ یعنی غائب کی ضمیر، ”ہکم“ حاضر کیلئے استعمال ہوئی ہے۔

”ذَهَوَا هُمْ“ کا معنی ہیں ان کی دعائیں، ان کی پکار۔

”أُحْبِطُ يٰٓأَيُّهَا“ ان کو بڑی طرح گھیر لیا، یہ بمعنی ”دَنَا مِنَ الْهَلَاكَةِ“ یعنی ہلاکت و بربادی کے قریب

پہنچے، جیسا سورۃ البقرہ کی آیت میں ہے کہ

﴿أَحَاطَتْ بِهٖ خُوطِبَتُنَا﴾

ترجمہ: اور انکے گناہ انہیں (ہر طرف سے) گھیر لیتے ہیں۔

”فَاتَّبَعَهُمْ“ کے معنی ہیں کہ وہ ان کے پیچھے چلا۔

”عَدُوا“ کے معنی ہیں ظلم اور زیادتی کے۔

حضرت مجاہد رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ﴿وَلَوْ يُعَجِّلُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ الشَّرَّ اسْتَفْعَالَهُمْ بِالْغَيْرِ﴾ سے مراد

یہ ہے کہ انسان غصہ میں اپنی اولاد اور مال کو کوستا ہے کہ اے اللہ اس میں برکت نہ کر اور اس کو اپنی رحمت سے دور کر دے، یعنی اس پر لعنت فرما۔

﴿لَقِيسَىٰ إِلَيْهِمْ أَجْلُهُمْ﴾ اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ ﷻ شر کو بھی اتنا جلد لے آیا کریں جیسا کہ وہ

خیر کی طلب بھی جلدی کرتا ہے، تو پھر سب ہی کا کام تمام ہو جائے۔

اس کا شان نزول یہ ہے کہ ابو جہل نے کہا تھا کہ آپ سچے ہیں تو کیوں نہ ہمارے اوپر آسمان سے پتھر

برسیں اور ہمیں سخت عذاب میں ڈالا جائے۔ اس بات پر یہ آیت نازل ہوئی تھی کہ اگر ان کی مرضی کے موافق جیسا

کہ خیر طلب کی جائے اور اللہ تعالیٰ جلدی خیر عطا فرمادے تھے ہیں اگر شر کو طلب کرنے پر اس کو بھی ایسی ہی جلد پورا

کر دیا جائے تو پھر سب ہی کا کام تمام ہو جائے۔

تو یہ آیت کفار کے استعجاب عذاب کے بارے میں نازل ہوئی تھی، لیکن اس عموم کے اندر یہ بات بھی داخل ہے کہ کوئی شخص بعض اوقات غصہ میں اپنے اولاد کے بارے میں بددعا دے دیتا ہے۔ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص اپنی جہالت کی وجہ سے ایسا کر دے یعنی اپنی اولاد کے بارے میں بددعا دیدے، تو اللہ ﷻ فوراً دعا کو قبول نہیں کرتے، کیونکہ اگر اس بددعا کو قبول کر لیں تو سب کا کام تمام ہو جائے، تو یہ بھی عموم میں داخل ہے۔

﴿لِّلَّذِينَ أَحْسَنُوا الْخُسْفَىٰ﴾ مراد یہ ہے کہ جنہوں نے بھلائی کے کام کئے ان کیلئے بدلے میں بھی بھلائی (جنت) ہے۔

اور آگے اسی آیت میں ”وَزِيَادَةٌ“ کے بارے میں حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس مطلب یہ ہے کہ مغفرت اور رضامندی ہے۔ انکے علاوہ یعنی حضرت ابوقحافة رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ”وَزِيَادَةٌ“ کے سے مراد اللہ ﷻ کا دیدار ہے، زیارت ہے۔

”الْكِبْرِيَاءُ“ سے مراد بندگی اور بادشاہت ہے۔

(۲) باب: ﴿وَجَاوَزْنَا بِبَنِي إِسْرَائِيلَ الْبَحْرَ فَأَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ وَجُنُودُهُ بَغْيًا وَعَدُوًّا حَتَّىٰ إِذَا أَدْرَكَهُ الْفَرَقُ قَالَ آمَنْتُ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا الَّذِي آمَنْتُ بِهِ بَنُو إِسْرَائِيلَ وَأَنَا مِنَ الْمُسْلِمِينَ﴾ [۹۰]

باب: ”اور ہم نے بنو اسرائیل کو سمندر پار کر دیا، تو فرعون اور اُس کے لشکر نے بھی ظلم اور زیادتی کی نیت سے اُن کا پیچھا کیا، یہاں تک کہ جب ڈوبنے کا انجام اُس کے سر پر آ پہنچا تو کہنے لگا: میں مان گیا کہ جس خدا پر بنو اسرائیل ایمان لائے ہیں، اُس کے سوا کوئی معبود نہیں، اور میں بھی فرماں برداروں میں شامل ہوتا ہوں۔“

﴿نُجْبِك﴾ کی تفسیر اور اس میں اقوال

﴿نُجْبِك﴾: للقبك على نجوة من الأرض، وهو النشز، المكان المرتفع.

”نُجْبِك“ ہم تم کو نجات دیں گے، اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم تجھ کو زمین کے بلند حصے پر ڈالیں گے، ”نجوة“ ٹیلہ کو یاد دہنے، بلند مقام کو کہتے ہیں۔

یہاں پر بعض حضرات نے اس کی تفسیر یہ کی ہے کہ ”نَجْوٰی“ نجات سے نہیں نکلا بلکہ ”نَجْوٰی“ سے نکلا ہے ”نَجْوٰی“ بلند مقام کو کہتے ہیں، کوئی ٹیلہ وغیرہ تو معنی یہ ہوئے کہ ہم تمہاری لاش کو ٹیلے پر، یا زمین کے کسی ایسے حصے پر اونچا اور نمایاں جگہ پر لیجا کر رکھ دیں گے، تاکہ تم اپنے آنے والوں کیلئے نشانہ عبرت بن جاؤ۔ بظاہر یہ تفسیر جو کی گئی ہے کہ ”نَجْوٰی“ مراد ہے، اس کی وجہ یہ تھی کہ یہ سمجھنا ذرا مشکل ہو رہا تھا کہ فرعون کا بدن کیسے محفوظ رہے گا۔ تو اس واسطے شاید یہ تفسیر کی گئی ہو۔

چنانچہ بعض روایتیں اسکے اندر یہ بھی مذکور ہیں اگرچہ اسرائیلی روایتیں ہیں، ہوا یہ تھا کہ جب فرعون غرق ہو گیا تو بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ عليه السلام سے کہا کہ ہمارا تو نہیں خیال کہ وہ غرق ہوا ہو، ہمارا خیال ہے کہ وہ کہیں چھپ چھپا گیا اور پھر کسی وقت نکل آئے گا۔ اس قسم کی باتیں بنی اسرائیل نے کرنی شروع کر دیں۔ اسکے جواب میں اللہ جل جلالہ نے یہ کیا کہ فرعون کی لاش اوپر آگئی، تو اس وقت بنی اسرائیل نے دیکھا کہ واقعی غرق ہو گیا۔ تو ”نَجْوٰی“ کے معنی ہے اللہ جل جلالہ نے اس کو اوپر کر دیا۔

اس روایت میں یہ بھی ہے کہ لاش کا اوپر آ جانا یہ فرعون سے ہی شروع ہوا یعنی اس سے پہلے اگر کوئی سمندر میں یا دریا میں مرجائے تو اس کی لاش اوپر نہیں آتی تھی اور فرعون کی لاش پہلی مرتبہ اوپر لائی گئی اور اس کے بعد ساری لاشیں اوپر آنی شروع ہو گئیں اور یہ روایت کچھ ایسی ویسی ہی لگتی ہے، لیکن بہر حال تفسیر کی کتابوں میں یہ روایت بھی لکھی ہوئی ہے۔

لیکن بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت جن حضرات نے تفسیر یہ کی تھی کہ معنی یہ ہے کہ اللہ جل جلالہ ان کے بدن کو بعد میں آنے والوں کیلئے سالم رکھیں گے۔ اس وقت مفسرین نے جنہوں نے یہی تفسیر کی تھی ان کو پتہ بھی نہیں تھا کہ ان کا بدن کہیں ہے بھی یا نہیں۔ بعد میں اللہ جل جلالہ نے دکھلا دیا، آج ساری دنیا فرعون کی لاش دیکھ رہی ہے، جو آج تک محفوظ ہے اور قاہرہ کے عجائب گھر میں محفوظ رکھی ہوئی ہے۔

فرعون کی لاش دیکھنا کیسا ہے؟

میں سب سے پہلے جب ۱۹۷۷ء/۱۹۷۷ء میں قاہرہ گیا تھا تو اس وقت وہ عجائب گھر جا کے دیکھا تھا، اس وقت وہ فرعون جو حضرت موسیٰ عليه السلام کے زمانے کا فرعون مشہور ہے، اسکی لاش مرمت کیلئے پیرس گئی ہوئی تھی، اس وقت تو دیکھنے کا موقع نہیں ملا تھا لیکن اور فراعنہ کی لاشیں تھی اور ان فراعنہ میں جو ان کی خواتین تھی ان کے بالوں کی مینڈھیاں تک صحیح سالم ہے۔ بعد میں جب گیا تو اس فرعون کی لاش دیکھنے کا بھی موقع ملا، تو دیکھا کہ نشانِ عبرت پڑا ہوا ہے کالا چہرہ، اور منہ کھلا ہوا ہے، تو قصہ مختصر اس کی لاش اب بھی موجود ہے۔

کسی وقت پہنچ نہیں تھا کہ فرعون کی لاش ہوگی، اب تو اللہ ﷻ نے اسکو یوں نشان عبرت بنا کر رکھا ہے۔ لیکن یہ بھی بس ایک گمان ہے، کیونکہ اس سلسلے میں دو روایتیں ہیں، ایک یہ کہ جو حضرت موسیٰ ﷺ کے زمانے کا فرعون تھا اس کا نام رامیس تھا، اور وہ یہی ہے جس کی لاش پہلے موجود نہیں تھی بعد میں دریافت ہوئی۔ دوسری روایت میں یہ ذکر ہے کہ اس فرعون کا نام منفتح تھا۔ بہر حال اب منفتح کی لاش بھی محفوظ ہے اور رامیس کی لاش بھی محفوظ ہے۔

اصل میں فراعنہ کے ہاں یہ دستور تھا کہ جب کوئی فرعون مرتا تھا تو اسکی لاش کو تابوت میں بند کر کے رکھتے تھے اور اس کے اوپر مصالحے وغیرہ لگایا کرتے تھے جس سے جسم محفوظ رہتا تھا اور اس کے ساتھ اس کے زیورات سونا چاندی وغیرہ بھی اس میں رکھا کرتے تھے۔ یہ اہرام جو بنے ہوئے ہیں یعنی اہرام مصر تو ان کے اندر فراعنہ کی لاش رکھی جاتی تھی، اس لئے دیگر فراعنہ کی لاشیں تو پہلے سے تھیں۔

لیکن اس کی لاش بعد میں دریافت ہوئی ہے، یہ فرعون چونکہ سمندر میں غرق ہو گیا تھا تو اس واسطے اس کی لاش بظاہر محفوظ نہ رہتی لیکن اللہ ﷻ نے غیب سے ایسا سامان پیدا کیا اور اب سے ڈیڑھ، دو سو سال پہلے اس کی لاش ملی اور جس وقت ملی ہے تو باہر کے کسی ٹیلے سے ملی ہے اور جو آثار قدیمہ کے ماہرین ہیں انہوں نے علامات سے یہ تعین کیا کہ یہ وہی فرعون ہے۔ واللہ اعلم۔

اب اس کو قطعی یقینی تو نہیں کہہ سکتے لیکن آثار قدیمہ کے ماہرین کہتے ہیں کہ یہ وہی فرعون ہے۔

سوال: فرعون کے پاس جانا کیسا ہے جب کہ مواضع عذاب سے پرہیز کرنے کا حکم دیا گیا ہے؟

جواب: مواضع عذاب سے حتی الامکان جلدی نکلنا چاہئے، جیسا کہ نبی کریم ﷺ نکلے، البتہ جس کیلئے

قرآن نے خود کہا کہ ﴿لَتَكُونَنَّ لِمَنْ خَلَقَكَ آيَةً﴾ اگر عبرت کیلئے اس کو جا کر دیکھیں تو کوئی حرج نہیں۔

۴۶۸۰ - حدیثی محمد بن بشار: حدیثنا غندر: حدیثنا شعبہ، عن ابی بشر، عن

سعید بن جبیر، عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال: قدم النبی ﷺ المدینة والیہود تصوم

عاشوراء فقالوا: هذا یوم ظہر فیہ موسیٰ علی فرعون. فقال النبی ﷺ لأصحابہ: ((انعم احق

بموسى منهم لصوموا)). [راجع: ۲۰۰۴]

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ جب نبی کریم ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے تو

یہود عاشورہ کا روزہ رکھتے تھے، اور وہ لوگ کہتے تھے کہ یہ وہ دن ہے جس میں حضرت موسیٰ ﷺ کو فرعون پر غلبہ

حاصل ہوا۔ اس پر نبی کریم ﷺ نے اپنے اصحاب سے فرمایا کہ تم لوگ ان یہود سے زیادہ حضرت موسیٰ ﷺ کے

مستحق ہو، اس لئے تم بھی روزہ رکھو۔

(۱۱) سورۃ ہود

سورۃ ہود کا بیان

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سورت میں عذاب الہی کے واقعات

یہ سورت بھی مکی ہے اور اس کے مضامین پچھلی سورت کے مضامین سے ملتے جلتے ہیں، البتہ سورۃ یونس میں جن پیغمبروں کے واقعات اختصار کے ساتھ بیان ہوئے تھے، اس سورت میں انہیں تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ خاص طور پر حضرت نوح، حضرت ہود، حضرت صالح، حضرت شعیب اور حضرت لوط علیہم الصلوٰۃ والسلام کے واقعات زیادہ تفصیل سے انتہائی بلیغ اور مؤثر اسلوب میں بیان فرمائے گئے ہیں۔

بتانا یہ مقصود ہے کہ اللہ ﷻ کی نافرمانی بڑی بڑی زور آور قوموں کو تباہ کر چکی ہے، اور جب انسان اس نافرمانی کی وجہ سے اللہ ﷻ کے قہر اور عذاب کا مستحق ہو جائے تو چاہے وہ کتنے بڑے پیغمبر سے قریبی رشتہ رکھتا ہو، اُس کا یہ رشتہ اُسے عذاب الہی سے نہیں بچا سکتا، جیسا کہ حضرت نوح ﷺ کے بیٹے اور حضرت لوط ﷺ کی بیوی کو نہیں بچا سکا۔

اس سورت میں عذاب الہی کے واقعات اتنے مؤثر انداز میں بیان ہوئے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے سورۃ ہود اور اُس جیسی سورتوں نے بوڑھا کر دیا ہے یعنی ان سورتوں میں جو تنبیہ کی گئی ہے، اُس کی بنا پر آپ ﷺ کو اپنی امت کے بارے میں بھی یہ خوف لگا ہوا تھا کہ کہیں وہ بھی اپنی نافرمانی کی وجہ سے اسی طرح کے کسی عذاب کا شکار نہ ہو جائے۔ ۱

قال ابن عباس: ﴿عَصِيبٌ﴾ شدید ﴿لاجرم﴾ بلی وقال غیرہ: ﴿وَحَاقٌ﴾ نزل بحقیق ینزل ﴿یونس﴾ لعول من یسست.

۱۔ حدیث ابو کریب قال: حدیثنا معاویہ بن ہشام، عن سیمان، عن ابی اسحاق، عن حکرمہ، عن ابن عباس، قال: قال ابو

بکر: یا رسول اللہ قد ثبت، قال: ((صیبتی ہود، والواقعة، والمرسلات، وعم بماثلون، واذ الشمس کورت)). سنن

الترمذی، ابواب تفسیر القرآن، رقم: ۳۲۹۷، ج: ۵، ص: ۳۰۲

قال مجاهد: ﴿تَبْتَسُّ﴾ تحزن ﴿يَهْتُونَ ضُورَهُمْ﴾ شك وامترأة في الحق ﴿لَيْسَتْ خَلُوفًا مِنْهُ﴾ من الله ان استطاعوا. وقال أبو ميسرة: ﴿الْأَوَاةُ﴾: الرحيم بالحبشة. وقال ابن عباس: ﴿بَادِي الرَّايِ﴾ [۲۷]، ما ظهر لنا.

وقال مجاهد: ﴿الْجُودِيَّ﴾ جبل بالجزيرة. وقال الحسن ﴿إِنَّكَ لَأَنْتَ الْجَلِيمُ﴾ [۸۷] يستهزون به.

وقال ابن عباس: ﴿الْقَلْبِيُّ﴾ [۳۲]: أمسكى. ﴿عَصِيبٌ﴾ [۷۷]: شديد.

﴿لَا جُورَ﴾ [۲۲]: بلى. ﴿وَلَا زَالَةَ النَّوْرِ﴾ [۳۰]: لبع الماء. وقال عكرمة: وجه الأرض.

ترجمہ و تشریح

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ”عَصِيبٌ“ بمعنی شدید سخت کے ہے۔ اور ”لَا جُورَ“ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ یہ ”بلی“ کے معنی ہے، یعنی کیوں نہیں، ضرور ایسا ہی ہے۔ بعض نے کہا ہے یعنی حضرت ابو عبیدہ رحمہ اللہ نے کہا کہ ”وَحَاقٌ - بِحَيْثُ“ بمعنی ”نزل - بنزل“ یعنی اتر پڑا، اتر پڑے گا۔

”يُوسُ“ فعول کے وزن پر ہے، اور یہ ”يُسْتُ“ سے ماخوذ ہے یعنی نا امید ہونا۔

”تَبْتَسُّ“ کے بارے میں حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ ”تحزن“ کے معنی میں ہے غمگین ہونا۔

”يَهْتُونَ ضُورَهُمْ“ سینوں کو ڈھرا کرتے ہیں، اس کے معنی ہیں کہ حق کے اندر شک کرتا۔

”لَيْسَتْ خَلُوفًا مِنْهُ“ اگر ممکن ہو تو اللہ ﷻ سے چھپالیں۔

یعنی جو تکلی اور مجامعت کے وقت حیا کرتے تھے تو ان کے متعلق پر یہ آیت نازل ہوئی تھی۔

حضرت ابو ميسرة رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ”الْأَوَاةُ“ کے معنی حبشی زبان میں مہربان کے ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ”بَادِي الرَّايِ“ کے معنی جو ہمیں ظاہر ہوا۔

حضرت مجاہد رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ”الْجُودِيَّ“ جزیرہ میں ایک پہاڑ کا نام ہے۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ”إِنَّكَ لَأَنْتَ الْجَلِيمُ“ یہ جملہ بطور استہزاء کفار حضرت شعیب ؑ سے کہتے تھے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ”الْقَلْبِيُّ“ کا معنی ہیں رک جا، تھم جا۔

”وَلَا زَالَةَ النَّوْرِ“ کے معنی ہیں پانی جوش مارنے لگا، پانی پھوٹ پڑا۔

حضرت نکر مہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ تنور سے سطح زمین مراد ہے۔

(۱) باب: ﴿أَلَا إِنَّهُمْ يَنْتُونُ صُدُورَهُمْ لِيَسْتَخْفُوا مِنْهُ أَلَا حِينَ يَسْتَفْشُونَ لِيَأْبَهُمْ

يَعْلَمُ مَا يُسِرُّونَ وَمَا يُعْلِنُونَ إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ﴾ [۵]

باب: ”دیکھو، یہ لوگ اپنے سینوں کو اُس سے چھپنے کے لئے ڈہرا کر لیتے ہیں۔ یاد رکھو جب یہ اپنے اوپر کپڑے لپیٹتے ہیں، اللہ اُن کی وہ باتیں بھی جانتا ہے جو یہ چھپاتے ہیں، اور وہ بھی جو یہ علی الاعلان کرتے ہیں۔“

آیت کی تفسیر میں مختلف اقوال

﴿أَلَا إِنَّهُمْ يَنْتُونُ صُدُورَهُمْ﴾ اس کے معنی یہ کئے ہیں کہ یہ مشرکین اور منافقین جب حضور اکرم ﷺ کے دیکھتے ہیں تو اپنے اوپر کپڑا ڈال لیتے ہیں تاکہ آپ ﷺ سے چھپیں، انکا سامنا نہ کرنا پڑے تاکہ یہ لوگ نبی کریم ﷺ کی رسالت کے بارے میں اور قرآن کریم کے بارے میں جو شک کرتے ہیں، نبی کریم ﷺ سے جو دل میں عداوت اور مخالفت اپنے دلوں میں رکھتے اس کو چھپالیں، تو اس پر فرمایا کہ ممکن ہو تو یہ اللہ ﷻ سے بھی چھپالیں، لیکن یہ کسی طرح ممکن نہیں۔

لیکن اس کی ایک صحیح تفسیر وہ ہے جو آگے خود حدیث کے اندر آرہی ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کی تفسیر پوچھی گئی تو آپ نے فرمایا کہ بعض مؤمن حیا کے غلبہ کی وجہ سے استنجاء، جماع اور دیگر بشری ضروریات کے وقت بھی کشف عورت سے پرہیز کرتے تھے، یہاں انکا ذکر ہے۔

بہت سے مشرک لوگ آنحضرت ﷺ کا سامنا کرنے سے اپنے آپ کو بچاتے تھے، تاکہ آپ کی کوئی بات انکے کان میں نہ پڑے، چنانچہ کبھی آنحضرت ﷺ نظر آتے تو وہ اپنے سینوں کو ڈہرا کر کے اور اپنے اوپر کپڑے لپیٹ کر وہاں سے کھسک جاتے تھے۔

اسی طرح بعض احمق جب کوئی گناہ کا کام کرتے تو اُس وقت بھی اپنے آپ کو چھپانے کے لئے ڈہرے ہو جاتے، اور اپنے اوپر کپڑے لپیٹ لیتے، اس طرح یہ سمجھتے تھے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے چھپ گئے۔ ع

اسی طرح یہ تفسیر بھی بیان کی گئی ہے کہ اس آیت میں منافقین کے ایک گمانِ بد اور خیالِ فاسد کی تردید ہے کہ یہ لوگ اپنی عداوت اور رسول کریم ﷺ کی مخالفت کو اپنے نزدیک چھپانے کی کوشش کرتے ہیں، ان کے سینوں میں جو حسد و بغض کی آگ بھری ہوئی ہے اس پر ہر طرح کے پردے ڈالتے ہیں اور یہ خیال کرتے ہیں کہ اس طرح ہمارا اصل حال کسی کو معلوم نہ ہوگا۔

مگر حقیقت یہ ہے کہ وہ کپڑوں کی تہ میں، پردوں کے پیچھے جو کچھ کرتے ہیں، اللہ پر سب کچھ روشن ہے، ﴿إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ﴾ کیونکہ وہ تو دلوں کے پوشیدہ اسرار کو بھی خوب جانتے ہیں۔ اس آیت کی ایک اور تفسیر بھی ہے جو درج ذیل حدیث میں آرہی ہے۔

۴۶۸۱ - حدثنا الحسن بن محمد بن صباح: حدثنا حجاج قال: قال ابن جريج:

اخبرني محمد بن عباد بن جعفر: انه سمع ابن عباس يقرأ: الا انهم تشنوني صدورهم. قال: سألته عنها فقال: اناس كانوا يستحبون ان يتخلوا فيفضوا الى السماء وأن يجامعوا نساءهم فيفضوا الى السماء. فنزل ذلك فيهم.

ترجمہ: ابن جریج رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ مجھے محمد بن عباد بن جعفر نے بتایا کہ انہوں نے سنا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما یہ "الا انهم تشنوني صدورهم" پڑھ رہے ہیں۔ کہتے ہیں میں اس آیت کے متعلق ان سے سوال کیا، تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ کچھ لوگ اس بات میں شرم محسوس کرنے لگے کہ اپنا ستر کھول کر قضائے حاجت کریں، اور اس بات سے بھی شرم محسوس کرتے تھے کہ ستر کھول کر اپنی بیویوں سے جماع کریں، تو انہیں لوگوں کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔

۴۶۸۲ - حدثني ابراهيم بن موسى: اخبرنا هشام، عن ابن جريج، و اخبرني

محمد بن عباد بن جعفر: أن ابن عباس قرأ: الا انهم تشنوني صدورهم. قلت: يا أبا العباس، ما تشنوني صدورهم؟ قال: كان الرجل يجامع امرأته فيستحي أو يتخلى فيستحي، فنزلت: (الا انهم يتنون صدورهم).

ترجمہ: محمد بن عباد بن جعفر بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے "الا انهم تشنوني

صدورهم" پڑھا تو میں نے عرض کیا اے ابوالعباس! "ما تشنوني صدورهم" اس کا مطلب کیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا کچھ لوگ اپنی عورتوں سے جماع کے وقت یا قضائے حاجت کے وقت برہنہ ہونے میں شرم کرتے تھے (انکا خیال تھا کہ ہمیں پروردگار دیکھ رہا ہے)۔ لہذا یہ آیت نازل اس وقت ہوئی۔

۴۶۸۳ - حدثنا الحميدى: حدثنا سليمان: حدثنا عمرو قال: قرأ ابن عباس ﴿ألا

إِنَّهُمْ يَفْتُونَ صُدُورَهُمْ لِيَتَغَفُوا إِنِّيَ الْاِحْيَيْنَ يَسْتَفْتُونَ لِيَا بَهُمْ ﴿۱﴾. وقال غيره، وعن ابن عباس: ﴿يَسْتَفْتُونَ﴾: يفتون رؤوسهم.

ترجمہ: عمرو (بن دینار) بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ آیت ﴿أَلَا إِنَّهُمْ يَفْتُونَ صُدُورَهُمْ لِيَتَغَفُوا إِنِّيَ الْاِحْيَيْنَ يَسْتَفْتُونَ لِيَا بَهُمْ﴾ اسی طرح پڑھی۔ (عمرو بن دینار کے علاوہ) دوسرے لوگوں کا بیان ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ”يَسْتَفْتُونَ“ کا معنی بیان فرمایا کہ وہ لوگ اپنے سر ڈھانپ لیتے ہیں۔

يسء بهم: ساء ظنه بقومه. ﴿وَضَاقَ بِهِمْ﴾ باضيا له.
﴿بِقِطْعٍ مِنَ اللَّيْلِ﴾: بسواد. وقال مجاهد: ﴿أَيْبٌ﴾: أرجع.

ترجمہ و تشریح

”سء بهم“ کے معنی یہ ہے کہ اپنی قوم سے بدگمان ہوئے۔ ”وَضَاقَ بِهِمْ“ یعنی اپنے مہمان کو دیکھ کر رنجیدہ ہوئے، تنگ دل ہوئے۔

جب حضرت لوط عليه السلام اپنی قوم کی حرکات کی وجہ سے ان سے بدگمان ہوئے اور مہمانوں (فرشتوں) کے آنے سے بہت تنگ دل ہوئے۔

”بِقِطْعٍ مِنَ اللَّيْلِ“ کے معنی رات کی سیاہی۔
حضرت مجاہد رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ”أَيْبٌ“ بمعنی ”أرجع“ یعنی میں رجوع کرتا ہوں۔

(۲) باب قوله: ﴿وَكَانَ عَرْشُهُ عَلَى الْمَاءِ﴾ [۷]

اس ارشاد کا بیان کہ: ”جبکہ اُس کا عرش پانی پر تھا۔“

اس سے معلوم ہوا کہ عرش اور پانی کی تخلیق زمین اور آسمانوں سے پہلے ہو چکی تھی۔

۴۶۸۴۔ حدثنا أبو الیمان: أخبرنا شعيب: حدثنا أبو الزناد، عن الأعرج، عن أبي هريرة رضي الله عنه أن رسول الله ﷺ قال: ((قال الله عز وجل: انفق أنفق عليك، وقال: يد الله ملقى لا يفيضها لفة سحاء الليل والنهار)). وقال: ((أرأيتم ما أنفق منذ خلق السماء والأرض

فانه لم بغض ما فی یدہ وکان عرشہ علی الماء، ویدہ المیزان بخفض ویرفع))۔ ۳
ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ ﷻ فرماتا ہے کہ اے میرے بندے تو مجھے دے، تو میں تجھے دوں گا، پھر فرمایا کہ اللہ کا ہاتھ بھرا ہوا ہے (یعنی اللہ ﷻ کا خزانہ بھرا ہوا ہے)، اگر دن رات خرچ کرتا رہے، تب بھی خالی نہیں ہوتا۔ اور پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کیا تم نہیں دیکھتے ہو کہ جب سے اللہ نے زمین و آسمان کو بنایا ہے کس قدر خرچ کر دیا ہے، مگر پھر بھی اس کی کوئی خزانہ (نعمت) میں کوئی کمی نہیں ہوئی اور اللہ ﷻ کا عرش پانی پر تھا، اس کے ہاتھ میں (رزق کا) ترازو ہے جس طرح چاہتا ہے جھکا دیتا ہے اور جس کے لئے مناسب خیال کرتا ہے اٹھا دیتا ہے۔

﴿اغْتَرَاكَ﴾، التعلک من عروته ای أصبته. ومنه يعروه واعترا لي.

﴿أَخَذَ بِنَاصِيَتِهَا﴾ ای فی مُلكه وسلطانه. ﴿عَنَيْدًا﴾ وعنود وعائد واحد.

﴿اسْتَعْمَرَ كُمْ﴾: جعلكم عمارة، أعمرتہ الدار لہی عمری: جعلتها لہ.

﴿وَنَكَّرَهُمْ﴾ وأنكرهم واستكرهم واحد.

﴿حَمِيدًا مَّجِيدًا﴾: كأنه فعيل من ماجد، محمود: من حميد.

﴿سَجِيلٍ﴾: الشديد الكبير، سجيل وسجين الام واللام والنون اختان، وقال

ميم بن مقل:

ورجلة يضربون البيض ضاحية - ضرباً توأسي به الاطفال سجيناً -

ترجمہ و تشریح

”اغْتَرَاكَ“ باب التعلال سے، لفظ ”عروته“ سے ہے، یعنی تجھے میں نے مصیبت میں مبتلا کر دیا۔

اور اسی سے ”يعروه واعترا لي“ ہے، جس کے معنی ہیں اس پر چھا گیا۔

۳۔ ولسی صحیح مسلم، کتاب الکسوف، باب الحث علی النفقة وبشیر المنفق بالخلف، رقم: ۹۹۳، وسنن

الترمذی، ابواب التفسیر القرآن، باب ومن سورة العالدة، رقم: ۳۰۳۵، وسنن ابن ماجہ، المحتاح الكتاب فی

الایمان وفضائل الصحابة والعلم، باب لهما الكرت الجهمية، رقم: ۱۹۷، وکتاب الکفارات، باب النهی عن النار.

رقم: ۲۱۲۳، وسنن احمد، مسند المکثرین من الصحابة، مسند ابی هريرة رضی اللہ تعالیٰ عنہ، رقم: ۷۲۹۸،

اس طرح "اغترَاكَ" کے معنی ہوئے تجھ پر چھا گیا، تجھ کو مصیبت میں مبتلا کر دیا۔

"أَخَذَ بِنَاصِيَتِهَا" یعنی اس کی حکومت اور قبضہ میں سے۔

"عَنِيذٌ، عَنُودٌ، عَالِدٌ" سب کے معنی ایک ہی ہیں یعنی سخت تکبر و سرکشی والا۔

"اسْتَعْفَرَ كُفْمٌ" تم کو بسایا، تم کو عمارت بنا کر آباد ہونے کی قدرت دی۔ عرب کہتے ہیں یعنی یہ گھر میں

نے اس کو تمام زندگی کے لئے دے ڈالا۔ پس وہ "عمری" ہے، میں نے اس کو دے دیا۔

"نَكِرَهُمْ، وَأَلَكِرَهُمْ وَاسْتَكِرَهُمْ" سب کے ایک ہی معنی ہیں۔

"حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ" یہ فعل کے وزن پر ہے، "ماجد" سے اسم فاعل بمعنی کرم کرنے والا، بخشش کرنے

والا، "حَمِيْدٌ" بمعنی "محمود"۔ سراہا گیا، تعریف کیا ہوا۔

"سَجِيْلٌ" اور "سَجِيْنٌ" دونوں کے معنی شدید، اور بڑے کے آتے ہیں، "سَجِيْلٌ" اور "سَجِيْنٌ"

دونوں میں لام اور نون دونوں نہیں ہیں یعنی حروف زائدہ ہیں۔

عام طور پر اس کے معنی یہ کئے جاتے ہیں کہ "سَجِيْلٌ مُنْضُوْدٌ" گارے کی مٹی۔

اور یہ اصل میں فارسی لفظ ہے "سنگ" اور "گل" سے ملا کر اس کو معرب کیا گیا "سَجِيْلٌ" یہاں پر جو

دوسری تفسیر کی گئی کہ "سَجِيْلٌ" کے معنی شدید کے بھی آتے ہیں اور اس پر تمیم ابن مقبل کا ایک شعر بھی پیش کیا ہے۔

ورجلة بضربون البيض ضاحية

ضرباً توأصى به الاطفال سجيناً

بہت سے پیادے ایسے ہیں جو کھلے میدان میں خود کے اوپر مارتے ہیں

کہ بہادر لوگ ایک دوسرے کو اسکی وصیت کرتے ہیں۔

"بيض" جمع "بيضة"۔ تلواری کی ضرب سے بچنے کیلئے سر پر پہننے والے خود کو کہتے ہیں، اور "ضاحية"

کے معنی کھلے میدان کے بھی ہیں اور چاشت کے وقت کے بھی ہیں، اور "سجيناً" صفت ہے "ضرباً" کی۔

(۳) باب:

یہ باب بلا عنوان ہے۔

﴿وَالِى مَدِيْنٍ اَخَاهُمْ حُقِيْبًا﴾: الی اهل مدین لان مدین بلد. ومثله، ﴿وَأَسَالِ

الْقَرْيَةَ﴾، ﴿وَأَسَالِ الْقَمِيْرَ﴾، یعنی اهل القرية والعير.

﴿وَرَاءَ كُمْ ظَهْرِي﴾: بقول: لم تلتفتوا اليه، ويقال اذا لم يقص الرجل حاجته: ظهرت بحاجتي وجعلتني ظهرياً. والظهري هاهنا: أن تأخذ معك دابة أو وعاء تستظهر به.

﴿أَرَادِلْنَا﴾: سقاطنا. ﴿إِجْرَامِي﴾: هو مصدر من أجمرت، وبعضهم يقول: جمرت. ﴿الْفَلَكُ﴾ والفلك واحد وهي الفينة والسفن.

﴿مُجْرَاهَا﴾: مَدْفَعُهَا، وهو مصدر أَجْرَيْتُ، وَأَزْسَيْتُ: حَبَسْتُ، ويقرأ: وَمَجْرَاهَا: من جَرَتْ هي. مَرَسَاهَا، من رَسَتْ هي، وَمُجْرِبُهَا: وَمُرْسِيهَا، من فَعَلَ بِهَا. الرَّاسِيَات: لاِبِتَات.

ترجمہ و تشریح

﴿وَالِى مَدِينِ أَخَاهُمْ شُعَيْبًا﴾ یعنی مدین والوں کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ یہاں پر مضاف محذوف ہے۔

اسی کی دوسری مثال یہ ہے "وَأَسَالِ الْقَرِيبَةَ" بستی سے پوچھیں اور یہ اصل میں "وَأَسَالِ الْعَيْرَ" کے معنی میں ہے کہ قافلہ والوں سے پوچھیں۔

"وَرَاءَ كُمْ ظَهْرِيًّا" پس پشت ڈال دیا، یعنی اس کی طرف توجہ نہیں کی، جب کسی کا مقصد پورا نہ ہو تو اہل عرب کہتے ہیں کہ "ظہرت بحاجتی وجعلتني ظهرياً" اور میری ضرورت اور حاجت کو پس پشت ڈال دیا، نظر انداز کر دیا اور مجھ کو پیچھے کر دیا یعنی میری طرف متوجہ نہیں ہوا۔

اس جگہ "ظہری" سے وہ جانو۔ یا برتن مراد ہیں جو کام یا ضرورت کیلئے ساتھ رکھتے ہیں۔

"أَرَادِلْنَا" اس کے معنی ہیں بالکل گرے پڑے لوگ۔

"إِجْرَامِي" یہ "أَجْرَمْتُ" کا مصدر ہے، اور بعض حضرات کہتے ہیں کہ "جَرَمْتُ" سے ہے۔

"الْفَلَكُ" واحد اور جمع دونوں میں مستعمل ہے یعنی کشتی اور کشتیاں۔

"مُجْرَاهَا" میم کے ضم کے ساتھ بمعنی "مَدْفَعُهَا" یعنی کشتی کا چلنا یہ مصدر ہے "أَجْرَيْتُ" کا، اسی طرح "أَزْسَيْتُ" بمعنی "حَبَسْتُ" یعنی میں نے کشتی کو ٹنکر لگا دیا، روک دیا۔

بعض نے "مَجْرَاهَا" میم کے فتح کے ساتھ کہا ہے اور یہ ماخوذ ہے "من جَرَتْ هي" یعنی وہ کشتی چل پڑی۔ اور اسی طرح "مَرَسَاهَا" بفتح میم پڑھا ہے، اور یہ بھی ماخوذ ہے "رَسَتْ هي" یعنی وہ کشتی رُک گئی۔

"مُجْرِبُهَا - مُرْسِيهَا" یعنی اس کشتی کا چلانے والا اور تھانے والا اللہ ﷻ ہے، اور یہ "فَعَلَ بِهَا"

یعنی مجہول سے ماخوذ ہے۔

”الرؤایات“ کے معنی ہیں لنگر انداز اور ”قائبات“ کے معنی ٹھہری ہوئی جہی ہوئی۔

(۴) باب قولہ: ﴿وَيَقُولُ الْأَشْهَادُ هَؤُلَاءِ الَّذِينَ كَذَبُوا﴾ [۱۸]

اس ارشاد کا بیان کہ: ”اور وہ گواہی دینے والے کہیں گے کہ: یہ ہیں وہ لوگ جنہوں نے اپنے پروردگار پر جھوٹی باتیں لگائی تھیں۔“

گواہی دینے والوں میں وہ فرشتے بھی شامل ہیں جو انسانوں کے اعمال لکھنے پر مقرر ہیں اور انبیائے کرام علیہم السلام بھی جو اپنی اپنی امتوں کے بارے میں گواہی دیں گے۔ ۳
واحد الأشهاد شاہد، مثل صاحب وأصحاب.
ترجمہ: ”اشہاد“ کا واحد ”شاہد“ ہے، جیسے ”صاحب وأصحاب“۔

۴۶۸۵ - حدثنا مسدد: حدثنا يزيد بن زريع: حدثنا سعيد وهشام قالا: حدثنا قتادة، عن صفوان بن محرز قال: بينا ابن عمر يطوف إذ عرض رجل لقال: أبا عبد الرحمن، أوقال: يا ابن عمر، هل سمعت النبي ﷺ في النجوى؟ فقال: سمعت النبي ﷺ يقول: ((يدلني المؤمن من ربه)). وقال هشام: ((يدلني المؤمن حتى يضع عليه كنفه فيقرره بذنوبه. تعرف ذنب كذا يقول: أعرف رب، يقول: أعرف، - مرتين - فيقول: سترها في الدنيا واغفرها لك اليوم. ثم تطوى صحيفة حسنة. وأما الآخرون أو الكفار فينادى على رؤس الأشهاد: هؤلاء الذين كذبوا على ربهم)).

وقال شبان، عن قتادة: حدثنا صفوان. [راجع: ۲۴۴۱]

ترجمہ: صفوان بن محرز روایت کرتے ہیں کہ ایک دن حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کعبہ کا طواف کر رہے تھے کہ ایک شخص آیا اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے اس نے مخاطب ہو کر کہا اے ابا عبد الرحمن یا اے ابن عمر! کیا آپ نے نبی کریم ﷺ سے سرگوشی (جو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ مؤمنوں سے کریگا) کے بارے میں کچھ سنا ہے؟ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے جواب دیا میں نے نبی کریم ﷺ سے سنا کہ آپ فرما رہے تھے کہ مؤمن کو اپنے رب

کے قریب لایا جائے گا۔ اور ہشام کہتے ہیں کہ قیامت کے دن مؤمن اپنے رب کے قریب ہو جائے گا، اللہ ﷻ اپنا ایک طرف اس پر رکھے گا (سایہ رحمت مراد ہے) اور اسکے گناہوں کا اقرار کرے گا۔ بندہ عرض کرے گا کہ جی ہاں! میں اپنے گناہوں کا اقرار اور اعتراف کرتا ہوں، بے شک مجھ سے گناہ ہوئے ہیں، چنانچہ دو مرتبہ اسی طرح اقرار کرے گا، اسکے بعد اللہ ﷻ ارشاد فرمائے گا میں نے دنیا میں تمہارے گناہوں کو چھپایا تھا، آج بھی تم کو بخش دیتا ہوں۔ پھر اس کی نیکیوں کا دفتر لپیٹ دیا جائے گا، مگر جہاں تک بات ہے دوسرے لوگوں کی یا کافروں کی، تو گواہوں کے سامنے ان کو آواز لگائی جائے گی اور فرمائے گا کہ یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب پر جھوٹ باندھے تھے۔

اور شبان نے اس حدیث کو قنادہ سے روایت کیا کہ ہم سے صفوان نے روایت بیان کی۔

(۵) باب قوله: ﴿وَكَذَلِكَ أَخْذُ رَبِّكَ إِذَا أَخَذَ الْقُرْآنَ وَهِيَ ظَالِمَةٌ إِنَّ

أَخْذَهُ أَلِيمٌ شَدِيدٌ﴾ [۱۰۲]

اس ارشاد کا بیان کہ: ”اور جو بستیاں ظالم ہوتی ہیں، تمہارا رب جب ان کو گرفت میں لیتا ہے تو اس کی پکڑ ایسی ہی ہوتی ہے۔ واقعی اُس کی پکڑ بڑی دردناک، بڑی سخت ہے۔“

﴿الرَّفْدُ الْمَرْفُودُ﴾: العون المعین، رفقہ: اعنتہ.

﴿تَرَكُّنُوا﴾: تمیلوا. ﴿فَلَوْلَا كَانَ﴾: لہلا کان. ﴿أَتَرَفُوا﴾: اہلکوا.

وقال ابن عباس: ﴿زَلْفِيرٌ وَشَهِيْقٌ﴾: شديد وصوت ضعيف.

ترجمہ و تشریح

”الرَّفْدُ الْمَرْفُودُ“ بمعنی ”العون المعین“ یعنی مدد جو دی جائے، عربوں کا مقولہ ہے ”رفقہ“

میں نے اسکی مدد کی۔

”تَرَكُّنُوا“ کا مطلب ہے جھکو، مائل ہو جاؤ۔

”فَلَوْلَا كَانَ“ بمعنی ”لہلا کان“ پھر کیوں نہ ہوئے۔

”أَتَرَفُوا“ بمعنی ”اہلکوا“ یعنی ہلاک کئے گئے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ”زَلْفِيرٌ“ کے معنی ہیں خطرناک آواز، ”شَهِيْقٌ“ کے معنی

ہیں ہلکی آواز۔

۴۶۸۶ - حدثنا صدقة بن الفضل: أخبرنا أبو معاوية: حدثنا يزيد بن أبي بردة، عن أبيه، عن أبي بردة، عن أبي موسى رضي الله عنه قال: قال رسول الله ﷺ: ((إن الله ليملي للظالم حتى إذا أخذه لم يفتله))، قال: ثم قرأ ﴿وَكَذَلِكَ أَخْذُ رَبِّكَ إِذَا أَخَذَ الْقَرْيَ وَهِيَ ظَالِمَةٌ إِنَّ أَخْذَهُ أَلِيمٌ شَدِيدٌ﴾. ۵

ترجمہ: حضرت ابو موسیٰ اشعری رضي الله عنه بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ ﷻ ظالم کو مہلت دیتا ہے، مگر جب اس کی گرفت فرماتا ہے تو پھر اس کو نہیں چھوڑتا ہے۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضي الله عنه بیان کرتے ہیں اسکے بعد آپ ﷺ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی ﴿وَكَذَلِكَ أَخْذُ رَبِّكَ إِذَا أَخَذَ الْقَرْيَ وَهِيَ ظَالِمَةٌ إِنَّ أَخْذَهُ أَلِيمٌ شَدِيدٌ﴾۔

(۶) باب قوله: ﴿وَأَقِمِ الصَّلَاةَ طَرَفِي النَّهَارِ وَزُلْفًا مِنَ اللَّيْلِ إِنَّ الْحَسَنَاتِ

يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ﴾ الآية [۱۱۳]

اس ارشاد کا بیان کہ: ”اور (اے پیغمبر!) دن کے دونوں سروں پر اور رات کے کچھ حصوں میں نماز قائم کرو۔“

اوقاتِ صلوة کا اجمالی بیان

یہاں رسول کریم ﷺ کو مخاطب کر کے آپ کو اور آپ کی پوری امت کو اقامتِ صلوة کا حکم دیا گیا ہے۔ علماء تفسیر صحابہ رضي الله عنهم اور تابعین کا اس پر اتفاق ہے کہ ”صلوة“ سے مراد اس جگہ فرض نمازیں ہیں۔ ۱۔ ”صلوة کی اقامت“ سے مراد اسکی پوری پابندی اور مداومت ہے۔ بعض حضرات نے فرمایا کہ نماز کو اسکے تمام آداب کے ساتھ ادا کرنا مراد ہے۔

۵۔ وفقی صحیح مسلم، کتاب البر والصلة والآداب، باب تحریم الظلم، رقم: ۲۵۸۳، وسنن الترمذی، أبواب

تفسیر القرآن، باب ومن سورة هود، رقم: ۳۱۱۰، وسنن ابن ماجه، کتاب الفتن، باب الطغرات، رقم: ۳۰۱۸

۱۔ تفسیر القرطبی، ج: ۹، ص: ۱۰۹

بعض نے فرمایا کہ نماز کو اس کے افضل وقت میں ادا کرنا مراد ہے۔
یہ تینوں اقوال ”اَلِجِ الصَّلَاةَ“ کی تفسیر میں منقول ہیں اور درحقیقت یہ کوئی اختلاف نہیں یہ سبھی چیزیں
”اقامتِ صلوٰۃ“ کے مفہوم میں شامل ہیں۔

اقامتِ صلوٰۃ کا حکم دینے کے بعد نماز کے اوقات کا اجمالی بیان یہ ہے کہ ”دن کے دونوں سروں یعنی
شروع اور آخر میں اور رات کے کچھ حصوں میں نماز قائم کرو“۔

دن کے دونوں سروں کی نماز کے متعلق اس پر تو سب کا اتفاق ہے کہ پہلے سرے کی نماز نماز فجر ہے،
آخری سرے کی نماز کو بعض حضرات نے مغرب کو قرار دیا ہے کہ دن کے بالکل ختم پر ہے اور بعض حضرات نے عصر
کی نماز کو دن کے آخری سرے کی نماز قرار دیا ہے، کیونکہ دن کی آخری نماز وہی ہے، مغرب کا وقت دن کا جز نہیں
بلکہ دن گزرنے کے بعد آتا ہے۔

”وَزُلْفَا مِنَ اللَّيْلِ“ یعنی رات کے حصوں کی نماز سے مراد جمہور مفسرین نے مغرب و عشاء کی نماز
کو قرار دیا ہے اور ایک حدیث سے اسکی تائید ہوتی ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ ”ہمَا
زُلْفَا اللَّيْلِ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ“ یعنی رات کے بعض حصوں میں نماز سے مراد مغرب و عشاء کی نمازیں
ہیں۔ ۷

چنانچہ طرہی البہار - سے مراد صبح اور عصر کی نماز ہوئی اور زُلْفَا مِنَ اللَّيْلِ - سے مراد مغرب و عشاء
ہے، تو اس آیت میں چار نمازوں کے اوقات کا بیان آ گیا صرف ظہر کی نماز کا بیان رہ گیا جو دوسری آیت ﴿اَلِجِ
الصَّلَاةَ لِلذُّكُوبِ الشَّمْسِ اِلَى غَمَاقِ اللَّيْلِ﴾ [الاسراء: ۷۸] میں آیا ہے۔

عظیم فائدہ

اس آیت مذکورہ میں اقامتِ صلوٰۃ کے حکم کے بعد ان کا ایک عظیم فائدہ بھی بتایا گیا ہے کہ ﴿اِنَّ
الْحَسَنَاتِ يُلْهِنُ السَّيِّئَاتِ﴾ یعنی نیک کام بُرے کاموں کو مٹا دیتے ہیں۔

حضرات مفسرین نے فرمایا ہے کہ نیک کام سے تمام نیک کام مراد ہیں جن میں نماز، روزہ، زکوٰۃ،
صدقات، حسن خلق، حسن معاملہ وغیرہ سب داخل ہیں مگر نماز کو ان سب میں اولیت حاصل ہے۔

اسی طرح ”سَيِّئَاتِ“ کا لفظ تمام بُرے کاموں کو حاوی اور شامل ہے خواہ وہ گناہ کبیرہ ہوں یا صغیرہ،

لیکن قرآن مجید کی ایک دوسری آیت نیز رسول اللہ ﷺ کے متعدد ارشادات نے اس کو صغیرہ گناہوں کے ساتھ مخصوص قرار دیا ہے معنی یہ ہیں کہ نیک کام جن میں نماز سب سے افضل ہے، صغیرہ گناہوں کا کفارہ کر دیتے ہیں اور ان کے گناہ کو مٹا دیتے ہیں۔

قرآن کریم میں ہے کہ

﴿إِنْ تَجْتَنِبُوا كَبَائِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ
سَيِّئَاتِكُمْ﴾

یعنی اگر تم بڑے گناہوں سے بچتے رہو تو ہم تمہارے
چھوٹے گناہوں کا خود کفارہ کر دیں گے۔ ۵

﴿وَزُلْفَا﴾ ساعات بعد ساعات. منه سميت المزدلفة. الزلف: منزلة بعد منزلة.

واما ﴿زُلْفَى﴾ لمصدر من القربى. اذ دلفوا: اجتمعوا. ﴿أزلفنا﴾: جمعنا.

ترجمہ و تشریح

”وَزُلْفَا“ کے معنی ہیں ساعت بساعت اور اسی سے ”مزدلفہ“ نکلا ہے، کیونکہ مزدلفہ میں لوگ رات کے وقت میں آتے ہیں۔ ”زلف“ کے معنی ہیں منزل منزل۔
”زُلْفَى“ مصدر ہے اور اس کا مطلب ہے قریب۔
اور ”اُزْدَلَفُوا“ کے معنی ہیں جمع ہو گئے۔
”أزلفنا“ کے معنی ہم نے جمع کیا اور یہ متعدی ہے۔

۴۶۸۷۔ حدثنا مسدد: حدثنا يزيد بن زريع: حدثنا سليمان التيمي، عن أبي

عمران، عن ابن مسعود ؓ أن رجلاً أصاب من امرأة قبله فأتى رسول الله ﷺ فذكر ذلك له فأنزلت عليه ﴿وَأَلِمَ الْمَلَائِكَةُ كُرْسِي النَّهَارِ وَزُلْفَا مِنْ اللَّيْلِ إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُؤْتِيَنَّ السُّبُّهَاتِ ذَلِكَ ذِكْرَى لِلذَّاكِرِينَ﴾ . قال الرجل: ألى هذه؟ قال: ((لمن عمل بها من

أمتي)). [راجع: ۵۲۶]

ترجمہ: حضرت ابن مسعود ؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک آدمی نے ایک غیر عورت کا بوسہ لیا، اور پھر یہ

بات رسول اللہ ﷺ کے سامنے آ کر بیان کر دی (اور معافی کی التجا کی)، اس وقت یہ آیت نازل ہوئی ﴿وَأَقِمِ الصَّلَاةَ طَرَفِي النَّهَارِ وَزُلْفَا مِنْ اللَّيْلِ إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ ذَلِكَ ذِكْرَى لِلَّذِينَ كَفَرُوا﴾ تو اس آدمی نے عرض کیا کہ کیا یہ حکم صرف میرے لئے ہے یا سب کیسے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا، میری امت میں سے جو بھی اس پر عمل سب کے لئے ہے۔

(۱۲) سورۃ یوسف

سورۃ یوسف کا بیان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یہ سورت مکی ہے، اور اس میں ایک سو گیارہ آیتیں اور بارہ رکوع ہیں۔ یہ سورت بھی مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی تھی۔

کنویں سے بازارِ مصر تک

اسیری سے زعمیم سلطنت تک کا سفر

بعض روایات میں ہے کہ کچھ یہودیوں نے آنحضرت ﷺ سے یہ سوال کروایا تھا کہ بنو اسرائیل کے لوگ جو فلسطین کے باشندے تھے، مصر میں جا کر کیوں آباد ہوئے؟

ان لوگوں کا خیال تھا کہ آپ ﷺ کے پاس چونکہ بنو اسرائیل کی تاریخ معلوم کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں ہے، اس لئے آپ اس سوال کا جواب نہیں دے پائیں گے اور اس طرح آپ ﷺ کے خلاف یہ پروپیگنڈا کرنے کا موقع مل جائیگا کہ آپ (معاذ اللہ) سچے نبی نہیں ہیں۔

اس سوال کے جواب میں اللہ ﷻ نے یہ پوری سورۃ یوسف نازل فرمادی جس میں پوری تفصیل اور وضاحت کے ساتھ حضرت یوسف علیہ السلام کا واقعہ بیان فرمایا گیا ہے۔

دراصل بنو اسرائیل کے جد امجد حضرت یعقوب علیہ السلام تھے، انہی کا دوسرا نام اسرائیل بھی تھا۔ انکے بارہ صاحبزادے تھے، انہی کی نسل سے بنو اسرائیل کے بارہ قبیلے پیدا ہوئے۔ اس سورت میں بتایا گیا ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام اپنے صاحبزادوں کے ساتھ فلسطین میں مقیم تھے جن میں حضرت یوسف علیہ السلام اور ان کے بھائی بنیامین بھی شامل تھے۔ ان دونوں کے سوتیلے بھائیوں نے سازش کر کے حضرت یوسف علیہ السلام کو ایک کنویں میں ڈال دیا، جہاں سے ایک قافلے نے انہیں اٹھا کر مصر کے ایک سردار کے ہاتھ بیچ دیا، شروع میں وہ غلامی کی زندگی گزارتے رہے، لیکن اُس واقعے کے تحت جسکی تفصیل اس سورت میں آرہی ہے، اس سردار کی بیوی زلیخا نے

انہیں گرفتار کر کے جیل بھجوا دیا۔

اللہ ﷻ کا کرنا ایسا ہوا کہ مصر کے بادشاہ کے ایک خواب کی صحیح تعبیر دینے پر بادشاہ ان پر مہربان ہوا، اور انہیں نہ صرف جیل سے نکال کر باعزت بری کر دیا، بلکہ انہیں اپنا وزیر خزانہ مقرر کیا، اور بعد میں حکومت کے سارے اختیارات انہی کو سونپ دیئے۔ اس کے بعد حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے والدین کو فلسطین سے مصر بلوایا، اس طرح بنو اسرائیل فلسطین سے مصر منتقل ہو گئے۔

احسن القصص - نہایت حسین طرزِ بیان

سورۃ یوسف کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس میں حضرت یوسف علیہ السلام کا پورا واقعہ ایک ہی تسلسل میں نہایت حسین اور بہترین طرزِ بیان کے ساتھ تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے، جس کو قرآن کریم میں احسن القصص یعنی بہترین واقعہ کہا گیا ہے اور تقریباً پوری سورت اسی کیلئے وقف ہے، یہ واقعہ کسی اور سورت میں نہیں آیا۔ اس واقعے کو اتنی تفصیل کے ساتھ بیان کر کے اللہ ﷻ نے ان کافروں پر ایک حجت قائم فرمادی ہے جو آنحضرت ﷺ کی نبوت کا انکار کرتے تھے۔ یہ بات ان پر بھی واضح تھی کہ اس واقعے کا علم ہونے کا آپ کے پاس کوئی ذریعہ نہیں تھا۔ لہذا یہ تفصیل آپ کو وحی کے علاوہ کسی اور طریقے سے حاصل نہیں ہو سکتی تھی۔ اسکے علاوہ مکہ مکرمہ میں آنحضرت ﷺ اور آپ کے صحابہ ﷺ کو کفار مکہ کی طرف سے جن تکلیفوں کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا، ان کے پیش نظر اس واقعے میں آپ کے لئے تسلی کا بھی بڑا سامان تھا کہ حضرت یوسف علیہ السلام اپنے بھائیوں کی سازش کے نتیجے میں بڑے سخت حالات سے گزرے، لیکن آخر کار اللہ ﷻ نے انہی کو عزت، شوکت اور سر بلندی عطا فرمائی، جن لوگوں نے انہیں تکلیفوں کا نشانہ بنایا تھا، ان سب کو اُنکے آگے جھکتا پڑا۔ اسی طرح آنحضرت ﷺ کو اگرچہ مکہ مکرمہ میں تکلیفیں اٹھانی پڑ رہی ہیں، لیکن آخر کار یہ سازشی لوگ آپ ہی کے سامنے جھکیں گے اور حق غالب ہو کر رہے گا۔ اس کے علاوہ بھی اس واقعے میں مسلمانوں کیلئے بہت سے سبق ہیں، شاید اسی لئے اللہ ﷻ نے اس کو بہترین قصہ قرار دیا ہے۔

وقال فضیل، عن حصین، عن مجاهد: ﴿مُعْتَكًا﴾: الا تخرج: بالحبشية متكا. وقال

ابن عیسیٰ، عن رجل، عن مجاهد: مُعْتَكًا: كل شيء قطع بالسكين. وقال لعادة: ﴿لَدُوْعِلِمٍ﴾: عامل بما علم.

وقال سعيد بن جبیر: ﴿ضَوَاعُ﴾: مكوک الفارسی الذي يلتقى طرفاه، كانت تشرب به الأعاجم. وقال ابن عباس: ﴿تَفَنَّدُونِ﴾: تجهلون.

وقال غيره: ﴿غِيَابَةُ الْجَبِّ﴾: كل شيء غيب عنك شيئا فهو غيابة. و﴿الْجَبُّ﴾ الركبة التي لم تطو. ﴿بِمُؤْمِنٍ لَنَا﴾: بمصدق. ﴿أَشْدُهُ﴾ قبل أن يأخذ في النقصان يقال: بلغ أشده، وبلغوا أشدهم. وقال بعضهم: واحدا شدا.

والمتمكأ: ما اتكأت عليه لشراب أو لحديث أو لطعام، وأبطل الذي قال: الأترج، وليس في كلام العرب الأترج فلما احتج عليهم بأنه المتمكأ من نمارق فرروا الى شرمته، فقالوا: الما هو المتك ساكنة التاء، وإنما المتك طرف البظر. ومن ذلك قيل لها: متكأ وابن المتكأ فان كان ثم أترج فانه بعد المتكأ.

﴿شَفَفَهَا﴾: يقال: بلغ الى شفائها، وهو غلاف قلبها، وأما شفعها: فمن المشعوف. ﴿أَضْبُ إِلَيْهِنَّ﴾: أميل اليهن حبا. ﴿أَضْفَاتُ أَخْلَامٍ﴾: ما لا تاويل له. والضفت ملء اليد من حشيش وما أشبهه ومنه. ﴿وَتَّخَذَ بِيَدِكَ ضِفْئًا﴾ [ص: ۴۳] لا من قوله: ﴿أَضْفَاتُ أَخْلَامٍ﴾ واحدا ضفت.

﴿نَجِيرٌ﴾: من الميرة. ﴿وَتَزْدَادُ كَيْلَ بَعِيرٍ﴾: ما يحمل بعير. ﴿أَوَى إِلَيْهِ﴾: ضم اليه. ﴿السَّقَابَةُ﴾: مكيال.

﴿استياسوا﴾ يشسوا أو لا يأسوا من روح الله معناه الرجاء ﴿وَخَلَصُوا نَجِيًّا﴾ اعترفوا نجيا والجمع أنجية يعناجون، الواحد: نجى والائنان والجمع بجى وأنجية ﴿تَلْفَعُوا﴾: لا تزال.

﴿حَرَضًا﴾ محرضاً: يديك الهم. ﴿تَحَسُّسًا﴾: تخبروا. ﴿مُزْجَاةٌ﴾: ليلية. ﴿غَاشِيَةٌ مِنْ عَذَابِ اللَّهِ﴾: عامة المجلة.

ترجمہ و تشریح

حضرت فضیل بن عیاض رحمہ اللہ، حصین سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت مجاہد رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ "مُعَا" بمعنی "الأترج" اور اسکی تفصیل بتا رہے ہیں کہ حبشی زبان میں "معكأ" لیموں کو کہتے ہیں۔

اور حضرت سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ ایک آدمی کے واسطے سے حضرت مجاہد رحمہ اللہ سے نقل کرتے ہیں کہ
 ”مُتَّكًا“ ہر وہ چیز ہے جس کو چھری سے کاٹا جاتا ہے۔

حضرت قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ”لَذُو عِلْمٍ“ کے معنی ہیں اپنے علم پر عمل کرنے والا۔
 حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ، لفظ ”صَوَاعُ“ کی تفسیر بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ فارس والوں یعنی
 اہل عراق کا ایک پیمانہ ہے جس کے دونوں طرف مل جاتے ہیں، اور عجم کے لوگ اس برتن سے پیتے تھے۔
 حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ ”تُفَلِّدُونَ“ کے معنی ہیں ”تَجْهَلُونَ“ یعنی تم جاہل نہ
 کہو، نقصان عقل کی طرف منسوب نہ کرو۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے علاوہ یعنی حضرت ابو عبیدہ رحمہ اللہ نے کہا کہ ”عَمَابَةِ الْجُبِّ“
 کنویں کی تاریکی اس کے معنی یہ ہیں کہ ہر وہ چیز جو تم سے کسی چیز کو چھپا دے، غائب کر دے۔
 ”الْجُبِّ“ وہ کنواں ہے جس کی بندش نہ ہوئی ہو یعنی اوپر چاروں طرف دیوار نہ ہو۔
 ”بِمُؤْمِنٍ لَنَا“ بمعنی ”بِمَصْدُقٍ“ یعنی ہماری تصدیق کرنے والے نہیں ہیں۔

”أَشُدُّهُ“ سے مراد وہ عمر ہے جو نقصان و انحطاط سے پہلے ہو، یعنی تیس برس تک انسان کی نشوونما مکمل
 ہو جاتی ہے، چالیس برس کے بعد انسان کے جسم میں انحطاط و زوال شروع ہو جاتا ہے، تو اس درمیانی عرصے
 کو کہتے ہیں۔

بعض لوگ یعنی اہل عرب کہتے ہیں کہ ”بَلَغَ أَشُدَّهُ، وَبَلَغُوا أَشُدَّهُمْ“ یعنی اپنی قوت اور جوانی پر
 پہنچ گیا۔ اور بعض لوگ یعنی سیبویہ نے کہا کہ ”أَشُدُّ“ کا واحد ”شُدُّ“ ہے۔

یہاں سے امام بخاری رحمہ اللہ دوبارہ لفظ ”مَعَا“ پر بحث شروع کر رہے ہیں۔

”مَعَا“ وہ چیز یعنی وہ مسند گاوٹکی جس پر کھانے پینے یا بات کرنے کیلئے ٹیک لگائیں۔ اور غلط کہا ان
 لوگوں نے کہ جنہوں نے اس کا معنی ”الْأَسْوَجُ“ بیان کیا۔ یعنی امام بخاری رحمہ اللہ حضرت ابو عبیدہ رحمہ اللہ کی تقلید
 میں کہتے ہیں کہ ”مَعَا“ کا معنی جو حضرت مجاہد رحمہ اللہ نے ”الْأَسْوَجُ“ یعنی لیموں کہا ہے وہ غلط ہے۔

کلام عرب میں ”الْأَسْوَجُ“ نہیں ہے یعنی ”مَعَا“ کا معنی عربی میں ”الْأَسْوَجُ“ بالکل نہیں آیا ہے۔

پھر جب ان کے خلاف دلیل پیش کی گئی کہ ”مَعَا“ کے معنی مسند اور ٹکیہ کے ہیں تو وہ اس سے بھی بدتر
 معنی جو عقلاً اور نقلاً بالکل غلط ہو بیان کرنے لگے اور کہنے لگے کہ یہ لفظ ”مَعَا“ - تاہم کے سکون کے ساتھ یعنی بلا
 تشدید ہے اور یہ غلط اس لئے کہ ”مَعَا“ عورت کے شرم گاہ کا کنارہ ہے، جہاں سے عورت کا ختنہ کرتے ہیں تو
 ختنہ کے بعد جو حصہ باقی رہتا ہے اس کو ”مَعَا“ کہتے ہیں۔ اسی وجہ سے عورت کو ”مَعَا“ اور اسکے بیٹے کو ”ابن

المعكاً“ کہا جاتا ہے۔

پھر اگر وہاں زلیخا کی مجلس میں لیموں رہا ہوگا تو مسند تکبہ کے بعد ہی ہوگا۔

”خَفَّفَهَا“ کے معنی ہیں اسکے شغاف تک جا پہنچا، اور ”شغاف“ دل کے غلاف پر دے کو کہتے ہیں۔

اور جہاں تک بات ہے ”شعفها“ سے کی تو یہ لفظ ”مشعوف“ سے مشتق ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ایک

قرأت عین مہملہ کے ساتھ ہے جو ”مشعوف“ سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہیں فریفتہ شدہ یعنی یوسف نے اس کو

فریفتہ کر دیا۔

”اضْبُ التَّيْهِنُ“ بمعنی ”امیل الیہن حبا“ یعنی میں ان کی طرف محبت سے مائل ہو جاؤں گا۔

”اضْفَاكُ اخْلَامٍ“ کے معنی وہ خواب جن کی کوئی تعبیر نہ ہو اور ”الضفٹ“ یعنی مفرد اس معنی میں ہوتا

ہے کہ گھاس یا اس کی طرح کی کوئی چیز تنکے وغیرہ سے مٹھی کو بھر لینا۔

سورہ ص کی یہ آیت ﴿وَوَخَّلِدَ بِيَدِكَ ضِغْفَاءٌ﴾ اسی معنی میں ہے۔ جبکہ یہاں سورہ یوسف میں جو

﴿اضْفَاكُ اخْلَامٍ﴾ آیا ہے وہ اس مفرد کے معنی میں نہیں ہے۔

”نَمِيرٌ“ ماخوذ ہے ”المیرة“ سے جس کے معنی ہیں غلہ لانا۔

”وَنَزْدَادٌ كَمِيلٌ بَعِيرٌ“ سے مراد یہ ہے کہ ایک اونٹ جو بوجھ اٹھا سکے۔

”أَوْى إِلَيْهِ“ کے معنی ہیں ”ضم الیہ“ ایسیا تھ ملا لیا، اپنے پاس جگہ دی۔

فرماتے ہیں ”السَّقَايَةُ“ کے معنی ہیں ”مکھال“ یعنی پیانہ۔

”استیاسوا“ بمعنی نا امید ہو گئے اور یہاں اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کی رحمت سے نا امید مت ہو۔

”خَلَصُوا نَجِيًّا“ بمعنی الگ ہو کر صلاح کرنے لگے۔

”تَفَعُّوا“ بمعنی ”لا تنزال“ یعنی تو ہمیشہ رہے گا، برابر رہے گا۔

”حَرَضًا“ بمعنی ”محرَضًا“ مصدر بمعنی اسم مفعول ہے، اسکے معنی ہیں مضطرب، بیمار پھر اسکی تفسیر بیان

کرتے ہیں ”بذبيك الهم“ یعنی غم آپ کو گھلا دے گا۔

”تَحَسُّوا“ بمعنی ”تخبروا“ یعنی تم خبر لو، ”تَحَسُّسٌ“ کے معنی ہے خبر لینا، تلاش کرنا، ٹوہ لگانا۔

”مُزْجَاةٌ“ کے معنی قلیل و ناقص کے ہیں۔

”غَايِبَةٌ مِنْ عَذَابِ اللَّهِ“ کے معنی ہوئے ”عامۃ المجلة“ یعنی ایسا عام و عالمگیر عذاب جو انکو محیط

ہو کسی کو نہ چھوڑے، ایسا عذاب جو جہل کے طرح ہو جائے۔

(۱) باب قولہ: ﴿وَوَيْتُمْ نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ وَعَلَىٰ آلِ يَعْقُوبَ﴾ [۱۶]

اس ارشاد کا بیان کہ: ”اور تم پر اور یعقوب کی اولاد پر اپنی نعمت اسی طرح پوری کرے گا۔“

۴۶۸۸۔ حدثنا عبد الله بن محمد: حدثنا عبد الصمد، عن عبد الرحمن بن عبد الله بن دينار، عن أبيه، عن عبد الله بن عمر رضي الله عنهما عن النبي ﷺ قال: ((الكريم ابن الكريم ابن الكريم ابن الكريم يوسف بن يعقوب بن اسحاق بن ابراهيم)). [راجع: ۳۳۸۲]

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ عزت والے، عزت والے کے بیٹے، عزت والے پوتے، عزت والے کے پڑپوتے، حضرت یوسف علیہ السلام ہیں، ان کے والد یعقوب علیہ السلام، دادا اسحاق علیہ السلام، پردادا ابراہیم علیہ السلام (سب پیغمبر) تھے۔

(۲) باب قولہ: ﴿لَقَدْ كَانَ لِي يُوسُفُ وَإِخْوَتِهِ آيَاتٌ لِلْمُتَسَائِلِينَ﴾ [۷]

اس ارشاد کا بیان کہ: ”حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ (تم سے یہ واقعہ) پوچھ رہے ہیں، اُن کیلئے یوسف اور اُن کے بھائیوں (کے حالات میں) بڑی نشانیاں ہیں۔“

قصہ یوسف علیہ السلام میں عقل والوں کیلئے نشانیاں

اس آیت میں اس بات پر متنبہ کیا گیا ہے کہ اس سورۃ میں آنے والے قصہ یوسف علیہ السلام کو محض ایک قصہ نہ سمجھو، بلکہ اس میں سوال کرنے والوں اور تحقیق کرنے والوں کے لئے اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کی بڑی نشانیاں اور ہدایتیں ہیں۔

اس سے مراد یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جن یہودیوں نے نبی کریم ﷺ کی آزمائش کیلئے یہ قصہ آپ سے پوچھا تھا ان کیلئے اس میں بڑی نشانیاں ہیں۔ روایت میں ہے کہ جب آپ ﷺ کی مکہ معظمہ میں بعثت ہوئی اور اس کی خبر یثرب (مدینہ منورہ) پہنچی تو وہاں کے یہودیوں نے اپنے چند آدمی اس کام کے لئے مکہ معظمہ بھیجے کہ وہ جا کر آنحضرت ﷺ کی آزمائش کریں، اس لئے یہ سوال ایک مبہم انداز میں اس طرح کیا گیا کہ اگر آپ خدا کے سچے نبی ہیں تو یہ بتائیے کہ وہ کونسا پیغمبر ہے جس کا ایک بیٹا ملک شام سے مصر لے جایا گیا اور باپ اس کے غم میں روتے

روتے نابینا ہو گئے۔

یہ واقعہ یہودیوں نے اس لئے منتخب کیا تھا کہ نہ اس کی کوئی عام شہرت تھی، نہ مکہ میں کوئی اس واقعہ سے واقف تھا اور اس وقت مکہ میں اہل کتاب میں سے بھی کوئی نہ تھا جس سے بحوالہ تورات و انجیل اس قصہ کا کوئی جزء معلوم ہو سکتا، ان کے اس سوال پر ہی پوری سورہ یوسف نازل ہوئی جس میں حضرت یعقوب اور حضرت یوسف علیہما السلام کا پورا قصہ مذکور ہے اور اتنی تفصیل سے مذکور ہے کہ تورات و انجیل میں بھی اتنی تفصیل نہیں، اس لئے اس کا بیان کرنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کھلا ہوا معجزہ تھا۔

اور اس آیت کے یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ قطع نظر سوال یہود کے خود یہ واقعہ ایسے امور پر مشتمل ہے جس سے اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کی بڑی نشانیاں اور تحقیق کرنے والوں کے لئے بڑی ہدایتیں اور احکام و مسائل موجود ہیں کہ جس بچے کو بھائیوں نے ہلاکت کے غار میں ڈال دیا تھا اللہ تعالیٰ کی قدرت نے اس کو کہاں سے کہاں پہنچا دیا اور کس طرح اس کی حفاظت کی، اپنے خاص بندوں کو اپنے احکام کی پابندی کا کس قدر گہرا رنگ عطا فرمایا کہ نوجوانی کے زمانے میں تعیش کا بہترین موقع ملتا ہے، مگر وہ خدا تعالیٰ کے خوف سے نفس کی خواہشات پر کیسا قابو پاتے ہیں کہ صاف اس بلا سے نکل جاتے ہیں اور یہ کہ جو شخص نیکی اور تقویٰ اختیار کرے اللہ تعالیٰ اس کو اپنے مخالفین کے مقابلے میں کیسی عزت دیتے ہیں اور مخالفین کو اس کے قدموں میں لا ڈالتے ہیں۔

یہ سب عبرتیں اور نصیحتیں اور قدرت الہیہ کی عظیم نشانیاں ہیں جو ہر تحقیق کرنے والے اور غور کرنے والے کو معلوم ہو سکتی ہیں۔ ج

۴۶۸۹۔ حدیثی محمد: أخبرنا عبدة، عن عبید اللہ، عن سعید بن ابی سعید، عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال: سئل رسول اللہ ﷺ: ای الناس اکرم؟ قال: ((اکرمہم عند اللہ اتقاہم))، قالوا: لیس عن ہذا لسالک، قال: ((فاکرم الناس یوسف نبی اللہ ابن نبی اللہ ابن خلیل اللہ))، قالوا: لیس عن ہذا لسالک، قال: ((لعم معادن العرب تسألونی؟)) قالوا: نعم، قال: ((لخیارکم فی الجاہلیۃ خیارکم فی الاسلام اذا فقیہوا))۔

تابعہ ابو اسامہ، عن عبید اللہ، [راجع: ۳۳۵۳]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ کون سب سے زیادہ عزت و شرافت والا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا اللہ ﷻ کے نزدیک سب سے عزت و شرافت والا وہ شخص ہے جو سب سے زیادہ متقی و پرہیزگار ہو۔ لوگوں نے عرض کیا، ہمارا سوال کرنے کا یہ مقصد نہیں ہے؟

چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تو پھر سب سے زیادہ صاحب عزت و شرافت والے اللہ کے نبی حضرت یوسف علیہ السلام ہیں، جو اللہ کے نبی (حضرت یعقوب علیہ السلام) کے بیٹے، اللہ کے نبی (حضرت اسحاق علیہ السلام) کے پوتے، حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے پڑپوتے ہیں۔ لوگوں نے عرض کیا کہ ہمارا مطلب یہ بھی نہیں، آپ ﷺ نے فرمایا اچھا تو کیا تم لو مجھ سے عرب کے خاندانوں کے متعلق پوچھتے ہو؟ تو کہنے لگے جی ہاں! پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ جو جاہلیت میں شریف تھے وہ اسلام میں بھی شریف ہیں، جب کہ دین کی سمجھ کو حاصل کریں یعنی صاحب علم ہوں۔ ابواسامہ نے اس میں (عبدہ) کی متابعت کی ہے، عبید اللہ سے روایت کرنے میں۔

(۳) باب قوله: ﴿قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ أَنْفُسُكُمْ أَمْراً لَصَبْرًا جَمِيلاً﴾ [۱۸]

اس ارشاد کا بیان کہ: ”اُن کے والد نے کہا: (حقیقت یہ نہیں ہے) بلکہ تمہارے دلوں نے اپنی طرف سے ایک بات بنالی ہے۔ اب تو میرے لئے صبر ہی بہتر ہے۔“

۴۶۹۰۔ حدثنا عبد العزيز بن عبد الله: حدثنا ابراهيم بن سعد، عن صالح، عن ابن هباب. قال: وحدثنا الحجاج: حدثنا عبد الله بن عمر النُميري: حدثنا يونس ابن يزيد الأيلي قال: سمعت الزهري: سمعت عروة ابن الزبير، وسعيد بن المسيب، وعلقمة بن وقاص، وعبيد الله بن عبد الله، عن حديث عائشة زوج النبي ﷺ حين قال لها اهل الافك ما قالوا لبراهما الله. كل حدثني طائفة من الحديث. قال النبي ﷺ: ((ان كنت برينة فسبيرئك الله، وان كنت الممت بطلب فاستغفري الله وتوبى اليه)). قلت: الى والله لا اجد مثلاً الا ابا يوسف ﴿لَصَبْرًا جَمِيلاً وَاللهُ الْمُسْتَعَانُ عَلَى مَا تَصِفُونَ﴾ وانزل الله ﴿ان الذين جاؤا بالالفك غصبة منكم﴾ العشر الآيات. [راجع: ۲۵۹۳]

ترجمہ: امام زہری رحمہ اللہ نے بیان کیا میں نے عروہ بن زبیر، سعید بن مسیب، علقمہ بن وقاص اور عبید اللہ بن عبد اللہ رحمہم اللہ جمعین سے نبی کریم ﷺ کی زوجہ مطہرہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے اس واقعہ کے متعلق سنا جس میں تمہمت لگانے والوں نے آپ پر تمہمت لگائی تھی، پھر اللہ ﷻ نے ان کی پاکی ظاہر کر دی تھی۔ ان تمام حضرات (عروہ بن زبیر، سعید بن مسیب، علقمہ بن وقاص اور عبید اللہ بن عبد اللہ رحمہم اللہ جمعین) نے مجھ سے اس واقعہ کا ایک ایک حصہ بیان کیا۔ نبی اکرم ﷺ نے (حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے) فرمایا کہ اگر تم اس سب سے بری ہو تو اللہ ﷻ تمہارے سب تہمتوں سے بری ہونے کا اعلان فرمادے گا (یعنی تمہاری پاکی

ظاہر کر دے گا) اور اگر تم آلودہ ہو گئی ہو اس گناہ سے تو اللہ ﷻ سے مغفرت طلب کرو اور اس کے سامنے توبہ کرو۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں کہا کہ اللہ کی قسم! میں تو حضرت یوسف علیہ السلام کے والد کے علاوہ کسی کی مثال نہیں پاتی ہوں، ﴿فَصَبْرٌ جَمِيلٌ وَاللَّهُ الْمُسْتَعَانُ عَلَىٰ مَا تَصِفُونَ﴾ یعنی اب تو میرے لئے صبر ہی بہتر ہے۔ اور جو باتیں بنائی جا رہی ہیں، ان پر اللہ ہی کی مدد درکار ہے۔ اور پھر اللہ ﷻ نے (حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی برأت میں) یہ دس آیات نازل فرمائیں ﴿إِنَّ الَّذِينَ جَاءُوا بِالْإِفْكِ عُصْبَةٌ مِنْكُمْ﴾۔

۴۶۹۱ - حدثنا موسى: حدثنا أبو عوالة، عن حصين، عن أبي وائل: حدثني

مسروق بن الأجدع قال: حدثني، أم رومان، وهي أم عائشة قالت: بينا أنا وعائشة أخذتها الحمى، فقال النبي ﷺ: ((لعل في حديثي تحدث))، قالت: نعم، ولعدت عائشة، قالت: مثلي ومثلكم كيعقوب وبنيه ﴿بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ أَنْفُسُكُمْ أَمْراً فَصَبْرٌ جَمِيلٌ وَاللَّهُ الْمُسْتَعَانُ عَلَىٰ مَا تَصِفُونَ﴾. [راجع: ۳۳۸۸]

ترجمہ: مسروق ابن اجدع کا بیان ہے کہ مجھ سے ام رومان رضی اللہ عنہا نے بیان کیا، جو کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی والدہ ہیں، کہ میں اور عائشہ بیٹھے ہوئے تھے کہ عائشہ کو بخار چڑھ گیا، تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ غالباً یہ ان باتوں کی وجہ سے ہوا ہوگا، جو کہ بولی جا رہی ہیں۔ ام رومان نے عرض کیا کہ جی ہاں! ایسا ہی ہے۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیٹھ گئیں اور کہنے لگیں کہ میری اور آپ لوگوں کی مثال حضرت یعقوب علیہ السلام اور ان کے بیٹوں جیسی ہے یعنی یعقوب علیہ السلام نے بیٹوں سے فرمایا تھا ﴿بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ أَنْفُسُكُمْ أَمْراً فَصَبْرٌ جَمِيلٌ وَاللَّهُ الْمُسْتَعَانُ عَلَىٰ مَا تَصِفُونَ﴾۔ ج

(۴) باب قوله: ﴿وَرَاوَدْتُهُ الَّتِي هُوَ فِي بَيْتِهَا عَنْ نَفْسِهِ وَغَلَّقَتِ الْأَبْوَابَ

وَقَالَتْ هَيْتَ لَكَ﴾ [۲۳]

اس ارشاد کا بیان کہ: ”اور جس عورت کے گھر میں وہ رہتے تھے، اُس نے اُن کو درغلانے کی۔

کوشش کی، اور سارے دروازے بند کرنے کے بعد کہنے لگی: آ بھی جاؤ۔“

وقال عكرمة: ﴿هَيْتَ لَكَ﴾ بالحوارية هلم. وقال ابن جرير: تعاله.

ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا "هَيْتَ لَكَ" حورانی زبان میں بمعنی "ہلم" یعنی آ جاؤ اور حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ بمعنی "تعالہ" ہے یعنی آ جاؤ۔

۴۶۹۲ - حدثني أحمد بن سعيد: حدثنا بشر بن عمر: حدثنا شعبة، عن سليمان، عن أبي وائل، عن عبد الله بن مسعود: ﴿قَالَتْ هَيْتَ لَكَ﴾، وَالْمَا لِقَرُؤَهَا كَمَا عَلَّمْنَاهَا. ﴿مَفْوَاهٌ﴾: مَقَامُهُ. ﴿وَالْقِيَاءُ﴾: رَجْدًا، ﴿الْفِرَآءَاءُ هُمْ﴾، ﴿الْفَيْنَاءُ﴾. وَعَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ: ﴿هَبْلٌ عَجِبْتَ وَيَسْخَرُونَ﴾ [المصافات: ۱۲].

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے (اس آیت کے بارے میں) روایت ہے کہ ﴿قَالَتْ هَيْتَ لَكَ﴾ بلاشبہ ہم اس کو پڑھتے ہیں جس طرح ہمیں اس کی تعلیم دی گئی یعنی آنحضرت ﷺ نے جیسے ہمیں سکھایا۔ "مَفْوَاهٌ" بمعنی "مقامہ" یعنی اس کا ٹھکانہ، اور "وَالْقِيَاءُ" کسی چیز کو پانے رحاصل کرنے کے معنی میں ہے، یعنی دونوں نے پایا، ﴿الْفِرَآءَاءُ هُمْ﴾ انہوں نے اپنے باپ دادا کو پایا، اور ﴿الْفَيْنَاءُ﴾ یعنی ہم نے پایا، یہ دونوں اسی معنی میں ہیں۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ﴿هَبْلٌ عَجِبْتَ وَيَسْخَرُونَ﴾ یہ آیت اس سورہ یعنی سورہ یوسف میں نہیں بلکہ یہ آیت سورہ صافات کی ہے۔

۴۶۹۳ - حدثنا الحميدى: حدثنا سفیان، عن الأعمش، عن مسلم، عن مسروق، عن عبد الله بن مسعود: ﴿أَنْ قَرِئْنَا لَمَّا أَبْطَرْنَا عَنِ النَّبِيِّ ﷺ بِالْإِسْلَامِ قَالَ: ((اللَّهُمَّ اكْفِنِيهِمْ بِسَبْعِ كَسْبِ يَوْسُفَ))، فَأَصَابَتْهُمْ سَنَةٌ حَصَّتْ كُلُّ شَيْءٍ حَتَّى أَكَلُوا الْعِظَامَ حَتَّى جَعَلَ الرَّجُلُ يَنْظُرُ إِلَى السَّمَاءِ لَمَرَى بَيْنَهُ وَبَيْنَهَا مِثْلَ الدُّخَانِ. قَالَ اللَّهُ: ﴿فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَاءُ بِدُخَانٍ مُبِينٍ﴾ [الدخان: ۱۰]. قَالَ اللَّهُ: ﴿إِنَّا كَاشِفُوا الْعَذَابَ لَيْلًا إِنَّكُمْ عَائِدُونَ﴾ [الدخان: ۱۵]. أَلَمْ يَكْشِفْ عَنْهُمْ الْعَذَابَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ؟ وَقَدْ مَضَى الدُّخَانُ وَمَضَتْ الْبَطْشَةُ. [راجع: ۱۰۰۷].

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ قریش نے جب نبی کریم ﷺ پر ایمان لانے میں تاخیر کی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اے اللہ! جیسے یوسف علیہ السلام کے زمانہ میں سات برس کا قحط پڑا تھا ان پر ایسا قحط بھیج۔ پھر ان لوگوں پر ایسا قحط آیا کہ ہر چیز کو ختم کر دیا، یہاں تک کہ ان لوگوں نے ہڈیوں کو کھایا، جو شخص آسمان کی طرف دیکھتا تو اپنے درمیان اور آسمان کے درمیان دھواں سادیکھتا (یعنی شدت بھوک و کثرت فاقہ سے پینائی بھی کمزور ہو گئی کہ جب اوپر دیکھتا تو دھواں سا نظر آتا)۔ اسی پر اللہ ﷻ نے فرمایا ﴿فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَاءُ بِدُخَانٍ مُبِينٍ﴾ اب آپ ان کیلئے اس روز کا انتظار کیجئے کہ آسمان ایک واضح دھواں لائے جو ان سب لوگوں پر عام ہو جائے، اور اللہ ﷻ نے فرمایا ﴿إِنَّا كَاشِفُوا الْعَذَابَ لَيْلًا إِنَّكُمْ عَائِدُونَ﴾ ہم

تھوڑی مدت کیلئے اس عذاب کو ہٹا دیتے ہیں، مگر تم پھر اپنی اسی حالت کفر پر آ جاؤ گے۔ (حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ) کیا قیامت کے روز ان کافروں سے عذاب کو ہٹایا جائے گا؟ بلکہ یہ دھویں کا واقعہ گذر چکا اور ان کی پکڑ بھی ہو چکی۔

(۵) باب قولہ: ﴿فَلَمَّا جَاءَهُ الرُّسُودُ قَالَ اِذْجِعْ اِلَى رَبِّكَ﴾ اِلَى قَوْلِهِ ﴿قُلْنَا

حَاشَ لِلّٰهِ﴾ [۵۱،۵۰]

اس ارشاد کا بیان کہ: ”چنانچہ جب اُن کے پاس ایچی پہنچا تو یوسف نے کہا: اپنے مالک کے پاس واپس جاؤ، اور اُن سے پوچھو کہ اُن عورتوں کا کیا قصہ ہے جنہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ ڈالے تھے؟ میرا پروردگار ان عورتوں کے مکر سے خوب واقف ہے۔ بادشاہ نے (اُن عورتوں کو بلا کر اُن سے) کہا: تمہارا کیا قصہ تھا جب تم نے یوسف کو ورغلانے کی کوشش کی تھی؟ ان سب عورتوں نے کہا کہ: حاشا للہ!“۔

یعنی حضرت یوسف علیہ السلام نے قاصد سے کہا کہ تم اپنے بادشاہ کے پاس واپس جا کر پہلے یہ دریافت کرو کہ آپ کے نزدیک ان عورتوں کا معاملہ کس طرح ہے جنہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لئے تھے، کیا اس واقعہ میں وہ مجھے مشتبہ سمجھتے ہیں؟ میرا کوئی تصور قرار دیتے ہیں؟ یہاں یہ بات بھی غور طلب ہے کہ اس وقت یوسف علیہ السلام ان عورتوں کا ذکر فرمایا جنہوں نے ہاتھ کاٹ لئے تھے، عزیز کی بیوی کا نام نہیں جو اصل سبب تھی، اس میں اس حق کی رعایت تھی جو عزیز کے گھر میں پرورش ہانے سے فطرۃ شریف انسان کے لئے قابل لحاظ ہوتا ہے۔ اور ایک بات یہ بھی کہ ہے کہ اصل مقصود اپنی برأت کا ثبوت تھا، وہ ان عورتوں سے بھی ہو سکتا تھا اور اس میں عورتوں کی بھی کوئی زیادہ رسوائی نہ تھی، اگر وہ سچی بات کا اقرار کر بھی لیتیں تو صرف مشورہ ہی کی مجرم ٹھہرتیں، بخلاف عزیز کی بیوی کے کہ اس کو تحقیقات کا ہدف بنایا جاتا، تو اس کی رسوائی زیادہ تھی۔ ج اور اس کے ساتھ ہی حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ ﴿اِنَّ رَبِّيْ بِكُنُودِهِمْ عَلِيْمٌ﴾ یعنی میرا پروردگار تو ان کے جھوٹ اور مکر و فریب کو جانتا ہی ہے میں چاہتا ہوں کہ بادشاہ بھی حقیقت واقعہ سے واقف ہو جائیں، جس میں ایک لطیف انداز سے اپنی برأت کا اظہار بھی ہے۔

حاش و حاشا تنزیہ و استثناء. ﴿حَضَّحَصَّ﴾: وضع.

ترجمہ: "حاش و حاشا" کے معنی ہیں پاکی بیان کرنا، استثناء کرنا۔ "حَضَّحَصَّ" کے معنی واضح ہونا۔

۴۶۹۳۔ حدثنا سعيد بن تلید: حدثنا عبدالرحمن بن القاسم، عن بكر بن مضر،

عن عمرو بن الحارث، عن يونس بن يزيد، عن ابن شهاب، عن سعيد بن المسيب وأبي

سلمة بن عبدالرحمن، عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله ﷺ: ((يرحم الله لوطا لقد

كان يأوي إلى ركن شديد، ولو لبثت في السجن ما لبث يوسف لأجبت الداعي. ونحن

أحق من إبراهيم إذ قال له: ﴿أَوْلَمْ تُؤْمِنِ قَالِ بَلَىٰ وَلَٰكِنْ لَّيَطْمِئِنَّ قَلْبِي﴾ [البقرة: ۲۶۰]).

[راجع: ۳۳۷۲]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضي الله عنه سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ حضرت لوط رضي الله عنه پر

رحم فرمائے بے شک وہ مضبوط اور مستحکم پناہ حاصل کر رہے تھے، اور اگر میں اتنے دنوں تک قید خانہ میں رہتا

جتنے دنوں حضرت یوسف رضي الله عنه رہے تھے تو بلانے والے کی بات نہ کرتا۔ اور ہمارے کو بہ نسبت حضرت ابراہیم

رضي الله عنه کے (شک کرنے کے) زیادہ حقدار ہیں، جب اللہ ﷻ نے ان سے فرمایا ﴿أَوْلَمْ تُؤْمِنِ قَالِ بَلَىٰ وَلَٰكِنْ

لَّيَطْمِئِنَّ قَلْبِي﴾۔

مقامِ عبدیت

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اگر میں حضرت یوسف رضي الله عنه کی جگہ ہوتا اتنے دن جتنے دن وہ رہے تو میں

بلانے والے کی دعوت کو قبول کر لیتا۔ تو بعض لوگوں نے تو معنی یہ کہے ہیں کہ گویا حضور اکرم ﷺ حضرت یوسف

رضي الله عنه کی عزیت کی تعریف فرما رہے ہیں کہ انہوں نے بڑی عزیت کا معاملہ کیا، میں ہوتا تو رخصت پر عمل کرتا۔

تو گویا بعض لوگوں نے کہا کہ حضرت یوسف رضي الله عنه کی فضیلت جزئیہ ثابت کی جا رہی ہے لیکن مجھے یہ لگتا

ہے۔ واللہ سبحانہ اعلم۔ کہ بتلانا یہ مقصود ہے کہ عبدیت کا تقاضا یہ تھا کہ اس دعوت کو قبول کر لیا جائے اور میں چونکہ

عبدیت کے تقاضے پر زیادہ عمل کرتا ہوں تو میں قبول کر لیتا۔

کیونکہ عبدیت کے معنی یہ ہے کہ انسان ﷻ کے سامنے اپنی احتیاج ظاہر کریں اور اللہ ﷻ کے

سامنے زیادہ بہادر بننا زیادہ اچھا نہیں، تو یہ بندگی کا زیادہ تقاضا تھا۔ تو حضور ﷺ کے اوپر شانِ عبدیت زیادہ

غالب تھی۔ اس واسطے آپ نے فرمایا کہ "ما خسر رسول بين أمرين" اللہ کے سامنے اپنی شکستگی کے اظہار

کے لئے اور اپنی بندگی کا اظہار کرنے کے لئے۔

(۶) باب قوله: ﴿حَتَّىٰ إِذَا اسْتَيْأَسَ الرُّسُلُ﴾ [۱۱۰]

اس ارشاد کا بیان کہ: ”یہاں تک کہ جب پیغمبر مایوس ہو گئے۔“

۳۶۹۵ - حدثنا عبدالعزيز بن عبد الله: حدثنا ابراهيم بن سعيد، عن صالح، عن

ابن شهاب قال: اخبرني عروة بن الزبير، عن عائشة رضي الله عنها قالت له وهو يسأله عن قول الله تعالى: ﴿حَتَّىٰ إِذَا اسْتَيْأَسَ الرُّسُلُ﴾ قال: قلت: أكلذبوا أم كذبوا؟ قالت عائشة: كذبوا. قلت: فقد استيقنوا أن قومهم كذبوهم فما هو بالظن. قالت: أجل لعمرى لقد استيقنوا بذلك، فقلت لها: وظنوا أنهم قد كذبوا، قالت: معاذ الله، لم تكن الرسل تظن ذلك بربها، قلت فما هذه الآية؟ قالت: هم اتباع الرسل الذين آمنوا بربهم وصدقوهم لظال عليهم البلاء واستأخروهم النصر حتى إذا استياس الرسل ممن كذبهم من قومهم وظنت الرسل أن اتباعهم قد كذبوهم جاءهم نصر الله عند ذلك. [راجع: ۳۳۸۹]

ترجمہ: ابن شہاب زہری رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ مجھ سے حضرت عروہ بن زبیر رحمہ اللہ نے بیان کیا کہ ان سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا، جب وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس ارشاد باری تعالیٰ ﴿حَتَّىٰ إِذَا اسْتَيْأَسَ الرُّسُلُ﴾ کے بارے میں پوچھ رہے تھے۔ عروہ نے بیان کیا کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ آیت کریمہ میں ”کذبوا“ بلا تشدید ہے یا ”کذبوا“ تشدید کے ساتھ ہے؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ تشدید کے ساتھ ”کذبوا“ ہے۔ تو میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ پیغمبروں کو تو یقین تھا کہ ان کی قوم انہیں جھٹلا رہی ہے، پھر ”ظن“ سے کیا مراد ہے؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا ہاں! اپنی زندگی کی قسم پیغمبروں کو اس کا یقین تھا یعنی تم نے صحیح کہا۔ اسکے بعد میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ پھر کیا اس کا یہ مطلب ہوگا کہ ”لقد کذبوا“ بلا تشدید تخفیف ذال کی صورت میں یہ معنی ہوگا (ان پیغمبروں) کو گمان تھا کہ ان سے جھوٹ کہا گیا ہے؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا اللہ کی پناہ ہو! پیغمبروں کو اپنے پروردگار کے ساتھ اس طرح کا کوئی گمان نہیں تھا۔ میں نے کہا پھر آیت کا مطلب کیا ہے؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ مراد رسولوں کے تابعین ہیں جو اپنے رب پر ایمان لائے اور رسولوں کی تصدیق کی لیکن جب ان پر جب مصیبتیں اور پریشانیاں طویل ہو گئی اور مدد آنے پر دیر ہو گئی اتنی کہ پیغمبر اپنی قوم کے ان لوگوں سے مایوس ہو گئے، جنہوں نے ان کی تکذیب کی تھی، اور پیغمبروں اس بات سے ڈرنے لگے کہ کہیں

وہ لوگ انہیں نہ جھٹلا دیں جو ان کے ساتھ ہیں، تو اس وقت اللہ ﷻ کی مدد آن پہنچی۔

۴۶۹۶ - حدثنا أبو الیمان: أخبرنا شعيب، عن الزهري قال: أخبرني عروة،

فلقت: لعلها كُذِّبُوا، مخلفة، قالت: معاذ الله نحوه. [راجع: ۳۳۸۹]

ترجمہ: حضرت عروہ رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ میں نے کہا کہ شاید آیت میں لفظ ”كُذِّبُوا“ یعنی ذال تخفیف کے ساتھ ہے، تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ معاذ اللہ! پھر وہی تفصیل جو پچھلی روایت میں بیان ہوئی۔

اشکال و جواب

یعنی تاخیر عذاب سے دھوکہ مت کھاؤ، پہلی قوموں کو بھی لمبی مہلتیں دی گئیں اور عذاب آنے میں اتنی دیر ہوئی کہ منکرین بالکل بے فکر ہو کر بیش از بیش شرارتیں کرنے لگیں۔

یہ حالات دیکھ کر پیغمبروں کو ان کے ایمان لانے کی کوئی امید نہ رہی، ادھر خدا کی طرف سے ان کو ڈھیل اس قدر دی گئی کہ مدت دراز تک عذاب کے کچھ آثار نہ نظر آتے تھے، غرض دونوں طرف کے حالات و آثار پیغمبروں کے لئے ”یاس انگیز“ تھے۔

یہ منظر دیکھ کر کفار نے یقینی طور پر یہ خیال کر لیا کہ انبیاء کرامؑ سے جو وعدے ان کی نصرت اور ہماری ہلاکت کے کئے گئے تھے سب جھوٹی باتیں ہیں۔ عذاب وغیرہ ڈھکوسلہ صرف ڈرانے کے واسطے تھا۔

کچھ بعید نہیں کہ ایسی مایوس کن اضطراب انگیز حالت میں انبیاء کرامؑ کے قلوب میں بھی یہ خیالات آنے لگے ہوں کہ وعدہ عذاب کو جس رنگ میں ہم نے سمجھا تھا وہ صحیح نہ تھا یا وساوس و خطرات کے درجہ میں بے اختیار یہ وہم گزرنے لگے ہوں کہ ہماری نصرت اور منکرین کی ہلاکت کے جو وعدے کئے گئے تھے کیا وہ پورے نہ کئے جائیں گے؟

جیسے دوسری جگہ فرمایا ﴿وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَنُدْخِلَنَّهُمْ مِنَ الْجَنَّةِ غُلَّاتٍ يُصْرَعُونَ﴾

[بقرہ: رکوع ۲۶] جب مجرمین کی بے خونی اور انبیاء کرامؑ کی تشویش اس حد تک پہنچ گئی اس وقت ناگہاں آسانی مدد آئی، پھر جس کو خدا نے چاہا یعنی فرمانبردار مومنین کو محفوظ و مصون رکھا، اور مجرموں کی جڑ کاٹ دی۔ ۵

۵ اس آیت کی مکمل تفسیر، تفصیل اور وضاحت سورۃ البقرہ میں گزری ہے، ملاحظہ فرمائیں: انعام الہاری [کتاب التفسیر: حصہ اول]،

ج: ۱۱، (۳۸) باب: ﴿أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تُدْخِلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَأْتِكُمْ مَثَلُ الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ﴾ الآية [۲۱۳]

(۱۳) سورة الرعد

سورة رعد کا بیان

بسم الله الرحمن الرحيم

یہ سورت مکی ہے اور اس میں تینتالیس آیتیں اور چھ رکوع ہیں، یہ سورت بھی ہجرت سے پہلے نازل ہوئی تھی۔

قدرتِ کاملہ، وحدانیت، عقیدہ رسالت و آخرت

اس کا بنیادی موضوع اسلام کے بنیادی عقائد یعنی توحید، رسالت اور آخرت کا اثبات اور ان پر عائد کئے جانے والے اعتراضات کا جواب ہے۔

پہلی سورت یعنی سورہ یوسف کے آخر (آیت نمبر ۵۰) میں اللہ ﷻ نے فرمایا تھا کہ آسمانوں اور زمین میں اللہ ﷻ کی قدرت کاملہ اور اسکی وحدانیت کی بہت سی نشانیاں پھیلی ہوئی ہیں، لیکن کفار ان کی طرف دھیان دینے کے بجائے ان سے منہ موڑے ہوئے ہیں۔

اب اس سورت میں کائنات کی ان نشانیوں کی کچھ تفصیل بیان فرمائی گئی ہے جو پکار پکار کر کہہ رہی ہیں کہ جس قادر مطلق نے اس کائنات کا یہ محیر العقول نظام بنایا ہے، اُسے اپنی خدائی قائم کرنے کیلئے کسی مددگار یا شریک کی ضرورت نہیں ہے۔

اگر انصاف کے ساتھ غور کیا جائے تو اس کائنات کا ہر ذرہ اللہ ﷻ کی توحید کی بھی گواہی دیتا ہے اور اس بات کی بھی کہ یہ سارا نظام اس نے بے مقصد پیدا نہیں کر دیا۔ اس کا یقیناً کوئی مقصد ہے اور وہ یہ کہ اس دنیوی زندگی میں کئے ہوئے ہر کام کا کسی دن حساب ہو اور اُس دن نیکیوں کا انعام اور برائیوں کی سزا دی جائے۔ اس سے خود بخود آخرت کا عقیدہ ثابت ہوتا ہے۔

پھر نیکی اور برائی کا تعین کرنے کیلئے ضروری ہے کہ اللہ ﷻ کی طرف سے واضح ہدایات بندوں کو دی جائیں۔ ان ہدایات کا ذریعہ اللہ ﷻ کے پیغمبر ہیں جو وحی کے ذریعے اللہ ﷻ کے احکام معلوم کر کے دنیا والوں تک پہنچاتے ہیں۔ لہذا اسی سے رسالت کا عقیدہ بھی ثابت ہوتا ہے۔

کائنات کی جو نشانیاں اس سورت میں بیان کی گئی ہیں، ان میں بادلوں کی گرج چمک بھی ہے جس کا ذکر اس سورت (آیت نمبر ۳۱) میں آیا ہے۔

عربی میں گرج کو ”الرعد“ کہا جاتا ہے۔ اسی پر اس سورت کا نام ”رعد“ رکھا گیا ہے۔

وقال ابن عباس: ﴿كَبَابِطٍ كَفْنِيهِ﴾ مثل المشرك الذي عبد مع الله إلهاً غيره كمثل العطشان الذي ينظر إلى ظل خياله في الماء من بعد وهو يريد أن يتناوله ولا يقدر. وقال غيره: ﴿مُتَجَاوِرَاتٍ﴾: متدانيات. وقال غيره: ﴿الْمَفْلَاتِ﴾ واحداً مفلة: وهي الأضياء والأمثال. وقال ﴿لَا يَمْلَأُ أَبْهَامَ الدِّهْنِ خَلْوًا﴾ [يونس: ۱۰۲]. ﴿بِمِقْدَارٍ﴾: بقدر. يقال ﴿مُعَقَّبَاتٍ﴾: ملائكة حفظة تعقب الأولى منها الأخرى. ومنه قيل: العقيب، أي: عقت في الره. ﴿الْمِحَالِ﴾: العقوبة. ﴿رَبَابِيَا﴾: من ربا يربوا.

﴿أَوْمَتَاعٍ زَبَدٍ﴾ مثله، المتاع: ما تمتعت به. ﴿جُفَاءً﴾: يقال: أجفأت القدر: اذا غلت فعلاها الزبد، ثم تسكن فيذهب الزبد بلا منفعة فكذلك يميز الحق من الباطل. ﴿الْمِيهَادِ﴾: الفراش. ﴿يَلْدَرُونَ﴾: يدفعون. دراهه عنى: دفعته. ﴿سَلَامٌ عَلَيْكُمْ﴾: أي يقولون: سلام عليكم، والمتاب اليه: توبتي. ﴿أَلَمْ يَبَيِّنْ﴾: ألقم يتبين. ﴿لَارِعَاتٍ﴾: داهية. ﴿فَأَنْلَيْتِ﴾: اطلت، من الملى والملاوة ومنه ملها، ويقال اللوامع الطويل من الأرض: ملى. ﴿أَشْقَى﴾: أشد، من المشقة. ﴿مُعَقَّبٌ﴾: مغير. وقال المجاهد: ﴿مُتَجَاوِرَاتٍ﴾: طيها عذب وعبيدها السباخ. ﴿صِنَوَانٍ﴾: النخلتان أو أكثر في أصل واحد. ﴿وَوَغَيْرِ صِنَوَانٍ﴾ وحدها. ﴿السُّحَابِ الْقَطَالِ﴾: الذي فيه الماء. ﴿كَبَابِطٍ كَفْنِيهِ إِلَى الْمَاءِ﴾ يدعو الماء بلسانه ويشير اليه بيده فلا يأتيه أهدأ. ﴿لَسَالَتْ أَوْدِيَةً بِقَدَرِهَا﴾ تملأطن واد. ﴿زَبَدًا رَابِيًا﴾: الزبد السيل مثله زبد. خبث الحديد والحلبة.

ترجمہ و تشریح

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ﴿كَبَابِطٍ كَفْنِيهِ﴾ یہ مشرک کی مثال ہے، جو اللہ ﷻ کے سوا دوسروں کی پوجا کرتا ہے، اس کی مثال اس پیاسے جیسی ہے جو پانی کا تصور کر کے دور سے اپنے ہاتھ کو

بڑھاتا ہے اور چاہتا ہے کہ اس کو حاصل کرے، لیکن اس پر قدرت نہیں ہے یعنی نہیں لے سکتا۔

”مُعْجَاوِرَاتٌ“ بمعنی ”معدالیات“ یعنی آپس میں قریب ہیں، ملے ہوئے ہیں۔

”الْمَفْلَاتُ“ جمع ہے، اسکا واحد ”مفلہ“ ہے اور اس کے معنی ہیں اشیاء و امثال کے جیسے سورہ یونس

میں اللہ ﷻ نے فرمایا ﴿إِلَّا مِثْلَ آيَاتِ الَّذِينَ خَلَوْا﴾ یعنی اب یہ لوگ صرف ان لوگوں کے مشابہ واقعات کا انتظار کر رہے ہیں جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں۔

”بِمِقْدَارٍ“ بمعنی ”بقدر“ یعنی معین انداز، مقررہ اندازہ کرنا کہ نہ اس سے بڑھتا ہے نہ گھٹتا ہے۔

”مُعَقَّبَاتٌ“ سے مراد نگہبانی کرنے والے فرشتے ہیں، ان فرشتوں میں سے پہلی جماعت کے بعد

دوسری جماعت آتی ہے یعنی باری باری آنے والے فرشتوں کی جماعتیں اور اسی سے کہا گیا ”العقب“ یعنی میں اسکے نشان قدم پر پیچھے پیچھے آیا، اس کی پیروی کی۔

”الْمِحَالُ“ بمعنی ”العقوبۃ“ یعنی عقوبت، سختی، عذاب۔

لفظ ”رَابِعًا“ یہ ”رہا۔ ہو ہوا“ سے مشتق ہے جس کے معنی پھولنے اور چڑھنے کے ہیں۔

اس آیت ”اَوْفَاعَ رَبِّنَا“ میں ”مناع“ کے معنی ہیں جس چیز سے فائدہ اٹھایا جائے۔

”جُفَاءً“ کا معنی جھاگ ہے، اور یہ ”أَجْفَاتُ الْقَدْرِ“ سے ماخوذ ہے، جب ہانڈی میں کوئی چیز پکائی

جاتی ہے وہ کوئی بھی چیز جوش مارتی ہے، جس سے جھاگ اوپر آتی ہے، پھر جب وہ ہانڈی یا وہ چیز جو اس میں پکائی

جاتی ہے وہ ٹھنڈی ہو جاتی ہے تو اس میں سے بے فائدہ جھاگ ختم ہو جاتی ہے، بالکل اسی طرح باطل حق سے جدا

ہو جاتا ہے۔

”الْمِهَادُ“ یعنی بچھونا، بستر، آرام گاہ۔

”بَدْرُونَ“ بمعنی ”بَدْلَعُونَ“ دور کیا جیسا کہ ”دِرَانَهُ عَنِ“ کے معنی ہیں میں نے اس کو خود سے دور

کیا۔

”سَلَامٌ عَلَيْكُمْ“ یہاں پر ”يقولون“ فعل محذوف ہے۔

”الْمَعَابُ إِلَيْهِ“ بمعنی ”توبعی“ یعنی اسکی طرف میرا رجوع کرنا ہے۔ ”معاب“ بمعنی رجوع۔

”أَلَمْ يَنبَأْسِ“ کے معنی ہیں ”أَلَمْ يَعْنِ“ یعنی کیا (ایمان والوں پر) یہ بات ظاہر نہیں ہوئی ہے؟

”قَارِعَةً“ کے معنی ہیں ”داهية“ یعنی مہلک، آفت، سخت مصیبت۔

”لَمَّا نَسِيْتُ“ بمعنی ”اطلعت“ یعنی میں نے مہلت دراز کر دی، ڈھیل دیدی، یہ ”السَّلْبِيُّ

وَالْمِجْلَاوَةُ“ سے مشتق ہے اور اسی سے ماخوذ ہے ”ملیا“ یعنی حدیث جبرئیل ﷺ میں ”لبعت ملیا“ نیز

ایک جگہ قرآن پاک میں ہے ”واہجرنی ملیا“ اور کشادہ و طویل زمین یعنی صحرا و بیابان کو ”ملا من

الارض" کہا جاتا ہے۔

"أَصْلُ" بمعنی "أصل" بہت سخت رشیدیہ، اور "المشقة" سے مشتق ہے یعنی اسم تفضیل کا صیغہ ہے۔

"مُعَقَّب" بمعنی "معمبر" یعنی بدلنے والا نہیں۔

حضرت مجاہد رحمہ اللہ نے "مُعْجَاوِرَات" کی تفسیر بیان کی ہے کہ زمین کا بعض حصہ عمدہ ہے اور بعض کھاری ردی زمین ہے ویران ہے جس میں کوئی زراعت وغیرہ نہیں ہوتی ہو۔

"صِنَوَانٍ" کا مفہوم ہے کہ ایک جڑ سے دو یا زیادہ شاخیں نکلے ہوں اور "وَعَمْرُؤُا صِنَوَانٍ" سے مراد

ہے کہ ایک جڑ سے ایک ہی تنہ اور پر تک چلا جاتا ہو۔

"السَّحَابِ الثَّقَالِ" سے مراد وہ بادل ہے جس میں پانی بھرا ہوا ہو۔

"تَكْبِيسُ كَفِّهِ إِلَى الْمَاءِ" یہ ان کافروں کی مثال ہے جو بتوں کو پکارتے ہیں، انکی مثال اس شخص

کی طرح ہے جو ہاتھ پھیلا کر زبان سے پانی کو بلاتا ہے اور ہاتھ سے اسکی طرف اشارہ کرتا ہے کہ میرے پاس آؤ، سو پانی کبھی بھی اس کی طرف نہیں آئے گا، کیونکہ وہ نہ سنتا ہے، نہ سمجھتا ہے جیسے بت۔

"فَسَأَلَتْ أُوْدِيَةَ بِقَدْرِهَا" کا مفہوم ہے نالہ کا پیٹ یعنی اندرونی حصہ بھر جاتا ہے اپنی اپنی مقدار

کے موافق یعنی چھوٹے نالے میں کم اور بڑے نالہ میں زیادہ پانی بھر کر بہنے لگتا ہے۔

"زَيْدًا رَابِيًا" سے سیلاب کے اوپر آنے والی جھاگ مراد ہے۔ یہ اس مثال کی طرح ہے جب لوہے

یا چاندی کو آگ پر گرم کرتے ہیں تو اس میں جو زنگ وغیرہ ہوتا ہے وہ جھاگ کی صورت میں آجاتا ہے۔

(۱) باب قوله: ﴿اللَّهُ يَغْلَمُ مَا تَحْمِلُ كُلُّ أُنثَىٰ وَمَا تَغِيصُ الْأَرْحَامُ﴾ [۸]

اس ارشاد کا بیان کہ: "جس کسی مادہ کو جو حمل ہوتا ہے، اللہ اُس کو بھی جانتا ہے، اور ماؤں کے

رحم میں جو کوئی کمی بیشی ہوتی ہے، اُس کو بھی۔"

غیص: نُقِصَ،

ترجمہ: "غیص" بمعنی کمی بیشی۔

کل انثیٰ وما تغيص الارحام - مذکر ہے یا مؤنث، پورا ہے یا ادھورا، اچھا ہے یا برا۔

یعنی حاملہ کے پیٹ میں ایک بچہ ہے یا زیادہ، پورا بن چکا ہے یا نا تمام ہے، تھوڑی مدت میں پیدا ہوگا یا

زیادہ میں، یہ سب باتیں اللہ تعالیٰ کے علم میں ہیں۔

غرض پیٹ کے گھٹنے بڑھنے کے تمام اسرار و اسباب اور اوقات و احوال کو پوری طرح جانتا ہے، اور اپنے علم محیط کے موافق ہر چیز کو ہر حالت میں اسکے اندازہ اور استعداد کے موافق رکھتا ہے۔

اسی طرح اس نے جو آیات حضرات انبیاء علیہم السلام کی تصدیق کے لئے اتاری ہیں ان میں خاص اندازہ اور مصالح، حکم ملحوظ رہی ہیں، جس وقت جس قدر بنی آدم کی استعداد و صلاحیت کے مطابق نشانات کا ظاہر کرنا مصلحت تھا اس میں کمی نہیں ہوئی، باقی قبول کرنے اور منتفع ہونے کے لحاظ سے لوگوں کا اختلاف ایسا ہی ہے جیسے حوامل کے پیٹ سے پیدا ہونے والوں کے احوال تفاوت استعداد و تربیت کی بناء پر مختلف ہوتے ہیں۔

۴۶۹۷۔ حدیثی ابراہیم بن المنذر: حدثنا معن قال: حدثني مالك، عن عبد الله ابن دينار، عن ابن عمر رضي الله تعالى عنهم: ان رسول الله ﷺ قال: ((مفاتيح الغيب خمس لا يعلمها الا الله: لا يعلم ما في غد الا الله، ولا يعلم ما تغيض الارحام الا الله، ولا يعلم متى يأتي المطر احد الا الله، ولا تدري نفس باي ارض تموت، ولا يعلم متى تقوم الساعة الا الله)). [راجع: ۱۰۳۹]

ترجمہ: عبد اللہ بن دینار رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ غیب کی پانچ باتیں یا سنجیاں ہیں، جن کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا، اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ کل کیا ہونے والا ہے؟ ماؤں کے رحموں میں کیا ہے؟ یہ اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ بارش کب ہوگی؟ یہ اللہ کے سوا کوئی بھی نہیں جانتا۔ آدمی نہیں جانتا کہ کس جگہ اس کی موت آئے گی؟ کوئی نہیں جانتا قیامت کب آئے گی؟ سوائے اللہ کے۔

مفاتيح الغيب

ایک سائل نے حضور اقدس ﷺ سے ان پانچ چیزوں کے بارے میں دریافت کیا کہ کل کیا ہونے والا ہے؟ ماؤں کے رحموں میں کیا ہے؟ بارش کب ہوگی؟ کس جگہ انسان کی موت آئے گی؟ قیامت کب آئے گی؟ اس پر سورہ لقمان کی آیت نازل ہوئی:

﴿إِنَّ اللَّهَ عِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُنزِلُ الْغَيْثَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْأَرْحَامِ وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوتُ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ﴾

ترجمہ: یقیناً (قیامت کی) گھڑی کا علم اللہ ہی کے پاس سے، وہی بارش برساتا ہے، اور وہی جانتا ہے کہ ماؤں کے پیٹ میں کیا ہے، اور کسی تنفس کو یہ پتہ نہیں ہے کہ وہ کل کیا کمائے گا، اور نہ ہی کسی تنفس کو یہ پتہ ہے کہ کونسی زمین میں اُسے موت آئے گی۔ بے شک اللہ ہر چیز کا مکمل علم رکھنے والا، ہر بات سے پوری طرح باخبر ہے۔

اس آیت میں ان پانچوں کے علم کا اللہ ﷻ کے ساتھ مخصوص ہونا بیان فرمایا گیا ہے۔ ۱

۱ مزید تفصیل و وضاحت کیلئے مراجعت فرمائیں: انعام الباری شرح صحیح البخاری، ج: ۱، ص: ۵۷۰، کتاب الایمان، رقم

(۱۴) سورۃ ابراہیم

سورۃ ابراہیم کا بیان

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سورۃ ابراہیم مکی ہے اور اس میں باون آیتیں اور سات رکوع ہیں۔
دوسری مکی سورتوں کی طرح اس سورت کا موضوع بھی اسلام کے بنیادی عقائد کا اثبات اور ان کا انکار کرنے کے خوفناک نتائج پر تشبیہ ہے۔

وجہ تسمیہ

چونکہ عرب کے مشرکین حضرت ابراہیم علیہ السلام کو مانتے تھے، اس لئے سورت کے آخر سے پہلے رکوع میں اُن کی وہ پراثر دعا نقل فرمائی گئی ہے جس میں انہوں نے شرک اور بت پرستی کی صاف صاف برائی بیان کرتے ہوئے اللہ جل جلالہ سے درخواست کی ہے کہ انہیں اور ان کے بیٹوں کو بت پرستی سے محفوظ رکھا جائے۔ اسی وجہ سے اس سورت کا نام سورۃ ابراہیم ہے۔

قال ابن عباس: ﴿مَادٍ﴾: داع. وقال مجاهد: ﴿صَدِيدٍ﴾: قبح ودم. وقال ابن عسبة: ﴿أَذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ﴾: أهدى الله عندكم وأيامه.
وقال مجاهد: ﴿مِنْ كُلِّ مَا سَأَلْتُمُوهُ﴾: رغبتم إليه. ﴿تَبْفُلْنَهَا عِوَجًا﴾: تلتمسون لها عوجا.

﴿وَإِذْ تَأَذَّنَ رَبُّكُمْ﴾: أعلمكم، أذلكم. وذكروا أهدىهم لى ألواهم: هذا مثل، كفوا عما أمروا به.

﴿مَقَامِي﴾: حيث يقبمه الله بين يده. ﴿مِنْ وَرَائِهِ﴾: قدامه جهنم. ﴿لَكُمْ تَبَعًا﴾: واحدها تابع مثل هيب وغائب.

﴿بِمَضْرِعِكُمْ﴾: استصرحنى: استغفالنى، ﴿بِشَعْرِخُةٍ﴾: من الصراخ.
﴿وَلَا يَخْلَلُ﴾: مصدر خالعه خللاً، ويجوز أيضاً جمع خلة وخلال. ﴿أَجْتَنَّتْ﴾:

استوصلت.

ترجمہ و تشریح

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ”ہَادٍ“ بمعنی ”داع“ یعنی داعی اور دعوت دینے والے، ہدایت کرنے والے۔

حضرت مجاہد رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ”صَدِيدٌ“ کے معنی پیپ اور خون کے ہیں۔

حضرت سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ آیت کریمہ ﴿أَذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ﴾ سے مراد اللہ ﷻ کی وہ نعمتیں جو تمہارے پاس ہیں اور ان ایام و واقعات کو یاد کرو جن میں اللہ ﷻ نے تم لوگوں کو فرعونوں سے نجات دی۔

حضرت مجاہد رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ﴿مِنْ كُلِّ مَا سَأَلْتُمُوهُ﴾ کا مفہوم یہ ہے کہ جن جن چیزوں کی طرف تم کو رغبت ہے تم کو دی، تم نے مانگا یا نہیں مانگا۔

﴿تَبْتَغُونَهَا حَوْجًا﴾ کے معنی ہیں ”تلعمسون“ یعنی راہ خدا اور دین حق میں کجی تلاش کرتے ہیں۔
﴿وَإِذْ تَأَذَّنَ رَبُّكُمْ﴾ اس آیت میں ”تَأَذَّنَ“ بمعنی ”اعلم“ اور ”آذَنَ“، جس کے معنی اعلام اور اطلاع کے ہیں۔

”رَدُّوا أَيْدِيَهُمْ لِيُفْوَهِمَ“ یہ ایک اہل عرب کی ایک مثال ہے جو ”كلوا عما أمروا به“ کے معنی میں ہے، یعنی جس (حق) بات کا ان لوگوں کو حکم دیا گیا، وہ اس سے باز رہے اس کو جھٹلا دیا۔

”مَقَامِي“ وہ مقام جہاں اللہ ﷻ اپنے سامنے کھڑا کرے گا، یعنی روز قیامت حساب و کتاب کیلئے۔

”مِنْ وَرَائِهِ“ یعنی اس کے سامنے اس کے آگے دوزخ ہے۔

”تَبَعًا“ جمع ہے اس کا واحد ”تابع“ ہے جیسے ”غيب و طالب“ ہیں۔

آیت کریمہ میں ﴿مَا أَنَا بِمُضِرِّكُمْ﴾ کے معنی ہیں ”ما انا بمضركم“ جس کا مطلب یہ ہے کہ

میں تمہارا مددگار نہیں بن سکتا ہوں۔

”بِمُضِرِّكُمْ“ کی تفسیر کی ہے ”استصر مخنی“ سے جو بمعنی ”استعھانی“ کے ہے یعنی اس نے مجھ

سے فریادرسی طلب کی اور ”بِمُضِرِّكُمْ“ ماخوذ ہے ”صراخ“ سے جس کے معنی ہیں فریاد، چیخ و پکار۔

”وَلَا يَجْلَلُ“ کا مصدر ہے ”جَالَعَهُ خَلَالًا“ یعنی از باب مفاعله ”مخالة“ سے ہے، اسکے

علاوہ ہوسکتا ہے کہ یہ ”خلة“ کی جمع ہو۔

”أَجْتَنَّتْ“ بمعنی ”استوصلت“ یعنی جڑ سے اکھاڑ لیا جائے گا۔

(۱) باب قوله: ﴿كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ أَضَلُّهَا ثَابِتٌ﴾ الآية [۲۳]

اس ارشاد کا بیان کہ: ”وہ ایک پاکیزہ درخت کی طرح ہے جس کی جڑ (زمین میں) مضبوطی سے جمی ہوئی ہے۔“

کلمہ طیبہ۔ ”ستری بات“ میں کلمہ توحید، معرفت الہی کی باتیں، ایمان و ایمانیات، قرآن، حمد و ثنا، تسبیح و تہلیل، سچ بولنا سب داخل ہے۔

شجرہ طیبہ۔ اکثر روایات میں یہاں ”ستری درخت“ کا مصداق کھجور کو قرار دیا ہے، گو دوسرے ستری درخت بھی اسکے تحت میں مندرج ہو سکتے ہیں۔

۳۶۹۸۔ حدثني عبيد بن اسماعيل، عن أبي أسامة، عن عبيد الله، عن نافع، عن ابن عمر رضي الله عنهما قال: كنا عند رسول الله ﷺ فقال: ((أخبروني بشجرة تشبه، أو كالرجل المسلم، لا يتحات ورقها ولا... ولا... ولا...، توتى أكلها كل حين))، قال ابن عمر: فوقع في نفسي أنها النخلة، ورأيت أبا بكر وعمر لا يتكلمان فكرهت أن أتكلم. فلما لم يقولوا شيئاً قال رسول الله ﷺ: ((هي النخلة)). فلما قلنا قلت لعمر: يا ابتاه، والله لقد كان وقع في نفسي أنها النخلة. فقال: مامنك أن تكلم؟ قال: لم أركم تكلمون فكرهت أن أتكلم أو أقول شيئاً. قال عمر: لأن تكون قللتها أحب الي من كذا وكذا. [راجع: ۶۱]

بولنا علم ہے تو کب بولنا یہ حکمت ہے!

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کی مجلس میں حاضر تھے آنحضرت ﷺ نے دریافت فرمایا کہ تم لوگ مجھے ایسے درخت کے بارے میں بتاؤ جو مشابہ ہے (مسلمان کے)، یا مسلمان مرد کی مانند ہے، جس کے پتے نہیں گرتے اور ایسا نہیں ہوتا۔۔۔۔ ایسا نہیں ہوتا۔۔۔۔ ایسا نہیں ہوتا۔۔۔۔ (یعنی اسکی تین صفات بیان فرمائیں) اور اپنا پھل ہر موسم میں دیتا ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا میرے دل میں آیا کہ وہ کھجور کا درخت ہے، لیکن میں نے دیکھا

کہ حضرت ابو بکر صدیق و حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما دونوں خاموش ہیں تو میں نے ان کے سامنے بولنا مناسب نہیں سمجھا، پھر جب کسی نے کچھ جواب نہ دیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ وہ کھجور کا درخت ہے۔ جب ہم لوگ وہاں سے اٹھے تو میں نے (اپنے والد) حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اے ابا جان اللہ کی قسم! میرے ذہن میں یہ بات تھی کہ وہ کھجور کا درخت ہے۔

تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ تم کو کس چیز نے بولنے سے روکا؟ انہوں نے کہا میں نے دیکھا آپ حضرات کچھ نہیں بول رہے ہیں تو میں نے مناسب نہیں سمجھا کہ آگے بڑھ کر کچھ بات کروں یا کچھ بولوں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر تو نے بتا دیا ہوتا تو مجھ کو فلاں، فلاں چیز سے زیادہ خوشی ہوتی۔

(۲) باب: ﴿يُثَبِّتُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ﴾ [۲۷]

باب: ”جو لوگ ایمان لائے ہیں، اللہ ان کو اس مضبوط بات پر۔“

ایمان دنیا و آخرت میں ثابت قدمی کا سبب

یعنی حق تعالیٰ تو حید و ایمان کی باتوں سے مؤمنین کو دنیا و آخرت میں مضبوط ثابت قدم رکھتا ہے، رہی قبر کی منزل جو دنیا و آخرت کے درمیان برزخ ہے اس کو ادھر یا ادھر جس طرف چاہیں شمار کر سکتے ہیں، چنانچہ سلف سے دونوں قسم کے اقوال منقول ہیں۔

غرض یہ کہ مؤمنین دنیا کی زندگی سے لے کر محشر تک اسی کلمہ طیبہ کی بدولت مضبوط اور ثابت قدم رہیں گے، دنیا میں کیسی ہی آفات و حوادث پیش آئیں، کتنا ہی سخت امتحان ہو، قبر میں منکر نکیر سے سوال و جواب کا مشکل مرحلہ ہو، محشر کا ہولناک منظر ہوش اڑا دینے والا ہو، ہر موقع پر یہ ہی کلمہ تو حیدان کی پامردی اور استقامت کا ذریعہ بنے گا۔

۳۶۹۹۔ حدیثنا ابو الولید: حدیثنا شعبۃ قال: أخبرنی علقمة بن مرثد قال: سمعت

سعد بن عبیدہ، عن البراء بن عازب رضی اللہ عنہما، أن رسول اللہ ﷺ قال: ((المسلم إذا مثل في القبر يشهد أن لا إله إلا الله، وأن محمد رسول الله. لذلك قوله: ﴿يُثَبِّتُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ﴾)). [راجع: ۱۳۶۹]

ترجمہ: حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مسلمان سے جب قبر

میں سوال کیا جاتا ہے تو وہ شہادت دیتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے، اور بے شک محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ پس یہی مفہوم ہے اس ارشاد الہی کا ﴿يُثَبِّتُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ﴾۔

(۳) باب: ﴿أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ بَدَّلُوا نِعْمَةَ اللَّهِ كُفْرًا﴾ [۲۸]

باب: ”کیا تم نے اُن لوگوں کو نہیں دیکھا جنہوں نے اللہ کی نعمت کو کفر سے بدل ڈالا۔“

﴿أَلَمْ تَرَ﴾ ألم تعلم. کقولہ: ﴿أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ خَرَجُوا﴾.
﴿الْبُورِ﴾: الهلاک. بارہ بور، بوراً. ﴿لَوْ مَا بُوراً﴾: هالکین.

ترجمہ و تشریح

”أَلَمْ تَرَ“ بمعنی کیا تم نہیں جانتے؟ کیا تم نے نہیں دیکھا؟ اسی طرح جیسا کہ ایک دوسری جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ خَرَجُوا﴾ یعنی کیا تم نے نہیں دیکھا ان لوگوں کو نکالے گئے؟ ”البور“ بمعنی ہلاکت، یہ ”بارہ بور، بوراً“ سے ماخوذ ہے، اور مصدر ہے۔ اسی سے یہ ﴿لَوْ مَا بُوراً﴾ بمعنی ہلاک ہونے والے لوگ رقوم۔

۳۷۰۰۔ حدثنا علی بن عبد اللہ: حدثنا سفیان، عن عمرو، عن عطاء: سمع ابن

عباس ﴿أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ بَدَّلُوا نِعْمَةَ اللَّهِ كُفْرًا﴾ قال: هم كفار أهل مكة. [راجع:

[۳۹۷۷

ترجمہ: عطاء بن رباح روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے سنا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس آیت ﴿أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ بَدَّلُوا نِعْمَةَ اللَّهِ كُفْرًا﴾ سے مراد مکہ کے کافر ہیں۔

رؤسائے قریش اور کفرانِ نعمت

اس سے کفار و مشرکین کے سردار مراد ہیں، خصوصاً رؤساء قریش جن کے ہاتھ میں اس وقت عرب کی باگ دوڑ تھی، یعنی اللہ ﷻ نے ان پر کیسے احسان کئے، ان کی ہدایت کے لئے پیغمبر رسول اللہ ﷺ کو مبعوث فرمایا،

قرآن نازل فرمایا، ان لوگوں کو اپنے مقدس حرم اور بیت اللہ کا مجاور بنایا، پورے عرب کی سرداری ان کو دی۔
﴿الَّذِينَ بَدَّلُوا نِعْمَةَ اللَّهِ كُفْرًا﴾۔ انہوں نے ان نعمتوں اور احسانات کا بدلہ یہ دیا کہ خدا کی
 ناشکری پر کمر بستہ ہو گئے، اس کی باتوں کو جھٹلایا، اس کے پیغمبروں سے لڑائی کی، آخر "واحلوا قومهم
 دار البوار" یعنی اپنی قوم کو لے کر تباہی کے گڑھے میں جا گرے۔

(۱۵) تفسیر سورة الحجر سورة حجر کی تفسیر

بسم الله الرحمن الرحيم

یہ سورت مکی ہے، اور اس میں ننانوے آیتیں اور چھ رکوع ہیں۔

کفار کی تردید، مسلمانوں کی تسلی اور مؤثر انداز میں تبلیغ کی تعلیم

اس سورت [کی آیت نمبر ۴۹] سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مکہ مکرمہ میں آنحضرت ﷺ کی بعثت کے ابتدائی زمانے میں نازل ہوئی تھی، کیونکہ اس آیت میں پہلی بار آپ کو کھل کر اسلام کی عام تبلیغ کا حکم دیا گیا ہے۔ لہذا سورت کے شروع میں یہ حقیقت بیان فرمائی گئی ہے کہ قرآن کریم اللہ ﷻ کی طرف سے نازل کی ہوئی کتاب ہے اور جو لوگ اسکی مخالفت کر رہے ہیں، ایک وقت آئے گا جب وہ تمنا کریں گے کہ کاش وہ اسلام لے آتے۔ یہ لوگ آنحضرت ﷺ کو کبھی - معاذ اللہ - مجنون کہتے اور کبھی کاہن قرار دیتے تھے۔ ان باتوں کی تردید کرتے ہوئے کہانت کی حقیقت [آیت نمبر ۱۷ اور ۸۱ میں] بیان فرمائی گئی ہے۔

ان لوگوں کے کفر کی اصل وجہ ان کا تکبر تھا، اس لئے ابلیس کا واقعہ [آیات نمبر ۶۲ تا ۴۴ میں] بیان کیا گیا ہے کہ اس کے تکبر نے کس طرح اُس کو اللہ ﷻ کی رحمت سے محروم کیا۔

کفار کی عبرت کیلئے حضرت ابراہیم، حضرت لوط، حضرت شعیب اور حضرت صالح علیہم السلام کے واقعات اختصار کے ساتھ بیان فرمائے گئے ہیں۔

آنحضرت ﷺ اور مسلمانوں کو تسلی دی گئی ہے کہ ان کافروں کی ہٹ دھرمی کی وجہ سے وہ یہ نہ سمجھیں کہ ان کی محنت بیکار جا رہی ہے۔ اُن کافر بیضہ اتنا ہے کہ وہ مؤثر انداز میں تبلیغ کریں، جو وہ بہترین طریقے پر انجام دے رہے ہیں۔ نتائج کی ذمہ داری اُن پر نہیں ہے۔

۱۔ وقال الطبری۔ رحمہ اللہ۔ : ہی مکة باجماع المسلمين، ورد عليه بقول الكلبي۔ رحمہ اللہ۔ : ان فيها آية مدينة.

سورت کی وجہ تسمیہ

اس سورت کا نام قوم ثمود یعنی حضرت صالح علیہ السلام کی قوم، کی بستیوں کے نام پر رکھا گیا ہے جو ”حجر“ کہلاتی تھیں اور ان کا ذکر اس سورت [کی آیت نمبر: ۸۰] میں آیا ہے۔

وَلَقَدْ جَاهَدَ: ﴿صِرَاطٌ عَلٰیٰ مُسْتَقِيْمٍ﴾: الحق يرجع الى الله، وعليه طريقه.

﴿لِيَايُمَام مَبِيْن﴾: على الطريق.

وَلَقَدْ ابْن عَبَّاس: ﴿لَعَمْرُكَ﴾: لعيشك. ﴿لَوْمٌ مُنْكَرُوْنَ﴾: انكرهم لوط.

﴿كِتَابٌ مَّغْلُوْمٌ﴾: اجل.

﴿لَوْ مَا تَأْتِيْنَا﴾: هلا تاتيْنَا. ﴿سَمِيْعٌ﴾: امم وللأولياء أيضا شيع. وقال ابن عباس:

﴿يُنْهَرُغُوْنَ﴾: مسرعين.

﴿لِلْمُعْتَوِسِيْنَ﴾: للناظرين. ﴿شُكْرُوْثٌ﴾: غشيت. ﴿بُرُوجًا﴾: منازل للشمس

والقمر. ﴿لَوَالِحٌ﴾، ملاح ملقحة.

﴿حَمَاءٌ﴾: جماعة حماة، وهو الطين المتغير. والمسنون: المصوب. ﴿تَوَجَّلْ﴾:

تخف. ﴿ذَابِرٌ﴾: آخر.

﴿لِيَايُمَام مَبِيْن﴾: الامام كل ما التعمت واهديت به. ﴿الصَّنِيْعَةُ﴾: الهلكة.

ترجمہ و تشریح

حضرت مجاہد رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ﴿صِرَاطٌ عَلٰیٰ مُسْتَقِيْمٍ﴾ کے معنی ہیں وہ حق جو اللہ ﷻ تک

پہنچاتا ہے اور اسی راہ حق پر چل کر بندہ مؤمن اللہ ﷻ کا مقرب ہو جاتا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں ”لَعَمْرُكَ“ بمعنی ”لعیشک“ یعنی آپکی جان کی قسم!

”لَوْمٌ مُنْكَرُوْنَ“ کا مفہوم یہ ہے کہ حضرت لوط علیہ السلام نے ان فرشتوں کو اجنبی سمجھا۔

”كِتَابٌ مَّغْلُوْمٌ“ سے مراد ”اجل“ یعنی مدت ہے، تو کتاب معلوم کے معنی ہوئے مقررہ مدت۔

”لَوْ مَا تَأْتِيْنَا“ بمعنی ”هلا تاتيْنَا“ یعنی ”لو“ یہاں تخصیص کیلئے ہے۔

”سَمِيْعٌ“ کے معنی ہیں ”امم“ امت کی جمع ہے، ”وللأولياء“ نیز اولیاء پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ”يُنْهَرُغُوْنَ“ کے معنی ”مسرعین“ کے ہیں یعنی تیز چلتے

ہوئے، دوڑتے ہوئے۔

”لِلْمُعَوِّضِينَ“ کے معنی ہیں ”لِلنَّاهِرِينَ“ یعنی دیکھنے والوں کیلئے۔

”سُكْرَاتٍ“ بمعنی ”غشیت“ یعنی پردہ ڈال دیا گیا، نظر بندی کر دی گئی۔

”بُرُوجًا“ سے مراد سورج اور چاند کی منزلیں ہیں۔

”لَوَالِحٍ“ معنی بارودار، وہ ہوائیں جو پانی سے بھرے ہوئے بادل کو بطور حمل کے اٹھاتی ہیں اور یہی معنی

ہے ”ملاح“ کا، جو ”ملاحۃ“ کی جمع ہے۔

”حَمًا“ جمع ہے ”حماة“ جس کے معنی ہیں متغیر مٹی، بدبودار کچھڑ۔

”المسنون“ کے معنی ہیں ”المصبوب“ یعنی قالب میں ڈھالی گئی۔

”تَوَجَّلَ“ بمعنی ”تعف“۔ یعنی آیت میں ﴿لَا تَوَجَّلْ﴾ کے معنی ہیں خائف نہ ہو، مت ڈرو۔

”ذَاهِرًا“ کے معنی ”آخر“ کے ہیں، یعنی جڑ، بنیاد۔

آیت مبارکہ ﴿لِيَا مَامُ مَبِينٍ﴾ میں ”امام“ ہر وہ چیز ہے جس کی تم پیروی کرو اور جسکے ذریعے راہ پاؤ۔

”امام“ بروزن ”فعال“ اسم ہے بمعنی مقتداء، رہنما، ہر وہ چیز جس کی اقتداء اور پیروی کی جائے، قصد

کیا جائے۔

چونکہ راستہ بھی رہنما ہے اس لئے ایک معنی امام کے راستہ ہیں، ”مبین“ کھلا ہوا، مطلب یہ ہے کہ قوم

لوط اور اصحاب ایک ایک کھلے راستے پر واقع ہیں جو حجاز سے شام کی طرف جاتا ہے۔

”الصُّنْحَةُ“ کے معنی ہیں ہلاکت۔

(۱) باب قوله: ﴿إِلَّا مَنْ اسْتَعْرَقَ السَّمْعَ فَاتَّبَعَهُ شِهَابٌ مُّبِينٌ﴾

اس ارشاد کا بیان: ”البتہ جو کوئی چوری سے کچھ سننے کی کوشش کرے تو ایک روشن شعلہ اُس کا

بیچھا کرتا ہے۔“

۴۷۰۱۔ حدثنا علی بن عبد اللہ: حدثنا سفیان، عن عمرو، عن عكرمة، عن أبي

هريرة يبلغ به النبي ﷺ قال: ((إذا قضى الله الأمر في السماء ضربت الملائكة بأجنحتها

خصصنا للقوله كالسلسلة على صفوان - قال علي: وقال غيره: - صفوان بن وهب، ذلك

لماذا فزع عن قلوبهم قالوا: ماذا قال ربكم؟ قالوا للذي قال: الحق وهو على الكبير،

فيسمعها مستعرقوا السمع ومستعرقوا السمع هكذا واحد فوق آخر)) ووصف سفیان بيده
وفرج بين أصابع يده اليمنى، نصبها بعضها فوق بعض ((لربما ادرك الشهاب المستمع
قبل أن يرمى بها إلى صاحبه فيحرقه، وربما لم يدركه حتى يرمى بها إلى الذي يليه إلى
الذي هو أسفل منه حتى يلقوها إلى الأرض - وربما قال سفیان: - حتى تنتهي إلى الأرض،
فتلقى على فم الساحر فيكذب معها مائة كذبة فيصدق فيقولون: ألم يخبرنا يوم كذا
وكذا يكون كذا وكذا؟ فوجدناه حقا. للكلمة التي سمعت من السماء)).

حدثنا علي بن عبد الله: حدثنا سفیان: حدثنا عمرو، عن عكرمة، عن أبي هريرة:
((إذا قضى الله الأمر))، وزاد: ((الكاهن)). وحدثنا سفیان لقال: قال عمرو: سمعت
عكرمة: حدثنا أبو هريرة قال: ((إذا قضى الله الأمر)) وقال: ((على فم الساحر))، قلت
لسفیان: أنت سمعت عمر قال: سمعت عكرمة، قال: سمعت أبا هريرة؟ قال: قال: نعم.
قلت لسفیان: إن إنسانا روى عنك، عن عمرو، عن عكرمة، عن أبي هريرة ويرفعه أنه
قرأ ((فُزِعَ))، قال سفیان: هكذا قرأ عمرو فلا أدري سمعه هكذا أم لا؟

قال سفیان: وهي قرأتنا. [الظر: ۴۸۰، ۴۸۱] ج

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب اللہ ﷻ آسمانوں پر
فرشتوں کو کوئی حکم دیتا ہے تو وہ عاجزی کے ساتھ اپنے پر مارنے لگتے ہیں ارشاد باری تعالیٰ کے جیسے چکنے پتھر پر
زنجیر کی آواز ہو۔ علی مدینی رحمہ اللہ (امام بخاری رحمہ اللہ کے استاد) کہتے ہیں کہ (سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ) کے
علاوہ دوسرے راویوں نے کہا کہ اللہ ﷻ اس حکم کو فرشتوں تک پہنچا دیتے ہیں، جب فرشتے حکم الہی کے خوف سے
کچھ بے غم ہو جاتے ہیں تو آپس میں ایک دوسرے سے پوچھتے ہیں کہ اللہ ﷻ نے کیا حکم دیا ہے؟ تو دوسرے،
جن سے پوچھا گیا تھا، وہ کہتے ہیں کہ جو کچھ فرمایا وہ حق ہے اور اللہ ﷻ بڑا بلند و برتر ہے۔ پس چوری چھپے سننے
والے (شیاطین) فرشتوں کی ہاتھیں پڑالے آتے ہیں اور یہ شیطان ایک کے اوپر دوسرا یعنی اوپر تلے رہتے ہیں،
اور سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ نے اشارہ کرتے ہوئے اپنے دائیں ہاتھ کی انگلیاں کھول کر ایک پر ایک کر کے بتایا،
پھر کبھی ایسا ہوتا ہے کہ فرشتے خبر ہوتے ہی آگ کا شعلہ پھینکتے ہیں اور وہ شعلہ ہاتھیں سننے والوں کو قبل اس سے کہ وہ

ج وفی سنن ابی داؤد، کتاب الحروف والقراءات، رقم: ۳۹۸۹، وسنن الترمذی، ابواب تفسیر القرآن، باب ومن

سورۃ ساء، رقم: ۳۲۲۳، وسنن ابن ماجہ، الفتح کتاب الايمان وفضائل الصحابة والعلم، باب لهما انكرت الجهمة،

اپنے ساتھ والے کو بتلائے اس کو جلا ڈالتا ہے۔ اور کبھی اس شعلہ کے اس تک پہنچنے سے پہلے وہ اپنے ساتھی شیطان کو بتا دیتا ہے اور وہ اپنے نیچے والے کو یہاں تک کہ یہ بات زمین تک آجاتی ہے۔ اور بعض دفعہ سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ اس طرح کہتے تھے کہ یہاں تک کہ جب وہ باتیں زمین تک پہنچتیں تو پھر ان باتوں کو جادوگر کے منہ پر ڈالا جاتا ہے اور وہ ایک سچ بات میں سو جھوٹی باتیں ملا کر لوگوں سے بیان کرتا ہے، اگر کوئی کوئی بات اس جادوگر کی سچ نکل آئے، تو لوگ کہنے لگتے ہیں کہ ”بھوس“ نے فلاں فلاں دن ہم سے کہا تھا کہ ایسا ہوگا اور ایسا ہی ہوا، لہذا اس کی باتیں سچ نکلی۔ حالانکہ یہ وہی بات ہے جو آسمان سے پڑائی گئی تھی۔

امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہم سے علی بن عبد اللہ روایت کرتے ہیں کہ ہم سے سفیان نے بیان کیا وہ کہتے ہیں کہ عمر و کہتے ہیں کہ میں نے عکرمہ سے سنا کہ وہ کہتے ہیں کہ ہم سے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ جب اللہ ﷻ فرشتوں کو کوئی حکم دیتا ہے اسے، اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ”کاهن“ نبوی کا اضافہ کیا۔

تشریح

قال: اذا قضی اللہ الامر فی السماء“ فرمایا کہ اللہ ﷻ آسمان میں جب کسی کام کے کرنے کا فیصلہ فرماتے ہیں تو ملائکہ اللہ ﷻ کے ارشاد کے آگے جھکتے ہوئے اپنے پر مارتے ہیں۔ اور پر اس طرح مارتے ہیں کہ اس کی آواز اس طرح ہوتی ہے جیسے چٹان کے اوپر زنجیر ماری جائے۔

”قال علی“ اس روایت میں ”صفوان“ سکون الفاء ہے، لیکن علی بن مدینی کہتے ہیں کہ دوسرے لوگوں نے جو روایت کی ہے اس میں یہ فاء کے فتح کے ساتھ روایت کیا ہے۔

”بفسلہم ذالک“ یعنی جو خبر ہے کہ اللہ ﷻ نے ایسا کرنے کا حکم دیا ہے یہ ان سے نفوذ کر جاتی ہے یعنی ملائکہ تک، ایک سے دوسرے تک پہنچ جاتی ہے۔

”فاذا فزع عن قلوبہم“ جب ان کے دل سے گھبراہٹ دور ہوتی ہے۔

”قالوا: ما ذالک ربکم“ تو وہ کہتے ہیں کہ پروردگار نے کیا کہا، کیا حکم دیا ہے۔

”قالوا للذی قال: الحق“ کہ اللہ ﷻ نے جو حکم دیا ہے وہ حق بات کا حکم دیا ہے۔

تو اس طرح فرشتے جو پوچھنے والے ہیں وہ پوچھتے ہیں کہ کیا حکم دیا ہے، دوسرے لوگ کہتے ہیں کہ یہ حق ہے اور ساتھ میں وہ حکم بتاتے ہیں کہ اللہ ﷻ نے یہ کام کرنے کا حکم دیا ہے یا فلاں فیصلہ فرمایا ہے۔

چنانچہ اس طرح یہ جنات شیطین جو چوری چھپے سننے والے ہیں، یہ اس کو چوری چھپے سنتے ہیں کہ ملائکہ آپس میں کیا بات کر رہے ہیں، کس بات کے فیصلے کا ایک دوسرے کو خبر دے رہے ہیں، تو یہ اوپر والا (شیطان)

آسمان کے قریب اس نے کان لگا کے سنا کہ فرشتوں کے درمیان یہ بات ہو رہی ہے، تو اس نے وہاں سے ابھی سنا کان لگا کر اور سوچتا ہے کہ یہ میں نیچے بتاؤں تو وہ اس سے نیچے والے کو دیں اور پھر یہ خبر اس کے نیچے والے کو دیدیں اور یہ خبر نیچے تک جائے، تو ابھی اس نے سنا ہے اور نیچے والے کو خبر نہیں دی۔

”لربما ادرک الشہاب“ تو بعض مرتبہ وہ شہاب ثاقب آکر اس کو لگ جاتا ہے تو یہ ٹھنڈا ہو جاتا ہے اور مر جاتا ہے اور دوسرے تک خبر نہیں پہنچتی۔

”وربما لم یدرکہ“ بعض اوقات شہاب ثاقب آیا پر اس کو نہیں لگا اور اس نے دوسرے تک بات منتقل کر دیا، یہاں تک کہ وہ ہوتے ہوتے نیچے والے شیطان کے پاس خبر پہنچ جاتی ہے۔

”حعی ہلقوہا“ اور نیچے والے اس خبر کو زمین تک پہنچا دیتے ہیں تو وہ جادوگر کے منہ پر لے جا کے ڈال دیتے ہیں کہ دیکھو یہ فیصلہ ہوا ہے اور وہ جادوگر اس میں سو جھوٹ ملاتے ہیں تو لوگ تصدیق کرنا شروع کرتے ہیں کہ فلاں دن اس نے خبر دی تھی۔

شہاب ثاقب اور فلاسفہ

آیت اور حدیث میں شہاب ثاقب کا ذکر ہے، جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ شہاب حفاظت وحی کے لئے شیاطین کو مارنے کے واسطے پیدا ہوتے ہیں ان کے ذریعے شیاطین کو دفع کیا جاتا ہے، تاکہ وہ فرشتوں کی باتیں نہ سن سکیں۔

اس میں ایک اشکال قوی یہ ہے کہ فضائے آسمانی میں شہابوں کا وجود کوئی نئی چیز نہیں، رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے پہلے بھی ستارے ٹوٹنے کا مشاہدہ کیا جاتا تھا، اور بعد میں بھی یہ سلسلہ جاری ہے، تو یہ کیسے کہا جاسکتا ہے کہ شہاب ثاقب شیاطین کو دفع کرنے کے لئے پیدا ہوتے ہیں جو کہ عہد نبوی ﷺ کی خصوصیت ہے؟

اس سے تو بظاہر اسی بات کی تقویت ہوتی ہے جو فلاسفہ کا خیال ہے کہ شہاب ثاقب کی حقیقت اتنی ہی ہے کہ آفتاب کی تمازت سے جو بخارات زمین سے اٹھتے ہیں ان میں کچھ آتش گیر مادے بھی ہوتے ہیں، اوپر جا کر جب ان کو آفتاب یا کسی دوسری وجہ سے مزید گرمی پہنچتی ہے تو وہ سنگ اُٹھتے ہیں اور دیکھنے والا یہ محسوس کرتا ہے کہ کوئی ستارا ٹوٹا ہے۔

اسی لئے محاورات میں اس کو ستارا ٹوٹنے ہی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ عربی زبان میں اس کے لئے ”القضاہی کو کب“ کا لفظ استعمال ہوتا ہے، جو اسی کا ہم معنی ہے۔

جواب یہ ہے کہ ان دونوں باتوں میں کوئی تعارض و اختلاف نہیں، زمین سے اُٹھنے والے بخارات

مشغول ہو جائیں یہ بھی ممکن ہے اور یہ کوئی بعید نہیں ہے کہ کسی ستارے یا سیارے سے کوئی شعلہ نکل کر گرے، اور ایسا ہونا عام عادات کے مطابق ہمیشہ سے جاری ہو، مگر بعثت نبوی ﷺ سے پہلے ان شعلوں سے کوئی خاص کام نہیں لیا جاتا تھا، آنحضرت ﷺ کی بعثت کے بعد ان شہابی شعلوں سے یہ کام لیا گیا کہ شیاطین جو فرشتوں کی باتیں چوری سے سننا چاہیں ان کو اس شعلے سے مارا جائے۔

علامہ آلوسی رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر ”روح المعانی“ میں یہی توجیہ بیان فرمائی ہے اور نقل کیا ہے کہ امام حدیث زہری رحمہ اللہ سے کسی نے دریافت کیا کہ کیا رسول کریم ﷺ کی بعثت سے پہلے بھی ستارے ٹوٹتے تھے؟ انہوں نے فرمایا کہ ہاں!

پھر اس پر سوال کرنے والے نے یہ آیت ﴿وَأَنَّا كُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ لَمَنْ يَسْمَعِ الْآنَ يَجِدُ لَهُ فِيهَا نَبَاً وَصَدَاً﴾ [الجن: ۹] معارضہ کیلئے پیش کی، تو فرمایا کہ شہاب ثاقب تو پہلے بھی تھے، مگر بعثت نبوی ﷺ کے بعد جب شیاطین پر تشدد کیا گیا تو ان سے شیاطین کے دفع کرنے کا کام لے لیا گیا۔ ۳
خلاصہ کلام یہ ہے کہ شہاب ثاقب کے متعلق جو کچھ فلاسفہ نے کہا ہے وہ بھی قرآن کے منافی نہیں، اور یہ بھی کچھ بعید نہیں کہ یہ شعلے براہ راست بعض ستاروں سے ٹوٹ کر گرائے جاتے ہیں، مقصد قرآن دونوں صورتوں میں ثابت اور واضح ہے۔ ۴

(۲) باب قولہ: ﴿وَلَقَدْ كَذَّبَ أَصْحَابُ الْحِجْرِ الْمُؤْمِنِينَ﴾ [۸۰]

اس ارشاد کا بیان: ”اور حجر کے باشندوں نے بھی پیغمبروں کو جھٹلایا تھا۔“

اصحاب الحجر - سے مراد قوم ثمود ہے، ان کے ملک کا نام ”حجر“ تھا جو مدینہ سے شمال کی طرف واقع ہے، ان کی طرف حضرت صالح علیہ السلام مبعوث ہوئے، ایک نبی کا جھٹلانا سب انبیاء کا جھٹلانا ہے۔ ۵

۳ روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم، ج: ۷، ص: ۲۷۱، ۲۷۰

۴ معارف القرآن، ج: ۵، ص: ۲۸۸، ۲۸۷

۵ ﴿وَلَقَدْ كَذَّبَ أَصْحَابُ الْحِجْرِ﴾ یعنی ثمود ﴿الْمُؤْمِنِينَ﴾ جن کذبوا رسولہم صالحاً علیہ السلام، لان من کذب واحداً من رسل اللہ سبحانه لکانما کذب الجميع لاتفاق کلمتهم علی العرید والاصول التي لا تختلف باختلاف الأمم والأعصار۔ روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم، ج: ۷، ص: ۳۱۸، و عمدة القاری، ج: ۱۹، ص: ۱۸

۳۷۰۲۔ حدثنا ابراهیم بن المنذر: حدثنا معن قال: حدثني مالك، عن عبد الله بن دينار، عن عبد الله بن عمر رضي الله تعالى عنهما: أن رسول الله ﷺ قال لأصحاب الحجر: لا تدخلوا على هؤلاء القوم إلا أن تكونوا باكين، فإن لم تكونوا باكين فلا تدخلوا عليهم أن يصيبكم مثل ما أصابهم. [راجع: ۳۳۳]

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حجر والوں کے متعلق فرمایا کہ تم لوگ اس معذب قوم کی بستی میں مت داخل ہو، لیکن اگر گزرنا ہی پڑ گیا ہے تو اللہ کے خوف سے روتے ہوئے گزر جاؤ، کہیں تم پر عذاب آجائے جو ان پر آیا تھا۔

مقامات عذاب میں جانے کی ممانعت

”لا تدخلوا على هؤلاء القوم الخ“

نبی کریم ﷺ جو کہ جاتے ہوئے ”وادی حجر“ سے گزرے، آپ نے سر ڈھانپ لیا سواری کی رفتار تیز کر دی اور صحابہ کرام ﷺ کو فرمایا کہ معذب قوم کی بستیوں پر مت داخل ہو، مگر خدا کے خوف سے روتے ہوئے اگر رونانہ آئے تو رونے والوں کی صورت بنا لو، خدا نہ کرے وہ چیز تم کو پہنچے جو ان کو پہنچی تھی۔ یہ آپ ﷺ نے مسلمانوں کو ادب سکھلایا کہ آدمی اس قسم کے مقامات میں پہنچ کر عبرت حاصل کرے اور خدا کے خوف سے لرزاں و ترساں ہو، محض سیر و تماشہ نہ سمجھے۔

آج کل آثار قدیمہ کے محکمہ نے کچھ رہائشی عمارتیں ہوٹل وغیرہ بھی بنادیئے ہیں اور آخرت سے غافل مادہ پرست طبیعتوں نے آج کل اس کو ایک سیرگاہ بنایا ہوا ہے، لوگ تماشے کے طور پر اسے دیکھنے جاتے ہیں۔

قرآن کریم نے اسی غفلت شعاری پر تنبیہ کے لئے آخر میں فرمایا ہے کہ

﴿إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً لِّلْمُؤْمِنِينَ﴾

ترجمہ: بے شک یہ نشانیاں ہیں ایمان والوں کیلئے۔

یعنی درحقیقت تو یہ واقعات اور مقامات پر چشم بصیرت رکھنے والے کے لئے عبرت آموز ہیں، لیکن اس عبرت سے فائدہ اٹھانے والے مؤمنین ہی ہوتے ہیں، دوسرے لوگ ان مقامات کو ایک تماشائی کی حیثیت سے دیکھ کر روانہ ہو جاتے ہیں۔ ۷

(۳) باب قوله: ﴿وَلَقَدْ آتَيْنَاكَ سَبْعًا مِنَ الْمَثَانِي وَالْقُرْآنَ الْعَظِيمَ﴾ [۸۷]

اس ارشاد کا بیان کہ: ”اور ہم نے تمہیں سات ایسی آیتیں دے رکھی ہیں جو بار بار پڑھی جاتی ہیں، اور عظمت والا قرآن عطا کیا ہے۔“

۳۷۰۳ — حدثني محمد بن بشار: حدثنا غندر: حدثنا شعبه، عن خبيب بن عبدالرحمن، عن حفص بن عاصم، عن أبي سعيد بن المعلى قال: مر بي النبي ﷺ وأنا أصلي فدعاني فلم آتني حتى صليت. ثم آتيت فقال: ((ما منعك أن تأتي؟)) فقلت: كنت أصلي، فقال: ((ألم يقل الله: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ﴾؟)) ثم قال: ((ألا أعلمك أعظم سورة في القرآن قبل أن يخرج من المسجد؟)) فذهب النبي ﷺ ليخرج فلذكرته فقال: ((الحمد لله رب العالمين، هي السبع المثاني والقرآن العظيم الذي أوتيته)). [راجع: ۳۷۰۳]

ترجمہ: حفص بن عاصم رحمہ اللہ، حضرت ابوسعید بن معلیؓ سے روایت کرتے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ میرے سامنے سے گزرے، میں نماز پڑھ رہا تھا، آپ ﷺ نے مجھے بلایا میں نہیں گیا، نماز ڈھنکے کے بعد جب میں گیا، تو آپ ﷺ نے فرمایا میں نے بلایا تھا تو کیوں نہیں آئے؟ میں نے عرض کیا کہ میں نماز پڑھ رہا تھا۔ تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ کیا اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ﴾؟ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مسجد سے جانے سے پہلے میں تمہیں قرآن کی بڑی بزرگ و برتر سورۃ بتاؤں گا۔ پھر جب نبی کریم ﷺ مسجد سے باہر جانے لگے تو میں نے یاد دہانی کرائی، تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ سورۃ ”الحمد لله رب العالمين“ ہے، اس میں سات آیات ہیں جو سبع مثانی ہیں اور قرآن عظیم جو مجھے دیا گیا ہے۔

۳۷۰۴ — حدثنا آدم حدثنا ابن أبي ذئب حدثنا سعيد المقبري عن أبي هريرة ﷺ قال قال رسول الله ﷺ ((أم القرآن هي السبع المثاني والقرآن العظيم)).

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، ام القرآن (یعنی سورۃ فاتحہ) ہی سبع مثانی اور قرآن عظیم ہے۔

قرآن کریم کا خلاصہ و متن

”سبع معانی“ کے مصداق میں علمائے مفسرین کے درمیان اختلاف ہے، صحیح اور راجح قول یہ ہی ہے کہ اس سے مراد سورۃ الفاتحہ کی سات آیتیں ہیں جو ہر نماز کی ہر رکعت میں دہرائی جاتی ہیں، اور جن کو بطور وظیفہ کے بار بار پڑھا جاتا ہے۔

حدیث میں ہے کہ حق تعالیٰ نے تورات، انجیل، زبور، قرآن کسی کتاب میں اسکا مثل نازل نہیں فرمایا۔ مذکورہ روایت میں بھی تصریح ہے کہ نبی کریم ﷺ نے سورہ فاتحہ کو فرمایا ہے کہ یہی ”سبع معانی“ اور قرآن عظیم ہے جو مجھ کو دیا گیا۔

اس چھوٹی سی سورت کو قرآن عظیم بڑا قرآن فرمانا درجہ کے اعتبار سے ہے۔

اس سورت کو ام القرآن بھی اسی لحاظ سے کہتے ہیں کہ گویا یہ ایک خلاصہ اور متن ہے، جس کی تفصیل و شرح پورے قرآن سے سمجھنا چاہئے، قرآن کے تمام علوم و مطالب کا اجمالی نقشہ تھا اس سورت میں موجود ہے، یوں مثالی لفظ بعض حیثیات سے پورے قرآن پر بھی اطلاق کیا گیا ہے ﴿اللَّهُ نَزَّلَ أَحْسَنَ الْحَدِيثِ كِتَابًا مُتَشَابِهًا مَعَانِي﴾ [الزمر: ۲۳]۔

اور ممکن ہے کہ دوسری سورتوں کو مختلف وجوہ سے ”معانی“ کہہ دیا جائے، مگر اس جگہ ”سبع معانی“ اور ”قرآن عظیم“ کا مصداق یہی سورت ”فاتحہ“ ہے۔

(۴) باب قوله عز وجل: ﴿الَّذِينَ جَعَلُوا الْقُرْآنَ عِضِينَ﴾ [۹۱]

عز وجل کے ارشاد کا بیان: ”جنہوں نے (اپنی) پڑھی جانے والی کتاب کے حصے بخرے کر لئے تھے۔“

﴿الْمُفْتَسِمِينَ﴾: الذين حلفوا، ومنه ﴿لَا أَلِيمٌ﴾: أي القسم وتقرأ: لا قسم.
﴿قَامَسَهُمَا﴾: حلف لهما ولم يحلفا له. وقال مجاهد: تقاسموا: تحالفوا.

بے تردید تفصیل کیلئے ”انعام الباری شرح صحیح البخاری“ کی اسی جلد (کتاب التفسیر - حردال) میں ”باب ما جاء في فاتحة الكتاب، رقم الحديث: ۴۳۷۴“ ملاحظہ فرمائیں۔

ترجمہ و تشریح

امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ”المُفْتَسِمِينَ“ سے مراد وہ کافر لوگ ہیں جنہوں نے قسم کھائی تھی یعنی اصحاب حجر۔

جبکہ ناسی ”المُفْتَسِمِينَ“ سے ماخوذ ہے ”لَا أَلْسِمُ اِیْ اُلْسِمُ“ یعنی میں قسم کھاتا ہوں۔ اور ایک قرأت یعنی ابن کثیر رحمہ اللہ کی قرأت ”لا“ تافیر نہیں ہے بلکہ ”لام“ تاکید ہے۔

جبکہ سورہ اعراف کی اس آیت ﴿وَلَقَسَمَهُمَا اِنِّي لَكُمَا لِمِنَ النَّاصِحِينَ﴾ میں ”لَقَسَمَهُمَا“ بمعنی ”حلف لہما ولم یحلفا لہ“ یعنی شیطان نے ان دونوں کے سامنے قسم کھائی اور آدم و حوا نے قسم نہیں کھائی تھی۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے ”لم یحلفا لہ“ سے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ یہاں ”لَقَسَمَ“ باب مفاعلہ سے ہے۔

اور حضرت مجاہد رحمہ اللہ نے فرمایا کہ آیت ”تَقَسَمُوا“ کے معنی ہیں ”تَحَالَفُوا“ یعنی ان سب کافروں نے قسم کھائی۔

۳۷۰۵ - حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ اِبْرَاهِيمَ: حَدَّثَنَا هَشِيمٌ: أَخْبَرَنَا اِبُو بَشْرٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ جَبْرِ، عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُمَا: ﴿الَّذِينَ جَعَلُوا الْقُرْآنَ عِضِينَ﴾ لَال: هُم اَهْلُ الْكِتَابِ جَزَوْهُ اَجْزَاءً فَاَمَنُوا بِبَعْضِهِ وَكَفَرُوا بِبَعْضِهِ. ۱

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ ﴿الَّذِينَ جَعَلُوا الْقُرْآنَ عِضِينَ﴾ سے مراد اہل کتاب یہود ہیں جنہوں نے قرآن شریف کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے، یعنی تقسیم کر دیئے ہیں، کہ کچھ کو مانا اور کچھ کو جھٹلا دیا۔

۳۷۰۶ - حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ مُوسَى، عَنْ اَلْاَعْمَشِ، عَنْ اَبِي ظَبْيَانَ، عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُمَا: ﴿كَمَا اَنْزَلْنَا عَلَى الْمُفْتَسِمِينَ﴾، لَال: اَمَنُوا بِبَعْضٍ وَكَفَرُوا بِبَعْضٍ، الْيَهُودُ وَالنَّصَارَى. ۱

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کہا کہ ﴿كَمَا اَنْزَلْنَا عَلَى الْمُفْتَسِمِينَ﴾ سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں، کچھ قرآن تو انہوں نے قبول کیا اور کچھ کو جھٹلا دیا۔

”مُفْتَسِمِينَ“ کا مصداق

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ آیت کریمہ ﴿كَمَا أَنْزَلْنَا عَلَى الْمُفْتَسِمِينَ﴾ سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں جنہوں نے قرآن کے کچھ حصے کو مانا اور کچھ کو نہ مانا۔ اس آیت کے معنی کئی طرح کئے گئے ہیں:

بعض نے کہا کہ ”مُفْتَسِمِينَ“ سے مراد آپ ﷺ کے زمانہ کے یہود و نصاریٰ وغیرہ ہیں، جنہوں نے قرآن کی تقسیم و تحلیل کر رکھی تھی یعنی جو مضمون قرآنی ان کی تحریفات یا آراء و اہواء کے موافق پڑ جائے اسکو مان لو، جو خلاف ہو اسکو نہ مانو۔

مطلب یہ ہوگا کہ ہم نے آپ کو ”سبع مثالی“ اور ”قرآن عظیم“ دے کر بھیجا، جیسے ان لوگوں پر بھی پہلے کتابیں نازل کی تھیں، آپ پر کتاب اتارنا یا وحی بھیجنا کوئی انوکھی بات نہیں، جسکا انکار کیا جائے۔

بعض نے ”مُفْتَسِمِينَ“ سے یہود و نصاریٰ مراد لے کر لفظ قرآن سے کتب سابقہ مراد لی ہیں یعنی انہوں نے تحریف کر کے اپنی کتابوں کو پارہ پارہ کر ڈالا۔

بعض نے کہا مشرکین مراد ہیں، جو بطور استہزاء و تمسخر قرآن کی تقسیم کرتے تھے، جب سورتوں کے نام سنتے تو ہنس کر آپس میں کہتے ”بقرہ“ یا ”مائدہ“ میں لوں گا، ”عنکبوت“ تجھ کو دوں گا۔

ان لوگوں نے ایک اور طرح بھی قرآن کے متعلق خیالات تقسیم کر رکھے تھے کوئی اسے شاعری بتاتا، کوئی کہانت، کوئی جادو، کوئی مجنون کی بڑ، کوئی اساطیر الاولین، ان کو آگاہ کیا کہ میں سب کو عذاب سے ڈرانے والا ہوں جیسا عذاب یقیناً نازل ہونے والا ہے، ان ٹھٹھا کرنے والوں پر۔

اس وقت ”الزلزلا“ کی تعبیر اس لحاظ سے ہوگی کہ ”متمثلین الوقوع“ اور ”قریب الوقوع“ مستقبل کو گویا ماضی فرض کر لیا گیا۔ ۱۰

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے لفظ ”مفتمسین“ کے معنی قسم کھانے والوں کے کئے ہیں یعنی وہ گزشتہ قومیں جو انبیاء علیہم السلام کی تکذیب و مخالفت کے حلف اٹھا چکی تھیں، جھوٹی باتوں پر قسمیں کھاتی تھیں اور انہوں نے کتب سناویہ کے کلڑے کلڑے کر دیئے تھے، پھر جیسا عذاب ہم نے ان اقوام پر اتارا تھا، اسی طرح کے عذاب سے یہ ”لدہر مہین“ تم کو ڈراتا ہے۔

”مفتمین“ کے اس معنی کی تائید میں ابن کثیر رحمہ اللہ نے ذیل کی آیات پیش کی ہیں:

﴿تَقَامِسُوا بِاللَّهِ لَنُبَيِّنَنَّ وَأَهْلَهُ﴾ [سج: ۴]

﴿وَأَلْسَمُوا بِاللَّهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ لَا يَبْعَثَ اللَّهُ مَنْ يَمُوتُ﴾ [سج: ۵]

﴿أَوْلَئِكَ تَكُونُوا أَلْسَمْتُمْ مِنْ قَبْلِ مَا لَكُمْ مِنْ رِزَالٍ﴾ [ابراہیم: ۷]

﴿أَهْلُولَاءِ الدِّينِ أَلْسَمْتُمْ لَا يَنَالُهُمُ اللَّهُ بِرَحْمَةٍ﴾ [اعراف: ۶] ۱۱

(۵) باب قولہ: ﴿وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتَّىٰ يَأْتِيَكَ الْيَقِينُ﴾ [۹۹]

اس ارشاد کا بیان: ”اور اپنے پروردگار کی عبادت کرتے رہو، یہاں تک کہ تم پر وہ چیز آجائے جس کا آنا یقینی ہے۔“

ذکر اللہ؛ قلب و ذہن کی راحت کا ساماں

یعنی اگر ان کی ہٹ دھرمی سے دل تنگ ہو تو آپ ان سے توجہ ہٹا کر ہمہ تن اللہ کی تسبیح و تحمید میں مشغول رہئے، خدا کا ذکر، نماز، سجدہ، عبادت الہی وہ چیزیں ہیں جن کی تاثیر سے قلب مطمئن و منشرح رہتا ہے اور فکر و غم دور ہوتے ہیں، اس لئے نبی کریم ﷺ کی عادت تھی کہ جب کوئی مہم بات کی فکر پیش آتی آپ نماز کی طرف جھپٹتے۔

قال سالم: ﴿الْيَقِينُ﴾ الموت.

ترجمہ: حضرت سالم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں ”الْيَقِينُ“ بمعنی موت ہے۔

اندریں رہ مہراش و مہراش
تادم آخر دے فارغ مہراش

(۱۶) سورة النحل

سورت النحل کا بیان

بسم الله الرحمن الرحيم

یہ سورت مکئی ہے، اور اس میں ایک سواٹھائیس آیتیں اور سولہ رکوع ہیں۔

وجہ تسمیہ

”نحل“ عربی میں شہد کی مکھی کو کہتے ہیں، اس سورت کی آیت نمبر ۸۶ میں اللہ ﷻ نے اپنے انعامات کا تذکرہ کرتے ہوئے شہد کی مکھی کا حوالہ دیا ہے کہ وہ کس طرح اللہ ﷻ کے حکم سے پہاڑوں اور جنگلوں میں اپنے جھے بناتی اور شہد پیدا کرتی ہے۔ اسی لئے سورت کا نام ”نحل“ رکھا گیا ہے۔

نعمتوں کا تذکرہ، قبول ایمان کی دعوت اور شرعی احکام پر مشتمل سورة

اس سورت کا بنیادی موضوع اللہ ﷻ کی ان نعمتوں کا مفصل بیان ہے جو اللہ ﷻ نے اس کائنات میں انسان کے فائدے کے لئے پیدا فرمائی ہیں۔ اسی لئے اس سورت کو ”سورة النعم“ یعنی نعمتوں کی سورت بھی کہا جاتا ہے۔

عرب کے مشرکین عام طور سے یہ بات مانتے تھے کہ ان میں سے بیشتر نعمتیں اللہ ﷻ کی پیدا کی ہوئی ہیں۔ اس کے باوجود وہ یہ عقیدہ بھی رکھتے تھے کہ اللہ ﷻ کی خدائی میں وہ بت بھی شریک ہیں جن کی وہ عبادت کرتے تھے۔ نعوذ باللہ۔ اس طرح اللہ ﷻ کی ان نعمتوں کا تذکرہ فرما کر انہیں توحید پر ایمان لانے کی دعوت دی گئی ہے، اُن کے اعتراضات کا جواب دیا گیا ہے اور ایمان نہ لانے کی صورت میں انہیں اللہ ﷻ کے عذاب سے ڈرایا گیا ہے۔

یہ سورت جس زمانے میں نازل ہوئی، اس وقت بہت سے مسلمان کفار کے ظلم و ستم سے تنگ آ کر حبشہ کی طرف ہجرت کرنے پر مجبور ہو رہے تھے۔ آیت نمبر ۲۳ میں اُن کو تسلی دی گئی ہے کہ اُن کے مصائب و آلام کا دور ختم ہونے والا ہے اور انہیں دنیا میں بھی اچھا ٹھکانا عطا ہوگا اور آخرت میں بھی اُن کیلئے بڑا اجر و ثواب ہے،

بشرطیکہ وہ ممبر سے کام لیں، اور اللہ ﷻ پر بھروسہ رکھیں۔

سورت کے آخری حصے میں اسلامی شریعت کے کچھ اہم احکام بھی بیان فرمائے گئے ہیں جو ایک مسلمان کے طرز عمل کی بنیاد ہونے چاہئیں۔

﴿رُوحَ الْقُدُسِ﴾: جبریل۔ ﴿نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ﴾. ﴿لِيُضَيِّقَ﴾: يقال: امر ضيق وضيق مثل هين وهين، ولين ولين، ميت وميت.

وقال ابن عباس: ﴿تَفْئِئًا ظِلَالُهُ﴾ تعهيا. ﴿سُبُلَ رَبِّكَ ذُلَالًا﴾ لا يتوعر عليها مكان سلكته.

وقال ابن عباس: ﴿لِي تَقْلِبُهُمْ﴾: اختلافهم. وقال مجاهد: ﴿تَمِيدٌ﴾: تكفأ. ﴿مُفْرَطُونَ﴾: منسيون.

وقال نيرة: ﴿فَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ﴾، هذا مقدم ومؤخر: وذلك أن لاستعاذة ليل القراءة ومعناها الاعتصام بالله.

وقال ابن عباس: ﴿تَسْمِيُونَ﴾ ترعون ﴿شَاكِلْتَهُ﴾ ناحيته ﴿قَضُدُ السَّبِيلِ﴾: البيان. الدفاء: ما استفادت به.

﴿تُرِيحُونَ﴾: بالعشى، ﴿وَتَسْرَحُونَ﴾: بالعداء. ﴿بَشِيقٍ﴾: يعنى المشقة. ﴿عَلَى تَخَوُّفٍ﴾: تنقص.

﴿الْأَنْعَامَ لِعِبْرَةٍ﴾، وهى تؤث وتذكر، وكذلك النعم ﴿الْأَنْعَامَ﴾ جماعة النعم. ﴿أَكْنَانًا﴾ واحدها كن مثل حمل واحمال.

﴿سَرَابِيلٌ﴾: لمص ﴿تَقِيكُمْ الْحَرَّ﴾ وأما ﴿سَرَابِيلٌ تَقِيكُمْ بِأَسْكُمْ﴾ فانها الدروع.

﴿دَخَلْنَا بَيْنَكُمْ﴾: كل شيء لم يصب فهو دخل. قال ابن عباس: ﴿حَفْدَةٌ﴾: من ولد الرجل.

﴿السَّكْرُ﴾: ما حُرِّم من لمرتها، ﴿وَالرُّزْقِ الْحَسَنِ﴾: ما أحل الله.

وقال ابن عيينة، عن صدقة: ﴿أَنْكَائًا﴾: هى خرفاء كالت اذا ابرمت غزلها نقضته. الكائا: هى خرفاء كالت اذا ابرمت.

وقال ابن مسعود: ﴿الْأَمَّةُ﴾ معلم الخير. و﴿الْقَائِلُ﴾: المطيع.

ترجمہ و تشریح

”رُوحُ الْقُدْسِ“ سے مراد حضرت جبرئیل علیہ السلام ہیں۔

اور امام بخاری رحمہ اللہ بطور تائید کے سورہ شعراء کی یہ آیت لائے ہیں ﴿نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ﴾۔ لفظ ”ضَبِيحِي“ میں دو لغت ہیں ”ضَبِيحِي“ یعنی بسکون الیاء بلا تشدید ”ضَبِيحِي“ بتشدید الیاء۔ اس میں دونوں لغتیں درست ہیں۔ پھر یہ تین مثالیں دی گئی ہیں ”هِنِنٌ وَهَمٌّ، وَلِنِنٌ وَلَتِنٌ، مَنِيَةٌ وَمِيَّتٌ“ ان سب میں دونوں لغتیں درست ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ آیت کریمہ میں ﴿فَلَمَّا تَقَلَّبْتُمْ﴾ بمعنی ”اختلافہم“ یعنی ان کے سفر و حضر میں ان کے رات اور دن میں اللہ ﷻ پکڑے۔

حضرت مجاہد رحمہ اللہ نے فرمایا کہ آیت میں ”تَمِيمَةٌ“ بمعنی ”كُفَا“ یعنی لڑکھڑانے لگے، ڈگمگانے لگے۔ ”تَمِيمَةٌ“ ماد، تَمِيمَةٌ، مِيمَةٌ، مِيمَةٌ کے معنی ہیں مضطرب ہونا، ادھر ادھر ہلنا۔

”مُفْرَطُونَ“ بمعنی ”منسيون“ یعنی جہنم میں بھلا دیئے گئے۔

حضرت مجاہد رحمہ اللہ کے علاوہ یعنی حضرت ابو عبیدہ رحمہ اللہ آیت کریمہ ﴿فَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ﴾ کے متعلق فرماتے ہیں کہ آیت میں بظاہر تقدیم و تاخیر ہے، کیونکہ استعاذہ قرآن پڑھنے سے پہلے ہونا چاہئے نہ کہ بعد میں اور استعاذہ کے معنی ہیں اللہ ﷻ کو مضبوط پکڑنا، اللہ ﷻ کی مہربانی سے شیطان کے وساوس و شر سے محفوظ رہنا۔

”لَفْظُ السَّبِيلِ“ کے معنی ہیں بیان یعنی ہدایت و ضلالت کا بیان کرنا اللہ ہی پر ہے۔

”الْدَفْءُ“ کے معنی ہیں ہر وہ چیز جس سے گرمی حاصل ہو یعنی جاڑے کا سامان۔

”تُرِيحُونَ“ کے معنی ہیں پُرا کر شام کو لاتے ہو، ”وَقَسْرَ حُونَ“ کے معنی صبح کو پُرا کرنے لے جاتے ہو۔

”بَشِيحِي“ سے مراد مشقت و محنت سے، تکلیف شدیداٹھا کر۔

”تَنْعُوْفِي“ بمعنی ”تنقص“۔ جس کے معنی ہیں بتدریج گھٹانا، کم کرنا۔

یہ تفسیر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت مجاہد رحمہ اللہ وغیرہ ائمہ تفسیر سے منقول ہے اور یہی تفسیر حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ سے منقول ہے جیسا کہ ترجمہ ”گھٹاتے گھٹاتے“ سے ظاہر ہے۔

”الْأَنْعَامُ لِعِبْرَةٍ“ میں لفظ ”انعام“ مذکر بھی آتا ہے اور مؤنث بھی آتا ہے، اسی طرح ”النعم“ بھی

مذکورہ دونوں طرح آتا ہے اور ”الانعام“ یہ جمع ہے ”النعیم“ کی۔

”سَراہیل“ بمعنی ”قمص“ یعنی کرتے اور قمیص۔

اور اس ”سَراہیل“ جمع ”سَراہیل“، قمیص، اور ”قمیص“ کی جمع ”قمیص“ ہے۔ قمیص رکتہ وہ ہے

”تَقِیْمُ الْحَرِّ“ جو تم کو گرمی سے بچاتے ہیں۔

جہاں تک بات ہے ”سَراہیل“ کی تو وہ ”تَقِیْمُ الْحَرِّ“ جوڑائی سے بچاتے ہیں یعنی زرہیں۔

مقصد یہ بتانا ہے کہ ”سَراہیل“ کا اطلاق ہر اس چیز پر آتا ہے جو بدن پر استعمال ہو، خواہ کرتہ، پاجامہ،

یا زرہ یعنی جنگی لباس ہو۔

آیت کریمہ میں ﴿ذَخَلْنَا بَنَانَكُمْ﴾ سے مراد ہر وہ چیز ہے جو درست نہ ہو۔

یہ تفسیر جو ابنا بخاری رحمہ اللہ نے نقل کی ہے حضرت ابو عبیدہ رحمہ اللہ کی ہے، دراصل ”دخَلَ یَدْخُلُ“

کا مصدر ہے ہر وہ ملاوٹ جو فساد کے لئے ہو ”دخَلَ“ ہے، اسی لئے بعض حضرات نے اسکی تفسیر خیانت سے کی ہے، الغرض دغا، فساد، خیانت سب ”دخَلَ“ ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ”حَفْدَةٌ“ وہ شخص جو مرد کی اولاد ہے یعنی بیٹے، پوتے۔

”حَفْدَةٌ“ جمع ”حافد“ جو اسم فاعل کا صیغہ ہے، ہر وہ شخص جو خوشی سے ددڑتے ہوئے خدمت کے

لئے حاضر ہو، خواہ رشتہ دار ہو یا خادم ”حافد“ کہلاتا ہے، یہاں پوتے مراد ہیں۔

”السَّكْرُ“ سے مراد ہر وہ چیز ہے جو انگوروں اور کھجوروں کے پھلوں سے حرام ہو یعنی نشہ آور چیز۔

اور ”وَالرَّزْقِ الْحَسَنِ“ وہ ہے جو اللہ ﷻ نے حلال کیا۔

حضرت سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ نے صدقہ ابو الہدیٰ سے نقل کیا کہ ”انکافا“ کی تفسیر میں کہ اس میں

ایک پاگل عورت کا ذکر ہے، جسکا نام خرقاء تھا، یہ عورت جب اپنے کاتے ہوئے سوت کو مضبوط کر لیتی تو پھر اس کو

توڑ دیتی۔ یہاں آیت کریمہ میں اس شخص کی مثال بیان کی گئی ہے جو اپنا عہد توڑ ڈالے۔

”خرقاء“ کے معنی یوانی، پنگی، مجنونہ، جس کو کام کا کوئی سلیقہ نہ ہو، اس کو ”خرقاء“ کہتے ہیں۔

اسی سے مثل عربی مشہور ہے کہ ”خرقاء وجدت صوفاً“ یعنی پنگی کے ہاتھ میں اون آگیا کہ اون

فائدہ کی چیز ہے، لیکن وہ اس سے کوئی فائدہ حاصل نہیں کر سکتی، جیسے اردو میں کہتے ہیں کہ بندر کے ہاتھ میں ناریل

آگیا۔ یہ ایسے وقت بولتے ہیں کہ جب نئی اچھی چیز غیر مستحق کے پاس چلی جائے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آیت میں ”الْأُمَّةُ“ کا مفہوم ہے خیر کی تعلیم دینے والا، اچھی باتیں

سکھانے والا۔

”القَابِطُ“ کے معنی ہیں مطیع یعنی فرمانبردار۔

(۱) باب قوله تعالى: ﴿وَمِنْكُمْ مَنْ يُرَدُّ إِلَىٰ أُولَٰئِكَ الْعُمُرِ﴾ [۷۰]
 اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا بیان: ”اور تم میں سے کوئی ایسا ہوتا ہے جو عمر کے سب سے
 ناکارہ حصے تک پہنچا دیا جاتا ہے۔“

انسان کی حیثیت!

قدرت کے بہت سے خارجی نشانیاں بیان فرما کر انسان کو متنبہ کرتے ہیں کہ خود اپنے اندرونی حالات
 میں غور کرے، وہ کچھ نہ تھا، خدا نے وجود بخشا پھر موت بھیجی اور دی ہوئی زندگی واپس لے لی یہ کچھ نہ کر سکا اور
 بعضوں کو موت سے پہلے ہی پیرانہ سالی کے ایسے درجہ میں پہنچا دیا کہ ہوش و حواس ٹھکانے نہ رہے، نہ ہاتھ پاؤں
 میں طاقت رہی، بالکل نکما ہو گیا، نہ کوئی بات سمجھتا ہے نہ سمجھی ہوئی یاد رکھ سکتا ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ علم
 و قدرت اسی خالق و مالک کے خزانہ میں ہے، جب اور جس قدر چاہے دے اور جب چاہے واپس کر لے۔
 ”مَنْ يُرَدُّ“ کے لفظ سے اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ انسان پر پہلے بھی ایک ضعف اور کمزوری کا
 وقت گزر چکا ہے، یہ اس کے بچپن کا ابتدائی دور تھا جس میں یہ کسی سوجھ بوجھ کا مالک نہ تھا، اس کے قومی بالکل
 ضعیف و ناتواں تھے، یہ اپنی بھوک پیاس کو دور کرنے اور اپنے اٹھنے بیٹھنے میں غیروں کا محتاج تھا، پھر اللہ تعالیٰ نے
 اس کو جوانی عطاء کی یہ اس کی ترقی کا زمانہ ہے، پھر رفتہ رفتہ اس کو بڑھاپے کے ایسے درجے پر لوٹا دیا جاتا ہے جیسا
 کہ بچپن میں تھا۔

”أُولَٰئِكَ الْعُمُرِ“ اس سے مراد پیرانہ سالی کی وہ عمر ہے جس میں انسان کے تمام جسمانی اور دماغی قوتیں
 تحلیل ہو جاتے ہیں، نبی کریم ﷺ اس عمر سے پناہ مانگتے تھے، جس کا ذکر درج ذیل حدیث میں ہے۔

۴۷۰۷۔ حدثنا موسى بن اسماعيل: حدثنا هارون بن موسى أبو عبد الله الأعمش،

وعن شعيب، عن انس بن مالك رضي الله عنه أن رسول الله ﷺ كان يدعو: ((أعوذ بك من البخل
 والكسل، وأرذل العمر، وعذاب القبر، وفتنة الدجال وفتنة المعيا والممات)).

[راجع: ۲۸۲۳]

دعائے ما توره

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ دعا کرتے تھے: ”أعوذ بك من البخل والكسل، وأرذل الدم، وعذاب القبر، وفتنة الدجال وفتنة المحيا والممات“
 اے اللہ! میں تیری پناہ مانگتا ہوں بخلی سے اور (نیک کام میں) سستی سے اور نکمی زندگی سے، اور قبر کے عذاب سے اور دجال کے فتنے سے اور زندگی اور موت کے فتنے سے۔

(۱۷) سورۃ بنی اسرائیل سورۃ بنی اسرائیل کا بیان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اس سورت میں ایک سو گیارہ آیتیں اور بارہ رکوع ہیں۔

وجہ تسمیہ

چونکہ سورت کے شروع میں بنو اسرائیل کے ساتھ پیش آنے والے دو اہم واقعات کا تذکرہ کیا گیا ہے، اس لئے سورت کا نام سورۃ بنی اسرائیل ہے اور اس کا دوسرا نام ”سورۃ الاسراء“ بھی ہے۔ اسراء سفر معراج کو اور خاص طور پر اس سفر کے اس حصے کو کہا جاتا ہے جس میں آنحضرت ﷺ کو مسجد حرام سے بیت المقدس تک لے جایا گیا، سورت کا آغاز ہی چونکہ اس معجزانہ سفر کے تذکرے سے ہوا ہے، اس لئے اس کو ”سورۃ الاسراء“ بھی کہا جاتا ہے۔

رسالت کا ثبوت، معاندین کا انجام

اس سورت کی سب سے پہلی آیت ہی یہ بتا رہی ہے کہ اس کا نزول معراج مبارک کے واقعے کے بعد ہوا ہے۔ اگرچہ معراج کے واقعے کی ٹھیک ٹھیک تاریخ یقینی طور پر متعین کرنا مشکل ہے، لیکن زیادہ تر روایات کا رجحان اس طرف ہے کہ یہ عظیم واقعہ آنحضرت ﷺ کی بعثت کے دس سال بعد اور ہجرت سے تین سال پہلے پیش آیا تھا۔ اس وقت تک اسلام کی دعوت کا پیغام نہ صرف عرب کے بت پرستوں تک، بلکہ یہودیوں اور عیسائیوں تک بھی پہنچ چکا تھا۔ اس سورت میں معراج کے غیر معمولی واقعے کا حوالہ دیکر آنحضرت ﷺ کی رسالت کا ناقابل انکار ثبوت فراہم کر دیا گیا ہے۔

اس کے بعد بنو اسرائیل کے واقعے کا ذکر فرمایا گیا ہے کہ کس طرح انہیں دو مرتبہ اللہ کی نافرمانی کی پاداش میں ذلت و رسوائی اور دشمن کے ہاتھوں بربادی کا سامنا کرنا پڑا۔

اس طرح مشرکین عرب کو سبق دیا گیا ہے کہ وہ قرآن کریم کی مخالفت سے باز آ جائیں، ورنہ انکو بھی اسی

قسم کے انجام سے سابقہ پیش آ سکتا ہے، کیونکہ اس وقت قرآن کریم ہی وہ واحد کتاب ہے جو اعتدال کے ساتھ سیدھے راستے کی طرف ہدایت کر رہی ہے۔

مسلمانوں کو دینی و معاشرتی اور اخلاقی طرز عمل کی ہدایات

پھر [آیت نمبر ۹ اور آیت نمبر ۲۲ سے ۸۳ تک] مسلمانوں کو ان کے دینی، معاشرتی اور اخلاقی طرز عمل کے بارے میں نہایت اہم ہدایات دی گئی ہیں۔ اور مشرکین کے نامعقول اور معاندانہ طرز عمل کی مذمت کر کے ان کے اعتراضات کا جواب دیا گیا ہے اور مسلمانوں کو ہدایت کی گئی ہے کہ وہ اللہ ﷻ پر بھروسہ کرتے ہوئے اسی کی عبادت کرتے رہیں۔

(۱) باب:

یہ باب بلا عنوان ہے۔

۴۷۰۸۔ حدثنا آدم: حدثنا شعبه، عن أبي اسحاق قال: سمعت عبد الرحمن بن

يزيد قال: سمعت ابن مسعود رضي الله عنه قال قال لى بنى اسرائيل والكهف ومريم: الهن من العتاق الأول. وهن من تلادى.

﴿لَسَيْنِضُونَ إِلَيْكَ دَوْمَهُمْ﴾، قال ابن عباس: بهزون. وقال غيره: لفضت

سنگ ای حرکت. [الظر: ۴۷۳۹، ۴۹۹۳] ۱

ترجمہ: ابوالخلی بیان کرتے ہیں کہ میں نے عبدالرحمن بن یزید سے سنا کہ وہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت

عبداللہ بن مسعود رضي الله عنه سے سنا کہ وہ سورہ بنی اسرائیل، سورہ کہف اور سورہ مریم کے متعلق فرماتے ہیں کہ یہ اول درجہ کی عمدہ سورتوں میں سے ہیں اور میری پرانی یاد کی ہوئی ہیں۔

﴿لَسَيْنِضُونَ إِلَيْكَ دَوْمَهُمْ﴾ اس آیت کے متعلق حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں

کہ یہ ”بہزون“ کے معنی میں ہے یعنی وہ اپنے سروں کو ہلاتے ہیں۔ جبکہ ان کے علاوہ (حضرت ابو عبیدہ رحمہ اللہ) کہتے ہیں کہ ”لفضت سنگ“ کے معنی ہیں ”محروکت“ یعنی تیرادانت ہل گیا۔

(۲) باب:

یہ باب بلا عنوان ہے۔

﴿وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي ابْنِ إِسْرَائِيلَ أَخْبَارًا أَنَّهُم سِفْسِدُونَ. وَالْقَضَاءُ عَلَى وَجْهِهِ. ﴿وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي ابْنِ إِسْرَائِيلَ أَخْبَارًا أَنَّهُم سِفْسِدُونَ. وَالْقَضَاءُ عَلَى وَجْهِهِ. ﴿وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي ابْنِ إِسْرَائِيلَ أَخْبَارًا أَنَّهُم سِفْسِدُونَ. وَالْقَضَاءُ عَلَى وَجْهِهِ.﴾﴾

﴿نَفِيرًا﴾ من بفر معه. ﴿وَلْيَتَّبِعُوا﴾: يدمروا ﴿مَا عَلَّمُوا﴾. ﴿حَصِيرًا﴾: محسباً، محصراً. ﴿حَقٌّ﴾: وجب. ﴿مَيْسُورًا﴾: لينا. ﴿خِطْنًا﴾: الماء، وهو اسم من خطنت. والخطأ مفتوح مصدره من الالم. خطيت بمعنى اخطات.

﴿تَخْرِيْقٌ﴾: لن تقطع. ﴿وَإِذْ هُمْ لَجْوَى﴾: مصدر من لاجيت لوصفهم بها، والمعنى يتناجون. ﴿رُلَاتًا﴾: حطاما. ﴿وَاسْتَفْرَزُوا﴾: استخف ﴿بِخَيْلِكَ﴾ الفرسان. والرجل والرجال والرجالة واحدها راجل مثل صاحب وصحب وتاجرو وتجر.

﴿حَاصِبًا﴾: الريح العاصف، والحاصب أيضا ما ترمى به الريح. ومنه ﴿حَصْبٌ جَهَنَّمَ﴾. يرمى به لى جهنم وهم حصبها، ويقال: حصب فى الأرض ذهب. والحاصب مشتق من الحصباء والحجارة.

﴿تَارَةً﴾ مرة. وجماعة تير وتارات. ﴿لَا خِيَاةَ لَهُمْ﴾: لاستاصلتهم. يقال: احتك فلان ما عند فلان من علم: استقصاه. ﴿طَائِرَةٌ﴾: حطة. قال ابن عباس: كل سلطان فى القرآن فهو حجة. ﴿وَلِيٌّ مِنَ الدَّلِّ﴾: لم بحالف أحدا.

ترجمہ و تشریح

آیت کریمہ ﴿وَلَقَدْ بَعَثْنَا إِلَى ابْنِ إِسْرَائِيلَ﴾ کی طرف اشارہ ہے کہ اس کا معنی ہے کہ ہم نے خبر دی کہ وہ نفاذ کریں گے۔ لفظ "لقد" کے کئی معنی آئے ہیں:

حکم دینا جیسے کہ اس آیت میں ہے ﴿وَلَقَدْ بَعَثْنَا﴾ یعنی تیرے رب نے حکم دیا، اسی سے ہے فیصلہ کرنا، جیسے ﴿إِنَّ رَبَّكَ يَقْضِي بَيْنَهُمْ﴾ یعنی تیرے رب نے ان کے درمیان فیصلہ کر دیا اور اسی کا یہ مطلب

بھی ہے "الخلق" یعنی پیدا کرنے کے معنی میں جیسے ﴿لَقَضَاهُنَّ سِنْعَ سَمَوَاتٍ﴾ پھر اس کے بعد ہم نے ساتوں آسمانوں کو پیدا کیا۔

ان معانی کے علاوہ بھی ہیں مثلاً بمعنی فراغت جیسے ﴿فَإِذَا قَضَيْتُمْ مَنَاسِكَكُمْ﴾ وغیرہ۔
 "لَفِينُوا" کے معنی ہیں وہ لوگ جو آدمی کے ساتھ کوچ کرے یعنی دشمن کے مقابلے کیلئے لکلے۔
 "وَالْتَبَرُوا" بمعنی "یهدمروا" یعنی ہلاک و ستیاناس کر دیں۔

"حَصِيرًا" کے معنی ہیں "محسباً" یعنی روکنے کی جگہ، صیغہ ظرف از باب ضرب۔ "مَحْصُورًا" گھیرنے جگہ یعنی قید خانہ، جیل خانہ کہ ہمیشہ اسی جیل میں رہیں گے نکلتا ممکن نہ ہوگا، صیغہ ظرف از باب نصر۔

"حَقٌّ" بمعنی "وجب" یعنی ثابت ہوا، تمام ہوا، بعض نے تفسیر کی ہے "وجب علیہا العذاب"۔
 "مَيْسُورًا" بمعنی "لینا" یعنی نرم و ملائم۔

"حِطًّا" بمعنی "الما" یعنی گناہ۔ "حِطًّا"۔ بکسر الخاء۔ یہ اسم ہے "حَطِطْتُ" بروزن "سَمِعْتُ" کا۔ اور "حَطَاءٌ"۔ بفتح الخاء۔ بمعنی "الائم" یعنی گناہ کرنا یہ مصدر ہے۔ "حَطِطْتُ" بمعنی "أَخْطَاثٌ" یعنی ثلاثی مجرد اور مزید دونوں ہم معنی ہیں۔

لن تقطع.

"تَخْرِقٌ" بمعنی "لن تقطع" یعنی تو زمین کو قطع نہیں کر سکے گا، طے نہیں کر سکے گا۔

آیت مبارکہ ﴿وَإِذْهُمْ لَجْوَى﴾ میں لفظ "لَجْوَى" مصدر ہے "لَجِيتُ" سے پس ان لوگوں یعنی مشرکین کی اس "لَجْوَى" کے ساتھ صفت بیان کی اور معنی یہ ہے کہ باہم سرگوشی کرتے ہیں۔
 "رُفَاتًا" بمعنی "حطاماً" یعنی ٹکڑا ٹکڑا ریزہ ریزہ ہو جائیں گے۔

"وَاسْتَفْزِرُوا" کے معنی ہیں "استعفف" یعنی ہلکا کر دے، راہ راست کی استقامت سے ڈگمگادے۔
 "بِخَيْلِكَ" کے معنی ہیں "الفرسان" یعنی شہسوار۔

"رجل، الرجال، رجالة" جمع ہے اسکا واحد "راجل" ہے جیسے "صاحب و صاحب" اور "تاجر و تاجر"۔ اسی طرح "راجل" کی جمع "رجل" ہے۔

"حَاصِبًا" کے معنی ہیں تیز چلنے والی ہوا، آندھی، اور "الحاصب" اس کنگر اور ریت کو بھی کہتے ہیں جس کو ہوا پھینکے، یعنی اڑا کر لائے یعنی سخت آندھی۔

اور اسی کے مفہوم سے ماخوذ ہے ﴿حَصَبٌ جَهَنَّمَ﴾ دوزخ کا ایندھن، جن کو جہنم میں ڈالا جائے گا، وہ دوزخ کا "حصب" یعنی ایندھن ہوں گے۔ اہل عرب کہتے ہیں "حصب فی الارض ذهب" یعنی زمین میں گیا گھس گیا اور "حصب" مشتق ہے "الحصباء والحجارة" سے، جس کے معنی ہیں سنگ ریزے، پتھر۔

واضح رہے کہ یہاں اشتقاق سے اصطلاحی اشتقاق مراد نہیں ہے جیسا کہ فعل کا اشتقاق مصدر سے ہوتا ہے، بلکہ یہاں صرف مناسبت مراد ہے۔

”قَارَةَ“ بمعنی ”مَرَّةً“ یعنی دفعہ، مرتبہ، جیسے دوسری مرتبہ، دوسری دفعہ، اسکی جمع ”کثیر و تارات“ ہے۔
 ”لَا خَفِيفٌ لَّهُمْ“ بمعنی ”لَا مَعَاصِلُهُمْ“ یعنی استیصال کرنا، بیخ کنی کر دینا اس کی یہ ایک تفسیر ہے اور دوسری یہ ہے کہ قید کر دینا۔ ”حنک“ سے نکلا ہے کہ کسی کے جڑے میں لگام ڈال دینا۔ شیطان کہتا ہے کہ میں بنی آدم کے جڑے میں لگام ڈالوں گا۔

جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ ”احنک فلان ما عند فلان من علم“، بمعنی ”استقصاء“ یعنی فلاں آدمی کے پاس جتنا علم تھا وہ فلاں شاگرد نے سارا حاصل کر لیا، اس کی انتہا کو پہنچ کر اس کا احاطہ کر لیا۔
 ”طَائِرَةٌ“ بمعنی ”حِطَّةٌ“ یعنی اسکا حصہ، اسکی قسمت، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ”طَائِرَةٌ“ کی تفسیر ”عمل“ منقول ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ پورے قرآن مجید میں جہاں کہیں بھی لفظ ”سلطان“ آیا ہے اس کے معنی حجت اور دلیل کے ہے۔ اس سورۃ میں ”سلطان“ کا لفظ تین جگہ آیا ہے۔
 ﴿وَلِيُّ مِنَ الدُّلَى﴾ کی تفسیر بیان کر رہے ہیں کہ ”لم يحالف احدا“ یعنی نہ اللہ ﷻ کی سلطنت میں کوئی شریک ہے، نہ کوئی اسکا ولی ہے جو اسکو ذلت سے بچائے کیونکہ اللہ ﷻ کے ہاں ذلت کا تصور ہی نہیں ہے، لہذا اسکے بچاؤ کیلئے اس کو کسی وکیل کی ضرورت نہیں۔

(۳) باب قوله: ﴿أَسْرَى بِعَبْدِهِ لَيْلًا مِنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ﴾ [۱]

اس ارشاد کا بیان: ”جو اپنے بندے کو راتوں رات مسجد حرام سے“۔

مختصر واقعہ معراج

اس سے معراج کے واقعے کی طرف اشارہ ہے، جس کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت جبرائیل ﷺ آنحضرت ﷺ کے پاس آئے، اور رات کے وقت انہیں ایک جانور پر سوار کیا، جس کا نام ”براق“ تھا، وہ انتہائی تیز رفتاری کے ساتھ آپ کو مسجد حرام سے بیت المقدس تک لے گیا۔

یہ سفر معراج کا پہلا مرحلہ تھا جسے ”أَسْرَى“ کہا جاتا ہے، أَسْرَى اس آیت کی نص قطعی سے ثابت ہے۔ پھر وہاں سے حضرت جبرائیل ﷺ آپ ﷺ کو ساتوں پر آسمانوں پر لے گئے، اس کا نام ”معراج“

ہے، اور معراج کا ذکر سورۃ النجم کی آیت میں ہے اور احادیث متواترہ سے ثابت ہے۔ ہر آسمان پر آپ ﷺ کی ملاقات پچھلے پیغمبروں میں سے کسی پیغمبر سے ہوئی۔

اُس کے بعد جنت کے ایک درخت ”سدرۃ المنتھی“ پر تشریف لے گئے، اور آپ کو اللہ تعالیٰ سے براہ راست ہم کلامی کا شرف عطاء ہوا۔ اسی موقع پر اللہ تعالیٰ نے آپ کی اُمت پر اَوَّل پچاس نمازوں کے فرض ہونے کا حکم ملا، پھر تخفیف کر کے پانچ نمازیں فرض کر دی گئیں۔ اس سے تمام عبادات کے اندر نماز کی خاص اہمیت اور فضیلت ثابت ہوتی ہے۔

اس کے بعد آپ ﷺ واپس بیت المقدس میں اترے اور جن انبیاء علیہم السلام کے ساتھ مختلف آسمانوں میں ملاقات ہوئی تھی وہ بھی آپ ﷺ کے ساتھ اترے، گویا آپ کو رخصت کرنے کے لئے بیت المقدس تک ساتھ آئے اس وقت آپ نے نماز کا وقت ہو جانے پر سب انبیاء علیہم السلام کے ساتھ نماز ادا فرمائی۔ یہ بھی احتمال ہے کہ یہ نماز اسی دن صبح کی نماز ہو۔

یہ امامت انبیاء کا واقعہ بعض حضرات کے نزدیک آسمان پر جانے سے پہلے پیش آیا ہے لیکن ظاہر یہ ہے کہ واقعہ واپسی کے بعد ہوا کیونکہ آسمانوں پر انبیاء علیہم السلام سے ملاقات میں یہ منقول ہے کہ سب انبیاء علیہم السلام سے حضرت جبرائیل امین ﷺ نے آپ کا تعارف کرایا۔

اگر امامت کا واقعہ پہلے ہو چکا ہوتا تو یہاں تعارف کی ضرورت نہ ہوتی اور یوں بھی ظاہر ہے کہ اس سفر کا اصل مقصد ملاء اعلیٰ میں جانے کا تھا، پہلے اسی کو پورا کرنا تھا اقرب معلوم ہوتا ہے۔ پھر جب اصل کام سے فراغت ہوئی تو انبیاء علیہم السلام آپ ﷺ کے ساتھ مشایعت (رخصت) کے لئے بیت المقدس تک آئے اور آنحضرت ﷺ کو حضرت جبرائیل امین ﷺ کے اشارہ سے سب کا امام بنا کر آپ کی سیادت اور سب پر فضیلت کا عملی ثبوت دیا گیا۔

اس کے بعد آپ بیت المقدس سے رخصت ہوئے اور براق پر سوار ہو کر رات ہی رات میں آپ واپس مکہ مکرمہ تشریف لے آئے۔ ج

اسرئیل کے بعد ”بِعَبْدِهِ“ کا ذکر فرما کر اپنے مقبولان بارگاہ کا اعزاز بڑھانا مقصود ہے، اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ انسان کا سب سے بڑا کمال یہ ہے کہ وہ اللہ کا عبدِ کامل بن جائے اس لئے کہ خصوصی اعزاز کے مقام پر آپ کی بہت سی صفات کمال میں صفتِ عبدیت کو اختیار کیا گیا۔

اور اس لفظ سے ایک بڑا فائدہ یہ بھی مقصود ہے کہ اس حیرت انگیز سفر جس میں اول سے آخر تک سب فوق العادت معجزات کے باوجود آنحضرت ﷺ اللہ کے بندے ہیں، خدا نہیں!!

دوسرا اشارہ لفظ ”عبد“ سے اس طرف ہے کہ اسراء و معراج کا تمام سفر صرف روحانی نہیں بلکہ جسمانی تھا، کیونکہ ”عبد“ صرف روحانی نہیں بلکہ جسم و روح دونوں کے مجموعہ کے نام ہے۔

اس کے بعد ”لیلہ“ - کا لفظ ہے، یہ لفظ یہاں پر نگرہ لائے ہیں، اس سے اس طرف اشارہ کر دیا ہے کہ اس تمام واقعہ میں پوری رات بھی صرف نہیں ہوئی، بلکہ رات کا ایک حصہ صرف ہوا۔ ۳

۴۷۰۹ - حدثنا عبدان: حدثنا عبد الله: أخبرنا يونس

ح. وحدثنا أحمد بن صالح: حدثنا عنبسة: حدثنا يونس، عن ابن شهاب: قال ابن المسيب: قال أبو هريرة أتى رسول الله ﷺ ليلة أسرى به بإيلياء بقدر حين من خمر ولبن. فنظر إليهما فاخذ اللبنة، قال جبريل: الحمد لله الذي هداك للفطرة. لو أخذت الخمر غوت أمتك. [راجع: ۳۳۹۴]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ معراج اسراء کی رات جب رسول اللہ ﷺ کو ایلیا یعنی بیت المقدس لجا یا گیا تو آپ کے سامنے دو پیالے پیش کئے گئے ایک شراب کا دوسرا دودھ کا، آنحضرت ﷺ نے دونوں کو دیکھا پھر دودھ کا پیالہ لے لیا، اس پر جبریل علیہ السلام نے کہا کہ اللہ ﷻ کا شکر ہے جس نے آپ کو فطرت سلیمہ کی طرف ہدایت کی۔ اگر آپ شراب کا پیالہ لے لیتے تو آپ کی امت گمراہ ہو جاتی۔

دودھ اور شراب پیش کرنے کی حکمت

”قال جبريل: الحمد لله الذي هداك للفطرة“

جبریل علیہ السلام نے کہا کہ اللہ ﷻ کا شکر ہے جس نے آپ کو فطرت سلیمہ کی طرف ہدایت کی۔ دودھ کا پیالہ پسند اور اختیار کرنے کو راہ فطرت یعنی نور ہدایت سے اس لئے تعبیر کیا گیا کہ اس عالم سفلی میں دودھ ایک ایسی چیز ہے جو پاک و صاف، خالص و لطیف اور سفید و شیریں ہونے کے اعتبار سے امتیازی حیثیت رکھتی ہے اور بچے کو سب سے پہلی پرورش اور سب سے پہلی غذا دودھ ہی سے ہوتی ہے۔

۳ معارف القرآن، ج: ۵، ص: ۴۳۹، ۴۳۸۔ اسکے علاوہ مزید تفسیر و تشریح کیلئے ملاحظہ فرمائیں: تفسیر عثمانی، سورہ بنی اسرائیل، آیت: ۱، قاعدہ: ۴،

انعام الباری شرح صحیح البخاری، کتاب الصلاة، باب کیف لمضت الصلاة في الإسراء، ج: ۳، ص: ۶۷۰ - ۵۰

پس عالم بالا میں دودھ کی مثال ہدایت اور فطرت کو قرار دیا گیا، جس سے قوت و توانائی اور غذائے روحانی ملتی ہے۔ اس لئے معلوم ہوا کہ عالم بالا میں اس دنیا کی چیزوں کی مثالیں اور صورتیں مقرر ہیں جن سے مناسب معافی اور اشارے اخذ کئے جاتے ہیں۔

”لو اخذت الخمر غوت امتک“

اگر آپ شراب کا پیالہ لے لیتے تو آپ کی امت گمراہ ہو جاتی۔

یہ اس لئے کہا گیا کہ آنحضرت ﷺ اس وقت شراب کے پیالے کو اختیار کر لیتے تو آپ ﷺ کی امت کے لئے شراب حلال ہو جاتی اور اس طرح امت کے لوگوں میں شراب نوشی کی برائی اور اس کے مضرات داخل ہو جاتے۔

واضح رہے کہ آنحضرت ﷺ کی ذات پاک چونکہ کسی بھی برائی میں مبتلاء ہونے سے ازلی وابدی طور پر محفوظ تھی اور آپ ﷺ کا کسی بھی گمراہی میں پڑنا متصور ہی نہیں ہو سکتا، اس لئے آپ ﷺ سے یہ نہیں کہا گیا کہ اگر تم شراب پی لیتے تو تم گمراہ ہو جاتے، بلکہ ”گمراہی“ کی نسبت آپ ﷺ کی امت کے لوگوں کی طرف کی گئی۔

حدیث کے اس جملہ سے یہ نکتہ معلوم ہوا کہ رہبر و پیشوا خواہ نبی ہو یا عالم ہو یا کسی قوم و ملک کا بادشاہ و سربراہ ہو، اس کی استقامت و اولوالعزمی، اس کے پیروں اور اس کے ماننے والوں کی استقامت و اولوالعزمی کا ذریعہ و سبب ہے، کیونکہ اس کو وہی حیثیت حاصل ہوتی ہے جو کسی جسم میں دوسرے اعضاء کی نسبت سے دل کو حاصل ہوتی ہے۔ ج

۴۷۱۰ - حدثنا أحمد بن صالح: حدثنا ابن وهب قال: أخبرني يونس، عن ابن

شهاب: قال أبو سلمة: سمعت جابر بن عبد الله رضي الله تعالى عنهما قال: سمعت

النبي ﷺ يقول: ((لما كذبني قريش لمت في الحجر فجلى الله لي بيت المقدس لطفقت

أخبرهم عن آياته وأنا أنظر إليه)). زاد يعقوب بن إبراهيم: حدثنا ابن أخي ابن شهاب، عن

عمه: ((لما كذبني قريش حين أسرى بي إلى بيت المقدس))، نحوه.

ج قولہ: ((للفطرة)) : ای للإسلام الذي هو مقتضى الطبيعة السليمة التي فطر الله الناس عليها. عمدة القاری، کتاب

التفسیر، باب قولہ: ﴿أَسْرَى بِعَثِيرٍ لِّئَلَّا يَمُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ﴾ ج: ۱۹، ص: ۳۶، - قولہ: ((للفطرة)) ای: للإسلام

والاستقامة. قولہ: ((ولو اخذت الخمر غوت امتك)) ای: خلت والهمكت في الشرب ولكن بلفظ الله تعالى اختار

اللبن لكونه مهلا طيبا طاهرا سالفا للشاربين سليم العاقبة. وفيه: استحباب حمد الله تعالى عند تجديد النعمة وحصول

ما كان يتوقع حصوله. والدفاع ما كان يخاف وقوعه. عمدة القاری، کتاب الأثرية، ج: ۱۲، ص: ۱۶۳.

﴿قاصلاً﴾: ربیع نقصف کل شیء. [راجع: ۳۸۸۶]

ترجمہ: ابوسلمہ کہتے ہیں میں نے سنا کہ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ میں نے نبی کریم ﷺ سے سنا کہ آپ ارشاد فرما رہے تھے کہ جب قریش نے مجھ کو جھٹلایا تو میں مقام حجر (حطیم کعبہ) میں کھڑا ہوا تھا، پس اللہ ﷻ نے میرے لئے بیت المقدس کو ظاہر کر دیا میں اسے دیکھ دیکھ کر ان کے سامنے ایک ایک علامت بیان کرنے لگا۔ یعقوب بن ابراہیم نے اتنا اضافہ کیا ہے کہ ہم سے ابن شہاب کے بھتیجے نے اپنے چچا سے روایت کرتے ہوئے بیان کیا کہ جب قریش نے مجھ کو واقعہ معراج کے سلسلے میں جھٹلایا، پھر آگے یہی حدیث بیان کی۔

”قاصلاً“ اس تیز ہوا، آندھی کو کہتے ہیں جو ہر ایک چیز کو اکھاڑ پھینکے۔

قریش کے سوالات پر بیت المقدس آنحضرت ﷺ کے سامنے لانا

”لجلی اللہ لی بیت المقدس فطقت أعبرهم عن آياته وأنا أنظر إليه“

پس اللہ ﷻ نے میرے لئے بیت المقدس کو ظاہر کر دیا میں اسے دیکھ دیکھ کر ان کے سامنے ایک ایک علامت بیان کرنے لگا۔

نبی کریم ﷺ کے اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ جب واقعہ معراج کے متعلق آپ ﷺ نے لوگوں کو بتایا تو کفار مکہ آپ کو جھٹلانے لگے اور آپ کا مذاق اڑانے لگے اور بیت المقدس کی عمارتوں اور ان کی نشانیوں کے بارے میں سوالات کر رہے تھے اور آپ ﷺ کے ذہن میں بیت المقدس کا پورا عمارتی نقشہ اور اس کی نشانیاں محفوظ نہ رہنے کے سبب میں ان عمارتوں کو دوبارہ دیکھے بغیر ان کے جوابات نہیں دے سکتے تھے۔

تو قادر مطلق نے یوں مدد فرمائی کہ نبی کریم ﷺ اور بیت المقدس کے درمیان کے سارے فاصلے سمیٹ دیئے اور آپ کی نگاہوں کے سامنے سے وہ ساری رُکاوٹیں دور کر دیں جو آپ کے اور بیت المقدس کے درمیان حائل تھیں، اس طور سے پورا بیت المقدس آنحضرت ﷺ کے سامنے آ گیا اور آپ بغیر کسی اشتباہ و احتمال کے اس کی ایک ایک چیز اچھی طرح دیکھ کر قریش مکہ کے ایک ایک سوال کا بالکل صحیح جواب دینے پر قادر ہو گئے۔

اس میں یہ بھی احتمال ہے کہ پورا بیت المقدس اٹھا کر لایا گیا ہو اور آنحضرت ﷺ کے سامنے رکھ دیا گیا ہو۔ جیسا کہ ایک روایت میں، جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ چنانچہ بیت المقدس اٹھا کر لائی گئی اور دار عقیل کے پاس رکھی گئی۔

اور حقیقت یہ ہے کہ ظہور معجزہ میں کامل ترین صورت بھی یہی ہے جیسے حضرت سلیمان علیہ السلام کے واقعہ میں

ثابت ہے کہ ملکہ بلقیس کا تخت ایک لمحہ میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے سامنے لا کر رکھ دیا گیا تھا۔ ۵

(۴) باب قوله تعالى: ﴿وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ﴾

اللہ تعالیٰ کے ارشاد کا بیان: ”اور حقیقت یہ ہے کہ ہم نے آدم کی اولاد کو عزت بخشی ہے۔“

بنی آدم کی فضیلت کی وجہ

ترجمہ الباب میں بیان کی گئی اس آیت میں اولاد آدم کی اکثر مخلوقات پر فوقیت اور افضلیت کا ذکر ہے، اس میں دو باتیں قابل غور ہیں:

پہلی یہ کہ یہ افضلیت کن صفات اور کن وجوہ کی بناء پر ہے؟

دوسری یہ کہ اس میں افضلیت اکثر مخلوقات پر دینا بیان فرمایا ہے، اس سے کیا مراد ہے؟

پہلی بات کی تفصیل یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے بنی آدم کو مختلف حیثیات سے ایسی خصوصیات عطا فرمائی ہیں جو دوسری مخلوقات میں نہیں ہیں۔ مثلاً حسن صورت، اعتدال جسم، اعتدال مزاج، اعتدال قد و قامت جو انسان کو عطاء ہوا ہے کسی دوسرے حیوان میں نہیں۔

اس کے علاوہ عقل و شعور میں اس کو خاص امتیاز بخشا گیا ہے، جس کے ذریعے وہ تمام کائنات علویہ اور سفلیہ سے اپنا کام نکالتا ہے، اس کو اللہ تعالیٰ نے اس کی قدرت بخشی ہے کہ مخلوقات الہیہ سے ایسے مرکبات اور مصنوعات تیار کرے جو اسکے رہنے سہنے اور نقل و حرکت اور طعام و لباس میں اس کے مختلف کام آئیں۔

نطق و گویائی اور افہام و تفہیم کا جو ملکہ اس کو عطا ہوا ہے وہ کسی دوسرے حیوان میں نہیں۔

اشارات کے ذریعے اپنے دل کی بات دوسروں کو بتلا دینا، تحریر اور خط کے ذریعے دل کی بات دوسروں

تک پہنچانا، یہ سب انسان ہی کی امتیازات ہیں۔

بعض علماء نے فرمایا ہے کہ ہاتھ کی انگلیوں سے کھانا بھی انسان ہی کی صفت مخصوصہ ہے، اس کے علاوہ تمام جانور اپنے منہ سے کھاتے ہیں۔ اپنے کھانے کی چیزوں کو مختلف اشیاء سے مرکب کر کے لذیذ اور مفید بنانے کا کام بھی انسان ہی کرتا ہے۔

۵ مصنف ابن ابی شیبہ، کتاب الفضائل، باب ما اعطى الله محمداً ﷺ، رقم: ۳۱۷۰۰، ج: ۶، ص: ۳۱۲، وعمدة

باقی سب جانور مفرد چیزیں کھاتے ہیں، کوئی کچا گوشت کھاتا ہے، کوئی گھاس، کوئی پھل وغیرہ۔ بہر حال سب مفردات کھاتے ہیں انسان ہی اپنی غذا کے لئے ان سب چیزوں کے مرکبات تیار کرتا ہے۔ اور سب سے بڑی فضیلت عقل و شعور کی ہے جس سے وہ اپنے خالق اور مالک کو پہچانے اور اس کی مرضی، نامرضی کو معلوم کر کے مرضیات کا اتباع کرے، نامرضیات سے پرہیز کرے اور عقل و شعور کے اعتبار سے مخلوقات کی تقسیم اس طرح ہے کہ عام جانوروں میں شہوات اور خواہشات ہیں، عقل و شعور نہیں۔ انسان میں یہ دونوں چیزیں جمع ہیں عقل و شعور بھی ہے شہوات و خواہشات بھی ہیں، اسی وجہ سے جب وہ شہوات و خواہشات کو عقل و شعور کے ذریعہ مغلوب کر لیتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی ناپسندیدہ چیزوں سے اپنے آپ کو بچا لیتا ہے تو اس کا مقام بہت سے فرشتوں سے بھی اونچا ہو جاتا ہے۔

دوسری بات یہ کہ اولادِ آدم کو اکثر مخلوقات پر فضیلت دینے کا کیا مطلب ہے، اس میں تو کسی کو اختلاف کی کوئی گنجائش نہیں کہ دنیا کی تمام مخلوقات علویہ اور سفلیہ اور تمام جانوروں پر اولادِ آدم کو فضیلت حاصل ہے، اسی طرح جنات جو عقل و شعور میں انسان ہی کی طرح ہیں ان پر بھی انسان کا افضل ہونا سب کے نزدیک مسلم ہے۔

اب معاملہ صرف فرشتوں کا رہ جاتا ہے کہ انسان اور فرشتہ میں کون افضل ہے؟

اس میں تحقیقی بات یہ ہے کہ انسان میں عام مومنین صالحین جیسے اولیاء اللہ وہ عام فرشتوں سے افضل ہیں، مگر خواص ملائکہ جیسے جبرائیل، میکائیل وغیرہ ان عام صالحین سے افضل ہیں اور خواص مومنین جیسے انبیاء علیہم السلام وہ خواص ملائکہ سے بھی افضل ہیں۔

باقی رہے کفار و فجار انسان وہ ظاہر ہے کہ فرشتوں سے تو کیا افضل ہوتے وہ تو جانوروں سے بھی اصل مقصد فلاح و نجات میں افضل نہیں ہیں، ان کے متعلق تو قرآن کا فیصلہ ہے کہ ﴿أُولَئِكَ كَانُوا لِنَعَامِ بَنِي هٰمْ أَصْلًا﴾ یعنی یہ تو جو پایہ جانوروں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ ہیں۔ ۱

كُرْمَنَا وَاكْرَمْنَا وَاٰحَدٌ. ﴿ضِعْفُ الْحَيَاةِ وَضِعْفُ الْمَمَاتِ﴾ عذاب الحياة وعذاب الممات. ﴿خِلَافِكَ﴾ وَاخْلَفَكَ سِوَاء. ﴿وَوَنَائٍ﴾: تباعد.

﴿شَاكِلَتِهِ﴾: ناحيته. وهى من شكله. ﴿صَرَفْنَا﴾: وجهنا. ﴿كَبِيلًا﴾: معاينة ومقابلة. وقيل: القابلة لأنها مقابلتها، وتقبل ولدها.

﴿عَشِيَّةَ الْإِنْفَاقِ﴾، يقال ألقى الرجل أملق. ونفق الشيء ذهب. ﴿قَتُورًا﴾: مقترا. ﴿لِلذَّلَانِ﴾: مجتمع اللحين، الواحد ذلن.

وقال مجاهد: ﴿مَوْلُورًا﴾: والسر. ﴿تَبِينَا﴾: نائرا، وقال ابن عباس: نصيرا.
 ﴿خَمَثٌ﴾: طفئت. وقال ابن عباس: ﴿لَا تُبَدَّرُ﴾: لا تنفق في الباطل.
 ﴿اِبْتِغَاءَ رَحْمَةٍ﴾: رزق. ﴿مَبْثُورًا﴾: ملعونا. ﴿لَا تَقْفُ﴾: لا تقل. ﴿فَجَاسُوا﴾:
 تيمموا. يزجي الفلك: يجرى الفلك. ﴿يَخْرُونَ لِلْأَذْلَانِ﴾: للوجوه.

ترجمہ و تشریح

”کَرَمْنَا وَاكْرَمْنَا وَاوْحَدٌ“ دونوں کے معنی ایک ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ دونوں متعدی ہے اگرچہ
 ”كَرَمْنَا“ میں مبالغہ زیادہ ہے بمقابلہ ”اَكْرَمْنَا“ کے۔
 ”ضِعْفَ الْحَيَاةِ“ کے معنی ہیں ”عذاب الحیاة“ اور ”وَضِعْفَ الْمَمَاتِ“ کے معنی ”عذاب
 الممات“۔

”خِلَافِكَ“ اور ”خَلْفِكَ“ دونوں برابر ہیں یعنی دو قرأتیں ہیں اور دونوں کے معنی ایک ہیں۔
 ”وَنَائٍ“ بمعنی ”تباعدا“ یعنی دور ہوا، لیکن آیت میں چونکہ متعدی بالباء ہے اس لئے ترجمہ ہوگا اس
 نے اپنے پہلو کو دور کر لیا، کروٹ پھیر لی، پہلو پھیر لی۔
 ”هَاسِكَلَةٍ“ بمعنی ”ناحیۃ“ یعنی راستہ، طریقہ، یہ ماخوذ ہے شکل سے جسکے معنی قصد و ارادہ، مثل و نظیر۔
 ”هَاسِكَلَةٍ“ کی ایک تفسیر یہ کی گئی ہے کہ مراد مذہب ہے جو اسکے مثل و مشابہ ہے ہدایت و ضلالت میں
 اور اس تفسیر کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ آگے ارشاد باری ہے ﴿قَرَّبْنَاكُمْ أَهْلًا مِّنْهُ هُوَ أَهْدَىٰ مَسِيلًا﴾۔
 ”صَرَفْنَا“ بمعنی ”وجهنا“ یعنی ہم نے سامنے لایا ہے، ہم نے بیان کیا ہے۔

”قَبِيلًا“ کے معنی ہیں آنکھوں کے سامنے، رو برو، یہ حضرت ابو عبیدہ رحمہ اللہ کی تفسیر ہے، اور بعض
 دوسرے حضرات نے کہا ہے کہ ”القابِلَةُ“ اس سے ماخوذ ہے یعنی دائی؛ بچہ جنانے والی دائی، کیونکہ بچہ جناتے
 وقت جننے والی عورت کے مقابل اور سامنے ہوتی ہے اور اسکے بچہ کی دایہ گیری کرتی ہے، سنبھالتی ہے۔

”عَشْمَةَ الْإِنْفَاقِ“ کے معنی: فقر و افلاس۔ جب کوئی شخص تنگ، مفلس ہو جائے تو کہتے ہیں کہ ”انفق
 الرجل“ یعنی آدمی مفلس ہو گیا اور جب کوئی چیز ختم ہو جائے تو ”ولفق الشيء“ کہا جاتا ہے۔

”مَبْثُورًا“ جو صفت مشبہ کا صیغہ ہے بمعنی اسم فاعل ”مقتورا“ یعنی بخیل، کنجوس، نان و نفقہ میں کوتاہی و کمی کرنا۔

”لِلْأَذْلَانِ“ کے معنی ہیں دونوں جڑے طنے کی جگہ اور اس کا واحد ”ذالان“ جس کا معنی ہے ٹھوڑی۔

حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ”مَوْلُورًا“ اسم مفعول بمعنی ”والهر“ اسم فاعل ہے، مطلب یہ ہے

کہ جیسے اسم فاعل اسم مفعول کے معنی میں ہوتا ہے اسی طرح یہاں بھی اسم مفعول بمعنی اسم فاعل ہے۔

”تَبَّعًا“ بمعنی ”تَابِعًا“ ہے یعنی بدلہ لینے والا۔

”تَابِعًا“ معنی آتا ہے خون کا بدلہ لینا، خون کا مطالبہ کرنا اور ہر اس شخص کو جو بدلہ کا طالب ہو اس کو ”تَبَّعًا“ اور ”تَابِعًا“ بمعنی پیچھا کرنے والے کو کہا جاتا ہے۔

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ”تَبَّعًا“ بمعنی ”نَصِيرًا“ ہے، اس صورت میں معنی ہوگا مددگار کیونکہ دیت طلب کرنے والا بھی ایک طرح سے مددگار ہوتا ہے۔

”عَبَّتُ“ بمعنی ”طَلَعْتُ“ یعنی بچھنے لگے گی، آگ کا بجھنا، دھیمنا ہونا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ”لَا تُبَدَّرُ“ کے معنی ہیں ”لَا تَنْفِقُ فِي الْبَاطِلِ“ یعنی بے ہودہ جگہ، ناجائز کاموں میں مال کو مت خرچ کرو۔

﴿اِنْجَاءَ رَحْمَةٍ﴾ میں ”رَحْمَةً“ بمعنی رزق کے ہے۔

”مَبْثُورًا“ بمعنی ”مَلْعُونًا“ یعنی لعنت ملامت کیا ہوا۔ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی تفسیر ہے۔

”لَا تَنْقُتُ“ کے معنی ہیں ”لَا تَنْقُلُ“ یعنی اٹکل بات مت کہو جس کا تمہیں کو علم نہ ہو۔

اصل ”لَفَا - يَلْفُو - لَفُوا“ کا معنی ہے پیچھے چلنا، پیروی کرنا، اندھی تقلید کرنا۔

”فَجَاسُوا“ بمعنی ”تَبَحَّسُوا“ یعنی تصد کیا، مطلب یہ ہے کہ بنی اسرائیل کے قتل و غارت گشت و خون کا

بخت لہرنے تصد کیا۔

”يَزْجِي“ بمعنی ”يَجْعَرِي“ جس کے معنی ہیں چلانا، جاری کرنا۔

”يَخْرُونَ لِلْأَذْقَانِ“ مراد یہ ہے کہ چہروں کے بل گرتے ہیں سجدہ میں۔

باب: ﴿وَإِذَا أَرَدْنَا أَنْ نُهْلِكَ قَرْيَةً أَمَرْنَا مُتْرَفِيهَا﴾ الآية [۱۶]

باب: اور جب ہم کسی بستی کو ہلاک کرنے کا ارادہ کرتے ہیں تو اُس کے خوش حال لوگوں کو (ایمان

اور اطاعت کا) حکم دیتے ہیں۔“

عذاب الہی آنے کی علامت

اللہ تعالیٰ نے انسان کو عقل و اختیار دیا اور عذاب و ثواب کے راستے متعین کر دیئے، جب کوئی اپنے

اختیار سے عذاب ہی کے کام کا عزم اور قصد کرے تو عادت اللہ یہ ہے کہ وہ اسی عذاب کے اسباب مہیا کر دیتے ہیں تو اصلی سبب عذاب کا خود ان کا عزم اور قصد ہے کفر و معصیت کا نہ کہ محض ارادہ اس لئے وہ معذور نہیں ہو سکتے۔

جب اللہ تعالیٰ کسی قوم پر عذاب بھیجتے ہیں تو اس کی ابتدائی علامت یہ ہوتی ہے کہ اس قوم میں خوش عیش سرمایہ دار لوگوں کی کثرت کر دی جاتی ہے اور وہ اپنے فسق و فجور کے ذریعے پوری قوم کو عذاب میں مبتلا کرنے کا سبب بن جاتے ہیں۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ عیش پسندوں کی حکومت یا ایسے لوگوں کی قوم میں کثرت کچھ خوشی کی چیز نہیں بلکہ عذاب الہی کی علامت ہے۔

حق تعالیٰ جب کسی قوم پر ناراض ہوتے ہیں اور اس کو عذاب میں مبتلا کرنا چاہتے ہیں تو اس کی ابتدائی علامت یہ ہوتی ہے کہ اس قوم کے حاکم و رئیس ایسے لوگ بنا دیئے جاتے ہیں جو عیش پسند، عیاش ہوں یا حاکم نہ بھی بنیں تو اس قوم کے افراد میں ایسے لوگوں کی کثرت کر دی جاتی ہے۔

دونوں صورتوں کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ یہ لوگ شہوات و لذات میں مست ہو کر اللہ کی نافرمانیاں خود بھی کرتے ہیں، دوسروں کے لئے بھی اس کی راہ ہموار کرتے ہیں بالآخر ان پر اللہ تعالیٰ کا عذاب آ جاتا ہے۔

۴۷۱۱۔ حدیثنا علی بن عبد اللہ: حدیثنا سفیان: أخبرنا منصور، عن ابی وال، عبد اللہ قال: کنا نقول لحنی إذا کثروا فی الجاهلیة:۔ أمر بنو فلان.

حدیثنا الحمیدی: حدیثنا سفیان وقال: وأمر. ۵

ترجمہ: ابو وائل بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ (بن مسعود) فرماتے ہیں کہ زمانہ جاہلیت جب کسی قبیلے کے لوگ بہت ہو جاتے تھے تو ہم کہتے تھے "أمر بنو فلان"۔ فلاں خاندان بہت بڑھ گیا۔

حمیدی نے بیان کیا کہ ہم سے سفیان بن عیینہ نے اس طرح بیان کیا "أمر"۔

(۵) باب ﴿ذُرِّيَّةٌ مِّنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوحٍ إِنَّهُ كَانَ عَبْدًا شَكُورًا﴾ [۳]

باب: "اے اُن لوگوں کی اولاد جن کو ہم نے نوح کے ساتھ کشتی میں سوار کیا تھا! وہ بڑے شکر گزار بندے تھے۔"

۳۷۱۲ - حدثنا محمد بن مقاتل : أخبرنا عبد الله : أخبرنا ابو حيان التميمي ، عن ابي زرعة بن عمرو بن جرير ، عن ابي هريرة رضي الله عنه قال : أتى رسول الله صلى الله عليه وسلم بلحم فرفع اليه الذرع وكانت تعجبه ، فنهس منها نهسة ثم قال : أنا سيد الناس يوم القيامة ، وهل تدرون مم ذلك ؟ يجمع الله الناس الأولين والآخرين في صعيد واحد ، يسمعهم الداعي وينفذهم البصر ، وتدنو الشمس فيبلغ الناس من الغم والكرب ما لا يطيقون ولا يحتملون . فيقول الناس : الا ترون ما قد بلغكم ؟ الا تنظرون من يشفع لكم أي ربكم ؟ فيقول بعض الناس لبعض : عليكم بآدم . فيأتون آدم عليه السلام فيقولون له : أنت أبو البشر ، خلقك الله بيده ونفخ فيك من روحه ، وأمر الملائكة لسجدوا لك ، اشفع لنا إلى ربك ، ألا ترى إلى ما نحن فيه ؟ ألا ترى إلى ما قد بلغنا ؟ فيقول آدم : ان ربي قد غضب اليوم غضبا لم يغضب قبله مثله ولن يغضب بعده مثله ، واله نهائي عن الشجرة لعصيته ، نفسي نفسي نفسي ، اذهبوا إلى غيري ، اذهبوا إلى نوح . فيأتون نوحا فيقولون : يا نوح الك أنت أول الرسل إلى أهل الأرض وقد سماك الله عبدا شكورا ، اشفع لنا إلى ربك ، ألا ترى إلى ما نحن فيه ؟ فيقول : ان ربي عز وجل قد غضب اليوم غضبا لم يغضب قبله مثله ولن يغضب بعده مثله ، واله قد كانت لي دعوة دعوتها على قومي ، نفسي نفسي نفسي ، اذهبوا إلى غيري ، اذهبوا إبراهيم . فيأتون إبراهيم فيقولون : يا إبراهيم ، أنت نبي الله وخليفه من أهل الأرض ، اشفع لنا إلى ربك . ألا ترى إلى ما نحن فيه ؟ فيقول لهم : ان ربي قد غضب اليوم غضبا لم يغضب قبله مثله ولن يغضب بعده مثله . والى قد كنت كذبت ثلاث كذبات - فلا ذكرهن أبو حيان في الحديث - نفسي نفسي نفسي ، اذهبوا إلى غيري ، اذهبوا إلى موسى . فيأتون موسى ، فيقولون : يا موسى ، أنت رسول الله ، فضلك الله برسالة وبكلامه عسى الناس ، اشفع لنا إلى ربك ألا ترى إلى ما نحن فيه ؟ فيقول : ان ربي قد غضب اليوم غضبا لم يغضب قبله مثله ولن يغضب بعده مثله ، والى قتلت نفسا لم أؤمر بقتلها ، نفسي نفسي نفسي ، اذهبوا إلى غيري اذهبوا إلى عيسى . فيأتون عيسى فيقولون : أنت رسول الله وكلمته القاها إلى مريم وروح منه وكلمت الناس في المهد صبيا ، اشفع لنا ، ألا ترى إلى ما نحن فيه ؟ فيقول عيسى : ان ربي قد غضب اليوم غضبا لم يغضب قبله مثله ولن يغضب بعده مثله . ولم يذكر ذلما ، نفسي نفسي نفسي ، اذهبوا إلى غيري ، اذهبوا إلى محمد صلى الله عليه وسلم . فيأتون محمدا صلى الله عليه وسلم فيقولون : يا محمد ، أنت رسول الله صلى الله عليه وسلم

وخاتم الألباء، وقد غفر الله لك ما تقدم من ذنبك وما تأخر، اشفع لنا الى ربك، الا ترى الى ما نحن فيه؟ فانطلق فأتى تحت العرش، فأقع ساجدا لربي عز وجل. ثم يفتح الله عليّ من معامده وحسن الفناء، عليه شيئا لم يفتحه على أحد قبلي، ثم يقال: يا محمد، ارفع راسك، سل تعطه، واشفع تشفع. فأرفع رأسي فأقول: أمتي يارب، أمتي يارب. فيقال: يا محمد، أدخل من أمك من لا حساب عليهم من الباب الأيمن من أبواب الجنة، وهم شركاء الناس فيما سوى ذلك من الأبواب)). ثم قال: ((والذي نفسي بيده ان ما بين المصراعين من مصاريع الجنة كما بين مكة وحمير، او كما بين مكة وبصرى)). [راجع: ۳۳۳۰]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گوشت لایا گیا اور دست کا حصہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کیا گیا جو آپ کو بہت مرغوب تھا، آپ نے اس دست کا گوشت دانت سے کاٹ کر تناول فرمایا۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے روز میں لوگوں کا سردار ہوں گا اور کیا تم جانتے ہو یہ کس وجہ سے ہوگا؟ سارے لوگ اگلے پچھلے ایک چٹیل میدان میں جمع کئے جائیں گے، وہاں پکارنے والا ان سب کو اپنی آواز سنا سکے گا اور اس کی نگاہ سب کو دیکھ سکے گی، سورج بالکل قریب ہو جائے گا، چنانچہ لوگوں کو رنج و غم پہنچے گا کہ طاقت سے باہر اور وہ برداشت نہ کر سکیں گے۔

آخر لوگ آپس میں کہیں گے تم دیکھتے نہیں کہ کیا نوبت پہنچی ہے؟ کیا تم نہیں دیکھو گے، ایسی ذات کو جو تمہارے رب کے پاس تمہاری سفارش کرے۔

پھر بعض لوگ بعض بعض سے کہیں گے کہ آدم عليه السلام کے پاس چلنا چاہئے۔ چنانچہ سب لوگ حضرت آدم عليه السلام کے پاس آئیں گے اور عرض کریں گے آپ سب انسانوں کے باپ ہیں اللہ جل جلالہ نے آپ کو اپنے ہاتھ سے پیدا فرمایا اور اپنی طرف سے خصوصیت کے ساتھ آپ میں روح پھونکی اور فرشتوں کو حکم دیا، چنانچہ انہوں نے آپ کو سجدہ کیا، اب آپ اپنے رب سے ہمارے لئے سفارش کیجئے، آپ دیکھ رہے ہیں کہ ہم کس تکلیف میں ہیں، اس حالت کو بھی دیکھ رہے ہیں جو ہمیں پہنچی ہے۔

اس پر حضرت آدم عليه السلام کہیں گے کہ میرا رب آج سخت غصے کی حالت میں ہے، اس سے پہلے اتنے غصے میں وہ کبھی نہیں ہوا تھا اور نہ آج کے بعد اتنا غضب ناک ہوگا، اور پروردگار نے مجھے بھی ایک درخت سے منع کیا تھا، لیکن میں نے اسکی نافرمانی کی، پھر کہیں گے کہ نفسی، نفسی، نفسی۔ یعنی مجھے خود اپنی فکر ہے، تم لوگ میرے علاوہ کسی اور کے پاس چلے جاؤ، حضرت نوح عليه السلام کے پاس چلے جاؤ۔

چنانچہ سب لوگ حضرت نوح علیہ السلام کے پاس حاضر ہوں گے اور عرض کریں گے اے نوح! آپ اہل زمین کی طرف سب سے پہلے رسول ہیں، آپ کو اللہ جل جلالہ نے "عبد اشکور" شکر گزار بندہ کا خطاب دیا ہے، آپ اپنے رب سے ہماری سفارش کر دیجئے، آپ دیکھ رہے ہیں کہ ہم کس تکلیف میں مبتلا ہیں۔

حضرت نوح علیہ السلام بھی کہیں گے کہ میرا رب اتنا غضب ناک ہوا ہے کہ اس سے پہلے اتنا غضب ناک وہ کبھی نہیں ہوا تھا اور نہ آج کے بعد اتنا غضب ناک ہوگا، اور مجھے ایک دعا کی قبولیت کا یقین دلا یا گیا تھا جو میں نے اپنی قوم کے خلاف کر لی **لفسی، لفسی، لفسی**۔ میرے سوا کسی اور کے پاس جاؤ، ہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس جاؤ۔

چنانچہ سب لوگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوں گے، اور عرض کریں گے اے ابراہیم! آپ اللہ کے نبی اور اللہ کے خلیل ہیں آپ پروردگار کے پاس ہماری سفارش کیجئے، آپ دیکھ رہے ہیں ہم لوگ کس تکلیف میں ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی کہیں گے، آج میرا رب اتنا غضب ناک ہے کہ اس سے پہلے اتنا غضب ناک وہ کبھی نہیں ہوا تھا اور نہ آج کے بعد اتنا غضب ناک ہوگا، اور میں نے دنیا میں ایک خطا کی تھی تین جھوٹ بولے تھے۔ ابو حیان نے اپنی حدیث میں ان تینوں کا ذکر کیا ہے۔ **لفسی، لفسی، لفسی**۔ میرے سوا کسی اور کے پاس جاؤ، ہاں موسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ۔

چنانچہ سب لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوں گے اور عرض کریں گے اے موسیٰ! آپ اللہ کے رسول ہیں اللہ جل جلالہ نے اپنی طرف سے رسالت اور اپنے کلام کے ذریعہ تمام لوگوں پر فضیلت دی، آپ ہمارے لئے اپنے پروردگار کے پاس سفارش کیجئے، کیا آپ نہیں دیکھ رہے ہیں کہ ہم کس تکلیف میں گرفتار ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام فرمائیں گے آج اللہ جل جلالہ بہت غضب ناک ہے، اتنا غضب ناک کہ نہ وہ پہلے ہوا تھا اور نہ آج کے بعد کبھی ہوگا، میں نے ایک شخص کو قتل کر دیا تھا، حالانکہ اللہ جل جلالہ کی طرف سے اس کے قتل کا حکم نہیں ملا تھا۔ **لفسی، لفسی، لفسی**۔ میرے سوا کسی اور کے پاس جاؤ، ہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ۔

چنانچہ سب لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس آئیں گے اور عرض کریں گے کہ اے عیسیٰ! آپ اللہ کے رسول اور اس کا کلمہ ہیں جسے اللہ جل جلالہ نے حضرت مریم علیہا السلام پر ڈالا تھا اور اللہ جل جلالہ کی طرف سے روح ہیں، آپ نے گود میں رہ کر بچپن میں لوگوں سے باتیں کی تھیں، اپنے رب کے پاس ہمارے لئے سفارش کیجئے، آپ دیکھ رہے ہیں کہ ہم لوگ کس تکلیف میں ہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی کہیں گے کہ میرا رب اتنا غضب ناک ہے کہ نہ اس سے پہلے غضب ناک ہوا تھا اور نہ اس کے بعد ہوگا، اور اپنا کوئی تصور نہیں بیان کیا جیسے دوسرے انبیاء علیہم السلام نے لغزشیں بیان کیں۔

(لیکن دوسری ایک روایت میں ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرمائیں گے اللہ جل جلالہ کے سوا میں معبود ٹھہرایا گیا، مجھ کو لوگوں نے ابن اللہ کہا تھا اس لئے میں ڈرتا ہوں نفسی، نفسی، نفسی - میرے سوا کسی اور کے پاس جاؤ، ہاں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤ)۔

چنانچہ سب لوگ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوں گے اور عرض کریں گے اے محمد! آپ اللہ کے رسول ہیں اور آپ خاتم الانبیاء ہیں اور اللہ جل جلالہ نے آپ کی اگلی پچھلی سب خطائیں معاف کر دی ہیں آپ اپنے رب کے پاس ہمارے لئے سفارش کر دیجئے، آپ خود دیکھ سکتے ہیں کہ ہم لوگ کس تکلیف میں ہیں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں چلوں گا اور عرش کے سائے تلے پہنچ کر اپنے رب کے سامنے سجدہ میں گر پڑوں گا، پھر اللہ جل جلالہ اپنی تعریف اور حسن ثناء کی وہ باتیں میرے دل میں ڈال دے گا کہ مجھ سے پہلے وہ حمد و ثناء کسی کو نہیں بتائی تھی۔

پھر کہا جائیگا اے محمد! اپنا سراٹھائیے، مانگئے آپ کو عطا کیا جائے گا، سفارش کیجئے آپ کی سفارش قبول کی جائیگی۔ تو میں اپنا سراٹھاؤں گا اور عرض کروں گا کہ میری امت، اے میرے رب، میری امت، اے میرے رب۔ پھر کہا جائے گا، اے محمد! اپنی امت میں سے ان لوگوں کو جن پر کوئی حساب نہیں ہے جنت کے داہنے دروازے سے داخل کر لیجئے اور یہ لوگ اس کے سوا باقی دروازوں میں بھی لوگوں کے شریک ہیں (مطلب یہ ہے کہ ان لوگوں کو اختیار ہے کہ جس دروازہ سے چاہیں داخل ہو سکتے ہیں)۔

پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس ذات کی قسم! جس کے قبضہ میں میری جان ہے جنت کے دروازے کے دونوں کناروں میں یعنی جنت کے پھانک کے دونوں پٹوں میں اتنا فاصلہ ہے جیسے مکہ اور حیر کے درمیان ہے یا جتنا مکہ اور بصری کے درمیان۔

(۶) باب قولہ: ﴿وَآتَيْنَا دَاوُدَ زَبُورًا﴾ [۵۵]

اس ارشاد کا بیان: ”اور ہم نے داؤد کو زبور عطا کی تھی۔“

۴۷۱۳۔ حدثنا اسحاق بن نصر: حدثنا عبدالرزاق، عن معمر، عن همام بن منبه،

عن أبي هريرة رضي الله عنه عن النبي صلی اللہ علیہ وسلم قال: ((خفف على داود القرآن فكان يأمر بدابته لتسرج،

فكان يقرأ قبل أن يفرغ - يعني - القرآن)). [راجع: ۲۰۷۳]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضي الله عنه سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت داؤد علیہ السلام پر پڑھنا

یعنی زبور کی تلاوت آسان کر دیا گیا تھا، چنانچہ وہ اپنے جانور پر زین کسے کا حکم دیتے پھر زین کسے جانے سے پہلے پڑھ چکتے یعنی زبور اللہ کی کتاب۔

(۷) باب: ﴿قُلِ ادْعُوا الَّذِينَ رَزَعْتُمْ مِنْ ذُوْلِهِ﴾ [۵۶]

باب: ”(جو لوگ اللہ کے علاوہ دوسرے معبودوں کو مانتے ہیں، اُن سے) کہہ دو کہ: جن کو تم نے اللہ کے سوا معبود سمجھ رکھا ہے، انہیں پکار کر دیکھو۔“

۳۷۱۵ - حدیثی عمرو بن علی: حدیثنا بحیی: حدیثنا سفیان: حدیثی سلیمان، عن ابراہیم، عن ابی معمر، عن عبد اللہ ﴿إِلَىٰ رَبِّهِمْ الْوَسِيْلَةَ﴾ قال: كان لاس من الالاس بعدون لاسا من الجن، فاسلم الجن وتمسك هؤلاء بدينهم.

زاد الأشجعی، عن سفیان عن الأعمش ﴿قُلِ ادْعُوا الَّذِينَ رَزَعْتُمْ مِنْ ذُوْلِهِ﴾.

[أنظر: ۳۷۱۵] ۹

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے آیت ﴿إِلَىٰ رَبِّهِمْ الْوَسِيْلَةَ﴾ کی تفسیر کے متعلق روایت ہے کہ آپ نے بیان کیا کہ کچھ لوگ جنوں کی پرستش کیا کرتے تھے، پھر ایسا ہوا کہ وہ جن مسلمان ہو گیا اور لیکن یہ لوگ اس کے دین کو پکڑے رہے (یعنی شرک پر بدستور قائم رہے)۔

اشجعی نے اس روایت میں یہ اضافہ کیا ہے کہ انہوں نے اس حدیث کو سفیان ثوری سے روایت کیا اور انہوں نے اعمش سے روایت کی کہ انہوں نے اس آیت ﴿قُلِ ادْعُوا الَّذِينَ رَزَعْتُمْ مِنْ ذُوْلِهِ﴾ کے متعلق یہ روایت بیان کی۔

(۸) باب قوله: ﴿أُوْلَئِكَ الَّذِينَ يَدْعُوْنَ يَبْتَغُوْنَ إِلَىٰ رَبِّهِمْ الْوَسِيْلَةَ﴾ [۵۷]

اس ارشاد کا بیان: ”جن کو یہ لوگ پکارتے ہیں، وہ تو خود اپنے پروردگار تک پہنچنے کا وسیلہ تلاش کرتے ہیں۔“

۹ و فی صحیح مسلم، کتاب التفسیر، باب فی قوله تعالیٰ: ﴿أُوْلَئِكَ الَّذِينَ يَدْعُوْنَ يَبْتَغُوْنَ إِلَىٰ رَبِّهِمْ الْوَسِيْلَةَ﴾. رقم: ۳۰۳۰

۴۷۱۵۔ حدثنا بشر بن خالد: أخبرنا محمد بن جعفر، عن شعبة، عن سليمان، عن ابراهيم، عن ابي معمر، عن عبد الله رضي الله عنه في هذه الآية ﴿أُولَئِكَ الَّذِينَ يَدْعُونَ يَبْتَغُونَ إِلَىٰ رَبِّهِمُ الْوَسِيلَةَ﴾ قال: ناس من الجن يعبدون فاسلموا. [راجع: ۳۷۱۳]

ترجمہ: ابو معمر روایت کرتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضي الله عنه نے اس آیت کریمہ ﴿أُولَئِكَ الَّذِينَ يَدْعُونَ يَبْتَغُونَ إِلَىٰ رَبِّهِمُ الْوَسِيلَةَ﴾ کے بارے میں فرمایا کہ کچھ جن ایسے تھے جن کی پرستش کی جاتی تھی، پھر وہ جن مسلمان ہو گئے۔

تشریح

کچھ لوگ جاہلیت میں جنات کی عبادت کرتے تھے، وہ جن مسلمان ہو گئے اور یہ پوجنے والے اپنی جہالت پر قائم رہے۔ ان کے حق میں یہ آیت نازل ہوئی۔ بعض کہتے ہیں کہ جن، ملائکہ، مسیح و عزیرو وغیرہ کے پوجنے والے سب اس میں شامل ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ جن ہستیوں کو تم معبود و مستعان سمجھ کر پکارتے ہو، وہ خود اپنے رب کا بیش از بیش قرب تلاش کرتے ہیں، ان کی دوا دوش صرف اس لئے ہے کہ خدا کی نزدیکی حاصل کرنے میں کون آگے نکلتا ہے، ان میں جو زیادہ مقرب ہے وہ ہی زیادہ قرب الہی کے طالب رہتے ہیں اور سوچتے ہیں کہ کسی سب سے زیادہ مقرب بندہ کی دعاء وغیرہ کو حصول قرب کا وسیلہ بنائیں۔ پس جب تمہارے تجویز کئے ہوئے معبودوں کا اللہ کے سامنے یہ حال ہے تو اپنے تئیں خود فیصلہ کر لو کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کو خوش رکھنا کہاں تک ضروری ہے، غیر اللہ کی پرستش سے نہ خدا خوش ہوتا ہے نہ وہ جنہیں تم خوش رکھنا چاہتے ہو۔

تعبیر: ”توسل“ اور ”تعبد“ میں فرق ظاہر ہے، پھر توسل بھی اسی حد تک مشروع ہے جہاں تک شریعت نے اجازت دی۔ یعنی باوجود غایت قرب کے انکی امیدیں محض اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی مہربانی سے وابستہ ہیں اور اسی کے عذاب سے ہمیشہ لرزاں و ترساں رہتے ہیں، وہ جانتے ہیں کہ ہر قسم کا نفع پہنچانا، یا ضرر کو روکنا ایک خدا کے قبضہ میں ہے۔

(۹) باب: ﴿وَمَا جَعَلْنَا الرُّؤْيَا الَّتِي أَرَيْنَاكَ إِلَّا فِتْنَةً لِلنَّاسِ﴾ [۶۰]

باب: ”اور ہم نے جو نظارہ تمہیں دکھایا ہے، اُس کو ہم نے (کافر) لوگوں کیلئے بس ایک فتنہ بنا دیا۔“

فتنہ میں ڈالنے سے مراد

اس آیت میں لفظ "فتنة" آیا ہے، عربی زبان میں یہ بہت سے معانی کے لئے استعمال ہوتا ہے۔

اسکا ایک معنی ہے گمراہی کا۔

ایک معنی آزمائش کا بھی آتا ہے۔

ایک معنی کسی ہنگامہ و فساد کے برپا ہونے کے بھی آتا ہے۔

یہاں ان سب معانی کا احتمال ہو سکتا ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہما اور حضرت حسن بصری، حضرت مجاہد وغیرہ ائمہ تفسیر رحمہم اللہ اجمعین نے اس جگہ فتنہ سے مراد یہی آخری معنی لئے ہیں اور فرمایا کہ یہ فتنہ ارتداد کا تھا کہ جب رسول اللہ ﷺ نے شب معراج میں بیت المقدس اور وہاں سے آسمانوں پر جانے اور صبح سے پہلے واپس آنے کا ذکر کیا تو بہت سے نو مسلم لوگ جن میں ایمان راسخ نہ ہوا تھا اس کلام کی تکذیب کر کے مرتد ہو گئے۔

اسی واقعہ سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ لفظ "رؤیا" عربی زبان میں اگرچہ خواب کے معنی میں بھی آتا ہے لیکن اس جگہ مراد خواب کا قصہ نہیں کیونکہ ایسا ہوتا تو لوگوں کے مرتد ہو جانے کی کوئی وجہ نہیں تھی، خواب تو ہر شخص ایسے دیکھ سکتا ہے، بلکہ اس جگہ مراد "رؤیا" سے ایک واقعہ عجیبہ کا بحالت بیداری براہ راست آنکھ سے دکھلانا مراد ہے۔

اور "رؤیا" کا یہ معنی حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے درج ذیل حدیث میں بھی منقول ہے۔

۴۷۱۶۔ حدثنا علی بن عبد اللہ: حدثنا سفیان، عمرو، عن عكرمة، عن ابن عباس

رضی اللہ عنہما ﴿وَمَا جَعَلْنَا الرُّؤْيَا الَّتِي أَرَيْنَاكَ إِلَّا فِتْنَةً لِلنَّاسِ﴾ قال: هي رؤيا عين أريها

رسول اللہ ﷺ ليلة أسرى به، ﴿وَالشَّجَرَةَ الْمَلْعُونَةَ﴾ قال: شجرة الزقوم. [راجع: ۳۸۸۸]

ترجمہ: حضرت عکرمہ رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کریمہ

﴿وَمَا جَعَلْنَا الرُّؤْيَا الَّتِي أَرَيْنَاكَ إِلَّا فِتْنَةً لِلنَّاسِ﴾ کے بارے میں فرمایا کہ آنکھ کا دیکھنا مراد ہے، جو

رسول اللہ ﷺ کو شب معراج میں دکھایا گیا، اور ﴿وَالشَّجَرَةَ الْمَلْعُونَةَ﴾ سے مراد "شجرة الزقوم" یعنی

تھوہر کا درخت ہے۔

”رؤیا“ کی تشریح

﴿الرُّؤْيَا الَّتِي أَرْبْنَاكَ إِلَّا لِقِنَّةَ لِلنَّاسِ﴾ - ”دکھاوے/نظارے“ سے مراد شب معراج کا نظارہ ہے، جس کے بیان سے لوگ جانچے جائیں گے، بچوں نے سن کر مانا اور کچی لوگوں نے جھوٹ جانا۔

تھوہر کا درخت؛ دوزخیوں کی خوراک

﴿وَالشَّجَرَةَ الْمَلْفُوزَةَ﴾ - ”زقوم“ یعنی تھوہر کا درخت جس کے بارے میں قرآن کریم میں فرمایا کہ دوزخ والے کھائیں گے۔

اس بات پر ایمان والے یقین لائے اور مکروں نے کہا کہ دوزخ کی آگ میں سبز درخت کیونکر ہوگا؟ یہ بھی جانچنا مقصود تھا۔

ان دو مثالوں سے اندازہ کر لو کہ تصدیق خوارق کے باب میں انکی طبائع کا کیا حال ہے کہ آگ کے اندر درخت کا وجود انکی سمجھ میں نہ آیا حالانکہ کوئی محال بات نہیں کہ کسی درخت کا مزاج ہی اللہ تعالیٰ ایسا بنا دیں کہ وہ پانی کے بجائے آگ سے پرورش پائے اور شجرہ زقوم کے انکار کے ساتھ ساتھ یہ لوگ استہزاء بھی کرتے تھے۔

(۱۰) باب قوله: ﴿إِنَّ قُرْآنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُودًا﴾ [۷۸]

اس ارشاد کا بیان: ”یاد رکھو فجر کی تلاوت میں مجمع حاضر ہوتا ہے۔“

قال مجاهد: صلاة الفجر.

ترجمہ: حضرت مجاہد رحمہ اللہ کہتے ہیں فجر سے مراد فجر کی نماز ہے۔

۳۷۱۷ - حدیثی عبد اللہ بن محمد: حدثنا عبدالرزاق: أخبرنا معمر، عن الزهري،

عن أبي سلمة وابن المسيب، عن أبي هريرة رضي الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال:

((فضل الصلاة الجميع على صلاة الواحد خمس وعشرون درجة، وتجمع ملائكة الليل

وملائكة النهار لي صلاة الصبح)). يقول أبو هريرة: الرؤيا ان ستم ﴿إِنَّ قُرْآنَ الْفَجْرِ كَانَ

مَشْهُودًا﴾. [راجع: ۱۷۶]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضي الله عنه سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا تمہا نماز پڑھنے کے مقابلے

میں باجماعت نماز کی فضیلت پچیس گنا زیادہ ہے اور صبح کی نماز میں رات کے فرشتے اور دن کے فرشتے ڈیوٹی بدلتے ہوئے اکٹھے ہو جاتے ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر تمہارا جی چاہے تو یہ آیت پڑھو ﴿إِنَّ لِرَآنِ الْقَنُوجِ كَانَ مَشْهُودًا﴾۔

فجر و عصر باجماعت پڑھنے کی خصوصی تاکید

”وَجَمْعُ مَلَائِكَةِ اللَّيْلِ وَمَلَائِكَةِ النَّهَارِ فِي صَلَاةِ الصُّبْحِ“۔

فجر اور عصر کے وقت دن اور رات کے فرشتوں کی بدلی ہوتی ہے، لہذا ان دو وقتوں میں دن اور رات کے فرشتوں کا اجتماع ہوتا ہے، تو ہماری قرأت اور نماز اس کے رو برو ہوئی جو مزید برکت و سکینہ کا موجب ہے، اور اس وقت اوپر جانے والے فرشتے خدا کے ہاں شہادت دیں گے کہ جب گئے تب بھی ہم نے تیرے ان بندوں کو نماز پڑھتے دیکھا اور جب واپس آئے تب بھی ان کو نماز پڑھتے دیکھا۔ اس کے علاوہ صبح کے وقت یوں بھی آدمی کا دل حاضر اور مجتمع ہوتا ہے۔

(۱۱) باب قوله: ﴿عَسَىٰ أَنْ يَتَّخِذَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُودًا﴾ [۷۹]

اس ارشاد کا بیان: ”امید ہے کہ تمہارا رب تمہیں مقام محمود تک پہنچائے گا۔“

مقام محمود کا وعدہ

رسول اللہ ﷺ سے اس آیت میں مقام محمود کا وعدہ کیا گیا ہے اور یہ مقام تمام انبیاء علیہم السلام میں آنحضرت ﷺ کے لئے مخصوص ہے۔

اس کی تفسیر میں اقوال مختلف ہیں، مگر صحیح وہ ہے جو احادیث صحیحہ میں خود رسول اللہ ﷺ سے منقول ہے، یہ مقام شفاعت کبریٰ کا ہے کہ میدان حشر میں جس وقت تمام بنی آدم جمع ہوں گے اور ہر نبی و پیغمبر سے شفاعت کی درخواست کریں گے تو تمام انبیاء علیہم السلام عذر کر دیں گے، صرف رسول اللہ ﷺ کو یہ شرف عطاء ہوگا کہ تمام بنی آدم کی شفاعت فرمادیں گے، جیسا کہ پیچھے حدیث نمبر: ۳۷۱۳ میں تفصیل سے گزرا ہے۔

یعنی۔ مقام محمود۔ شفاعت عظمیٰ کا مقام ہے، جب کوئی پیغمبر نہ بول سکے گا تب آنحضرت ﷺ اللہ ﷻ سے عرض کر کے خلقت کو تکلیف سے چھڑائیں گے، اس وقت ہر شخص کی زبان پر آپ ﷺ کی حمد

(تعریف) ہوگی اور اللہ ﷻ بھی آپ کی تعریف کرے گا، گویا شان محمدیت کا پورا پورا ظہور اس وقت ہوگا۔

۴۷۱۸ - حدثنا اسماعیل بن ابان: حدثنا أبو الاحوص، عن آدم بن علي قال سمعت ابن عمر رضي الله عنهما يقول: ان الناس بصيرون يوم القيامة جثاء، كل أمة تتبع لبيها، يقولون: يا فلان اشفع، حتى تنتهي الشفاعة الى النبي ﷺ لذلك يوم يبعثه الله المقام المحمود. [راجع: ۱۲۷۵]

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ قیامت کے روز لوگوں کے گردہ در گردہ ہو جائیں گے اور ہر گردہ اپنے نبی کے پیچھے لگ جائے گا اور سب کہیں گے اپنے نبی سے اے حضور! ہماری سفارش کیجئے، مگر سب معذرت کریں گے، یہاں تک کہ سفارش نبی کریم ﷺ تک پہنچے گی، پس یہی وہ دن ہے جس دن اللہ ﷻ حضور اقدس ﷺ کو مقام محمود پر فائز فرمائے گا۔

۴۷۱۹ - حدثنا علي بن عياش: حدثنا شعيب بن أبي حمزة، عن محمد بن المنكدر، عن جابر بن عبد الله رضي الله عنهما: أن رسول الله ﷺ قال: ((من قال حين يسمع النداء: أَللّٰهُمَّ رَبِّ هَذِهِ السَّاعَةُ النَّائِمَةُ وَالصَّلَاةُ الْقَائِمَةُ، آتِ مُحَمَّدًا الْوَسِيْلَةَ وَالْفَضِيْلَةَ، وَابْعَثْهُ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا الَّذِي وَعَدْتَهُ، حَلَّتْ لَهُ شَفَاعَتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ)).

رواه حمزة بن عبد الله، عن أبيه عن النبي ﷺ. [راجع: ۶۱۳]

ترجمہ: حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص اذان سن کر

یہ دعا پڑھے:

”اے اللہ اس کامل پکار کے رب اور قائم ہونے والی نماز کے رب محمد کو

وسیلہ اور فضیلت عطا فرما اور اس مقام محمود پر کھڑا کر جس کا تو نے اُن سے

وعدہ کیا ہے۔“

تو اس شخص کو قیامت کے دن میری شفاعت نصیب ہوگی۔

(۱۲) باب: ﴿وَقُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ﴾ [۸۱]

باب: ”اور کہو کہ: حق آن پہنچا، اور باطل مٹ گیا۔“

﴿يَزْهَقُ﴾: بھلک۔

ترجمہ: ”ہنّٰہُفّٰی“ بمعنی ہلاک ہونا۔

حق کی برتری اور باطل کا سرنگوں کا خدائی اعلان

یہ آیت ہجرت کے بعد فتح مکہ کے بارے میں نازل ہوئی، درج ذیل حدیث میں ذکر ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ فتح مکہ کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں داخل ہوئے تو اس وقت بیت اللہ کے گرد تین سو ساتھ بتوں کے بجسے کھڑے ہوئے تھے۔

بعض علماء نے اس خاص تعداد کی وجہ یہ بتائی ہے کہ مشرکین مکہ سال بھر کے دنوں میں ہر دن کا بت الگ رکھتے تھے اور اس دن میں اس کی پرستش کرتے تھے۔ ۱۱

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں پہنچے تو یہ آیت آپ کی زبان مبارک پر تھی اور آپ اپنی چھڑی سے ایک ایک بت کے سینے پر مارتے جاتے تھے، جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کسی بت کے سینے پر اس کو مارتے تھے تو وہ الٹ کر گر جاتا تھا، یہاں تک کہ یہ سب بت گر گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے توڑنے کا حکم دیدیا۔

اور دوسری روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی بت کے سامنے سے تشریف لے جاتے تو اس کی طرف اشارہ کرتے جس سے وہ خود ہی اوندھے منہ گر پڑتا یہاں تک کہ سارے بت گر گئے۔ ۱۲

شُرک و کفر اور باطل کی رسوم و نشانات کا مٹانا واجب ہے

امام قرطبی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ اس آیت میں اس بات کی دلیل ہے کہ مشرکین کے بت اور

۱۱ قال علماءنا: إنما كانت بهذا العدد لأنهم كانوا يعظمون في يوم صنما ويخصون أعظمها بيومين. تفسير القرطبي،

ج: ۱۰، ص: ۳۱۴

۱۲ قوله: ((بعود في يده ويقول: جاء الحق))، في حديث ابن هريرة عند مسلم ((عنه بسمة القوس)) وفي حديث ابن

عمر عند الماکی و صحیحہ ابن حبان ((فلسط الصنم ولا یمس))، وللماکی والطبرانی من حدیث ابن عباس ((فلم

سقط ولن استقبله الا سقط لقاء، مع أنها كانت تابعة بالأرض، ولقد فد لهم اهلهم أقدامها بالرمح))، وفعل النبی صلی اللہ علیہ وسلم

ذلك لاذلال الأصنام و هابطيها، ولاظهار أنها لا تنفع ولا تضر، ولا تنفع من نفسها شيئا... عند ابن أبي شيبة من حديث

سائر نحر ابن مسعود وفيه ((فاسر بها فكبت لوجوهها))، فتح الباری، ج: ۸، ص: ۱۷، و عمدة القاری، ج: ۱۷،

دوسرے مشرکانہ نشانات کو مٹانا واجب ہے اور تمام وہ آلات جن کا مصرف صرف معصیت ہو ان کا مٹانا بھی اسی حکم میں ہے۔

ابن منذر رحمہ اللہ نے فرمایا کہ تصویریں اور مجسمے جو کڑی پیتل وغیرہ سے بنائے جاتے ہیں وہ بھی بتوں ہی کے حکم میں داخل ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اس پردے کو پھاڑ ڈالا جس پر تصویریں نقش و رنگ سے بنائی گئی تھیں۔ اس سے عام تصویر کا حکم معلوم ہو گیا۔

حضرت عیسیٰ ﷺ آخر زمانہ میں تشریف لائیں گے تو صحیح حدیث کے مطابق صلیبوں کے توڑیں گے، خنزیر کو قتل کر دیں گے۔

یہ سب امور اس کی دلیل ہیں کہ شرک و کفر اور باطل کے آلات کو توڑنا اور ضائع کرنا واجب ہے۔ ۳۰

۴۷۲۰ - حدثنا الحمیدی: حدثنا سفیان، عن أبي لبيح، عن مجاهد، عن أبي معمر،

عن عبد الله بن مسعود رضی اللہ عنہ قال: دخل رسول الله ﷺ مكة وحول البيت متون وثلاثمائة

رصب فجعل يطعنها بعد فلي يده ويقول: ((جاء الحق وزهق الباطل إن الباطل كان

زهُوقاً)). جاء الحق وما يبدئ الباطل وما يعيد)). [راجع: ۷۸: ۲۳]

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ فتح مکہ کے

دن مکہ میں داخل ہوئے اس وقت بیت اللہ کے چاروں طرف تین سو ساٹھ بت تھے، آپ ﷺ ایک چھڑی سے، جو

آپ کے دست مبارک میں تھی مارتے جاتے اور فرماتے جاتے ((جاء الحق وزهق الباطل إن الباطل

كان زهُوقاً)) حق آ گیا اور باطل مٹ گیا اور باطل تو نہ کسی چیز کو شروع کر سکتا ہے اور بعد نہ لوٹا سکتا ہے۔

(۱۳) باب: ﴿وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ﴾ [۸۵]

باب: ”اور (اے پیغمبر!) یہ لوگ تم سے رُوح کے بارے میں پوچھتے ہیں۔“

۳۱ فی هذه الآية دليل على كسر نصب المشركين وجميع الأوثان إذا طلب عليهم، ويحل بالمعنى كسر آلة الباطل كله، وما لا

يصلح إلا لمعصية الله كالطماير والميدان والمزامير التي لا معنى لها إلا اللهو بها عن ذكر الله تعالى. قال ابن المنذر: وفي معنى

الأصنام الصور المتخذة من المدر والعشب وحشها، وكل ما ينعلمه الناس مما لا منفعة فيه إلا اللهو المنهي عنه. ولا يجوز بيع

حشي منه إلا الأصنام التي تكون من الذهب والفضة والحديد والرصاص، إذا هورت عما هي عليه وصارت نفرا أو طعاما في جود

بيعا والشراء بها. تفسير القرطبي، ج: ۱۰، ص: ۳۱۳، وجملة القاري، ج: ۱۹، ص: ۵۱

۴۷۲۱ - حدثنا عمرو بن حفص بن ہیات: حدثنا ابي: حدثنا الأعمش قال: حدثني ابراهيم، عن علقمة، عن عبدالله بن مسعود قال: بينا أنا مع النبي ﷺ في حوث وهو يتكلم على عسيب اتمر اليهود فقال بعضهم لبعض: سلوه عن الروح، فقال: ما رأيكم اليه، وقال بعضهم: لا يستقبلكم بشئ تكرهونه، فقالوا: سلوه، فسأله عن الروح، فأمسك النبي ﷺ فلم يرد عليهم شيئاً، فعلمت أنه يوحى اليه. فقلت مقامي، فلما نزل الوحي قال: ((وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي وَمَا أُوتِيتُمْ مِنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا)) . [راجع: ۱۵۲]

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ نے بیان کیا کہ میں نبی ﷺ کے ساتھ ایک کھیت میں تھا اور حضور اقدس ﷺ کھجور کی چھڑی پر ٹیک لگائے ہوئے تھے، کچھ یہود اس طرف سے گذرے ان میں سے ایک یہودی نے اپنے دوسرے ساتھی سے کہا کہ ان سے (نبی کریم ﷺ) روح کے متعلق پوچھو، اس پر ان میں سے کسی نے کہا تمہارا ان کے بارے میں کیا خیال ہے؟ اور بعض نے کہا ایسی بات نہ کہو کہ وہ پھر تمہارے سامنے ایسی باتیں لے آئیں جو تم کو ناگوار گزریں، پھر ان سب یہودیوں نے کہا کہ چلو پوچھو، چنانچہ ان لوگوں نے روح کے متعلق پوچھا۔ نبی کریم ﷺ کچھ دیر خاموش رہے اور ان کو کوئی جواب نہ دیا، تو میں سمجھ گیا کہ آپ پر وحی نازل ہو رہی ہے۔ چنانچہ میں اپنی جگہ کھڑا رہا، جب وحی نازل ہو چکی تو آپ ﷺ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی: ﴿وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي وَمَا أُوتِيتُمْ مِنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا﴾ ”اور (اے پیغمبر!) یہ لوگ تم سے روح کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ روح میرے رب کے حکم سے ہے اور تمہیں علم تو تھوڑا ہی دیا گیا ہے۔“

رُوح کی حقیقت

حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ فرماتے ہیں کہ کچھ یہودیوں نے آنحضرت ﷺ کا امتحان لینے کے لئے یہ سوال کیا تھا کہ رُوح کی حقیقت کیا ہے؟

﴿وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي وَمَا أُوتِيتُمْ مِنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا﴾ اس کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی ہے، اور جواب میں اتنی ہی بات بیان فرمائی گئی ہے جو انسان کی سمجھ میں آسکتی ہے، اور وہ یہ ہے کہ رُوح کی پیدائش براہ راست اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہوئی ہے۔ انسان کے جسم اور دوسری مخلوقات میں تو یہ بات مشاہدے میں آجاتی ہے کہ انکی پیدائش میں کچھ ظاہری اسباب کا دخل ہوتا ہے مثلاً نرم مادہ کے ملاپ سے بچہ پیدا ہوتا ہے۔ لیکن رُوح ایسی چیز ہے جس کی تخلیق کا کوئی عمل انسان کے مشاہدہ میں نہیں آتا۔ یہ براہ

راست اللہ تعالیٰ کے حکم سے وجود میں آتی ہے۔

اس سے زیادہ روح کی حقیقت کو سمجھنا انسانی عقل کے بس میں نہیں ہے۔ اس لئے یہ فرما دیا کہ تمہیں بہت تھوڑا علم عطاء کیا گیا ہے، اور یہ بہت سی چیزیں تمہاری سمجھ سے باہر ہیں۔

ہر سوال کا جواب دینا ضروری نہیں

امام ہماص رحمہ اللہ نے اس جواب سے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ مفتی اور عالم کے ذمہ یہ ضروری نہیں ہے کہ سائل کے ہر سوال اور اس کی ہر شق کا جواب ضرور دے بلکہ دینی مصالح پر نظر رکھ کر جواب دینا چاہئے۔ جو جواب مخاطب کے فہم سے بالاتر ہو یا اس کے غلط فہمی میں پڑ جانے کا خطرہ ہو تو اس کا جواب نہیں دینا چاہئے۔ اسی طرح بے ضرورت یا لایعنی سوالات کا جواب بھی نہیں دینا چاہئے، البتہ جس شخص کو کوئی ایسا واقعہ پیش آیا جس کے متعلق اس کو کچھ عمل کرنا لازم ہے اور خود وہ عالم نہیں تو مفتی اور عالم کو اپنے علم کے مطابق اس کا جواب دینا ضروری ہے۔ ۳۱

(۱۴) باب: ﴿وَلَا تَجْهَرُ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَالِثُ بِهَا﴾ [۱۱۰]

باب: ”اور تم اپنی نماز نہ بہت اونچی آواز سے پڑھو، اور نہ بہت پست آواز سے۔“

آیت کا شان نزول

جب مکہ مکرمہ میں رسول اللہ ﷺ نماز میں بلند آواز سے تلاوت قرآن فرماتے تو مشرکین تمسخر و استہزاء کرتے اور قرآن اور جبرائیل امین اور خود اللہ جل شانہ کی شان میں گستاخانہ باتیں کہتے تھے۔ اس کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی، جس میں آپ ﷺ کو جہر و اخفاء میں میانہ روی اختیار کرنے کی

۳۱۔ ولد دلت هذه الآية على جواز ترك جواب السائل عن بعض ما يسئل عنه لما فيه من المصلحة في استعمال الفكر والتدبر والاستخراج وهذا في السائل الذي يكون من أهل النظر واستخراج المعاني فاما إن كان مستغنيا قد يلي بحادثة احتاج إلى معرفة حكمها وليس من أهل النظر فعلى العالم بحكمها أن يجيبه عنها بما هو حكم الله عنده. أحكام القرآن للجصاص، ج: ۵، ص: ۳۳، وفيه بطلانك أنه يجب على القاضى والمفتى والمدرس تقديم الأسبق لاستحاطه بالسبق، عمدة القارى، ج: ۲، ص: ۱۰

۱۰۔ مزید تفصیل کیلئے! احکام فرمائیں: انعام الہاری شرح صحیح البخاری، ج: ۲، ص: ۵۹، کتاب العلم، رقم: ۵۹

تفہین فرمائی کہ ضرورت تو اس درمیانہ آواز سے پوری ہو جاتی ہے اور زیادہ بلند آواز سے جو مشرکین کو موقع ایذا رسائی کا ملتا تھا اس سے نجات ہو۔

۴۷۲۲ - حدثنا يعقوب بن ابراهيم: حدثنا هشيم: أخبرنا أبو بشر، عن سعيد بن جبیر، عن ابن عباس رضي الله عنهما في قوله تعالى: ﴿وَلَا تُجْهَرُ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَالِفُ بِهَا﴾ قال: نزلت ورسول الله ﷺ مخفي بمكة، كان إذا صلى بأصحابه رفع صوته بالقرآن فإذا سمع المشركون سبوا القرآن ومن النزل ومن جاء به، فقال الله تعالى لنبيه ﷺ: ﴿وَلَا تُجْهَرُ بِصَلَاتِكَ﴾: بقراءتك فيسمع المشركون فيسبوا القرآن، ﴿وَلَا تُخَالِفُ بِهَا﴾ عن أصحابك فلا تسمعهم ﴿وَأَبْتَعِ بَيْنَ ذَلِكَ سَبِيلًا﴾. [انظر: ۷۳۹۰، ۷۵۲۵، ۷۵۳۷] ۱۵

قرأت میں میانہ روی کا حکم

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کے متعلق بیان کیا کہ یہ آیت ﴿وَلَا تُجْهَرُ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَالِفُ بِهَا﴾ اس وقت نازل ہوئی جب رسول اللہ ﷺ مکہ میں چھپ کر رہتے تھے، جب آپ اپنے صحابہ کو نماز پڑھاتے تو بلند آواز سے قرآن پڑھتے تھے، مشرکین جب قرآن کی آواز سنتے تو قرآن کو، اس کے نازل کرنے والے کو اور جس پر اتارا جا رہا تھا، ان سب کو برا بھلا کہتے تھے۔

اس پر اللہ ﷻ نے اپنے نبی ﷺ پر یہ آیت نازل فرمائی کہ ﴿وَلَا تُجْهَرُ بِصَلَاتِكَ﴾ یعنی آپ کی قراءت کی آواز اتنی زیادہ بلند نہ ہو کہ مشرکین سن سکیں اور پھر قرآن کے بارے میں بکواس کرنے لگیں، ﴿وَلَا تُخَالِفُ بِهَا﴾ اور نہ اتنی آہستہ ہو کہ آپ کے ساتھی بھی نہ سن سکیں، ﴿وَأَبْتَعِ بَيْنَ ذَلِكَ سَبِيلًا﴾ بلکہ قرأت درمیانی آواز میں ہونی چاہئے۔

۱۵۔ وفي صحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب التوسط في القراءة في الصلاة الجهرية بن والاسرار، اذا خاف من الجهر مفسدة، رقم: ۳۳۲، وسنن الترمذي، ابواب الصلاة، باب من رأى الجهر بسم الله الخ، رقم: ۲۳۵، وابواب تفسير القرآن، باب ومن سورة بني اسرائيل، رقم: ۳۱۳۵، ۳۱۳۹، وسنن النسائي، كتاب الافتتاح، قوله عز وجل ﴿وَلَا تُجْهَرُ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَالِفُ بِهَا﴾، رقم: ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ومسند أحمد، مسند العشرة المبشرين بالجنة، أول مسند عمر بن الخطاب ؓ، رقم: ۱۰۵۵، ومن مسند بنی هاشم، مسند عبد الله بن العباس بن عبد المطلب عن النبي ﷺ، رقم: ۱۸۵۳

(۱۸) سورة الكهف

سورة كهف کا بیان

بسم الله الرحمن الرحيم

یہ سورت مکی ہے، اور اس میں ایک سو دس آیتیں اور بارہ رکوع ہیں۔

سورت کی وجہ تسمیہ اور مرکزی موضوعات

حافظ ابن جریر طبری رحمہ اللہ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے اس سورت کا شان نزول یہ نقل کیا ہے کہ مکہ مکرمہ کے کچھ سرداروں نے دو آدمی مدینہ منورہ کے یہودی علماء کے پاس یہ معلوم کرنے کیلئے بھیجے کہ تورات اور انجیل کے یہ علماء آنحضرت ﷺ کے دعوائے نبوت کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟ یہودی علماء نے ان سے کہا کہ آپ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ سے تین سوالات کیجئے، اگر وہ ان کا صحیح جواب دیدیں تو سمجھ لینا چاہئے کہ وہ واقعی اللہ ﷻ کے نبی ہیں اور اگر وہ صحیح جواب نہ دے سکے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ان کا نبوت کا دعویٰ صحیح نہیں ہے۔

پہلا سوال یہ تھا کہ ان نوجوانوں کا وہ عجیب واقعہ بیان کریں جو کسی زمانے میں شرک سے بچنے کے لئے اپنے شہر سے نکل کر کسی غار میں چھپ گئے تھے۔

دوسرا سوال یہ تھا کہ اُس شخص کا حال بتائیں جس نے مشرق سے مغرب تک پوری دنیا کا سفر کیا تھا۔

تیسرا سوال یہ تھا کہ ان سے پوچھیں کہ روح کی حقیقت کیا ہے؟

چنانچہ یہ دونوں شخص مکہ مکرمہ واپس آئے اور اپنی برادری کے لوگوں کو ساتھ لیکر انہوں نے آپ ﷺ سے یہ تین سوال پوچھے۔ تیسرے سوال کا جواب تو پچھلی سورت (۵۸:۷۱) میں آچکا ہے۔

اور پہلے دو سوالات کے جواب میں یہ سورت نازل ہوئی جس میں غار میں چھپنے والے نوجوانوں کا واقعہ تفصیل سے بیان فرمایا گیا ہے، انہی کو ”اصحاب کہف“ کہا جاتا ہے۔

”کہف“ عربی میں غار کو کہتے ہیں، اصحاب کہف کے معنی ہوئے غار والے اور اسی غار کے نام پر

سورت کو ”سورة الكهف“ کہا جاتا ہے۔

دوسرے سوال کے جواب میں سورت کے آخر میں ذوالقرنین کا واقعہ بیان فرمایا گیا ہے جنہوں نے مشرق و مغرب کا سفر کیا تھا۔ اس کے علاوہ اسی سورت میں حضرت موسیٰ عليه السلام کا وہ واقعہ بھی بیان فرمایا گیا ہے جس میں وہ حضرت خضر عليه السلام کے پاس تشریف لے گئے تھے اور کچھ عرصہ انکی معیت میں سفر کیا تھا۔ یہ تین واقعات تو اس سورت کا مرکزی موضوع ہیں۔ ان کے علاوہ عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ عليه السلام کو جو خدا کا بیٹا قرار دے رکھا تھا، اس کی تردید بھی ہے اور حق کا انکار کرنے والوں کو وعیدیں بھی سنائی گئی ہیں اور حق کے ماننے والوں کو نیک انجام کی خوشخبری بھی دی گئی ہے۔ ۱

سورہ کہف کی خصوصیات اور فضائل

سورہ کہف کی تلاوت کے کئی فضائل احادیث میں آئے ہیں۔

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے سورہ کہف کی پہلی دس آیات حفظ کر لیں وہ دجال کے فتنے سے محفوظ رہے گا۔ ۲

خاص طور پر احادیث میں جمعہ کے دن اس سورت کی تلاوت کی بڑی فضیلت آئی ہے، اور اسی لئے بزرگان دین کا معمول رہا ہے کہ وہ جمعہ کے دن اس کی تلاوت کا خاص اہتمام کرتے تھے۔

وقال مجاهد: ﴿تَقْرِضُهُمْ﴾: تتركهم. ﴿وَكَانَ لَهُ قَمَرٌ﴾: ذهب وفضة. وقال غيره: جماعة القمر. ﴿بَانِعٌ﴾: مهلك. ﴿أَسْفَاةٌ﴾: ندما. ﴿الْكُهْفِ﴾: الفتح في الجبل. ﴿وَالرُّقِيمِ﴾: الكتاب. ﴿مَرْقُومٌ﴾: مكتوب من الرقم. ﴿رَبَطْنَا عَلَى قُلُوبِهِمْ﴾: الهمناهم صبرا. ﴿لَوْلَا أَنْ رَبَطْنَا عَلَى قُلُوبِهِمْ﴾. ﴿سَطَطًا﴾: المرطا.

الوصيد: الفناء، جمعه وصال ووصد. ويقال: الوصيد الباب، ﴿مَوْصِدَةٌ﴾ مطبقة، آصد الباب أو صد. ﴿بَعَثْنَاهُمْ﴾: أحييناهم. ﴿أَزْكَى﴾: أكثر، ويقال: أحل، ويقال: أكثر ريعا.

قال ابن عباس: ﴿أَكْلَهَا وَلَمْ تَظْلِمِ﴾: لم تنقص. وقال سعيد، عن ابن عباس: ﴿الرُّقِيمِ﴾: اللوح من رصاص. كتب عاملهم أسماء هم لم طرحه في خزائنه.

۱ تفسیر الطبری، سورہ کہف، ج: ۱، ص: ۵۹۲، ۶۹۳

۲ صحیح مسلم، کتاب صلاة المسافرين وقرآن، باب فصل سورۃ کہف وآیۃ الكرسی، رقم: ۲۵۷

﴿لَضَرَبَ اللَّهُ عَلَىٰ آذَانِهِمْ﴾ لناموا۔ وقال غیرہ: والت نثل: تنجو۔ وقال مجاهد:
﴿مَوْنِيلاً﴾: محرزاً۔ ﴿لَا يَسْتَطِيعُونَ سَمْعًا﴾: لا يعلقون۔

ترجمہ و تشریح

حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ”تَفَرُّضُهُمْ“ کے معنی ہیں ”تترکھم“ یعنی انکو چھوڑ دیتی ہے، ان سے کتراجاتی ہے۔

”وَكَانَ لَهُ قَمَرٌ“ کے معنی ہیں سونا اور چاندی یعنی مال اور مجاہد رحمہ اللہ کے علاوہ دوسرے یعنی قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ”قَمَرٌ“ ثاء و میم کے ضمہ کے ساتھ، یہ جمع ہے ”قَمَرٌ“ کی، یعنی ثاء کے فتح کے ساتھ۔ حضرت مجاہد سے منقول ہے کہ ”قَمَرٌ“ بمعنی اموال، سونا چاندی اور ”قَمَرٌ“ بمعنی پھل ہے۔ ”بَاسِخٌ“ یعنی ہلاک کرنے والا ہے۔

”أَسْفًا“ بمعنی ”ندما“ یعنی ندامت کے ہے، اور یہ تفسیر حضرت ابو عبید رحمہ اللہ کی ہے، لیکن حضرت قتادہ رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ ”أَسْفًا“ بمعنی ”حزناً“ یعنی غم کے ہے۔

”الْكَهْفِ“ کے معنی ہیں پہاڑ میں کھوہ، غار۔

”الرِّقِيمِ“ بمعنی ”الکتاب“ یعنی لکھا ہوا۔

”مَرْفُومٌ“ اسم مفعول ہے ”رَفِمٌ“ سے، جس کے معنی ہیں لکھی ہوئی دستاویز لکھا ہوا دفتر۔

﴿رَبَطْنَا عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ﴾ کے معنی ہیں ہم نے ان پر صبر کا الہام کیا یعنی ان کے دلوں کو مضبوط کیا۔

﴿لَوْلَا أَن رَّبَطْنَا عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ﴾ سورہ قصص کی یہ آیت بھی اسی معنی میں ہے۔

”سَطَطًا“ کے معنی ہیں افراط یعنی حد سے تجاوز کرنا، بے جا اور غلط کہنا۔

”الرَّصِيدُ“ کے معنی ہیں ”الفِئَاءُ“ گھر کا گھن، دہلیز، اس کی جمع ”وَصَائِلٌ“ اور ”وُصْدٌ“ ہے اور

”رُصِيدٌ“ دروازہ کو بھی کہا جاتا ہے۔

”مُؤَصَّدَةٌ“ کے معنی ہیں بند کیا ہوا دروازہ۔ ”أَصْدُ الْبَابِ“ اور ”أَوْصَدُ الْبَابِ“ کے معنی ہیں دروازہ

کو بند کر دیا۔ یہ سورہ ہمزہ میں ہے، مناسبت کی وجہ سے اس کو یہاں بیان کیا۔

”بَعَثْنَاهُمْ“ کے معنی ہیں ہم نے انکو زندہ کیا مراد یہ ہے کہ نیند سے اٹھایا، بیدار کیا۔

”أَزْكَى“ بمعنی ”أَكْثَرُ“ ہے یعنی جو شہروں والوں کی اکثر خوراک ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور سعید بن جبیر رحمہ اللہ سے ”أَزْكَى“ کی تفسیر ”أَحْلَى“ منقول ہے یعنی

جو حلال ترکھانا ہو وہ لائے۔

اور بعض حضرات نے کہا کہ ”از کسی“ کے معنی ہیں جو کھانا زیادہ سہرا ہو، خوب پک کر بڑھ گیا ہو۔
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ”أَمْكَلَهَا وَلَمْ تَطْلِمِ“ کے معنی ہیں اسکا پھل اور اس
میں کچھ کمی نہیں کی، گھٹایا نہیں۔

آیت میں ”رَقِيمِ“ سے کیا مراد ہے؟

مفسرین کے اس بارے میں مختلف اقوال ہیں، حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی
اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ ”الرَقِيمِ“ سیسے کی ایک ٹیچی ہے، جس پر ان کے حاکم ربادشاہ وقت نے اصحاب کہف
کے نام لکھ کر اپنے خزانہ میں ڈال دیا تھا۔ اسی وجہ سے اصحاب کہف کو اصحاب الرقیم بھی کہا جاتا ہے۔

﴿لَضَرَبَ اللَّهُ عَلَىٰ آذَانِهِمْ﴾ بمعنی ”لناموا“ کے معنی ہیں اللہ ﷻ نے ان کے کانوں پر پردہ
ڈال دیا، پس وہ سو گئے دراصل غفلت کی نیند کو ان الفاظ سے تعبیر کیا جاتا ہے، کیونکہ نیند کے وقت سب سے پہلے
آنکھ بند ہوتی ہے، مگر کان اپنے کام کرتے ہیں، آواز سنائی سنائی دیتی ہے، جب نیند مکمل اور غالب ہو جاتی ہے تو
کان بھی اپنا کام چھوڑ دیتے ہیں۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما کے علاوہ دوسرے لوگوں نے ”مَوْيِلًا“ اسم ظرف کے بارے میں کہا کہ
”والت نمل“ از باب ”ضرب بضرِب۔ وال نمل“ بمعنی ”ننجو“ یعنی نجات پانے کے ہے، پس ”مؤئل“
کے معنی ہوئے پناہ کی جگہ۔

اور حضرت مجاہد رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ ”مَوْيِلًا“ بمعنی ”محرزًا“ یعنی حفاظت کی جگہ، محفوظ مقام۔

﴿لَا يَسْتَعْطِفُونَ سَمْعًا﴾ کے معنی ہی عقل نہیں رکھتے ہیں کہ غور و فکر کر کے ایمان لے آئیں۔

یہ تفسیر باللازم ہے، کیونکہ عقل کے یہی دو آلے ہیں سمع و بصر، جب آنکھوں پر پردہ اور کان بہرے ہوں
تو عقل کیا کام کرے گی؟ تو یوں سمجھا جائے کہ ”عینہم“ سے عقل مراد ہیں۔

(۱) باب قوله: ﴿وَكَانَ الْإِنْسَانُ أَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا﴾ [۵۳]

اس ارشاد کا بیان: ”اور انسان ہے کہ جھگڑا کرنے میں ہر چیز سے بڑھ گیا ہے۔“

۳۷۲۴۔ حدثنا علي بن عبد الله: حدثنا يعقوب بن ابراهيم بن سعد: حدثنا أبي عن

صالح، عن ابن شهاب قال: أخبرني علي بن حسين أن حسين بن علي أخبره عن علي بن

آن رسول اللہ ﷺ طرقہ وفاطمہ، قال: ((ألا تصليان؟)). [راجع: ۱۱۲۷]

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ان کے اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ کیا تم دونوں (تہجد کی) نماز نہیں پڑھتے؟

آیت اور حدیث کی تشریح و ربط کی تفصیل ”کتاب الصلاة“ میں گزر چکی ہے۔ ج

﴿رَجْمًا بِالْقَيْبِ﴾: لم يستين، يقال: ﴿فُرْطًا﴾: ندما. ﴿سُرَادِقُهَا﴾ مثل السرادق، والحجرة التي تطيف بالفساطيط. ﴿يُحَاوِرُهُ﴾ من المحاوره.

﴿لَكِنَّا هُوَ اللَّهُ رَبُّنِي﴾ أي لكن أنا هو الله ربى، لم حذف الألف وأدغم إحدى النولين فى الأخرى. ﴿وَفَجَّرْنَا خِلَاءَ لَهْمَا نَهْرًا﴾ نقول بينهما نهرا. ﴿زَلْفًا﴾: لا يثبت فيه قدم.

﴿فُنَالِكَ الْوَلَايَةَ﴾: مصدر الولى ولاء. ﴿عُقْبًا﴾: عاقبة، وعقبى وعقبة واحد وهى الآخرة. ﴿قَبْلًا وَقَبْلًا﴾: استينافا. ﴿لِيُدْحِضُوا﴾: ليزيلوا، الدحض: الزلق.

ترجمہ و تشریح

﴿رَجْمًا بِالْقَيْبِ﴾ بمعنی ”لم يستين“ یعنی حقیقت ظاہر نہیں ہوئی، ان کو کچھ علم نہیں کہ اصحاب کہف کتنے تھے، صرف بن دیکھے اٹکل چلاتے ہیں، صرف خیال و گمان پر بات پھینکتا ہے۔

”فُرْطًا“ کے معنی ہیں ”ندما“ یعنی ندامت، شرمندگی اور اس کے اصل معنی ہیں حد سے تجاوز کرنا۔

”سُرَادِقُهَا“ اس کی مثال ایسی ہے جیسے چاروں طرف پردہ کی غرض سے قاتیں لگاتے ہیں یعنی شامیانہ کی طرح ہے، اور اسی طرح اس حجرہ کی طرح ہے جس کو چاروں طرف سے خیموں سے گھیر دے۔

در اصل ”سرادق“ ہر وہ چیز جو کسی شئی کا احاطہ کئے ہوئے ہو خواہ چار دیواری ہو یا شامیانہ یا خیمہ وہ ”سرادق“ ہے جمع ”سرادقات“۔

”يُحَاوِرُهُ“ محاورہ سے مشتق ہے یعنی باتیں رگفتگو کرنا۔

﴿لَكِنَّا هُوَ اللَّهُ رَبُّنِي﴾ یہ اصل میں ”لكن أنا هو الله ربى“ تھا پھر ”انا“ کا ہمزہ حذف کر کے نون کو نون میں ادغام کر دیا ”لَكِنَّا“ ہو گیا۔

۳ عمدة القاری، ج: ۱۹، ص: ۶۰ - ملاحظہ فرمائیں: انعام الباری، ج: ۳، ص: ۳۰۳، کتاب التہجد، باب تعریض

النبی ﷺ علی قیام اللیل والنوافل من غیر اہجاب، رقم: ۱۱۲۷

﴿وَلَجَزْنَا خِيَلًا لَهُمَا نَهْرًا﴾ یعنی ان دونوں باغات کے درمیان نہر تھی۔

”زَلَقًا“ ایسا صاف چکنا کہ جس پر قدم نہ ٹھرے بلکہ پھسل جائے۔

﴿هُنَالِكَ الْوَلَايَةُ﴾ اس آیت میں ”ولایة“ کا مصدر ہے ”ولی“۔ جو مدد و نصرت کیلئے آتا ہے۔

”عُثْبًا“ بمعنی ”عاقبة“ اور یہ عاقبت کے معنی میں ہے، ان سب کا معنی ایک ہی ہے آخرت، انجام۔

”قُبْلًا“ اور ”قَبْلًا وَقَبْلًا“ تینوں کے معنی ایک ہی ہیں ”استینافا“ استقبال یعنی سامنے آنا، مقصد یہ

ہے کہ ہر قرأت پر معنی ایک ہیں۔

”لِيُدْحِضُوا“ بمعنی ”لمیزیلوا“ یعنی تاکہ زائل کر دیں، اس کا مادہ ”دحض“ ہے، جس کے معنی

باب فتح یفتح سے پھسلنے آتے ہیں اور باب افعال سے ”الزلق“ زائل کرنے کے معنی ہیں۔

(۲) باب قوله: ﴿وَإِذْ قَالَ مُوسَى لِفَتَاهُ لَا أَبْرَحُ حَتَّىٰ أَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ أَوْ

أَمْضِيَ حُقْبًا﴾ [۶۰]

اس ارشاد کا بیان: ”اور (اُس وقت کا ذکر سنو) جب موسیٰ نے اپنے نوجوان (شاگرد) سے کہا

تھا کہ: میں اُس وقت تک اپنا سفر جاری رکھوں گا جب تک دو سمندروں کے سنگم پر نہ پہنچ جاؤں، ورنہ

برسوں چلتا رہوں گا۔“

زمانا و جمعه أحقاب.

ترجمہ: ”حقبًا“ کے معنی طویل زمانہ، اور اسکی جمع ”أحقاب“ آتی ہے۔

۳۷۲۵۔ حدثنا الحمیدی: حدثنا سفیان، حدثنا عمرو بن دینار قال: أخبرني

سعيد بن جبیر قال: قلت لابن عباس: ان لولا البکالی یزعم ان موسى صاحب الخضر

لیس هو موسى صاحب بنی اسرائیل، فقال ابن عباس: کذب عدو الله، حدثني ابي بن كعب

انه سمع رسول الله ﷺ يقول: ((ان موسى قام خطيبا في بنی اسرائيل، فسئل: أي الناس

أعلم؟ فقال: انا، فعتب الله عليه اذ لم يرد العلم اليه. فأوحى الله اليه ان لي عبدا بمجمع

البحرين هو أعلم منك. قال موسى: يارب فكيف لي به؟ قال: تأخر معك حوتا فتجعله

في مکتل فحيثما فقدت الحوت فهو لم فأضرحوتا فجعله في مکتل ثم اطلق واطلق معه

بفتاه يوشع بن نون حتى اذا اتينا الصخرة وضعا رؤوسهما فناما، واضطرب الحوت في

المكتل فخرج منه لسقط في البحر ﴿فَاتَّخَذَ سَبِيلَهُ فِي الْبَحْرِ سَرَبًا﴾ وامسك الله عن الحوت جرية الماء فصار عليه مثل الطاق. فلما استيقظ نسي صاحبه أن يخبره بالحوت فالتقيا بقية يومهما وليلتها حتى اذا كان من الغد قال موسى لفتاه: ﴿آيْنَا غَدَاءَ لَا لَقَدْ لَقِينَا مِنْ سَفَرِنَا هَذَا نَصَبًا﴾ قال: ولم يجد موسى النصب حتى جاوزا المكان الذي امر الله به. فقال له فتاه: ﴿أَرَأَيْتَ إِذْ أَوَيْنَا إِلَى الصَّخْرَةِ فَإِنِّي نَسِيتُ الْحُوتَ وَمَا أَنسَانِيهِ إِلَّا الشَّيْطَانُ أَنْ أَذْكُرَهُ وَاتَّخَذَ سَبِيلَهُ فِي الْبَحْرِ عَجَبًا﴾ قال: فكان للحوت سربا ولموسى ولفتاه عجا. فقال موسى: ﴿ذَلِكَ مَا كُنَّا نَبِغِي فَاذْتَدَا عَلَى آثَارِهِمَا قَصَصًا﴾ قال: رجعا بقصان آثارهما حتى انتهيا الي الصخرة فاذا رجل مسجى ثوبا، فسلم عليه موسى فقال الخضر: وألى بأرضك السلام؟ قال: أيا موسى، قال: موسى بنى اسرائيل؟ قال: نعم أيتك لتعلمني مما علمت رشداً، قال: ﴿إِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا﴾ يا موسى الي على علم من علم الله علمنه لا تعلمه أنت، وأنت على علم من علم الله علمك الله لا أعلمه، فقال موسى: ﴿سَتَجِدُنِي إِنْ شَاءَ اللَّهُ صَابِرًا وَلَا أَعْصِي لَكَ أَمْرًا﴾ فقال له الخضر: فان اتبعني فلا تسألني عن شيء حتى أحدث لك منه ذكرا. فالتقيا يمشيان على ساحل البحر. فمرت سفينة فكلموهم أن يحملوهم فعرفوا الخضر فحملوه بغير نول، فلما ركبا في السفينة لم يفجا إلا والخضر قد قلع لوحا من ألواح السفينة بالقدوم. فقال له موسى: لوم حملونا بغير نول عمدت الي سفينتهم فخرقتها لتفرق أهلها لقد جئت شيئا امرا. قال: ﴿أَلَمْ أَقُلْ إِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا﴾ قال: ﴿لَا تُؤَاخِذُنِي بِمَا نَسِيتُ وَلَا تُرْهِقْنِي مِنْ أَمْرِي عُنْرًا﴾ قال: وقال رسول الله ﷺ: ((وكانت الزولى من موسى لسيانا. قال: وجاء عصفور فوقع على حرف السفينة فنقر في البحر نفرة. فقال له الخضر: ما علمي وعلمك من علم الله الامثل ما نقص هذا العصفور من هذا البحر، ثم خرجا من السفينة. فبينما هما يمشيان على الساحل إذ بصر الخضر غلاما يلعب من الغلمان، فأخذ الخضر رأسه بيده فالتعه بيده لقتله. فقال له موسى: ﴿أَقْبَلْتُ نَفْسًا زَكِيَّةً - بِغَيْرِ نَفْسٍ لَقَدْ جِئْتُ شَيْئًا تُكْرَهُ﴾ قال: ﴿أَلَمْ أَقُلْ لَكَ إِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا﴾ قال: وهذا أشد من الأولى قال: ﴿إِنْ سَأَلْتَكَ عَنْ شَيْءٍ بَعْدَهَا فَلَا تُصَاحِبْنِي قَدْ بَلَغْتَ مِنْ لَدُنِّي عُذْرًا﴾ فالتقيا حتى اذا أتيا أهل قرية استطعما أهلها فأبوا أن يضيفواهما فوجدا فيها جدارا يريد أن ينقض - قال: مائل - فقام الخضر فأقامه بيده، فقال موسى: لوم أتيناهم فلم يطعمونا ولم

بضیفونا لوشت لاتخذت علیہ اجراء، قال: ﴿هَذَا لِإِرَائِیْ بَيْنِیْ وَبَيْنِکَ﴾ الی قولہ: ﴿ذَلِکَ تَأْوِیْلُ مَا لَمْ تَسْطِعْ عَلَیْهِ صَبْرًا﴾ فقال رسول اللہ ﷺ: ((وودنا ان موسى كان صبر حتى يقص الله علينا من خبرهما)).

قال سعيد بن جبیر: لكان ابن عباس يقرأ (وكان امامهم ملك ياخذ كل سفينة صالحة غصبا) وكان يقرأ (واما الغلام فكان كافرا و كان ابواه مؤمنين). [راجع: ۷۴]

ترجمہ: سعید بن جبیر رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کہا کہ نوف بکالی کہتے ہیں کہ جو موسیٰ حضرت خضر علیہ السلام کے ساتھی تھے، وہ نبی اسرائیل کے صاحب رسول نہ تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اللہ کے دشمن نے جھوٹ بولا، مجھ سے صحابی رسول حضرت ابی بن کعب علیہ السلام نے بیان کیا کہ، انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا کہ آپ فرما رہے تھے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل سے وعظ کرنے کیلئے کھڑے ہوئے تو ان سے پوچھا گیا لوگوں میں بڑا عالم کون ہے؟ موسیٰ علیہ السلام نے کہا میں بڑا عالم ہوں۔

اس پر اللہ ﷻ نے ان پر عتاب فرمایا، کیونکہ انہوں نے علم کو اللہ کی طرف منسوب نہیں کیا (یعنی انہوں نے یوں نہیں کہا۔ اللہ اعلم) پھر اللہ ﷻ نے ان پر وحی بھیجی کہ میرا ایک بندہ ہے دو سمندروں کے ملنے کی جگہ پر ہے جو تم سے زیادہ علم رکھتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا کہ اے رب! میں ان تک کیسے پہنچوں؟ فرمایا کہ اپنے ساتھ ایک مچھلی لے لو اور اسکو ایک تھیلے میں رکھ لو، پس جہاں وہ مچھلی گم ہو جائے وہ بندہ وہیں ملے گا۔

چنانچہ آپ ﷺ نے ایک مچھلی لی اور تھیلے میں رکھا اور روانہ ہوئے اور آپ کے ساتھ ایک نوجوان یوشع بن نون علیہ السلام بھی چلے، یہاں تک کہ جب یہ دونوں حضرات ایک چٹان کے پاس پہنچے تو دونوں سر رکھ کر سو گئے، اور اس جگہ مچھلی تھیلے میں پھڑ پھڑائی پھر نکل کر سمندر میں چلی گئی۔

﴿لَاتَخَذَ سَبِيلَهُ فِي الْبَحْرِ سَرَبًا﴾

پس اس نے سمندر میں ایک سرنگ کی طرح کا راستہ بنا لیا۔

اور اللہ ﷻ نے پانی کی روانی کو روک دیا جہاں یہ مچھلی گئی تھی، چنانچہ وہ ایک طاق سا ہو گیا۔ پھر جب حضرت موسیٰ علیہ السلام بیدار ہوئے تو ان کے ساتھی مچھلی کے متعلق ان کو بتانا بھول گئے، اس لئے دن اور رات کا جو حصہ باقی تھا دونوں چلتے رہے، یہاں تک کہ جب صبح ہوئی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس نوجوان سے کہا:

﴿آيْنَا غَدَاءَ نَا لَقَدْ لَقِينَا مِنْ سَفَرِنَا هَذَا نَصَبًا﴾

ہمارا ناشتہ لاؤ، سچی بات یہ ہے کہ ہمیں اس میں سفر میں بڑی تھکاوٹ لاحق ہو گئی ہے۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) اس وقت تک نہیں تھکے تھے جب تک وہ اس مقام سے آگے نہ بڑھ گئے جس کا اللہ ﷻ نے حکم فرمایا دیا تھا۔ تو اب اس نوجوان (یوشع بن نون علیہ السلام) نے کہا:

﴿أَرَأَيْتَ إِذْ أَوْنَا إِلَى الصُّخْرَةِ فَأَنَّى لَسِينَا
الْحُوتُ وَمَا أَنسَيْنَاهُ إِلَّا الشَّيْطَانُ أَنْ أَذْكُرَهُ
وَاتَّخَذَ سَبِيلَهُ فِي الْبَحْرِ عَجَبًا﴾

بھلا بتائیے! (عجیب قصہ ہو گیا) جب ہم اُس چٹان پر ٹھہرے تھے تو میں مچھلی (کا آپ سے ذکر کرنا) بھول گیا۔ اور شیطان کے سوا کوئی نہیں ہے جس نے مجھ سے اس کا تذکرہ کرنا بھلایا ہو۔ اور اُس مچھلی نے تو بڑے عجیب طریقے سے دریا میں اپنی راہ لی تھی۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا مچھلی نے تو اپنا راستہ لیا اور حضرت موسیٰ (علیہ السلام) اور ان کے خادم کو یہ دیکھ کر تعجب ہوا، حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے کہا:

﴿ذَلِكَ مَا كُنَّا نَبْغِي فَاذْنَبْنَا عَلَى آثَارِهِمَا لَصْمًا﴾
اسی بات کی تو ہمیں تلاش تھی۔ چنانچہ دونوں اپنے قدموں کے نشان دیکھتے ہوئے واپس لوٹے۔

آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ دونوں حضرات اپنے قدموں کے نشانات کو ڈھونڈتے ہوئے واپس لوٹے، یہاں تک کہ پھر اسی چٹان کے پاس پہنچے تو دیکھا کہ ایک آدمی (حضرت خضر علیہ السلام) چادر اوڑھے ہوئے موجود ہیں، پھر حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے انہیں سلام کیا اس پر حضرت خضر علیہ السلام نے اٹھ کر کہا میری سرزمین میں سلام کہاں سے آگیا؟ (یعنی تم کون ہو؟) حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے کہا میں موسیٰ ہوں۔ حضرت خضر علیہ السلام نے کہا بنی اسرائیل کے موسیٰ؟ آپ نے فرمایا جی ہاں، میں آپ کے پاس اس غرض سے آیا ہوں کہ جو ہدایت کا علم آپ کے پاس ہے وہ مجھے بھی سکھا دیں۔ حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا:

﴿إِنَّكَ لَنْ تَسْعَتَ مَعِيَ صَبْرًا﴾

مجھے یقین ہے کہ آپ میرے ساتھ رہنے پر صبر نہیں کر سکیں گے۔

اے موسیٰ بات یہ ہے کہ اللہ ﷻ نے مجھے ایک علم دیا ہے جو تمہارے کو نہیں دیا گیا ہے، اسی طرح آپ کو اللہ ﷻ کی طرف سے ایک علم ملا ہے، جس کو میں نہیں جانتا۔ تو حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے فرمایا:

﴿مَسْجِلِيْنَ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ صَابِرًا وَّلَا اَعْصِيْ لَكَ اَمْرًا﴾

ان شاء اللہ آپ مجھے صابر پائیں گے، اور میں آپ کے کسی حکم کی خلاف ورزی نہیں کروں گا۔

اس پر حضرت خضر ؑ نے حضرت موسیٰ ؑ سے کہا اگر آپ میرے ساتھ چلیں تو کسی چیز کے متعلق سوال نہ کریں یہاں تک کہ میں خود آپ کو اس کے متعلق بتا دوں گا۔

اب دونوں روانہ ہوئے اور سمندر کے کنارے چلنے لگے، اتنے میں ایک کشتی گذری انہوں نے کشتی والوں سے بات کی کہ انہیں بھی کشتی میں سوار کر لیں، تو کشتی والوں نے حضرت خضر ؑ کو پہچان لیا اور کسی کرایہ کے بغیر انہیں سوار کر لیا۔ جب دونوں حضرات کشتی میں بیٹھ گئے تو کچھ دیر نہ گذری تھی کہ حضرت خضر ؑ نے کلباڑے سے کشتی کا ایک تختہ نکال ڈالا۔ تو حضرت موسیٰ ؑ نے حضرت خضر ؑ سے کہا کہ ان لوگوں نے ہمیں بغیر کسی کرایہ کے سوار کر لیا اور آپ نے ان ہی کی کشتی چیر ڈالی تاکہ سارے کشتی والے ڈوب جائیں، بلاشبہ آپ نے یہ بڑا ناگوار کام کیا۔ حضرت خضر ؑ نے ان کی بات سن کر کہا:

﴿أَلَمْ أَقُلْ لَنْ تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا﴾

کیا میں نے کہا نہیں تھا کہ آپ میرے ساتھ رہ کر صبر نہیں کر سکیں گے؟

حضرت موسیٰ ؑ نے فرمایا:

﴿لَا تَوَاحِدِينِي بِمَا نَسِيتُ وَلَا تُرْهِقْنِي مِنْ أَمْرِي غُنْرًا﴾

مجھ سے جو بھول ہوگئی، اس پر میری گرفت نہ کیجئے، اور میرے کام کو زیادہ مشکل نہ بنائیے۔

حضرت ابی بن کعب ؓ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ پہلی مرتبہ کا اعتراض حضرت موسیٰ ؑ کا بھول کر ہی تھا۔ پھر فرمایا کہ اتنے میں ایک چڑیا آئی اور اس نے کشتی کے ایک کنارے بیٹھ کر سمندر میں ایک مرتبہ چونچ ماری تو حضرت خضر ؑ نے حضرت موسیٰ ؑ سے کہا میرا علم اور آپ کا علم اللہ ﷻ کے علم کے سامنے بس اتنا ہی ہے جتنا اس چڑیا نے اس سمندر سے کم کیا ہے، پھر دونوں حضرات کشتی سے اتر گئے۔

ابھی وہ دونوں ساحل سمندر پر چل ہی رہے تھے کہ حضرت خضر ؑ نے ایک بچہ کو دیکھا جو دوسرے بچوں کے ساتھ کھیل رہا تھا، حضرت خضر ؑ نے اس بچہ کا سراپہ ہاتھ سے پکڑا اور اسے اپنے ہاتھ سے اکھاڑ کر اس کی جان لے لی۔ اس پر حضرت موسیٰ ؑ نے فرمایا:

﴿أَقْبَلْتُ نَفْسًا زَكِيَّةً بِغَيْرِ نَفْسٍ لَقَدْ جِئْتُ شَيْئًا﴾

تُكْرَأُ

ارے کیا آپ نے ایک پاکیزہ جان کو ہلاک کر دیا، جبکہ
اُس نے کسی کی جان نہیں لی تھی جس کا بدلے اُس سے لیا
جائے؟ یہ تو آپ نے بہت ہی بُرا کام کیا!

حضرت خضر ؑ نے کہا:

﴿أَلَمْ أَقُلْ لَكَ إِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا﴾

کیا میں نے آپ سے نہیں کہا تھا کہ آپ میرے ساتھ رہنے
پر صبر نہیں کر سکیں گے؟

(راوی سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ) کہتے ہیں کہ یہ پہلے کلام سے زیادہ سخت ہے۔ حضرت مویز ؑ نے کہا:

﴿إِنْ سَأَلْتِكَ عَنْ فَئِيءٍ بَعْدَهَا فَلَا تُصَاحِبْنِي قَدْ

بَلَغْتَ مِن لَدُنِّي عُذْرًا﴾

اگر اب میں آپ سے کوئی بات پوچھوں تو آپ مجھے اپنے
ساتھ نہ رکھئے، یقیناً آپ میری طرف سے عذر کی حد کو پہنچ
گئے ہیں۔

پھر دونوں روانہ ہو گئے، یہاں تک کہ ایک گاؤں والوں کے پاس پہنچے اور ان سے کھانا مانگا تو ان لوگوں
نے مہمان بنانے سے انکار کیا، پھر دونوں نے دیکھا کہ اس گاؤں میں ایک دیوار ہے جو بس گرنے کی جانب مائل
تھی، حضرت خضر ؑ کھڑے ہو گئے اور دیوار اپنے ہاتھ سے سیدھی کر دی، تو حضرت موسیٰ ؑ نے کہا یہ لوگ
ایسے ہیں کہ ہم ان لوگوں کے پاس آئے مگر ان لوگوں نے نہ ہم کو کھانا کھلایا اور نہ ہماری ضیافت کی اگر آپ
چاہتے تو دیوار کے اس سیدھا کرنے پر اجرت لے سکتے تھے، حضرت خضر ؑ نے کہا:

﴿هَذَا لِإِزَاقِ بَنِي وَتَيْبِك﴾

لیجئے میرے اور آپ کے درمیان جدائی کا وقت آ گیا ہے۔

(مذکورہ آیت سے لیکر درج ذیل آیت تک۔)

﴿ذَلِكَ تَأْوِيلُ مَا لَمْ تَسْطِعْ عَلَيْهِ صَبْرًا﴾

یہ تھا مقصد ان باتوں کا جن پر آپ سے صبر نہیں ہو سکا۔

پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ہم تو چاہتے تھے کہ حضرت موسیٰ ؑ نے صبر کیا ہوتا تاکہ اللہ ﷻ ان

کے واقعات ہم سے بیان کرتا۔

حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ نے بیان کیا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما جب اس آیت کی تلاوت کرتے تھے (جس میں حضرت خضر علیہ السلام نے اپنے کاموں کی وجہ بیان کی ہے کہ)، تو یہ کہتے تھے کہ کشتی والوں کے آگے ایک بادشاہ تھا جو ہر اچھی کشتی کو چھین لیا کرتا تھا، اور یہ بھی کہتے تھے کہ اور وہ غلام نو عمر لڑکا تو وہ کافر تھا اور اسکے والدین مومن تھے۔

(۳) باب قوله: ﴿فَلَمَّا بَلَغَا مَجْمَعَ بَيْنِهِمَا نَسِيَا حُوتَهُمَا فَاتَّخَذَ سَبِيلَهُ فِي

الْبَحْرِ سَرَبًا﴾ [۶۱]

اس ارشاد کا بیان: ”چنانچہ جب وہ سنگم پر پہنچے تو دونوں اپنی مچھلی کو بھول گئے، اور اس نے سمندر میں ایک سرنگ کی طرح کا راستہ بنا لیا۔“

مذہب، يسرب: يسلك، ومنه: ﴿وَسَارِبٌ بِالنَّهَارِ﴾.

ترجمہ: ”سَرَبًا“، بمعنی ”مذہباً“ چلنے کی جگہ، راستہ۔ ”يسرب: يسلك“ وہ چلتا ہے، اور اس سے سورۃ الرعد کی یہ آیت ہے ﴿وَسَارِبٌ بِالنَّهَارِ﴾۔

۴۷۲۶۔ حدثنا ابراهيم بن موسى: اخبرنا هشام بن يوسف: ان ابن جريج اخبرهم قال: اخبرني يعلى بن مسلم وعمرو بن دينار، عن سعيد بن جبیر، يزيد أحدهما علی صاحبه وغيرهما قد سمعته يحدثه عن سعيد قال: أنا لعند ابن عباس فی بیتہ. إذ قال: سلونی، قلت: ای ابا عباس جعلنی الله لداك بالكوفة رجلا قاصا یقال له: نوف، یزعم أنه ليس بموسی بنی اسرائیل، أما عمرو فقال لی: قال: قد كذب عدو الله. وأما يعلى فقال لی: قال ابن عباس: حدثني أبي بن كعب قال: قال رسول الله ﷺ: ((موسی رسول الله ﷺ، قال ذكر الناس يوم احمى إذا فاضت العيون وركت القلوب، ولی فادر كه رجل فقال: ای رسول الله، هل فی الارض أحد أعلم منك؟ قال: لا، فعتب علیه إذ لم یرد العلم الی الله. قيل: بلی، قال: ای رب، فاین؟ قال: بمجمع البحرين، قال: ای رب اجعل لی علما أعلم ذلك منه))، فقال لی عمرو: قال: ((حيث يفارقك الحوت))، وقال لی يعلى: ((قال: خذ حوتاً ميتاً حيث ینفخ فيه الروح، فأخذ حوتاً فجعله فی مکتل فقال لفتاه: لا أكلفك الا أن تخبرني بحیث يفارقك الحوت، قال: ما كلفت كثيراً فذا لك قوله جل ذكره:

﴿وَإِذْ قَالَ مُوسَى لِقَتَاهُ﴾، يوشع بن نون، ليست عن سعيد قال: فبينما هو في ظل صخرة في مكان ثريان اذ تضرب الحوت وموسى نائم، فقال قتاه: لا أوقظه حتى اذا استيقظ لنسى أن يخبره وتضرب الحوت حتى دخل البحر فامسك الله عنه جربة البحر حتى كان الره حجر- قال لي عمرو- هكذا كان أثره في حجر وحلق بين ابهاميه والتي تليا لهما ﴿لَقَدْ لَقِينَا مِنْ سَفَرِنَا هَذَا نَصَبًا﴾ قال: قد قطع الله عنك النصب- ليست هذه عن سعيد- آخره فرجعا فوجد خضرا- قال لي عثمان بن ابي سليمان- على طنفسة خضراء على كبد البحر- قال سعيد بن جبير-: مسجى بثوبه: قد جعل طرفه تحت رجله وطرفه تحت رأسه فسلم عليه موسى فكشف عن وجهه وقال: هل بارضى من سلام؟ من أنت؟ قال: أنا موسى، قال: موسى بنى اسرائيل؟ قال: نعم، قال: فما شأنك؟ قال: جئت لتعلمني مما علمت رشدا، قال: أما يكفيك أن التوراة بيديك وأن الرحي ياتيك يا موسى؟ ان لي علما لا ينبغي لك أن تعلمه وان لك علما لا ينبغي لي أن أعلمه. فأضد ططائر بمنقاره من البحر، وقال: والله ما علمى وما علمك في جنب علم الله إلا كما أخذ هذا الطائر بمنقاره من البحر، حتى اذاركبا في السفينة وجدا معا بر صغارا تحمل أهل هذا الساحل الى أهل هذا الساحل الآخر عرفوه، فقالوا: عبد الله الصالح- قال: قلنا لسعيد: خضر؟ قال: نعم- لا لحمله بأجر فخر لها وولد فيها وتداء، قال موسى: ﴿أَخْرَجْتَهَا لِيُفْرَقَ أَهْلَهَا لَقَدْ جِئْتَ شَيْئًا إِمْرًا﴾- قال مجاهد: منكر- قال: ﴿أَلَمْ أَلَلْ إِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا﴾ كانت الأولى لسيان، والوسطى شرطاء، والثالثة عمدا. قال: ﴿لَا تُؤَاخِذْنِي بِمَا نَسِيتُ وَلَا تُرْهِقْنِي مِنْ أَمْرِي عُسْرًا﴾ لقي غلاما فقتله- قال يعلى: قال سعيد-: وجد غلاما يلعبون فأخذ غلاما كالقرا ظريفا فأصعبه ثم ذبحه بالسكين. قال: ﴿أَقْتَلْتُ نَفْسًا زَكِيَّةً بِغَيْرِ نَفْسٍ﴾ لم تعمل بالحنث- واهن عباس قراها: زَكِيَّةٌ زَاكِيَّةٌ زَاكِيَةٌ مسلمة كقولك: غلاما زكيا، فانطلقا لوجد جدارا يريد أن ينقض فالامه- قال سعيد بيده هكذا- ورفع يدي فاستقام- قال يعلى: حسبت أن سعيدا قال: فمسحه بيده فاستقام ﴿لَوْ شِئْتَ لَاتَّخَذْتَ عَلَيْهِ أَجْرًا﴾- قال سعيد: أجرا أاكله- ﴿وَكَانَ وَرَاءَهُمْ مَلِكٌ﴾ وكان امامهم- قراها ابن عباس: امامهم ملك. يزعمون عن غير سعيد أنه هدد بن بدد الغلام المقتول: يزعمون اسمه حيسور- ﴿مَلِكٌ يَأْخُذُ كُلَّ سَفِينَةٍ غَصْبًا﴾ فأردت اذا هي مرت به أن يدعها لعيها. فاذا جاوزوا أصلحواها فانتفخوا بها- ومنهم من يقول: سدوها بقارورة، ومنهم من يقول: بالقار- وكان

ابوہ مؤمنین و کان کالرا ﴿فَنَحْشِنَا أَنْ يَرْهَقَهُمَا طُغْيَانًا وَكُفْرًا﴾ ان يحملهما حبه على ان يتابعاه على دينه ﴿فَأَزَدْنَا أَنْ يُبَدِّلَهُمَا رَبُّهُمَا خَيْرًا مِنْهُ زَكَاةً وَأَقْرَبَ رُحْمًا﴾ لقوله: ﴿أَقَلَّتْ نَفْسًا زَكِيَّةً﴾ واقرب رحما: هما به ارحم منهما بالاول الذي قتل، خضر)). وزعم غير سعيد انهما اهدلا جارية. واما داؤد بن ابي عاصم فقال عن غير واحد: انها جارية. [راجع: ۷۴]

ترجمہ: سعید بن جبیر سے روایت ہے کہ ہم ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے پاس بیٹھے تھے، میں نے ان سے ان کی خواہش پر پوچھا کہ اللہ مجھے آپ پر قربان کرے، کوفہ کے ایک واعظ ”نوف“ کا بیان ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کے نبی اور تھے، جو حضرت خضر علیہ السلام کے ساتھ رہے وہ دوسرے تھے، کیا یہ درست ہے؟ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کہا خدا کے اس دشمن نے جھوٹ بولا۔

ابن جریر کا بیان ہے کہ یعلیٰ بن مسلم نے مجھے جو حدیث بیان کی، اس میں یہ تھا کہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے سعید سے یہ کہا کہ خدا کے اس دشمن نے جھوٹ بولا، بلکہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے سعید سے یہ کہا تھا کہ ابی بن کعب علیہ السلام نے مجھے یہ کہا تھا کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ایک دن موسیٰ علیہ السلام نے وعظ کہا، لوگوں پر رقت طاری ہوگئی اور بہت روئے، ایک شخص نے عرض کیا، کہ اے موسیٰ اللہ کے پیغمبر! کیا اس زمین میں آپ سے بھی زیادہ جاننے والا کوئی ہے؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا نہیں، اللہ تعالیٰ کو یہ بات ناگوار ہوئی، کیونکہ انہوں نے یہ نہیں کہا کہ اللہ ہی زیادہ جانتا ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، اے موسیٰ! ہمارے بعض بندے تم سے بھی زیادہ علم والے ہیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا کہ مولیٰ مجھے ان کا پتہ بتا، تاکہ میں ان سے طوں، اور علم حاصل کروں۔

ابن جریر کہتے ہیں کہ عمرو بن دینار نے مجھ سے اس طرح کہا کہ اللہ کی طرف سے ارشاد ہوا، کہ اس کا پتہ یہ ہے کہ جہاں تمہاری مچھلی گم ہو جائے گی، خضر علیہ السلام تم کو وہیں ملیں گے۔

یعلیٰ نے بیان کیا کہ اللہ تعالیٰ نے اس طرح فرمایا تھا کہ ایک مری ہوئی مچھلی لے لو، جہاں وہ زندہ ہو جائے گی، بس اسی جگہ وہ شخص تم کو ملے گا، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک مچھلی تھیلے میں ڈالی اور اپنے خادم یوشع کو ساتھ لیا، اور اس سے کہا کہ تم کو صرف اتنی تکلیف دیتا ہوں کہ جہاں مچھلی گم ہو جائے مجھے بتا دینا، یوشع نے کہا یہ کیا بڑی بات ہے، سعید کی روایت میں یوشع بن نون کا نام نہیں ہے۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے ساتھی کے ساتھ پتھر کی ایک چٹان کے پاس ریا کے کنارے پہنچے، تو حضرت موسیٰ علیہ السلام سو گئے، مچھلی تڑپ کر دریا میں چلی گئی، نوجوان ساتھی نے خیال کیا کہ جگانا نہیں چاہئے، جب انھیں گے تو کہہ دوں گا، مگر ان کے اٹھنے کے بعد بھول گیا۔

اللہ تعالیٰ نے مچھلی کے جانے کی وجہ سے پانی کو روک دیا، اور پانی میں ایک خاص نشان سرنگ کی طرح بن گیا۔ راوی کہتے ہیں کہ عمرو بن دینار نے یہ کہا تھا کہ وہ مچھلی پانی میں ایک سوراخ بنا کر چھوڑتی چلی گئی، اور پھر مرد نے اپنے دونوں انگوٹھوں اور پاس والی انگلیوں سے حلقہ بنا کر بتایا۔

اس کے بعد یہ دونوں حضرت آگے چلے گئے، کچھ دور جا کر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ مجھے سفر کی تھکن معلوم ہوتی ہے، یوشع نے کہا کہ اللہ نے آپ کی تھکن کو دور کر دیا، اس کے بعد یوشع نے کہا کہ مچھلی تو فلاں جگہ گم ہوگئی، اور میں آپ سے کہنا بھول گیا۔

چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام لوٹ کر چٹان کے قریب آئے تو دیکھا کہ خضر علیہ السلام کھڑے ہیں، ابن جریج نے کہا کہ عثمان بن ابی سلیمان کا بیان ہے کہ آپ نے خضر علیہ السلام کو دریا میں سبز بستر پر بیٹھے دیکھا، سعید کہتے ہیں کہ کپڑا اوڑھے ہوئے تھے، اور کپڑے کا ایک کنارہ پیروں تلے دبایا ہوا تھا، اور دوسرا کنارہ سر پر تھا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سلام کیا، خضر علیہ السلام نے کہا کہ میرے ملک میں سلام کا طریقہ نہیں ہے، تم کون ہو؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ میں موسیٰ ہوں، خضر علیہ السلام نے کہا کیا بنی اسرائیل کے موسیٰ ہو؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا جی ہاں!

حضرت خضر علیہ السلام نے کہا پھر یہاں کس کام کے لئے آئے ہو؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا، اس لئے کہ آپ مجھے اپنا علم سکھائیں، حضرت خضر علیہ السلام نے کہا کیا تورات اور وحی آپ کو کافی نہیں؟ اے موسیٰ میرا علم تم نہیں سیکھ سکتے، اور تمہارا علم میں نہیں سیکھ سکتا، حضرت خضر علیہ السلام یہ کہہ رہے تھے کہ ایک چڑیا نے دریا سے ایک چونچ پانی لیا، حضرت خضر علیہ السلام نے کہا اے موسیٰ ہمارا اور تمہارا علم اللہ کے سامنے ایسا ہے جیسا وہ پانی جو اس پرندہ نے چونچ میں بھرا۔

پھر وہ ایک چھوٹی سی ناؤ میں سوار ہوئے، جو لوگوں کو ادھر سے ادھر لے جاتی تھی، کشتی والوں نے ان کو پہچان لیا، اور بلا اجرت کشتی میں بٹھا لیا، حضرت خضر علیہ السلام نے کشتی کے ایک تختہ کو توڑ دیا، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ یہ تو تم نے بہت برا کیا، اس سے تو کشتی والے ڈوب جائیں گے، حضرت خضر علیہ السلام نے کہا دیکھو میں نے تم سے پہلے ہی کہا تھا کہ تم میرے ساتھ صبر نہ کر سکو گے۔

درحقیقت یہ پہلا اعتراض موسیٰ علیہ السلام نے بھولے سے کیا تھا، اور دوسری بار خود حضرت موسیٰ علیہ السلام نے شرط لگائی کہ اگر پھر ایسا ہوا، تو مجھے ساتھ نہ رکھنا، اور تیسرا اعتراض عدا کیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا، میں بھول گیا ہوں، بھول پر معاف کرنا چاہئے، اس کے بعد آگے بڑھے، ایک بچہ ملا، حضرت خضر علیہ السلام نے اسے مار ڈالا، اور گلا کاٹ دیا، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا یہ تو تم نے بلا وجہ ایک خون کر ڈالا، بے گناہ کو مار ڈالا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اس آیت ﴿أَفَلَنْتَ نَفْسًا زَكِيَّةً﴾ کو دونوں طرح پڑھتے ہیں، ’زاکیة‘ کے معنی اچھانیک مسلمان، جیسے کہتے ہیں ’غلاما زکیا‘۔

اس کے بعد دونوں ایک بستی میں پہنچے، ایک دیوار جو گرنے والی تھی، اور ٹیڑھی ہو رہی تھی، حضرت خضر ؑ نے اس کو ہاتھ لگا کر سیدھا کر دیا، سعید نے ہاتھ کا اشارہ کر کے بتایا، کہ دیوار کو اس طرح سیدھا کیا تھا، یعلیٰ کہتے ہیں، میں خیال کرتا ہوں کہ سعید نے اسی طرح کہا تھا کہ حضرت خضر ؑ نے دیوار پر ہاتھ پھیرا تو وہ سیدھی ہو گئی۔ حضرت موسیٰ ؑ نے اعتراض کیا، اور کہا کہ اگر تم چاہتے، تو اس کی مزدوری لے سکتے تھے، اور اس میں کھانا پینا ہو سکتا تھا۔

اور ’وکان وراءہم‘ کے معنی ’امامہم‘ کے ہیں، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اسی طرح پڑھا ہے۔

ابن جریج نے کہا کہ سعید کے سوا دوسرے راویوں نے بادشاہ بددین و بد بیان کیا ہے، اور وہ لڑکا جس کو حضرت خضر ؑ نے مار ڈالا تھا، اس کا نام جیسور تھا، کشتی توڑنے کی وجہ حضرت خضر ؑ نے یہ بتائی کہ وہ بادشاہ جو کہ دریا سے پار تھا، ظالم تھا، اور بیگار میں کشتیاں پکڑتا تھا، اسے بیکار سمجھ کر چھوڑ دے گا، کشتی والے اسے ٹھیک کر کے کام چلائیں گے، بعض نے کہا کہ سیدہ گلا کر کشتی جوڑی اور بعض نے کہا کہ راکھ اور روغن سے جوڑا۔ وہ لڑکا کافر تھا، اور اس کے ماں باپ مومن تھے، مجھے یہ خیال ہوا کہ اس کی محبت والدین کو تباہ نہ کر دے، لہذا میں نے اس کو اس لئے مار ڈالا کہ اللہ تعالیٰ اس کے بدلے اس کے ماں باپ کو نیک اولاد عنایت فرمادے، جو اس سے ہر حالت میں نیک اور اچھا ہو۔

اور بعض نے کہا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ لڑکے کے بدلے میں اللہ تعالیٰ کوئی نیک لڑکی عنایت کر دے، چنانچہ داؤد بن عامر کہتے ہیں کہ لڑکی ہی مراد ہے۔

تشریح

”واللہ ما علمی وما علمکم فی جنب علم اللہ الا کما أخذہذا الطائر بمنقارہ من البحر“

حضرت موسیٰ ؑ حضرت خضر ؑ سے ملے، حضرت خضر ؑ نے آنے کا سبب پوچھا، تو حضرت موسیٰ ؑ نے آنے کا سبب بتلایا، حضرت خضر ؑ نے کہا کہ اے موسیٰ! بلاشبہ اللہ ﷻ نے تمہاری تربیت فرمائی بات یہ ہے کہ اللہ ﷻ کی طرف سے ایک علم جزئیات کو نبیہ کا مجھ کو ملا ہے جو اتنی بہتات سے مجھ کو نہیں دیا گیا۔ اس کے بعد ایک چڑیا دکھا کر جو دریا میں سے پانی پی رہی تھی، کہا کہ میرا تمہارا بلکہ کل مخلوقات کا سارا علم

اللہ جل جلالہ کے علم میں سے اتنا ہے جتنا دریا کے پانی میں سے وہ قطرہ جو چڑیا کے منہ کو لگ گیا ہے۔
یہ بھی محض تفہیم کے لئے تھا ورنہ تمنا ہی کو غیر تمنا ہی سے قطرہ اور دریا کی نسبت بھی نہیں۔ ۳

(۴) باب قولہ: ﴿فَلَمَّا جَاوَزَا قَالَ لِفَتَاهُ آتِنَا غَدَاءَنَا لَقَدْ لَقِينَا مِنْ سَفَرِنَا هَذَا

نَصَبًا﴾ الی قولہ: ﴿قَصَصًا﴾ [۶۲-۶۳]

اس ارشاد کا بیان: ”پھر جب دونوں آگے نکل گئے، تو موسیٰ نے اپنے نوجوان سے کہا کہ: ہمارا ناشتہ لاؤ، سچی بات یہ ہے کہ ہمیں اس سفر میں بڑی تھکاوٹ لاحق ہو گئی ہے۔“

صنعا: عملاً. حولاً: تحولاً ﴿قَالَ ذَلِكَ مَا كُنَّا نَبِغُ فَاذْتَدَا عَلٰی اٰثَارِهِمَا قَصَصًا﴾

[۶۳]. نكراً: داهية. يَنْقُضُ: ينقض كما ينقض السن. لتخذت واتخذت واحد. ۵
رُحْمًا مِنَ الرَّحْمِ وَهِيَ اَشَدُّ مَبَالِغَةً مِنَ الرَّحْمَةِ وَيُظَنُّ اَلَهُ مِنَ الرَّحِيمِ. وَتَدْعِي مَكَّةَ اُمَّ
رَحْمِ اُمِّي الرَّحْمَةَ تَنْزِلُ بِهَا.

ترجمہ و تشریح

”صنعا“ بمعنی ”عملاً“ یعنی اچھا کام کرنے کے معنی میں ہے۔

”حولاً“ بمعنی ”تحولاً“ یعنی پھر جانا، واپس لوٹنا۔ جیسا کہ اس آیت میں ہے کہ ﴿قَالَ ذَلِكَ

مَا كُنَّا نَبِغُ فَاذْتَدَا عَلٰی اٰثَارِهِمَا قَصَصًا﴾ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ اسی بات کی تو ہمیں تلاش تھی،
چنانچہ دونوں اپنے قدموں کے نشان دیکھتے ہوئے واپس لوٹے۔

”نكراً“ بمعنی ”داهية“ یعنی بڑا معاملہ، عجیب بات۔

”يَنْقُضُ“ و ”ينقض“ دونوں کے معنی ایک ہیں یعنی گرنے کے معنی ہیں، جیسے کہتے ہیں ”ينقض

السن“ یعنی دانت گر رہا ہے۔

”لتخذت“ میں ایک قرأت ”لتخذت۔ تخذت“ اور ”اتخذت“ از باب سح و استعمال دونوں

کے معنی ایک ہیں یعنی لیتا۔

”رُحْمًا“ ماخوذ ہے، ”رُحْمٌ“ سے بمعنی رحمت و شفقت اور اس میں رحمت سے زیادہ مبالغہ ہے، اور خیال کیا جاتا ہے کہ یہ ”رحیم“ سے ماخوذ ہے۔ مکہ کو ”أُمُّ رَحْمَةٍ“ اس لئے کہتے ہیں کہ اس پر اللہ ﷻ کی رحمت نازل ہوتی ہے۔

(۵) باب قوله تعالى: ﴿قَالَ أَرَأَيْتَ إِذْ أَوَيْنَا إِلَى الصَّخْرَةِ﴾ الى آخره

اس ارشاد کا بیان: ”اُس نے کہا: بھلا بتائیے! (عجیب قصہ ہو گیا) جب ہم اُس چٹان پر

ٹھہرے تھے تو میں پھل (کا آپ سے ذکر کرنا) بھول گیا۔“

۳۷۲۷۔ حدیثی قتیبہ بن سعید قال: حدیثی سفیان بن عیینہ، عن عمرو بن دینار،

عن سعید بن جبیر قال: قلت لابن عباس: ان لولا البکالی یزعم ان موسى نبی الله لیس بموسی الخضر، لقال: کذب عدو الله، حدیثنا ابی بن کعب، عن رسول الله ﷺ قال: ((قام موسى خطیبا فی بنی اسرائیل فقیل له: ای الناس أعلم؟ قال: أنا، فعجب الله علیه اذ لم یرد العلم الیه، واوحی الیه: بلی عبد من عبادی بمجمع البحرین هو أعلم منك. قال: ای رب، کیف السبیل الیه؟ قال: تأخذ حوتا فی مکمل فحیثما فقدت الحوت فاتبعه. قال: فخرج موسى ومعه لفتاه یوسف بن نون ومعهما الحوت حتى انتهیا الی الصخرة فنزلا عندها. قال: فوضع موسى رأسه فنام. - قال سفیان: ولی حدیث غیر عمرو قال: ولی اصل الصخرة عین یقال لها: الحیاة، لا یصیب من مالها شیء الا حیى. فأصاب الحوت من ماء تلك العین - قال: فتحرك والسل من المکمل فدخل البحر فلما استعقظ موسى ﴿قَالَ لِفَتَاهُ آتِنَا هَذَا نَأْمُ﴾ الآية. قال: ولم یجد النصب حتى جاوز ما أمر به. قال له لفتاه یوسف بن نون: ﴿أَرَأَيْتَ إِذْ أَوَيْنَا إِلَى الصَّخْرَةِ فَإِنِّي نَسِيتُ الْحُوتَ﴾ الآية، قال: فرجعا یقصدان فی آثارهما فوجدا فی البحر كالطاقی ممر الحوت. فكان لفتاه عجبا وللحوت سربا، قال: فلما انتهیا الی الصخرة اذ هما برجل مسجی یثوب فسلم علیه موسى، قال: وأنی بأرضک السلام. فقال: أنا موسى، قال: له الخضر: یا موسى إنک علی علم من علم الله علمک الله لا أعلمه، وأنا علی علم من علم الله علمنیه الله لا تعلمه. قال: بل اتبعک، قال: فان التبعنی فلا تسألنی عن شیء حتى أحدث لک منه ذکرا. فانطلقا

بمشیان علی الساحل فمرت بهما سفینة لعرف الخضر فحملوهم فی سفینتھم بغیر لول
 - بقول: بغیر اجر - فركبا السفینة. قال: ووقع عصفور علی حرف السفینة فغمس منقاره
 فی البحر فقال الخضر لموسی: ما علمک و علمی و علم الخلائق فی علم الله إلا مقدار
 ما غمّس هذا العصفور منقاره. قال: فلم یفجا موسی إذ عمد الخضر الی قدوم فخرق
 السفینة، فقال له موسی: قوم حملونا بغیر لول عمدت الی سفینھم ﴿فَخَرَقْتَهَا لِتُغْرِقَ
 أَهْلَهَا لَقَدْ جِئْتَ﴾، الآية. فانطلقا اذ هما بسلام یلعب مع الغلمان. فأخذ الخضر برأسه
 فقطعہ. قال له موسی: ﴿أَقْبَلْتَ لِنَفْسٍ زَكِيَّةٍ بِغَيْرِ نَفْسٍ لَقَدْ جِئْتَ خَيْبًا نُكْرًا. قَالَ أَلَمْ أَقُلْ
 إِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا﴾ الی قوله: ﴿فَأَبْهَأُ أَنْ يُضَيَّفُوهُمَا فَوَجَدَا فِيهَا جِدَارًا يُرِيدُ أَنْ
 يَنْقُطَ﴾ فقال بيده هكذا فأقامه، فقال له موسی: إنا دخلنا هذه القرية فلم يضيفونا ولم
 يطعمونا ﴿كَوَيْفَ لَا تَخْلُتَ عَلَيْهِ أَجْرًا، قَالَ هَذَا فِرَاقُ بَيْنِي وَبَيْنِكَ سَأُنَبِّئُكَ بِمَا
 لَمْ تَسْتَطِعَ عَلَيْهِ صَبْرًا﴾ فقال رسول الله ﷺ: ((وددنا أن موسى صبر حتى يقص علينا من
 أمرهما)). قال: وكان ابن عباس یقرأ ﴿وَكَانَ أَمَامَهُمْ مَلِكٌ يَأْخُذُ كُلَّ سَفِينَةٍ﴾ صالحة
 ﴿غَضَبًا﴾ راما الغلام فكان كالرا. [راجع: ۷۴]

مجمع البحرين

”مجمع البحرين“ کے لفظی معنی ہر وہ جگہ جہاں دو دریا سمندر سے ملتے ہوں، اور یہ ظاہر ہے کہ
 ایسے مواقع دنیا میں بے شمار ہیں۔ اس جگہ ”مجمع البحرين“ سے کوئی جگہ مراد ہے؟
 کیونکہ قرآن وحدیث میں اس کو متعین طور پر نہیں بتلایا، اس لئے آثار وقرآن کے اعتبار سے مفسرین
 کے اقوال اس میں مختلف ہیں:

حضرت قتادہ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ بحر فارس وروم کے ملنے کی جگہ مراد ہے۔

حضرت ابن عطیہ رحمہ اللہ نے آذربائیجان کے قریب ایک جگہ کو کہا ہے۔

بعض نے بحر اردن اور بحر قلزم کے ملنے کی جگہ بتلائی ہے۔

بعض نے کہا یہ مقام طنجہ میں واقع ہے۔

حضرت ابی بن کعب ؓ سے منقول ہے کہ یہ افریقہ میں ہے۔

سدی نے آرمینہ میں بتلایا ہے۔

بعض نے بحر اندلس جہاں بحر محیط سے ملتا ہے، وہ موقع بتلایا ہے۔
اس میں سے بعض اقوال جغرافیائی حالات پر منطبق نہیں ہوتے۔

مثلاً بحر فارس اور بحر روم کہیں جا کر آپس میں ملتے ہی نہیں ہیں، لہذا وہاں ”مجمع البحرين“ کہنا ممکن ہی نہیں ہے۔

اس میں صحیح اور محقق بات یہ ہے کہ ”مجمع البحرين“ خلیج عقبہ ہے جو مصر اور اردن کے درمیان ہے، بحر احمر آگے جا کر بحر روم میں گر رہا ہے اور اس سے پہلے خلیج عقبہ آتی ہے تو خلیج عقبہ کا وہ حصہ جہاں آگے جا کر خلیج بحر احمر کے ساتھ مل رہی ہے اس کو ”مجمع البحرین“ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ۵

(۶) باب قولہ: ﴿لَوْلَا نُبْتُكُمْ بِالْأَخْسَرِينَ أَعْمَالًا﴾ [۱۰۳]

اس ارشاد کا بیان: ”کہہ دو کہ: کیا ہم تمہیں بتائیں کہ کون لوگ ہیں جو اپنے اعمال میں سب سے زیادہ ناکام ہیں؟“۔

غلط عقیدہ اور ریا کاری کے ہوتے ہوئے اعمال بیکار ہیں

یہ آیت اپنے مفہوم عام کے اعتبار سے ہر اس فرد کو یا جماعت کو شامل ہے جو کچھ اعمال کو نیک سمجھ کر اس میں جدوجہد اور محنت کر رہے ہیں، مگر اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان کی محنت برباد اور عمل ضائع ہے۔

امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ صورت دو چیزوں سے پیدا ہوتی ہے:

ایک نساوا اعتقاد۔

دوسرا ریا کاری۔

یعنی جس شخص کا عقیدہ اور ایمان درست نہ ہو وہ عمل کتنے ہی اچھے کرے اور کتنی ہی محنت اٹھائے وہ آخرت میں بیکار اور ضائع ہے۔ اسی طرح جس کا عمل مخلوق کو خوش کرنے کے لئے ریا کاری سے ہو وہ بھی عمل کے ثواب سے محروم ہے۔

اسی مفہوم عام کے اعتبار سے بعض حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس کا مصداق خوارج کو قرار دیا ہے،

جیسے کہ درج ذیل حدیث میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا قول ہے اور بعض مفسرین نے اس کا مصداق معتزلہ اور وافیض وغیرہ جیسے گمراہ فرقوں کو قرار دیا ہے۔

لیکن اگلی آیت میں یہ متعین کر دیا گیا ہے کہ اس جگہ مراد وہ کفار ہیں جو اللہ تعالیٰ کی آیات اور قیامت و آخرت کے منکر ہیں۔ ۱

۴۷۲۸ - حدیثی محمد بن بشار: حدثنا محمد بن جعفر: حدثنا شعبة، عن عمرو، عن معصب قال: سألت ابي ﴿قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْأَخْسَرِينَ أَعْمَالًا﴾ هم الحرورية؟ قال: لا، هم اليهود والنصارى. أما اليهود فكلبوا محمدا ﷺ، وأما النصارى كفروا بالجنة وقالوا: لا طعام فيها ولا شراب. والحرورية الذين ينقضون عهد الله من بعد ميثاقه، وإن سعد يسميهم الفاسقين. ۲

ترجمہ: معصب بن سعد رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے اپنے والد حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ جن لوگوں کا ذکر اس آیت ﴿قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْأَخْسَرِينَ أَعْمَالًا﴾ میں ہے، کیا وہ حرور یہ کے لوگ ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ نہیں بلکہ وہ یہود و نصاریٰ ہیں، کیونکہ یہود یوں نے حضرت محمد ﷺ کو جھٹلایا، اور جبکہ نصاریٰ نے جنت کا انکار کیا اور کہتے ہیں کہ وہاں تو کھانے پینے کی کوئی بھی چیز نہیں ہے۔ اور حرور یہ والے وہ لوگ ہیں کہ جنہوں نے اللہ کے ساتھ عہد کرنے بعد اس کو توڑا اور حضرت سعد رضی اللہ عنہ ان کو فاسق کہتے تھے۔

حدیث کی عبارت کی روشنی میں تشریح

حضرت معصب بن سعد رحمہ اللہ نے بیان کیا کہ میں نے اپنے والد صحابی رسول حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ اس آیت کریمہ ﴿قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْأَخْسَرِينَ أَعْمَالًا﴾ میں جن لوگوں کا ذکر ہے، ان سے کون لوگ مراد ہیں؟ کیا ان سے حروری (خارجی) مراد ہیں؟ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے فرمایا نہیں، اس آیت میں جن لوگوں کا ذکر ہے اس سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں۔

۱ - الآية فيه دلالة على ان من الناس من يعمل العمل وهو يظن انه محسن وقد حبط عمله، والذي يوجب إحباط السعي

إما لفساد الاعتقاد أو المراءاة، والمراد هنا الكفر. تفسير القرطبي، ج: ۱۱، ص: ۶۵.

۲ - الفرد به البخاري.

یہودی اس وجہ سے کہ انہوں نے محمد رسول اللہ ﷺ کی تکذیب، کی جس کے سبب ان کے سارے اعمال صالحہ برباد ہو گئے۔ جبکہ نصاریٰ نے جنت کے وجود کا انکار کیا اور کہتے ہیں کہ وہاں کھانے پینے کی کوئی چیز نہیں ملے گی۔

حدیث (خوارج) وہ لوگ ہیں جنہوں نے اللہ ﷻ کے عہد و میثاق کو توڑا۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ خوارج کو فاسق کہا کرتے تھے۔ ۵

(۷) باب: ﴿أُولَٰئِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ وَلِقَائِهِ فَحَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ﴾ [۱۰۵]
 باب: ”یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے اپنے مالک کی آجوں کا اور اُس کے سامنے پیش ہونے کا انکار کیا، اس لئے ان کا سارا کیا دھرا غارت ہو گیا۔“

میزان حساب میں بے وزن اعمال والے

اس جگہ اصل مراد وہی کفار ہیں جو اللہ تعالیٰ اور قیامت اور حساب و کتاب کے منکر ہوں، مگر صورتاً وہ لوگ بھی اس کے مفہوم عام سے بے تعلق نہیں ہو سکتے، جن کے اعمال ان کے عقائدِ فاسدہ نے برباد کر دیئے اور ان کی محنت رائیگاں ہو گئی۔

یعنی ان کے اعمال جو ظاہر میں بڑے بڑے نظر آئیں گے مگر میزانِ حساب میں اُن کا کوئی وزن نہ ہوگا، کیونکہ یہ اعمال کفر و شرک کی وجہ سے بے کار اور بے وزن ہوں گے، جیسا کہ درج ذیل حدیث میں ایک شخص کا واقعہ مذکور ہے۔ ۶

۴۷۲۹۔ حدثنا محمد بن عبد الله: حدثنا سعيد بن أبي مريم: أخبرنا المغيرة بن عبد الرحمن: حدثني أبو الزناد، عن الأعرج، عن أبي هريرة رضي الله عنه عن رسول الله ﷺ قال: ((إِنَّهُ لِيَأْتِي الرَّجُلَ الْعَظِيمَ السَّمِينِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ لَا يَزِنُ عِنْدَ اللَّهِ جَنَاحَ بَعُوضَةٍ. وَلِلَّهِ الْقُرْآنُ))

۵ عمدة القاری، ج: ۱۹، ص: ۷۳، رقم: ۴۷۲۸

۶ تفسیر القرطبی، ج: ۱۱، ص: ۶۶۵.

و عن یحییٰ بن بکیر، عن المفیرة بن عبدالرحمن، عن أبی الزناد مثله. ۱۰
 ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے روز ایک قد آور
 موٹا آدمی (یعنی دنیا کا امیر عزت دار) آئے گا، جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایک چمھر کے برابر بھی وزن دار نہ ہوگا
 اور فرمایا یہ آیت پڑھو ﴿فَلَا تُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَزْنًا﴾ یعنی ہم ان کے لئے قیامت کے دن کوئی وزن قائم
 نہیں کریں گے۔

(۱۹) سورۃ کہیص

سورۃ کہیص - یعنی سورۃ مریم کا بیان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سورت کا بنیادی مقصد اور وجہ تسمیہ

اس سورت کا بنیادی مقصد حضرت عیسیٰ ﷺ اور ان کی والدہ حضرت مریم علیہا السلام کے بارے میں صحیح عقائد کی وضاحت اور ان کے بارے میں عیسائیوں کی تردید ہے، اگرچہ مکہ مکرمہ میں جہاں یہ سورت نازل ہوئی عیسائیوں کی کوئی خاص آبادی نہیں تھی، لیکن مکہ مکرمہ کے بت پرست کبھی کبھی آنحضرت ﷺ کے دعوائے نبوت کی تردید کے لئے عیسائیوں سے مدد لیا کرتے تھے۔

اس کے علاوہ بہت سے مسلمان کفار مکہ کے مظالم سے تنگ آ کر حبشہ کی طرف ہجرت کر رہے تھے، جہاں عیسائی مذہب ہی کی حکمرانی تھی۔ اس لئے ضروری تھا کہ مسلمان حضرت عیسیٰ، حضرت مریم، حضرت زکریا اور حضرت یحییٰ علیہم السلام کی صحیح حقیقت سے واقف ہوں۔

چنانچہ اس سورت میں ان حضرات کے واقعات اسی سیاق و سباق میں بیان ہوئے ہیں۔

چونکہ یہ واضح کرنا تھا کہ حضرت عیسیٰ ﷺ خدا کے بیٹے نہیں ہیں، جیسا کہ عیسائیوں کا عقیدہ ہے بلکہ وہ انبیائے کرام ہی کے مقدس سلسلے کی ایک کڑی ہیں، اس لئے بعض دوسرے انبیائے کرام علیہم السلام کا بھی مختصر تذکرہ اس سورت میں آیا ہے۔

لیکن حضرت عیسیٰ ﷺ کی معجزانہ ولادت اور اس وقت حضرت مریم علیہا السلام کی کیفیات سب سے زیادہ تفصیل کے ساتھ اسی سورت میں بیان ہوئی ہیں، اس لئے اس کا نام سورۃ مریم رکھا گیا ہے۔

وقال ابن عباس: ﴿أَسْمِعْ بِهِمْ وَأَبْصِرْ﴾، اللہ بقوله وهم اليوم لا يسمعون ولا يبصرون لي ضلال مبين: یعنی قوله: ﴿أَسْمِعْ بِهِمْ وَأَبْصِرْ﴾ الكفار يومئذ أسمع شيء وأبصره.

﴿لَا زُجَمَنَّكَ﴾: لا تمنك. ﴿وَرِنْيَا﴾: منطرا. وقال أبو وائل: علمت مرهم أن النبی ذو لقبه حتى لالت: ﴿إِنِّي أَخُوذُ بِالرَّحْمَنِ مِنْكَ إِنْ كُنْتُ نَبِيًّا﴾.

وقال ابن عبینة: ﴿تَوَلَّوْهُمْ أَرْأَى﴾: تزعمهم الى المعاصي ازعاجا. وقال مجاهد:

﴿أَذَا﴾: عوجا. وقال ابن عباس: ﴿وَرِدَا﴾: عطاها. ﴿أَلَانَا﴾: مالا. ﴿رِخْزَا﴾: صوتا.
 وقال غيره: ﴿غَبَا﴾: خسرا. ﴿بُكَيَا﴾: جماعة باك. ﴿صَلِيَا﴾: صلى يصلى.
 ﴿نَدْبَا﴾ - ولنادى واحدا - : مجلسا.

ترجمہ و تشریح

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اس آیت ﴿أَسْمِعْ بِهِمْ وَأَبْصِرْ﴾ کی تشریح بیان کرتے ہیں کہ اللہ ﷻ فرماتا ہے کہ آج دنیا میں وہ لوگ یعنی کافر نہ دیکھتے ہیں نہ سنتے ہیں بلکہ کھلی ہوئی گمراہی میں ہیں، یعنی اللہ ﷻ کے قول ﴿أَسْمِعْ بِهِمْ وَأَبْصِرْ﴾ سے مراد کافر لوگ ہیں کہ قیامت کے دن وہ خوب سنتے ہوں گے مگر اس وقت کا سننا دیکھنا کچھ فائدہ نہ دے گا۔

”لَا زُجْمَنُكَ“ کے معنی ہیں ”لا شِعْمَنُكَ“ یعنی میں تجھ پر گالیوں کا پتھراؤ کروں گا۔

”وَرِنْيَا“ بمعنی ”منظرا“ یعنی نمود، دکھلاوا، ظاہری خوبی۔

ابو وائل رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ حضرت مریم علیہا السلام یہ بات جانتی تھیں کہ متقی آدمی صاحب عقل ہوتا ہے اس لئے برے کام سے رُک جاتا ہے، اسی لئے جب تنہائی میں فرشتہ انسانی صورت میں ان کے پاس آیا تو انہوں نے یوں کہا:

﴿إِنِّي أَخُوذُ بِالرُّحْمَنِ مِنْكَ إِنْ كُنْتُ نَقِيًّا﴾

میں تم سے خدائے رحمن کی پناہ مانگتی ہوں۔ اگر تم میں خدا کا

خوف ہے (تو یہاں سے ہٹ جاؤ)۔

حضرت سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ نے بیان کیا کہ ”تَوَرُّهُمْ أَزًّا“ کے معنی ہیں شیاطین ان کو گناہوں پر خوب ابھارتے اکساتے رہتے ہیں۔

حضرت مجاہد رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ”أَذَا“ بمعنی ”عوجا“ یعنی کج، ٹیڑھی بات، غلط اور بیہودہ بات۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ”وَرِدَا“ کے معنی ہیں ”عطاها“۔ پیاسے۔

”أَلَانَا“ بمعنی ”مالا“ یعنی گھر کا ساز و سامان، مال و اسباب۔

”رِخْزَا“ کے معنی ہیں صوت یعنی بھٹک، آہستہ آواز۔

”غَبَا“ بمعنی ”خسرا“ یعنی گھانا، نقصان۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ ”غَبَا“ جہنم کے ایک غار کا نام ہے جو بہت گہرا ہے۔

”ہِجْتًا“ جمع ہے ”ہاک“ کی، روتے ہیں۔
 ”صِلِيًّا“ مصدر ہے ”صلى - يصلى“ یعنی از باب سَمِعَ، آگ میں داخل ہونا۔
 ”نَدِيًّا“ - اور ”نادی“ دونوں کا مطلب ایک ہی ہے، مجلس، محفل، اس کی جمع ”ندية“ آتی ہے۔

(۱) باب قوله عز وجل: ﴿وَأَلْدِرْهُمْ يَوْمَ الْحَسْرَةِ﴾ [۳۹]

اللہ عزوجل کے ارشاد کا بیان: ”اور (اے پیغمبر!) ان کو اُس پچھتاوے کے دن سے ڈرائیے۔“

يوم الحسرة - حسرت کا دن

”يوم الحسرة“ اس روز کو حسرت کا دن اس لئے کہا گیا ہے کہ اہل جہنم کو تو یہ حسرت ہونا ظاہر ہے کہ اگر وہ مؤمن صالح ہوتے تو ان کو جنت ملتی اب جہنم کے عذاب میں گرفتار ہیں۔

ایک خاص قسم کی حسرت اہل جنت کو بھی ہوگی۔ جیسا کہ طبرانی رحمہ اللہ نے حضرت معاذ ؓ کی یہ حدیث بیان کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اہل جنت کو کسی چیز پر حسرت نہیں ہوگی بجز ان لحات ووقت کے جو بغیر ذکر اللہ کے گزر گئے۔ ۱

اور امام ترمذی رحمہ اللہ نے سنن ترمذی میں حضرت ابو ہریرہ ؓ کی یہ روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ہر مرنے والے کو حسرت وندامت سے سابقہ پڑے گا۔ صحابہ ؓ نے سوال کیا کہ یہ ندامت و حسرت کس بنیاد پر ہوگی؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ نیک اعمال کرنے والوں کو اس پر حسرت ہوگی کہ اور زیادہ نیک اعمال کیوں نہ کئے کہ اور زیادہ درجات جنت ملتے اور بدکار آدمی کو اس پر حسرت ہوگی کہ وہ اپنی بدکاری سے باز کیوں نہ آگیا۔ ۲

۱ عن معاذ بن جبل ؓ، قال: قال رسول الله ﷺ: ((ليس يحسّر أهل الجنة إلا على ساعة مرت بهم لم يذكروا الله

لها)). المعجم الكبير للطبرانی، باب العمم، جہر بن نضر، عن معاذ بن جبل، رقم: ۱۸۴

۲ يحيى بن سعيد الله، قال: سمعت أبي، يقول: سمعت أبا هريرة ؓ يقول: قال رسول الله ﷺ: ((ما من أحد يموت إلا

لحم))، قالوا: وما ندامته يا رسول الله؟ قال: ((إن كان محسنا لدم أن لا يكون ازاد، وإن كان مسينا لدم أن لا يكون

لحم)). سنن الترمذی، ابواب الزهد، باب، رقم: ۲۳۰۳

۴۷۳۰ - حدثنا عمر بن حفص بن غياث: حدثنا أبي: حدثنا الأعمش: حدثنا

أبو صالح، عن أبي سعيد الخدري رضي الله عنه قال: قال رسول الله ﷺ: ((يؤتى بالموت كهيئة كبش أملح فينادى مناد: يا أهل الجنة، فيشرئبون وينظرون فيقول: هل تعرفون هذا؟ فيقولون: نعم، هذا الموت، وكلهم قد رآه. ثم ينادى: يا أهل النار، فيشرئبون وينظرون فيقولون: هل تعرفون هذا؟ فيقولون: نعم، هذا الموت، وكلهم قد رآه فيذبح. ثم يقول: يا أهل الجنة خلود فلا موت. ويا أهل النار خلود فلا موت، ثم قرأ ﴿وَأَنذِرْهُمْ يَوْمَ الْحَسْرَةِ إِذْ قُضِيَ الْأَمْرُ وَهُمْ لِي غَفَلَةٌ﴾ وهؤلاء في غفلة أهل الدنيا وهم يؤمنون)). ۳

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری رضي الله عنه نے بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے روز موت ایک چتکبرے مینڈھے کی شکل میں لائی جائے گی اور ایک آواز دینے والا آواز دے گا کہ اے جنت والو! پس جنتی لوگ گردن اٹھائیں گے اور دیکھیں گے، تو آواز دینے والا فرشتہ کہے گا کیا تم اس مینڈھے کو پہچانتے ہو؟ وہ کہیں گے ہاں! یہ موت ہے اور سب اس کو دیکھ چکے ہیں۔ پھر فرشتہ آواز دے گا کہ اے جہنم والو! یہ لوگ بھی گردن اٹھا کر دیکھیں گے خوش ہوں گے شاید دوزخ سے نکلنے کا حکم دیا جاتا ہے، تو فرشتہ کہے گا کیا تم اس مینڈھے کو پہچانتے ہو؟ وہ کہیں گے ہاں! یہ موت ہے، سب نے اس کو دیکھا ہے، پھر وہ مینڈھا ذبح کر دیا جائے گا۔ پھر

۳ و فی صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب معرفة طریق الرؤية، رقم: ۸۳، و باب البات الشفاعة و اخراج الموحدين من النار، رقم: ۱۸۳، ۱۸۵، کتاب الجنة و صفة نعمها و أهلها، باب احلال الرضوان علی اهل الجنة فلا یسخط علیهم أبداً، رقم: ۲۸۲۹، باب النار یدخلها الجبارون و الجنة الضعاء، رقم: ۲۸۴۹، و سنن العرمذی، أبواب صفة الجنة، باب، رقم: ۲۵۵۵، و باب ما جاء فی خلود اهل الجنة و اهل النار، رقم: ۲۵۵۸، و أبواب صفة جهنم، باب منه، رقم: ۲۵۹۸، و أبواب تفسیر القرآن، باب ومن سورة مریم، رقم: ۳۱۵۶، و سنن النسائی، کتاب الایمان و شرائعه، باب زيادة الایمان، رقم: ۵۰۱۰، و سنن ابن ماجه، الفتح الکتاب فی الایمان و فضائل الصحابة و العلم، باب فی العلم، رقم: ۶۰، و باب لیسما انکرت الجہمة، رقم: ۱۷۹، و کتاب الزهد، باب ذکر البعث، رقم: ۳۲۸۰، و باب ذکر الشفاعة، رقم: ۳۳۰۹، و مسند أحمد، مسند المکثرین من الصحابة، مسند أبي سعيد الخدري رضی الله تعالی عنه، رقم: ۱۱۰۱۶، ۱۱۰۶۶، ۱۱۰۷۷، ۱۱۰۱۸، ۱۱۱۲۰، ۱۱۱۲۷، ۱۱۱۵۱، ۱۱۲۰۰، ۱۱۳۴۱، ۱۱۵۳۳، ۱۱۷۳۲، ۱۱۷۴۶، ۱۱۸۳۵، ۱۱۸۵۵، ۱۱۸۵۷، ۱۱۸۹۸، و سنن الدارمی، و من کتاب الرقاق، باب ما ینخرج الله

آواز دینے والا فرشتہ کہے گا اے جنت والو! اب تمہارے لئے بیشکلی ہے اب موت کبھی نہیں آئیگی اور اے جہنم والو! تمہارے لئے بھی بیشکلی ہے تم پر بھی موت کبھی نہیں آئیگی۔ پھر آنحضرت ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی ﴿وَأَنذِرْهُمْ يَوْمَ الْحَسْرَةِ إِذْ يَفُصَى الْأَمْوَالُ لِي غَفْلَةً﴾ اور یہ لوگ یعنی دنیا والے غفلت میں پڑے ہیں ایمان نہیں لاتے۔

(۲) باب قوله: ﴿وَمَا نَعْتَزُلُ إِلَّا بِأَمْرِ رَبِّكَ لَهُ مَا بَيْنَ أَيْدِينَا وَمَا خَلْفَنَا وَمَا

بَيْنَ ذَلِكَ﴾ [۶۳]

اس ارشاد کا بیان: ”اور (فرشتے تم سے یہ کہتے ہیں کہ) ہم آپ کے رب کے حکم بغیر اتر کر نہیں آتے۔ جو کچھ ہمارے آگے ہے، اور جو کچھ ہمارے پیچھے ہے، اور جو کچھ ان کے درمیان ہے، وہ سب اسی کی ملکیت ہے۔“

۳۷۳۱۔ حدثنا أبو نعیم: حدثنا عمر بن ذر قال: سمعت أبا، عن سعيد بن جبیر،

عن ابن عباس رضی اللہ عنہما: قال النبی ﷺ لجبریل: ((ما يمنعک أن تزورنا أكثر مما تزورنا)) فبزلت ﴿وَمَا نَعْتَزُلُ إِلَّا بِأَمْرِ رَبِّكَ لَهُ مَا بَيْنَ أَيْدِينَا وَمَا خَلْفَنَا﴾. [راجع:

[۳۲۱۸]

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت جبریل علیہ السلام سے فرمایا کہ اے جبریل! تم کو کس نے روکا ہے، کہ تم جتنی مرتبہ میرے پاس آتے ہو، اس سے زیادہ مرتبہ آؤ۔ تو اس پر یہ آیت اتری کہ ﴿وَمَا نَعْتَزُلُ إِلَّا بِأَمْرِ رَبِّكَ لَهُ مَا بَيْنَ أَيْدِينَا وَمَا خَلْفَنَا﴾۔

حضرت جبرائیل علیہ السلام۔ مأمور من اللہ

ایک مرتبہ حضرت جبرائیل علیہ السلام کئی روز تک تشریف نہ آئے، اس پر آپ ﷺ منقبض تھے، ادھر کفار نے کہنا شروع کر دیا کہ محمد کو اسکے رب نے چھوڑ دیا ہے، اس طعن سے آپ اور زیادہ دلگیر ہوئے۔

آخر حضرت جبرائیل علیہ السلام تشریف لائے، آپ نے اتنے روز تک نہ آنے کا سبب پوچھا اور آپ نے فرمایا ”ما يمنعک أن تزورنا أكثر مما تزورنا“ یعنی جتنا تم آتے ہو اس سے زیادہ کیوں نہیں آتے؟

تو اس پر اللہ ﷻ نے حضرت جبرئیلؑ کو سکھایا کہ جواب میں یوں کہو ﴿وَمَا نَعْنُزُ إِلَّا بِأَمْرِ رَبِّكَ لَهُ مَا بَيْنَ أَيْدِينَا وَمَا خَلْفَنَا﴾ یہ کلام ہوا اللہ ﷻ کا جبرئیلؑ کی طرف سے۔

جیسا کہ ﴿إِنَّا كُنَّا نَسْتَعِينُ﴾ میں ہم کو سکھایا ہے۔

حاصل جواب یہ ہے کہ ہم خالص عبد مامور ہیں، بدون حکم الہی ایک پر نہیں ہلا سکتے۔ ہمارا چڑھنا اترنا سب اسکے حکم و اذن کے تابع ہے، وہ جس وقت اپنی حکمت کاملہ سے مناسب جانے ہم کو نیچے اترنے کا حکم دے۔ کیونکہ ہر زمانہ ماضی، مستقبل، حال اور ہر مکان، آسمان و زمین اور ان کے درمیان کا علم اسی کو ہے اور وہی ہر چیز کا مالک و قابض ہے، وہی جانتا ہے کہ فرشتہ کو پیغمبر کے پاس کس وقت بھیجنا چاہئے۔

مقرب ترین فرشتہ اور معظم ترین پیغمبر کو بھی یہ اختیار نہیں کہ جب چاہے کہیں چلا جائے یا کسی کو اپنے پاس بلا لے خدا کا ہر کام بر محل اور بروقت ہے، بھول چوک یا نسیان و غفلت کی اسکی بارگاہ میں رسائی نہیں، مطلب یہ ہے کہ حضرت جبرئیلؑ کا جلد یا بدیر آنا بھی اس کی حکمت و مصلحت کے تابع ہے۔ ۲

(۳) باب قوله: ﴿أَفَرَأَيْتَ الَّذِي كَفَرَ بِآيَاتِنَا وَقَالَ لَأُوتِينَ مَالًا وَوَلَدًا﴾ [۷۷]

اس ارشاد کا بیان: ”بھلا تم نے اُس شخص کو بھی دیکھا جس نے ہماری آجوں کو ماننے سے انکار کیا ہے، اور یہ کہا ہے کہ: مجھے مال اور اولاد (آخرت میں بھی) ضرور ملیں گے۔“

۴۷۳۲ - حدثنا الحمیدی: حدثنا سفیان، عن الأعمش، عن أبي الضحی، عن مسروق قال: سمعت خبابا قال: جئت العاص بن وائل السهمی أنقاضا حقالی عنده فقال: لا أعطیک حتی تکفر بمحمد ﷺ، فقلت: لاحتی تموت ثم تبعث، قال: والی لمیت ثم مبعوث؟ قلت: نعم، قال: ان لی هساک مالا وولدا فاعطیک، فنزلت هذه الآية ﴿أَفَرَأَيْتَ الَّذِي كَفَرَ بِآيَاتِنَا وَقَالَ لَأُوتِينَ مَالًا وَوَلَدًا﴾. [راجع: ۲۰۹۱]

رواه الثوری وشعبة وحفص وأبو معاوية ووکیع، عن الأعمش.

ترجمہ: مسروق بن اجدع نے بیان کیا کہ میں نے حضرت خبابؓ سے سنا کہ آپ نے بیان کیا کہ میں عاصم بن وائلؓ کے یہاں اپنا حق جو اس پر باقی تھا، اس کا تقاضا کرنے کیلئے گیا تو وہ کہنے لگا میں تجھ کو اس

وقت تک نہیں دوں گا جب تک تم محمد ﷺ کا انکار نہیں کرو گے۔ میں نے کہا میں حضور ﷺ کا انکار کبھی نہیں کروں گا، یہاں تک کہ تم مرنے کے بعد پھر زندہ کئے جاؤ۔ وہ کہنے لگا کیا میں مرنے کے بعد پھر سے زندہ کیا جاؤں گا؟ میں نے کہا ہاں! تو وہ کہنے لگا کہ پھر تو میرے پاس وہاں بھی مال و اولاد ہوگی پس میں تیرا قرضہ ادا کر دوں گا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی ﴿أَفَرَأَيْتَ الَّذِي كَفَرَ بِآيَاتِنَا وَقَالَ لَأُوتِيَنَّ مَالًا وَ لَأُوتِيَنَّ مَالًا وَ لَأُوتِيَنَّ مَالًا وَ لَأُوتِيَنَّ مَالًا﴾۔

سفیان ثوری، شعبہ، حفص، ابو معاویہ اور کعب ان تمام حضرات نے یہ روایت اعمش سے روایت کی ہے۔

(۴) باب قوله: ﴿أَطَّلَعَ الْغَيْبَ أَمِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمَنِ عَهْدًا﴾ [۷۸]

اس ارشاد کا بیان: ”کیا اُس نے عالمِ غیب میں جھانک کر دیکھ لیا ہے، یا اُس نے خدائے رحمن سے کوئی عہد لے رکھا ہے؟“

۴۷۳۳۔ حدثنا محمد بن كثير: أخبرنا سفيان، عن الاعمش، عن أبي الضحى، عن مسروق، عن خباب قال: كنت قيناً بمكة فعلمت للعاص بن وائل السهمي سيقاً لجنات القضاة فقال: لا أعطيك حتى تكفر بمحمد، قلت: لا أكفر بمحمد ﷺ حتى يمتعك الله ثم يحييك، قال: إذا أمانى الله ثم يعنى ولى مال وولد فانزل الله ﴿أَفَرَأَيْتَ الَّذِي كَفَرَ بِآيَاتِنَا وَقَالَ لَأُوتِيَنَّ مَالًا وَ لَأُوتِيَنَّ مَالًا وَ لَأُوتِيَنَّ مَالًا وَ لَأُوتِيَنَّ مَالًا﴾ قال: مولفًا. [راجع: ۲۰۹۱]

لم يقل الأشجعي، عن سفيان: سيقاً، ولا مولفًا.

ترجمہ: حضرت خباب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں مکہ مکرمہ میں لوہار تھا، میں نے عاص بن وائل سہمی کیلئے تلواریں بنائی تھیں، میں اس کے پاس اپنی اجرت کا تقاضا کرنے کے لئے آیا۔ اس نے مجھ سے کہا کہ میں تمہیں اس وقت تک تمہارا حق ادا نہیں کروں گا کہ جب تک تم محمد ﷺ کا انکار مت کر دو۔ میں نے اس سے کہا کہ میں محمد ﷺ کا کسی صورت بھی انکار نہیں کروں گا یہاں تک کہ اللہ تمہیں ایک بار مرنے کے بعد دوبارہ سے زندہ کر دے۔ اس پر اس نے کہا کہ اللہ جب مجھے دوبارہ زندہ کرے گا تو اس وقت بھی میرے پاس مال و اولاد ہوگی۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی ﴿أَفَرَأَيْتَ الَّذِي كَفَرَ بِآيَاتِنَا وَقَالَ لَأُوتِيَنَّ مَالًا وَ لَأُوتِيَنَّ مَالًا وَ لَأُوتِيَنَّ مَالًا وَ لَأُوتِيَنَّ مَالًا﴾۔ آیت میں ”عہد“ کا معنی ”مولف“ سے کیا ہے جس کا معنی ہے مضبوط اقرار، وعدہ۔

اشجعی نے بھی سفیان سے اس روایت کو نقل کیا ہے، لیکن اس میں نہ تلواریں کا ذکر ہے نہ مولف کا ذکر ہے۔

(۵) باب قوله: ﴿كَلَّا سَنَكْتُبُ مَا يَقُولُ وَنَمُدُّ لَهُ مِنَ الْعَذَابِ مَدًّا﴾ [۷۹]

اس ارشاد کا بیان: ”ہرگز نہیں! جو کچھ یہ کہہ رہا ہے، ہم اُسے بھی لکھ رکھیں گے، اور اُس کے عذاب میں اور اضافہ کر دیں گے۔“

۴۷۳۴ - حدثنا بشر بن خالد: حدثنا محمد بن جعفر، عن شعبة، عن سليمان: سمعت ابا الضحى يحدث عن مسروق، عن خباب قال: كنت ليلى في الجاهلية وكان لي دين على العاص بن وائل، قال: فأتاه بتقاضاه فقال: لا أعطيك حتى تكفر بمحمد ﷺ فقال: والله لا أكفر حتى يميتك الله ثم تبعث، قال: فلدني حتى أموت ثم أبعث فسوف أوتى مالا وولداً فأعطيك. فنزلت هذه الآية ﴿أَلَمْ تَرَ أَنَا الَّذِي كَفَرْنَا بِآبَائِنَا وَقَالَ لَأُوتِينَ مَالًا وَوَلَدًا﴾. [راجع: ۲۰۹۱]

ترجمہ: حضرت خباب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں زمانہ جاہلیت میں لوہار تھا، اور میرا کچھ قرض عاص بن وائل کے ذمہ تھا، کہتے ہیں کہ میں اس کے پاس اپنے قرض کا تقاضا کرنے کے لئے آیا۔ تو اس نے مجھ سے کہا کہ میں تمہیں اس وقت تک تمہارا حق ادا نہیں کروں گا کہ جب تک تم محمد ﷺ کا انکار مت کر دو۔ تو میں نے کہا کہ اللہ کی قسم! میں کسی صورت بھی انکار نہیں کروں گا یہاں تک کہ اللہ تمہیں موت دے پھر دوبارہ سے زندہ کر دے۔ اس پر اس نے کہا کہ پھر مرنے تک مجھ سے قرض مت مانگو، جب مجھے دوبارہ زندہ کیا جائے گا تو اس وقت بھی میرے پاس مال و اولاد ہوگی تو تب میں تمہارا قرض اُتار دوں گا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی ﴿أَلَمْ تَرَ أَنَا الَّذِي كَفَرْنَا بِآبَائِنَا وَقَالَ لَأُوتِينَ مَالًا وَوَلَدًا﴾۔

(۶) باب قوله: ﴿وَنَرِيئُهُ مَا يَقُولُ وَيَأْتِينَا فَرْدًا﴾ [۸۰]

اس ارشاد کا بیان: ”اور جس (مال اور اولاد) کا یہ حوالہ دے رہا ہے، اُس کے وارث ہم ہوں گے، اور یہ ہمارے پاس تنہا آئے گا۔“

وقال ابن عباس: ﴿الْجِبَالُ مَدًّا﴾: هدمًا.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت ﴿الْجِبَالُ هَدَأٌ﴾ کی تشریح فرماتے ہیں کہ ”ہَدَأٌ“ بمعنی ”ہدماً“ یعنی شکستہ ہو جانا، ڈھے جانا، گر جانا۔

۳۷۳۵۔ حدثنا يحيى: حدثنا وكيع، عن الأعمش، عن أبي الضحى، عن مسروق.
عن خباب قال: كنت رجلاً قيناً وكان لي علي العاص بن وائل دين فأتبعته أنقاضاه، فقال
لي: لا الضيک حتى تكفر بمحمد. قال: قلت: لن أكفر به حتى تموت لم تبعث، قال:
والى لمبعوث من بعد الموت؟ فسوف الضيک اذا رجعت الى مال وولد، قال: فنزلت:
﴿الرَّائِيَةُ الَّتِي كَفَرَ بِآبَائِنَا وَقَالَ لِأَوْتِنِينَ مَالاً وَوَلَدًا أَطْلَعَ الْغَيْبَ أَمْ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمَنِ
عَهْدًا كَلَامًا سَنَكُتُ مَا يَقُولُ وَنَمْلُكُهُ مِنَ الْعَذَابِ مَدًّا وَتَرْتُهُ مَا يَقُولُ وَيَأْتِينَا فَرْدًا﴾.
[راجع: ۲۰۹۱]

ترجمہ: حضرت خباب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں لوہار تھا، اور میرا کچھ قرض عاص بن وائل کے ذمہ تھا، کہتے ہیں کہ میں اس کے پاس آیا تا کہ اپنے قرض کا تقاضا کروں۔ تو اس نے مجھ سے کہا کہ میں تمہیں اس وقت تک تمہارا حق ادا نہیں کروں گا کہ جب تک تم محمد کا انکار مت کرو۔ حضرت خباب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے کہا کہ اللہ کی قسم! میں کسی صورت بھی ان کا انکار نہیں کروں گا، یہاں تک کہ تم مر جاؤ پھر دوبارہ سے زندہ کئے جاؤ۔ اس پر اس نے کہا کہ کیا میں مرنے کے بعد دوبارہ سے زندہ کیا جاؤں گا؟ پھر تو جب مال اور اولاد بھی ملیں گے، تو تب ہی میں تمہارا قرض اتاروں گا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی ﴿الرَّائِيَةُ الَّتِي كَفَرَ بِآبَائِنَا وَقَالَ لِأَوْتِنِينَ مَالاً وَوَلَدًا﴾ یعنی بھلا تم نے اس شخص کو بھی دیکھا جس نے ہماری آیتوں کو ماننے سے انکار کیا ہے، اور یہ کہا ہے کہ: مجھے مال اور اولاد (آخرت میں بھی) ضرور ملیں گے۔

سورة طه

سورة طه کا بیان

بسم الله الرحمن الرحيم

یہ سورت مکی ہے، اور اس میں ایک سو پینتیس آیتیں اور آٹھ رکوع ہیں۔

سورت کا بنیادی مقصد اور ترتیب واقعات

یہ سورت مکہ مکرمہ کے بالکل ابتدائی دور میں نازل ہوئی تھی۔

جس زمانے میں یہ سورت نازل ہوئی، وہ مسلمانوں کیلئے بڑی آزمائش اور تکلیفوں کا زمانہ تھا۔ کفار مکہ نے ان پر عرصہ حیات تک کر رکھا تھا۔ اس لئے اس سورت کا بنیادی مقصد ان کو تسلی دینا تھا کہ اس قسم کی آزمائشیں حق کے علمبرداروں کو ہر زمانے میں پیش آئی ہیں، لیکن آخری انجام انہی کے حق میں ہوا ہے۔

چنانچہ اسی سلسلے میں حضرت موسیٰ عليه السلام کا واقعہ نہایت تفصیل کے ساتھ اسی سورت میں بیان ہوا ہے جس سے دونوں باتیں ثابت ہوتی ہیں، یہ بھی کہ ایمان والوں کو آزمائشوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور یہ بھی کہ آخری فتح انہی کی مقدر ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ یہ بھی ثابت کرنا مقصود ہے کہ تمام انبیاء کرام عليہم السلام کی بنیادی دعوت ایک ہی ہوتی ہے کہ انسان خدائے واحد پر ایمان لائے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قبول اسلام کا واقعہ

مستند روایات سے ثابت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اسی سورت کو سن کر اسلام لائے تھے۔ ان کی بہن حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور انکے بہنوئی حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ ان سے پہلے خفیہ طور پر اسلام لائے تھے جس کا انہیں پتہ نہیں تھا۔ ایک روز وہ گھر سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کے ارادے سے نکلے۔

راتے میں نعیم بن عبداللہ نامی ایک صاحب انہیں ملے، انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ پہلے اپنے گھر کی خبر لیں جہاں آپ کی بہن اور بہنوئی مسلمان ہو چکے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ غصے کے عالم میں واپس آئے تو بہن اور بہنوئی حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ سے سورہ طہ پڑھ رہے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو آتے دیکھا

تو انہوں نے وہ صحیفہ جس پر سورہ طہ لکھی ہوئی تھی، کہیں چھپا دیا، لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ پڑھنے کی آواز سن چکے تھے۔ انہوں نے کہا کہ مجھے پتہ چل گیا ہے کہ تم مسلمان ہو چکے ہو اور یہ کہہ کر، ان اور بہنوئی دونوں کو بہت مارا۔ اس وقت ان دونوں نے کہا کہ آپ ہمیں کوئی بھی سزا دیں، ہم مسلمان ہو چکے ہیں اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر جو کلام اللہ جل جلالہ کی طرف سے نازل ہوا ہے، وہ پڑھ رہے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اچھا مجھے بھی دکھاؤ، وہ کیسا کلام ہے۔ بہن نے ان سے غسل کروا کر صحیفہ ان کو دکھایا جس میں سورہ طہ لکھی ہوئی تھی۔ اسے پڑھ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ مبہوت رہ گئے اور انہیں یقین ہو گیا کہ یہ کسی انسان کا نہیں، اللہ جل جلالہ کا کلام ہے۔

حضرت خباب رضی اللہ عنہ نے بھی انہیں اسلام لانے کی ترغیب دی اور بتایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا فرمائی ہے کہ اے اللہ! ابو جہل یا عمر بن خطاب میں سے کسی ایک کو اسلام کی توفیق دیکر اسلام کی قوت کا سامان پیدا فرمادے۔ چنانچہ اسی وقت وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلام قبول کر لیا۔ ۱

قال عكرمة والضحاك: بالنبطية، أي ﴿طه﴾: يارجل، وقال مجاهد: ﴿القي﴾ صنع. ﴿أزري﴾: ظهري، ﴿فئسجتكم﴾: يهلككم.

﴿المثلي﴾: تأبث الأمثل يقول: بدینکم. يقال: خذ المثلي خذ الأمثل. ﴿ثم اتوا صفا﴾. يقال: هل آتيت الصف اليوم؟ یعنی المصلي الذي يصلي فيه.

﴿فأزجس﴾: أضمر خوفاً فذهبت الواو من ﴿خيفة﴾ لكسرة الخاء. ﴿ليني جذوع﴾: أي على جذوع النخل. ﴿خطبك﴾: بالك. ﴿ميساس﴾: مصدر ماسه ماساسا.

﴿لننصفن﴾: لندرينه. ﴿لأعأ﴾: يعلوه الماء. والصفصف: المستوى من الأرض. وقال مجاهد: أوزارا القلا. ﴿ممن زينة القوم﴾: الحلى الذي استعاروا من آل فرعون.

﴿لقد لئن﴾: فآلتها. ﴿القي﴾: صنع، ﴿فئسي﴾: موسى هم: يقولونه: أخطأ الرب. ﴿لا يترجع إليهم لولا﴾: العجل. ﴿فمنسا﴾: حس الأقدام. ﴿حشرتني أغمى﴾

عن حجتى ﴿وقد كنت بصيراً﴾ فى الدنيا. قال ابن عباس: ﴿بقبس﴾ ضلوا الطريق وكانوا شاكين، فقال: ان لم أجد عليهما من يهدى الطريق آتكم بنا توفدون.

وقال ابن عيينة: ﴿أمتلهم طريقتة﴾: أعدلهم. وقال ابن عباس: ﴿مضماً﴾: لا يظلم ليهضم من حسنا له. ﴿عوجاً﴾: وادياً. ﴿ولا أمتاً﴾: رابية. ﴿يسيرتها﴾: حالتها

﴿الأولى﴾. ﴿النهى﴾: التقى. ﴿ضنكا﴾: الشقاء. ﴿موى﴾: شقى.

﴿بِالْوَادِي الْمُقَدَّسِ﴾: المبارک۔ ﴿طَوًى﴾: اسم الوادی۔ ﴿بِمَلِكِنَا﴾: ہامرنا۔
﴿مَكَانًا سَوًى﴾: مصنف بینہم۔ ﴿تَبَسًا﴾، ﴿عَلَى قَدَرٍ﴾: موعدا۔ ﴿لَا تَنبَأُ﴾: تضعنا۔

ترجمہ و تشریح

حضرت عکرمہ و حضرت ضحاک رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ نبطی زبان میں ”طے“ بمعنی ”بادجل“ یعنی اے مرد، اے شخص اور مراد حضور ﷺ ہیں۔

”بطیہ“ منسوب ہے ”نبط“ کی طرف یہ ایک قوم تھی، جو عراق عرب اور عراق عجم کے درمیان آباد تھی، پھر اسکا استعمال کاشتکار کے معنی میں ہونے لگا۔ ابن الانبار نے کہا کہ یہ لغت قریش کے موافق ہے، کیونکہ اللہ ﷻ نے آنحضرت ﷺ کو قریش کی زبان کے علاوہ کسی دوسری زبان میں خطاب نہیں فرمایا ہے۔ حضرت مجاہد رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ”القی“ بمعنی ”صنع“ بنایا، یعنی یہاں لانے کے بجائے بنانے کے معنی میں ہے۔

”أَزْرِي“ بمعنی ”ظہری“ یعنی پیٹھ ہے، بعض حضرات نے فرمایا کہ بمعنی قوت ہے۔

”فَيَسْجِتْكُمْ“ بمعنی ”یہلککم“ یعنی بالکل ہلاک کر دے۔

”الْمُفْلَى“ اسم تفضیل ”الأمفل“ کا مؤنث ہے، یہاں اس سے دین مراد ہے۔ جیسے بولتے ہیں کہ ”خذ المفلى خذ الأمفل“ یعنی افضل اور بہتر طریقے کو اختیار کرے، اس سے مقصود تاکید مزید ہے۔

آیت کریمہ ﴿ثُمَّ انْعَزَا صَفَا﴾ یعنی پھر آؤ قطار باندھ کر۔ کہا جاتا ہے کہ کیا تم آج صاف میں آئے تھے؟ یعنی اس مصلی (عید گاہ) میں جہاں نماز پڑھی جاتی ہے، مطلب یہ ہے کہ یہاں صاف بمعنی عید گاہ ہے۔

”فَأَوْجَسَ“ بمعنی ”اضمر“ یعنی دل میں پوشیدہ آواز پانا، گھبراہٹ محسوس کرنا۔ اور ”خيفة“ اصل میں ”خوفة“ تھا واد کسرہ ماقبل یعنی خاء پر کسرہ کی وجہ سے یاء سے بدل گئی۔

﴿لِيَنْجُذُوعَ﴾ آیت میں ”لی“ بمعنی ”علی“ ہے۔

”خَطْبُكَ“ بمعنی ”ہالک“ یعنی حال، معاملہ۔

”مِثَاسَ“ مصدر ہے، ”ماسہ۔ ماسا“ کا۔

”لَنَنْسِفَنَّ“ کے معنی ہیں ہم اس کو بکھیر دیں گے۔

- ”قَاعاً“ کے معنی ہیں ایسی زمین جس کے اوپر پانی چڑھ آئے اور ”الْمَصْفِ“ برابر وہ ہموار زمین۔
 حضرت مجاہد رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ”أَوْرَارًا“ بمعنی ”الْقَلْبَا“ یعنی بوجھ۔
 ﴿مِنْ زِينَةِ الْقَوْمِ﴾ سے مراد وہ زیور ہے جو بنی اسرائیل نے قوم فرعون سے مانگ کر لیا تھا، یعنی بنی اسرائیل نے عید کا بہانہ کر کے قبیلوں سے زیورات مستعار لے لئے تھے۔
 ”فَلَقَدْ فَتَنَّا“ کا معنی ہے ”فَالْقَبِيحَا“ یعنی میں نے اس کو ڈال دیا۔
 ”فَنَسِي“ کے معنی ہیں ”أَخْطَا الرَّبَّ“ یعنی حضرت موسیٰ عليه السلام چوک گئے، خطا کر گئے اپنے رب کو پہچاننے سے یعنی اس چمکڑے سے۔ پھر اسکے جواب میں یہ فرمان باری تعالیٰ ہے ﴿لَا يَرْجِعُ إِلَيْهِمْ قَوْلًا﴾ کہ یعنی وہ چمکڑا ان کی کسی بات جواب بھی نہیں دے سکتا۔ ”لَا يَرْجِعُ“ میں ضمیر ”العجل“ کی طرف راجع ہے۔
 ”هَمْسًا“ کے معنی ہیں قدموں کی آہٹ، سرسراہٹ۔
 آیت مبارکہ ﴿عَشْرَتَيْنِ أَعْمَى﴾ میں لفظ ”اعمى“ کے معنی ہیں حجت و دلیل سے اندھا۔
 جیسے کہ ﴿وَلَقَدْ كُنْتُ بَصِيرًا﴾ فی الدنيا“ یعنی دنیا میں تو مجھ کو دلیل و حجت بزم خود معلوم ہوتی تھی یہاں تو نے بالکل اندھا کر کے کیوں اٹھایا کہ کسی حجت کی طرف رسائی نہیں ہوتی۔
 حضرت سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ”أَمْلَهُمْ كَرِيْفَةً“ کے معنی ہیں ”أَعْدَلَهُمْ“ یعنی عقل و دانش کے اعتبار سے افضل و صاحب الرائے۔
 حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ آیت میں ”هَضْمًا“ کا معنی ہے اس پر ظلم نہیں کیا جائے گا کہ اسکی نیکیوں میں کمی کر دی جائے۔
 ”هَوَجًا“ کا معنی ہے وادی اور تالہ۔
 ”أَمْعًا“ کے معنی ہیں بلندی یعنی پہاڑ، ٹیلہ، مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالى زمین کو بالکل ہموار کر دیں گے۔
 ”بَسْرَتَهَا الْأُولَى“ کے معنی ہیں پہلی حالت۔
 ”النَّهْيُ“ بمعنی ”النُّقْيُ“ یعنی متقی، پرہیزگار، عقل مند۔
 ”هَنْجًا“ کے معنی ہیں بدبختی۔
 ”هَوَى“ کے معنی ہیں بدبخت ہوا۔
 ﴿بِالْوَادِي الْمُقَدَّسِ﴾ اس آیت میں ”مُقَدَّسِ“ کے معنی ہیں مبارک، پاک، بابرکت۔ ”طَوَى“ وادی کا نام تھا۔
 ”بِمَلِكِنَا“ کے معنی ہیں اپنے حکم سے، اپنے اختیار سے۔
 ”مَكَانًا سَوَى“ کے معنی ہیں ایسی جگہ جو برابر ہو، فریقین کے درمیان نصفاً نصف ہو، مسافت برابر ہو۔

”یسا“ جو طریق کی صفت ہے بمعنی ”ہاہسا“ یعنی خشک کہ پانی اور کچھ نہ رہے۔
 ”عَلَى قَدَرٍ“ بمعنی ”موعد“ یعنی معین وقت، مقررہ وقت پر۔
 ”لَا تَبِيْءًا“ بمعنی ”تضعفا“ ست ہونا، سستی کرنا۔

(۱) باب قولہ: ﴿وَاضْطَنَفْتُكَ لِنَفْسِي﴾ [۴۱]

اس ارشاد کا بیان: ”اور میں نے تمہیں خاص اپنے لئے بنایا ہے۔“

۳۷۳۶۔ حدیثنا الصلت بن محمد: حدیثنا مہدی بن میمون: حدیثنا محمد بن سیرین، عن ابی ہریرۃ عن رسول اللہ ﷺ قال: ((الطی آدم وموسی لقال موسی لآدم: أنت الذی أشقیتم الناس وأخرجتہم من الجنة؟ قال له آدم: أنت الذی اصطفاک اللہ برسالتہ، واصطفاک لنفسہ، وأنزل علیک العوراء؟ قال: نعم، قال: فوجدتہا کتب علی قبل أن یخلقنی؟ قال: نعم، فحج آدم موسی)). [راجع: ۳۴۰۹]

﴿الْیَمِّ﴾: البحر.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا حضرت آدم اور حضرت موسیٰ رضی اللہ عنہما علیہما السلام دونوں میں ملاقات ہوئی، تو حضرت موسیٰ رضی اللہ عنہ نے حضرت آدم رضی اللہ عنہ سے کہ آپ ہی ہیں جس نے انسان کو مشقت مصیبت میں ڈالا اور انہی جنت سے نکالا؟ حضرت آدم رضی اللہ عنہ نے ان کو جواب دیا کہ آپ وہی ہیں جن کو اللہ ﷻ نے اپنی رسالت کیلئے منتخب کیا اور اپنے لئے منتخب کیا اور آپ پر توریت نازل کی؟ حضرت موسیٰ رضی اللہ عنہ نے کہا جی ہاں! حضرت آدم رضی اللہ عنہ نے کہا پھر تو آپ نے اس تورات میں پایا ہی ہوگا کہ میری پیدائش سے پہلے ہی یہ معاملہ میری تقدیر میں لکھ دیا گیا تھا، حضرت موسیٰ رضی اللہ عنہ نے جی ہاں! چنانچہ حضرت آدم رضی اللہ عنہ حضرت موسیٰ رضی اللہ عنہ پر غالب آگئے۔

”الْیَمِّ“ کے معنی ہیں سمندر کے۔

(۲) باب: ﴿وَلَقَدْ أَوْحَيْنَا إِلَىٰ مُوسَىٰ أَنْ أَسْرِ بِعِبَادِي فَاصْرِبْ لَهُمْ حَرِيْقًا لِّی

الْبَحْرِ یَسًا لَا تَخَافَ دَرْكًا وَلَا نَعْشًا فَاْتَبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ بِجُنُودِهِ فَغَشِيَهُمْ مِنَ الْیَمِّ

مَا غَشِيَهُمْ وَأَضَلَّ فِرْعَوْنُ قَوْمَهُ وَمَا هَدَىٰ﴾ [۷۷-۷۹]

باب: ”اور ہم نے موسیٰ پر وحی بھیجی کہ: تم میرے بندوں کو لیکر راتوں رات روانہ ہو جاؤ، پھر ان کیلئے سمندر میں ایک خشک راستہ اس طرح نکال لینا کہ نہ تمہیں (دشمن کے) آپکڑنے کا اندیشہ رہے، اور نہ کوئی اور خوف ہو۔ چنانچہ فرعون نے اپنے لشکروں سمیت اُن کا پیچھا کیا تو سمندر کی جس (خونٹاک) چیز نے انہیں ڈھانپا، وہ انہیں ڈھانپ کر ہی رہی۔ اور فرعون نے اپنی قوم کو برے راستہ پر لگایا اور انہیں صحیح راستہ نہ دکھایا۔“

بنی اسرائیل کا عبور دریا اور فرعون کا تعاقب

جب فرعون نے میدان مقابلہ میں شکست کھائی، ساحرین مشرف بایمان ہو گئے، بنی اسرائیل کا پلہ بھاری ہونے لگا اور حضرت موسیٰ عليه السلام نے سارا سال تک اللہ جل جلالہ کی آیات باہرہ دکھلا کر ہر طرح حجت تمام کر دی، اس پر بھی فرعون حق کو قبول کرنے اور بنی اسرائیل کو آزادی دینے پر آمادہ نہ ہوا، تب اللہ جل جلالہ نے حکم دیا کہ سب بنی اسرائیل کو ہمراہ لے کر رات کے وقت مصر سے ہجرت کر جاؤ تاکہ اس طرح بنی اسرائیل کی مظلومیت اور غلامی کا خاتمہ ہو، راستہ میں سمندر (بحر قلزم) حائل ہوگا، لیکن تم جیسے اولوالعزم پیغمبر کے راستہ میں سمندر کی موجیں حائل نہیں ہونی چاہئیں، ان ہی کے اندر سے اپنے لئے خشک راستہ نکال لو، جس سے گذرتے ہوئے نہ غرق ہونے کا اندیشہ کرو اور نہ اس بات کا کہ شاید دشمن پیچھے سے تعاقب کرتا ہوا آپکڑے۔

چنانچہ حضرت موسیٰ عليه السلام نے اسی ہدایت کے موافق سمندر میں لاشی ماری جس سے پانی پھٹ کر راستہ نکل آیا، خدا نے ہوا کو حکم دیا کہ زمین کو فوراً خشک کر دے، چنانچہ آنا فانا سمندر کے بیچ میں خشک راستہ تیار ہو گیا، جس کے دونوں طرف پانی کے پہاڑ کھڑے ہوئے تھے ﴿لَمَّا نَفَقْنَا فُجَانًا مَّحْلًا فِزْبِي مَّا نَلُودِ الْعَظِيمِ﴾۔

بنی اسرائیل اس پر سے بے تکلف گذر گئے، پیچھے سے فرعون اپنے عظیم الشان لشکر کو لئے تعاقب کرتا آرہا تھا، خشک راستہ دیکھ کر اُدھر ہی گھس پڑا، جس وقت بنی اسرائیل عبور کر گئے اور فرعونی لشکر راستوں کے بیچوں بیچ پہنچا، اللہ جل جلالہ نے سمندر کو ہر طرف سے حکم دیا کہ ان سب کو اپنی آغوش میں لے لے، پھر کچھ نہ پوچھو کہ سمندر کی موجوں نے کس طرح ان سب کو ہمیشہ کے لئے ڈھانپ لیا۔

۴۷۳۷۔ حدیسی یعقوب بن ابراہیم: حدیثنا روح: حدیثنا شعبہ: حدیثنا ابو بشر،

عن سعید بن جبیر، عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال: لما قدم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم المدينة والیہود تصوم عاشوراء فسألہم فقالوا: هذا الیوم الذی ظہر فیہ موسیٰ علی فرعون،

فقال النبی ﷺ: ((نحن أولى بموسى منهم فصوموه)). [راجع: ۲۰۰۳]

ترجمہ: سعید بن جبیر رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ جب رسول اللہ ﷺ مدینہ منورہ میں تشریف لائے ان دنوں یہود عاشوراء کے دن روزہ رکھتے تھے تو آپ نے یہودیوں سے اس کے متعلق پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ اس دن روزہ رکھنے کی وجہ یہ ہے کہ اس روز حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون پر غلبہ پایا تھا، اس پر نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ پھر ہم ان کے مقابلے میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زیادہ حق دار ہیں تم لوگ بھی اس دن روزہ رکھو۔

عاشورہ کے دن روزہ کا حکم

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا کہنا یہ ہے کہ اس وقت یہ روزہ فرض تھا بعد میں اس کی فرضیت منسوخ ہو گئی اور صرف استحباب باقی رہ گیا۔ ۲
مزید تفصیل کتاب الصوم میں گزر چکی ہے۔ ۲

(۳) باب قوله: ﴿فَلَا يُغْوِرُ جَنَّتُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ فَتَشْقَى﴾ [۱۱۷]

اس ارشاد کا بیان: ”لہذا ایسا نہ ہو کہ یہ تم دونوں کو جنت سے نکلوا دے، اور تم مشقت میں پڑ جاؤ۔“

بیوی کا نفقہ شوہر کے ذمہ واجب ہے

امام قرطبی رحمہ اللہ نے اس آیت سے یہ مسئلہ استنباط کیا ہے کہ ضروریات زندگی بیوی کی مرد کے ذمہ ہیں، ان کے حصول میں جو محنت و مشقت ہو اس کا تہا ذمہ دار مرد ہے۔
اسی لئے ”فَتَشْقَى“ بصیغہ مفرد لاکر اشارہ کر دیا کہ زمین پر اتارے گئے تو ان کی ضروریات زندگی کی تحصیل میں جو کچھ محنت و مشقت اٹھانی پڑے گی وہ حضرت آدم علیہ السلام پر پڑے گی، کیونکہ حواء کا نفقہ اور ضروریات زندگی فراہم کرنا ان کے ذمہ ہے۔

۲ صمدی القاری، ج: ۸، ص: ۲۲۳، المجموع، ج: ۶، ص: ۳۰۷، التمهید لابن عبد البر، ج: ۷، ص: ۲۰۴، وشرح

معانی الآثار، ج: ۲، ص: ۷۵.

۲ انعام الباری، شرح صحیح البخاری، ج: ۵، ص: ۵۷۰، کتاب الصوم، باب صوم یوم عاشوراء، رقم: ۲۰۰۳.

نفقہ واجبہ صرف چار چیزیں ہیں

امام قرطبی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اسی آیت نے ہمیں یہ بھی بتلادیا کہ عورت کا جو نفقہ مرد کے ذمہ ہے وہ صرف چار چیزیں ہیں: کھانا، پینا، لباس اور مسکن۔

اس سے زائد جو کچھ شوہر اپنی بیوی کو دیتا یا اُس پر خرچ کرتا ہے وہ تبرع و احسان ہے، واجب و لازم نہیں۔ اسی سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بیوی کے علاوہ جس کسی کا نفقہ شریعت نے کسی شخص کے ذمہ عائد کیا ہے اس میں بھی چار چیزیں اس کے ذمہ واجب ہوتی ہیں جیسے ماں باپ کا نفقہ اولاد کے ذمہ جبکہ وہ محتاج اور معذور ہوں وغیر ذلک جسکی تفصیل کتب فقہ میں مذکور ہے۔ ۵

۴۷۳۸ - حدثنا قتيبة بن سعيد: حدثنا أيوب بن النجار، عن يحيى بن أبي كثير،

عن أبي سلمة بن عبد الرحمن، عن أبي هريرة رضي الله عنه عن النبي ﷺ قال: ((حاج موسى آدم لقال له: أنت الذي أخرجت الناس من الجنة بدينك فأشقيتهم؟ قال: قال آدم: يا موسى أنت الذي اصطفاك الله برسالاته وبكلامه، أتلومني على أمر كتبه الله على قبل أن يخلقني؟ أو قدره على قبل أن يخلقني؟)) قال رسول الله ﷺ: ((فحج آدم موسى)).

[راجع: ۳۴۰۹]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضي الله عنه نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ حضرت موسیٰ عليه السلام نے حضرت آدم عليه السلام سے بحث کی اور ان سے فرمایا کہ آپ ہی نے لوگوں کو جنت سے نکلوایا اپنی غلطی کی وجہ سے اور ان کو مشقت میں ڈالا، تو حضرت آدم عليه السلام نے حضرت موسیٰ عليه السلام سے کہا کیا تم وہی موسیٰ نہیں ہو، جن کو خدا نے اپنی رسالت اور اپنے کلام کیلئے پسند فرمایا؟ تو کیا تم مجھ پر ایک ایسی چیز کا الزام عائد کرتے ہو، جسے خدا نے پہلے سے میری تقدیر میں لکھ دیا تھا، رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ حضرت آدم عليه السلام حضرت موسیٰ عليه السلام پر اپنی تقدیر سے غالب آگئے۔

سورة الأنبياء

سورة انبياء کا بیان

بسم الله الرحمن الرحيم

یہ سورت مکی ہے، اور اس میں ایک سو بارہ آیتیں اور سات رکوع ہیں۔

وجہ تسمیہ

آپ ﷺ کی نبوت پر کفار مکہ کا ایک اعتراض یہ تھا کہ ایک ہم جیسے انسان کو پیغمبر بنا کر کیوں بھیجا گیا ہے؟ اسکے جواب میں فرمایا گیا ہے کہ انسانوں کے پاس انسان ہی کو پیغمبر بنا کر بھیجنا مناسب تھا اور اس ضمن میں بہت سے پچھلے پیغمبروں کا حوالہ دیا گیا ہے کہ وہ سب انسان ہی تھے اور انہوں نے اپنی اپنی قوموں کو انہی عقائد کی تعلیم دی تھی جو حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے عقائد ہیں۔

انبیاء کرام علیہم السلام کے اسی حوالے کی بنا پر اس سورت کا نام سورة الانبياء رکھا گیا ہے۔ اس سورت کا بنیادی مقصد اسلام کے بنیادی عقائد یعنی توحید، رسالت اور آخرت کا اثبات ہے اور ان عقائد کے خلاف کفار مکہ جو اعتراضات اٹھایا کرتے تھے، سورت میں ان کا جواب بھی دیا گیا ہے۔

۳۷۳۹۔ حدثنا محمد بن بشار: حدثنا غندر: حدثنا شعبه، عن أبي اسحاق قال:

سمعت عبد الرحمن بن يزيد، عن عبد الله قال: بنى اسرائيل، والكهف، ومريم، وطه،

الانباء، من من العناق الأول، وهن من تلامذتي. [راجع: ۳۷۰۸]

ترجمہ: ابوالخلق بیان کرتے ہیں کہ میں نے عبد الرحمن بن یزید سے سنا کہ وہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے سنا کہ وہ سورہ بنی اسرائیل، سورہ کہف اور سورہ مریم کے متعلق فرماتے ہیں کہ یہ اول درجہ کی عمدہ سورتوں میں سے ہیں اور میری پرانی یاد کی ہوئی ہیں۔

وقال قتادة: ﴿جَدَّادًا﴾: قطعهن. وقال الحسن: في الفلك مثل فلانة المغزل.

﴿يَسْبَحُونَ﴾: يدورون.

قال ابن عباس: ﴿لَفَشَّتْ﴾: رعت ليلًا. ﴿يَضَعُونَ﴾: يمتعون.

﴿أُمَّتُكُمْ أُمَّةٌ وَاحِدَةٌ﴾ قال: دينكم دين واحد. وقال عكرمة: ﴿حَصَبٌ جَهَنَّمَ﴾: حطب بالحبشة.

وقال غيره: ﴿أَحْسُوا﴾: توقعوه، من أحسست. ﴿خَامِدِينَ﴾: هامدين، الحصيد: مستاصل يقع على الواحد والاثنين والجميع.

﴿لَا يَسْتَخِيرُونَ﴾: لا يعيرون، ومنه حسير وحسرت بعيرى. ﴿لِيَكُونُوا﴾: رُدُّوا. ﴿صَنَعَةَ نُوحٍ﴾: الدروع.

﴿تَلْقَطُوا أَنفُسَهُمْ﴾: اختلفوا. الحسيس والحس والجرس والهمس واحد وهو من الصوت الخفى.

﴿أَذْنَابُكُمْ﴾: أعلمناك. ﴿أَذْنَابُكُمْ﴾ إذا أعلمته فأنت وهو على سواء لم تعدر. وقال مجاهد: ﴿لَقَدْ كُنْتُمْ تَسْأَلُونَ﴾: تفهمون. ﴿أَزْتَضَى﴾: رضى. ﴿التَّمَائِيلُ﴾: الأصنام. ﴿السَّجِلُ﴾: الصحيفة.

ترجمہ و تشریح

حضرت قتادہ رحمہ اللہ نے بیان کیا کہ ”جُحْدًا إِذَا“ کا معنی ہے ان بتوں کے ٹکڑے ٹکڑے کر دئے، دراصل ”جد۔ یجد۔ یجد“ از نصر کا معنی ہے کاٹنا، توڑنا۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ آیت کریمہ کی تفسیر میں فرمایا کہ ہر ایک اپنے دائرے میں گھومتے ہیں جیسے چرخہ کا تکلہ گھومتا ہے ”یَسْبَحُونَ“ بمعنی ”یدورون“ یعنی گھومتے ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ”لَفَشْتُ“ بمعنی ”دعت لیلًا“ یعنی بکریاں رات کو چر گئیں۔

”يُضْحَكُونَ“ کا معنی ہے رو کے جائیں گے یعنی نہ کوئی ان کو ہمارے عذاب سے بچائے گا۔

﴿أُمَّتُكُمْ أُمَّةٌ وَاحِدَةٌ﴾ کے معنی دین کے ہیں، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ تم سب کا دین ایک دین ہے، ہر وہ جماعت جو ایک دین پر ہو اسے امت کہا جاتا ہے۔

حضرت عکرمہ رحمہ اللہ آیت ﴿حَصَبٌ جَهَنَّمَ﴾ کے بارے میں کہتے ہیں کہ ”حَصَبٌ“ حبشی زبان میں لکڑی کو یا ایندھن کو کہتے ہیں۔

حضرت عکرمہ کے علاوہ یعنی حضرت ابو عبیدہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ”أَحْسُوا“ کے معنی ہیں ”توقعوه“

یعنی جب ہمارے عذاب کی توقع ہوئی، آہٹ پائی، یہ لفظ ”أحسست“ یعنی احساس مصدر سے مشتق ہے جس

کے معنی ہیں محسوس کرنا۔

”نَحَامِدِين“ بمعنی ”ہامدین“ یعنی مراہوا، بجھا ہوا۔

”الْحَصِيد“ کے معنی ہیں جڑ سے کٹا ہوا، یہ لفظ واحد، تشبیہ اور جمع سب کے لئے استعمال ہوتا ہے۔

”لَا يَسْتَخْسِرُونَ“ کے معنی ہیں ”لا یعیون“ یعنی تھکتے نہیں ہیں اور اسی سے ”حسیر“ تھکا ہوا، اور

”حسرت بعیری“ میں نے اپنے اونٹ کو تھکا دیا۔

”نُكِسُوا“ بمعنی ”زُدُوا“ ماضی مجہول ہے یعنی کفر کی طرف لوٹا دیئے گئے۔

”صَنْعَةَ لِبَوسٍ“ بمعنی ”الدروع“ یعنی زرہیں بنانا۔

”لبوس“ جمع ”لبس“ جس کا معنی ہے لباس، لوہے کی زرہ، یہاں زرہ مراد ہے۔

”تَقَطَّعُوا أَمْرَهُمْ“ کے معنی ہیں اختلاف پیدا کر لیا، جدا جدا طریقہ اختیار کر لیا۔

”الْحَسِيسِ وَالْحَسِّ وَالْجَرَسِ وَالْهَمْسِ“ ان سب کا معنی ایک ہی ہے یعنی پست آواز۔

”أَذْنَاكَ“ کا معنی ہے ہم نے تجھ کو اطلاع دیدی، خبر کر دی۔

”أَذَّنْتُكُمْ“ میں نے تم کو خبر کر دی، اس وقت بولتے ہیں جب کسی کو اطلاع دیدیں، پس تم اور دو سہرا

بندہ، مخاطب برابر ہو گئے اور تم نے اس سے کوئی دعا بازی نہیں کی۔

حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ”لَعَلَّكُمْ تُسْأَلُونَ“ کے معنی ہیں ”تفہمون“ یعنی شاید تم سمجھو۔

”أَزْتَضَى“ کے معنی ہے راضی ہوا، پسند کیا۔

آیت میں ”التَّمَائِيلُ“ کے معنی ہیں بت، سورتیں۔

”السَّجِلُ“ کے معنی ہیں صحیفہ، نوشتہ۔

(۱) باب: ﴿كَمَا بَدَأْنَا أَوَّلَ خَلْقٍ نُعِيدُهُ وَعَدًّا عَلَيْنَا﴾ [۱۰۳]

باب: ”جس طرح ہم نے پہلی بار تخلیق کی ابتدا کی تھی، اسی طرح ہم اُسے دوبارہ پیدا کر دیں گے۔“

۳۷۴۔ حدیثنا سلیمان بن حرب: حدیثنا شعبۃ، عن المغيرة بن النعمان شیخ من

النخع، عن سعید بن جبیر، عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال: خطب النبی ﷺ فقال:

((الکم محشورون الی اللہ حفاة عمراة غرلا ﴿كَمَا بَدَأْنَا أَوَّلَ خَلْقٍ نُعِيدُهُ وَعَدًّا عَلَيْنَا﴾ اَنَا كُنَّا

لَاعِلِينَ) ثم ان اول من یکسی یوم القیامة ابراهیم، الا الہ یجاء برجال من امتی فیوخل

بہم ذات الشمال فاقول: یا رب اصحابی، ليقال: لا تدري ما احدثوا بعدك. فاقول كما قال العبد الصالح: ﴿وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا مَا دُمْتُ فِيهِمْ﴾ الى قوله: ﴿شَهِيدًا﴾ ليقال: ان هولاء لم يزالوا مرتدين على اعقابهم منذ فارقتهم)). [راجع: ۳۳۴۹]

ترجمہ: سعید بن جبیر رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ نے ایک دن خطبہ دیا اور فرمایا کہ تم سب قیامت کے دن عریاں بدن اور غیر محتون حالت میں اللہ تعالیٰ کے حضور جمع کئے جاؤ گے ﴿كَمَا بَدَأْنَا أَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيدُهُ وَعَدْنَا عَلَيْنا اِنَّا كُنَّا فَاعِلِينَ﴾ - پھر سب سے پہلے قیامت کے روز حضرت ابراہیم ؑ کو کپڑے پہنائے جائیں گے۔ پھر میری امت کے کچھ لوگ لائے جائیں گے، پھر انہیں بائیں جانب لے جایا جائے گا، تو میں عرض کروں گا اے میرے رب! یہ تو میرے ساتھی ہیں، ارشاد ہوگا کہ آپ کو معلوم نہیں کہ ان لوگوں نے آپ کے بعد کیا کام کئے ہیں۔ اس وقت میں وہی کہوں گا جو اللہ کے نیک بندے نے کہا تھا ﴿وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا مَا دُمْتُ فِيهِمْ﴾ اس ارشاد باری تعالیٰ تک ﴿شَهِيدًا﴾ - پھر ارشاد ہوگا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنی ایڑیوں کے بل اسلام سے پھر گئے تھے جب آپ ان سے جدا ہوئے تھے۔

میدان حشر کا احوال

نبی اکرم ﷺ نے ایک دن خطبہ دیا اور فرمایا کہ تمہیں قیامت کے دن اس حال میں اٹھایا جائے کہ ننگے پاؤں، ننگے بدن اور غیر محتون حالت میں اللہ تعالیٰ کے حضور جمع کئے جاؤ گے۔ اور پھر نبی کریم ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: ﴿كَمَا بَدَأْنَا أَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيدُهُ وَعَدْنَا عَلَيْنا اِنَّا كُنَّا فَاعِلِينَ﴾ -

یہاں پر اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ قیامت کے دن جب مردے اپنی اپنی قبروں سے اٹھیں گے تو ان کے جسم و بدن کے تمام اجزاء یک جا ہو کر مل جائیں گے اور پورا جسم اسی طرح کا ہو جائے گا جیسا کہ اس دنیا میں تھا۔ یہ بات نہ صرف یہ کہ حق تعالیٰ کے کمال علم اور کائنات کے ایک ایک جزو کل پر اس کے محیط ہونے کی دلیل ہے بلکہ اشیاء ممکنات کے تعلق سے اس کی قدرت کاملہ کی لامتناہی وسعتوں کی بھی علامت ہے۔

پھر فرمایا کہ ”سب سے پہلے جس شخص کو لباس پہنایا جائے گا وہ حضرت ابراہیم ؑ ہوں گے۔“

ان کو یہ فضیلت محض اس لئے حاصل ہوگی کہ وہ ان لوگوں میں سب سے پہلے شخص ہیں جو فقراء اور

ضرورت مندوں کو کپڑے پہناتے ہیں اور ان کی ستر پوشی کرتے ہیں یا یہ کہ حضرت ابراہیم ؑ وہ سب سے پہلے شخص ہیں جن کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں بے لباس کیا گیا تھا جب کہ انہیں نمرود کی آگ میں ڈالا گیا تھا۔

بس ان کی یہ مخصوص نوعیت کی فضیلت ہمارے پیغمبر ﷺ پر ان کی فضیلت کو ثابت نہیں کرتی بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ حضرت ابراہیم ؑ کو سب سے پہلے لباس پہنایا جانا ان کے اس اعزاز و اکرام کے طور پر ہوگا کہ وہ آنحضرت ﷺ کے روحانی اور دینی والد ہیں۔

اس کے علاوہ یہ بھی دیکھنا ہوگا کہ حضرت ابراہیم ؑ کو جو اولیت حاصل ہوگی وہ حقیقی ہے یا اضافی؟ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کی یہ اولیت حقیقی نہیں بلکہ اضافی ہے یعنی ان کو آنحضرت ﷺ کے علاوہ اور تمام لوگوں میں سب سے پہلے لباس پہنایا جائے گا!

اس بات کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے جس میں نقل کیا گیا ہے کہ آنحضرت ﷺ کو جن کپڑوں میں دفن کیا گیا ہے آپ ﷺ قیامت کے دن انہیں کپڑوں میں اٹھ کر میدان حشر میں آئیں گے۔

جبکہ سنن ترمذی میں حضرت ابو ہریرہ ؓ کی یہ روایت نقل کی گئی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ

”انا اول من تنشق عنه الارض فاكسى حلل من حلل الجنة ثم القوم عن يمين العرش

ليس اجد من الخلائق بقوم ذلك المقام غيري“

یعنی قیامت کے دن سب سے پہلے میں زمین سے پھٹ کر اٹھوں گا اور جنت کا لباس پہنوں گا اور پھر عرش کے دائیں طرف کھڑا ہوں گا اور اس جگہ مخلوقات میں سے میری علاوہ کسی اور کھڑا ہونا نصیب نہیں ہوگا۔ ۱

پھر میری امت کے کچھ لوگ لائے جائیں گے، پھر انہیں بائیں جانب لے جایا جائے گا، تو میں عرض کروں گا اے میرے رب ایہ تو میرے ساتھی ہیں، ارشاد ہوگا کہ آپ کو معلوم نہیں کہ ان لوگوں نے آپ کے بعد کیا کام کئے ہیں۔ اس وقت میں وہی کہوں گا جو اللہ کے نیک بندے نے کہا تھا ﴿وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِدًا مَّا دُمْتُ فِيهِمْ﴾۔

یعنی جس طرح حضرت عیسیٰ ؑ قیامت کے دن اپنی قوم کی گمراہی اور بد عقیدگی و بد عملی سے اپنی برأت کا اظہار کریں گے اور اپنی گمراہی قوم کے معاملے کو حق تعالیٰ کے عدل و انصاف پر چھوڑ دیں گے، اسی طرح میں بھی کہوں گا کہ پروردگار! میری امت کے یہ وہ لوگ ہیں دنیا میں میری موجودگی کے درمیان ایمان و عمل کی سیدھی راہ پر گامزن تھے اور میں ان کا نگران و ذمہ دار تھا۔

لیکن جب میں دنیا سے اٹھ گیا تو انہوں نے اپنے نفس اور شیطان کے فریب میں مبتلا ہو کر گمراہی کو اختیار کر لیا، اب ان کا معاملہ تیرے اوپر موقوف ہے، تیری عادل و منصف بارگاہ ان کے بارے میں جو چاہے فیصلہ دے وہ سراسر عادلانہ اور منصفانہ ہوگا۔

یا رب اصحابی - سے مراد

”قالول: یا رب اصحابی“ واضح رہے کہ یہاں حدیث کے اس جملے میں اصحابی سے وہ صحابہ نہیں ہیں جن کو آپ ﷺ کی زندگی میں بھی اور آپ کے بعد بھی آپ سے نسبت رہی اور جن کو حقیقت میں ”صحابہ“ کہا جاتا ہے، کیونکہ ان کے بارے میں یقینی معلوم ہے کہ آنحضرت ﷺ کے بعد ان میں سے کوئی بھی صحابی مرتد نہیں ہوا اور نہ کسی عقیدہ و عمل کی کوئی ایسی گمراہی اختیار کی جس کی بناء پر انہیں دوزخی کہا جاسکے۔

لہذا صحابہ سے مراد وہ اجڈ دیہاتی ہیں جو آنحضرت ﷺ کے زمانے میں مشرف باسلام ہو گئے تھے لیکن آپ کی وفات کے بعد مسلمہ کذاب اور اسود وغیرہ کی اتباع کرنے کے سبب مرتد ہو گئے تھے۔

(۲۲) سورة الحج

سورة حج کا بیان

بسم الله الرحمن الرحيم

سورة حج مدنی ہے، اور اس میں اٹھتر آیتیں اور دس رکوع ہیں۔
اس سورت کا کچھ حصہ مدنی ہے اور کچھ مکی، مطلب یہ ہے کہ اس سورت کا نزول مکہ مکرمہ میں ہجرت سے
پہلے شروع ہو چکا تھا اور تکمیل ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں ہوئی۔

وجہ تسمیہ

اسی سورت میں یہ بتایا گیا ہے کہ حج کی عبادت حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانے میں کس طرح شروع
ہوئی اور اس کے بنیادی ارکان کیا ہیں؟ اسی وجہ سے اس کا نام سورة حج ہے۔

صبر کے بعد جہاد کا حکم

مکہ مکرمہ میں مشرکین نے مسلمانوں کو طرح طرح کے ظلم و ستم کا نشانہ بنایا تھا وہاں مسلمانوں کو صبر کی
تلقین کی جاتی تھی، لیکن مدینہ منورہ آنے کے بعد اسی سورت میں پہلی بار مسلمانوں کو کفار کے ظلم و ستم کے مقابلے
میں جہاد کی اجازت دی گئی اور فرمایا گیا کہ جن کافروں نے مسلمانوں پر ظلم کر کے انہیں اپنا وطن اور گھر بار
چھوڑنے پر مجبور کیا ہے، اب مسلمان ان کے خلاف تلوار اٹھا سکتے ہیں۔

اس طرح جہاد کو ایک عبادت قرار دیکر یہ خوشخبری دی گئی ہے کہ نہ صرف اس کا ثواب آخرت میں ملے
گا بلکہ دنیا میں بھی مسلمانوں کو انشاء اللہ فتح نصیب ہوگی۔

خصوصیات سورت

امام قرطبی رحمہ اللہ اس سورت کے بارے میں یہ بات نقل فرماتے ہیں کہ اس سورت کے عجائب میں

سے یہ بات ہے کہ اس کی آیات کا نزول بعض کارات میں، بعض کا دن میں، بعض کا سفر میں، بعض کا حضر میں، بعض کا مکہ میں، بعض کا مدینہ میں، بعض کا جنگ و جہاد کے وقت اور بعض کا صلح و امن کی حالت میں ہوا ہے اور اس میں بعض آیات ناسخ ہیں اور بعض منسوخ، بعض محکم ہیں، بعض تشابہ کیونکہ تمام اصناف تخریل پر شامل ہے۔ ۱۔

وقال ابن عیینة: ﴿الْمُخَجَّبِينَ﴾: الْمُطْمَئِنِّينَ.

وقال ابن عباس فی ﴿إِذَا تَمَنَّى أَلْقَى الشَّيْطَانَ لِيُؤْمِنَبِيَّ﴾ إِذَا حَدَّثَ أَلْقَى الشَّيْطَانَ لِيُؤْمِنَبِيَّ فَيَبْطُلُ اللَّهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطَانَ وَيُحْكِمُ آيَاتِهِ وَيَقَالَ أُمْنِيَّتُهُ: قِرَاءَتُهُ.

﴿إِلَّا أَمَانِي﴾: يَقْرُونَ وَلَا يَكْتُبُونَ. وقال مجاهد: ﴿مَشِيدٌ﴾ بِالْقَصَةِ جِصٌّ. وقال غيره: ﴿يَسْطُونَ﴾ يَفْرَطُونَ مِنَ السَّطْوَةِ، وَيُقَالُ: يَسْطُونَ: يَبْطُونَ.

﴿وَهَذَا إِلَى الطَّيِّبِ مِنَ الْقَوْلِ﴾ أَلْهِمُوا إِلَى الْقُرْآنِ. ﴿وَهَذَا إِلَى صِرَاطِ الْحَمِيدِ﴾ الْإِسْلَامَ، وقال ابن عباس: ﴿بَسَبٌ﴾ بِجَبَلٍ إِلَى سَقْفِ الْبَيْتِ. ﴿لَا يَبِي عَطْفِي﴾ مُسْتَكْبِرٌ ﴿تَدَهَّلُ﴾: تُشْعَلُ.

ترجمہ و تشریح

حضرت سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ نے فرماتے ہیں کہ ”الْمُخَجَّبِينَ“ کے معنی ہیں مطمئن یعنی جو اللہ ﷻ کی تقدیر و قضاء پر راحت و کلفت، فراخی و تنگی ہر حال میں مطمئن و راضی رہتے ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے آیت کریمہ ﴿إِذَا تَمَنَّى أَلْقَى الشَّيْطَانَ لِيُؤْمِنَبِيَّ﴾ کی تفسیر میں فرمایا جب نبی کریم ﷺ کلام کرتے ہیں۔

یعنی آیات کی تلاوت کرتے ہیں، اللہ ﷻ کا پیغام سناتے ہیں تو شیطان آپ کی تلاوت میں اپنی طرف سے کچھ ملانے کی کوشش کرتا ہے، پھر اللہ ﷻ شیطان کے ڈالے ہوئے بات کو مٹا دیتا ہے اور اپنی آیات کو محکم اور ثابت رکھتا ہے۔

اور کہا جاتا ہے کہ ”أُمْنِيَّتُهُ“ کے معنی قرأت (تلاوت) کے ہیں۔

امام بخاری رحمہ اللہ اسکے استشہاد میں سورہ بقرہ کی آیت پیش کرتے ہیں کہ ﴿إِلَّا أَمَانِي﴾ کے معنی ہیں ”يَقْرُونَ وَلَا يَكْتُبُونَ“ یعنی پڑھتے ہیں لیکن لکھتے نہیں ہیں۔

حضرت مجاہد رحمہ اللہ نے بیان کیا کہ ”مَشِيدٌ“ کے معنی ہیں چونہ سے مضبوط کیا ہوا، پلاستر و قلعی کیا ہوا۔ اور بعض نے کہا کہ ”يَسْطُونَ“ کے معنی ہیں ”يُسْرُطُونَ“ یعنی زیادتی کر بیٹھیں، حملہ کر بیٹھیں، ”يسطون“ مشتق ہے ”السَطْوَةِ“ سے بمعنی حملہ کرنا۔

بعضوں نے کہا کہ ”يَسْطُونَ“ کا معنی ہے ”يَبْطِشُونَ“ سخت پکڑیں۔

﴿وَهَذَا إِلَى الطَّيِّبِ مِنَ الْقَوْلِ﴾ اس آیت کریمہ میں ”الطَّيِّبِ مِنَ الْقَوْلِ“ سے مراد قرآن ہے یعنی قرآن کی طرف الہام کئے گئے۔

جبکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ کلمہ طیب سے مراد ”لا اله الا الله“ ہے۔

﴿وَهَذَا إِلَى صِرَاطِ الْحَمِيدِ﴾ اس آیت میں ”صِرَاطِ الْحَمِيدِ“ سے مراد اسلام ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے کہ ”بِسَبَبِ“ اس رسی کہتے ہیں، جو چھت سے لگی ہو۔

﴿ثَانِي عَظِيمٍ﴾ یعنی تکبر کرنے والا۔

”تَلْمَعٌ“ بمعنی ”تَشْفَلُ“ یعنی بھول جائیں گی، یہ مشتق ہے ”ذھول“ سے جس کے معنی کسی شئی میں اس طرح مشغول ہونے کے ہیں کہ غم اور بھول پیدا ہو جائے۔

(۱) باب قوله: ﴿وَتَرَى النَّاسَ سُكَارَى﴾ [۲]

اس ارشاد کا بیان: ”اور لوگ تمہیں یوں نظر آئیں گے کہ جیسے وہ نشے میں بدحواس ہیں۔“

۴۷۴۱۔ حدثنا عمر بن حفص: حدثنا أبي: حدثنا الأعمش: حدثنا أبو صالح، عن أبي سعيد الخدري رضي الله عنه قال: قال النبي ﷺ: ((يقول الله عز وجل يوم القيامة: يا آدم، ليقول لبيك ربنا وسعديك. فينادي بصوت: ان الله يأمرك أن تخرج من ذريتك بعثا الى النار. قال: يارب وما بعث النار؟ قال: من كل ألف -أراه قال- تسعمائة وتسعة وتسعين، لحينئذ تضع الحامل حملها ويشيب الوليد ﴿وَتَرَى النَّاسَ سُكَارَى وَمَا هُمْ بِسُكَارَى وَلَكِنْ عَذَابَ اللَّهِ شَدِيدٌ﴾)) فشق ذلك على الناس حتى تغيرت وجوههم. فقال النبي ﷺ: ((من ياجوج وما جوج تسعمائة وتسعة وتسعين ومنكم واحد. ثم أتم في الناس كالشعرة السوداء في جنب الثور الأبيض أو كالشعرة البيضاء في جنب الثور الأسود. و إلى لأرجوا أن تكونوا ربع أهل الجنة)) فكبرنا. ثم قال: ((ثلث أهل الجنة)) فكبرنا. ثم قال: ((شطر

أهل الجنة)) فکبرنا.

وقال أبو اسامة، عن الأعمش ﴿تَرَى النَّاسَ سُكَارَىٰ وَمَاهُمْ بِسُكَارَىٰ﴾ قال: ((من كل ألف تسعمائة وتسعة وتسعين)).

وقال جرير وعيسى بن يونس وأبو معاوية: ﴿سُكَرَىٰ وَمَاهُمْ بِسُكَرَىٰ﴾. [راجع:

۳۳۳۸]

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ ﷻ قیامت کے دن حضرت آدم ﷺ سے فرمائے گا، اے آدم! وہ عرض کریں گے اے ہمارے رب میں حاضر ہوں، فرمانبرداری کیلئے، پھر بلند آواز میں پکارا جائے گا کہ اللہ ﷻ آپ کو حکم دیتا ہے کہ اپنی اولاد میں سے ان لوگوں کو نکالو جو جہنم کے مستحق ہیں، حضرت آدم ﷺ عرض کریں گے اے رب! مستحقین جہنم کی کیا تعداد ہوگی؟ حکم ہوگا ہر ہزار آدمیوں میں سے۔ راوی کہتے ہیں کہ میرا خیال ہے کہ یہ کہا جائے گا۔ نو سو ننانوے۔ یہ ایسا سخت وقت ہوگا کہ حاملہ عورت کا حمل گر جائے گا اور بچہ بوڑھا ہو جائے گا۔ اور تو قیامت کے دن لوگوں کو ایسا دیکھے گا کہ ﴿وَتَسْرَى النَّاسَ سُكَارَىٰ وَمَاهُمْ بِسُكَارَىٰ وَلَٰكِنَّ عَذَابَ اللَّهِ شَدِيدٌ﴾۔ یہ حدیث مجلس میں موجود صحابہ رضی اللہ عنہم پر سخت گذری، انکے چہروں کا رنگ بدل گیا، اس وقت نبی کریم ﷺ نے ان کی تسلی کیلئے فرمایا کہ نو سو ننانوے افراد یا جوج ماجوج کے ہوں گے اور تم میں سے ایک ہوگا۔ اس روز تم لوگ محشر میں دوسرے لوگوں کی نسبت ایسے ہو گے جیسے سفید تیل کے جسم پر ایک سیاہ بال ہوتا ہے یا بالکل سیاہ تیل کے جسم پر ایک سفید بال ہوتا ہے، اور مجھ کو یہ امید ہے کہ تم لوگ سارے جنتیوں کے ایک چوتھائی حصہ ہو گے، یہ سن کر ہم نے اللہ اکبر کہا، پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم اہل جنت کے ایک تہائی ہو گے، پھر ہم نے اللہ اکبر کہا، پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم اہل جنت کے آدھے ہو گے، ہم نے پھر اللہ اکبر کہا۔

ابو اسامہ نے اعمش سے یوں روایت نقل کی ہے ﴿تَرَى النَّاسَ سُكَارَىٰ وَمَاهُمْ بِسُكَارَىٰ﴾ اور

کہا ہے کہ ہر ہزار میں سے نو سو ننانوے۔

جریر، عیسیٰ بن یونس اور ابو معاویہ نے یوں قرأت کی ﴿سُكَرَىٰ وَمَاهُمْ بِسُكَرَىٰ﴾۔

احوال قیامت

سورۃ الحج کی یہ ابتدائی آیات آنحضرت ﷺ پر جب نازل ہوئیں، تو آپ ﷺ نے اپنے رفقاء سفر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے خطاب فرمایا، جس میں قیامت کے احوال بیان فرمائے۔

فرمایا کہ اللہ ﷻ قیامت کے روز حضرت آدم ﷺ کو فرمائیں گے کہ اے آدم!، حضرت آدم ﷺ عرض کریں گے کہ اے ہمارے رب میں حاضر ہوں، فرمانبرداری کیلئے۔ پھر بلند آواز میں پکارا جائے گا کہ اللہ ﷻ آپ کو حکم دیتا ہے کہ اپنی اولاد میں سے ان لوگوں کو نکالو جو جہنم کے مستحق ہیں۔ حضرت آدم ﷺ دریافت کریں گے کہ جہنم میں جانے والے کون لوگ ہیں؟ تو حکم ہوگا کہ ہر ہزار میں سے نو سو ننانوے لوگ جہنم میں جانے والے ہیں۔ اور آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ یہی وہ وقت ہوگا کہ ڈر اور خوف سے بچے بوڑھے ہو جائیں گے اور حمل والی عورتوں کے حمل ساقط ہو جائیں گے۔

اس روز تم لوگوں کا یہ حال دیکھو گے اور یہ آیت تلاوت فرمائی:

﴿وَتَرَى النَّاسَ سُكَارَىٰ وَمَا هُمْ بِسُكَارَىٰ
وَلَكِنَّ عَذَابَ اللَّهِ شَدِيدًا﴾

ترجمہ: اور لوگ تمہیں یوں نظر آئیں گے کہ جیسے وہ نشے میں بدحواس ہیں اور وہ نشہ کی حالت میں نہیں ہوں گے، لیکن اللہ کا عذاب بہت شدید ہے۔

روز قیامت کے یہ احوال سن کر مجلس میں موجود صحابہ کرام ﷺ سہم گئے اور خوف کے مارے ان کے چہروں کی رنگت بدل گئی۔

اس وقت نبی کریم ﷺ نے ان کی تسلی کیلئے فرمایا کہ تم بے فکر رہو، جہنم میں جانے والے ہزار افراد میں یا جوج ماجوج میں سے نو سو ننانوے اور تم میں سے ایک فرد ہوگا۔ اس روز تم لوگ محشر میں دوسرے لوگوں کی نسبت ایسے ہو گے جیسے سفید بیل کے جسم پر ایک سیاہ بال ہوتا ہے یا بالکل سیاہ بیل کے جسم پر ایک سفید بال ہوتا ہے، اور مجھ کو یہ امید ہے کہ تم لوگ سارے جنتیوں کے ایک چوتھائی حصہ ہو گے۔

یہ سن کر صحابہ کرام ﷺ نے اللہ اکبر کہا، پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم اہل جنت کے ایک تہائی ہو گے، پھر ہم نے اللہ اکبر کہا، پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم اہل جنت کے آدھے ہو گے، ہم نے پھر اللہ اکبر کہا۔

جبکہ بعض دوسری روایات میں اس طرح ہے کہ اُس روز تم ایسی دو مخلوقوں کے ساتھ ہو گے کہ وہ جب کسی جماعت کے ساتھ ہوں گے تو وہی تعداد میں غالب اور اکثر رہیں گے۔ ایک یا جوج ماجوج اور دوسرے ابلیس اور انکی ذریت اور اولاد آدم میں سے جو لوگ پہلے مر چکے ہیں۔ ۲

(۲) باب: ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَن يَغْبِطُ اللَّهَ عَلٰى حَرْفٍ﴾ [۱۱]

باب: ”اور لوگوں میں وہ شخص بھی ہے جو ایک کنارے پر رہ کر اللہ کی عبادت کرتا ہے۔“

شک۔ ﴿اترلناہم﴾: وسعناہم۔

﴿علیٰ حَرْفٍ﴾ کی تفسیر ”شک“ کے ساتھ کی ہے، یعنی شک کے ساتھ اللہ کی عبادت کرتے ہیں۔

”اترلناہم“ بمعنی ”وَسَعْنَاہُمْ“ ہم نے ان کو دنیا کی زندگی میں وسعت عطاء کی۔

یہ لفظ سورۃ المؤمنوں کا ہے شاید کاتب کی غلطی سے یہاں لکھا گیا ہے۔

۴۷۴۲ - حدثنی ابراہیم بن الحارث: حدثننا یحییٰ بن ابی بکیر: حدثننا اسرائیل،

عن ابی حصین، عن سعید بن جبیر، عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال: ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَن

يَغْبِطُ اللَّهَ عَلٰى حَرْفٍ﴾. قال: كان الرجل يقدم المدينة، فيسلم فان ولدت امرأته غلاما

ونسجت خيله قال: هذا دين صالح، وان لم تلد امرأته ولم تنتج خيله قال: دين سوء. ح

ترجمہ: سعید بن جبیر رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کریمہ

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَن يَغْبِطُ اللَّهَ عَلٰى حَرْفٍ﴾ کی تفسیر میں فرمایا کہ بعض لوگ مدینہ آتے اور اپنے اسلام کا

اظہار کرتے اس کے بعد اگر اس کی بیوی کے یہاں لڑکا پیدا ہوتا اور اس کی گھوڑی بھی بچہ دیتی تو وہ کہتے کہ یہ دین

بڑا اچھا دین ہے، لیکن اگر انکے یہاں نہ لڑکا پیدا ہوتا اور نہ گھوڑی کوئی بچہ دیتی تو کہتے یہ تو بُرا دین ہے۔

میٹھا میٹھا ہپ ہپ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت کی تفسیر کر رہے کہ جب رسول اللہ ﷺ ہجرت کر کے مدینہ طیبہ

میں مقیم ہو گئے تو بعض ایسے لوگ بھی آ کر مسلمان ہو جاتے تھے، جن کے دل میں ایمان کی پختگی نہیں تھی۔

چنانچہ اگر اسلام لانے کے بعد اس کی اولاد اور مال میں ترقی ہو گئی تو کہتا تھا کہ یہ دین اچھا ہے اور اگر

اس کے خلاف ہوا تو کہتا تھا کہ یہ دین بُرا ہے۔

ایسے ہی لوگوں کے بارے میں یہ آیت ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَن يَغْبِطُ اللَّهَ عَلٰى حَرْفٍ﴾ نازل ہوئی کہ

یہ لوگ ایمان کے ایک کنارے پر کھڑے ہیں۔ اگر ان کو ایمان کے بعد دنیوی راحت اور مال و سامان ملا تو اسلام پر جم گئے اور اگر وہ بطور آزمائش کسی تکلیف و پریشانی میں مبتلا ہو گئے تو دین سے پھر گئے۔

(۳) باب قولہ: ﴿هَذَانِ خَصْمَانِ اخْتَصَمُوا لِي رَبِّهِمْ﴾ [۱۹]

اس ارشاد کا بیان: ”یہ (مؤمن اور کافر) دو فریق ہیں جنہوں نے اپنے پروردگار کے بارے میں ایک دوسرے سے جھگڑا کیا ہے۔“

حق و باطل، دو فریق

اس سے پہلے آیت ﴿إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا وَالصَّالِحِينَ﴾ میں جن فرقوں کا ذکر ہوا، ان سب کو حق و باطل پر ہونے کی حیثیت سے دو فریق ہیہ کہتے ہیں۔ ایک مؤمنین کا گروہ جو اپنے رب کی سب باتوں کو من و عن تسلیم کرتا اور اسکے احکام کے آگے سر بسجود رہتا ہے۔

دوسرا کفار کا مجمع جس میں یہود و نصاریٰ، مجوس، مشرکین، صائبین وغیرہم سب شامل ہیں، جو ربانی ہدایات کو قبول نہیں کرتے اور اس کی اطاعت کے لئے سر نہیں جھکاتے۔ دونوں فریق دعاوی میں، بحث و مناظرہ اور جہاد و قتال کے مواقع میں بھی ایک دوسرے کے مد مقابل رہتے ہیں، خواہ قرن اول کے ہوں یا قرون مابعد کے۔

البتہ نزول اس آیت کا ان دو فریق کے بارے میں ہوا ہے جو میدان بدر کے مبارزہ ایک دوسرے کے مقابل نبرد آزما ہوئے تھے۔ مسلمانوں میں سے حضرت علی و حمزہ و عبیدہ رضی اللہ عنہم اور کفار میں سے عقبہ بن ربیعہ، اسکا بیٹا ولید اور بھائی شیبہ تھے، وہ تینوں مارے گئے اور مسلمانوں میں سے حضرت حمزہ و حضرت علی رضی اللہ عنہما دونوں صحیح سالم واپس آئے اور حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ شدید زخمی ہو کر آئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں پہنچ کر دم توڑ دیا۔ آیت کا نزول ان مبارزین بدر کے بارے میں ہونا درج ذیل حدیث سے ثابت ہے لیکن یہ ظاہر ہے کہ یہ حکم ان کے ساتھ مخصوص نہیں پوری امت کے لئے عام ہے، چاہے کسی بھی زمانے میں ہوں۔ ج

۴۷۴۳ - حدثنا حجاج بن منهال: حدثنا هشيم: أخبرنا أبو هاشم، عن أبي مجلز عن قيس بن عباد، عن أبي ذر رضي الله عنه أنه كان يقسم لسماء: إن هذه الآية ﴿هَذَا نِ خَضَمَانِ اخْتَصَمُوا لِي رَبِّهِمْ﴾ نزلت في حمزة وصاحبيه، وعتبة وصاحبيه يوم بروزوا لي يوم بدر. رواه سفیان، عن أبي هاشم. وقال عثمان، عن جرير، عن منصور، عن أبي هاشم، عن أبي مجلز قوله. [راجع: ۳۹۶۶]

ترجمہ: حضرت ابو ذر رضي الله عنه نے قسم کھا کر بیان کیا کہ یہ آیت ﴿هَذَا نِ خَضَمَانِ اخْتَصَمُوا لِي رَبِّهِمْ﴾ حضرت حمزہ رضي الله عنه اور ان کے ساتھیوں اور ان کے مقابل عتبہ اور اس کے ساتھیوں کے متعلق جنگ بدر کے دن اس وقت نازل ہوئی، جب کہ یہ جنگ کیلئے جا رہے تھے۔

اس حدیث کو سفیان ثوری نے ابو ہاشم سے اور عثمان نے جریر سے اور وہ منصور سے اور وہ ابو ہاشم سے اور وہ ابو مجلز سے روایت کرتے ہیں۔

۴۷۴۴ - حدثنا حجاج بن منهال: حدثنا معتمر بن سليمان قال: سمعت أبي قال: حدثنا أبو مجلز. عن قيس بن عباد، عن علي رضي الله عنه قال: أنا أول من بجثو بين يدي الرحمن للخصومة يوم القيامة. قال قيس: وفيهم نزلت ﴿هَذَا نِ خَضَمَانِ اخْتَصَمُوا لِي رَبِّهِمْ﴾ قال: هم الذين بارزوا يوم بدر: علي وحمزة وعبيدة، وشيبة بن ربيعة وعتبة بن ربيعة والوليد بن عتبة. [راجع: ۳۹۶۵]

ترجمہ: حضرت علی بن ابی طالب رضي الله عنه سے روایت ہے کہ آپ نے بیان کیا کہ میں پہلا شخص ہوں گا جو خدا رحمن کے سامنے قیامت کے دن فیصلہ کے لئے دوڑانوں ہو کر بیٹھے گا، اور قیس بن عباد نے بیان کیا کہ ان ہی حضرات کے بارے میں آیت ﴿هَذَا نِ خَضَمَانِ اخْتَصَمُوا لِي رَبِّهِمْ﴾ نازل ہوئی جو بدر کے دن مقابلے کیلئے نکلے تھے، یعنی حضرت علی، حضرت حمزہ اور حضرت عبیدہ رضي الله عنه، شیبہ بن ربیعہ، عتبہ بن ربیعہ اور ولید بن عتبہ۔

(۲۳) سورة المؤمنون

سورة مؤمنون کا بیان

بسم الله الرحمن الرحيم

یہ سورت مکی ہے، اور اس میں ایک سو اٹھارہ آیتیں اور چھ رکوع ہیں۔

وجہ تسمیہ اور مؤمنوں کی صفات

سورت کے شروع میں اللہ ﷻ نے وہ بنیادی صفات ذکر فرمائی ہیں جو مسلمانوں میں پائی جانی چاہئیں۔
مسند احمد کی ایک حدیث میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حوالے سے آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد منقول ہے کہ اس
سورت کی پہلی دس آیتوں میں جو باتیں ذکر کی گئی ہیں، اگر کوئی شخص وہ ساری باتیں اپنے اندر پیدا کر لے تو وہ
سیدھا جنت میں جائیگا۔ ۱

اسی لئے اس سورۃ کا نام ”المؤمنون“ یعنی یہ سورت بیان کرتی ہے کہ مسلمانوں کو کیسا ہونا چاہئے۔
نیز نسائی میں روایت ہے کہ ایک صاحب نے ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ
آنحضرت ﷺ کے اخلاق اور اوصاف کیسے تھے؟
اس کے جواب میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے سورۃ مؤمنون کی یہ دس آیتیں تلاوت فرمادیں کہ یہ
سب آنحضرت ﷺ کے اوصاف تھے۔ ۲

مقصد زندگی

سورت کا بنیادی مقصد انسان کو اسکی اصلیت کی طرف متوجہ کر کے اس بات پر غور و فکر کی دعوت دینا کہ

۱ مسند احمد، مسند المشرفۃ المبشرین بالجنت، مسند الحلفاء الراشدین، اول مسند عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ، رقم: ۲۲۳

۲ السنن الكبرى للنسائی، کتاب التفسیر، سورة المؤمنون، رقم: ۱۱۲۸۷

ت دنیا میں آنے کا مقصد کیا ہے اور بالآخر مرنے کے بعد جو زندگی آتی ہے، اس میں انسان کا انجام کیا ہوگا؟ اس کے علاوہ حضرت نوح عليه السلام سے لیکر حضرت عیسیٰ عليه السلام تک بہت سے انبیاء کرام کے واقعات اس سلسلے میں دہرائے گئے ہیں تاکہ یہ بات واضح ہو کہ ان سب پیغمبروں کی دعوت تو اتر کے ساتھ ایک ہی تھی اور جن لوگوں نے ان کا انکار کیا، انہیں اللہ جل جلالہ کی طرف سے عذاب کا نشانہ بنا پڑا۔

مرنے کے بعد اللہ جل جلالہ انسانوں کو دوبارہ زندہ کر کے ان کی نیکیوں اور برائیوں کا حساب لینگے اور ہر انسان کو اپنے عقیدے اور عمل کے اعتبار سے جزا و سزا کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اس عقیدے کو کائنات میں پھیلی ہوئی قدرت خداوندی کی نشانیوں کی طرف متوجہ کر کے ثابت کیا گیا ہے۔

قال ابن عیینة: ﴿سَبَّحَ طَوَائِقُ﴾ سب سمرات. ﴿لَهَا سَابِقُونَ﴾: سبقت لهم

السعادة.

﴿قُلُوبُهُمْ وَجِلَّةٌ﴾: خائفین. وقال ابن عباس: ﴿هَيْهَاتَ هَيْهَاتَ﴾: بعيد بعيد.

﴿فَأَسَالِ الْعَادِينَ﴾ الملائكة. ﴿لَنَا كِبُونَ﴾: لعادلون. ﴿كَالْحُونَ﴾: عابسون.

وقال غيره: ﴿مِنْ سَلَالَةٍ﴾: الولد والنطفة السلالة.

والجنة والجنون واحد. والفشاء: الزبد وما ارتفع عن الماء وما لا ينتفع به.

﴿يَجَارُونَ﴾ يرفعون اصواتهم كما تجار البقرة. ﴿عَلَىٰ أَغْقَابِكُمْ﴾ رجع على عقبيه.

﴿سَامِرًا﴾ من السمر، والجمع السمار والسامر هاهنا في موضع الجمع

﴿تَسْحَرُونَ﴾ تعمون من السحر.

ترجمہ و تشریح

حضرت سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ نے کہا کہ ”سَبَّحَ طَوَائِقُ“ سے ساتوں آسمان مراد ہیں۔

”لَهَا سَابِقُونَ“ کے معنی ہیں ”سبقت لهم السعادة“ یعنی ان کیلئے سعادت سبقت کر چکی ہے، ان

کی قسمت میں سعادت لکھ دی گئی ہے جس کی وجہ سے یہ نیکیوں کی طرف دوڑتے ہیں۔

﴿قُلُوبُهُمْ وَجِلَّةٌ﴾ اس آیت میں لفظ ”وَجِلَّةٌ“ بمعنی ”خائفین“ یعنی خوفزدہ، ڈرانے والے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ آیت میں ﴿هَيْهَاتَ هَيْهَاتَ﴾ کے معنی بعید کے ہیں۔

﴿فَأَسَالِ الْعَادِينَ﴾ کے معنی ہیں گننے والے فرشتوں سے پوچھ لو جو اعمال کا حساب رکھتے ہیں۔

”لَنَا كِبُونَ“ کے معنی ہیں ”لعادلون“ یعنی پھر جانے والے، اعراض کرنے والے۔

”كَالْحَوْنِ“ کے معنی ہیں ”عابسون“ یعنی ترش رو، بد شکل۔

اس میں ”الولد“ مبتدا ہے اور ﴿مِنْ سَلَالَةٍ﴾ خبر یعنی ولد سلالہ ہے، ”سَلَالَةٍ“ کے معنی ہیں نچوڑی ہوئی چیز، نچوڑ، خلاصہ۔ یہ مشتق ہے ”سل“ سے جس کے معنی ہیں کسی چیز کو کسی چیز سے نچوڑنے اور کھینچنے کے۔ مطلب آیت کریمہ کا یہ ہے کہ ہم نے انسان کو پیدا کیا مٹی کے خلاصہ یعنی نچوڑی ہوئی چیز سے اور نطفہ یعنی ”سَلَالَةٍ“ سے۔

فرماتے ہیں ”الجنة والجنون“ دونوں کے معنی ایک ہیں۔

”الغناء“ کے معنی ہیں جھاگ یعنی وہ چیز جو پانی کے اوپر اٹھ جاتی ہے اور جس سے کوئی نفع نہیں ہوتا۔

”يَجَاوِزُونَ“ آواز بلند کریں گے، جیسے گائے کی وہ آواز جو تکلیف کے وقت نکلتی ہے۔

”عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ“ ایزدوں کے بل لوٹ گئے، اہل عرب کا مقولہ ہے ”علیٰ عقیبہ“ پیٹھ پھیر کر چل دیا۔

”سَامِرًا“ یعنی قصہ گو، فسانہ گو، یہ مشتق ہے لفظ ”مسمر“ سے اور اسکی جمع ہے ”السماور والسامر“

اور یہاں پر یہ جمع کیلئے آیا ہے، ”تُسَحَّرُونَ“ جادو سے اندھے ہو رہے ہو۔

(۲۴) سورة النور

سورة النور کا بیان

بسم الله الرحمن الرحيم

بے حیائی و فحاشی کی روک تھام، عفت و عصمت کے فروغ کے احکام

اس سورت کا مرکزی موضوع معاشرے میں بے حیائی اور فحاشی کو روکنے اور عفت و عصمت کو فروغ دینے کیلئے ضروری ہدایات اور احکام دینا۔

پچھلی سورت کے شروع میں مومنوں کی جو خصوصیات بیان فرمائی گئی تھیں، ان میں سے ایک اہم خصوصیت یہ تھی کہ وہ اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرتے ہیں، یعنی باعفت زندگی گزارتے ہیں، اب اس سورت میں باعفت زندگی گزارنے کے ضروری تقاضے بیان فرمائے گئے ہیں۔

چنانچہ سورت کے شروع ہی میں زنا کی شرعی سزا بیان فرمائی گئی ہے اور ساتھ ہی یہ بتایا گیا ہے کہ جس طرح زنا انتہائی گھناؤنا جرم ہے، اسی طرح کسی بے گناہ پر شرعی ثبوت کے بغیر زنا کا الزام لگانا بھی نہ صرف سخت گناہ ہے، بلکہ اس پر بھی سخت قانونی سزا مقرر فرمائی گئی ہے۔

غالب گمان یہ ہے کہ یہ سورت ہجرت کے بعد چھٹے سال نازل ہوئی، اس سال آنحضرت ﷺ کو عرب کے ایک قبیلے بنو المصطلق کے بارے میں یہ اطلاع ملی تھی کہ وہ آپ پر حملہ کرنے کیلئے ایک لشکر جمع کر رہا ہے، آپ نے اس کے حملے سے پہلے ہی پیش قدمی کر کے اس کے عزائم کو خاک میں ملادیا، اسی سفر سے واپسی پر منافقین نے حضرت صدیقہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے خلاف بڑی کمینگی کے ساتھ ایک بے بنیاد تہمت لگائی اور اسے مدینہ منورہ میں بڑے پیمانے پر شہرت دی جس سے کچھ تخلص مسلمان بھی متاثر ہو گئے۔

اس سورت کی آیات: ۱۱ تا ۲۰ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی برأت کا اعلان کرنے کیلئے نازل ہوئیں، اور جن لوگوں نے تہمت لگانے کا گھناؤنا جرم کیا تھا، ان کو اور معاشرے میں عریانی و فحاشی پھیلانے والوں کو سخت عذاب کی وعیدیں سنائی گئیں۔

نیز عفت و عصمت کی حفاظت کے پہلے قدم کے طور پر خواتین کو پردے کے احکام بھی اسی سورت میں

دیئے گئے ہیں اور دوسروں کے گھر جانے کے لئے ضروری آداب و احکام کی وضاحت فرمائی گئی ہے۔ ۱۔
 ﴿مِنْ خِلَالِهِ﴾: من بین اضعاف السحاب. ﴿سَنَا بَرِّقِهِ﴾: وهو الضياء. ﴿مُدَّعِينٍ﴾،
 يقال للمستخدي: مدعن. ﴿أَشْتَاتًا﴾ وشتى وشتات وشت واحد.
 وقال ابن عباس: ﴿سُورَةٌ أَنْزَلْنَاهَا﴾: بينها. وقال غيره: سمي القرآن لجماعة
 السور وسميت السورة لانها مقطوعة من الاخرى. فلما قرن بعضها الى بعض سمي
 قرآنا. وقال سعد بن عياض الثمالي: المشكاة: الكوة بلسان الحبشة.
 وقوله تعالى: ﴿إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ﴾ تاليف بعضه الى بعض ﴿فَإِذَا قَرَأْنَاهُ فَاتَّبِعْ
 قُرْآنَهُ﴾ فاذا جمعناه وألفناه فاتبع قرآنه، أى ما جمع فيه فاعمل بما أمرك والله عما
 نهاك. ويقال ليس: لشعره قرآن أى تاليف، وسمى الفرقان لانه يفرق بين الحق
 والباطل. ويقال للمرأة: ما قرأت بسلاقط أى لم تجمع فى بطنها ولذا.
 وقال: ﴿فَرَضْنَاَهَا﴾: أنزلنا فيها فرائض مختلفة. ومن قرأ ﴿فَرَضْنَاَهَا﴾ يقول:
 فرضنا عليكم وعلى من بعدكم. قال مجاهد: ﴿أَوِ الْطِفْلِ الَّذِي لَمْ يَظْهَرْ وَا﴾: لم يدروا لما
 بهم من الصغر. وقال الشعبي ﴿أُولَى الْأَزْبَةِ﴾ من ليس له أرب. وقال مجاهد: لا يهमे إلا
 بطنه؛ ولا يخاف على النساء. وقال طاؤس: هو الأحمق الذى لا حاجة له فى النساء.

ترجمہ و تشریح

”مِنْ خِلَالِهِ“ کے معنی ہیں بادل کے پردوں کے درمیان سے۔

”خِلَال“ جمع ہے ”خلل“ کی جس کا معنی ہے درمیان وسط۔ ”اضعاف“ جمع ہے ”ضعف“ کی، اور
 ”اضعاف الكتاب“ کا مطلب ہے کتاب کے سطور کا فاصلہ ”الأضعاف من الجد“ اعضاء، جسم یا ہڈیاں،
 یہاں ”اضعاف“ بمعنی ”السحاب“ یعنی بادل کے پردے۔

”سَنَا بَرِّقِهِ“ کے معنی ہیں ضیاء یعنی روشنی۔

”مُدَّعِينٍ“ بمعنی ”مستخدی“ جس کے معنی ہیں ”مدعن“ تابعدار، فرمانبردار، اطاعت گزار۔

”أَشْتَاتًا“ اور ”شتى۔ شتات۔ وشت“ چاروں کے معنی ایک ہیں۔

۱۔ تفسیر القرطبی، سورة النور، ج ۱۲، ص ۱۵۸، و روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم والسبع المثانی، ج: ۹،

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ﴿سُوْرَةٌ اَنْزَلْنَاَهَا﴾ بمعنی ”بيناها“ یعنی ہم نے سورت و کھول کر بیان کیا۔

بعض حضرات نے کہا ہے کہ ”سمى القرآن لجماعة السور“ قرآن نام اس لئے ہے کہ یہ سورتوں کا مجموعہ ہے، ”وسميت السورة لانها مقطوعة من الاخرى“ اور سورت کو سورت اس لئے کہتے ہیں کہ وہ دوسری سورت سے علیحدہ ہوتی ہے، ”فللمالرن بعضها الى بعض سمي قرآنا“ پھر جب ایک سورت کو دوسری سورت کے ساتھ جمع کر دی جائے تو اس کا نام قرآن ہو جاتا ہے۔

سعد بن عیاض شمالی رحمہ اللہ نے کہا کہ حبشہ کی زبان میں ”المشكاة“ کے معنی روشن دان یعنی طاق کے ہیں۔ واضح ہو کہ لفظ طاق جس میں چراغ رکھا جاتا ہے اس کو اردو، ہندی اور فارسی میں طاق کہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ﴾ اور ہر رے ذمہ ہے اسکا جمع کرنا اور تالیف ہے، بنی اسکے بعض ٹکڑے کو بعض سے جوڑنا اور ملانا۔

مقصد یہ ہے کہ قرآن جو ”قراء“ سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں ایک چیز کو دوسری چیز کے ساتھ ملا کر جمع کرنا، یعنی قرآن یہاں بمعنی تلاوت سے نہیں ہے۔

﴿لَبِاْذَا قَرَأْتَاه فَاتَّبِعْ قُرْآنَهُ﴾ پھر ہم جب اس کو جوڑ دیں اور ملا دیں تو اس مجموعہ کی اتباع کیجئے یعنی اس کے مجموعے پر عمل کیجئے اور جن سے اللہ نے منع کیا اس سے باز رہئے۔

”وبقال لیس: لشعره قرآن ای تالیف“ اور عرب لوگ جب کسی کے اشعار کا مجموعہ نہ بنایا گیا ہوتا کہتے ہیں اسکے شعروں کا قرآن نہیں ہے، یعنی تالیف، اور مجموعہ نہیں ہے۔

قرآن کا نام فرقان اس لئے ہے کہ ”لانه يفرق بين الحق والباطل“ وحق و باطل کے درمیان امتیاز کرتا ہے۔

عورت کیلئے بولتے ہیں ”مالقات بسلا لظ“ یعنی اس نے اپنے پیٹ میں بچہ بھی نہیں رکھا، ظاہر ہے کہ ”قراء“ بمعنی تلاوت اور پڑھنے کے نہیں ہو سکتا بلکہ صرف جمع کرنے کے معنی میں۔

اس لفظ میں ”قروضنا“ میں دو قرأت ہے، ایک راء کی تشدید کے ساتھ ”قروضناھا“۔ اس قرأت پر معنی ہو گا ہم نے اس سورت میں مختلف فرائض احکام نازل کئے اور جس نے پڑھا یعنی دوسری قرأت جو جمہور کی ہے راء کی تخفیف یعنی فتح رزبر کے ساتھ ”قروضناھا“۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم نے تم پر اور جو لوگ قیامت تک تمہارے بعد آئیں گے ان پر فرض کیا یعنی قطعی احکام مقرر کیا۔

حضرت مجاہد رحمہ اللہ نے ﴿اَوِ الطِّفْلِ الَّذِي لَمْ يَظْهَرُوْا﴾ کی تفسیر میں فرمایا کہ اس سے مراد وہ کم سن بچے ہیں جو کم سنی کی وجہ سے عورتوں کے پردہ کی چیزوں کو نہیں سمجھتے۔

امام شعی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ﴿أُولَى الْأَرْزَبَةِ﴾ سے وہ شخص مراد ہے جس میں قوت مردی نہ ہو۔ اور حضرت مجاہد رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ ﴿أُولَى الْأَرْزَبَةِ﴾ ایسے شخص کو کہتے ہیں جس کو بس اپنے پیٹ کی فکر ہو یعنی کھانے پینے کے سوا کسی چیز کی غرض نہ ہو اور یہ ڈرنہ ہو کہ عورتوں کو ہاتھ لگائے گا۔ حضرت طاؤس رحمہ اللہ کہتے ہیں اس سے وہ احمق مراد ہے جو عورتوں سے بے پرواہ ہو یعنی خیال نہ ہو۔

(۱) باب قوله عز وجل: ﴿وَالَّذِينَ يَزْمُونَ أَرْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَهُمْ

شَهَدَاءُ﴾ الآية [۶]۔

اللہ عزوجل کے اس ارشاد کا بیان: ”اور جو لوگ اپنی بیویوں پر تہمت لگائیں، اور خود اپنے سوا ان کے پاس کوئی اور گواہ نہ ہوں۔“

لعان کا حکم اور طریقہ کار

سورت میں زناء کا حکم اور قذف کے بیان کے بعد اب لعان کا حکم بیان کیا جا رہا ہے۔ ”لعان“ اور ”ملاعنت“ کے معنی ایک دوسرے پر لعنت اور غضبِ الہی کی بددعا کرنے کے ہیں۔ اصطلاح شرع میں میاں بیوی دونوں کو چند خاص قسمیں دینے کو لعان کہا جاتا ہے۔ جس کی صورت یہ ہے کہ جب کوئی شوہر اپنی بیوی پر زناء کا الزام لگائے یا اپنے بچے کو کہے کہ یہ میرے نطفہ سے نہیں ہے اور یہ عورت جس پر الزام لگایا گیا ہے اُس کو جھوٹا کہے اور اُس کا مطالبہ کرے کہ مجھ پر جھوٹی تہمت لگائی ہے اس لئے شوہر پر تہمت زناء کی سزا اسی (۸۰) کوڑے جاری کئے جائیں گے تو اس وقت شوہر سے مطالبہ کیا جائے گا کہ الزام زناء پر چار گواہ پیش کرے۔ اگر اس نے چار گواہ پیش کر دیئے تو عورت پر حد زناء لگائی جائے گی اور اگر وہ چار گواہ نہ لاسکا تو اس دونوں میں لعان کرایا جائے گا۔

یعنی اول مرد سے کہا جائے گا کہ وہ چار مرتبہ ان الفاظ سے جو قرآن میں مذکور ہیں یہ شہادت دے کہ میں اس الزام میں سچا اور پانچویں مرتبہ یہ کہے کہ اگر میں جھوٹ بولتا ہوں تو مجھ پر اللہ کی لعنت ہو۔

اگر شوہر ان الفاظ کے کہنے سے رُکے تو اس کو قید کر دیا جائے گا کہ یا تو تم اپنے جھوٹے ہونے کا اقرار کرو یا مذکورہ الفاظ کے ساتھ پانچ مرتبہ یہ قسمیں کھاؤ اور جب تک وہ ان دونوں میں سے کوئی کام نہ کرے اُس کو قید رکھا جائے گا۔ اگر اس نے اپنے جھوٹے ہونے کا اقرار کر لیا تو اس پر حد قذف یعنی تہمت زنا کی شرعی سزا جاری ہوگی۔

اور اگر الفاظ مذکورہ کے ساتھ پانچ مرتبہ قسمیں کھالیں تو پھر اس کے بعد عورت سے اُن الفاظ میں پانچ قسمیں لی جائیں گی جو قرآن میں عورت کے لئے مذکور ہیں۔ اگر وہ قسم کھانے سے انکار کرے تو اُس کو اُس وقت تک قید رکھا جائے گا جب تک کہ وہ یا تو شوہر کی تصدیق کر لے اور اپنے جرمِ زنا کا اقرار کرے تو اس پر حدِ زنا جاری کر دی جائے اور یا پھر وہ الفاظ مذکورہ کے ساتھ پانچ قسمیں کھالے۔ اگر وہ الفاظ مذکورہ سے قسمیں کھانے پر راضی ہو جائے اور قسمیں کھالے تو اب لعان پورا ہو گیا۔

جس کے نتیجے میں دُنیا کی سزا سے دونوں بچ گئے، آخرت کا معاملہ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہی ہے کہ اُن میں سے کون جھوٹا ہے، جھوٹے کو آخرت میں سزا ملے گی، لیکن دُنیا میں بھی جب دو میاں بیوی میں لعان کا معاملہ ہو گیا تو یہ ایک دوسرے پر ہمیشہ کے لئے حرام ہو جاتے ہیں شوہر کو چاہئے کہ اس کو طلاق دے کر آزاد کر دے۔ اگر وہ طلاق نہ دے تو حاکم ان دونوں میں تفریق کر سکتا ہے جو حکم طلاق ہوگی، بہر حال اب دونوں کا آپس میں دوبارہ نکاح بھی کبھی نہیں ہو سکتا۔

لعان کا قانون شریعت اسلام میں شوہر کے جذبات و نفسیات کی رعایت کی بنا پر نافذ ہوا ہے، کیونکہ کسی شخص پر الزامِ زنا لگانے کا قانون جو پہلی آیات میں گزر چکا ہے اس کی رُو سے یہ ضروری ہے کہ الزامِ زنا لگانے والا چار گواہ یعنی پیش کرے اور جو یہ نہ کر سکے تو اُلٹا اسی پر تہمتِ زنا کی حد جاری کی جائے گی۔ عام آدمی کے لئے تو یہ ممکن ہے کہ چار گواہ میسر نہ ہوں تو وہ الزامِ زنا لگانے سے خاموش رہے تاکہ تہمتِ زنا کی سزا سے محفوظ رہ سکے لیکن شوہر کے لئے یہ معاملہ بہت سنگین ہے جب اُس سے اپنی آنکھ سے دیکھ لیا اور گواہ موجود نہیں اگر وہ بولے تو تہمتِ زنا کی سزا پائے اور نہ بولے تو ساری عمر خون کے گھونٹ پیتا رہے اور اس کی زندگی وبال ہو جائے۔ اس لئے شوہر کے معاملے کو عام قانون سے الگ کر کے اس کا مستقل قانون بنا دیا گیا۔ اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ لعان صرف میاں بیوی کے معاملہ میں ہو سکتا ہے دوسروں کا حکم وہی ہے جو پہلے گزر چکا ہے۔

آیات لعان کا شان نزول

اس سورت میں امام بخاری رحمہ اللہ نے لعان کے حوالے سے دو واقعات ذکر کئے ہیں، ایک حضرت ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہ اور ان کی بیوی کا واقعہ، اور دوسرا واقعہ حضرت عویر مجلانی رضی اللہ عنہ اور ان کی بیوی کا ہے۔ ان میں سے آیات لعان کا شان نزول کون سا واقعہ ہے! اس میں ائمہ تفسیر کے اقوال مختلف ہیں۔ امام قرطبی رحمہ اللہ نے آیات کا نزول مکرر مان کر دونوں کو شان نزول قرار دیا ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی اور علامہ نووی رحمہما اللہ ان دونوں حضرات نے دونوں واقعات میں تطبیق دے کر ایک ہی نزول میں دونوں کو شان نزول آیات لعان قرار دیا ہے، ان حضرات کی توجیہ زیادہ بہتر ہے۔ ان دونوں حضرات نے تطبیق کی یہ صورت بیان کی ہے کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پہلا واقعہ حضرت ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہ کا تھا اور آیات لعان کا نزول اسی واقعے کے بارے میں ہوا ہے، اس کے بعد حضرت عویمر رضی اللہ عنہ کا واقعہ پیش آ گیا اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں سارا معاملہ بیان کیا، کیونکہ ان کو ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہ کا معاملہ معلوم نہیں ہوگا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بتایا کہ تمہارے معاملے کا فیصلہ یہ ہے۔

اور اس بات کا قرینہ یہ ہے کہ حضرت ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہ کے واقعہ میں حدیث کے الفاظ یہ ہیں: "لنزل جبرئیل" اور حضرت عویمر رضی اللہ عنہ کے واقعہ میں یہ الفاظ ہیں "لقد نزل الله لیک" جس کا مفہوم یہ ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے جیسے ایک واقعہ میں اس کا حکم نازل فرمایا ہے۔ ۲۔ ان واقعات کی روشنی میں چند فقہی مسائل ملاحظہ فرمائیں:

مسئلہ: جب میاں بیوی کے درمیان حاکم کے سامنے لعان ہو جائے تو یہ عورت اس مرد پر ہمیشہ کے لئے حرام ہو جاتی ہے جیسے حرمت رضاعت ابدی ہوتی ہے۔

حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "المتلعنان لا یجتمعان اہداً" حرمت تو لعان ہونے سے ہی ثابت ہو جاتی ہے لیکن عورت کو دوسرے مرد سے بعد عدت نکاح کرنا امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک جب جائز ہوگا جبکہ مرد طلاق دیدے یا زبان سے کہہ دے کہ میں نے اس کو چھوڑ دیا اور اگر مرد ایسا نہ کرے تو حاکم قاضی ان دونوں میں تفریق کا حکم کر دے گا تو وہ بھی بحکم طلاق ہو جائے گا پھر عدت طلاق تین حیض پورے ہونے کے بعد عورت آزاد ہوگی اور دوسرے کسی شخص سے نکاح کرے گی۔

مسئلہ: جب لعان ہو چکا اس کے بعد اس حمل سے جو بچہ پیدا ہو وہ اُس کے شوہر کی طرف منسوب نہیں ہوگا بلکہ اُس کی نسبت اُس کی ماں کی طرف کی جائے گی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہلال بن امیہ و عویمر رضی اللہ عنہما رضی اللہ عنہما دونوں کے معاملات میں یہی فیصلہ فرمایا۔

مسئلہ: لعان کے بعد اگر چہ اُن میں جو جھوٹا ہے اس کا عذاب آخرت پہلے سے بڑھ گیا مگر دنیا کی سزا ساقط ہوگئی۔ اسی طرح دنیا میں اُس کو زانیہ اور بچے کو ولد الزنا کہنا بھی کسی کے لئے جائز نہیں ہوگا۔ حضرت ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہ کے معاملے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں یہ حکم بھی فرمایا۔ ۳۔

۲۔ فتح الباری، ج: ۸، ص: ۳۵۱، ۳۵۰، تفسیر القرطبی، ج: ۱۲، ص: ۱۸۳، ۱۸۴، وعمدة القاری، ج: ۱۹، ص: ۱۱۵،

۳۔ حارف القرآن، ج: ۶، ص: ۳۵۷، عمدة القاری، ج: ۱۹، ص: ۱۱۷، ۱۱۶، والمبسوط للسرخسی، ج: ۷، ص: ۳۹

۴۷۳۵ - حدثنا اسحق: حدثنا محمد بن يوسف الفريابي: حدثنا الأوزاعي قال:

حدثني الزهري، عن سهل بن سعد، أن عويمر أتى عاصم بن عدي وكان سيد بني عجلان فقال: كيف تقولون لي رجل وجد مع امرأتي رجلاً؟ أبقلعه فتلعلونه؟ أم كيف يصنع؟ سل لي رسول الله ﷺ عن ذلك. فأتى عاصم النبي ﷺ فقال: يا رسول الله، فكره رسول الله ﷺ المسائل فسأله عويمر فقال: إن رسول الله ﷺ كره المسائل وعابها. قال عويمر: والله لا أنتهي حتى أسأل رسول الله ﷺ عن ذلك، فجاء عويمر فقال: يا رسول الله، رجل وجد مع امرأته رجلاً أبقلعه فتلعلونه؟ أم كيف يصنع؟ فقال رسول الله ﷺ: ((قد أنزل الله القرآن ليك وفي صاحبك)). فأمرهما رسول الله ﷺ بالملاعنة بما سمي الله في كتابه فلا عنها لم قال: يا رسول الله ﷺ، إن حبستها فقد ظلمتها، فطلقها. فكانت سنة لمن كان بعدهما في المتلاعنين. ثم قال رسول الله ﷺ: ((أنظروا فإن جاءت بن أسحم أدعج العينين، عظيم الألتين، خدلج السالين، فلا أحسب عويمراً إلا قد صدق عليها. وإن جاءت به أحيمر كأنه وحرة فلا أحسب عويمراً إلا قد كذب عليها)). فجاءت به على النعت الذي نعت رسول الله ﷺ من تصديق عويمر، فكان بعد ينسب إلى أمه. [راجع: ۴۲۳]

ترجمہ: حضرت اہل بن سعد سے روایت ہے کہ حضرت عویمر حضرت عاصم بن عدی رضی اللہ عنہما کے پاس آئے اور حضرت عاصم بن عبدالمطلب نے کہا آپ لوگ اس شخص کے بارے میں کیا فرماتے ہیں جو اپنی بیوی کے ساتھ کسی غیر مرد کو پائے؟ کیا وہ اسے قتل کر دے، پھر آپ لوگ اسے قتل کر دو گے؟ آخر ایسی صورت آدی کیا کرے؟ اس لئے آپ رسول اللہ ﷺ سے اس سے متعلق پوچھ کر مجھے بتائیے۔ چنانچہ عاصم بن عبدالمطلب نے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا اے اللہ کے رسول! (اس صورت میں آدی کیا کرے، آپ کیا فرماتے ہیں؟ اور صورت مذکورہ کو بیان کی)۔ رسول اللہ ﷺ نے ان مسائل میں بلا ضرورت سوال و جواب کو کو ناپسند فرمایا۔

جب عویمر نے حضرت عاصم سے پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ حضور اقدس ﷺ نے اس سوال کو ناپسند فرمایا اور عیب سمجھا۔ عویمر نے کہا اللہ کی قسم! میں اس بات کو اس وقت تک نہیں ختم کروں گا، جب تک میں خود رسول اللہ سے اس کے متعلق نہ پوچھ لوں۔ چنانچہ حضرت عویمر خود حاضر خدمت ہوئے اور عرض کیا اے اللہ کے رسول! ایک شخص اپنی بیوی کے ساتھ ایک مرد کو دیکھتا ہے، کیا وہ اس کو قتل کر دے، لیکن پھر آپ اس آدی کو قتل کر دیں گے؟ آخر ایسی صورت آدی کیا کرے؟ پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ نے تمہارے اور تمہاری بیوی کے بارے میں قرآن کی آیت نازل کی ہے۔

پھر رسول اللہ ﷺ نے قرآن حکیم کے بتائے ہوئے طریقہ کے مطابق دونوں کو لعان کا حکم دیا، اور عومیر نے اپنی بیوی سے لعان کیا، پھر عومیر ﷺ نے کہا کہ اے اللہ کے رسول! اگر میں اپنے بیوی کو روکے رکھوں تو میں ظالم ہوں گا، تو انہوں نے اسے طلاق دے دی، پھر ان دونوں کے بعد والوں کیلئے لعان کرنے والے زوجین کے درمیان فرقت جدائی کا طریقہ جاری ہو گیا۔

حضور اقدس ﷺ نے فرمایا دیکھتے رہو کہ اگر اس عورت کے یہاں کالا، بہت کالی پتلیوں والا، بھاری سرین والا، موٹی پنڈلی والا بچہ پیدا ہو تب تو میں سمجھوں گا کہ عومیر نے غلط الزام نہیں لگایا ہے اور اگر سرخ گڑگٹ کی طرح کے رنگ پر پیدا ہوا تو میرا خیال ہے عومیر نے اپنی عورت پر جھوٹ الزام لگایا ہے، اس کے بعد اس عورت کا جو بچہ پیدا ہوا تو وہ ان ہی صفات کے مطابق تھا جو رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا تھا، جس سے حضرت عومیر ﷺ کی تصدیق ہوتی تھی، چنانچہ اس لڑکے کا نسب اس کی ماں کی طرف رکھا گیا۔

(۲) باب: ﴿وَالْخَامِسَةُ أَنْ لَعْنَتُ اللَّهِ عَلَيْهِنَّ إِنْ كَانَ مِنَ الْكَاذِبِينَ﴾ [۷]

باب: ”اور پانچویں مرتبہ یہ کہے کہ: اگر میں (اپنے الزام میں) جھوٹا ہوں تو مجھ پر اللہ کی لعنت ہو۔“

۳۷۴۶ - حدیثی سلیمان بن داؤد ابو الربیع: حدثنا فلیح، عن الزهری، عن سهل بن سعد: ان رجلا أتى رسول الله ﷺ فقال: يا رسول الله، أرايت رجلا رأى مع امرأته رجلا، أيقنله فقتلوه؟ أم كيف يفعل؟ فأنزل الله فهما ما ذكر في القرآن من التلاعن، فقال له رسول الله ﷺ: ((قد قضى ليك ولى امرأتك))، قال: فتلاعنا وأنا شاهد عند رسول الله ﷺ لفارقها فكانت سنة أن يفرق بين المتلاعنين، وكانت حاملاً فأنكر حملها وكان ابنها يدعى اليها. ثم جرت السنة في الميراث أن يرثها وترث منه ما فرض الله لها. [راجع: ۳۲۳]

ترجمہ: حضرت سهل بن سعد ﷺ سے روایت ہے کہ ایک صاحب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا اے اللہ کے رسول! ایسے شخص کے متعلق آپ کا کیا ارشاد ہے جس نے اپنی بیوی کے ساتھ غیر مرد کو دیکھے تو کیا وہ اس کو قتل کر دے، پھر آپ قصاص میں اس قاتل کو قتل کر دیں گے؟ یا پھر اس صورت میں وہ کیا کرے؟ ان دونوں کے متعلق اللہ تعالیٰ نے وہ آیت نازل کیں جو قرآن میں لعان کے متعلق مذکور ہے۔

چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ تمہارے اور تمہا سے بیوی کے بارے میں فیصلہ کیا جا چکا ہے۔ حضرت سهل ﷺ نے بیان کیا کہ پھر دونوں میاں بیوی نے لعان کیا اور میں اس وقت رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں

حاضر تھا، پھر آپ نے دونوں میں جدائی کرادی اور دولعان کرنے والوں کے درمیان بعد میں یہی طریقہ جاری ہو گیا کہ ان میں جدائی کرادی جائے۔ ان کی بیوی حاملہ تھی، لیکن انہوں نے اس حمل کا بھی انکار کیا، چنانچہ جب بچہ پیدا ہوا تو اس عورت کے بچہ کو ماں ہی طرف منسوب کیا جانے لگا، میراث کا یہ طریقہ مقرر ہوا کہ اس کے بعد میراث میں بیٹا ماں کا وارث ہوگا اور ماں بیٹا کی اور اسے اتنا حصہ ملے گا جو کتاب اللہ میں موجود ہے۔

(۳) باب: ﴿وَيَذَرُهَا الْعَذَابُ﴾ [۸]

باب: ”اور عورت سے (زنا کی) سزا ڈور کرنے کا راستہ یہ ہے۔“

۴۷۴۷۔ حدیثی محمد بن بشار: حدیثنا ابن ابی ہدی، عن ہشام بن حسان: حدیثنا عکرمہ، عن ابن عباس: أَنَّ هَلَالَ ابْنِ أُمِيَةَ قَذَفَ امْرَأَتَهُ عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ بِشَرِيكَ ابْنِ سَحْمَاءَ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: ((الْبَيْتَةُ أَوْحَدٌ فِي ظَهْرِكَ))، فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ، إِذَا رَأَى أَحَدُنَا عَلَى امْرَأَتِهِ رَجُلًا يَنْطَلِقُ يَلْتَمِسُ الْبَيْتَةَ؟ فَجَعَلَ النَّبِيُّ ﷺ يَقُولُ: ((الْبَيْتَةُ وَالْأَحَدُ فِي ظَهْرِكَ)). فَقَالَ هَلَالَ: وَالَّذِي بَعَثَكَ بِالْحَقِّ إِنِّي لَصَادِقٌ وَلِيَنْزِلَنَّ اللَّهُ مَا يَهْرِي ظَهْرِي مِنَ الْحَدِّ. فَنَزَلَ جِبْرِيْلُ وَأَنْزَلَ عَلَيْهِ ﴿وَالَّذِينَ يَزْمُونَ أَرْوَاجَهُمْ﴾ فَقَرَأَ حَتَّى بَلَغَ ﴿إِنْ كَانَ مِنَ الصَّادِقِينَ﴾ فَانصَرَفَ النَّبِيُّ ﷺ فَأَرْسَلَ إِلَيْهَا لَجَاءَ هَلَالَ فَشَهِدَ وَالنَّبِيُّ ﷺ يَقُولُ: ((إِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ أَنَّ أَحَدًا كَمَا كَذَبَ، فَهَلْ مِنْكُمْ نَائِبٌ؟)) ثُمَّ قَامَتْ فَشَهِدَتْ، فَلَمَّا كَانَتْ عِنْدَ الْخَامِسَةِ وَقَفَوْهَا وَقَالُوا: أَلَيْهَا مَوْجِبَةٌ. قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: فَطَلَّكَاتٌ وَنَكَصَتْ حَتَّى ظَنَنَّا أَنَّهَا تَرْجِعُ لَمْ قَالَتْ: لَا أَفْضَحُ قَوْمِي سَائِرَ الْيَوْمِ لِمَضَتْ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: ((أَبْصُرْوهَا، فَإِنِ جَاءَتْ بِهِ أَكْحَلُ الْعَيْنَيْنِ، سَابِغِ الْأَلْبَعِينَ، خَدَّلِجِ السَّالِمِينَ، فَهُوَ لِشَرِيكَ ابْنِ سَحْمَاءَ)). فَجَاءَتْ بِهِ كَذَلِكَ. فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: ((لَوْلَا مَا مَضَى مِنْ كِتَابِ اللَّهِ لَكَانَ لِي وَلِهَا شَانٌ)).

[راجع: ۲۶۷۱]

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت ہلال بن امیہ نے نبی کریم ﷺ کے سامنے اپنی بیوی پر شریک بن سحماء کے ساتھ تہمت لگائی۔ تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ تم گواہ لاؤ، ورنہ تمہاری بیٹیہ پر حد لگائی جائے گی۔ انہوں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! اگر ہم میں سے کوئی اپنی بیوی پر کسی غیر مرد کو جتلا دیکھے تو کیا وہ ایسی حالت میں گواہ تلاش کرنے جائے گا؟

لیکن نبی کریم ﷺ ہی فرماتے رہے کہ گواہ لاؤ، ورنہ تمہاری پیٹھ پر حد جاری کی جائے گی، اس پر حضرت ہلال ﷺ نے عرض کیا قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ یعنی نبوت دے کر بھیجا، میں بلاشبہ سچا ہوں اور اللہ ﷻ ضرور کوئی ایسا حکم نازل فرمائیں گے جس کے ذریعہ میری پیٹھ کو حد سے بری کر دے گا۔

پھر حضرت جبریل امین ﷺ تشریف لائے اور حضور اقدس ﷺ پر یہ آیت نازل فرمائی ﴿وَالَّذِينَ يَزْمُونَ اٰرۡوَاجَهُمْ﴾ حضور اقدس ﷺ نے یہ آیات تلاوت فرمائیں یہاں تک کہ اس پر پہنچ گئے ﴿اِنَّ كَانَ مِنَ الصّٰدِقِیۡنَ﴾۔

پھر نبی کریم ﷺ لوٹے اور ان کی زوجہ کو بلا بھیجا، پھر حضرت ہلال ﷺ آئے اور آیت کے مطابق چار مرتبہ شہادت دی اور نبی کریم ﷺ اس موقع پر فرما رہے تھے کہ اللہ ﷻ خوب جانتا ہے کہ تم میں سے ایک ضرور جھوٹا ہے، تو کیا تم دونوں میں سے کوئی جو اللہ ﷻ کے عذاب سے ڈرے اور توبہ کرے؟

اسکے بعد عورت کھڑی ہوئی اور اس نے بھی شہادت دی، پھر جب پانچویں پر پہنچی (تو لوگوں نے عورت کو سمجھایا کہ دیکھو یہ آخری شہادت ہے اور خدا کا عذاب لوگوں کی سزا یعنی حد زنا سے سخت تر ہے، اس لئے اللہ ﷻ سے ڈرو اور سچی بات کہو) اور لوگوں نے کہا کہ یہ پانچویں شہادت اگر جھوٹی ہوئی تو تو موجب عذاب ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ اس پر وہ عورت ہچکچائی اور رک گئی، ہم نے سمجھا کہ اب وہ اپنا بیان واپس لے لے گی، لیکن پھر یہ کہتے ہوئے کہ میں زندگی بھر کیلئے اپنی قوم کو رسوا نہیں کروں گی پانچویں بار بھی قسم کھالی۔

پھر نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ دیکھنا اگر بچہ خوب سیاہ آنکھوں والا، بھاری سرین، موٹی پنڈلیوں والا پیدا ہو تو وہ شریک بن سماء ہی کا ہوگا، چنانچہ بچہ اسی شکل و صورت کا پیدا ہوا، تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا اگر کتاب اللہ کا حکم نہ آچکا ہوتا تو میں اس عورت پر حکم جاری کرتا (یعنی سزا جرم دیتا)۔

(۴) باب قولہ: ﴿وَالْعَامِسَةَ اَنَّ غَضَبَ اللّٰهِ عَلَيْهَا اِنْ كَانَ مِنَ الصّٰدِقِیۡنَ﴾ [۱۹]

اس ارشاد کا بیان: ”اور پانچویں مرتبہ یہ ہے کہ: اگر وہ سچا ہو تو مجھ پر اللہ کا غضب نازل ہو۔“

۴۷۴۸ - حدیثی مقدم بن محمد بن یحییٰ: حدیثنا عنی القاسم بن یحییٰ، عن

عبد اللہ وقد سمع منه، عن نافع، عن ابن عمر رضی اللہ عنہما: ان رجلا رمی امراته فالتھی من ولدھا فی زمن رسول اللہ ﷺ فامر بہما رسول اللہ ﷺ فتلعاہما کما قال اللہ لم قضی

بالولد للمرأة و فرّق بين المتلاعنين. [أنظر: ۵۳۰۶، ۵۳۱۳، ۵۳۱۴، ۵۳۱۵، ۶۷۴۸] ج
ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں ایک آدمی نے اپنی
بیوی پر زنا کی تہمت لگائی اور اسکے حمل کے متعلق کہا کہ یہ میرا نطفہ نہیں ہے، تو رسول اللہ ﷺ نے ان کے درمیان
لعان کا حکم دیا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کا حکم دیا ہے، دونوں نے لعان کیا اس کے بعد بچہ عورت کو دلا دیا اور شوہر
دیوی میں تفریق کرادی۔

(۵) باب قوله: ﴿إِنَّ الدِّينَ جَاؤُا بِالْإِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنْكُمْ﴾ الآية [۱۱]

اس ارشاد کا بیان: ”یقین جانو کہ جو لوگ یہ جھوٹی تہمت گمڑ کر لائے ہیں، وہ تمہارے اندر ہی
کا ایک ٹولہ ہے۔“

الفاک: کذاب.

۳۷۴۹ - حدثنا أبو النعیم: حدثنا سفیان عن معمر، عن الزهري، عن عروة، عن
عائشة رضي الله عنها ﴿وَالَّذِي تَوَلَّى كِبْرَهُ﴾ قالت: عبد الله بن أبي بن سلول. [راجع:
۲۵۹۳]

ج رقی صحیح مسلم، کتاب الطلاق، باب القضاء عدة المتوفى عنها زوجها وغيرها بوضع الحمل، رقم: ۱۴۹۳،
۱۴۹۴، وسنن أبي داود، کتاب الطلاق، باب فی اللعان، رقم: ۲۲۵۷، ۲۲۵۸، ۲۲۵۹، وسنن الترمذی، أبواب
الطلاق واللعان، باب ماجاء فی اللعان، رقم: ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، وأبواب التفسیر القرآن، باب ومن سورة النور، رقم:
۳۱۷۸، وسنن النسائی، کتاب الطلاق، باب عظمة الامام الرجل والمرأة عند اللعان، رقم: ۳۳۷۳، وباب الطريق بين
المتلاعنين، رقم: ۳۳۷۴، وباب استعابة المتلاعنين بعد اللعان، رقم: ۳۳۷۵، وباب اجتماع المتلاعنين، رقم:
۳۳۷۶، وباب لیس الولد باللعان والحالة بامه، رقم: ۳۳۷۷، وسنن ابن ماجه، کتاب الطلاق، باب اللعان، رقم:
۲۰۶۹، وموطأ مالك، کتاب الطلاق، باب ماجاء فی اللعان، رقم: ۳۵، ومسند أحمد، مسند المكفرين من الصحابة،
مسند عبدالله بن عمر رضي الله عنهما، رقم: ۳۳۷۷، ۳۵۲۲، ۳۶۰۳، ۳۶۹۳، ۳۹۳۵، ۳۹۵۳، ۵۰۰۹، ۵۲۰۲،
۵۳۱۲، ۵۳۰۰، ۶۰۹۸، وسنن الدارمی، ومن کتاب النکاح، باب فی اللعان، رقم: ۲۲۷۷، ۲۲۷۸، ومن کتاب
الفرائض، باب فی ميراث ابن الملاعة، رقم: ۳۰۰۷

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ﴿وَالَّذِي تَوَلَّى كِبْرَهُ﴾ اس آیت میں جس آدمی کا ذکر ہے وہ عبد اللہ بن ابی اسلول ہے۔

تشریح

روایات کثیرہ میں تصریح ہے کہ یہی شخص لوگوں کو جمع کرتا اور ابھارتا اور نہایت چالاکی سے خود دامن بچا کر دوسروں سے اس کی اشاعت کرایا کرتا تھا، اس کیلئے آخرت میں بڑا عذاب ہے ہی، دنیا میں بھی ملعون خوب ذلیل و رسوا ہوا اور قیامت تک اسی ذلت و خواری سے یاد کیا جائے گا۔

(۶) باب: ﴿لَوْلَا إِذْ سَمِعْتُمُوهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بِأَنْفُسِهِمْ خَيْرًا﴾

الی قولہ: ﴿الْكَاذِبُونَ﴾ [۱۲-۱۳]

باب: ”جس وقت تم لوگوں نے یہ بات سنی تھی، تو ایسا کیوں نہ ہوا کہ مؤمن مرد بھی اور مؤمن عورتیں بھی اپنے بارے میں نیک گمان رکھتے۔“ اس آیت کے آخر تک ”وہی جھوٹے ہیں۔“

۴۷۵۰۔ حدیثنا یحییٰ بن بکیر: حدیثنا اللیث، عن یونس، عن ابن شہاب قال: أخبرنی عروة بن الزبیر، وسعید بن المسیب، وعلقمة بن وقاص، وعبد اللہ بن عبد اللہ بن عتبة بن مسعود، عن حدیث عائشة رضی اللہ عنہا زوج النبی ﷺ حین قال لها أهل الإفک ما قالوا، فبرأها الله مما قالوا، وكل حدیثی طائفة من الحدیث. وبعض حدیثهم یصدق بعضها، وإن كان بعضهم أوعى له من بعض. الذی حدیثی عروة، عن عائشة: أن عائشة رضی اللہ عنہا زوج النبی ﷺ قالت: كان رسول الله ﷺ إذا أراد أن ینخرج أقرع بین أزواجه فأتین ینخرج سهمها ینخرج بها رسول الله ﷺ معه. قالت عائشة: فأقرع بیننا فی غزوة غزاها فخرج سهمی، فخرجت مع رسول الله ﷺ بعد ما نزل الحجاب فأنا أحمل فی هودجه وأنزل فیہ. فسروا حتی إذا فرغ رسول الله ﷺ من غزوة تلك وقلل ودنونا من المدینة قافلین، آذن لیلۃ بالرحیل فقمنا آذینا بالرحیل فمشیت حتی جاوزت الجیش فلما قضیت شأنی أقلت إلى رحلی فإذا عقد لی من جزع أظفار فقد انقطع فالتعمست عقدی وحسنتی ابتغازه. والبل الرهط الذین كانوا یرحلون لی فاحتملوا هودجی فرحلوه

على بعيرى الذين كنت ركبت وهم يحسبون انى فيه. وكان النساء إذ ذاك خفافا لم ينقلهن اللحم بما يأكلن العلفه من الطعام فلم يستنكر القوم خفة اليهود حين رفعوه، وكنت جارية حديثة السن، فبعثوا الجمل وساروا، فوجدت عقدي بعدما استمر الجيش فجنحت منازلهم وليس بها داع ولا مجيب فأمرت منزلى الذى كنت به وظننت أنهم سيفقدونى فيرجعون الىّ. فبينما أنا جالسة فى منزلى غلبتنى عينى فتمت. وكان صفوان بن المعطل السلمى ثم الذكوانى من وراء الجيش فأدلىج فأصبح عند منزلى فرأى سواد السان نائم، فأتانى لعرفنى حين رأتى، وكان يرانى قبل الحجاب، فاستيقظت باسترجاعه حين عرفنى فخنموت وجهى بجلبابى، والله ما كلمنى كلمة ولا سمعت منه كلمة غير استرجاعه حتى أناخ راحلته فوطئ على يديها فركبتها، فانطلق يقود بهى الراحلة حتى أتينا الجيش بعد ما نزلوا موغرين فى نحر الظهيرة، فهلك من هلك. وكان الذى تولى الإلك عبدالله بن أبى ابن سلول. فقدمنا المدينة فاشتكيت حين قدمت شهراً والناس يلبضون فى قول أصحاب الإلك ولا أشعر بشئ من ذلك وهو يربىنى فى وجمى انى لأعرف من رسول الله ﷺ اللطف الذى كنت ارى منه حين اشتكى، إنما يدخل على رسول الله ﷺ فيسلم ثم يقول: ((كيف تيكم؟)) ثم ينصرف فذاك الذى يربىنى ولا أشعر بالشر حتى خرجت بعدما نفهت فخرجت معى أم مسطح قبل المناصع وهو متبرزنا وكنا لا نخرج إلا ليلاً الى ليل وذلك قبل أن نتخذ الكنف قريباً من بيوتنا، وأمرنا أمر العرب الأول فى التبرز قبل الفائط، فكنا نتأذى بالكنف أن نتخذها عند بيوتنا، فانطلقت أنا وأم مسطح، وهى ابنة أبى رهم بن عبدمناف، وأمها بنت صخر ابن عامر خالة أبى بكر الصديق، وابنها مسطح بن أنالة فاقبلت أنا وأم مسطح، قبل بيتى وقد فرغنا من شأننا فعبرت أم مسطح فى مرطها فقالت: تعس مسطح، فقلت لها: بئس ما قلت، أتسيين رجلاً شهد بدر؟ قالت: أى هتاه، أولم تسمى ما قال؟ قالت: قلت: وما قال؟ قالت فأخبرتني بقول أهل الإلك فارددت مرضاً على مرضى، قالت فلما رجعت الى بيتى ودخل على رسول الله ﷺ - تعنى سلم - ثم قال: ((كيف تيكم؟)) فقلت: أناذن لى أن آتى أبوى؟ قالت: وأنا حينئذ أريد أن أستيقن الخبر من قبلهما، قالت: فأذن لى رسول الله ﷺ فجنحت أبوى فقلت لأمى: يا أمناه، ما يتحدث الناس؟ قالت: يا بنية هولى عليك، فوالله لقلما كانت امرأة قط وضية عند رجل يحبها ولها ضرائر إلا أكثرن عليها. قالت: فقلت: سبحان الله،

اولقد تحدث الناس بهذا؟ قالت: فبكيت تلك الليلة حتى أصبحت لا يرقأ لي دمع ولا أكتحل بنوم حتى أصبحت أبكى. فدعا رسول الله ﷺ على ابن أبي طالب وأسامة بن زيد رضي الله عنهما حين استلبت الوحي يستأمرهما في فراق أهله. قالت: فأما أسامة بن زيد فأشار على رسول الله ﷺ بالذي يعلم من براءة أهله، وبالذي يعلم لهم في نفسه من الود، فقال: يا رسول الله، أهلك وما تعلم إلا خيراً، وأما علي بن أبي طالب فقال: يا رسول الله، لم يضيق الله عليك والنساء سواها كثير، وإن تسأل الجارية تصد لك. قالت: فدعا رسول الله ﷺ بريرة: فقال: ((أي بريرة هل رأيت من شيء يريبك؟)) قالت بريرة: لا والذي بعثك بالحق، إن رأيت عليها أمراً أغمضه عليها سوى أنها جارية حديثة السن تنام عن عجين أهلها فتأني الداجن فتأكله. فقام رسول الله ﷺ فاستعذر يومئذ من عبد الله بن أبي ابن سلول. قالت: فقال رسول الله ﷺ وهو على المنبر: ((يا معشر المسلمين، من يعذرني من رجل قد بلغني أذاه في أهل بيتي؟ فوالله ما علمت على أهلي إلا خيراً، ولقد ذكروا رجلاً ما علمت عليه إلا خيراً، وما كان يدخل على أهله إلا معي)). فقام سعد بن معاذ الأنصاري فقال: يا رسول الله أنا أعدرك منه، إن كان من الأوس ضربنا عنقه، وإن كان من اخواننا من الخزرج أمرتنا لفعلنا أمراك. قالت: فقام سعد بن عبادة وهو سيد الخزرج، وكان قبل ذلك رجلاً صالحاً ولكن احتمله الحمية فقال لسعد: كذبت، لعمر الله لا تقعله ولا تقدر على قتله. فقام أسيد بن حضير وهو ابن عم سعد فقال لسعد بن عبادة: كذبت لعمر الله لنفعلنه فإلك منافق تجادل عن المنافقين. فتناور الحيمان الأوس والخزرج حتى هموا أن يقتتلوا ورسول الله ﷺ قائم على المنبر. فلم يزل رسول الله ﷺ يخفضهم حتى سكتوا وسكت. قالت: فمكثت يومئذ لا يرقأ لي دمع ولا أكتحل بنوم. قالت: فأصبح أهرأى عندي وقد بكيت ليلتين ويوماً، لا أكتحل بنوم ولا يرقأ لي دمع، يظنان أن الهكاء فالق كبدي. قالت: فبينما هما جالسان عندي وأنا أبكى فاستأذنت علي امرأة من الأنصار، فأذلت لها. فجلست تبكي معي، قالت: فبينما نحن على ذلك دخل علينا رسول الله ﷺ فسلم ثم جلس. قالت: ولم يجلس عندي منذ قبل ما قبل قبلها. وقد لبث شهراً لا يوحى إليه في شأني، قالت: فشهد رسول الله ﷺ حين جلس، ثم قال: ((أما بعد، يا عائشة فإنه قد بلغني عنك كذا وكذا، فإن كنت بريئة فسيبرئك الله، وإن كنت ألممت بذنب فاستغفري الله وتوبى إليه. فإن العبد إذا اعترف بذنبه ثم تاب إلى الله تاب

الله عليه)). قالت: فلما قضى رسول الله ﷺ مقالته قلص دمعى حتى ما أحس منه فطرة، فقلت لأبى: أجب رسول الله ﷺ فيما قال. قال: والله ما أدرى ما أقول لرسول الله ﷺ، فقلت لأمى: أجبى رسول الله ﷺ، قالت: مادرى ما أقول لرسول الله ﷺ، قالت: قلت وأنا جارية حديثه السن لا أقرأ كثيراً من القرآن: إني والله لقد علمت لقد سمعتهم هذا الحديث حتى استقر في أفئسكم وصدقتم به، فلئن قلت لكم: إني بريئة، والله يعلم أنى بريئة، لا تصدقوننى بذلك. ولئن اعترفت لكم بأمر والله يعلم أنى منه بريئة لتصدقنى، والله ما أجد لكم معلاً إلا قول أبى يوسف قال: ﴿فَصَبْرٌ جَمِيلٌ وَاللَّهُ الْمُسْتَعَانُ عَلَى مَا تَصِفُونَ﴾ قالت: ثم تحولت فاضطجعت على فراشى. قالت: وأنا حينئذ أعلم أنى بريئة، وإن الله مبرئى ببراءتى. ولكن والله ما كنت أظن أن الله منزل فى شأنى وحيا يتلى، ولشأنى فى نفسى كان أحقر من أن يتكلم الله فى بأمر يتلى، ولكن كنت أرجو أن يرى رسول الله ﷺ فى النوم رؤيا يبرئنى الله بها. قالت: فوالله ما رام رسول الله ﷺ ولا خرج أحد من أهل البيت حتى أنزل عليه فأخذه ما كان يأخذ من البرحاء، حتى إنه ليتحدر منه مثل الجمان من العرق، وهو فى يوم فوات من ثقل القول الذى ينزل عليه. قالت: فلما سرى عن رسول الله ﷺ سرى عنه وهو يضحك، فكان أول كلمة تكلم بها: ((يا عائشة، أما الله عز وجل فقد برك)). فقالت أمى: قومى إليه، قالت: فقلت: والله لا ألوم إليه ولا أحمده إلا الله عز وجل. وأنزل الله عز وجل ﴿إِنَّ الَّذِينَ جَاءُوا بِالْإِلْكِ غُصْبَةً مِنْكُمْ لَا تَحْسَبُوهُ﴾ العشر الآيات كلها، فلما أنزل الله فى براءتى قال أبو بكر الصديق ؓ وكان ينفق على مسطح بن اثالة لقرابته منه وفقره: والله لا أنفق على مسطح شيئاً أبداً بعد الذى قال لعائشة ما قال. فأنزل الله ﴿وَلَا يَأْتَلِ أُولُو الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ أَنْ يُؤْتُوا أُولَى الْقُرْبَىٰ وَالْمَسَاكِينَ وَالْمُهَاجِرِينَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ، وَلِيُغْفِرُوا لِيُغْفَرُوا لِيُغْفَرُوا إِلَّا تُحِبُّونَ أَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ﴾ قال أبو بكر: بلى والله إلى أحب أن يغفر الله لى، فارجع إلى مسطح النفقة التى كان ينفق عليه. وقال: والله لا أنزعها منه أبداً. قالت عائشة: وكان رسول الله ﷺ يسأل زينب ابنة جحش عن أمرى، فقال: ((يا زينب ما ذا علمت أورايت؟)) فقالت: يا رسول الله، أحمى سمعى وبصرى، ما علمت إلا عميراً. قالت: وهى التى كانت تسامىنى من أزواج رسول الله ﷺ لعصمها الله بالورع. وطلقت أختها حمزة تحارب لها فهلكت فيمن هلك من أصحاب الإللك. [راجع: ۲۵۹۳]

ترجمہ: عبد العزیز بن عبد اللہ، ابراہیم بن سعد، صالح بن کیسان، ابن شہاب سے روایت کرتے ہیں انہوں نے کہا کہ مجھ سے عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سعید بن مسیب، علقمہ بن وقاص، عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ بن مسعود نے حدیث بیان کی کہ ان چاروں نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا زوجہ محترمہ آنحضرت ﷺ کے خلاف اس تہمت کا قصہ بیان کیا، ان میں سے ہر ایک اس حدیث کا ایک ایک ٹکڑا روایت کرتے ہیں، اور بعض کو بعض سے یہ حدیث زیادہ یاد تھی، بیان کرنے میں بہت صحیح تھے، میں نے ہر ایک کی حدیث جو انہوں نے مجھ سے بیان کی یاد رکھی ہے۔ اگرچہ ان میں سے بعض حضرات کو بعض دوسرے کے مقابلے میں حدیث زیادہ بہتر طریقہ پر محفوظ تھی یعنی اختلاف حفظ کے باوجود سب کا بیان یکساں متحد تھا۔

مجھ سے عروہ بن زبیر نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حوالہ سے اس طرح بیان کیا کہ نبی اکرم ﷺ کی زوجہ مطہرہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ جب رسول اللہ ﷺ سفر کا ارادہ کرتے تو اپنی ازواج میں سے کسی کو اپنے ساتھ لے جانے کے لئے قرعہ اندازی کرتے، جن کا نام نکل جاتا انہیں اپنے ساتھ لے جاتے۔ آپ نے بیان کیا کہ ایک غزوہ یعنی غزوہ بنی المصطلق کے موقع پر ہمارے درمیان قرعہ ڈالا گیا، تو میرا نام نکلا پھر میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ روانہ ہوئی، یہ واقعہ پردہ کے حکم کے نازل ہونے کے بعد کا ہے، مجھے ہودج سمیت اونٹ پر چڑھا دیا جاتا تھا اور اسی طرح یعنی ہودج سمیت اونٹ پر سے اتار لیا جاتا تھا، یوں ہمارا سفر جاری رہا، پھر جب رسول اللہ ﷺ اپنے اس غزوہ سے فارغ ہو کر واپس لوٹے اور ہم مدینہ کے قریب پہنچ گئے تو ایک رات کوچ کا حکم ہوا تو جس وقت کوچ کا اعلان ہوا میں اٹھی اور قضاء حاجت کے لئے چل پڑی، یہاں تک لشکر کے پڑاؤ سے دور نکل گئی، اور قضاء حاجت کے بعد اپنے کجاوے کے پاس آئی تو دیکھا کہ میرا ظفار کے موتیوں کا بنا ہوا ہار کہیں راستہ میں گر گیا ہے، میں اپنا ہار تلاش کرنے لگی اور اس میں اتنا محو ہو گئی کہ کوچ کا خیال ہی نہ رہا۔ اتنے میں جو لوگ میرے ہودج کو سوار کیا کرتے تھے آئے اور میرے ہودج کو اٹھا کر اس اونٹ پر رکھ دیا جو میری سواری کے لئے تھا، انہوں نے یہی سمجھا کہ میں اس میں بیٹھی ہوئی ہوں۔ ان دنوں عورتیں بہت ہلکی پھلکی ہوتی تھیں، گوشت سے ان کا جسم بھاری نہیں ہوتا تھا، کیونکہ کھانے پینے کو بہت کم ملتا تھا، یہی وجہ تھی کہ جب لوگوں نے ہودج کو اٹھایا تو اس کے ہلکے پن میں انہیں کوئی اجنبیت نہیں محسوس ہوئی اور میں اس وقت یوں بھی کم عمر لڑکی تھی، چنانچہ ان لوگوں نے اس اونٹ کو اٹھایا اور چل پڑے۔

مجھے ہار اس وقت ملا جب لشکر گذر چکا تھا، میں جب لشکر کے ٹھکانوں پر پہنچی تو وہاں نہ کوئی پکارنے والا تھا اور نہ کوئی جواب دینے والا، میں نے اپنی جگہ کا قصد کیا جہاں میں تھی، مجھے یقین تھا کہ جلد ہی انہیں میرے نہ ہونے کا علم ہو جائے گا اور پھر وہ لوگ مجھے تلاش کرنے کے لئے یہاں آئیں گے، میں اپنی جگہ پر بیٹھی ہوئی تھی کہ میری آنکھ لگ گئی اور میں سو گئی۔

صفوان بن معطل سلمیٰ ثم ذکوانی لشکر کے پیچھے پیچھے گرے پڑے کی خبر گیری کے لئے مقرر تھے، وہ رات کے آخری حصہ میں آرہے تھے جب میرے مقام پر پہنچے تو صبح ہو چکی تھی، انہوں نے دور سے ایک انسانی سایہ دیکھا کہ پڑا ہوا ہے، وہ میرے قریب آئے اور مجھے دیکھتے ہی پہچان گئے۔ پردہ کے حکم سے پہلے انہوں نے مجھے ریکھا تھا، جب وہ پہچان گئے تو ”انا لله وانا الیہ راجعون“ پڑھنے لگے، میں ان کی آواز پر جاگ گئی اور اپنا چہرہ اپنی چادر سے چھپالیا، خدا کی قسم اس کے بعد انہوں نے نہ ایک لفظ بھی کہا اور نہ میں نے ”انا لله وانا الیہ راجعون“ کے سوا ان کی زبان سے کوئی کلمہ سنا۔ اس کے بعد انہوں نے اپنی اونٹ کو بٹھادیا، اور اس کے پاؤں کو اپنے پاؤں سے دبائے رکھا تا کہ میں سوار ہو سکوں، چنانچہ میں اس پر سوار ہو گئی پھر وہ خود پیدل اونٹ کو آگے سے کھینچتے ہوئے چلے، ہم لشکر سے اس وقت ملے جب وہ بھری دوپہر میں دھوپ سے بچنے کیلئے پڑاؤ ڈالے ہوئے تھے، اس کے بعد جسے ہلاک ہونا تھا وہ ہلاک ہوا۔ اس تہمت میں پیش پیش عبد اللہ بن ابی بن سلول منافق تھا۔

میں مدینہ پہنچ کر بیمار پڑ گئی اور ایک مہینہ تک بیمار رہی، اس عرصہ میں لوگوں میں تہمت لگانے والوں کی باتوں کا بڑا چرچا رہا، لیکن مجھے اس تہمت کے متعلق کوئی خبر نہ ہوئی، صرف ایک معاملہ سے مجھے شبہ ہوتا تھا کہ میں اپنی اس بیماری میں رسول اللہ ﷺ کی طرف سے اس لطف و محبت کا اظہار نہیں دیکھتی تھی، جو سابقہ علالت کے دنوں میں دیکھ چکی تھی، رسول اللہ ﷺ میرے پاس تشریف لاتے اور سلام کرتے، صرف اتنا پوچھ لیتے کہ کیا حال ہے؟ پھر واپس چلے جاتے، آنحضرت ﷺ کے اس طرز عمل سے مجھے شبہ ہوتا تھا، لیکن طوفان بد کی مجھے کوئی خبر نہیں۔

ایک دن بیماری سے افاقہ کے بعد جب کہ کمزوری باقی تھی تو میں باہر نکلی، اور میرے ساتھ ام مسطح بھی نکلی، ہم مناصح کی طرف گئے، قضاء حاجت کے لئے ہم لوگ وہیں جایا کرتے تھے ہم لوگ صرف رات ہی کو جایا کرتے تھے اور یہ مناصح کی طرف جانا اس سے قبل کی بات ہے کہ ہمارے گھروں کے قریب بیت الخلاء نہیں بنے تھے، اس وقت ہم قدیم عرب کے دستور کے مطابق قضائے حاجت کے لئے آبادی سے دور جایا کرتے تھے، اس سے ہمیں تکلیف ہوتی تھی کہ بیت الخلاء ہمارے گھروں کے قریب بنائیں جائیں۔

خیر میں اور ام مسطح قضاء حاجت کے لئے روانہ ہوئے وہ ابو رہم بن عبد مناف کی صاحبزادی تھیں اور اس کی ماں رائظ نامی صحرا بن عامر کی بیٹی تھیں، جو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خالہ تھیں، ان کا صاحبزادہ مسطح بن اثاثہ ہیں، میں اور ام مسطح قضاء حاجت کے بعد جب گھر واپس آنے لگے تو ام مسطح کا پاؤں انہی کی چادر میں الجھ کر پھسل گیا، اس پر ان کی زبان سے نکلا ”مسطح برباد ہو“۔

تو میں نے کہا آپ نے بری بات کہی، کیا آپ ایسے شخص کو برا کہتی ہیں جو غزوہ بدر میں شریک رہا ہے؟ انہوں نے کہا واہ اس کی بات آپ نے نہیں سنی؟ میں نے پوچھا انہوں نے کیا کہا؟ پھر انہوں نے مجھے تہمت والوں کی بات بتائیں، میں پہلے سے بیمار تھی ہی ان باتوں کو سن کر میرا مرض اور بڑھ گیا، پھر جب میں گھر پہنچی اور

رسول اللہ ﷺ اندر تشریف لائے تو آپ نے سلام کیا اور دریافت فرمایا کہ طہیعت کیسی ہے؟ میں نے عرض کیا کہ کیا آپ مجھے اپنے والدین کے گھر جانے کی اجازت دیں گے؟ اور میرا مقصد والدین کے یہاں جانے سے صرف یہ تھا کہ اس خبر کی حقیقت ان سے پوری طرح معلوم ہو جائے گی۔ نبی کریم ﷺ نے مجھے جانے کی اجازت دیدی اور میں اپنے والدین کے گھر آگئی۔

میں نے والدہ سے پوچھا کہ یہ لوگ کس طرح کی باتیں کر رہے ہیں؟ انہوں نے فرمایا بیٹی صبر کرو کم ہی کوئی ایسی حسین و جمیل عورت کسی ایسے مرد کے نکاح میں ہوگی جو اس سے محبت رکھتا ہو اور اس کی سونکھیں بھی ہوں اور پھر بھی وہ اس طرح نچا دکھانے کی کوشش نہ کریں۔ اس پر میں نے کہا سبحان اللہ! کیا اس طرح کا چرچا لوگوں نے کر دیا؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ اس کے بعد میں رونے لگی، اور رات بھر روتی رہی، صبح ہوگئی، لیکن میرے آنسو نہیں تھمتے تھے، اور نہ نیند کا آنکھوں میں نام و نشان تھا، صبح ہوگئی اور میں روتے جا رہی تھی۔

اسی عرصہ میں رسول اللہ ﷺ نے علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کو بلایا، کیونکہ اس معاملہ پر کوئی وحی نازل نہیں ہوئی تھی، آپ ﷺ ان سے میرے چھوڑ دینے کے لئے مشورہ لینا چاہتے تھے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما نے تو حضور ﷺ کو اسی کے مطابق مشورہ دیا جس کا انہیں علم تھا کہ آپ ﷺ کی اہلیہ اس تہمت سے بری ہیں۔ اس کے علاوہ وہ یہ بھی جانتے تھے کہ آنحضرت ﷺ کو ان سے کتنا تعلق خاطر ہے، اور عرض کیا یا رسول اللہ! آپ کی اہلیہ کے بارے میں خیر و بھلائی کے سوا اور ہمیں کسی چیز کا علم نہیں۔ البتہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آپ کے غم و فکر کو دیکھ کر آپ کی تسلی کے لئے کہا یا رسول اللہ! اللہ ﷻ نے آپ پر کوئی تنگی نہیں کی ہے عورتیں ان کے سوا اور بھی بہت ہیں اور اگر آپ خادمہ بریرہ سے دریافت فرمائیں تو آپ کو سچ سچ حالت بتا دے گی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ پھر رسول اللہ ﷺ نے بریرہ کو بلایا اور دریافت فرمایا بریرہ! کیا تم نے کوئی ایسی چیز دیکھی ہے جس سے تم کو شبہ گذرا ہو؟ بریرہ نے عرض کیا نہیں، حضور! قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے، میں نے ان میں کوئی ایسی بات نہیں پائی جس پر میں عیب لگا سکوں، ہاں ایک بات ضرور ہے کہ وہ کم عمر لڑکی ہیں اپنے گھر والوں کے آٹا گوندھ کر سو جاتی ہے اتنے میں بکری آتی ہے اور کھا جاتی ہے۔

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کھڑے ہوئے اس روز آپ نے عبد اللہ بن ابی بن سلول کے مقابلہ مدد چاہی، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے منبر پر کھڑے ہو کر فرمایا اے مسلمانوں کے گروہ! ایک ایسے شخص کے بارے میں کون میری مدد کرتا ہے جس کی اذیت رسا نے اب میرے گھر تک پہنچ گئی ہے، خدا کی قسم میں اپنی اہلیہ کے بارے میں خیر کے سوا کچھ نہیں جانتا ہوں، اور یہ لوگ جس مرد کا نام لے رہے ہیں، ان

کے بارے میں بھی خیر کے سوا اور کچھ نہیں جانتا، وہ جب بھی میرے گھر گئے ہیں تو میرے ساتھ ہی گئے ہیں۔ اس پر حضرت سعد بن معاذ انصاری رضی اللہ عنہ قبیلہ اوس کے سردار اٹھے اور کہا یا رسول اللہ! اس شخص کے مقابل میں آپ کی مدد کروں گا، اگر وہ شخص قبیلہ اوس سے تعلق رکھتا ہے تو میں اس کی گردن اڑا دوں گا، اور اگر ہمارے بھائیوں یعنی خزرج کا ہے تو آپ ہمیں حکم دیں ہم حکم کی تعمیل کریں گے۔

راوی نے بیان کیا کہ اس کے بعد حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کھڑے ہو گئے وہ قبیلہ خزرج کے سردار تھے، اس سے پہلے وہ مرد صالح تھے، لیکن آج ان پر قومی حمیت غالب آگئی تھی، عبد اللہ بن ابی ابن سلول منافق ان ہی کے قبیلہ یعنی قبیلہ خزرج سے تعلق رکھتا تھا، انہوں نے سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ سے کہا اللہ کی قسم! تم نے جھوٹ کہا ہے، تم اسے قتل نہیں کر سکتے، تم میں اس کی قتل کی طاقت بھی نہیں ہے۔

پھر حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے، اور آپ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے چچا زاد بھائی تھے، آپ نے سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ سے کہا، خدا کی قسم! تم جھوٹے ہو، ہم اسے ضرور قتل کریں گے، تم منافق ہو، منافقوں کی طرف داری میں لڑتے ہو، اتنے میں دونوں قبیلے اٹھ کھڑے ہوئے اور نوبت آپس میں ہی قتل و قتال پہنچ گئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر کھڑے تھے، آپ لوگوں کو خاموش کرنے لگے، آخر سب لوگ چپ ہو گئے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی خاموش ہو گئے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ میں اس دن بھی برابر روتی رہی نہ آنسو تھمتا تھا اور نہ نیند آتی تھی، حضرت عائشہ نے بیان کیا جب دوسری صبح ہوئی تو میرے والدین میرے پاس موجود تھے، دو راتیں اور ایک دن مسلسل روتے ہوئے گذر گیا تھا، اس عرصہ نہ مجھے نیند آئی تھی اور نہ آنسو تھمتے تھے، والدین سوچنے لگے کہ روتے روتے میرا کلیجہ پھٹ جائے گا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ ابھی وہ دونوں میرے پاس ہی بیٹھے ہوئے تھے اور میں روئے جا رہی تھی کہ قبیلہ انصاری کی ایک خاتون نے اندر آنے کی اجازت چاہی میں نے انہیں اندر آنے کی اجازت دیدی، پھر وہ بھی میرے ساتھ بیٹھ کر رونے لگی، ہم لوگ اس حال میں تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اندر تشریف لائے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام کیا اور بیٹھ گئے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ جب سے مجھ پر تہمت لگائی گئی تھی اس وقت سے اب تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس نہیں بیٹھے تھے، آپ نے ایک مہینہ اس معاملہ میں انتظار کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر میرے معاملہ میں کوئی وحی نازل نہیں ہوئی تھی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بیان کیا کہ بیٹھنے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ پڑھا پھر فرمایا، اما بعد! اے عائشہ! تمہارے بارے میں مجھے اس طرح کی خبریں پہنچیں ہیں پس اگر تم بری ہو تو اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمہاری

برأت خود کرے گا، لیکن اگر تم سے غلطی سے کوئی گناہ ہو گیا ہے تو اللہ ﷻ سے استغفار کرو اور اس کی بارگاہ میں توبہ کرو، کیونکہ بندہ جب اپنے گناہ کا اقرار کر لیتا ہے، پھر اللہ ﷻ سے توبہ کر لیتا ہے تو اللہ ﷻ اس کی توبہ قبول کر لیتا ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ جب رسول اللہ ﷺ اپنی گفتگو ختم کر چکے تو یکبارگی میرے آنسو اس طرح خشک ہو گئے جیسے ایک قطرہ بھی باقی نہ رہا ہو، میں نے اپنے والد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ میری طرف سے رسول اللہ ﷺ کو جواب دیجئے۔ انہوں نے فرمایا خدا کی قسم! میں نہیں جانتا کہ میں رسول اللہ ﷺ سے اس سلسلے میں کیا کہوں۔ پھر میں نے اپنی والدہ سے کہا کہ نبی کریم ﷺ کی باتوں کا میری طرف سے آپ جواب دیجئے، انہوں نے بھی یہی کہا کہ خدا کی قسم! مجھے نہیں معلوم میں رسول اللہ ﷺ سے کیا عرض کروں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ پھر میں خود ہی بولی، میں اس وقت نو عمر لڑکی تھی، میں نے بہت زیادہ قرآن بھی نہیں پڑھا تھا۔ میں نے عرض کیا خدا کی قسم! میں یہ تو جانتی ہوں کہ ان افواہوں کے متعلق جو کچھ آپ لوگوں نے سنا ہے وہ آپ لوگوں کے دلوں میں جم گیا ہے اور آپ لوگ اسے صحیح سمجھنے لگے ہیں۔ اب اگر میں یہ کہتی ہوں کہ میں ان تہمتوں سے بری ہوں اور اللہ ﷻ خوب جانتا ہے کہ میں واقعی بری ہوں تو آپ لوگ میری باتوں کا یقین نہیں کریں گے، لیکن اگر میں ان تہمتوں کا اقرار کر لوں حالانکہ اللہ ﷻ خوب جانتا ہے میں قطعاً اس سے بری اور پاک ہوں، تو آپ لوگ میری تصدیق کرنے لگیں گے۔

خدا کی قسم! میرے پاس آپ لوگوں کے لئے کوئی مثال نہیں سوائے حضرت یوسف علیہ السلام کے والد کے اس ارشاد کے کہ انہوں نے فرمایا تھا "لصبر جميل، والله المستعان علی ما تصفون" اب صبر ہی بہتر ہے، اور تم جو کچھ بیان کرتے ہو اس پر اللہ ہی مدد کرے گا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ پھر میں نے اپنا رخ دوسری طرف کر لیا اور اپنے بستر پر لیٹ گئی۔

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ مجھے پورا یقین تھا کہ میں بری ہوں اور اللہ ﷻ میری برأت ضرور کرے گا، لیکن خدا کی قسم! مجھے اس کا وہم و گمان بھی نہیں تھا کہ اللہ ﷻ میرے بارے میں ایسی وحی نازل فرمائے گا جس کی تلاوت کی جائے گی، میں اپنی حیثیت اس سے کم تر سمجھتی تھی کہ اللہ ﷻ میرے بارے میں وحی متلو قرآن کی آیت نازل فرمائیں، البتہ مجھے اس کی توقع ضرور تھی کہ رسول اللہ ﷺ کوئی خواب دیکھیں گے اور اللہ ﷻ اس کے ذریعے میری برأت کر دیں گے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ خدا کی قسم! رسول اللہ ﷺ ابھی اپنی مجلس میں تشریف فرما تھے، گھر والوں میں سے کوئی بھی باہر نہ نکلا تھا کہ آپ پر وحی کا نزول شروع ہوا اور وہی کیفیت آپ پر طاری ہوئی جو وحی کے نازل ہوتے ہوئے طاری ہوتی تھی، یعنی آپ پسینے پسینے ہو گئے اور پسینہ موتیوں کی طرح آپ کے جسم

اطہر سے ڈھلنے لگا حالانکہ سردی کے دن تھے، یہ کیفیت آپ ﷺ پر اس وحی کی شدت کی وجہ سے طاری ہوتی تھی، جو آپ پر نازل ہوتی تھی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا جب نبی کریم ﷺ کی کیفیت ختم ہوئی تو آپ تبسم فرما رہے تھے اور سب سے پہلا کلمہ جو آپ کی زبان مبارک سے نکلا یہ تھا کہ عائشہ! اللہ نے تمہیں بری قرار دیا ہے۔ میری والدہ نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ کے سامنے شکر یہ ادا کرنے کیلئے کھڑی ہو جاؤ، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے کہا خدا کی قسم! میں آپ کے سامنے کھڑی نہیں ہوں گی اور اللہ کے سوا اور کسی کی تعریف نہیں کروں گی۔

اللہ ﷻ نے جو آیت نازل کی تھی وہ یہ تھی ﴿إِنَّ الدِّينَ جَاوَابًا بِلِأَنَّكَ غَضَبًا مِنْكُمْ لَا تَحْسَبُوهُ﴾ بیشک جن لوگوں نے تہمت لگائی ہے وہ تم میں سے ایک چھوٹا سا گروہ ہے، مکمل دس آیتوں تک۔

جب اللہ ﷻ نے یہ آیتیں میری برأت میں نازل کر دیں تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ جو مسطح بن اثاثہ کے اخراجات ان سے قرابت اور ان کی محتاجی کی وجہ سے خود اٹھایا کرتے تھے، آپ نے ان کے متعلق فرمایا، خدا کی قسم! اب میں مسطح پر کبھی کچھ بھی خرچ نہیں کروں گا، اس کے بعد کہ اس نے عائشہ پر کیسی تہمت لگائی اور قرابت کا کچھ بھی خیال نہیں کیا، اس پر اللہ ﷻ نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿وَلَا يَأْتَلِ أُولُو الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ أَنْ يُؤْتُوا أُولِي

الْقُرْبَىٰ وَالْمَسَاكِينَ وَالْمُهَاجِرِينَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ، وَلِيَعْفُوا

وَلِيَصْفَحُوا أَلَا تُحِبُّونَ أَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ﴾

”اور جو لوگ تم میں سے بزرگی اور وسعت والے ہیں وہ قرابت والوں

کو اور مسکینوں کو اور اللہ کے راستہ میں ہجرت کرنے والوں کو مدد دینے

سے قسم نہ کھا بیٹھیں چاہئے کہ معاف کرتے رہیں اور درگزر کرتے رہیں

کیا تم یہ نہیں چاہتے کہ اللہ تمہارے قصور معاف کرتا رہے، بیشک اللہ بڑا

مغفرت والا اور بڑا رحمت والا ہے۔“

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہاں خدا کی قسم! میری تو یہی خواہش ہے کہ اللہ ﷻ میری مغفرت فرمادیں، چنانچہ مسطح کو وہ تمام اخراجات دینے لگے جو پہلے دیا کرتے تھے، اور فرمایا کہ خدا کی قسم! اب کبھی ان کا خرچ بند نہیں کروں گا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ اور رسول اللہ ﷺ طوفان کے زمانہ میں ام المؤمنین حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے بھی میرے معاملے میں پوچھا تھا، آپ نے دریافت فرمایا: زینب تم کو کیا معلوم ہے؟ تم نے کبھی کوئی چیز دیکھی ہے؟ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں اپنے کان اور آنکھ کو محفوظ رکھتی ہوں کہ

خلاف واقعہ نسبت کروں میں ان کے متعلق خیر کے سوا کچھ نہیں جانتی ہوں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ ازواج مطہرات میں وہی ایک تھیں جو میرا مقابلہ کرتی تھیں، لیکن اللہ ﷻ نے ان کی پرہیزگاری کی وجہ سے انہیں تہمت لگانے سے محفوظ رکھا، لیکن ان کی بہن حمنہ ان کے لئے لڑی اور تہمت لگانے والوں کے ساتھ وہ بھی ہلاک ہوئیں۔ ۵

(۷) باب قوله: ﴿رَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ

لَمَسَّكُمْ لِنِمَّا أَلْفَضْتُمْ فِيهِ عَذَابٌ عَظِيمٌ﴾ [۱۴]

اس ارشاد کا بیان: ”اور اگر تم پر دُنیا اور آخرت میں اللہ کا فضل اور اُس کی رحمت نہ ہوتی تو جن باتوں میں تم پڑ گئے تھے، اُن کی وجہ سے تم پر اُس وقت سخت عذاب آ پڑتا۔“

وقال مجاهد: ﴿تَلْقَوْنَ﴾: يرويه بعضكم عن بعض. ﴿تَفِيضُونَ﴾: تقولون. ترجمہ: حضرت مجاہد رحمہ اللہ کہتے ہیں ﴿تَلْقَوْنَ﴾ کا مطلب یہ ہے کہ تم میں سے بعض لوگ اس بات کو نقل کرنے لگ گئے۔

۴۷۵۱۔ حدثنا محمد بن كلير: حدثنا سليمان، عن حصين، عن أبي وائل، عن مسروق، عن أم رومان أم عائشة، أنها قالت: رُميت عائشة عورت مفیضا علیها. [راجع: ۳۳۸۸] ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی والدہ ام رومان رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگائی گئی تھی تو وہ بے ہوش ہو کے گر پڑی تھیں۔

(۸) باب: ﴿إِذْ تَلْقَوْنَ بِالسِّنِيعِ كُمْ وَتَقُولُونَ بِأَفْوَاهِكُمْ مَا لَيْسَ لَكُمْ بِهِ عِلْمٌ﴾ [۱۵]

باب: ”جب تم اپنی زبانوں سے اس بات کو ایک دوسرے سے نقل کر رہے تھے، اور اپنے منہ سے وہ بات کہہ رہے تھے جس کا تمہیں کوئی علم نہیں تھا۔“

۵ حدیث الکف کی تفصیل کتاب المغازی میں ملاحظہ فرمائیں: انعام الباری، کتاب المغازی، باب حدیث الافک، ج: ۹،

۴۷۵۲۔ حدثنا ابراہیم بن موسیٰ: حدثنا هشام: ان ابن جریج اخبرہم: قال ابن

ابی ملیکہ: سمعت عائشہ تقرأ ﴿إِذْ تَلْقَوْنَ بِاللَّيْلِ﴾. [راجع: ۳۱۴۳]

ترجمہ: حضرت ابن ملیکہ رحمہ اللہ نے بیان کیا کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ﴿إِذْ تَلْقَوْنَ

بِاللَّيْلِ﴾ پڑھتے ہوئے سنا۔

سکین جرم

کسی محسنہ خصوصاً پیغمبر ﷺ کی زوجہ مطہرہ اور مؤمنین کی روحانی والدہ کو مہتم کرنا، اللہ ﷻ کے نزدیک بہت بڑا سنگین جرم ہے اس کو محض ایک ہلکی اور معمولی بات سمجھنا، یہ اصل جرم سے بھی بڑھ کر جرم تھا۔ اس لئے آیت میں خاص کر ان مسلمانوں کو خطاب فرمایا ہے جو منافقین کی افواہوں سے متاثر ہو کر شریک طوفان ہو گئے تھے، پھر نزول آیات کے بعد تائب ہوئے، مثلاً حضرت حسان بن ثابت، مسطح بن اثاثہ اور منہ بنت جحش، دنیا میں ان بزرگوں پر اللہ ﷻ کا فضل یہ ہوا کہ توبہ کی مہلت ملی اور آخرت کا فضل و کرم یہ کہ توبہ کی توفیق دی اور توبہ قبول بھی کر لیا۔

باب: ﴿وَلَوْلَا إِذْ سَمِعْتُمُوهُ فَلْتُمْ مَا بَكُونُ لَنَا أَنْ نَتَكَلَّمَ بِهَذَا﴾ الآية [۱۶]

باب: ”جس وقت تم لوگوں نے یہ بات سنی تھی، اسی وقت تم نے یہ کیوں نہیں کہا کہ: ہمیں کوئی حق نہیں پہنچتا کہ ہم یہ بات منہ سے نکالیں۔“

مسلمان کے ایمانیت کا تقاضا

یعنی اول تو حسن ظن کا اقتضاء یہ تھا کہ دل میں بھی یہ خیال نہ گذرنے پائے، لیکن اگر شیطانی اغواء سے فرض کیجئے کسی کے دل میں کوئی برا دوسوہ گذرے تو پھر یہ جائز نہیں کہ ایسی ناپاک بات زبان پر لائی جائے۔ چاہئے کہ اس وقت مؤمن اپنی حیثیت اور دیانت کو ملحوظ رکھے اور صاف کہہ دے کہ ایسی بے سرو پا بات کا زبان سے نکالنا مجھ کو زیب نہیں دیتا، کس طرح لوگ ایسی نامعقول بات منہ سے نکالتے ہیں؟! بھلا جس پاکباز خاتون کو سید الانبیاء اور راس المستقین ﷺ کی زوجیت کیلئے چنا گیا، کیا وہ -معاذ اللہ- خود بے آبرو ہو کر پیغمبر ﷺ کی آبرو کو پٹہ لگائے گی؟

نہیں ایسا کسی صورت میں ہو ہی نہیں سکتا۔

بلکہ ہونہ ہو دشمنوں نے ایک بے تصور پر بہتان باندھا ہے۔

۴۷۵۳۔ حدثنا محمد بن المثنی: حدثنا يحيى، عن عمر بن سعيد بن أبي حسين

قال: حدثني ابن أبي مليكة قال: استأذن ابن عباس قبل موتها على عائشة وهي مغلوبة
قالت: أخشي أن ينسي علي، فقيل: ابن عم رسول الله ﷺ ومن وجوه المسلمين، قالت
الذواله، فقال: كيف تجدنيك؟ قالت: بخير إن أتيت، قال: فأنت بخير إن شاء الله
تعالى، زوجة رسول الله ﷺ ولم ينكح بكراً غيرك، ونزل عذرك من السماء. ودخل
ابن الزبير خلاله فقالت: دخل ابن عباس فألقى علي وددت أني كنت لسيا منسيا. [راجع:
۳۷۷۱]

ترجمہ: ابن ابی ملیکہ رحمہ اللہ نے بیان کیا کہ ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وفات
سے تھوڑی دیر پہلے جب کہ وہ نزع کی حالت میں تھیں، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے آپ کے پاس
آنے کی اجازت چاہی، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ مجھے ڈر ہے کہ کہیں میری تعریف نہ کرنے لگیں،
کسی نے عرض کیا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے چچا زاد بھائی ہیں اور خود بھی عزت دار ہیں۔ اس پر حضرت عائشہ رضی
اللہ عنہا نے فرمایا کہ پھر انہیں اجازت دے دو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے پوچھا آپ کس حال میں ہیں
؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا اگر میں تقویٰ اختیار کرنے والوں میں سے ہوں تو خیریت ہے، حضرت
ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا ان شاء اللہ آپ اچھی ہی رہیں گی، آپ رسول اللہ ﷺ کی زوجہ مطہرہ ہیں، آپ کے
سوا آنحضرت ﷺ نے کسی کنواری عورت سے نکاح نہیں فرمایا، اور آپ کی براءت آسمان سے نازل ہوئی۔ پھر ان
کے تشریف لے جانے کے بعد حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما حاضر ہوئے، تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے
ان سے فرمایا کہ ابھی ابن عباس آئے تھے اور انہوں نے میری تعریف کی ہے تو میں چاہتی ہوں کہ میں بھولی بسری
گناہم ہوتی۔

۴۷۵۴۔ حدثنا محمد بن المثنی: حدثنا عبد الوهاب بن عبد المجيد: حدثنا ابن

عون، عن القاسم: أن ابن عباس رضي الله عنهما استأذن علي عائشة نحوه، ولم يذكر:
لسيا منسيا. [راجع: ۳۷۷۱]

ترجمہ: ابن عون بیان کرتے ہیں قاسم کے واسطے سے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت عائشہ
رضی اللہ عنہا کے پاس آنے کی اجازت چاہی، پھر مذکورہ روایت بیان کی، لیکن اس میں راوی نے لفظ "لسيا
منسيا" کو ذکر نہیں کیا۔

(۹) باب قوله: ﴿يَعْظُمُ اللَّهُ أَنْ تَعُوذُوا لِمِثْلِهِ أَبَدًا﴾ الآية [۱۷]

اس ارشاد کا بیان: ”اللہ تمہیں نصیحت کرتا ہے کہ پھر کبھی ایسا نہ کرنا۔“

۳۷۵۵ - حدثنا محمد بن يوسف: حدثنا سفیان، عن الأعمش، عن أبي الضحى، عن مسروق، عن عائشة رضي الله عنها قالت: جاء حسان بن ثابت يستأذن عليها، قلت: أناذلين لهذا؟ قالت: أوليس قد أصابه عذاب عظيم؟ قال سفیان: تعني ذهاب بصره، فقال:

حصان رزان ما نزن برية وتصبح غرثي من لحوم الغوائل

قالت: لكن أنت. [راجع: ۳۱۳۶]

ترجمہ: حضرت مسروق رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضرت حسان بن ثابت ؓ نے ان کے پاس آنے کی اجازت چاہی، مسروق کہتے ہیں کہ میں نے کہا کہ کیا آپ انہیں اجازت دیتی ہیں آنے کی؟ (انہوں نے تہمت لگانے والوں کا ساتھ دیا تھا اس لئے یہ بات کہی) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ کیا انہیں اس کی بڑی سزا مل نہیں چکی ہے؟ راوی سفیان رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اس بات سے انکے نابینا ہونے کی طرف اشارہ تھا۔ پھر حضرت حسان بن ثابت ؓ نے یہ شعر پڑھا:

وہ پاکدامن دباوقار ہیں کبھی ان پر تہمت نہیں لگائی جاسکتی وہ صبح میں بھوکی رہتی ہیں، بے خبر عورتوں کے گوشت سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ لیکن آپ ایسے نہیں ہیں۔

(۱۰) باب: ﴿وَيُؤَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ الْآيَاتِ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ﴾ [۱۸]

باب: ”اور اللہ تمہارے سامنے ہدایت کی باتیں صاف صاف بیان کر رہا ہے۔ اور اللہ علم کا بھی مالک ہے، حکمت کا بھی مالک ہے۔“

۳۷۵۶ - حدثنا محمد بن بشار: حدثنا ابن أبي عدي: أنبأنا شعبة، عن الأعمش، عن أبي الضحى، عن مسروق قال: دخل حسان بن ثابت على عائشة فشبه وقال:

حصان رزان ما نزن برية وتصبح غرثي من لحوم الغوائل

قالت عائشة: لست كذاك، قلت: تدعين مثل هذا يدعلك عليك وقد أنزل الله

﴿وَالِدِي تَوَلَّى كِبْرَهُ مِنْهُمْ﴾ فقالت: وأي عذاب أشد من العمى، وقالت: وقد كان يرد عن رسول الله ﷺ. [راجع: ۳۱۳۶]

ترجمہ: حضرت مسروق رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہما حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے اور یہ شعر پڑھا:

وہ پاکدامن و باوقار ہیں کبھی ان پر تہمت نہیں لگائی جاسکتی وہ صبح میں بھوکی رہتی ہیں، بے خبر عورتوں کے گوشت سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ لیکن آپ ایسے نہیں ہیں۔ بعد میں عرض کیا کہ آپ ایسے شخص کو اپنے پاس کیوں آنے دیتی ہیں جن کے بارے میں یہ آیت بھی اللہ تعالیٰ کی جانب سے نازل ہوئی ہے ﴿وَالِدِي تَوَلَّى كِبْرَهُ مِنْهُمْ﴾، تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ تاہنا ہونے سے بڑھ کر کیا عذاب ہوگا؟ اور پھر فرمایا کہ حسان بن ثابت رسول اللہ ﷺ کی طرف سے کفار کی ہجو کا رد کیا کرتے تھے۔

(۱۱) باب: ﴿إِنَّ الدِّينَ يُحِبُّونَ أَنْ تَشِيعَ الْفَاحِشَةُ فِي الدِّينِ آمَنُوا﴾ الآية إلى

قوله: ﴿رَوْؤُفٌ رَحِيمٌ﴾ [۱۹-۲۰] ﴿وَلَا يَأْتَلِ أُولُو الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ أَنْ يُؤْتُوا

أُولَى الْقُرْبَىٰ وَالْمَسَاكِينِ﴾ إلى قوله: ﴿وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ﴾ [۲۲]

باب: ”یاد رکھو کہ جو لوگ یہ چاہتے ہیں کہ ایمان والوں میں بے حیائی پھیلے۔“ (آیت: ۱۹) اس آیت

تک: ”اور اللہ بڑا شفیق، بڑا مہربان ہے۔“ (آیت: ۲۰)

”اور تم میں سے جو لوگ اہل خیر ہیں اور مالی وسعت رکھتے ہیں، وہ ایسی قسم نہ کھائیں کہ وہ رشتہ

داروں اور مسکینوں کو کچھ نہیں دیں گے۔“ یہاں تک۔ ”اور اللہ بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے۔“

۳۷۵۔ وقال أبو أسامة، عن هشام بن عروة قال: أخبرني أبي، عن عائشة قالت:

لما ذكر من شأني الذي ذكر وما علمت به قام رسول الله ﷺ فلي عطياً فشهد فحمد الله وأنى عليه بما هو أهله ثم قال: ((أما بعد، أظيرو على في الناس أبناو أعلی. وإیم الله ما علمت هلی أهلی من سوء، وأبنوهم بمن والله ما علمت علیه من سوءٍ قط. ولا یدخل بیعی قط إلا وأنا حاضر، والا غبت فی سفر إلا غاب معی)). فقام سعد بن معاذ فقال: الذن لی یا رسول الله أن تضرب أعناقهم. وقام رجل من بنی الخزرج وکانت أم حسان بن ثابت من

رھط ذلك الرجل فقال: كذبت، اما والله ان لو كانوا من الأوس ما أجهت أن تضرب اعناقهم، حتى كاد أن يكون بين الأوس والخزرج شر في المسجد، وما علمت. فلما كان مساء ذلك اليوم خرجت لبعض حاجتي ومعى أم مسطح فعثرت وقالت: تعس مسطح. فقلت: أى أم، تسبين ابنك؟ وسكتت ثم عثرت الثانية فقالت: تعس مسطح، فقلت لها: تسبين ابنك؟ ثم عثرت الثالثة فقالت: تعس مسطح، فانتهرتها، فقالت: والله ما أسبه إلا ليك. فقلت: فى أى شأنى؟ قالت: فبقرت لى الحديث، فقلت: وقد كان هذا؟ قالت: نعم، والله فرجعت إلى بيتى كان الذى له لا أجد منه لليل ولا كثيراً. ووعت فقلت لرسول الله ﷺ أرسلنى إلى بيت أبى، فأرسل معى الغلام فدخلت الدار فوجدت أم رومان فى السفلى وأبا بكر فوق البيت يقرأ. فقالت أمى: ما جاء بك يا بنية؟ فأخبرتها وذكرت لها الحديث وإذا هو لم يبلغ منها ما بلغ منى. فقالت: يا بنية، خفضى عليك الشأن لإله والله لقلما كانت امرأة قط حسناء عند رجل يحبها لها ضرائز إلا حسدنها وليل فيها، وإذا لم يبلغ منها ما بلغ منى. قلت: وقد علم به أبى؟ قالت: نعم. قلت: ورسول الله ﷺ؟ قالت: نعم، ورسول الله ﷺ. واتعبرت وبكيت فسمع أبو بكر صوتى وهو فوق البيت يقرأ فنزل فقال لأمى: ما شأنها؟ قالت: بلغها الذى ذكر من شأنها ففاظت عيناه. قال: أقسمت عليل أى بنية إلا رجعت إلى بيتك، فرجعت. ولقد جاء رسول الله ﷺ بيتى فسأل عنى خادمتى فقالت: لا والله ما علمت عليها عيباً إلا أنها كانت ترقد جتى تدخل الشاة لتأكل خميرها أو عجينها. وانتهرها بعض أصحابه فقال: اصدقنى رسول الله ﷺ، حتى اسقطوا لها به. فقالت: سبحان الله، والله ما علمت عليها إلا ما يعلم الصالح على تبر الذهب الأحمر. وبلغ الأمر إلى ذلك الرجل الذى قيل له، فقال: سبحان الله، والله ما كشفت كنف أنى قط. قالت عائشة: فقتل شهيداً فى سبيل الله، قالت: وأصبح أبو اى عندى فلم يزا حتى دخل على رسول الله ﷺ وقد صلى العصر. ثم دخل وقد اكتفنى أبو اى عن يمينى وعن شمالى. فحمد الله وأثنى عليه، ثم قال: ((أما بعد، يا عائشة إن كنت فارقت سواء أ أو ظلمت فتوبى إلى الله فإن الله يقبل التوبة عن عباده)). قالت: وقد جاءت امرأة من الأنصار لى جالسة بالباب. فقلت: ألا تستحى من هذه المرأة أن تذكر شيئاً؟ فوعظ رسول الله ﷺ فالتفت إلى أبى فقلت: أجهه، قال: لماذا أقول؟ فالتفت إلى أمى فقلت: أجهيه، فقالت: أقول ماذا؟ فلما لم يجيبها تشهدت فحمدت الله تعالى وأثبت عليه بما هو أهله. ثم قلت: أما بعد،

لوالله لئن قلت لكم: إني لم أفعل، والله عز وجل يشهد إني لصادقة، ما ذاك بنافعي عندكم، لقد تكلمتم به وأضر به قلوبكم، وإن قلت: إني فعلت، والله يعلم إني لم أفعل لعقولن قد باءت به على نفسها، وإني والله ما أجد لي ولكم مثلاً - والتمست اسم يعقوب فلم أدر عليه - إلا أبا يوسف حين قال: ﴿فَصَبَّرَ جَمِيلٌ وَاللَّهُ الْمُسْتَعَانُ عَلَى مَا تَصِفُونَ﴾. وأنزل على رسول الله ﷺ من ساعته فسكتنا فرجع عنه وإني لأتبين السرور في وجهه وهو يمسح جنبه ويقول: ((أبشري يا عائشة، لقد أنزل الله براءتك)). قالت: وكنت أشد ما كنت غضباً، فقال لي أبوأي: قومي إليه، فقلت: والله لا أقوم إليه ولا أحمده ولا أحمد كما، ولكن أحمد الله الذي أنزل براءتي. لقد سمعتموه فما أنكرتموه ولا غيرتموه: وكانت عائشة تقول: أما زينب ابنة جحش فعصمها الله بدينها فلم تفل إلا خيراً، وأما اختها حمنة فهلكت لمن هلك. وكان الذي يتكلم فيه مسطح وحسان بن ثابت والمنافق عبد الله بن أبي وهو الذي كان يستوشيه ويجمعه وهو الذي تدلى كبره منهم هو وحمنة. قالت: فحلف أبو بكر أن لا ينفع مسطحاً بنافعة أبداً، فأنزل الله عز وجل ﴿وَلَا يَأْتَلِ أُولُو الْفَضْلِ مِنْكُمْ﴾ إلى آخر الآية، يعني أبا بكر ﴿وَالسَّعَةِ أَنْ يُؤْتُوا أُولَى الْقُرْبَى وَالْمَسَاكِينَ﴾ يعني مسطحاً، وإلى قوله: ﴿أَلَا تَحِبُّونَ أَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ﴾ حتى قال أبو بكر: بلى والله يا ربنا إنا لنحب أن تغفر لنا، وعاد له بما كان يصنع. [راجع: ۲۵۹۳]

صحابہ کرام ﷺ کو اعلیٰ اخلاق کی تعلیم

ولا یاتل - اعلیاء کے معنی قسم کھانے کے ہیں۔

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر تہمت کے واقعہ میں مسلمانوں میں سے حضرت مسطح اور حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہما جتلاء ہو گئے تھے، جن پر رسول اللہ ﷺ نے نزول آیت برأت کے بعد حد قذف جاری فرمائی۔ حضرت مسطح بن اثاثہ اور حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہما دونوں ہی جلیل القدر صحابی غزوہ بدر کے شرکاء میں سے ہیں، مگر ایک لغزش ہو گئی جس سے توبہ صادقہ نصیب ہوئی اور حق تعالیٰ نے جس طرح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی برأت نازل فرمائی، اسی طرح ان مؤمنین کی توبہ قبول کرنے اور معاف کرنے کا بھی اعلان کر دیا۔ مسطح بن اثاثہ رضی اللہ عنہ، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عزیز رشتہ دار بھی تھے اور مفلس بھی، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ان کی مالی مدد فرمایا کرتے تھے۔

جب واقعہ افک میں ان کی گونہ شرکت ثابت ہوئی تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے والد کی شفقت پوری اور بیٹی کو ایسا سخت صدمہ پہنچانے کی وجہ سے طبعی طور پر مسطح سے رنج پیدا ہو گیا اور قسم کھا بیٹھے کہ آئندہ ان کی کوئی مالی مدد نہیں کریں گے۔

یہ ظاہر ہے کہ کسی خاص فقیر کی مالی مدد کرنا کسی خاص مسلمان پر علیٰ یقین واجب نہیں، اور جس کی مالی مدد کوئی کرتا ہے، اگر وہ اُس کو روک لے تو گناہ کی کوئی وجہ نہیں مگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت کو حق تعالیٰ دنیا کے لئے ایک مثالی معاشرہ بنانے والے تھے اس لئے ایک طرف جن لوگوں سے لغزش ہوئی ان کو سچی توبہ اور آئندہ اصلاح حال کی نعمت سے نوازا۔

دوسری طرف جن بزرگوں نے طبعی رنج و ملال کے سبب ایسے غریب فقیر کی مدد ترک کرنے کی قسم کھالی ان کو اعلیٰ اخلاق کی تعلیم دی گئی کہ ان کو یہ قسم توڑ دینا اور اس کا کفارہ ادا کر دینا چاہئے، انکی مالی امداد سے دست کش ہو جانا ان کے مقام بلند کے مناسب نہیں، جس طرح اللہ تعالیٰ نے ان کو معاف کیا ان کو بھی عفو و درگزر سے کام لینا چاہئے۔ چونکہ حضرت مسطح بن اثاثہ رضی اللہ عنہ کی مالی امداد کرنا کوئی شرعی واجب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ذمہ نہیں تھا اس لئے قرآن کریم نے عنوان یہ اختیار فرمایا کہ اہل علم و فضل جن کو اللہ نے دینی کمالات عطا فرمائے ہیں اور جن کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی وسعت و گنجائش بھی ہے ان کو ایسی قسمیں نہیں کھانی چاہئیں۔ آیت میں دو لفظ "اولوا الفضل" اور "والسعة" اسی معنی کے لئے آیا ہے۔

اسی آیت کے آخری جملے میں جو ارشاد ہوا کہ ﴿أَلَا تُحِبُّونَ أَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ﴾ یعنی کیا تم یہ پسند نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے گناہ معاف فرمادے؟ تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فوراً فرمایا کہ "بلی واللہ ما رہنا إنا لنحب أن تغفر لنا، وعاد لہ بما کان یصنع" یعنی کیوں نہیں! اللہ کی قسم! میں ضرور یہ چاہتا ہوں کہ اے ہمارے رب! تو ہماری مغفرت فرمادے۔ اور پھر پہلے کی طرح حضرت مسطح رضی اللہ عنہ کی امداد جاری فرمادی۔ یہ وہ مکارم اخلاق ہیں جن سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تربیت کی گئی ہے۔

(۱۲) باب: ﴿وَلْيَضْحَكُوا بِغُفْرِهِمْ عَلَىٰ جُيُوبِهِمْ﴾

باب: "اور اپنی اوڑھنیوں کے آچھل اپنے گریبانوں پر ڈال لیا کریں۔"

۴۷۵۸۔ وقال أحمد بن حنبل: حدثنا أبي، عن يونس: قال ابن شهاب، عن

عروۃ، عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت: یرحم اللہ نساء المهاجرات الأول، لما أنزل اللہ ﴿وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلَىٰ جُيُوبِهِنَّ﴾ شققن مروطن فاختمرن بہا. [انظر: ۴۷۹] ۱
ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان عورتوں پر رحم فرمائے جنہوں نے پہلی بار ہجرت کی تھی، جب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ ﴿وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلَىٰ جُيُوبِهِنَّ﴾ بدن تو انہوں نے اپنی چادروں کو پھاڑ کر اپنے دوپٹے بنا لئے۔

۴۷۹ - حدثنا أبو نعیم: حدثنا ابراہیم بن نافع، عن الحسن بن مسلم، عن صفیة بنت شیبہ: أن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت تقول: لما نزلت هذه الآية ﴿وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلَىٰ جُيُوبِهِنَّ﴾ أخذن أزهرن فشقنہا من قبل الحواشی فاختمرن بہا. [راجع: ۴۷۸]
ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی ﴿وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلَىٰ جُيُوبِهِنَّ﴾ (تو انصار کی عورتوں نے سنتے ہی) اپنی چادروں کے کنارے پھاڑ کر انکی اوڑھنیاں بنا لیں۔

زینت اور پردہ کی توضیح

﴿وَلَا يَتَّبِعُنَّ إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلَىٰ جُيُوبِهِنَّ﴾

”زینت“ لغوی معنی کے اعتبار سے اس چیز کو کہا جاتا ہے جس سے انسان اپنے آپ کو مزین اور خوش منظر بنائے۔ وہ عمدہ کپڑے بھی ہو سکتے ہیں، زیور بھی۔

یہ چیزیں جبکہ کسی عورت کے بدن پر نہ ہوں تو با تفاق امت ان کو دیکھنا مردوں کے لئے بھی حلال ہے جیسے بازار میں بکنے والے زنانہ کپڑے اور زیور کہ ان کے دیکھنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

اس لئے جمہور مفسرین نے اس آیت میں زینت سے مراد محل زینت یعنی وہ اعضاء جن میں زینت کی چیزیں زیور وغیرہ پہنی جاتی ہیں وہ مراد لئے ہیں اور معنی آیت کے یہ ہیں کہ عورتوں پر واجب ہے کہ وہ اپنی زینت کے مواقع زینت کو ظاہر نہ کریں۔

اس آیت میں جو عورت کیلئے اظہار زینت کو حرام قرار دیا ہے آگے اس حکم سے دو استثناء بیان فرمائے

کئے ہیں:

ایک منظور کے اعتبار سے ہے یعنی جس کی طرف دیکھا جائے۔
دوسرا ناظر یعنی دیکھنے والوں کے اعتبار سے۔

احکام پردہ سے استثناء

پہلا استثناء "ماظہر منہا" کا ہے یعنی عورت کے لئے اپنی زینت کی کسی چیز کو مردوں کے سامنے ظاہر کرنا جائز نہیں۔ بجز ان چیزوں کے جو خود بخود ظاہر ہو ہی جاتی ہیں یعنی کام کاج اور نقل و حرکت کے وقت جو چیزیں عادی کھل ہی جاتی ہیں اور عادی ان کا چھپانا مشکل ہے وہ مستثنیٰ ہیں اُن کے اظہار میں کوئی گناہ نہیں ہے اس سے کیا مراد ہے؟ اس بارے میں حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی تفسیریں مختلف ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ "ماظہر منہا" میں جس چیز کو مستثنیٰ کیا گیا ہے وہ اوپر کے کپڑے ہیں جیسے برقع یا لمبی چادر جو برقع کے قائم مقام ہتی ہے۔ یہ کپڑے زینت کے کپڑوں کو چھپانے کے لئے استعمال کئے جاتے ہیں۔ تو آیت سے مراد یہ ہے کہ زینت کی کسی چیز کو ظاہر کرنا جائز نہیں۔ بجز ان اوپر کے کپڑوں کے جن کا چھپانا ضرورت باہر نکلنے کے وقت ممکن نہیں جیسے برقع وغیرہ۔

اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اس سے مراد چہرہ اور ہتھیلیاں ہیں کیونکہ جب عورت کسی ضرورت سے باہر نکلنے پر مجبور ہو تو نقل و حرکت اور لین دین کے وقت چہرے اور ہتھیلیوں کا چھپانا مشکل ہے۔

خلاصہ یہ کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی تفسیر کے مطابق تو غیر محرم مردوں کے سامنے عورت کو چہرہ اور ہاتھ کا کھولنا بھی جائز نہیں صرف اوپر کے کپڑے برقع وغیرہ کا اظہار بضرورت مستثنیٰ ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی تفسیر کے مطابق چہرہ اور ہاتھوں کی ہتھیلیاں بھی غیر محرموں کے سامنے کھولنا جائز ہے۔

اس لئے فقہائے امت کا بھی اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ چہرہ اور ہتھیلیاں پردے سے مستثنیٰ اور ان کا غیر محرموں کے سامنے کھولنا جائز ہے یا نہیں؟

مگر اس پر سب کا اتفاق ہے کہ اگر چہرہ اور ہتھیلیوں پر نظر ڈالنے سے فتنہ کا اندیشہ ہو تو ان کا دیکھنا بھی جائز نہیں اور عورت کو اُن کو کھولنا بھی جائز نہیں۔ اسی طرح اس پر بھی سب کا اتفاق ہے کہ ستر عورت جو نماز میں اجماعاً اور خارج نماز علی الاصح فرض ہے اُس سے چہرہ اور ہتھیلیاں مستثنیٰ ہیں، اگر ان کو کھول کر نماز پڑھی تو نماز باطلاق صحیح و درست ہو جائے گی۔

آیت کا مقتضاء یہ معلوم ہوتا ہے کہ عورت کے لئے اصل حکم یہ ہے کہ وہ اپنی زینت کی کسی چیز کو بھی ظاہر نہ ہونے دے بجز اُس کے جو نقل و حرکت اور کام کاج میں عادتاً کھل ہی جاتی ہے اور ان میں برقع اور چادر بھی داخل ہیں اور چہرہ اور ہتھیلیاں بھی کہ جب عورت کسی مجبوری اور ضرورت سے باہر نکلتی ہے تو برقع چادر وغیرہ کا ظاہر ہونا تو متعین ہی ہے لیکن دین کی ضرورت میں بعض اوقات چہرہ اور ہاتھ کی ہتھیلیاں بھی کھل جاتی ہیں تو وہ بھی معاف ہیں گناہ نہیں۔

لیکن اس آیت سے یہ کہیں ثابت نہیں کہ مردوں کو چہرہ اور ہتھیلیاں بھی دیکھنا بھی بلا ضرورت جائز ہے بلکہ مردوں کا تو وہی حکم ہے کہ نگاہ پست رکھیں اگر عورت کہیں چہرہ اور ہاتھ کھولنے پر مجبور ہو جائے تو مردوں کو لازم ہے کہ بلا عذر شرعی اور بلا ضرورت کے اس کی طرف نہ دیکھیں۔ اس توجیہ میں دونوں روایتیں اور تفسیریں جمع ہو جاتی ہیں۔

امام مالک رحمہ اللہ کا مشہور مذہب بھی یہی ہے کہ غیر محرم کے چہرہ اور ہتھیلیوں پر نظر کرنا بھی بغیر ضرورت میسجہ کے جائز نہیں۔ ۷

اور زواج میں ابن حجر کی شافعی رحمہ اللہ نے امام شافعی رحمہ اللہ کا بھی یہی مذہب نقل کیا ہے کہ اگر چہ عورت کا چہرہ اور ہتھیلیاں ستر عورت میں کے فرض میں داخل نہیں ان کو کھول کر بھی نماز ہو جاتی ہے مگر غیر محرم مردوں کا ان کا دیکھنا بلا ضرورت شرعیہ جائز نہیں ہے۔ ۵

اور یہ بات پیچھے گزر چکی ہے کہ جن فقہاء نے چہرہ اور ہتھیلیوں کو دیکھنا جائز قرار دیا ہے وہ بھی اس پر متفق ہیں کہ اگر فتنہ کا اندیشہ ہو تو چہرہ وغیرہ دیکھنا بھی ناجائز ہے اور یہ ظاہر ہے کہ حسن اور زینت کا اصل مرکز انسان کا چہرہ ہے اور زمانہ فتنہ و فساد اور غلبہ ہوئی اور غفلت کا ہے اس لئے بجز مخصوص ضرورتوں کے مثلاً علاج، معالجہ یا کوئی خطرہ شدید وغیرہ کے عورت کو غیر محرم کے سامنے قصداً چہرہ کھولنا بھی ممنوع ہے اور مردوں کو اُس کی طرف قصداً نظر کرنا بھی بغیر ضرورت شرعیہ کے جائز نہیں۔

آیت مذکورہ میں زینتِ ظاہرہ کے استثناء کے بعد ارشاد ہے ﴿وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلَىٰ جُيُوبِهِنَّ﴾ یعنی اور اپنی اوڑھنیوں کے آچھل اپنے گریبانوں پر ڈال لیا کریں۔

”خمر“ - عمامہ کی جمع ہے اُس کپڑے کو کہتے ہیں جو عورت سر پر استعمال کرے اور اُس سے گلا اور سینہ بھی چھپ جائے۔

۷ کے مواہب الجلیل فی شرح مختصر العلیل، ج: ۵، ص: ۳۹۳.

۵ الزواج عن القرال الکتاب، ج: ۲، ص: ۶، المجموع شرح المہذب، باب سفر العورة، ج: ۳، ص: ۱۶۷.

”جہوب“ - جہب کی جمع ہے، جس کے معنی ہیں گریبان۔ چونکہ زمانہ قدیم سے گریبان سینہ ہی پر ہونے معمول ہے اس لئے ”جہوب“ کے چھپانے سے مراد سینہ کا چھپانا ہے۔

بدن کی خلقی زیبائش میں سب سے زیادہ نمایاں چیز سینہ کا ابھار ہے، اس کے مزید تستر کی خاص طور پر تاکید فرمائی اور جاہلیت کی رسم کو مٹانے کی صورت بھی بتلا دی۔

شروع آیت میں اظہارِ زینت کی ممانعت تھی، اس جملہ میں اخفاءِ زینت کی تاکید اور اس کی ایک صورت کا بیان ہے جس کی اصل وجہ ایک رسمِ جاہلیت کا مٹانا ہے زمانہ جاہلیت میں عورتیں دوپٹے سر پر ڈال کر اس کے دونوں کنارے پشت پر چھوڑ ڈیتی تھیں، جس کی وجہ سے گریبان، گلا، سینہ اور کان کھلے رہتے تھے، اس طرح سینہ کی بیست نمایاں رہتی تھی، یہ گویا حسن کا مظاہرہ تھا۔

اس لئے مسلمان عورتوں کو حکم دیا گیا کہ وہ ایسا نہ کریں، بلکہ دوپٹے کو سر پر سے لا کر کے دونوں دوسرے پر پلٹ دیں تاکہ اس طرح کان، گردن اور سینہ پوری طرح مستور ہو جائیں اور یہ سب انشاءً چھپ جائیں۔ ۱

۱ لیس: القرطبی، سورۃ النور، ج: ۱۲، ص: ۲۲۸ - ۲۳۱، واحکام القرآن للجصاص، ج: ۳، ص: ۳۱۵، معارف القرآن، ج: ۷، ص: ۲۱۹، و- ج: ۶، ص: ۲۹۵، تکملة فتح الملحم، ج: ۳، ص: ۲۶۱ - ۲۶۹، الہدایۃ، ج: ۳، ص: ۳۵۸، الدر المختار، ج: ۶، ص: ۳۷۰، رد المحتار، ج: ۱، ص: ۳۰۶، و- ج: ۶، ص: ۳۷۰، امداد القاری، ج: ۳، ص: ۱۹۷، و- ج: ۲، ص: ۲۸۱۔

انعام الباری شرح صحيح البخاری

- انعام الباری جلد ۱: كتاب بدء الوحي، كتاب الإيمان
- انعام الباری جلد ۲: كتاب العلم، كتاب الوضوء، كتاب الغسل، كتاب الحيض، كتاب التيمم.
- انعام الباری جلد ۳: كتاب الصلاة، كتاب مواقيت الصلاة، كتاب الأذان.
- انعام الباری جلد ۴: كتاب الجمعة، كتاب الخوف، كتاب العيدين، كتاب الوتر، كتاب الاستمقاء، كتاب الكسوف، كتاب سجود القرآن، كتاب تقصير الصلاة، كتاب التهجد، كتاب فضل الصلاة في مسجد مكة والمدينة، كتاب العمل في الصلاة، كتاب السهو، كتاب الجنائز.
- انعام الباری جلد ۵: كتاب الزكاة، كتاب الحج، كتاب العمرة، كتاب المحصر، كتاب جزاء الصيد، كتاب فضائل المدينة، كتاب الصور، كتاب صلاة التراويح، كتاب فضل ليلة القدر، كتاب الاعتكاف.
- انعام الباری جلد ۶: فقه المعاملات (حصه اول): كتاب البيوع، كتاب السلم، كتاب الشفعة، كتاب الإجارة، كتاب الحوالات، كتاب الكفالة، كتاب الوكالة، كتاب الحرث والمزارعة.
- انعام الباری جلد ۷: فقه المعاملات (حصه دوم): كتاب المساقاة، كتاب الإسقراض واداء الدين والحجر والتفليس، كتاب الخصومات، كتاب في اللقطة، كتاب المظالم، كتاب الشركة، كتاب الرهن، كتاب العنق، كتاب المكاتب، كتاب الهبة وفضلها والتحرير عليها، كتاب الشهادات، كتاب الصلح، كتاب الشروط، كتاب الوصايا، كتاب الجهاد والسير، كتاب فرض الخمس، كتاب الجزية والموادعة.
- انعام الباری جلد ۸: كتاب بدء الخلق، كتاب أحاديث الأنبياء، كتاب المناقب، كتاب فضائل أصحاب النبي ﷺ، كتاب مناقب الأنصار.
- انعام الباری جلد ۹: كتاب المغازي (حصه اول): غزوة العشيرة أو العسيرة - غزوة الحديبية.
- انعام الباری جلد ۱۰: كتاب المغازي (حصه دوم): باب قصة عكل وعرينة - باب كم غزا النبي ﷺ؟
- انعام الباری جلد ۱۱: كتاب التفسير (حصه اول): سورة الفاتحة - سورة النور
- انعام الباری جلد ۱۲: كتاب التفسير (حصه دوم): سورة الفرقان - سورة الناس، كتاب فضائل القرآن

تعارف: علمی و دینی رہنمائی کی ویب سائٹ www.deenEislam.com

☆.....☆ اغراض و مقاصد.....☆

اسلامی تعلیمات: ویب سائٹ www.deenEislam.com کا مقصد اسلامی تعلیمات کو دنیا بھر کے مسلمانوں تک پہنچانا ہے۔

جدید فقہی مسائل: اس کے ساتھ عصر حاضر کے جدید مسائل جن کا تعلق زندگی کے کسی بھی شعبہ سے ہو، اس کے بارے میں قرآن و سنت کی روشنی میں صحیح رہنمائی کرنا ہے۔

دفاع توہین رسالت و ناموس رسالت و: توہین رسالت کے حملوں کا موثر جواب اور دنیا بھر کے لوگوں کو نبی کریم ﷺ کے اوصاف و کمالات اور تعلیمات سے آگاہی بھی پروگرام میں شامل ہے۔

شبہات کے جوابات: اسلام کے خلاف پھیلائی گئی غلط فہمیوں کو دور کرنا اور مسلمانوں کے ایمانی جذبات کو بیدار رکھنا بھی اس کوشش کا حصہ ہے۔

☆.....☆ آن لائن اصلاحی بیانات.....☆

✽ صدر جامعہ دارالعلوم کراچی مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہ مفتی اعظم پاکستان۔

✽ شیخ الاسلام جسٹس (ر) شریعت ایپلٹ بیج سپریم کورٹ آف پاکستان مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ

✽ مفتی جامعہ دارالعلوم کراچی، حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف صاحب سکھروی مدظلہ کی ہفتہ واری (جمعہ، اتوار و منگل)

کی اصلاحی مجالس آن لائن لائیو بیان۔

✽ سالانہ تبلیغی اجتماع اور دیگر علماء پاک و ہند کی تقاریر بھی اب انٹرنیٹ پر اس ویب سائٹ پر سنی جاسکتی ہیں۔

☆.....☆ آپ کے مسائل اور ان کا حل: آن لائن دارالافتاء.....☆

✽ اسی طرح آپ کے مسائل اور ان کا حل ”آن لائن دارالافتاء“ سے بھی گھر بیٹھے آسانی سے استفادہ کیا جاسکتا ہے۔

رابطہ / Contact

PH:00922135046223 Cell:00923003360816

E-Mail:maktabahera@yahoo.com

E-Mail:info@deenislam.com

WebSite:www.deenislam.com